وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رک جایا کرو۔

فیوض الزاهی

فی شرح

سنن النسائی

جلد سوئم

حدیث نمبر

۲۲۰ — ۳۲۳

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رُک جایا کرو۔

فیوض النسائی

فی شرح

سنن النسائی

جلد سوئم

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس لاہور

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ

اُردو بازار ○ لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فیوض الزاهی

فی شرح

سنن النسائی

جلد سوئم

تصنیف ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

بار اول	اپریل 2016ء
پرنٹرز	آصف صدیق، پرنٹرز
تعداد	1100/-
ناشر	چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	روپے =/

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست مشمولات

☆☆☆☆☆

تھنیت

برائے رونمائی شرح سنن نسائی

از ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان صاحب

آپ پر اللہ کا ہے فضلِ عمیم — ہو مبارکباد اے مفتی کریم
ہمت و جرات تمہاری مرحبا — لائقِ تحسین ہے عزمِ صمیم
آپ نے لکھی نسائی کی شرح — کر دکھایا آپ نے کارِ عظیم
رہتے ہیں مصروف تصنیفات میں — یہ نہیں کہتے کبھی انی سقیم
دیکھ کر تیری لگن خلوت سرا — لگتا ہے کہ ہو من اصحاب الرقیم
دوسری جلد آ گئی ہے آپ کی — ہو گئی ہے اب یہ ایک شرحِ عظیم
آپ کو ہم دیتے ہیں دل سے دعا — ہو عطا رب سے تمہیں قلبِ سلیم
اے خدا ان کو عطا کر ایک گھر — خُلد میں ہو فی جنات النعیم
بارك الله لك فی سعیك — اور ہو توفیق من رب رحیم
کہتے ہو یہ شفقت ہے استاد کی — میں کریم ہوں اوراُستاذی کَریم
اسم استاذی فسوف تعلمون — مفتیء حق سیدی عبدالعلیم
اپنے شاگردوں پہ ہیں کتنے شفیق — ہیں یقیناً وہ ایک استادِ عظیم
صابری بھی ہے دعا گو آپ کا — مہرباں ہو دمبدم ربِ کریم

از قلم: مفتی امیر علی صابری

بتاریخ: ۱۴-۱۱-۲۰۱۵ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ النَّهْيِ عَنِ اغْتِسَالِ الْجُنُبِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

باب ۱۳۹: جمع شدہ پانی میں جنبی کے نہانے کی ممانعت

جنبی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر شرعاً غسل کرنا فرض ہوتا ہے اس سے مراد مرد وعورت دونوں ہیں ایسے مرد وعورت کا ٹھہرے ہوئے پانی میں نہانا منع ہے اگر یہ پانی کثیر ہے تو نہانا مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے پچھلے باب میں ماہواری اور بیماری کے خون کا فرق بیان ہوا تھا اس باب میں ناپاکی کی حالت میں جمع شدہ پانی میں غسل نہ کرنے کا بیان ہے دونوں ابواب کا تعلق غسل کے متعلقات سے ہے اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۲۲۰۔أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِينٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ وَاللَّفْظُ لَهُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرٍ، أَنَّ أَبَا السَّائِبِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے کوئی جنبی شخص جمع شدہ پانی میں نہ نہائے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۳۰، ۳۹۴، مسلم: ۲۸۳، ابن ماجہ: ۶۰۵، تحفۃ الاشراف: ۱۴۹۳۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں جن میں چھ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں حضرت ابوالسائب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف لکھا جاتا ہے:

۱۔سلیمان بن داؤد:	راجع: ۷۹	۲۔الحارث بن مسکین:	راجع: ۹
۳۔ابن وہب:	ایضاً	۴۔عمرو بن الحارث:	راجع: ۷۹
۵۔بکیر:	راجع: ۲۱۱		

۶۔ابوالسائب:

آپ کا نام ابوسائب عبداللہ بن سائب انصاری مدنی ہے آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں آپ عبداللہ بن ہشام بن

زہرہ کے زیر ملکیت رہے' آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(i)

۷۔ابوھریرۃ: راجع:۱

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پچانویں (۹۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ ''والـلـفـظ لـه'' سے مراد ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شیوخ سے یہ حدیث مبارکہ سماعت کی ہے' جن کے الفاظ مختلف ہیں' اور مفہوم ایک جیسا ہے' اور اس روایت کے الفاظ شیخ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

☆ ''قراءة عليه وانا اسمع'' سے مراد ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ ایسی جگہ بیٹھ کر سماعت کی' جہاں پر شیخ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں سے اوجھل تھے' کیونکہ حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان حالات ناموافق تھے' اس لئے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شیخ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں سے اوجھل بیٹھ کر احادیث مبارکہ کی سماعت کرتے تھے۔

☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سب سے زیادہ روایات بیان کرنے والے راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ' صیغہ سماعت ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سمع:	اس نے سنا	**لا يغتسل:**	وہ غسل نہ کرے
احدكم:	تم میں سے کوئی' کوئی ایک	**المآء الدائم:**	جمع شدہ پانی' کھڑا پانی' ٹھہرا پانی
جنب:	ناپاک۔پلید		

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۵۲

---

i۔الثقات' ج ۵' ص ۵۶۱ ii۔تقریب التھذیب' ج ۲' ص ۵۲۴

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جنبی ہونے کی حالت میں جمع شدہ پانی میں غسل نہیں کرنا چاہیے۔

☆ باتفاق فقہاء مذاہب اربعہ اگر پانی قلیل ہے تو جنبی کا اس میں نہانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر پانی کثیر ہے تو نہانا مکروہ تنزیہی ہے۔

☆ شوافع وحنابلہ کے نزدیک قلیل پانی کی تحدید دو مٹکے (قلتین) کی مقدار ہے، جس کی مقدار عصری پیمانہ کے مطابق دوسوستائیس (۲۲۷) کلولیٹر بنتی ہے۔

☆ فقہاء احناف کے ہاں قلیل پانی کی مقدار کا تعین دس دردس (۱۰×۱۰) ہاتھ کی مقدار کے برابر حوض ہے۔

☆ فقہاء مالکیہ کے نزدیک قلیل پانی وہ ہے، جو وضو یا غسل کے برتن کی مقدار یا اس سے کم ہو۔(۱)

☆ جنبی ہونے کی حالت میں نجاست وغیرہ جسم پر لگی ہوتی ہے اس لئے ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت ہے۔

☆ دریا، سمندر، نہر، نالا اور دیگر جاری شدہ پانی کے اندر نہانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ وَالِاغْتِسَالِ مِنْهُ

باب ۱۴۰: ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور اس میں نہانے کی ممانعت

ماء راکد: ایسا پانی جو ٹھہرا ہوا ہو، یا وہ پانی جو جاری نہ ہو، یا جمع شدہ پانی۔ اس سے مراد ہر قلیل پانی ہے۔ اس باب میں قلیل پانی میں پیشاب و براز کرنے اور اس سے غسل کرنے کی ممانعت کا بیان ہے، یہاں پر بول سے مراد پیشاب اور پاخانہ دونوں ہی ہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔ پچھلے باب میں ٹھہرے ہوئے پانی میں جنبی کے غسل کرنے کی ممانعت کا بیان تھا، اور اس باب میں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور غسل کرنے کی ممانعت کا بیان ہے۔

۲۲۱۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْمُقْرِءُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب اور غسل نہ کرے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارک کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۱۔الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۲، ص ۲۰۲

۲۔اطراف:

تقدم:۳۹۷،احمد:۷۵۲۹،مسند حمیدی:۹۷۵،بخاری:۲۳۹،مسلم:۲۸۲،السنن الکبریٰ:۲۲۵،تحفۃ الاشراف:۱۳۳۹۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو راویوں کے حالات لکھے جاتے ہیں، البتہ حضرت ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ ذرا تفصیل سے لکھے جا رہے ہیں:

۱۔محمد بن عبداللہ: راجع:۱۱ ۲۔سفیان: راجع:۱

۳۔ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عبداللہ نام، والد کا نام ذکوان تھا۔ابوعبدالرحمٰن کنیت۔ابوالزناد لقب، لقب ہی سے وہ مشہور ہیں۔نسباً ہمدانی تھے۔ابوالزناد قریش کی غلامی میں تھے۔لیکن غلامی کی نسبت میں اختلاف ہے۔بعض رملہ بنت ربیعہ کا اور بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد غلام بتاتے ہیں۔

فضل وکمال:

اگرچہ ابوالزناد غلام تھے۔لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے۔اکابر تابعین کے بعد جو بزرگوار علم کے مسند نشین ہوئے ان میں ایک نام ابوالزناد کا بھی ہے۔ان کو جملہ علوم میں یکساں درس حاصل تھی۔امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی ثنا وصفت، ان کے وفور علم ان کے حفظ، ان کے فضل اور مختلف علوم میں ان کی مہارت توثیق اور ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔(۱)

حدیث:

حدیث میں انہوں نے انس بن مالک، عائشہ بنت سعد، ابوامامہ بن سہیل بن حنیف، سعید بن مسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، خارجہ بنت زید بن ثابت، عبید بن حسین، عروہ بن زبیر، علی بن حسین، عمرو بن عثمان، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور محمد بن حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے فیض حاصل کیا۔(۲)

تلامذہ:

ان کے لڑکے عبدالرحمٰن اور القاسم، صالح بن کیسان، ابن ابی ملیکہ، اعمش، عبیداللہ ابن عمر، عجلان، ہشام بن عروہ، شعیب بن ابی حمزہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، سعید بن ابی بلال، زائدہ بن قدامہ اور سفیان وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے۔(۳)

۱۔ تہذیب الاسماء ج۱ ص۲۳۳ ۲۔ تہذیب التہذیب ج۵ ص۲۰۳،۲۰۴

۳۔ تہذیب الاسماء ج۱ ص۱۳

فقہ:

فقہ میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ان کا شمار فقہائے مدینہ میں تھا۔فقہ میں وہ مشہور فقیہ تابعی ربیعۃ رائی کے مقابلہ کے سمجھے جاتے تھے۔امام ابوحنیفہ ان کو ربیعہ سے مرجع سمجھتے تھے' ربیعہ سے پہلے انہی کی ذات مرجوعہ تھی۔لیکن ربیعہ کی مسند بچھنے کے بعد اس کا حلقہ درس خالی ہوگیا' اوران کے تمام تلامذہ ربیعہ کی طرف رجوع کر گئے۔(۱)

جامعیت اور حلقہ درس کی وسعت:

ابوالزناد کی مناسبت سے ان کا حلقہ درس بھی نہایت وسیع تھا۔اس میں مختلف علوم وفنون کے سینکڑوں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔عبدربہ بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ طلبہ کا بادشاہ کے ہجوم جیسا ہجوم تھا۔اس ہجوم میں فرائض کے سائلین بھی ہوتے تھے اور حساب کے بھی' شعر کے بھی اور معضلات کے بھی۔(۲) لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت فقہ' شعر وشاعری اور مختلف علوم کے تین سو طالب علم دیکھے ہیں۔(۳) مذہبی علوم ربان ادب وانشا اور فصاحت وبلاغت میں بھی خصوصی دسترس تھی۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:''کان فصیحا بصیرا بالعربیة'' غیر مذہبی علوم میں حساب میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت تھی۔اس مہارت کی بنا پر کبھی کبھی حکومت کے دفاتر کی جانچ پڑتال ان کے سپرد ہوتی تھی۔ایک مرتبہ ،اسی سلسلہ میں ہشام کے پاس شام گئے تھے۔(۴)

عقل وفرزانگی:

اس علم کے ساتھ انہوں نے دنیاوی عقل وفرزانگی سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔(۵)

وفات:

باختلاف روایت رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ دفعۃً انتقال ہوا۔(۶) وفات کے وقت چھیاسٹھ (۶۶) سال کی عمر تھی۔(۷)(۸)

۴۔موسیٰ بن ابی عثمان:

آپ کا نام موسیٰ بن ابی عثمان تبان مدنی ہے' آپ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خدمت گار تھے' آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سی ثقہ مقبول راوی ہیں امام بخاری (تعلیقا) اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۹)

۱۔ تہذیب التہذیب ج۵' ص۲۰۳ ۔۔۔ ۲۔تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۲۱

۳ تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۲۰ ۔۔۔ ۴۔تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۲۱

۵۔ تہذیب الاسماء ج۱' ص۲۳۴ ۔۔۔ ۶۔تذکرۃ الحفاظ ج۱' ص۱۲۱

۷۔ تہذیب الاسماء ج۱' ص۲۳۴ ۔۔۔ ۸۔سیر الصحابۃ' ج۳' تابعین کرام' ص۳۴۲۔۳۴۴

۹۔ i۔الثقات' ج۷' ص۴۵۴ ۔۔۔ ii۔تقریب التہذیب' ج۲' ص۲۹۰

۵۔ابو عثمان:

آپ کا نام ابو عثمان سعد تبان ہے، بعض نے آپ کا نام عمران بھی ذکر کیا ہے، آپ بھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خدمت گار تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول راوی ہیں، آپ سے امام بخاری (ادب المفرد تعلیقاً)، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔حکمِ روایت:

۶۔ابو ھریرہ:　راجع:۱

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے چھیانویں حدیثِ مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے دو راوی مکی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ یہ بیٹے (موسیٰ) کے باپ (ابو عثمان) سے روایت ہے۔
☆ حضرت موسیٰ اور ابو عثمان رحمہما اللہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ سنن نسائی میں مروی ہے۔
☆ حضرت ابو ھریرہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے سرخیل ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لا یبولن احد کم:	کوئی شخص ہرگز پیشاب نہ کرے
المآء الراکد:	ٹھہرا ہوا پانی۔جمع شدہ پانی
یغتسل:	وہ غسل کرتا ہے

۷۔مسائل ونصائح:

پانی کی قلت وکثرت میں مذاھب اربعہ:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

پانی کی قلت وکثرت:

فقہاء کا قلت وکثرت کی حدود کے یقین میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے ہاں کثرت کا معیار یہ ہے کہ پانی اتنا ہو، کہ اگر اس کی

۱۔ i۔تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۱۶۳　ii۔الثقات، ج ۴، ص ۴۴۰

ایک طرف کو حرکت دی جائے، تو دوسری طرف حرکت نہ پہنچے۔ (۱) اور قلیل پانی وہ ہوتا ہے جو دس ضرب دس ذراع سے کم کے حوض وغیرہ میں ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ مالکیہ کے ہاں کثیر کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ قلیل پانی جو مکروہ ہوتا ہے وہ وہ پانی ہے جو وضو یا غسل کے برتن کی مقدار میں یا اس سے کم ہوا، گر اس میں نجاست جا پڑے اور اسے متغیر نہ کرے تو ایسے پانی کا حدث کے رفع کرنے یا نجاست کے ازالے کے لئے استعمال مکروہ ہے، اور ایسی چیز میں استعمال جو طہارت پر موقوف ہو جیسے طہارت مسنونہ اور مستحبہ ہاں عادی اُمور میں اس کا استعمال مباح ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کثیر اور قلیل میں حد فاصل دو قلہ (بڑا مٹکا) ہیں جو ہجر کے قلہ میں سے ہو یعنی پانچ قربہ کا ہوتا ہے اور ہر قربہ سو عراقی رطل کا ہوتا ہے اس طرح دو قلہ (دو بڑے مٹکے) پانچ سو عراقی رطل کے ہوئے۔ چنانچہ پانی کی مقدار اگر دو قلے کے برابر ہو اور اس میں نجاست گر جائے' ٹھوس ہو یا سیال' مائع اور اس کا ذائقہ' رنگ اور بو تبدیل نہ ہو تو وہ پاک اور مطہر ہوگا کیونکہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلہ کے برابر ہو، تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا (یعنی گندا نہیں ہوتا) حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے فانہ لا ینجس (کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا) اور یہی مراد ہے آپ کی اس بات سے ''کہ وہ گندگی نہیں اٹھاتا'' یعنی کہ وہ نجس چیز کو دور کر دیتا ہے اور اس کا اثر قبول نہیں کرتا۔ اور اگر نجاست کسی ایسے مائع سیال میں گر جائے، جو پانی نہ ہو خواہ وہ دو قلہ کی مقدار میں ہو تو وہ محض نجس چیز سے ملتے ہی نجس ہو جائے گا، کیونکہ پانی کا نجاست سے بچانا مشکل ہوتا ہے بخلاف دوسری چیزوں کے خواہ وہ بہت ہوں۔ اور اگر ماءِ کثیر کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے خواہ معمولی سا تغیر ہو تو وہ نجس ہو جائے گا' دلیل اس کی اجماع اُمت ہے جو ان دو حدیثوں حدیث قلتین (کہ دو قلہ پانی ناپاک نہیں ہوتا) اور حدیث ترمذی اور ابن حبان کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ (۲) کو خاص کر دیتا ہے (یعنی محدود کر دیتا ہے) جب کہ یہ دونوں عام ہیں۔ امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ' اگر اس میں پڑنے والی نجاست اس کے رنگ بو یا مزے کو تبدیل کر دے تو وہ نجس شمار ہوگا جب تک وہ ایسا رہے اور ابو امامہ الباہلی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانی پاک ہوتا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی مگر وہ جو اس کے رنگ بو اور مزے پر غالب آ جائے اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ممنوع ہے' اور پھر اگر پیشاب کر دیا تو اس پانی سے غسل کرنا جائز نہ ہوگا۔

☆ ایسا قلیل پانی جس میں پیشاب کر دیا جائے' تو اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ پیشاب سے مراد بول و براز ہے۔

۱۔ فتح القدیر' ج ۱ ص ۵۵　　۲۔ نصب الرایہ، ج ۱ ص ۹۵　　۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۰۲-۲۰۳

☆ امام نسائی علیہ الرحمۃ نے باب ۴۶ کے تحت حدیث نمبر ۵۷ جو روایت کی ہے اس میں یغتسل کی بجائے یتوضأ کے الفاظ ہیں اس سے مترشح ہوا کہ ایسے پانی سے وضو اور غسل دونوں جائز نہیں ہیں بلکہ ایسے پانی کا استعمال بھی جائز نہ ہوگا۔

☆ کثیر پانی میں بھی بول و براز اور دیگر نجاستوں کے گرانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

☆ پانی کی قلت و کثرت کی مکمل بحث اور آئمہ اربعہ کے دلائل ''فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی'' ج ا ص ۵۶۷۔۶۵۷ پر گذر چکے ہیں۔

بَابُ ذِكْرِ الِاغْتِسَالِ أَوَّلَ اللَّيْلِ

باب ۱۴۱: شروع رات میں غسل کرنے کا بیان

اس باب میں بنیادی مسئلہ جنابت کے غسل کرنے کے وقت کا بیان ہے غسل جنابت جب واجب ہو جائے تو جلدی سے جلدی کر لینا چاہیے جلدی کرنا مستحب ہے البتہ اگر رات کے شروع میں غسل واجب ہوا تو آخری حصہ تک تاخیر کرنے کی گنجائش ہے اس باب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ رات کے پہلے حصے میں غسل کرنا مستحب ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں غسل کرنے کی ممانعت کا بیان تھا۔

۲۲۲۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَخْلَدٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا. أَيُّ اللَّيْلِ كَانَ يَغْتَسِلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: رُبَّمَا اغْتَسَلَ أَوَّلَ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ آخِرَهُ قُلْتُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً

حضرت غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کس حصہ میں غسل کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات کے پہلے حصہ میں اور کبھی آخری حصے میں غسل کیا کرتے تھے میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس معاملہ میں گنجائش رکھی ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارک کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات کے پہلے حصے میں اور کبھی آخری حصے میں غسل کیا کرتے تھے۔ اس جملہ میں شروع رات میں غسل کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۲۳، ۴۰۳، ابوداؤد: ۲۲۶، ابن ماجہ: ۱۳۵۴، احمد: ۲۴۲۵۷، السنن الکبریٰ: ۲۲۷، تحفۃ الاشراف: ۱۷۴۲۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے دو کا تعارف گذر چکا ہے، باقی پانچ کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

ا۔عمرو بن ہشام:

آپ کا نام ابوامیہ عمرو بن ہشام بن یزید جزری حرانی (م:۲۴۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دس (۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔مخلد:

آپ کا نام ابویحییٰ مخلد بن یزید قریشی حرانی (م:۱۹۳ھ) ہے، بعض نے آپ کی کنیت ابوخداش، ابوالحسین اور ابوخالد لکھی ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، علامہ ابن معین، امام ابوداؤد اور ابن حبان رحمہ اللہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، امام ابن حنبل، ابوحاتم اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صدوق قرار دیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہی بھی لکھا ہے، آئمہ صحاح ستہ میں سے امام ترمذی رحمہ اللہ کے علاوہ تمام روایت کرتے ہیں، سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ سے ستائیس (۲۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۳۔سفیان:　　راجع:۱۱

۴۔ابوالعلاء:

آپ کا نام العلاء بردبن سنان دمشقی شامی بصری (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ قریش کے خدمت گار تھے آپ نے بصرہ میں رہائش اختیار کرلی تھی، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، قدری تابعی راوی ہیں، امام ابن معین، امام نسائی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے آپ کو ثقہ جبکہ امام ابوحاتم اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صدوق قرار دیا ہے، امام بخاری (ادب المفرد) اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی صغریٰ میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

۵۔عبادۃ بن نسی.

آپ کا نام حضرت ابوعمر عبادہ بن نسی کندی شامی اردنی (م:۱۱۸ھ) ہے، آپ شہر طبریہ کے قاضی تھے آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، فاضل، تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی رحمہ اللہ میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارک مروی ہے۔حضرت مسلمہ بن عبدالملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کندہ خاندان کے تین سرداروں پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسائی اور انہیں دشمن پر فتح عطا فرمائی، وہ تینوں درج ذیل ہیں: حضرت عبادہ بن نسی، حضرت رجاء بن حیوۃ اور

۱۔　i۔المعجم المشتمل، ص۱۹۷　　ii۔الثقات، [illegible]۸۰

۲۔　i۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص۳۴۷　　ii۔الثقات، ج۹، ص۱۸۶

۳۔　i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۵۲　　ii۔تاریخ ابی زرعۃ، ص۲۲۵

حضرت عدی بن عدی رحمہ اللہ شامل ہیں، علامہ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ رحمہ اللہ نے جوانی میں وفات پائی۔ آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔غضیف بن الحارث:

آپ کا نام غضیف بن زنیم سکونی کندی حمصی (م:۶۰ھ) ہے، علامہ ابن حبان نے نا ابو اسماء غضیف بن حارث ثمالی سکونی یمنی لکھا ہے، آئمہ جرح وتعدیل میں سے کچھ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے، بعض نے تابعین میں شمار کیا ہے، اس کی وجہ ایک اور تابعی حضرت غضیف بن حارث کندی کے نام کے ساتھ مشابہت ہے، آپ نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں وفات پائی، سنن نسائی مین آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

علامہ ابن حبان فرماتے ہیں: آپ سے حسب ذیل دو احادیث مبارکہ اور بھی مروی ہیں:

۱۔رای النبی ﷺ وضع یدہ الیمنی علی السیری فی الصلوٰۃ۔

میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

۲۔سمعت النبی ﷺ یقول: اذا شرب الرجل الخمر فاجلدوہ۔

میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

جب کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو۔

امام بخاری (ادب المفرد)، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۷۔عائشہ:　　　　راجع:۵

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تنتالیسویں (۴۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی حرانی، تیسرے کوفی اور باقی سارے شامی راوی ہیں، البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ راوی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین کرام (برد، عبادہ، غضیف) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

۱۔ i۔تہذیب التہذیب، ج۵، ص۱۱۳　　ii۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۴۵۶

۲۔ i۔الثقات، ج۳، ص۳۲۶　　ii۔تہذیب التہذیب، ج۸، ص۲۴۸

☆ ایک قول کے مطابق حضرت غضیف رضی اللہ عنہ صحابی ہیں' اس کے مطابق یہ صحابی کی صحابیہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ صحابہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا' حدثنا اور قالت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سال: اس نے سوال کیا' اس نے پوچھا

ای اللیل: رات کے کون سے حصہ

کان یغتسل رسول اللہ ﷺ: آقا کریم ﷺ غسل کرتے تھے

قالت: آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

ربما اغتسل اول اللیل: آپ ﷺ کبھی رات کے پہلا حصہ میں غسل کرتے

ربما اغتسل آخرہ: کبھی آپ ﷺ رات کے آخری حصہ میں غسل کرتے

الحمد للہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے ہیں

جعل: اس نے بنایا

الامر: معاملہ' کام **سعۃ:** کشادگی' وسعت

باب الْاِغْتِسَالُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَآخِرَهُ — باب ۱۴۲: شروع رات یا اخیر رات میں غسل کرنے کا بیان

اس باب میں رات کا پہلا حصہ اور آخری حصہ دونوں میں غسل جنابت کرنے کے جواز کا بیان ہے' البتہ مستحب یہ ہے کہ جیسے ہی غسل جنابت واجب ہو' جلد از جلد غسل کرلیا جائے۔ پچھلے باب میں رات کے پہلے حصے میں غسل کرنے کا بیان تھا' اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارک سے استنباط کیا ہے۔

۲۲۳۔ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ بُرْدٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَسَأَلْتُهَا قُلْتُ :أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ مِنْ آخِرِهِ؟ قَالَتْ :كُلَّ ذٰلِكَ، رُبَّمَا اغْتَسَلَ مِنْ أَوَّلِهِ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ مِنْ آخِرِهِ "قُلْتُ :الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً

حضرت غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: حضور نبی کریم ﷺ رات کے شروع حصہ میں غسل کرتے تھے یا آخری حصہ میں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کبھی اوقات میں: کبھی رات کے اول حصہ میں اور کبھی آخری حصہ میں غسل فرما لیتے تھے۔ حضرت غضیف رضی اللہ عنہ نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے ہیں' جس نے معاملات میں وسعت رکھی ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابق واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۲۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں ان سب کا تعارف گذر چکا ہے، البتہ حضرت حماد کے حالات دوبارہ لکھے جا رہے ہیں۔

۱۔یحییٰ بن حبیب: راجع:۵:۷

۲۔حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ:

اس دور کے وہ بزرگ اس عہد میں مشہور رہوئے اور دونوں کی امامت فی الحدیث اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق ہے۔حماد بن زید حصول علم کے بعد دولت بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے آئمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر جانتے تھے۔

نام ونسب:

حماد نام اور ابواسمٰعیل کنیت تھی۔والد کا نام زید (۱) تھا۔جریر بن حازم کے خاندان کے غلام تھے۔ان کے دادا اور ہم بجستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنالئے گئے تھے۔(۲)

ولادت: ان کی ولادت اپنے وطن بصرہ میں ۹۸ھ میں ہوئی۔

شیوخ:

حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے جن علمی سرچشموں سے استفادہ کیا ان میں سے چند ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:

انس بن سیرین رضی اللہ عنہ ابوعمران الجونی ثابت البنانی عبدالعزیز بن صہیب عاصم الاحول محمد بن زیاد القرشی سلمہ بن دینار صالح بن کیسان عمرو بن دینار ہشام بن عروہ اور عبیداللہ بن عمر۔(۳)

تلامذہ:

حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے منبع فیض سے جو تشنگان علم سیراب ہوئے، اس میں جلیل القدر اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ کچھ ممتاز نام درج ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی علی بن مدینی عبداللہ بن مبارک ابن وہب یحییٰ بن سعید القطان سفیان بن عیینہ سفیان ثوری مسلم بن

۱۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۲۰۶

۳۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۴

ابراہیم' مسدد' سلیمان بن حرب' عمرو بن عوف' ابوالاشعث احمد بن المقدام۔

علم وفضل:

حضرت حماد بن زید کو مشہور تابعی ایوب سختیانی کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے ایوب سختیانی کا کوئی اور شاگرد حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن خثیمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا' کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے؟ فرمایا:

ان رایتہ واتیتہ یوم مطر فرایتہ یکتب ثم ینفخ فیہ لیجفہ (۱)

''ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں نابینا نہیں تھے بلکہ ان کی بینائی ایک عمر کے بعد جاتی رہی تھی' مگر انہوں نے اپنی بینائی کا اثر اپنے علم وفضل پر نہیں ہونے دیا' بعض لوگ ان کی نابینائی کی وجہ سے ان کے حفظ وثقاہت پر کلام کرتے ہیں' مگر حافظ ذہبی جیسے محقق نے انہیں ''الامام الحافظ لمجود شیخ العراق'' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ (۲)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں' جن کی جلالت شان اور بلندی مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ بن سعد فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ' قابل اعتماد' برہان حق اور کثیر الحدیث تھے۔ (۳)

آئمہ علم کا اعتراف:

تمام معاصر آئمہ حدیث نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن مہدی کا بیان ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے آئمہ چار ہیں۔ کوفہ میں ثوری' حجاز میں مالک' شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید۔

یحیٰی بن یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ حافظ روایت کسی کو نہیں دیکھا۔ قطر بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا' تو انہوں نے اہل بصرہ میں صرف حماد بن زید کو دریافت کیا۔ ابن معین کا قول ہے کہ اتقان فی الحدیث میں حماد بن زید کے مرتبہ کا کوئی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل ان کا ذکر بہت ہی عظمت اور عزت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں کہ:

ھو من ائمۃ المسلمین من اھل الدین ھو احب الی من حماد بن سلمہ (۴)

''وہ مسلمانوں کے امام اور بڑے دیندار ہیں اور وہ مجھے حماد بن سلمہ سے بھی زیادہ پسند اور محبوب ہیں''۔

ابن مہدی کا ایک دوسرا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد' مالک اور سفیان سے افضل واعلیٰ

۱۔ تہذیب التہذیب' ج ۳' ص ۹ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۰۶

۳۔ تہذیب الاسماء واللغات' ج ۱' ص ۱۶۷ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۰۶

کسی کو پایا۔ ایک روایت میں ابن مہدی کے الفاظ اس طرح نقل کیے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا۔

حضرت ابو عاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا' محمد بن مصطفیٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا:

ما رایت فی العراق مثل حماد بن زید (۱)　　"میں نے عراق بن حماد میں زید جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا"۔

وکیع بن جراح کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم و فضل میں حماد کو مسعر بن کدام سے تشبیہ دیا کرتے تھے' عبداللہ بن معاویہ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن زید سے بھی حدیثیں سنی ہیں اور حماد بن سلمہ سے بھی' لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔ (۲)

حافظہ:

قوتِ حافظہ کے لحاظ سے بھی حماد بن زید معاصر آئمہ و علماء میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری کو اکثر میں نے ان کے سامنے دوزانو بیٹھے دیکھا ہے۔

احتیاط:

بایں ہمہ علم و فضل حماد بن زید روایت حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ حماد بن زید' حماد بن سلمہ اور دوسرے بہت سے آئمہ ثقات سے زیادہ قابل وثوق ہیں' مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ اسانید کو مختصر کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے تھے۔ وہ غایت احتیاط کی بناء پر بڑے شکی ہو گئے تھے' بڑے عظیم المرتبت تھے' ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف وہ رجوع کر سکتے۔ اس وجہ سے کہیں وہ موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے اور کبھی واقعی مرفوع حدیث بیان کرتے وقت بھی خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ (۳)

فقہ:

حضرت حماد بن زید حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی بلند و ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت ابو اسامہ کہا کرتے تھے:

كنت اذا رايت حماد بن زيد قلت ادبه كسرى وفقهه عمر رضي الله عنه (۴)　　"تم جب حماد کو دیکھو گے' تو کہو گے' کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سکھایا ہے"۔

ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ "میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا"۔

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۱۰　　۲۔ ایضاً' ص ۱۱

۳۔ ایضاً　　۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۰۷

فہم ودانش:

دنیوی اُمور میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ خالد بن فراش کا بیان ہے کہ حماد بن زید عقلائے روزگار اور دانشوران زمن میں سے تھے۔ ابن ا الطباء کا قول ہے کہ میں نے حماد بن زید سے بڑا عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔(۱)

وفات:

رمضان ۱۷۹ھ میں بصرہ میں علم وفضل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔(۲)

۳۔ برد: راجع:۲۲۲ ۴۔ عبادۃ بن نسی: ایضاً

۵۔ غضیف بن الحارث: ایضاً ۶۔ عائشۃ: راجع:۵

۴۔ حکم حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ستانویں (۹۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۲۲۲ کی سند سباعی ہے اور اس حدیث مبارکہ کی سند سداسی ہے اس طرح یہ سند عالی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، قالت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع:۲۲۲

۷۔ مسائل ونصائح:

مذکورہ بالا حدیث کی پوری عبارت:

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے جبکہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو مکمل روایت کیا ہے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت حسب ذیل ہے:

حضرت غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کا غسل شروع رات میں کرتے تھے یا اخیر رات میں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شروع رات میں غسل کرتے تھے اور کبھی اخیر رات میں،

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۲۰۷ ۲۔ سیر الصحابۃ، ج۹ ص۱۱۴۔۱۱۷

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں، جس نے معاملات میں کشادگی فرمائی ہے، پھر میں نے پوچھا: آقا کریم ﷺ وتر رات کے پہلا حصے میں ادا کرتے تھے یا آخری حصے میں ادا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: حضور ﷺ کبھی وتر رات کے پہلا حصے میں ادا کرتے اور کبھی آخری حصے میں ادا کرتے تھے۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے ہیں، جس نے معاملات میں وسعت فرمائی ہے۔ پھر میں نے پوچھا: حضور نبی کریم ﷺ قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے فرماتے تھے یا پست آواز کے ساتھ؟ اُنہوں نے فرمایا: آپ ﷺ کبھی بلند آواز سے اور کبھی پست آواز سے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ بہت بڑا ہے! تمام تعریفیں اسی کے لئے خاص ہیں، جس نے معاملات میں کشادگی رکھی ہے۔ (۱)

حضور نبی کریم ﷺ کو جب حاجتِ غسل شروع رات میں ہوتی، تو شروع رات میں غسل فرماتے، اگر حاجت رات کے آخری حصہ میں ہوتی، تو آخری حصہ میں غسل فرماتے:

علامہ محمد بن عبدالھادی سندھی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے ہمارے لئے غسل جنابت میں تاخیر و تعجیل کے مباح ہونے کا بیان ہے، یہ بھی واضح ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کبھی جلدی غسل فرما لیتے تھے اور کبھی کبھی تاخیر بھی فرماتے تھے، البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث مبارکہ سے غسل جنابت میں تاخیر کرنے کا جواز نہیں ملتا، کیونکہ آقا کریم ﷺ جب شروع رات میں جنبی ہوتے تو شروع رات میں غسل فرما لیتے، اگر اخیر رات میں جنبی ہوتے تو اخیر رات میں غسل فرماتے تھے۔ البتہ حضرت غضیف رضی اللہ عنہ کے سوال اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں قرینہ کے طور پر اس معاملہ میں کشادگی ظاہر ہے۔ یعنی تاخیر اور تعجیل دونوں کا جواز ملتا ہے۔ (۲)

نماز تک غسل کو مؤخر کرنے کا جواز:

علامہ ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں نماز کے وقت تک غسل جنابت میں تاخیر کرنے کا جواز ہے۔ (۳)

شیخ علامہ ابوطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں یہ واضح دلیل ہے کہ جنبی پر رات کو فوری طور پر غسل کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ سونے کے بعد اُٹھنے پر غسل کرے۔ حضرت غضیف رضی اللہ عنہ کے کلماتِ تشکر سے بھی یہی بات سمجھ آتی ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے کشادگی عنایت فرمائی ہے کہ جب چاہے غسل کرے، اور فوری غسل کو واجب کر کے تنگی نہیں فرمائی۔ (۴)

۱۔ ابوداؤد: ۲۲۶　　۲۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۵۶

۳۔ شرح سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۹۹　　۴۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۹۳

غسلِ جنابت فوری کرنا نظافت ہے اور تاخیر امت کے لئے آسانی ہے:

شیخ علامہ خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کا رات کو جلدی غسل کر لینا زیادہ بہتر اور نظافت کے قریب ہے، آپ ﷺ کا اس میں تاخیر کرنا اُمت کی سہولت اور بیانِ جواز کے لئے ہے۔(۱)

حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کی لگن:

شیخ محمد بن علی بن آدم اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سلف صالحین حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال جاننے پر بہت حریص تھے اور آپ ﷺ کی اتباع پر بہت شاداں جری تھے، اور ایک مسلمان کو ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا ہے: تم آپ ﷺ کی پیروی کرو، تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔(۲)

حضرت غضیف کا کلمات تشکر ادا کرنا، اس بات پر دلیل ہے کہ ہمارے لئے دونوں امر جائز ہیں، اور یہ دونوں آقا کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہیں۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ مذکورہ بالا دونوں ابواب اور احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے، کہ رات کے اوقات میں واجب ہونے والے غسل جنابت کا فوری کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس میں گنجائش ہے، چاہے تو فوری کرے، اور چاہے تاخیر سے نماز سے پہلے کرے۔ یہ دونوں امر جائز ہیں۔

☆ آقا کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جس وقت غسل واجب ہوتا، فوری غسل کر لیتے تھے، اگر شروع رات میں غسل واجب ہوا تو شروع رات میں کر لیتے، اگر اخیر رات میں غسل واجب ہوا تو اخیر رات میں کر لیتے تھے۔

☆ آپ ﷺ نے اُمت کی آسانی اور بیان جواز کے لئے بعض دفعہ تاخیر سے غسل فرمایا۔

☆ نماز تک غسل کا مؤخر کرنا جائز ہے۔

☆ غسل کا جلدی کر لینا نظافت اور پاکیزگی کے زیادہ قریب ہے۔

☆ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال جاننے کی زیادہ سے زیادہ سعی کرے۔

☆ آقا کریم ﷺ کی اتباع کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، یہی بات ہدایت کے قریب کرنے والی ہے۔

☆ حضرت غضیف رضی اللہ عنہ کا کلمات تشکر ادا کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ غسل کرنے میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے گنجائش رکھی ہے،

۱۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۴۸ ۲۔ اعراف ۷:۱۵۸

۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۴، ص ۲۲۷

اور اسے فوری واجب کر کے تنگی نہیں فرمائی۔

☆ آقا کریم ﷺ اُمت پر نہایت شفیق تھے' اور معاملات میں آسانیاں پیدا فرمانے والے تھے۔

☆ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

بَابُ ذِكْرِ الِاسْتِتَارِ عِنْدَ الِاغْتِسَالِ

باب ۱۴۳: غسل کرتے وقت پردہ کرنا

اس باب میں غسل کرتے وقت لوگوں سے پردہ کرنے کا بیان ہے' اگر اکیلے تنہائی میں غسل کرنا ہو تو پردہ کرنا مستحب ہے' اگر وہاں پر اور لوگ بھی ہوں یا آ سکتے ہوں' تو پردہ کرنا واجب ہے' اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے' پچھلے باب میں رات کے اوقات میں غسل کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں غسل کرتے وقت پردہ کرنے کا بیان ہے' اس طرح دونوں ابواب غسل سے متعلق ہیں۔

۲۲۴-أَخْبَرَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو السَّمْحِ، قَالَ: كُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَ :وَلِّنِي قَفَاكَ، فَأُوَلِّيهِ قَفَايَ فَأَسْتُرُهُ بِهِ

حضرت ابوسمح رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں آقا کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' آپ ﷺ جب غسل کا ارادہ کرتے' تو مجھے فرماتے: پیٹھ پھیر لو! میں پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو جاتا' اور آپ ﷺ کو چھپا لیتا۔

۱۔مطابقت:

اس حدیث مبارکہ کی بات کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
میں پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو جاتا' اور آپ ﷺ کو چھپا لیتا۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۳۷۶' ابن ماجہ:۶۲۵' ابن خزیمہ:۲۸۳' مستدرک حاکم:۶۰۲' السنن الکبیر (طبرانی)' ج۲۲' ص۹۵۸' الکنی (دولابی)' ج۱' ص۳۷' التلخیص الحبیر' ج۱' ص۳۸' السنن الکبریٰ:۲۲۸' کنز العمال' ج۹' ص۳۶۷' نصب الرایۃ' ج۱' ص۱۲۶' الدرایۃ' ج۱' ص۹۴' الہدایۃ' ج۲' ص۲۱۹' بلوغ المرام:۴۴' تحفۃ الاشراف:۱۲۰۵۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' جن میں سے دو کا تعارف گزر چکا ہے' باقی تین کے حالات لکھے جا رہے ہیں:

۱۔مجاہد بن موسیٰ: راجع:۱۰۲ ۲۔عبدالرحمن بن مہدی: راجع:۴۹

۳۔ یحییٰ بن الولید:

آپ کا نام ابوزغراء یحییٰ بن الولید بن المسیر طائی سنبسی کوفی ہے' آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں' امام ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔ محل بن خلیفۃ:

آپ کا نام محل بن خلیفہ طائی کوفی ہے' آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں' امام بخاری' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں' آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔(۲)

۵۔ ابوسمح:

آپ اس کنیت سے مشہور ہیں' بعض نے آپ کا نام ایاد بھی ذکر کیا ہے' آپ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم خاص تھے' آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے' البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا حصہ روایت کیا ہے' جبکہ امام ابوداؤد' ابن ماجہ' ابن خزیمہ رحمہم اللہ اور دوسرے محدثین نے دوسرا حصہ بھی روایت کیا ہے۔ جس میں حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے پیشاب کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے' امام ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اکہترویں (۷۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغدادی' دوسرے بصری' تیسرے اور چوتھے کوفی اور آخری مدنی ہیں۔
☆ سند میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسمح کنیت سے ہی مشہور ہیں' آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت ابوسمح رضی اللہ عنہ' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔
☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور حدثنی تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔ الثقات' ج ۷' ص ۶۰۹ ii۔ تقریب التہذیب' ج ۲' ص ۳۶۸
۲۔ i۔ الجرح والتعدیل' ج ۸' ص ۴۱۳ ii۔ تہذیب الکمال' ج ۲۷' رقم ۲۹۰
۳۔ i۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۲' ص ۱۲۰ ii۔ تقریب التہذیب' ج ۲' ص ۴۲۹

۶۔لغات:

کنت اخدم: میں خدمت کیا کرتا تھا۔ **اراد:** آپ ﷺ نے ارادہ کیا۔
ان یغتسل: غسل کرنا **ولنی:** تو میری طرف پھیرے۔
قفاک: اپنی پیٹھ **استرہ:** میں آپ ﷺ کو پردہ کر دیتا۔

۲۲۵۔أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ أُمِّ هَانِءٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :أَنَّهَا ذَهَبَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَوَجَدَتْهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمَتْ فَقَالَ :مَنْ هَذَا؟ قُلْتُ :أُمُّ هَانِءٍ. فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ، فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فِي ثَوْبٍ مُلْتَحِفًا بِهِ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
وہ فتح مکہ کے دن آقا کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کپڑے کے ساتھ پردہ کئے ہوئے تھیں، میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے جواب دیا: ام ہانی رضی اللہ عنہا، جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں، درال حالیکہ آپ ﷺ کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔

شان وارود: یہ واقعہ رمضان ۸ھ کا فتح مکہ والے دن کا ہے۔

۲۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ ﷺ غسل کر رہے تھے، اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کپڑے کے ساتھ پردہ کئے ہوئے تھیں۔

۳۔اطراف:

صحیح مسلم: ۳۳۶، سنن ترمذی: ۲۷۴، ۲۲۴، سنن ابن ماجہ: ۴۶۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۲۹، سنن دارمی: ۲۵۰۲۔۱۴۵۳، الاحاد والمثانی: ۳۱۴۹، صحیح ابن حبان: ۱۱۸۸، المعجم الکبیر: ۱۰۱۷، ج ۲۴، سنن بیہقی، ج ۱ ص ۱۹۸، ج ۹، ص ۹۴، شعب الایمان: ۸۸۸۸، شرح السنۃ: ۲۷۱۶، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۴۳، طبع قدیم، مسند احمد: ۲۶۹۰۶، ج ۴۴، ص ۴۷۶،

۴۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو حضرت ابومرۃ رضی اللہ عنہ اور اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔یعقوب بن ابراہیم: راجع: ۲۲ ۲۔عبدالرحمٰن بن مہدی: راجع: ۱۱۹
۳۔امام مالک: راجع: ۱۱۷ ۴۔سالم: راجع: ۱۲۱

۵۔ابومرۃ مولیٰ عقیل بن ابی طالب:

آپ کا نام ابومرۃ یزید ہاشمی حجازی ہے' آپ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب کے غلام تھے' ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے غلام بھی تھے' بعض نے آپ کا نام عبدالرحمٰن ذکر کیا ہے' آپ رواۃ کے طبقہ تابعین سے ثقہ مدنی راوی ہیں' آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں' سنن نسائی (صغریٰ) میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۶۔حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا فاطمہ بنت اسد تھا، اس بناء پر حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور ام ہانی حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح: ہبیرہ بن عمرو (بن عائذ) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام: ۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا اور چاشت کی نماز پڑھی انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دی (۲) ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات: ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں۔تہذیب میں ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔حسب ذیل اولاد چھوڑی: عمرو، ہانی، یوسف، جعدہ

فضل وکمال: حضرت ام ہانی سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابومرہ، ابو صالح، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ (رضی اللہ عنہم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی **وتاتون فی نادیکم المنکر** (۳)

اخلاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں انکے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا۔اس کے بعد ان کو دیا انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں۔بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ سے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا، اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ فرمایا ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر وبرکت کی چیز ہے۔(۵)

۱۔ i۔تہذیب التہذیب' ج ۱۲' ص ۲۳۰　ii۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ' ج ۴' ص ۲۳۳　۲۔مسند احمد، ج ۶، ص: ۳۴۲

۳۔ ایضاً ص ۳۴۱　۴۔ ایضاً　۵۔ایضاً ص ۳۴۴

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں آپ ﷺ نے ایک وظیفہ بتلایا فرمایا کہ ''سبحان اللہ'' ایک سو مرتبہ، الحمد اللہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کروں۔(۱)

۵۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۶۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار یہ اٹھانویں (۹۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہِ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت یعقوب بن ابراہیم دورقی ایسے شیخ الاساتذہ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے دو راوی حضرت ابو مرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں۔

☆ یہ تابعی (سالم) کی دوسرے تابعی (ابو مرہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا سے سنن نسائی مجتبیٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، آپ سے سنن نسائی میں کل چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی چچازاد ہمشیرہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہن ہیں۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو دوبارہ پیغام نکاح دیا تھا۔(۲)

☆ روایت میں الفاظ اداءِ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۷۔لغات:

ذھبت الی النبی ﷺ: وہ آقا کریم کے پاس حاضر ہوئیں، (مراد ہے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں)

یوم الفتح: فتح مکہ　　　**فوجدته:** میں نے آپ ﷺ کو پایا

۱۔ سیر الصحابہ، ج۶، ص ۱۲۳۔۱۲۵

۲۔ مستدرک حاکم: ۶۹۵۶۔۶۹۵۷

یغتسل:	آپ ﷺ غسل کر رہے تھے		
تسترہ:	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے لئے پردہ کیا ہوا تھا		
ثوب:	کپڑا	سلمت:	اس نے سلام عرض کیا
من هذا؟:	کون ہے؟	لما فرغ:	جب آپ ﷺ فارغ ہوئے
قام:	آپ ﷺ کھڑے ہوئے	فصلی:	آپ ﷺ نے نماز پڑھی
ثمانی رکعات:	آٹھ رکعات	ملتحفابه:	آپ ﷺ کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے

۸۔ مسائل ونصائح:

شرم گاہوں کے چھپانے پر قرآن مجید اور حدیث سے دلائل:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ غسل کے وقت دیکھنے والوں کی نگاہوں سے پردہ کرنا واجب ہے اور جس طرح یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے اپنی شرم گاہ کسی کو دکھائے' اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے کسی کی شرم گاہ کو دیکھے۔

پردہ کی اصل قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ(۱)

اے ایمان والو! تمہارے غلام (نوکر) اور تمہارے وہ بچے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے' ان کو چاہئے کہ وہ (آنے کے لئے (تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں' (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) اور دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو (۳) اور نماز عشاء کے بعد' یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں' ان اوقات کے بعد (آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے۔

یہ وہ اوقات ہیں جن میں انسان اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے' لہٰذا ان اوقات میں اگر ان میں سے کوئی تمہارے گھر بغیر اجازت کے آیا تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ ان اوقات میں یہ احتمال ہے کہ آنے والا تم کو بُرا نہ دیکھ لے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشًا(۲)

اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا ہے' جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپائے اور زینت ہے۔

۱۔ النور۲۴:۵۸　　۲۔ الاعراف۷:۲۶

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرم گاہ چھپانے کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (۱)

آپ مؤمنین سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ چیز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نگاہوں کو پست رکھنے اور شرم گاہوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہ کرے۔ (۲)

جس نے بغیر عذر کے شرم گاہ کو نہیں چھپایا' اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی:

آئمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جو بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہوا (یعنی جس نے لوگوں کے سامنے برہنہ غسل کیا) اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ یہ امام مالک' امام ابوحنیفہ' ان کے اصحاب اور امام شافعی کا قول ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص تہبند اتار کر حوض میں داخل ہوا اور دخول سے اس کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی' امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کی شہادت بھی ساقط ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: وہ شخص معذور ہے' کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) (۴)

محارم کے سامنے پردہ کے ساتھ نہانا جائز ہے:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ انسان کا اپنی محارم عورت کے سامنے پردہ کے ساتھ نہانا جائز ہے۔ (۵)

دوران غسل ضرورتاً کلام کرنا جائز ہے:

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سلام کرنے میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال تو یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے سلام حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو کیا ہو' دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے سلام حضور نبی کریم ﷺ کو کیا ہو' دوسرے احتمال کی بناء غسل کرنے والے کو سلام کرنے کا جواز ہے' جب کہ آقا کریم ﷺ کا یہ فرمانا: کون ہے؟ اس میں غسل کرتے ہوئے کلام کرنے کا جواز ہے۔ (۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا برہنہ غسل کرنا اور اس کی توجیہات:

احادیث مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برہنہ غسل کرنے کا ذکر ہے' یہ پورا واقعہ اور اس کی توجیہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ النور ۲۴: ۳۰
۲۔ صحیح البخاری: ۳۶۹، ۳' سنن ابوداؤد ۱۹۴۶' صحیح مسلم: ۱۳۴۷' سنن نسائی: ۲۹۵۴
۳۔ شرح ابن بطال' ج ۱ ص ۴۰۲۔۴۰۱
۴۔ نعمۃ الباری' ج ۱ ص ۷۵۹۔۷۶۰
۵۔ عمدۃ القاری' ج ۲ ص ۳۴۷
۶۔ حاشیہ سندھی' ج ۱ ص ۵۷

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ' قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان موسٰی کان رجلا حی یا ستیرا' لا یری من جلدہ شیء استحیاء منہ' فاذاہ من آذاہ من بنی اسرائیل فقالوا: ما یستتر ھذا التستر' الا من عیب بجلدہ: اما برص واما ادرۃ: واما آفۃ' وان اللہ اراد این یبرئہ مما قالوا لموسی' فخلا یوما وحدہ' فوضع ثیابہ علی الحجر' ثم اغتسل' فلما فرغ اقبل الی ثیابہ لیاخذھا' وان الحجر عدا بثوبہ' فاخذ موسی عصاہ وطلب الحجر' فجعل یقول: ثوبی حجر' ثوبی حجر' حتی انتھی الٰی ملا من بنی اسرائیل' فراوہ عریانا احسن ما خلق اللہ' وابراہ مما یقولون' وقام الحجر' فاخذ ثوبہ فلبسہ' وطفق بالحجر ضربا بعصاہ' فواللہ ان بالحجر لندبا من اثر ضربہ' ثلاثا او اربعا او خمسا' فذلک قولہ: یا ایھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین آذوا موسی فبراہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراۃ' ینظر بعضھم الی بعض' وکان موسی صلی اللہ علیہ وسلم یغتسل وحدہ' فقالوا' واللہ ما یمنع موسی ان یغتسل معنا الا انہ آدر' فذھب مرۃ یغتسل' فوضع ثوبہ علی حجر' ففر الحجر بثوبہ' فخرج موسی فی اثرہ' یقول: ثوبی یا حجر' حتی نظرت بنو اسرائیل الی موسٰی؛ فقالوا: واللہ ما بموسی من باس' واخذ ثوبہ' فطفق بالحجر ضربا فقال ابو ھریرۃ: واللہ انہ لندب بالحجر' ستۃ او سبعۃ' ضربا بالحجر (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور ستر فرمانے والے تھے' ان کے جسم کا کوئی حصہ انتہائی حیا کی وجہ سے دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ بنو اسرائیل کے موذی قسم کے لوگوں نے انہیں اذیت پہنچانے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قدر ستر کرنے کی کوئی وجہ بجز اس کے نہیں کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے یا تو برص ہے یا ''ادر'' (خصیوں کا مرض) ہے یا کوئی اور بیماری ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ وہ عیب جوئی کرتے تھے' اس سے ان کی برأت ظاہر فرمائیں' چنانچہ (اس کی صورت یہ فرمائی کہ) ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں قضائے حاجت کے لیے صحرا میں نکلے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے' پھر غسل فرمانے لگے' غسل سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے کپڑے اٹھانے کیلئے پتھر کی طرف رخ کیا تو پتھر ان کے کپڑے لیے تیزی سے دوڑ پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اٹھایا (اور پتھر کی طرف دوڑے) تو لوگوں نے انہیں برہنہ دیکھ لیا اور دیکھا کہ اللہ نے انہیں بہترین اور خوبصورت جسم عطا کیا (اور وہ ہر عیب و مرض سے پاک ہیں) اور اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرما دی' اس بات سے جو بنی اسرائیل ان کے متعلق کہتے تھے' پھر پتھر رک گیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لئے اور انہیں پہن لیا' پھر (غصہ اور شرم کے مارے) اپنے عصاء سے پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی قسم! پتھر پر ان کی اس ضرب کے نشانات ہیں' تین یا چار یا پانچ' اور اسی واقعہ کی جانب اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء پہنچائی' پھر اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرمائی' اس بات سے جو انہوں نے (بنی اسرائیل) کہی اور وہ (موسیٰ علیہ السلام) اللہ کے نزدیک بہت صاحب وجاہت و حسین تھے۔

۱۔ i۔ بخاری' کتاب الانبیاء' رقم ۳۴۰۴' ص ۲۷۷ ii۔ ایضاً' کتاب الغسل' رقم ۲۷۸' ص ۲۴

iii۔ ایضاً' کتاب التفسیر' رقم ۴۷۹۹' ص ۹۹۵ iv۔ مسلم' کتاب الفضائل' رقم ۶۱۴۶۔ ۶۱۴۷' ص ۱۰۹۴

بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ برہنہ ہو کر (سب کے سامنے) غسل کیا کرتے تھے اور (بے شرمی سے) آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا کرتے تھے، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل فرماتے تھے (سب سے چھپ کر جو حیا کا فطری تقاضا تھا)۔ بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ "آدر" ہیں (وہ شخص جس کے خصیے میں مرض ہو)۔ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کے لیے تشریف لے گئے، اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے (اور غسل فرمانے لگے)، اُدھر وہ پتھر (اللہ کے حکم سے) ان کے کپڑے سمیت بھاگنے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: اے پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (عریاناً) دیکھ لیا اور کہنے لگے: کہ اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر تو کوئی عیب نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! پتھر میں اس مار کے نشانات ہیں تقریباً چھ یا سات۔(۱)

نقد حدیث: امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

☆ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے وادی تیہ میں قیام کے زمانے میں پیش آیا ہے کہ وہاں عمارتیں اور مکان نہ تھے۔(۲)

☆ ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو کر غسل کرنا بنی اسرائیل میں جائز ہو گا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ضرور ان کو روکتے۔(۳)

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل افضل ہونے کی وجہ سے کرتے تھے۔(۴)

☆ اگر فضا میں غسل کرے، تو اپنے گرد خط ہی کھینچ لے، کیونکہ وہاں بھی خدا کے بندوں میں سے موجود ہوتے ہیں، جن سے شرم کرنی چاہیے۔(۵)

☆ ہمارے فقہاء کے نزدیک تنہائی میں ستر عورت کا چھپانا واجب ہے اور یہ حکم عام ہے۔(۶)

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اگرچہ مخلوق کے کھلے اور چھپے ہوئے ہر امر پر مطلع ہے، اور اس کے لحاظ سے دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہ ہے، تاہم پردے کا کر لینا ادب ہے اور نہ کرنا بے ادبی ہے۔(۷)

۱۔ i۔ مسلم، کتاب الحیض، رقم ۷۷۰، ص ۱۵۰ ii۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، رقم ۳۲۲۱، ص ۱۲۴۱
iii۔ ابن حبان، کتاب التاریخ، رقم ۶۲۱۱، ص ۱۶۵۱ iv۔ مسند احمد، ابو ہریرہ، رقم الحدیث: ۸۱۷۳، ج ۲، ص ۳۱۵، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۹۸

۲۔ بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ج ۹، ص ۲۹۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ۱۴۲۵ھ

۳۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۶۱ ۴۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۳۸۲ ۵۔ انوار الباری، ج ۹، ص ۲۹۷

۶۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۹۱، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۲۳ھ ۷۔ ایضاً

☆ اس سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی شعور ہے لیکن وہ فقط علم حضوری کے درجہ کا ہے، اور ہر چیز کے اندر شعور کا ہونا شریعت سے ثابت ہے۔(۱)

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر جو ضربیں لگائیں، تو پتھر پر اس کے نشانات بھی آ گئے تھے۔ یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا پتھر پر نشانات آنا ہے۔(۲)

☆ بنی اسرائیل ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہایا کرتے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے خلوت میں نہاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر بنی اسرائیل نے اپنی جہالت سے رائے قائم کر لی، چونکہ آپ آدر ہیں، اس لیے ہمارے ساتھ برہنہ نہیں نہاتے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس الزام سے بری ہوں تو اس کی صورت وہ ہوئی، جس کا قصہ حدیث میں سے مذکور ہے۔(۳)

☆ جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے اتار کر رکھے تھے، وہی پتھر تھا جو آپ کے ساتھ محو سفر رہتا تھا۔ اسی پتھر سے بنی اسرائیل کے لیے پانی کے چشمے جاری ہوئے تھے۔(۴)

☆ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خلقت اور اخلاق کے اعتبار سے کامل بنایا ہے اور ان کو عیوب و نقائص سے پاک پیدا کیا ہے۔(۵)

☆ حق تعالیٰ نے مصلحت کے تحت عریانی کو بہتر و نافع جانا بہ نسبت ستر کے، جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کی طرف سے تردد و شک میں رہتے اور ممکن تھا کہ ایسے شکوک کے باعث وہ ان کی نبوت میں یقین نہ کرتے۔(۶)

☆ غسل کے وقت عریانی ان کے ہاں عیب اور بے شرمی کی بات نہ تھی، وہ اس کے عادی تھے، اس لیے خود ان کے دستور و عادت کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عریاں ہو جانا بھی خلاف شان نبوت نہ تھا۔ لہٰذا ان کا طعن و اتہام دفع کرنے کے لیے اس فی نفسہ خلافت شان نبوت امر کو گوارا کر لیا گیا۔(۷)

☆ علاج اور برأت عیب کی ضرورت کے وقت شرم گاہ کی طرف دیکھنا جائز ہے۔(۸)

☆ ضرورت شرعیہ ہو تو ستر کا دیکھنا جائز ہے۔(۹)

☆ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی خلقت اور اخلاق کے اندر غایت کمال ہوتے ہیں اور جو کوئی ان کی طرف نقص و عیب خلقت کو منسوب کرے گا، وہ ان کو ایذا دینے والوں میں سے ہوگا، اور اس کے مرتکب پر کفر کا خوف ہے۔(۱۰)

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں برہنہ لوگوں کے سامنے نہانا جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدی میں لوگوں کے سامنے برہنہ نہانا حرام ہے۔(۱۱)

۱۔ انوار الباری، ج ۹، ص ۲۹۷ ۲۔ رضوی، محمود احمد، سید، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۳، مکتبہ رضوان، لاہور

۳۔ ایضاً ۴۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۶۱ ۵۔ ایضاً

۶۔ انوار الباری، ج ۹، ص ۲۹۸ ۷۔ ایضاً ۸۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۶۷۷ ۹۔ فیوض الباری، ج ۲، ص ۲۴

۱۰۔ فتح الباری ج ۲، ص ۶۷۷ ۱۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۶۱

☆ اس پتھر پر صرف نشان ہی پڑے' اس لیے کہ اس پتھر سے چشموں کا پھوٹنا مقدر تھا' ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحالت غضب اس پر مارنا اس کی فناء کے لیے کافی تھا' سب کو معلوم ہے کہ ایک شخص کے صرف تھپڑ ماردیا۔ تو وہ مر گیا تھا' ملک الموت علیہ السلام کو مارا تو اس کی آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر ایک شخص کو نیزہ کا اشارہ کیا تھا تو وہ لڑکھڑاتا ہوا گر گیا تھا اور شور واویلا کرتے ہوئے سوختہ جان ہو کر مر گیا تھا۔ (۱)

☆ بہر حال پتھر کے بھاگنے پر وہ لوگ معترض ہو سکتے ہیں جو اللہ عزوجل کی قدرت اور معجزات انبیاء کے منکر ہوں۔ لیکن ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے تو اس واقعہ میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے' کیونکہ وہ خدا جو پتھر سے پانی جاری کرنے اور شیر خوار گی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام کروا کے جناب حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا اظہار فرما سکتا ہے' کیا وہی خدا اپنی قدرت کاملہ سے پتھر میں چلنے اور کپڑے لے کر بھاگنے کا شعور پیدا نہیں کر سکتا؟ ایک پتھر کے ذریعے ایک جلیل القدر نبی کو ان کی قوم کے جاہلانہ اعتراض سے بری نہیں کر سکتا۔ (۲)

☆ اگر خلوت میں کوئی برہنہ نہا رہا ہے تو کسی دوسرے کا اسے دیکھنا حرام ہے۔ (۳)

☆ مرد کا ستر (جس کی طرف دیکھنا حرام ہے) ناف سے گھٹنے کا حصہ ہے۔ اور عورت کا پورا جسم ہی ستر ہے۔ (۴)

☆ ضرورت کے وقت انسان اپنی شرم گاہ دوسرے کو دکھا سکتا ہے' مثلاً علاج کی ضرورت ہو یا عیب سے خود کو بری کرنے کی ضرورت ہے۔ (۵)

☆ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت بے داغ اور صورت بے عیب ہوتی ہے۔ (۶)

☆ اگر شریعت سابقہ کا قصہ مذمت کے ساتھ نہیں بیان کیا گیا تو اس کی اتباع ہم پر بھی لازم ہے۔ (۷)

تجزیاتی مطالعہ:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی شرم وحیا کے مالک تھے' تنہائی میں غسل کرتے تھے تا کہ آپ کے جسم مبارک کو کوئی دوسرا نہ دیکھے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ان باتوں کا خود کوئی جواب نہیں دیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت کی خود صورت پیدا فرمائی۔

☆ بنی اسرائیل کے اس گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے قیاس و وہم کی بنا پر یہ رائے قائم کر لی: کہ آپ کو کوئی بیماری ہے' جس کی وجہ سے ہمارے ساتھ برہنہ نہیں نہاتے۔ ان لوگوں نے تحقیق اور آپ سے پوچھے بغیر ہی یہ رائے قائم کی۔

☆ بنی اسرائیل کے لیے دوسروں کے سامنے برہنہ غسل کرنا جائز تھا' جب کہ تنہائی میں تہبند کے بغیر اور تہبند کے ساتھ مستحب تھا۔

۱۔ انوار الباری' ج ۹' ص ۲۹۸　　۲۔ فیوض الباری' ج ۲' ص ۲۳۔۲۴　　۳۔ فتح الملہم' ج ۳' ص ۱۹۱

۴۔ ایضاً' ص ۱۹۲　　۵۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۷۵۷　　۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

☆ شریعت محمدیہ میں پردہ کرنا ہر حال میں واجب ہے' سوائے اضطراری حالت کے۔ اس پر اجماع ہے کہ غسل کے وقت دیکھنے والوں کی نگاہوں سے پردہ کرنا واجب ہے اور جس طرح یہ جائز نہیں کہ بغیر ضرورت کے اپنی شرم گاہ کسی کو دکھائے' اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے کسی کی شرم گاہ کو دیکھے۔ پردہ کی اصل قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

۱۔ اے ایمان والو! تمہارے غلام (نوکر) اور تمہارے وہ بچے ہیں جو ابھی بالغ نہیں ہوئے' ان کو چاہیے کہ وہ (آنے کے لیے) تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں:

۱۔ نماز فجر سے پہلے۔

۲۔ دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو۔

۳۔ نماز عشاء کے بعد۔

۲۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں' ان اوقات کے بعد (آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے۔(۱)

☆ یہ وہ اوقات ہیں جن میں انسان اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے' لہٰذا ان اوقات میں اگر ان میں سے کوئی تمہارے گھر بغیر اجازت کے آیا تو وہ گنہگار ہوگا' کیونکہ ان اوقات میں یہ احتمال ہے کہ آنے والا تم کو برہنہ دیکھ لے۔

۳۔ اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا ہے' جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپائے اور زینت بنے۔(۲)

☆ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرم گاہ چھپانے کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔

آپ مؤمنین سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لیے پاکیزہ چیز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نگاہوں کو پست رکھنے اور شرمگاہوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہ کرے۔(۳)

☆ آئمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جو بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہوا (یعنی جس نے لوگوں کے سامنے برہنہ غسل کیا) اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ یہ امام مالک' امام ابوحنیفہ' ان کے اصحاب اور امام شافعی کا قول ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص تہبند اتار کر حوض میں داخل ہوا اور دخول سے اس کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی' امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کی شہادت بھی ساقط ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: وہ شخص معذور ہے' کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ سکتے ہیں۔(۴)

☆ اس قصہ میں بنی اسرائیل کے برہنہ پن کی مذمت کی گئی ہے لیکن اکٹھے نہانے کو روا رکھا گیا ہے۔

۱۔ النور ۲۴: ۵۸　　۲۔ الاعراف ۷: ۲۶　　۳۔ i۔ بخاری رقم ۳۶۹　　ii۔ ابوداؤد رقم ۱۹۴۶　　iii۔ مسلم رقم ۱۳۴۷

iv۔ نسائی رقم ۲۹۵۴

۴۔ شرح ابن بطال' ج ۱' ص ۴۰۲۔۴۰۱۔

عصرِ حاضر میں رہنمائی:

اس قصہ سے انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے لیے دو دو باتیں مستخرج ہوتی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف): اس قصہ سے انفرادی زندگی میں ہمارے لئے دو باتیں مترشح ہوتی ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے برہنہ ہو کر نہانے کی اجازت تھی، اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے، تاکہ کسی دوسرے کو جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ اسلام میں مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک اور عورت کے لیے سارا جسم ماسوا ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کے چھپانا فرض ہے۔ اس لیے ہر انسان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص گھروں، غسل خانوں، نہروں، تالابوں، سمندروں اور سوئمنگ پولز (swimming pools) میں نہاتے ہوئے ستر کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس پر شرم وحیاء کا دارومدار، اور اس پر آج کل عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کے اعتراض کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ نہیں کہا، کیونکہ یہ لایعنی سوال تھا۔ اسی طرزِ عمل کی طرف قرآن مجید نے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (۱)

ترجمہ: اور جب ان (رحمان کے بندوں) سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو وہ سلام (کہتے ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔ آج اکثر لوگ ہر لایعنی بات کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور معاشرے کا سکون برباد ہو رہا ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہا السلام اور قرآن کا طرزِ عمل بتا رہا ہے کہ لغو باتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس پر خاموش رہنا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔ اگر آدمی کا خود کوئی قصور نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے لیے بہتری کا سامان پیدا کر دے گا۔

(ب): اس قصہ سے اجتماعی زندگی میں رہنمائی کے لیے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں:

۱۔ اکثر لوگ آج بھی تحقیق وتفتیش کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنے قیاس وہم یا دوسروں کے کہنے سننے پر رائے قائم کر لیتے ہیں۔ یہ واقعہ اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ ہمیں کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے خوف غور وخوض اور تحقیق کرنی چاہیے۔ اور متعلقہ فریق کی رائے بھی جاننی چاہیے۔

۲۔ کھلی جگہوں پر نہاتے ہوئے سترِ عورت کا چھپانا فرض ہے۔ اس لیے جب ایسی جگہوں پر نہایا جائے تو مرد کو ناف سے گھٹنے تک عورت کو ہاتھ، پاؤں اور چہرے کے علاوہ باقی جسم کا پردہ کر کے نہانا چاہیے۔

۹۔ خلاصہ:

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل کرتے وقت لوگوں سے پردہ کرنا واجب ہے۔

۱۔ الفرقان ۲۵:۶۳

☆ حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ایسے پردہ کر کے غسل فرمایا۔

☆ حضرت فاطمۃ الزاھراء رضی اللہ عنہا کے پردہ کرنے کا واقعہ رمضان ۸ھ فتح مکہ والے دنوں کا ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ازار باندھ کر غسل فرماتے تھے لیکن پھر بھی پردہ کرتے تھے تا کہ باقی جسم اطہر پر بھی کسی کی نظر نہ پڑے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بڑے شرم وحیاء کے پیکر تھے۔

☆ غسل کرتے وقت پردے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے ہمارے ہاں تالابوں' نہروں' سوئمنگ پولز (Swimming Pools) اور دوسری کھلی جگہوں پر نہاتے وقت پردے کا بہت کم اہتمام کیا جاتا ہے' جو کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے برعکس امر ہے' اسی طرح پارکوں' سیر گاہوں' ورزش خانوں اور کھیلوں کے میدانوں میں سے پردہ کو نکال دیا جارہا ہے (یعنی رخصت کیا جارہا ہے) جو کہ ایک مسلمان کے لئے تکلیف دہ امر ہے' اس سے بچنا لازم ہے' کیونکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک شرمگاہ ہے' اور عورت کے لئے ہاتھ' پاؤں اور چہرہ کے علاوہ پورا جسم ستر ہے' جبکہ فتنہ کی بناء پر ہاتھ' پاؤں اور چہرہ کا پردہ بھی وقت ہے' اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہمیں اپنے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ بالغ مرد وعورت کے مقام ستر کو دیکھنا جائز نہیں ہے' جس طرح خود پردے کا اہتمام کرنا واجب ہے' اسی طرح کسی دوسرے کے مقام ستر کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

☆ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا' آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں' آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبار پیغام نکاح دیا تھا۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یہ آٹھ رکعت جو پڑھیں' یہ چاشت کی نماز تھی۔

☆ ایک کپڑا جو ستر عورت کو ڈھانپنے والا ہو' اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ غسل کرتے وقت ضرورتاً کلام کرنا جائز ہے' جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟

بَابُ ذِكْرِ الْقَدْرِ الَّذِي يَكْتَفِي بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْمَاءِ لِلْغُسْلِ

باب ۱۴۴: نہانے کے لئے پانی کی مقدار کا بیان

اس باب میں ان احادیث مبارکہ کا بیان ہے' جن میں نہانے کے لئے پانی کی اس مقدار کا بیان ہے' جس پر اکتفا کیا جا سکتا ہے' اگرچہ شریعت اسلامیہ میں نہانے کے لئے کسی خاص مقدار کا تعین نہیں ہے' البتہ پانی کے ضیاع سے منع کیا گیا ہے' اس باب میں تھوڑے پانی سے نہانے کا بیان ہے' جس کی مقدار مختلف ہے' بعض احادیث مبارکہ میں ایک صاع اور ڈیڑھ صاع سے بھی غسل کرنے کا بیان ہے' اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے' پچھلے باب میں

نہاتے وقت پردہ کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں نہانے کے لئے پانی کی مقدار کا بیان ہے۔

۲۲۶۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ مُوسَى الْجُهَنِيِّ قَالَ :أُتِيَ مُجَاهِدٌ بِقَدَحٍ حَزَرْتُهُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ فَقَالَ :حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِمِثْلِ هَذَا

حضرت موسیٰ جہنی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ایک پیالہ پکڑے ہوئے تشریف لائے (میرے اندازے کے مطابق وہ پیالہ آٹھ رطل کا تھا) آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے پانی سے غسل کرلیا کرتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس میں غسل کے لئے پانی کی آٹھ رطل مقدار کا بیان ہے۔

۲۔اطراف:

احمد'ج ۶'ص ۵۱'السنن الکبریٰ: ۲۳۰' تحفۃ الاشراف: ۱۷۵۸۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے' باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن عبید: آپ کا نام ابوجعفر محمد بن عبید بن محمد بن واقف نحاس محاربی کوفی (م:۲۵۱ھ) ہے' امام ترمذی نے آپ کی کنیت ابویعلیٰ ذکر کی ہے' آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے صدوق ثقہ راوی ہیں' امام ابوداؤد' ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں' آپ سے سنن نسائی میں سترہ (۱۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔یحییٰ بن زکریا: راجع: ۱۱۵

۳۔موسیٰ:

آپ کا نام ابوموسیٰ بن عبداللہ جہنی کوفی (م: ۱۴۴ھ) ہے' بعض نے آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ولدیت عبدالرحمٰن ذکر کی ہے' آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ' عابد راوی ہیں' اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آپ ثقہ عابد راوی ہیں' علامہ قطان نے جو آپ پر جرح کی ہے' وہ درست نہیں ہے' امام مسلم' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے صرف دو احادیث مبارکہ مروی ہیں' ایک یہی (۲۲۶) اور دوسری حدیث نمبر (۲۸۹۷) ہے۔(۲)

۱۔ i۔المعجم المشتمل'ص ۹۰۳ ii۔الثقات'ج ۹'ص ۱۰۸

۲۔ i۔طبقات ابن سعد'ج ۶'ص ۲۹۷ ii۔الجرح والتعدیل'ج ۸'ص ۱۵۰

۴۔ مجاہد: راجع: ۱۳۴ ۵۔ عائشۃ: راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ بہترویں (۷۲) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی کوفی' حضرت مجاہد مکی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت مجاہد بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد اور مشہور امام تفسیر ہیں۔
☆ یہ تابعی (موسیٰ) کی دوسرے تابعی (مجاہد) سے روایت ہے۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت اخبرنا' عن' قال ایک ایک دفعہ اور تحدیث دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔ لغات:

اتی: لایا گیا' یہاں لے آئے مراد ہے۔ **قدح:** پیالہ جس سے مشروب پیا جاتا ہے
حزرته: میرے اندازے کے مطابق **ثمانية ارطال:** آٹھ رطل
حدثتني: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا **كان يغتسل:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہا لیتے تھے
بمثل هذا: اس کی مثل۔ مراد ہے اتنے پانی سے

۲۲۷۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَأَخُوهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَسَأَلَهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَدْرَ صَاعٍ، فَسَتَرَتْ سِتْرًا، فَاغْتَسَلَتْ فَأَفْرَغَتْ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثًا

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی نے آپ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق پوچھا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تقریباً چار لیٹر پانی کا برتن منگوایا' پھر آپ نے پردہ لٹکایا اور غسل کیا' آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر انور پر تین دفعہ پانی بہایا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چار لیٹر پانی کا برتن منگوایا... اور غسل کیا۔

۲۔اطراف:

بخاری:۲۵۱، مسلم:۳۲۰، السنن الکبریٰ:۲۳۲، تحفۃ الاشراف:۱۷۷۹۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ:	راجع:۵	۲۔خالد:	راجع:۱۴۵
۳۔شعبۃ:	راجع:۱۱۰	۴۔ابوبکر بن حفص:	راجع:۱۷۸
۵۔ابوسلمۃ:	راجع:۱۶۱	۶۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ ننانویں (۹۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ سند میں دو راوی حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ہیں۔

☆ یہ بھانجے کی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ، سمعت ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اخوھا من الرضاعۃ: آپ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی۔ مراد ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی۔

منسالها عن غسل النبی ﷺ:	انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سے آقا کریم ﷺ کے غسل کے بارے میں پوچھا۔
وعت باناء:	آپ رضی اللہ عنہا نے پانی کا برتن منگوایا
صاع:	تقریباً چار لیٹر
فسترت سترا:	آپ رضی اللہ عنہا نے پردہ لٹکایا
فافرغت:	آپ رضی اللہ عنہا نے پانی بہایا' پانی انڈیلا

حدیث مذکورہ پر منکرین حدیث کا اعتراض اور اس کا جواب:

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم ورک لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا کوئی عام مسلمان برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی بیوی ایک پتلا سا پردہ تان کر سب کے سامنے نہائے اور ''شرعی غسل'' کا طریقہ بتائے؟ کیا رسول کریم ﷺ کی اپنی آنکھیں یہ منظر برداشت کرسکتی تھیں کہ آپ کی زوجہ محترمہ غیر محرموں کے سامنے عملی طور پر نہانے کا طریقہ بتائیں؟ پھر یہ کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زبان سے نہیں بتا سکتی تھیں اور کیا یہ اتنا ہی مشکل مسئلہ تھا کہ عملی نمونہ پیش کیے بغیر سمجھایا نہیں جاسکتا تھا؟ چونکہ اس حدیث میں بے حجابی ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ کے علو مرتبت کے خلاف ہے' لہٰذا ناقابل اعتبار ہے۔(۱)

توضیحات:

اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں بنیادی غلطی یہ پائی جاتی ہے کہ روایت میں ''حجاب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنیٰ ''پردہ'' کے ہیں مگر اس میں یہ بات اپنی طرف سے شامل کر لی گئی ہے یہ کوئی باریک سا پردہ تھا اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اگر پردہ باریک نہ ہوتا جس میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہاتی ہوئی نظر آسکتیں تو پھر اسے درمیان میں ڈال کر غسل کرنے سے کیا فائدہ؟ حالانکہ اگر اس بات کی تحقیق کرنے کی زحمت کر لی جاتی کہ اس وقت اصل مسئلہ کیا درپیش تھا جس کو سمجھنے کے لئے ان حضرات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی تو کوئی غلط فہمیوں کا ازالہ خود بخود ہو جاتا اور معترضین کو ان کے اعتراض کا شافی جواب مل جاتا۔

زیر تبصرہ حدیث متفق علیہ ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کے بیان کے لئے جو عناوین قائم کیے ہیں' ان میں سوال کی اصل نوعیت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث پر ''الغسل بالصاع ونحوہ'' کے عنوان سے باب باندھا ہے' یعنی تقریباً ایک صاع پانی سے غسل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں اس حدیث پر ''القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے' یعنی غسل میں کتنا پانی استعمال کرنا مستحب ہے؟ گویا محدثین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے دراصل غسل کے لئے پانی کی مقدار کے بارے میں سوال کیا تھا جو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے۔ حدیث

۱۔　دو اسلام ص ۱۲۳، اسلام کے مجرم ص ۲۶

کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں اختلاف یہ نہ تھا کہ غسل کا طریقہ کیا ہے بلکہ بحث یہ چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہوسکتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع پانی سے غسل کرلیا کرتے تھے۔ اتنے پانی کو غسل کے لئے ناکافی سمجھا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیچ میں پردہ لٹکا کران کو عملاً غسل کر کے دکھایا اور یوں دو باتیں سمجھائیں۔ ایک یہ کہ غسل جنابت کے لئے جسم پر پانی بہانا کافی ہے اور دوسرا یہ کہ اس مقصد کے لئے ایک صاع پانی کفایت کرجاتا ہے۔

علامہ حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) قاضی عیاض کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کے نہانے کے عمل کو سر اور جسم کے بالائی حصہ میں ملاحظہ کیا' یعنی وہ حصہ کہ جس کا دیکھنا محرم کے لئے جائز ہوتا ہے' جبکہ جسم کے باقی حصہ کو پردے میں رکھا جس کا دیکھنا محرم کے لئے جائز نہیں۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عملی نمونہ اس لئے پیش فرمایا تا کہ مسئلہ بالکل واضح ہوجائے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے صرف ایک بار سارے جسم پر پانی بہا کر غسل کی کیفیت بیان فرمادی اور صرف ایک صاع پانی سے غسل فرما کر کمیت یعنی پانی کی مقدار بیان فرمادی۔ ظاہر ہے کہ ایک ماں کے لئے اپنے بچوں کو تعلیم دینے کا بھلا اس سے اچھا اور طریقہ کیا ہوسکتا تھا' علامہ ابن حجر (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل میں اس بات کی دلیل ہے کہ عملی شکل میں بھی تعلیم دینی چاہئے کیونکہ یہ طریقہ بات کو زیادہ ذہن نشین کرادیتا ہے اور چونکہ سوال میں غسل کی کیفیت اور پانی کی مقدار دونوں کے بارے میں استفسار کا احتمال تھا' اس لئے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے ایسے طریقے سے بات واضح کی کہ انہیں دونوں سوالوں کا جواب مل گیا۔ (۲)(۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے ساتھ غسل کرنے کی وضاحت:

حدیث میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر اکٹھے غسل کرتے تھے۔
احادیث صحیحہ کی روشنی میں وضو کے لئے ایک لیٹر پانی کافی ہے اور غسل کے لئے چار لیٹر پانی کافی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ساتھ غسل کرتے تھے تو وہ کپڑے پہن کر غسل کرتے تھے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن مولٰی عائشة قالت ما رایت فرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط۔ (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔
ملا علی قاری اور علامہ مناوی نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے:

وجاء فی روایة عنها ایضا ما رایت منه ولا رای منی یعنی الفرج۔ (۵)

۱۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۳۶۵
۲۔ فتح الباری' ج ۱' ص ۳۶۵
۳۔ متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات' ص ۲۰۲۔ ۲۰۴
۴۔ جامع ترمذی' ص ۵۹۷
۵۔ جمع الوسائل' ج ۲' ص ۲۱۷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی ہے میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ دیکھی نہ آپ نے کبھی میری شرمگاہ دیکھی۔

کیونکہ عورت کا پورا جسم واجب الستر ہوتا ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لباس پہن کر غسل کرتی تھیں۔

بعض احادیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کریں گے تو لازم آئے گا کہ جس برتن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پانی لیا ہو اس کے بعد آپ اسی برتن سے پانی لیں اس سے عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا لازم آئے گا اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا تنزیہہ کے لئے تھا اور عمل بیان جواز کے لئے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غسل کر کے دکھانا اور اس پر اعتراض کا جواب:

حدیث میں ہے دو آدمیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے غسل کے پانی کی مقدار پوچھی تو آپ نے ساڑھے چار لیٹر پانی منگایا اور حجاب کے پیچھے ان کو غسل کر کے دکھادیا۔

اس حدیث پر منکرین حدیث اعتراض کرتے ہیں کہ ان احادیث کو ماننے سے لازم آتا ہے اجنبی مرد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو غسل کر کے دکھادیتی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرد اجنبی نہ تھے ان میں سے ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھتیجے تھے اور دوسرے عبداللہ بن یزید آپ کے رضاعی بھائی تھے غرض دونوں محرم تھے آپ نے حجاب کی اوٹ میں غسل کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ازواج مطہرات کپڑوں کے ساتھ غسل کرتی تھیں اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو شرح صدر ہو جائے کہ اتنی مقدار پانی غسل کے لئے کافی ہوتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں نے سر اور جسم کے اس بالائی حصہ میں غسل کا عمل دیکھا جس کا دیکھنا محرم کے لئے جائز ہے اور اگر انہوں نے اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی منگوانے اور ان کی موجودگی میں غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ستر کا انتظام سر اور چہرے کے نچلے حصہ کے لئے کیا تھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عملی طور پر بھی کسی چیز کی تعلیم دینا جائز ہے کیونکہ قولاً تعلیم کی بہ نسبت عملاً تعلیم ذہن میں زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ بعض علماء (حافظ عسقلانی) نے کہا ہے کہ ان کا سوال غسل کی کیفیت اور غسل میں پانی کی مقدار دونوں سے متعلق تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں چیزوں کی رہنمائی کی سر پر پانی بہا کر غسل کی کیفیت کو بتایا اور ایک صاع (ساڑھے چار لیٹر) پانی سے غسل کر کے یہ بتادیا۔ کہ پانی کی اتنی مقدار غسل کے لئے کافی ہے۔ (۱) (۲)

۱۔ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۹۸۔۱۹۷ ۲۔ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے محارم کو حجاب کے پیچھے غسل کر کے دکھانا:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے اور بھائی) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سر اور جسم کا اوپر والا وہ حصہ دیکھا، جس کو محرم کے لئے دیکھنا جائز ہے اور اگر ان دونوں نے آپ کے جسم کا اوپری حصہ نہ دیکھا ہوتا تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی منگوانے اور غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا' کیونکہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب پردے کے پیچھے کیا ہوتا تو پھر اس کا احتمال یہ ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو بیان کرتیں اور ان دونوں کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حجاب حائل تھا' وہ جسم کے حصوں کے لئے تھا' جن کو دیکھنا محارم کے لئے جائز نہیں تھا۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غسل کرنے کے عمل کو دیکھا یعنی سر دھونے اور اوپر کے جسم پر پانی بہانے کا مشاہدہ کیا کیونکہ اگر وہ اس کا بھی مشاہدہ نہ کر سکتے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی طلب کر کے' ان دکھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور زبانی بیان کرنے میں اور عمل کر کے دکھانے میں کوئی فرق نہ رہتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں کا سوال پانی کی مقدار میں بھی تھا کہ غسل کیلئے کتنی مقدار پانی ضروری ہے اور غسل کی کیفیت کے متعلق بھی تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عمل سے دونوں باتوں کی طرف رہنمائی کی' غسل کی کیفیت تو اپنے اوپر پانی بہا کر بتائی اور غسل کے لئے پانی کی مقدار ایک صاع (چار لیٹر پانی) سے غسل کر کے بتائی۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو صرف زبانی ہی بتا دیتیں تو ان کو پھر بھی مسئلہ معلوم ہو جاتا' لیکن ان کے اذہان میں اس قدر راسخ نہ ہوتا کیونکہ جب کوئی کام کر کے دکھایا جائے تو اس سے زیادہ شرح صدر ہوتا ہے' ہوسکتا ہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ایک صاع پانی غسل کے لئے کافی نہیں ہوسکتا تو آپ نے حجاب کے پیچھے انہیں غسل کر کے دکھا دیا کہ اتنی مقدار میں پانی کافی ہو جاتا ہے۔(۲)

خلاصہ:

- ☆ دونوں حضرات کا سوال پانی کی مقدار میں تھا۔
- ☆ مسئلہ پوچھنے والے دونوں حضرات اجنبی نہ تھے' بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محرم تھے۔
- ☆ حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھتیجے اور حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ رضاعی بھائی تھے۔
- ☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کپڑوں سمیت پردے کی اوٹ میں غسل کیا۔
- ☆ دونوں حضرات کو آپ رضی اللہ عنہا کا سر مبارک اور چہرہ نظر آیا' باقی جسم پردے کی اوٹ میں تھا۔

۱۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم' ج ۲' ص ۱۶۳ ۲۔ فتح الباری' ج ۱' ص ۷۸۶۔۷۸۵' نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۷۳۲

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عملاً کر کے دکھلانا شرح صدر کے واسطے تھا' یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی عورت اپنے بھائی اور بھتیجے کو سکھلائے۔(۱)

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں' اس اعتبار سے یہ ماں کا اپنے بیٹوں کو سکھلانا ہے۔

☆ دونوں حضرات نے نہانے کے عمل کو سر اور جسم کے بالائی حصہ میں ملاحظہ کیا۔

☆ سوال میں غسل کی کیفیت اور پانی کی مقدار دونوں کے بارے میں استفسار کا احتمال تھا' اس لئے سیدہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کی وضاحت کر دی۔

۲۲۸۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ فِي الْقَدَحِ -وَهُوَ الْفَرَقُ -وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَهُوَ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کٹورہ پانی سے غسل فرما لیتے تھے' جس میں تقریباً آٹھ لیٹر پانی ہوتا تھا' نیز میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پہلے حصہ میں ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کٹورہ پانی سے غسل فرما لیتے تھے' جس میں تقریباً آٹھ لیٹر پانی ہوتا تھا۔

۲۔اطراف:

راجع:۷۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔قتیبہ بن سعید:	راجع:۱۱۸	۲۔اللیث:	راجع:۱۲۴
۳۔ابن شہاب:	راجع:۱۱۶	۴۔عروۃ:	راجع:۱۴۶
۵۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ i۔اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ' ج ۷' ص ۱۸۶ ii۔سیر اعلام النبلاء' ج ۳' ص ۴۳۴

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ تہتروں (۷۳) روایت مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (ابن شہاب زھری) کی دوسرے تابعی (عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) سے ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے تھے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

یغتسل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمالیتے **القدح:** کٹورہ۔ پیالہ۔

الفرق: ایک پیالہ جو سولہ رطل کے برابر تھا، موجودہ پاکستانی آٹھ کلوگرام یا آٹھ لیٹر کے برابر

اناء واحد: ایک برتن

۲۲۹۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ، وَيَغْتَسِلُ بِخَمْسَةِ مَكَاكِيَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لیٹر (مکوک) پانی سے وضو اور پانچ لیٹر پانی سے غسل کرلیا کرتے تھے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابق اس آخری جملہ میں ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ لیٹر پانی سے غسل فرمالیا کرتے تھے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۷۳

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' ان سب کا تعارف پہلے گذر چکا ہے' البتہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ سوید بن نصر:　　راجع: ۵۵

۲۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت عبداللہ بن مبارک زمرۂ تبع تابعین کے گل سرسبد تھے۔ ان کی زندگی کا مکمل نمونہ اور اس کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ ان کا جذبۂ دینی اور شوق جہاد' ان کی فیاضی اور نرم خوئی' دنیا سے بے رغبتی اور احساس ذمہ داری اور اس کے سوانح حیات کے جلی عنوانات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کوئی مادی طاقت نہیں تھی مگر انہی اخلاقی صفات کی وجہ سے اسلامی مملکت کے ہر فرد کے دل پر ان کی حکمرانی تھی۔

ایک بار وہ رقہ آئے' پورے شہر ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑا۔

اتفاق سے ہارون رشید اپنے خدام وحشم کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ محل سے اس کی بیوی یا اس کی لونڈی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان کے عالم عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آئے ہوئے ہیں' یہ انہی کے مشتاقان دید کا ہجوم ہے۔ اس نے بے ساختہ کہا کہ "حقیقت میں خلیفۂ وقت یہ ہیں۔ نہ ہارون کہ اس کے گرد پولیس اور فوج کی مدد کے بغیر کوئی مجمع نہیں ہوتا"۔

نسب:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے والد مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے غلام تھے۔ ان کی شادی اسی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس وقت تک اسلامی معاشرہ میں عہد سعادت کے آثار باقی تھے' اس لئے نسبت نکاح کا معیار حسب ونسب نہیں بلکہ لڑکے کی صلاحیت اور اس کا دین وتقویٰ ہوتا تھا۔ مبارک چونکہ اس حیثیت سے ممتاز تھے' اس لئے آقا نے اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی۔ گو اس کی نسبتیں دوسری بڑی بڑی جگہوں سے بھی آرہی تھیں۔ مبارک کی جن خصوصیات کی بنا پر یہ شادی ہوئی مختصراً ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مبارک نہایت دیانت دار ومحتاط شخص تھے۔ آقا ان کے سپرد جو کام کرتا تھا اس کو وہ نہایت دیانت داری اور اطاعت شعاری کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ آقا نے باغ کی نگرانی ان کے سپرد کر دی تھی۔

ایک بار اس نے ان سے کہا کہ ایک ترش انار باغ سے توڑ لاؤ' وہ گئے اور شیریں انار توڑ لائے۔ آقا نے غصہ میں کہا: تمہیں ترش و شیریں انار کی بھی تمیز نہیں؟ انہوں نے کہا کہ "نہیں"۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ آپ نے مجھے ترش انار کھانے کی اجازت تو دی نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کو کیسے پہچان سکتا ہوں' اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بات صحیح ہے۔

مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی اس غیر معمولی دیانت داری اور حق شناسی کا اس پر بہت اثر پڑا اور وہ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے آقا کی ایک نا کتخدانہ لڑکی تھی جس کی شادی کے پیغامات ہر طرف سے آرہے تھے' لیکن غالباً وہ ان نسبتوں میں کوئی فیصلہ

نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے اس بارے میں مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مشورہ کیا کہ مبارک! میں اس لڑکی کی شادی کہاں اور کس سے کروں؟ انہوں نے کہا کہ:

''عہد جاہلیت میں لوگ نسبت میں حسب یعنی عزت و شہرت اور نسب کو تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کو مالدار کی جستجو ہوتی تھی اور عیسائی حسن و جمال کو ترجیح دیتے تھے' لیکن امت محمدیہ کے نزدیک تو معیار دین و تقویٰ ہے' آپ جس چیز کو چاہیں ترجیح دیں''۔

آقا کو ان کا یہ ایمان افروز اور دانشمندانہ جواب بہت پسند آیا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ''میری لڑکی کا شوہر بننے کے لئے مبارک سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے''۔ بیوی بھی نیک بخت تھیں' انہوں نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور آقا کی لڑکی سے ان کی شادی ہوگئی۔ (۱)

ولادت اور تعلیم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اسی باسعادت لڑکی کے بطن سے ۱۱۸ھ میں مرو میں پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔ ان کا اصلی وطن مرو تھا۔ اس لئے وہ مروزی کہلاتے ہیں۔ یہ مرو جہاں ان کی ولادت ہوئی' مسلمانوں کا قدیم شہر ہے۔ افسوس ہے کہ یہ اس وقت روس کے قبضہ میں ہے۔ اس سرزمین سے جہاں اخلاق و روحانیت کے سینکڑوں چشمے اُبلے اور اسلامی علم و تمدن کے صدہا سوتے پھوٹے اب وہاں مادیت ہی کا نہیں بلکہ دہریت کا سیلاب رواں ہے۔ (۲)

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں' لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتدائے عمر ہی سے طلب علم کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے لگے تھے۔ (۳)

اس وقت اسلامی مملکت کے کسی قصبہ اور کسی قریہ میں بھی علماء کی کمی نہ تھی۔ مرو جو خراسان کا ایک مشہور شہر تھا' اس کو اچھی خاصی مرکزیت حاصل تھی' اس لئے وہاں اہل علم کی کیا کمی ہوسکتی تھی۔ غالباً ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں ہوئی۔ اس کے بعد اس زمانے کے عام رواج یا طریقہ کے مطابق علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ اس کے لئے انہوں نے شام و حجاز' یمن و مصر اور کوفہ و بصرہ کے مختلف شہروں اور قصبوں کا سفر کیا اور جہاں سے جو جواہر علم ملے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ (۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طلب علم کے لئے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ سفر کرنے والا ان کے زمانے میں کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ انہوں نے دور دراز شہروں کا سفر کیا تھا۔ مثلاً یمن' مصر' شام' کوفہ' بصرہ وغیرہ۔

ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ ابن خلکان۔ شذرات الذہب' ج ا' ص ۲۹۶　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۲۵۰
۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۲۵۰　　۴۔ تہذیب الاسماء' ج ا' ص ۲۸۶

ما رایت رجلا اطلب للعلم فی الآفاق من ابن المبارک۔(۱)

''میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا''۔

یہ سفر آج کی طرح نہ تھا کہ چند لمحوں میں انسان نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ اس زمانے کے سفر کا ذکر ہے' جب لوگ پیدل یا اونٹ یا گدھوں کے ذریعہ مہینوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے تھے' پھر راستوں کی دشواریاں تو الامان' الحفیظ۔ اور یہ کچھ عبداللہ بن مبارک ہی کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ سب ہی اکابر آئمہ نے حصول علم میں دور دور کی خاک چھانی تھی۔

علم حدیث سے شغف:

ان کو تمام دینی علوم میں دسترس تھی۔ مگر علم حدیث کے حفظ اور روایت سے انہیں خاص شغف تھا' جو وقت جہاد اور عبادت سے بچتا تھا' وہ اس مبارک کام میں صرف کرتے تھے۔ بسا اوقات حدیث کا ذکر خیر چھڑ جاتا تو پوری رات آنکھوں میں کٹ جاتی۔ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد علی بن حسن سے کسی حدیث کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ساری رات مسجد کے دروازے پر کھڑے کھڑے گزر گئی اور ان کو احساس بھی نہ ہوا۔(۲)

شغف بالحدیث کا یہ عالم تھا کہ گھر سے باہر بہت کم نکلتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ہمہ وقت مکان کے اندر بیٹھے رہتے ہیں' وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ وحشت کی کیا بات ہے؟ جب کہ مجھے اس تنہائی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے شرف صحبت کی دولت نصیب ہے۔ مقصد یہ تھا کہ میں جب ہر وقت حدیث نبوی اور آثار صحابہ کے مطالعہ اور غور وخوض میں لگا رہتا ہوں تو گویا میں ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان سے بات چیت کرتا ہوں اور ان کی نشست و برخاست' رفتار وگفتار کا نقشہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے' پھر اس سے زیادہ ایک مسلمان کی لئے انس اور خوشی کی بات کیا ہوسکتی ہے۔

علم حدیث میں ان کا مرتبہ:

علم حدیث میں ان کا مرتبہ ایک امام حدیث کا تھا۔ حدیث کی جتنی متداول کتابیں ہیں ان کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔ ان سے جو روایات مروی ہیں' ان کی تعداد بیس اکیس ہزار بتائی جاتی ہیں۔ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور حافظ حدیث اور امام جرح وتعدیل ہیں' فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو روایتیں کی ہیں' ان کی تعداد بیس اکیس ہزار ہے۔(۳)

لیکن کثرت روایت سے ان کی حدیث دانی کا پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے معاصر آئمہ حدیث اور بعد کے محدثین اور فقہاء اور آئمہ رجال کے خیالات معلوم کئے جائیں اور اسی آئینہ میں ان کی حدیث دانی کے خدوخال دیکھے جائیں۔

حضرت ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جو آئمہ اسماء رجال میں ہیں' وہ فرماتے تھے کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے افضل تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ آپ کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۱ ۲۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۷۸

۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۱

فرمایا کہ عام لوگوں کو ان کے علم کا اندازہ نہیں ہے۔ میں نے ابن مبارک جیسا کسی کو نہیں پایا۔ پھر کہا: میرے نزدیک آئمہ حدیث چار ہیں۔ سفیان ثوری، امام مالک، حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ۔

حضرت ابو اسحاق فزاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ امام المسلمین تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حافظ حدیث اور اسکے عالم تھے۔ سفیان ثوری گو ابن مبارک کے استاد ہیں، مگر ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ ایک بار ان کے سامنے کسی نے ابن مبارک یا عالم المشرق (اے مشرق کے عالم) کے لفظ سے مخاطب کیا۔ سفیان ثوری موجود تھے، انہوں نے اس شخص کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ان کو عالم المشرق والمغرب کہو۔

محدثین میں اگر کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا، تو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ حضرت فضالہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کوفہ کے محدثین کی خدمت میں میری آمد و رفت تھی۔ جب کسی حدیث کے بارے میں ان میں اختلاف ہوتا تو وہ لوگ کہتے تھے، اچھا اس اختلاف کو طبیب حدیث کے پاس لے چلو وہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ اس طبیب سے مراد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (۱)

حدیث کا احترام:

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں بے حد احترام تھا۔ اگر کسی سے اس کے خلاف حرکت سرزد ہو جاتی تو خفگی کا اظہار کرتے تھے۔ ایک بار کوئی شخص دور سے سفر کر کے سماع حدیث کے لئے ان کے پاس آیا اور اسی وقت سماع کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کیا۔ وہ فوراً اٹھ کر جانے لگا تو دوڑ کر اس کی سواری کی رکاب تھام لی۔ اس نے کہا کہ آپ نے حدیث کے سماع سے تو محروم رکھا، مگر میری سواری کی رکاب تھام رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! میں اپنی ذات کو تو ذلیل کر سکتا ہوں مگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین مجھے گوارا نہیں۔ (۲)

غالباً اس نے بے موقع سوال کیا تھا یا سماع حدیث کا وہ اہل نہیں تھا۔ اس لئے سماع نہیں کیا۔ مگر عام انسانی اخلاق صرف کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اسی طرح ایک شخص نے راستہ میں ان سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا:

لیس ھذا موضع حدیث۔ (۳)

"یعنی یہ موقع حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت و سماع کا نہیں ہے"۔

امام کے بعض اصول حدیث:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا عہد حدیث کی تدوین و اشاعت کا خاص عہد تھا۔ اس لئے اس وقت ہر شخص اس خدمت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتا تھا۔ اخبرنا و حدثنا کی آواز گھر گھر گونج رہی تھی۔ ہر شہر بلکہ ہر قصبہ اور ہر بڑی بستی میں درس حدیث کی کئی کئی مجلسیں برپا

۱۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۷۹　　۲۔ مناقب کردری، ج ۲، ص ۱۷۳

۳۔ ایضاً

تھیں، لیکن جس قدر یہ سلسلہ عام اور وسیع تھا' اسی قدر حدیث کی نقل اور روایت میں افراط و تفریط شروع ہو گئی تھی۔ خصوصیت سے پیشہ ور واعظوں اور قصہ گویوں نے نہ جانے کتنی حدیثیں وضع کر ڈالی تھیں۔

خلافت راشدہ کے زمانہ تک حدیث کی روایت پر بڑی پابندی عائد تھی۔ خصوصیت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بارے میں بہت سخت تھے اور بڑے بڑے صحابہ کو اس پر تنبیہ کرتے رہتے تھے اور جب تک کوئی اپنی روایت کا دوسرا شاہد پیش نہیں کرتا تھا' وہ اسے قبول نہیں کرتے تھے اور نہ اس روایت کو بیان کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ مگر اس عہد راشد کے بعد جب دینی معاملات میں قانونی گرفت ڈھیلی ہوئی تو ہر کس و ناکس نے روایت و تحدیث شروع کر دی۔

بنوامیہ کے زمانہ میں اس فتنہ نے کافی بال و پر نکالے۔ اس لئے اس وقت جو آئمہ حدیث اور اس فن کے نبض شناس تھے' ان کو اس فتنہ کے انسداد کی فکر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ان کے ہاتھ میں قانون کی طاقت تو تھی نہیں' اس لئے انہوں نے قرآن و حدیث اور صحابہ کے عمل کی روشنی میں اصول مرتب کئے جس سے اس فتنہ کا انسداد ہو سکے۔

چنانچہ ان ہی اصولوں کے تحت بڑے بڑے راوی حدیث کی مرویات جانچی و پرکھی جانے لگیں۔ جس سے بھی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ زبان سے نکلا' اس کی روایت کی صحت حتیٰ کہ اس کے ذاتی حالات کی تفتیش شروع ہو جاتی تھی۔ جب تک اس کے ضبط' احتیاط' قوت حافظہ اور اس کی اخلاقی حالت کے متعلق پورا اطمینان نہیں ہو جاتا تھا' آئمہ حدیث نہ تو اس کی روایت قبول کرتے تھے اور نہ اس کو قابل اعتماد اور ثقہ سمجھتے تھے۔

اس وقت اصول حدیث کا فن ہمارے سامنے مدوّن اور مرتب طور پر موجود ہے۔ ابتداء اس کی یہ شکل نہیں تھی' بلکہ ہر امام اور محدث نے اپنے علم و بصیرت کے مطابق کچھ اصول بنا لئے تھے' جنہیں بعد میں مرتب و مدون کر دیا گیا۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بھی ان بزرگوں میں سے تھے' جنہوں نے حدیث کی روایت کے کچھ اصول مرتب کر لئے تھے۔ ان کے چند اصول درج ذیل ہیں:

ا۔ حدیث کے صحیح اور قابل حجت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ اور فقیہ ہوں۔ فقیہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ الفاظ کی تاثیر' زبان کے قواعد و محاورات اور مطالب کے طرز ادا سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ احادیث جن کے رواۃ ثقہ ہوں مگر فقیہ نہ ہوں قابل حجت تو ہیں لیکن قسم اول کی حدیثوں سے کم رتبہ ہیں۔

۲۔ قرب اسناد (یعنی راوی کا کم نہ ہونا)۔ حدیث کی صحت و جودت کی دلیل نہیں ہے۔ رواۃ کی تعداد خواہ کسی قدر ہو مگر یہ ضروری ہے کہ ان میں ہر ایک راوی ثقہ اور معتبر ہو۔

۳۔ حدیث کے لائق احتجاج ہونے کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ راوی نے خود اس کو سنا ہو اور روایت کرتے وقت تک اس نے اس کو اچھی طرح محفوظ رکھا ہو۔

۴۔ روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ انما المیت بیکاء الحی (یعنی میت پر اس کے خاندان والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے)۔ اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لفظاً و معنیً کسی طرح بھی تسلیم ہی نہیں کرتی تھیں۔ ان کا استدلال قرآن کی اس

آیت سے تھا۔ لا تزر وازرۃ وزر اخری(۱) وہ فرماتی تھیں کہ اس میں راویوں سے غلطی ہوگئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ میت پر رو رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا، تو فرمایا کہ میت پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں۔ رونا عذاب کا سبب نہیں تھا مگر راویوں نے اسے سبب قرار دے دیا۔) کو حدیث بالمعنی تسلیم کرتے تھے۔

۵۔ اصول روایت کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن بالعموم نہیں بلکہ خاص حالتوں میں۔

۶۔ تدلیس یعنی راوی کا اپنے شیخ کا صراحتاً ذکر نہ کرنے کے سخت مخالف تھے۔

فقہ:

فقہ کی مشق و ممارست انہوں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہم پہنچائی تھی۔ اس لئے ان میں قدرے فقہ بھی تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو خراسان کا فقیہ کہتے تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے علماء بھی ان کے تفقہ کے معترف ہیں۔ مگر یہ مسلم ہے کہ حدیث میں ان کا جو مرتبہ تھا، تفقہ و اجتہاد میں ان کو وہ درجہ حاصل نہیں تھا جو امام صاحب کے دوسرے تلامذہ کو حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہرت فقیہ کی حیثیت سے کم اور محدث کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ یحییٰ بن آدم جو ان کے معاصر اور خاص شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

کنت اذا طلبت الدقیق من المسائل فلم اجدہ عندہ ایست منہ۔(۱) ''جب بھی میں نے ان سے دقیق مسائل دریافت کئے تو اس کا جواب ان سے نہیں پایا، جس سے میں مایوس ہوا''۔

دوسرے علوم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حدیث و فقہ کے ساتھ تفسیر، سیرت، نحو و بلاغت، ادب و لغت، شعر و شاعری غرض ان تمام اصناف علم سے واقف تھے، جن کی ضرورت علوم دینیہ سے ہوتی ہے۔ ایک بار ان کے تلامذہ مثلاً فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، مخلد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جمع ہوئے، اور آپس میں طے کیا کہ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و عملی لیاقتوں اور صلاحیتوں کو شمار کریں۔ پھر ان سے ہر ایک نے ان کی کچھ نہ کچھ خصوصیات کا ذکر کیا۔ پھر سب نے متفقہ طور پر ان کے بارے میں کہا کہ:

جامع العلم الفقہ والادب والنحو واللغۃ والشعر والعربیۃ والفصاحۃ۔(۲) ''وہ علم و فقہ، ادب و نحو، لغت و شاعری، عربی ادب اور فصاحت کے جامع تھے''۔

اس وقت شعر و شاعری عام طور پر سرتا سر رندی و ہوسنا کی کا مظہر بن گئی تھی۔ شعراء تو داد و تحسین حاصل کرنے کے لئے غزل کہتے تھے یا مادی فائدے سمیٹنے کے لئے امراء و سلاطین کی مدح سرائی و قصیدہ گوئی کرتے تھے، مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو اخلاقی شاعری کے دیدبان تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی کچھ کہہ بھی لیا کرتے تھے۔ ان کے جو اشعار خطیب بغدادی

۱۔ الانعام ۶:۱۶۴ ۲۔ مناقب کردری، ج ۲، ص ۲۱۷، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۵۱ ۳۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۸۸

اور کردری وغیرہ نے نقل کیے ہیں وہ اخلاقی تعلیم پر ہیں۔
چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

اذا رافقت فی الاسفار قوماً　　　فکن لهم کذی الرحیم الشفیق
جب تم کسی کے رفیق سفر ہو تو۔ اس کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسے اپنے بھائی کے ساتھ آتے ہو

متی تاخذ تعنفهم تولوا　　　وتبقی فی الزمان بلا صدیق
اگر تم اپنے احباب کے ساتھ سخت رویہ رکھو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا کوئی دوست نہیں رہ جائے گا

قد یفتح المرء حانوتاً لمتجره　　　وقد فتحت لك الحانوت بالدین
لوگ اسبابِ تجارت کے لئے دکان کھولتے ہیں۔ اور تو نے دین فروشی کی دکان کھول رکھی ہے

بین الاساطین حانوت بلا غلق　　　قبباغ اموال المساکین
یہ دکان (مسجد) کھنبوں کے درمیان ہے جس میں تالا لگانے کی ضرورت نہیں جس کے ذریعہ غربا کی دولت سمیٹی جارہی ہے

صیرت وبینك شاهیناً تصدیه　　　ولیس یفلح اصحاب الشواهین
تم نے شکار کرنے کے لئے دین کو شاہین بنا رکھا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے شاہین باز فلاح نہیں پا سکتے

ان اشعار میں ان دنیادار اور علماء اور فقہاء کی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے' جنہوں نے مسند درس کو دولت وجاہت کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

شوق جہاد:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنی پوری زندگی میں صحابہ کے نمونہ تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ دعوت وتبلیغ' اور اقامت دین کی جدوجہد اور اصلاح حال اور جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری سے خالی نہیں ہوتا تھا' کسی وقت وہ اپنے داخلی دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے جہاد بالنفس میں مشغول رہتے تھے اور کبھی خارجی دشمن کو زیر کرنے کیلئے سینہ سپر رہتے تھے' ان کی یہ خصوصیت ضرب المثل بن گئی ہے۔

فی اللیل رهبان وفی النهار فرسان
''رات میں وہ یکسو ہو کر عبادت میں لگے رہتے ہیں اور دن کو میدان میں شہسوار نظر آتے ہیں''۔

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اس خصوصیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نقش ثانی تھے ایک وقت میں وہ مجلس درس میں رونق افروز ہوتے تو دوسرے وقت میں وہ ارشاد واصلاح کی مسند پر متمکن نظر آتے اور تیسرے وقت ایک سپاہی کی طرح میدان جہاد میں سرگرداں دکھائی دیتے انہوں نے سال کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ میں تجارت کرتے' دوسرے حصہ میں درس وتدریس کا کام انجام دیتے اور

تیسرے حصے میں جہاد اور سفر حج میں مشغول رہتے تھے۔

شرکت جہاد کے ایک واقعے کو یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں رومیوں اور مسلمانوں میں برابر آویزش رہتی تھی کبھی رومی اسلامی سرحدوں پر حملہ کرتے اور کبھی مسلمان پیش قدمی کرتے' ایک بار مسلمانوں نے پیش قدمی کی' عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی جہاد میں رضا کارانہ شریک ہوئے۔ رومی فوج سے ایک سپاہی نکلا اور اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت سلیمان مروزی کا بیان ہے کہ اسلامی فوج سے بھی ایک شخص اس کے مقابلہ کے لئے نکلا اور پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا۔ پھر دوسرا شخص سامنے آیا اس کا حشر بھی وہی ہوا' لگاتار اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی آدمی مقابلہ میں آئے اور اس مجاہد نے ان سب کو ڈھیر کردیا' لوگوں نے یہ بہادری دیکھ کر مجاہد کو گھیر لیا' اس نے اپنا چہرہ لپیٹ رکھا تھا جب لوگوں نے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ یہ بہادر مجاہد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱)

اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ مصیصہ' طرطوس وغیرہ مقامات میں یہ رومیوں کی سرحد سے قریب پڑتے تھے اس لئے بغرض جہاد ان جگہوں پر وہ اکثر جاتے رہتے تھے۔

ایک بار ایک مجوسی سے برسر پیکار تھے کہ اسی اثنا میں مجوسی کی عبادت کا وقت آ گیا' اس نے ان سے مہلت چاہی جب وہ سورج کے سامنے سربسجود ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کا کام تمام کردیں' مگر یہ آیت **اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا**۔ ''عہد کی باز پرس ہوگی''۔

سامنے آئی تو رک گئے جب وہ عبادت سے فارغ ہوا اور اس کو اس بات کا علم ہوا تو وہ یہ کہتا ہوا حلقہ بگوش اسلام ہوگیا کہ:

نعم الرب رب يعاتب وليه فی عدو۔

''بہترین رب وہ ہے جو اپنے دوستوں پر دشمن کے معاملہ میں عتاب کرتا ہے''۔

مختصر یہ کہ دوسرے دینی فرائض کے ساتھ انہوں نے فریضۂ جہاد کو بھی اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔

زریں اقوال:

تذکروں میں عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے سینکڑوں قیمتی اقوال ملتے ہیں جن میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

معرفت الٰہی:

ایک بار فرمایا کہ اہل دنیا دنیا کی سب سے مرغوب اور لذیذ چیز سے لطف اندوز ہوئے بغیر یہاں سے رخصت ہوجاتے ہیں' لوگوں نے پوچھا کہ سب سے لذیذ چیز کیا ہے؟ فرمایا: معرفت الٰہی۔

۱۔ صفوۃ الصفوۃ' ج ۴' ص ۱۱۴

ورع وتقویٰ:

فرمایا کہ اگر آدمی سو باتوں میں تقویٰ اور خوف خدا اختیار کرتا ہے اور ایک بات میں نہیں تو وہ متقی نہیں ہے' فرمایا کہ اگر کوئی شخص سو چیزوں میں پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اور ایک چیز میں اسے ترک کر دیتا ہے تو اس کو متورع یعنی پرہیز گار نہیں کہا جا سکتا۔

مشتبہ مال:

فرمایا کہ میں ایک مشتبہ درہم کو استعمال نہ کرنے کو سو درہم صدقہ کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اللہ کے لئے محبت:

فرمایا: میں کسی چیز کو تلاش کرنے میں تھکا نہیں بجز ایسے دوست کی تلاش میں جو صرف اللہ کے لئے محبت کرتا ہے۔

شہرت:

فرمایا کہ گم نامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور رہو مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گم نامی کو پسند کرتے ہو اس لئے کہ اس سے بھی نفس میں بلندی اور غرور پیدا ہوگا۔

شاعر اور عوام:

کسی نے پوچھا کہ بازاری لوگ کون ہیں؟ بولے: خزیمہ اور اس کے ساتھی' پھر پوچھا کہ گرے ہوئے کون لوگ ہیں؟ بولے: جو قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ہاتھ نہیں ہلاتے۔(۱)

جہل:

فرمایا: جس میں جہالت و جاہلیت کی ایک عادت بھی موجود ہوگی اس کو جاہل کہا جائے گا' کیا سنا نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ کہا کہ اے اللہ! میرے لڑکے کو اس طوفان سے بچالے' اس لئے کہ وہ میرے اہل ہے اور تو نے میرے اہل وعیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو' تیرا لڑکا جب ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا تو پھر اہل میں کہاں رہا' صاحب زہد وتقویٰ آدمی دنیا میں بھی ایک بادشاہ وقت سے زیادہ معزز ہوتا ہے' کیونکہ بادشاہ اگر اپنے گرد لوگوں کو جمع کرنا چاہے تو اسے جبر واکراہ کرنا پڑتا ہے' بخلاف خدارسیدہ آدمی کے کہ وہ لوگوں سے بھاگتا ہے مگر لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

علم وعلماء:

وہ شخص عالم نہیں ہوسکتا' جب تک اس کے دل میں خوف خدا اور دنیا سے بے رغبتی نہ ہو۔

تواضع:

ایک شخص نے پوچھا کہ تواضع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اغنیاء کے مقابلہ میں خوددار رہنا' فرمایا کہ شریف وہ ہے جسے اطاعت الٰہی کی توفیق ہوئی' اور رذیل وہ جس نے بے مقصد زندگی گذاری ایک شخص نے حسن خلق کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ ترک الغضب غصہ نہ کرنا۔

۱۔ صفوۃ الصفوۃ' ج ۴' ص ۱۱۵۔۱۱۴

محاسن ومساوی:

فرمایا کہ کسی آدمی کے محاسن اور نقائص یا مصائب کا اندازہ اس کی کمیت سے کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کے اندر محاسن زیادہ ہیں تو اس کے معائب کو سامنے نہ لانا چاہیے اور اگر کسی میں معائب زیادہ ہیں تو محاسن کا کوئی شمار نہیں۔

امت کے طبقے:

ایک روز میسّب بن واضح سے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ عام بگاڑ اور فساد کیسے پیدا ہوتا ہے؟ میسّب نے کہا کہ مجھے علم نہیں، فرمایا کہ خواص کے بگاڑ سے عام بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ امت محمدیہ کے پانچ طبقے ہیں جب ان میں فساد اور خرابی پیدا ہوتی ہے تو سارا ماحول بگڑ جاتا ہے۔

۱۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں مگر جب دنیا کی حرص وہوس وطمع میں پڑ جائیں تو پھر کس کو اپنا مقتدا بنایا جائے۔

۲۔ تجار یہ اللہ کی زمین ہیں جب یہ خیانت پر اتر آئیں تو پھر کس کو امین سمجھا جائے۔

۳۔ مجاہدین، یہ اللہ کے مہمان ہیں جب یہ مال غنیمت کی چوری شروع کریں تو پھر دشمن پر فتح کس کے ذریعہ حاصل کی جائے۔

۴۔ زاہد لوگ زمین کے اصل بادشاہ ہیں، جب یہ لوگ برے ہوجاہیں تو پھر کس کی پیروی کی جائے۔

۵۔ حکام یہ مخلوق کے نگران ہیں، جب یہ گلہ بان ہی بھیڑیا صفت ہوجائے تو گلہ کو کس کے ذریعہ بچایا جائے۔

غرور اور خود پسندی:

ابووہب مروزی نے غرور کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ لوگوں کو حقیر سمجھنا اور عیب نکالنا غرور ہے، پھر عجب یعنی خود پسندی کی تعریف پوچھی تو بولے کہ آدمی یہ سمجھے کہ جو اس کے پاس ہے وہ دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

حقیقی جہاد:

ایک شخص نے جہاد اور اس کی تیاری کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ اپنے نفس کو حق پر جمائے رکھنا یہاں تک کہ وہ خود اس پر جم جائے، سب سے بڑا جہاد ہے، یہ اس حدیث کا بالکل ترجمہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

المجاهد من جاهد نفسه (۱)

''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑے''۔

تصنیف:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مجاہدانہ رنگ غالب تھا اس لئے وہ علم وفن اور تدوین وتالیف کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کر سکے، پھر بھی انہوں نے جو کچھ تحریری یادگاریں چھوڑی ہیں وہ ان کے علم وفضل پر شاہد ہیں، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں

۱۔ مناقب کردری، ج ۲، ص ۱۷۶

ان کی صرف ایک کتاب الزہد کا تذکرہ کیا ہے اور پھر لکھا ہے:

صاحب التصانیف النافعۃ۔(۱)

''بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں''۔

تذکروں میں کتاب الزہد کے علاوہ ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ہے۔ مگر ابن ندیم نے متعدد کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ کتاب السنن ۔۲۔ کتاب التفسیر ۔۳۔ کتاب التاریخ ۔۴۔ کتاب الزہد ۔۵۔ کتاب البر والصلۃ ۔(۲)

وفات:

ان کی وفات جس طرح ہوئی اس میں ہر مؤمن کے لئے سامان بصیرت ہے ان کی زندگی زہد واتقا کا مرقع تھی مگر ان کی سب سے نمایاں خصوصیت جہاد فی سبیل اللہ تھی' اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان کی وفات بھی اسی مبارک سفر میں ہوئی۔

شام کے علاقہ میں جہاد کے لئے گئے ہوئے تھے کہ اثنائے سفر میں طبیعت خراب ہوئی' ستو پینے کی خواہش کی' ایک شخص نے ستو پیش کیے مگر یہ شخص ہارون کا درباری تھا اس لئے اس کا ستو پینے سے انکار کر دیا' وفات سے کچھ دیر پہلے آواز پھنس گئی' اس گلوبند کی وجہ سے ان کو گمان ہوا کہ زبان سے کلمہ شہادت نکلنا نہ رہ جائے اس لئے انہوں نے اپنے ایک شاگرد حسن بن ربیع سے کہا کہ دیکھو جب میری زبان سے کلمہ شہادت نکلے تو تم اتنی بلند آواز سے دہرانا کہ میں سن لوں جب تم ایسا کرو گے تو یہ کلمہ خود بخود میری زبان سے جاری ہو جائے گا' چنانچہ اسی حالت میں وہ اپنے خالق سے جا ملے۔

سنہ' عمر اور مقام وفات:

یہ حادثہ عظمیٰ ۱۸۱ھ میں مقام ہیت میں پیش آیا۔ وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔

مقبولیت:

وفات گو وطن سے سینکڑوں میل دور ہوئی تھی عام مقبولیت کا حال یہ تھا کہ جب لوگوں کو وفات کی اطلاع ملی تو جنازہ پر اس قدر اژدھام ہوا کہ ہیت کے حاکم کو اس واقعہ کی اطلاع دار الخلافہ بغداد بھیجنی پڑی۔ زندگی میں وہ ہارون سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے مگر جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ آج لوگوں کو عام اجازت دے دو کہ ان کی تعزیت لوگ ہمارے پاس آ کر کریں (مقصد یہ تھا کہ ان کی وفات پوری مملکت اسلامی کے لئے ایک حادثہ ہے اور میں اس وقت اس کا ذمہ دار ہوں تو اس کی تعزیت کا میں بھی حق دار ہوں) مگر فضل نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی تو ہارون نے ان کے کچھ اشعار پڑھے اور اس حادثہ کی اہمیت بتلائی۔

راوی کا بیان ہے کہ ان کی وفات کے بعد مجھے اس آیت کا مفہوم واضح ہوا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان کی محبت اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرے گا''۔(۴)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۰ ۔۲۔ ابن ندیم' ص ۳۱۹ ۔۳۔ مریم ۱۹:۹۶ ۔۴۔ سیر الصحابۃ' ج ۸' ص ۲۵۹۔۲۸۵

۳۔شعبۃ: راجع:۱۱۰ ۴۔عبداللہ بن جبر: راجع:۷۳

۵۔انس بن مالک: راجع:۱۳۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چوھترویں (۷۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں دو راوی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ علم حدیث وفقہ کے امام اور تابعین کے سرخیل ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست شاگرد ہیں۔یعنی چار آئمہ فقہ میں سے دو کے تلامذہ میں سے ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت سوید رحمۃ اللہ علیہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، چوتھے مدنی اور باقی بصری ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ آخری وفات پانے والے صحابہ میں سے ہیں، بصرہ میں سب سے آخر میں آپ رضی اللہ عنہ نے ہی وفات پائی۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا، حدثنا، عنعنہ اور سمعت ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ سند میں جتنے راوی ہیں، اتنے ہی اور مختلف صیغہ ہائے روایت استعمال ہوئے ہیں۔

☆ یہ خوبی بہت کم اسناد میں ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۷۳

۲۳۰۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ :تَمَارَيْنَا فِي الْغُسْلِ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ جَابِرٌ :يَكْفِي مِنَ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ صَاعٌ مِنْ مَاءٍ .قُلْنَا مَا يَكْفِي صَاعٌ وَلَا صَاعَانِ. قَالَ جَابِرٌ :قَدْ كَانَ يَكْفِي مَنْ كَانَ خَيْرًا مِنكُمْ وَأَكْثَرَ شَعْرًا

حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس غسل کے بارے میں اختلاف کیا' تو آپ نے فرمایا: غسل جنابت کے لئے ایک صاع (چار لیٹر) پانی کافی ہے' ہم نے عرض کیا: ایک صاع یا دو صاع سے تو غسل نہیں ہوسکتا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ہستی کے لئے تو کافی تھا' جو تم سے افضل اور زلف گھنی والی تھی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

غسل کے لئے ایک صاع (چار لیٹر) پانی کافی ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری ۲۵۲'۲۵۶' مسلم: ۲۸۷'ابن ماجہ: ۵۷۷' احمد: ۲۶۲۸' السنن الکبریٰ: ۲۳۳' تحفۃ الاشراف: ۲۶۴۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' ان سب کا تعارف گذر چکا ہے' البتہ امام ابواسحاق سبیعی کے حالات تفصیلی لکھے جارہے ہیں:

۱۔قتیبہ بن سعید: راجع: ۱۱۸ ۲۔ابوالاحوص: راجع: ۹۶

۳۔ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عمرو نام ہے۔ ابواسحٰق کنیت۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے: عمرو بن عبداللہ بن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ہمدانی کوفی۔

ہمدان میں ان کا ممتاز خاندان تھا۔ اسلامی عہد میں یہ خاندان کوفہ میں آباد ہوگیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابواسحاق کے دادا مدینہ آئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندانی اعزاز کا لحاظ کرکے پندرہ ہزار پانچ سو' اور ان کا سو سو' ان کے اہل وعیال کا وظیفہ مقرر کیا۔(۱)

پیدائش:

ابواسحٰق غالباً کوفہ ہی میں عثمانی عہد کے آخر میں جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تین سال باقی تھے' پیدا ہوئے۔(۲)

۱۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۱۹ ۲۔ ایضاً

اموی دور:

اموی دور میں بھی ابواسحٰق کا خاندانی اعزاز قائم رہا۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ اوران کے والد تین سو وظیفہ پاتے تھے۔(۱)

فضل وکمال:

مرکز کوفہ میں ابواسحٰق کی نشوونما ہوئی تھی۔ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد وصلاحیت تھی۔اس لئے علمائے کوفہ کے فیض سے پورا فائدہ اٹھایا اوران کا شمار علماء کے اکابر علماء میں ہوگیا۔(۲) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق' جلالت اور ثناء پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے۔ان کے مناقب بہت ہیں۔(۳) ابن ناصر الدین ان کو آئمہ اسلام اور بڑے حفاظ حدیث میں لکھتے ہیں۔(۴)

قرآن:

قرآن کے وہ نہایت مشہور قاری تھے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب ان کو عمراء القاری کہتے تھے۔اس فن کی تعلیم انہوں نے اس فن کے مشہور علماء ابوعبدالرحمٰن اوراسود بن یزید سے حاصل کی تھی۔(۵)

حدیث:

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔حافظ ذہبی ان کا علم کا ظرف اور علمائے اسلام میں لکھتے ہیں۔(۶) صحابہ میں انہوں نے ابن عباس' ابن عمر' ابن زبیر' معاویہ' عمرو بن یزید الخطمی' نعمان بن بشیر' عمرو بن الحارث' عمرو بن الحریث' زید بن ارقم' براء بن عازب' سلیمان بن صرد' حارثہ بن وہب' عدی بن حاتم' جابر بن عمرہ' رافع بن خدیج' عروہ بارقی' ابوجحیفہ' خالد بن عرفطہ' جریر بن عبداللہ بجلی' اشعث بن قیس' مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔(۷) ابن مدینی نے ان کے شیوخ کی تعداد باختلاف روایت تین یا چار سو لکھی ہے۔ان میں اڑتیس (۳۸) صحابہ تھے۔(۸)

ابوحاتم روایات کی کثرت اور رجال کے علم میں ان کو امام زہری کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔(۹) ابوداؤد طیالسی کا بیان ہے کہ ہم چار آدمیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ پایا۔ان چار میں ایک ابواسحٰق ہیں۔ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔(۱۰)

تلامذہ:

شیوخ کے تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا اوراس میں بڑے بڑے تابعین اور تبع تابعین تھے۔بعض قابل

۱۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۲ ۲۔ تہذیب الاسماء' ج ا' ص ۱۷۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۲

۴۔ شذرات الذہب' ج ا' ص ۱۷۴ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۱ ۶۔ ایضاً

۷۔ تہذیب الاسماء' ج ا' ص ۱۶ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۳ ۹۔ تہذیب التہذیب' ج ۸' ص ۶۵

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۲

ذکر نام یہ ہیں: سلیمان التیمی' اعمش' قتادہ' اسمٰعیل بن ابی خالد' شریک بن عبداللہ' عمارہ بن زریق' منصور بن معتمر' سفیان ثوری' مسعر' مالک بن مغول' سفیان بن عیینہ' زہیر بن معاویہ' زائدہ' حسن بن صالح اور ابوبکرہ بن عباس وغیرہ۔(۱)

زہدوعبادت:

اس علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا' بڑے عابد وزاہد تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان صواما قواما متقبلا'' تین دن میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے' روزے بھی بکثرت رکھتے تھے۔(۲)

آخر عمر میں جب قویٰ ضعیف اور عبادت شاقہ کے متحمل نہ رہ گئے تھے' اس وقت ان معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مہینہ میں تین دن اور ہر جمعہ دوشنبہ کو اور اشہر حرم میں پابندی سے' روزہ رکھتے تھے اور رکعت میں پوری سورۂ بقرہ ختم کرتے تھے۔(۳)

جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ولولہ تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روم کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے۔(۴)

وفات:

۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت کم وبیش سو سال کے قریب عمر تھی۔(۵)(۶)

۴۔ابوجعفر:　　راجع:۱۸۲　　۵۔جابر بن عبداللہ:　　راجع:۱۳۸

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پچھترویں (۷۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام روای سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ایسی عظیم ہستی اور شیخ الشیوخ ہیں' کہ آئمہ صحاح ستہ ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی' اگلے دو کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت امام ابوجعفر محمد بن علی باقر رحمۃ اللہ علیہ آئمہ بیت اطہار میں سے ہیں۔

۱۔ تہذیب الاسماء' ج ا' ص ۱۷۱　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۰۲　　۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً' ص ۱۰۱　　۵۔ ایضاً' ص ۱۰۳　　۶۔ سیر الصحابۃ' ج ۷' ص ۲۱۴۔۲۱۶

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی ابن صحابی ہیں۔

☆ حضرت جابر مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں اور آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ تابعی (ابواسحاق) کی دوسرے تابعی (ابوجعفر) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا اور حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

تمارینا: ہم نے آپس میں بحث کی۔ہم نے باہم اختلاف کیا۔ایسا جدل جو شک کی وجہ سے ہو۔

الغسل: نہانا۔غسل کرنا

یکفی: کافی ہے۔کفایت کرنے والا ہے

الجنابة: ناپاکی۔غسل کا واجب ہونا۔

صاع: ایک پیمانہ جس کی مقدار چار سیر یا چار لیٹر کے برابر ہے۔

صاعان: دو صاع۔مراد ہے آٹھ لیٹر

ماء: پانی

من كان خيرا منكم: جو ہستی تم سے افضل تھی۔یعنی آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اكثر شعرا: جن کی زلفیں زیادہ تھیں، جن کے بال مبارک زیادہ تھے۔

۷۔مسائل ونصائح:

احادیث مذکورہ میں پانی کی تحدید نہیں ہے:

علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پانی کی جو مقداریں احادیث میں مذکور ہوئی ہیں۔یہ حدیث محدود نہیں ہیں کہ ان سے کم و بیش پانی کا استعمال ممنوع ہو یا ناجائز ہو۔ بلکہ ان مقادیر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی بلاوجہ محض زیادہ نہ خرچ کیا جائے اور یہ کہ ایک صاع بھر پانی سے غسل ہو سکتا ہے۔البتہ یہ یاد رہے کہ غسل کے پانی کی مقدار جو ایک صاع بتائی گئی ہے اس میں غسل سے قبل وضو میں جو پانی خرچ ہوگا وہ شامل نہیں ہے، جیسا کہ امام اجل طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔(۱)

☆ ان تمام روایات کا مقصد غسل اور وضو کے لئے پانی کی مقدار کی حد بندی نہیں اور نہ ان روایات میں باہمی تعارض ہے بلکہ مختلف حالات میں ضرورت کے مطابق پانی کم اور زیادہ استعمال ہو سکتا ہے۔ان روایات میں ترغیب دی گئی ہے کہ پانی کم از کم استعمال کرنا

۱۔ فیوض الباری، ج ۲، ص ۷

چاہیئے' بے جا استعمال نہ ہو کہ وہ اسراف اور ضیاع کی حد کو پہنچ جائے اور اتنا کم بھی نہ ہو کہ اس سے غسل یا وضو کے بجائے مسح ہی سمجھا جائے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

احادیث مبارکہ میں مذکور پیمانوں کی عصری پیمائش:

۷۔ مسائل ونصائح:

☆　''مد'' ایک پیمانہ ہے' جس میں تقریباً ایک لیٹر پانی آتا ہے' علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء عراق کے نزدیک ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے (رطل بھی ایک پیمانہ ہے' جو تقریباً نصف لیٹر کے برابر ہوتا ہے)' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد یعنی دو رطل سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع (چار لیٹر پانی) سے غسل کرتے تھے یعنی آٹھ رطل سے۔ (۲)

حدثنا ابونعیم قال حدثنا مسعر قال حدثنی ابن جبر قال سمعت انسا یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغسل او کان یغتسل بالصاع الی خمسة امداد ویتوضا بالمد۔ (۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابن جبر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے پانچ مد (چار لیٹر سے پانچ لیٹر) تک پانی سے غسل کرتے تھے' اور ایک مد (ایک لیٹر) پانی سے وضوء کرتے تھے۔

☆　اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مد (چار لیٹر سے پانچ لیٹر) تک پانی سے غسل کرتے تھے' بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار لیٹر پانی سے غسل کرتے اور بعض اوقات پانی زیادہ لیتے اور پانچ لیٹر پانی سے غسل کرتے' اس سے معلوم ہوا کہ غسل میں پانی کی مقدار معین نہیں ہے' بلکہ اس میں قلیل اور کثیر پانی کافی ہے' جب اس سے پورے بدن کا غسل ہو جائے' اور مستحب یہ ہے کہ غسل اور وضو میں پانی کی جو مقدار ذکر کی گئی ہے' اس سے کم پانی نہ لیا جائے' اور جس آدمی کی جسامت اوسط جسامت سے کم ہو' وہ اس سے کم مقدار سے بھی غسل کر سکتا ہے اور جس کی جسامت اوسط جسامت سے زیادہ ہو' اس سے زیادہ مقدار پانی کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔

۱۔ سنن نسائی (فوائد)' ج ۱' ص ۲۴۳

۲۔ i۔ سنن دارقطنی: ۳۰۹' ج ۱' ص ۲۳۸　ii۔ سنن بیہقی' ج ۴' ص ۱۷۲　iii۔ عمدۃ القاری' ج' ص ۱۳۹

۳۔ i۔ مسلم: ۷۲۲　ii۔ ترمذی: ۶۰۹　iii۔ نسائی: ۳۴۵۔ ۲۲۶۔ ۷۳　iv۔ سنن بیہقی' ج ۱' ص ۸۹
v۔ مسند ابویعلی: ۴۳۰۹　vi۔ سنن دارمی: ۶۸۹　vii۔ صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۶　viii۔ مسند ابوعوانہ ج ۱' ص ۲۳۲
ix۔ صحیح ابن حبان: ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۳　x۔ شرح السنۃ: ۲۷۷　xi۔ سنن دارقطنی' ج ۱' ص ۹۴۔ ج ۲' ص ۱۵۳
xii۔ المعجم الاوسط: ۹۲۶　xiii۔ مسند احمد: ۱۲۱۰۵

☆ بعض احادیث میں ''فَرَق'' اور بعض میں ''فَرْق'' کا لفظ ہے' ابن الاثیر نے کہا کہ ''فَرَق'' ۱۶ رطل ہے یعنی آٹھ کلوگرام یا آٹھ لیٹر کا پیمانہ' اور ''فَرْق'' ۱۲۰ رطل ہے یعنی ۶۰ کلوگرام یا ۶۰ لیٹر کا پیمانہ' اور بعض احادیث میں ''مکوک'' کا لفظ ہے ''مکوک'' اور ''مد'' کا ایک معنی ہے' یعنی ایک کلوگرام اور ایک لیٹر کا پیمانہ' (۱)

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اتنی مقدار پانی کے ساتھ وضو اور غسل کرنا جمہور فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ (۲)

☆ مکوک ایک پیمانہ ہے' جس میں ایک مد پانی آتا ہے' پس یہ حدیث موافق ہے' اس حدیث کے جس کو روایت کیا بخاری اور مسلم نے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تھے ساتھ مد کے اور غسل کرتے تھے ساتھ صاع کے' اور بعضوں نے کہا: کہ مکوک ایک پیمانہ ہے' جس میں ڈیڑھ صاع پانی آتا ہے' لیکن بغوی نے کہا: کہ مکوک سے یہاں پر مراد مد ہے' اور صاحب نہایہ اور قرطبی نے بھی ایسا ہی کہا ہے' اور دلیل اس کی یہی ہے: کہ دوسری روایت میں مد بتصریح موجود ہے۔ اب مد اہل حجاز کے نزدیک ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے' اور اہل عراق کے نزدیک دو رطل کا' اور اسی حساب سے صاع چار مد کا ہوتا ہے' تو اہل حجاز کے نزدیک صاع پانچ رطل' اور ایک تہائی رطل ہوگا' اور اہل عراق کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوگا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل کا تھا اور یہی معتبر ہے۔ (۳)

☆ مقصود یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مذکورہ مقدار میں پانی ہے' تو وہ تیمم نہیں کر سکتا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس مقدار سے کم وبیش سے وضو اور غسل نہیں کیا جا سکتا۔

☆ (مکوک) ایک پیمانہ ہے جس کی تفسیر ایک دوسری حدیث میں مد سے کی گئی ہے۔ برتن کی صورت میں اس میں ہر چیز کی مقدار مختلف ہوتی ہے' مگر وزن کی صورت میں یہ نصف کلو سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

☆ پہلی روایت میں ایک مد پانی سے وضو کرنے کا ذکر تھا۔ اس میں ایک مد سے بھی کم پانی سے وضو کا ذکر ہے' جس سے یہ معلوم ہوا کہ اشخاص اور احوال مختلف ہونے کے ساتھ یہ مقدار بھی مختلف ہوگی' اس میں مقررہ مقدار کی حد بندی نہیں' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کم پانی استعمال کر لیتے اور کبھی زیادہ۔ لیکن اسراف سے بچنا ضروری ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ اکٹھے غسل کرنا اور منکرین حدیث:

ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے واضح ہوتا ہے' کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے' ان احادیث کی توجیہ اور منکرین حدیث کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم ورک لکھتے ہیں:

ازواج مطہرات کے ساتھ اکٹھے غسل کرنے کی روایت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کنت اغتسل انا والنبی ﷺ من اناء واحد" (۱)

"میں اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے"۔

یہی بات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نقل کی ہے۔(۲) اس مضمون کی روایات پر اعتراض یہ ہے کہ ان روایات میں انتہا درجے کی عریانیت پائی جاتی ہے۔ یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ برہنہ نہایا کرتے تھے؟ چونکہ یہ احادیث ازواج مطہرات اور رسول اللہ ﷺ کی ایک ایسی تصویر پیش کرتی ہیں جو ان جلیل القدر ہستیوں کے شایان شان نہیں ہے' اس لئے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تمام روایات من گھڑت اور (بے بنیاد) غیر موضوع ہیں۔(۳)

توضیحات:

منکرین حدیث اور دیگر معترضین نے شاید غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ عہد نبوی میں بھی غسل خانے آج ہی کی طرح پانی' روشنی اور دیگر لوازمات سے مزین ہوتے تھے' لیکن اصل صورت حال کیا تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنیے:

"کنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ ورجلای فی قبلتہ' فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی' فاذا قام بسطتھما' قالت: والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح" (۴)

"میں آنحضرت ﷺ کے سامنے لیٹی ہوئی تھی اور میرے پاؤں آپ کے سجدے کی جگہ پر ہوتے تھے۔ جب آپ کو سجدہ کرنا ہوتا تو میرے پاؤں کو دبا دیتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ پھر جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی۔ ان دنوں میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے"۔

یعنی تاریکی کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں دیکھ سکتی تھیں کہ آپ سجدہ کے لئے جھک رہے ہیں' لہٰذا آپ پاؤں دبانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اگر اجالا ہوتا تو وہ آپ کو سجدہ کے لئے جھکتا ہوا دیکھ کر خود ہی پاؤں سمیٹ لیتیں۔ دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

۱۔ بخاری: ۲۵۰' مسلم: ۲۷' نسائی: ۴۱۲' ابوداؤد: ۲۳۸' ابن ماجۃ: ۳۷۶
۲۔ بخاری: ۲۵۳' مسلم: ۳۳۷' ابن ماجہ: ۳۷۷
۳۔ دو اسلام' ص ۲۱۱
۴۔ الموطأ' رقم: ۱۱۶

''فقدت رسول اللہ ﷺ لیلة من الفراش، فالتمسته، فوقعت یدی علیٰ بطن قدمیه وھو فی المسجد، وھما منصوبتان''(۱)

''ایک رات میں نے آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہیں پایا۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو میرے ہاتھ آپ کے تلوؤں کو جا لگے۔ آپ سجدے میں تھے اور آپ کے پاؤں مبارک کھڑے تھے''۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ گھر میں اندھیرا اس قدر گہرا ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو دیکھنا محال تھا۔ دوسری طرف یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''کان رسول اللہ ﷺ لیصلی الصبح، فینصرف النساء متلفعات بمروطھن، ما یعرفن من الغلس''(۲)

''آنحضرت ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ عورتیں جب نماز پڑھ کر اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتی تھیں تو اندھیرے کے سبب سے پہچانی نہیں جاتی تھیں''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ کسی کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ تو کھلی جگہ کا حال تھا جبکہ حجروں میں کس قدر اندھیرا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

مذکورہ معلومات کی روشنی میں اگر نبی ﷺ کے اپنی ازواج کے ساتھ اکٹھے غسل کرنے کے واقعات کو اس پر محمول کیا جائے کہ آپ فجر سے پہلے رات کے اندھیرے میں ازواج کے ساتھ ایک ہی برتن سے اکٹھے غسل کر لیتے تھے تو دونوں کے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھنے کا اعتراض باقی نہیں رہتا۔ ویسے بھی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان احادیث میں نقل ہوا ہے کہ:

''ما رأیت فرج رسول اللہ ﷺ قط''(۳)

''میں نے آنحضرت ﷺ کی شرم گاہ کو کبھی نہیں دیکھا''۔

اس حدیث سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ اور آپ کی ازواج مطہرات اکٹھے غسل کرتے ہوئے بالکل برہنہ نہیں ہو جاتے ہوں گے اور شرم گاہ کو چھپانے کا لازماً اہتمام کرتے ہوں گے۔

حاصل کلام کے طور پر ہم دوبارہ اسی نکتے کی طرف اشارہ کریں گے کہ مذکورہ تمام احادیث ازواج مطہرات نے اس وقت بیان فرمائیں جب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اگر ازواج مطہرات اس وقت خاموش رہتیں تو امت مسلمہ ان مسائل میں اسوۂ ﷺ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی اور یہ دعویٰ بھی کمزور ہو جاتا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے جملہ امور میں مکمل رہنمائی مہیا کرتا ہے، ازواج مطہرات کا اُمت محمدیہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اسوۂ رسول ﷺ کے ان مخفی پہلوؤں کو بیان کر کے گھریلو معاشرت میں افراط و تفریط کے بہت سے امکانات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا، ورنہ آج ہمیں اپنی گھریلو زندگی میں نجانے کس کس طرح کی مشکلات اور تنگیوں کا سامنا ہوتا۔

۱۔ مسلم: ۱۰۹۰ ۲۔ الموطأ: ۴ ۳۔ ابن ماجہ: ۱۹۲۲_۶۶۲

رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی سے متعلق احادیث کی دینی اہمیت کے ایک اور اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۹۷۹ء) نے اس قسم کی روایات کو بجا طور پر نبوت کے اہم شواہد قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''احادیث کا یہ حصہ درحقیقت محمد ﷺ کی عظمت اور ان کی نبوت کے بڑے اہم شواہد میں شمار کرنے کے لائق ہے۔ محمد ﷺ کے علاوہ دنیا میں کون ہمت کر سکتا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں کس نے یہ ہمت کی ہے کہ تئیس برس تک شب و روز کے ہر لمحے اپنے آپ کو منظر عام پر رکھ دے۔ اپنی پرائیویٹ زندگی کو بھی پبلک بنا دے اور اپنی بیویوں تک کو اجازت دے دے کہ میرے گھر کے حالات زندگی کا حال بھی لوگوں کو صاف صاف بتا دو!''(۱)(۲)

پانی کا برتن اور عربوں کی عادت:

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ عربوں کی عادت کی بناء پر تھا' عرب حضرات ایک بڑا برتن پانی سے بھر کر رکھتے تھے' پھر باری باری چلو لے لے کر اس پانی کو استعمال کرتے تھے۔(۳)

بحث و مناظرہ کا ثبوت:

علامہ غلام رسول سعیدی اطال اللہ عمرہ لکھتے ہیں:

☆　اس باب کی احادیث میں علمی مسائل میں بحث اور مناظرہ کا ثبوت ہے' اس میں امام اور استاد کے سامنے شاگردوں کے بحث کرنے کا بیان ہے۔(۴)

☆　حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد نے ان پر اعتراض کیا' کہ میرے لئے ایک صاع کافی نہیں ہے' اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا۔ اس میں مناظرہ کا ثبوت ہے۔(۵)

۸۔ خلاصہ:

☆　اس باب کے قائم کرنے اور احادیث مبارکہ کے ذکر کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استنباط یہ ہے کہ چار لیٹر پانی نہانے کے لئے کفایت کرنے والا ہے۔

☆　مذکورہ احادیث مبارکہ میں مختلف پیمانوں کا ذکر ہے' عہد نبوی ﷺ میں رائج پیمانوں کی اور عصری پیمائش کی تفصیل حسب ذیل ہے:

i۔　مکوک: ایک پیمانہ جس میں ایک مد پانی آتا ہے' ہمارے ہاں کی مقدار ایک کلوگرام یا ایک لیٹر ہے۔

۱۔ ''سنت کی آئینی حیثیت'' ص ۳۵۳　　۲۔ متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات'' ص ۴۰۴۔۴۰۷

۳۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ' ج ۲' ص ۳۷۹　　۴۔ شرح صحیح مسلم' ج ۱' ص ۱۰۲۲　　۵۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۳۳۷

ii۔ مد: ایک پیمانہ جو اہل حجاز کے ہاں ایک رطل اور تہائی رطل' جبکہ اہل عراق کا مد دو رطل کے برابر ہوتا ہے۔

iii۔ رطل: ایک پیمانہ جو تقریباً آدھا کلوگرام یا آدھا لیٹر ہوتا ہے۔

iv۔ صاع: آٹھ رطل اور چار لیٹر کے برابر پیمانہ ہے۔

v۔ فَرَق: سولہ رطل اور آٹھ کلوگرام یا آٹھ لیٹر کے برابر پیمانہ ہے۔

vi۔ فَرْق: ایک سو بیس رطل' ساٹھ کلوگرام یا ساٹھ لیٹر کے برابر پیمانہ ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لیٹر یا کلوگرام کی مقدار کے برابر پانی سے وضو فرما لیا کرتے تھے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل چار سے پانچ لیٹر پانی سے فرما لیا کرتے تھے۔

☆ حدیث ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے مطابق دو تہائی مد یعنی لیٹر سے بھی کم پانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوران وضو بازوؤں کو خوب مل کر دھوتے تھے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصوں کا مسح کرتے تھے' اندرونی حصے کے مسح کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر ہے' جبکہ بیرونی حصے کا ذکر دوسری حدیث مبارکہ میں ہے۔

☆ ان احادیث مبارکہ میں وضو اور غسل کے لیے کم از کم پانی کی مقدار کے استحباب کا بیان ہے۔

☆ اگر کسی کی جسامت بڑی ہے تو وہ زیادہ بھی استعمال کرسکتا ہے' اسی طرح اگر کسی کا جسم نحیف ہے تو وہ اس مقدار سے کم بھی پانی استعمال کرسکتا ہے۔

☆ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پانی کے استعمال کے لیے تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ جس کی جسامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسامت کی مانند درمیانی ہو' وہ وضو کے لیے ایک مد اور غسل کے لیے ایک صاع پانی استعمال کرے' اور مد اور صاع سے کم استعمال نہ کرے۔

۲۔ جس کا جسم لاغر ہو' وہ اس کی مناسبت سے کم پانی استعمال کرے۔

۳۔ جس کا جسم فربہ ہو' تو وہ زیادہ پانی استعمال کرے۔(۱)

☆ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں پانی کی جس مقدار سے غسل اور وضو کرنے کا بیان ہے' یہ پانی کی حد بندی کا بیان نہیں ہے' بلکہ کم از کم مقدار کے استحباب کا بیان ہے۔

☆ حدیث نمبر ۲۲۷ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نہانے اور حضرت ابوسلمہ و حضرت عبداللہ بن یزید کے دیکھنے کی وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ دونوں حضرات کا سوال پانی کی مقدار بارے تھے' البتہ اس میں احتمال کیفیت کا بھی تھا' اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کی اوٹ میں کپڑوں سمیت نہا کر دکھلایا۔

۱۔ فیوض النزاھی فی شرح سنن النسائی' ج ۱' ص ۸۶۷۔۸۶۸

۲۔ یہ دونوں حضرات اجنبی نہ تھے بلکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے محرم تھے اول الذکر رضاعی بھتیجے اور ثانی رضاعی بھائی تھے۔

۳۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کپڑوں سمیت غسل کیا۔

۴۔ دونوں حضرات نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے سر مبارک اور چہرہ کا ملاحظہ کیا' ان دونوں اعضا کا محرم کو دیکھنا جائز ہے' جبکہ باقی جسم پردہ کی اوٹ میں تھا' بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ سر مبارک پر چادر ہو۔

۵۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پانی کی اتنی مقدار سے نہلا کر دکھانا تعلیم بالعمل ہے' اور اس کی مثال اسی طرح ہے' جیسے کوئی ماں اپنے بیٹوں کو سکھلائے۔

☆ حدیث نمبر ۲۲۸ کی وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کا معمول یہ تھا کہ غسل کرتے وقت تہبند وغیرہ باندھا ہوتا تھا' جس سے جسم کے ضروری اعضاء چھپے ہوئے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات رضی اللہ علیہن غسل رات کے وقت اندھیرے میں کرتے تھے۔

۳۔ میاں بیوی کے غسل کرتے وقت پردہ کا انتہائی اہتمام ہوتا تھا' جس کی وجہ سے کسی اور کی نظر پڑنے کا کوئی احتمال نہ تھا۔

۴۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین رضی اللہ علیہن نے کبھی بھی ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو نہیں دیکھا' جبکہ شرعاً میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

۵۔ اس وقت عربوں کا معمول یہ تھا کہ گھر کے اندر پانی کو ایک بڑے برتن میں جمع کرتے تھے' اور اسی سے استعمال کرتے تھے۔

۶۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہی برتن سے غسل کرنے سے مراد ہے کہ اسی برتن سے پانی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تھے' اور اسی سے سیدہ رضی اللہ عنہا نہاتی تھیں۔

☆ حدیث نمبر ۲۲۷ اور ۲۲۸ پر منکرین حدیث کے اعتراضات بلا جواز ہیں' جو کہ احادیث کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کی جسارت ہے' اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تمام اہل ایمان کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

☆ حدیث نمبر ۲۳۰ میں تعلیمی مسائل میں بحث و مناظرہ کا جواز ہے' کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان کے تلامذہ نے اختلاف کیا' اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا علمی رد کیا' اسی سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ علم کی گتھیاں سلجھانے کے لئے استاد سے شاگرد' شیخ سے مرید' بڑے سے چھوٹے کا اختلاف کرنا جائز ہے' اور یہ امر علم کی روح ہے' اس سے علم و عقل میں پختگی آتی ہے' اور تعلیم و تعلم کی نئی راہیں کھلتی ہیں' اللہ تعالیٰ جل جلالہ عصر حاضر میں ہمیں علمی ماحول پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

باب ذکر الدلالة علی انه لا وقت فی ذلك

باب ۱۴۵: نہانے کے لئے پانی کی مقدار کا معین نہ ہونا

اس باب میں امر کا بیان ہے کہ نہانے کے لئے پانی کی تحدید نہیں ہے بلکہ آسانی کے ساتھ جتنا پانی میسر ہو اسی سے غسل کر لیا جائے' یہی مستحب ہے۔ پچھلے باب میں نہانے کے لئے پانی کی اس مقدار کا بیان تھا' جس پر اکتفا کرنا جائز ہے' اس باب میں غسل کے لئے پانی کی تحدید نہ ہونے کا بیان ہے' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۲۳۱۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، ح وَأَنْبَأَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ وَأَنَا مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْتَرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے اکٹھے نہاتے تھے' جس میں تقریباً آٹھ لیٹر پانی ہوتا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً آٹھ لیٹر پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے' دونوں اتنے پانی سے غسل فرما لیتے تھے' جب دونوں اکٹھے غسل کرتے تھے' تو کوئی زیادہ استعمال کرتا یا کم استعمال کرتا' یا دونوں برابر استعمال کرتے' اس امر کا تعین نہیں ہے' نہ ہی تعین ممکن ہے' جس سے ثابت ہوا کہ نہانے کے لئے پانی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۲۷۔

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں' ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔ سوید بن نصر:	راجع: ۵۵	۲۔ عبداللہ:	راجع: ۲۲۹
۳۔ معمر:	راجع: ۱۶۱	۴۔ اسحاق بن ابراہیم:	راجع: ۱۲۸
۵۔ عبدالرزاق:	ایضاً	۶۔ ابن جریج:	راجع: ۱۱۷
۷۔ الزہری:	راجع: ۱۱۶	۸۔ عروۃ:	راجع: ۱۴۶
۹۔ عائشۃ:	راجع: ۱۱۲		

۴۔ حکمِ روایت :

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ سویں (۱۰۰) روایت مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے اکثر راوی فقیہ اور امام فی الحدیث ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شیوخ حضرت سوید رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی اور امام ترمذی روایت کرتے ہیں' اور دوسرے شیخ امام ابن راھویہ سے امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے' جبکہ باقی آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں امام ابن شہاب زہری پر تحویل ہے' سند میں تحویل ہونا' اس کے قوی ہونے کی دلیل ہے' البتہ بعض آئمہ کے نزدیک تحویل ضعف کی علامت ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ یہ روایت بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت حدثنا دو دفعہ' اخبرنا تین دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع:　　۲' ۴' ۷' ۲۳۰

۷۔ مسائل ونصائح:

ایضاً

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل کرنے کے لئے پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے' جتنا آسانی سے میسر اور کفایت کرنے والا ہو' اس سے نہانا جائز ہے۔

☆ فَرَق: سولہ رطل کا پیمانہ تھا' عصری پیمانوں کے مطابق آٹھ کلوگرام یا آٹھ لیٹر کے برابر ہے۔

☆ اکٹھا نہانے سے مراد ہے کہ ایک ہی برتن سے پانی لے کر نہاتے تھے۔

☆ یہ نہانا رات کے اندھیرے میں، کمرہ کے اندر اور ستر کو چھپا کر ہوتا تھا۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کا نہانا تہبند باندھ کر ہوتا تھا۔

☆ بہت ساری احادیث مبارکہ میں اس کی وضاحت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن نے کبھی بھی ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو نہیں دیکھا۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے دعا ہے، وہ ہمیں بھی شرم وحیا کی دولت عطا فرمائے۔

بَابُ ذِكْرِ اغْتِسَالِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنْ نِسَائِهِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ

باب ۱۴۶: شوہر اور بیوی کا ایک برتن سے اکٹھا نہانا

اس باب میں میاں بیوی کا ایک ہی برتن سے پانی لے کر بیک وقت نہانے کا بیان ہے، اس سے مراد ہے کہ ایک ہی وقت میں غسل کرتے وقت دونوں استعمال کے لئے پانی ایک ہی برتن سے حاصل کریں، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نہانے کے لئے پانی کی حد مقرر نہ ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں زوجین کا ایک برتن سے اکٹھے غسل کرنے کا بیان ہے۔

۲۳۲۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، ح وَأَنْبَأَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ وَأَنَا مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْتَرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا

۲۳۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میں بیک وقت، ایک ہی برتن سے چلو لے کر غسل کر لیا کرتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۴۰۹، احمد: ۲۵۰۴۵، السنن الکبریٰ: ۲۳۶، تحفۃ الاشراف: ۱۶۹۷۶، ۱۷۱۷۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ سوید بن نصر: راجع: ۵۵ ۲۔ عبداللہ: راجع: ۲۲۹

۳۔ قتیبہ بن سعید	راجع: ۱۱۸	۴۔ مالک:	راجع: ۱۱۷
۵۔ ہشام بن عروۃ:	راجع: ۱۴۶	۶۔ عروۃ بن الزبیر:	ایضاً
۷۔ عائشۃ:	راجع: ۱۱۲		

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے چھہترویں (۷۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ فقیہہ ہیں' بہت کم روایات ایسی ہوتی ہیں' جن کے تمام راوی ثقہ فقیہہ ہوں۔

☆ سند کے تمام رواۃ اپنے اپنے وقت کے آئمہ فی الحدیث ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی' تیسرے بغلانی اور باقی مدنی ہیں' حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام دارالہجرہ اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (ہشام) کی باپ (عروہ) سے اور بھانجے (عروہ) کی خالہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے ہے۔

☆ حضرت امام مالک' حضرت ہشام' حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقہاء مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں (۲) تحویل ہے' جو سند کی تقویت کا باعث ہے۔

☆ سند میں الفاظ ادا روایت انبانا ایک دفعہ' اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

کان یغتسل:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہاتے تھے۔
اناء واحد:	ایک برتن
نغترف:	ہم چلو بھرتے تھے
جمیعا:	اکٹھے

۲۳۳-خبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ :سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يُحَدِّثُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهِ عَنْهَا قَالَتْ :كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت ایک ہی برتن سے کرتے تھے۔

۱-مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲-اطراف:

تقدم:۴۱۰، بخاری:۲۶۳، احمد:۲۴۰۶۹، السنن الکبریٰ:۲۳۷، تحفۃ الاشراف:۱۷۴۹۳

۳-تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱-محمد بن عبدالاعلیٰ:	راجع:۵	۲-خالد:	راجع:۱۴۵
۳-شعبۃ:	راجع:۱۱۰	۴-عبدالرحمٰن بن القاسم:	راجع:۱۶۶
۵-القاسم بن محمد:	ایضاً	۶-عائشۃ:	راجع:۱۱۲

۴-حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

۵-خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو ایک ویں (۱۰۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔
☆ حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ خلیفہ اول راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔
☆ آپ فقہاء سبعہ تابعین مدینہ منورہ میں سے ہیں۔
☆ یہ بیٹے (عبدالرحمٰن) کے باپ (القاسم) سے اور بھتیجے کی پھوپھی سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا سمعت عنعنہ ایک ایک دفعہ اور کلمہ تحدیث چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کنت اغتسل: میں نہاتی تھی۔میں غسل کرتی تھی۔

الجنابة: ناپاکی

۲۳۴۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :لَقَدْ رَأَيْتُنِي أُنَازِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِنَاءَ أَغْتَسِلُ أَنَا وَهُوَ مِنْهُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: مجھے وہ منظر یاد ہے کہ میں نہاتے وقت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کے برتن میں اٹکھیلیاں کرتی تھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکٹھے غسل فرماتے تھے' اسی دوران برتن سے پانی لیتے وقت ایک دوسرے سے دل لگی کرتے تھے' جو کہ میاں بیوی کے اکٹھا نہانے پر دلیل ہے۔یہی باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم:۴۱۱' احمد:۲۴۲۱۵' تحفۃ الاشراف:۱۵۹۸۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں' ان سب کے حالات گذر چکے ہیں' البتہ حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیلی لکھے جارہے ہیں:

۱۔قتیبہ بن سعید: راجع:۱۱۸ **۲۔عبیدہ بن حمید:** راجع:۱۳

۳۔منصور راجع:۲ **۴۔ابراہیم:** راجع:۱۱۸

۵۔الاسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

اسود نام ہے۔ابوعمر کنیت۔والد کا نام یزید تھا۔نسب نامہ یہ ہے:اسود بن یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال اور زہد وعبادت کے لحاظ سے اسود کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں زاہد وعابد اور کوفہ کا عالم لکھتے تھے۔(۱) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔(۲)

حدیث:

حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حذیفہ، ابومحذورہ اور موسیٰ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کی صحبت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا تھا۔(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ زیادہ تعلقات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے۔(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے۔(۵) مذکورہ بالا تمام بزرگوں سے انہوں نے روایتیں کی ہیں۔

تلامذہ:

ان کی ذات سے ان کا پورا گھرانا دولت علم سے مالا مال ہو گیا تھا۔ ان کے بھانجے ابراہیم نخعی، بھائی عبدالرحمٰن اور چچیرے بھائی علقمہ جو آسمان علم کے روشن ستارے تھے، ان ہی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں عمارہ بن عمیر، ابواسحٰق سبیعی، ابو بردہ بن ابوموسیٰ، محارب بن دثار اور الشعث بن ابی الشعثاء وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا۔(۶)

فقہ: فقہ میں بھی درک حاصل تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ فقیہ تھے۔(۷)۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سب آپ کے تفقہ کے معترف ہیں۔

عبادت وریاضت:

علم سے بڑھ کر آپ کا عمل یعنی زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت تھی۔ تابعین کی جماعت میں آٹھ بزرگ زہد وعبادت میں زیادہ ممتاز اور مشہور تھے۔ ان میں ایک نام اسود کا ہے۔(۸) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبادت میں وہ بڑے درجہ پر تھے۔(۹)

نماز:

نماز مشغلہ زندگی تھا۔ سات سو نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔(۱)(۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۴۳) نماز ہمیشہ اوّل وقت ادا کرتے تھے۔ اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے، نماز کا وقت آتے ہی کام چھوڑ کر فوراً نماز ادا کرتے۔ ان کے سفر کے ہمراہیوں کا بیان ہے کہ سفر کی حالت میں بھی خواہ کیسے ہی دشوار گزار راستے سے جا رہے ہوں، نماز کا وقت آنے کے ساتھ سواری روک کر نماز پڑھتے، تب آگے بڑھتے۔(۱۰)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۴۳　۲۔ تہذیب الاسماء، ج۱، ص۱۲۲　۳۔ تہذیب التہذیب، ج۱، ص۳۴۲
۴۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۴۸　۵۔ ایضاً　۶۔ تہذیب التہذیب، ج۱، ص۳۴۲
۷۔ ایضاً　۸۔ تاریخ ابن عساکر، ج۳، ص۱۰۰۸　۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۴۳
۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۴۷

روزے:

روزوں سے بھی یہی شغف وانہماک تھا۔قریب قریب ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ایسے سخت موسم میں بھی روزہ نہ چھوٹتا' جب سرخ اونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور گرمی کی شدت' سے بے حال ہوجاتا تھا۔سفر میں روزوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔بعض اوقات سفر کی تکالیف اور پیاس کی شدت سے رنگ بدل جاتا تھا اور زبان سوکھ کر کانٹا ہو جاتی تھی' لیکن روزہ نہیں چھوٹتا تھا۔اس عبادت شاقہ کی وجہ سے آنکھ جاتی رہی تھی۔اگر لوگ کہتے کہ جسم کو اتنی تکلیف نہیں دیجئے تو جواب دیتے تکلیف نہیں بلکہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں۔(۱)

حج:

حج کے ذوق کا یہی حال تھا۔حجوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید کوئی سال حج سے ناغہ نہیں ہوا۔باختلاف روایت آپ کے حجوں اور عمروں کی مجموعی تعداد ستر سے اسی تک ہے۔کبھی کبھی ولولہ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر ''لبيك غفار الذنوب اور لبيك وحنانيك'' کی صدا لگاتے ہوئے روانہ ہوتے تھے لیکن یہ دائمی عمل نہ تھا' بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں احرام باندھنے کا ثبوت ملتا تھا۔مکہ میں عموماً شب کے وقت داخل ہوتے تھے۔آپ کو طواف کوئے محبوب سے ایسا والہانہ شغف تھا' اور اس بارے میں اس قدر متشدد تھے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تھا' اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھتے تھے۔(۲)

تلاوت قرآن:

قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول تھا۔رمضان کے مہینہ میں قرآن کا ورد بہت بڑھ جاتا تھا۔مغرب اور عشاء کے درمیان سوتے رہتے تھے۔اس کے بعد اٹھ کر ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دو راتوں میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔(۳)

اختلاف مسلک اور اتحاد روابط:

آج ادنیٰ سے اختلاف مسلک پر ہر قسم کے معاشرتی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ان بزرگوں کا یہ اسوہ لائق تقلید ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود ان میں باہم روابط قائم رہتے تھے' اسود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے ان کے تابع تھے اور علقمہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تھے لیکن جب دونوں میں ملاقات ہوتی تھی تو ادنیٰ اختلاف بھی نہ ہوتا تھا۔(۴)

وفات:

۷۵ھ میں وفات پائی معمولات کی پابندی میں، یہ اہتمام تھا کہ مرض الموت میں بھی تلاوت قرآن میں فرق نہ آیا چنانچہ اس وقت بھی جب جنبش کرنے کی سکت باقی نہ تھی اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے دم آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا تاکہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الله الا الله نکلے۔(۵)

۱۔ ایضاً' ص ۴۸　۲۔ طبقات ابن سعد ج ۶' ص ۴۷۔۴۸　۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً' ص ۴۸　۵۔ ایضاً' ص ۵۰

حلیہ اور لباس:

آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے سر اور داڑھی دونوں میں زرد خضاب کرتے تھے اونچی ٹوپی پہنتے تھے، سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ اس کا شملہ پیچھے پڑا رہتا تھا۔(۱)(۲)

۶۔ عائشہ:　　　راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اس کے شواہد کثیر ہیں۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو دوویں (۱۰۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کو بعض نے صدوق لکھا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، آخری مدنیہ اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لقد رایتنی: میں دیکھتی ہوں، مجھے منظر یاد ہے

انازع: میں جھگڑتی تھی، مراد ہے میں اٹکھیلیاں کرتی تھی۔

۲۳۵۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۱۔ ایضاً ۵۹　　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۳۵۔۳۷

۲۔اطراف:

راجع:۲۳۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں' ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔عمرو بن علی:	راجع:۴	۲۔یحییٰ:	راجع:۱۳۳
۳۔سفیان:	راجع:۱۱۱	۴۔منصور:	راجع:۲
۵۔ابراہیم:	راجع:۱۱۸	۶۔الاسود:	راجع:۲۳۴
۷۔عائشہ:	راجع:۱۲		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ چوالیسویں (۴۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند میں مذکور حضرت یحییٰ قطان' حضرت سفیان ثوری' حضرت ابراہیم نخعی آئمہ کبار فی الحدیث ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں' البتہ حضرت یحییٰ بصری' حضرت سفیان مکی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ' کلمہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۲۳۳

۲۳۶۔ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تَغْتَسِلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
مجھے میری خالہ' ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا: کہ وہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۳۲۲ ترمذی:۶۲ ابن ماجہ:۳۷۷ احمد:۲۶۸۶۰ السنن الکبریٰ:۲۳۷ تحفۃ الاشراف:۱۸۰۶۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔یحییٰ بن موسیٰ:

آپ کا نام ابوزکریا یحییٰ بن موسیٰ بن عبدربہ بن سالم حذانی بلخی سختیانی (م:۲۴۰ھ) ہے آپ خت کے لقب سے مشہور ہیں آپ کا وطن اصلی کوفہ ہے آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں۔امام بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں آپ سے سنن نسائی میں سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔سفیان:　راجع:۱۱۱　　۳۔عمرو:　راجع:۱۵۴

۴۔جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

جابر نام ابوشعثاء کنیت نسباً قبیلہ ازد سے تھے۔

فضل وکمال:

جابر نے بہت سے علماء صحابہ سے استفادہ کیا تھا لیکن خیر الامت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے اس تعلق سے وہ صاحب ابن عباس یعنی ابن عباس کے ساتھی کہلاتے تھے۔(۲) ان کے فیض صحبت نے جابر کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے حافظ ذہبی انہیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔(۳)۔علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔وہ آئمہ اور فقہائے تابعین میں ہیں۔(۴)

قرآن:

قرآن حدیث فقہ جملہ علوم میں انہیں یکساں کمال تھا علوم قرآنیہ میں خاص مہارت تھی ان کے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو خود قرآن کے بہت بڑے عالم تھے فرماتے تھے اگر اہل بصرہ جابر بن زید کا قول اختیار کریں تو کتاب اللہ کے بارے میں ان کا علم نہایت وسیع ہو جائے۔(۵)

ا۔ i۔الجرح والتعدیل ج۹ ص۱۹۲　ii۔الثقات ج۹ ص۲۶۷　۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۶۲

۳۔ ایضاً　۴۔ تہذیب الاسماء ج۱ ص۱۴۲　۵۔ تہذیب التہذیب ج۲ ص۳۸

حدیث:

حدیث کے بھی بڑے حافظ تھے' حافظ ذہبی حفاظ حدیث میں انہیں علمائے اعلام کا درجہ دیتے ہیں' حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' ابن زبیر' حکم بن عمرو غفاری' اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا' اور عمرو بن دینار' یعلی بن مسلم' ایوب سختیانی اور عمرو بن حزم وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔(۱)

فقہ:

فقہ میں بھی ان کو پوری مہارت تھی' علامہ نووی انہیں آئمہ اور فقہائے تابعین میں لکھتے ہیں۔(۲) صحابہ میں ہو' اور لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو' اس کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی اور سنت کے خلاف فتویٰ نہ دینا' ورنہ تم خود ہلاک ہو گے' اور دوسروں کو ہلاک کرو گے۔(۳)

اایوب حیرت آمیز استعجاب کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے۔(۴) ایاس بن معاویہ جو بصرہ کے نامور قاضی تھے کہتے تھے کہ جابر کے علاوہ اہل بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا۔(۵) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں جابر افتاء میں ان کی قائم مقامی کرتے تھے۔(۶)

جابر ایک مرتبہ کسی سلسلہ میں قید ہو گئے تھے' قیاس یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں جبکہ بہت سے صلحا و اخیار امت قید و بند کا شکار ہوئے تھے' جابر بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے ہوں گے' اہل بصرہ کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ قید کی حالت میں بھی انہی کی طرف رجوع کرتے تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ جابر بن زید قید کئے گئے تھے' لوگوں نے خنثیٰ کی میراث کے بارے میں ان کے پاس استفتاء بھیجا' انہوں نے کہا کہ تم لوگ بھی خوب ہو مجھ کو قید کراتے ہو اور پھر مجھ ہی سے فتویٰ پوچھتے ہو' یہ جتا کر فتویٰ کا جواب دیا۔(۷)

جامعیت:

جابر کی شخصیت جامع العلم تھی وہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے' عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے ابوالشعثاء سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا۔(۸) ان کی موت کے وقت قتادہ کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ آج روئے زمین کا علم دفن ہو گیا۔(۹)

کتابت پسند نہ تھی:

اس عہد کے بعض بزرگوں کی طرح جابر بھی علم کو قلم بند کرنا ناپسند کرتے تھے عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے جو سنتے ہیں اس کو لکھ لیتے ہیں۔ انہوں نے یہ سن کر کہا: اناللہ وہ لوگ لکھ لیتے ہیں' ان کی ناپسندیدگی دیکھ کر ان کے بعض تلامذہ نے لکھنا ترک کر دیا۔(۱۰)

۱۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۳۸　　۲۔ تہذیب الاسماء' ج ۱' ص ۱۴۲　　۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۶۲۔ ۶۴

۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۳۱　　۵۔ ایضاً　　۶۔ تہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۳۸

۷۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۳۱　　۸۔ ایضاً　　۹۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۶۲

۱۰۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۲۱

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ وہ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے' عمل خیر کے مقابلہ میں دنیا کی نعمت کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے' فرماتے تھے کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی' اس طویل مدت میں بہت کچھ ملا' اور خدا نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں' لیکن اس خیر کے علاوہ جسے میں نے کیا ہے' باقی اور تمام نعمتیں میرے نزدیک جوتے سے بھی فروتر ہیں۔(۱)

دولت کے مقابلہ میں بھی ان سے لغزش نہ ہوتی تھی محمد بن حسین کہتے تھے کہ خدا جابر پر رحم کرے وہ درہم کے مقابلہ میں بھی مسلمان تھے۔(۲)

ایک الزام سے برأت:

جابر کے پاس فرقہ اباضیہ (خارجی فرقہ کی ایک شاخ) کے افراد کی آمد ورفت رہتی تھی۔ اس لئے بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا کم ازکم ان کے خیالات سے متاثر ہیں۔ لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ انہوں نے بارہا اپنی زندگی میں اور آخر وقت مرض الموت میں اباضیہ کے عقائد سے اپنی برأت ظاہر کی۔

جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ثابت البنانی نے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہے۔ کہا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت وہ (غالباً حکومت) کے خوف سے ابی خلیفہ کے گھر میں روپوش تھے۔ ان کو جابر کی خواہش کی اطلاع دی گئی' وہ فوراً آنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ثابت نے روکا کہ پکڑے جانے کا خوف ہے' آپ نے جواب دیا' خدا مجھ کو دشمنوں کی نظر سے بچائے گا۔ چنانچہ اسی وقت جابر کے پاس پہنچے۔

جابر میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی' دوسرے کا سہارا لے کر اٹھے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کلام اللہ کی آیات تلاوت کیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دم آخر اباضیہ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے پوچھا۔ اباضیہ تم سے دوستی رکھتے ہیں۔ جابر نے کہا میں خدا سے ان کی برأت چاہتا ہوں۔ حسن بصری نے سوال کیا' نہروانیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جابر نے ان سے بھی برأت ظاہر کی۔ جابر کی حالت بہت نازک تھی۔ اس لئے حسن بصری صبح تک انہیں رخصت کرنے کا انتظار کرتے رہے' لیکن ابھی وقت موعود پورا نہیں ہوا تھا' اس لئے صبح کے آثار نمودار ہونے کے بعد نماز جنازہ کے طور پر چار تکبیریں کہہ کے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور صبح ہونے سے پہلے اپنے قیام گاہ لوٹ گئے۔(۳)(۴)

۵۔ ابن عباس:　　راجع: ۳۲

۱۔ ایضاً　　۲۔ ایضاً　　۳۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۳۲

۴۔ سیر الصحابۃ' ج ۷' ص ۶۵۔۶۸

۶۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

میمونہ نام، قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزم ابن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمۃ بن خصیفہ بن قیس بن عیلان بن مضر والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام و نسب حسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطۃ بن جرش۔

نکاح:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا۔(۱) لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی پھر ابو درہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابودرہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اسی احرام کی حالت میں میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، (۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نکاح کے متولی ہوئے تھے۔(۳) آنحضرت ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستے پر مکہ سے دس میل ہے (۴) قیام فرمایا، ابورافع (آنحضرت ﷺ کے غلام) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔(۵) یہ آنحضرت ﷺ کا آخری نکاح تھا (۶) اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا (۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ''یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں'' جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ لے چلو (۸) سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے (۴۶) حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمار میری کنگھی کرتی تھیں اور (آج کل ان

۱۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۸۸　　۲۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱　　۳۔ نسائی، ص ۵۱۳

۴۔ تہذیب، ج ۱۲، ص ۴۵۳　　۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۸۹

۶۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۴۵۳　　۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۳۳　　۸۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۵۸

کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔(۱)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن السائب یزید بن اصم رضی اللہ عنہم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطا بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع۔

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

انها كانت اتقانا الله واوصلنا للرحم (۲)

''میمونہ خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں''۔

احکام نبوی ﷺ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں، خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (بیوی کے ایام کا زمانہ ہے) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے تھے آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو بولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے۔(۳)

ایک عورت بیمار پڑھی تو اس نے منت مانی کہ شفاء ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں جب رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو بولیں، تم یہیں رہو اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔(۴)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے)(۵)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا ''آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے''۔(۶)(۷)

۱۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۳۳۱ ۲۔ الاصابہ، ج ۸، ص ۱۹۲ ۳۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳۲
۴۔ ایضاً، ص ۳۳۳ ۵۔ ایضاً، ص ۳۳۲ ۶۔ ایضاً
۷۔ سیر الصحابۃ، ج ۶، ص ۸۲۔۸۴

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے ایک سوتین ویں (۱۰۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت یحییٰ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے امام مسلم اور ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی کوفی، دوسرے اور تیسرے مکی، چوتھے بصری اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مدنی مکی اور طائفی ہیں۔

☆ حضرت میمونہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہونے والی آخری زوجہ مطہرہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے چھیالیس (۴۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ آپ رضی اللہ عنہا سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، اور کل ستائیس (۲۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ صحابی کی صحابیہ سے اور بھانجے کی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

خالتی: میری خالہ **کانت تغتسل:** وہ نہایا کرتی تھیں

اناء واحد: ایک برتن

۲۳۷۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ :سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ يَقُولُ :حَدَّثَنِي نَاعِمٌ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ سُئِلَتْ أَتَغْتَسِلُ الْمَرْأَةُ مَعَ الرَّجُلِ؟ قَالَتْ :نَعَمْ .إِذَا كَانَتْ كَيِّسَةً رَأَيْتُنِي وَرَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَغْتَسِلُ مِنْ مِرْكَنٍ وَاحِدٍ نُفِيضُ عَلَى أَيْدِينَا حَتَّى نُنَقِّيَهُمَا، ثُمَّ نُفِيضَ عَلَيْهَا الْمَاءَ قَالَ الْأَعْرَجُ: لَا تَذْكُرُ فَرْجًا وَلَا تَبَالَهُ

حضرت ناعم مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا بیوی خاوند کے ساتھ غسل کرسکتی ہے؟
آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں! جب وہ سمجھدار ہو۔ مجھے یاد ہے کہ میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ٹب سے نہاتے تھے، ہم پہلے ہاتھوں پر پانی بہا کر انہیں اچھی طرح صاف کرتے تھے پھر باقی جسم پر پانی بہاتے تھے۔ حضرت اعرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرمگاہ کا ذکر کیا اور نہ ہی اسے اہمیت دی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ۲۶۵۶۰، السنن الکبریٰ: ۲۳۹، تحفۃ الاشراف: ۱۸۲۱۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ سوید بن نصر: راجع: ۵۵　　　　۲۔ عبداللہ: راجع: ۲۲۹

۳۔ سعید بن یزید:

آپ کا نام ابوشجاع سعید بن یزید حمیری قتبانی، سکندرانی (م: ۱۵۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، عابد راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی مجتبیٰ میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے شہر سکندریہ میں وفات پائی۔ (۱)

۴۔ عبدالرحمٰن بن ھرمز الاعرج: راجع: ۷

۵۔ ناعم مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام ابوعبداللہ ناعم بن اجیل ھمدانی مصری (م: ۸۰ھ) ہے، آپ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ فقیہہ تابعی راوی ہیں، آپ سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ

۱۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۲۱۰　　ii۔ الثقات، ج ۶، ص ۳۷۳

سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔ام سلمۃ: راجع:۱۸۳

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چارویں (۱۰۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی ہیں' تیسرے اور پانچویں مصری ہیں' حضرت اعرج اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت غلام کی اپنی مالکہ سے ہیں۔

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' سمعت' عنعنہ ایک ایک دفعہ اور کلمہ تحدیث دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

مسئلت: آپ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا

اتغتسل المراۃ: کیا عورت نہا سکتی ہے؟

کیسۃ: عقل مند' سمجھ دار' حسن ادب والی عورت

رایتنی: میں نے اپنے آپ کو دیکھا' مراد ہے مجھے یاد ہے۔

مراکن: پانی کا ٹب

نفیض: ہم نہاتے تھے' ہم انڈیلتے تھے۔

ایدینا: اپنے ہاتھوں پر

ننقیھما: ہم ہاتھوں کو صاف کرتے تھے۔

لا تذکر: آپ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا۔

فرجا: شرمگاہ

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۲۹،ص۲۶۸ ii۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۲۹۸

لاتبالہ: اہمیت نہ دی، ذکرنا مناسب نہ جانا۔

۷۔مسائل ونصائح:

عورت اور مرد کا ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کا جواز:

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور اجماع اس پر قائم ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کا ایک برتن سے پانی لے کر وضو کرنا جائز ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کا وضو کرنا جائز ہے۔ اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے وضو کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ مرد اور عورت ایک برتن سے پانی لے کر غسل کریں۔ (۲)

اور امام ابن ابی شیبہ اس حدیث پر مطلع نہیں ہوئے اور سنت ان کے قول پر راجح ہے، نیز اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنبی مرد اور حائضہ عورت کے غسل کا بچا ہوا پانی پاک ہوتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت دونوں غسل کے وقت ایک دوسرے کی طرف برہنہ دیکھ سکتے ہیں۔ (۳)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: علامہ داؤدی کا یہ مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جو غسل کرتے تھے تو کپڑے پہن کر کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ غسل کیا، نہ میں نے آپ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔ (۴)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کا عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا یا عورت کا مرد کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ سلیمان بن موسیٰ سے سوال کیا گیا کہ مرد اپنی بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھے تو انہوں نے بیان کیا: میں نے عطاء سے پوچھا: عطاء نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے اس حدیث کو بیان کیا، اور اس مسئلہ میں تصریح ہے۔ واللہ اعلم (۵)

مرد اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا:

علامہ سعیدی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے، لیکن اس حدیث سے یہ

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۴۱　　۲۔ التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۴، ص ۵۵۱۔۵۵۲

۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱۶، ص ۴۵۱　　۴۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۸۵

استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل کے وقت ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہیں دیکھتے تھے' بلکہ دیگر احوال میں بھی نہیں دیکھتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرمگاہ کی طرف ہرگز نہیں دیکھا۔(۱)

امام ابوالشیخ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی ازواج سے جماع کرتے تھے تو اپنے سر پر کپڑا ڈال لیتے تھے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی ۔(۲)

رسول اللہ ﷺ کے کمال حیاء کے یہی احادیث مناسب ہیں!

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ رسول اللہ ﷺ کی کمال حیاء ہے کہ آپ نے ایسا فعل نہیں کیا جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی شرمگاہ کی طرف دیکھتیں' بلکہ ایسا فعل کیا جس کا تقاضا اس کو دیکھنے سے ممانعت تھی اور یہ آپ کی عظیم حیاء ہے' کیونکہ عورت اپنے خاوند کی شرمگاہ کو از خود دیکھنے کی جرأت نہیں کرتی جب تک کہ اس کو اپنے خاوند کی رضا کا علم نہ ہو' اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: ''میں نے آپ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی''۔(۳)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اور علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے بھی اپنی شرحوں میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔(۴)(۵)

۸۔خلاصہ:

☆ مذکورہ باب کی تمام احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ میاں بیوی کے لیے ایک برتن سے بیک وقت پانی استعمال کر کے غسل کرنا جائز ہے۔

☆ میاں بیوی کا اکٹھے نہانا عقلاً، شرعاً اور عرفاً کوئی معیوب امر نہیں ہے۔

☆ آقا کریم ﷺ کا ازواج مطہرات کے ساتھ اس طرح نہانا آپ کے اخلاق کریمانہ اور حسن معاشرت کی بہت عمدہ مثال ہے۔

☆ جنبی کے ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ ہاتھ آلہ طہارت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اٹھکھیلیاں کرنا میاں بیوی کی باہمی بے تکلفی اور پیار و محبت کا مظہر ہے، جو کہ ہر میاں بیوی سے مطلوب بھی ہے۔

☆ زوجین کے لیے ایک دوسرے کے جسم اور شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے، البتہ پرہیز اولیٰ ہے۔

۱۔ شمائل ترمذی: ۳۶۰' سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۲' ۶۶۲' مسند احمد: ج ۶' ص ۱۹۰۔۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱' ص ۱۰۶' سنن بیہقی' ج ۷' ص ۹۴' حلیۃ الاولیاء' ج ۸' ص ۲۴۷' الکامل لابن عدی' ج ۲' ص ۴۷۹' تاریخ بغداد' ج ۴' ص ۲۲۵

۲۔ ایضاً ص ۲۳۳　　۳۔ اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' ص ۵۲۱

۴۔ جمع الوسائل فی شرح الشمائل' ج ۲' ص ۲۱۷' شرح المناوی علی حاشیہ جمع الوسائل' ج ۲' ص ۲۱۷

۵۔ نعمۃ الباری' ج ۱۶' ص ۴۵۱۔۴۵۲

☆ آقا کریم ﷺ اور ازواج مطہرات نے کبھی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا، اور یہ کمال حیاء ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہرات کپڑے پہن کر غسل کیا کرتے تھے۔

☆ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں تین امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ اکٹھے غسل کرنے کا ذکر ہے، یہ تحدید نہیں ہے، بلکہ غالباً باقی امہات المومنین کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا یہی حسن سلوک تھا۔

☆ جنبی مرد اور حائضہ عورت کے غسل کا بچا ہوا پانی پاک ہوتا ہے۔

☆ عورت کو مرد کے ساتھ نہاتے وقت حسن ادب کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

☆ میاں بیوی کی باہم خوش مزاجی اور دل لگی کرنا مستحسن اور اسلام کا مطلوب امر ہے۔

بَابُ ذِكْرِ النَّهْيِ عَنِ الِاغْتِسَالِ بِفَضْلِ الْجُنُبِ

باب ۱۴۷: جنبی کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے نہانے کی ممانعت

جنبی مرد و عورت کے غسل کرنے کے بعد جو پانی بچ جاتا ہے' اس سے نہانا مکروہ تنزیہی ہے' کیونکہ اس باب کے بعد امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم کیا ہے' اور حدیث مبارکہ ذکر کی ہے' اس سے اس امر کی رخصت ثابت ہوتی ہے' جس کا متقاضا یہ ہے کہ یہ نہی مکروہ تنزیہی پر محمول ہو۔ پچھلے باب میں میاں بیوی کا اکٹھے ایک ہی برتن سے غسل کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں جنبی کے نہانے سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے کی ممانعت کا بیان ہے۔

۲۳۸۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ دَاوُدَ الْأَوْدِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَرْبَعَ سِنِينَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمْتَشِطَ أَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ، أَوْ يَبُولَ فِي مُغْتَسَلِهِ، أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيعًا

حضرت حمید بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

میری ملاقات ایک ایسی ہستی سے ہوئی' جو نبی کریم ﷺ کی صحبت سے ایسے فیض یاب ہوئی' جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال تک فیض یاب ہوئے' انہوں نے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ نے ہر روز کنگھی کرنے' غسل خانے میں پیشاب کرنے اور مرد و عورت کو ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ نہانے سے منع فرمایا ہے' البتہ میاں بیوی اکٹھے غسل کر سکتے ہیں۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

آپ ﷺ نے مرد وعورت کو ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ نہانے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۹۴، ۵۰، ابوداؤد: ۲۸، ۸۱، احمد: ۱۰۰۸، السنن الکبریٰ: ۲۴۰، تحفۃ الاشراف: ۱۵۵۵۴، ۱۵۵۵۵۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے دو کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کے حالات سپردِ قلم کیے جاتے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸　　۲۔ابوعوانہ: راجع: ۱۳۹

۳۔داؤد:

آپ کا نام ابوالعلاء داؤد بن عبداللہ اودی زعافری کوفی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ داؤد عبداللہ بن ادریس کے چچا کے علاوہ ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۴۔حمید بن عبدالرحمٰن:

آپ کا نام حمید بن عبدالرحمان حمیدی بصری ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ فقیہہ راوی ہیں، علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ اہل بصرہ میں سب سے بڑے فقیہہ تھے، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت وفقاہت پر متفق ہیں، بعض حضرات نے آپ کو ضعیف ومجہول قرار دیا ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ راوی ہیں۔(۲)

۵۔رجل صحب النبی ﷺ:

اس سے مراد کون سے صحابی ہیں، اس کی صراحت راوی نے نہیں کی، البتہ آئمہ رجال نے احتمالاً تین صحابہ کرام کے نام ذکر کیے ہیں:

۱۔حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ　۲۔حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ　۳۔حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ (۲)

اس امر کی تحقیق سند میں ہے مذکور صحابی رسول ﷺ سے مراد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں:

۱۔　اس روایت کی سند میں اکثر شارحین نے اور "صحب النبی ﷺ" سے مراد تین مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے ہیں، ہمارے نزدیک اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں، اس امر کے قرآئن حسب ذیل ہیں: اس روایت کو بیان کرتے ہوئے تابعی حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے صحابی کا نام ذکر کرنے کی بجائے، یہ الفاظ استعمال کیے ہیں:

۱۔　i۔العلل، ج۱، ص۱۹۲　　ii۔تہذیب التہذیب، ج۳، ص۱۹۱

۲۔　i۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۱۴۷　　ii۔تاریخ الثقات، ص۱۳۴

لقیت رجلا صحب النبی ﷺ کما صحبه ابو هریره اربع سنین (۱)

میں ایک ایسے صحابی رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح صحبت رسول ﷺ سے چار سال تک فیض یاب ہوتے رہے۔ حضرت حمید بن عبد الرحمان رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ بلاغت کی زبان میں تمثیل وتشبیہ کہلاتے ہیں، اس لئے پہلے تمثیل و تشبیہ کا مفہوم اور مقصد واضح کیا جاتا ہے۔

تمثیل وتشبیہ کا مفہوم:

لغوی معنیٰ:

یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع امثال ہے یہ لفظ درج ذیل مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مانند، نظیر، کہاوت، افسانہ، مشہور قول، تشبیہ، عبرت، روایت، معیار، نمونہ، صفت، بات، دلیل، مقدار، ہم صورت، ہم شکل، کہانی، داستان، یکساں، ویسا ہی، موافق، جیسا، تصویر، صورت، حکایت، (۲)

اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاحی طور پر لفظ مثل اور امثال مختلف مفاہیم کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

۱۔ کسی غیر واضح اور غیر محسوس چیز کو واضح اور محسوس شئے کے ساتھ تشبیہ دینا۔

۲۔ نگاہوں سے اوجھل چیز کا موجود شئے کے ذریعے استعارہ کے ساتھ مشاہدہ کروانا۔

۳۔ سانچہ یا نمونہ یا ناپ جس کے ذریعے کوئی چیز بنائی جائے۔

۴۔ کوئی حقیقی یا فرضی واقعہ جو عبرت و نصیحت کے طور پر بیان کیا جائے۔

۵۔ کوئی مشہور قول یا بات جس سے کوئی عبرت یا نصیحت حاصل کی جائے۔ (۳)(۴)

۱۔ نسائی: ۲۳۸

۲۔ i۔ لساب العرب، ل، ج ۱۱، ص ۶۱۰ ii۔ تاج العروس، ل، ج ۱۵، ص ۲۸۰ iii۔ المفردات فی غریب القرآن، م، ص ۴۶۲
iv۔ الصحاح، ل، ج ۵، ص ۸۱۶ v۔ المنجد (عربی)، م، ص ۷۴۶ vi۔ المنجد، م، ص ۹۴۶
vii۔ القاموس الوحید، م، ص ۵۲۳ viii۔ فیروز اللغات، الف، ص ۱۲۱ ix۔ ایضاً، م، ص ۱۲۰۳ x۔ غیاث اللغات، م، ص ۴۵۲

۳۔ i۔ المفردات فی غریب القرآن، م، ص ۴۶۳ ii۔ الصحاح، ل، ج ۵، ص ۱۸۱۶ iii۔ المنجد (عربی)، م، ص ۷۴۷
iv۔ تاج العروس، ل، ج ۱۵، ص ۶۸۱ v۔ القاموس الوحید، م، ص ۱۵۲۳ vi۔ لسان العرب، ل، ج ۱۱، ص ۶۱۳
vii۔ غیاث اللغات، م، ص ۴۵۲

۴۔ امثال الحدیث، ص ۲۱۔۲۲

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کی رائے:

عمیق افکار کی افہام وتفہیم کے لئے ہر زبان میں کچھ اصطلاحات مقرر ہیں۔ان اصطلاحات میں ایک ''امثال'' ہے۔الہامی و غیر الہامی کتب میں اور کم وبیش ہر زبان میں دقیق مسائل کو سمجھانے کے لئے ان سے کام لیا گیا۔عربی زبان' جو اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے اس میں بھی ''امثال'' کو تفہیم مسائل کا ذریعہ بنایا گیا۔

''المثل'' کے معنی ایسی بات کے ہیں جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو اور معاملہ کی شکل سامنے آجاتی ہو۔مثل' مثل' دونوں ہم معنی ہیں جیسے شبۃ ''وشبہ'' ونقض ''ونقض'' وغیرہ اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک بمعنی وصف جیسے فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ۔(۱)

یعنی جس جنت کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں۔

دوسرا یہ مشابہ کے معنی میں آتا ہے اور ہر قسم کی مشابہت کو شامل ہوتا ہے۔(۲) اسی لئے صاحب لسان العرب نے اس کے لئے کلمۃ تسویۃ کی ترکیب استعمال کی ہے۔(۳)

محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی (متوفی ۷۵۴ھ) لکھتے ہیں:

المثل والمثیل کشبه وشبیه وهو نظیر قال الیزیدی الامثال الاشباه۔(۴) یعنی مثل اور مثیل شبہ اور شبیہ کی طرح ہیں اور ان کا معنی نظیر (ملتا جلتا)۔الیزیدی کہتے ہیں کہ امثال کا معنی الاشباہ (ایک جیسا) کے ہیں۔

مجد الدین فیروز آبادی (متوفی ۸۱۲ھ) کے بقول جب مماثلت جوہر' شکل' سائز' کیفیت اور کمیت تمام جہات سے ہو تو اس کو ''المثل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب اپنی ذات وصفات میں ہر قسم کی تشبیہ کی نفی کرنا تھی تو فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ(۵)

مقاتل بن سلیمان البلخی (متوفی ۱۵۰ھ) (ڈاکٹر عبد اللہ محمود شحاتہ کی تحقیق کے ساتھ ان کی تفسیر شائع ہو چکی ہے۔) اس کے بارہ میں وہ لکھتے ہیں: والذی لا شك فیه ان تفسیر مقاتل بن سلیمان اول تفسیر کامل للقرآن وصل الینا اس میں کوئی شک نہیں کہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر ہی ہے جو مکمل صورت میں' سب سے پہلے ہم تک پہنچی۔اس سلسلہ میں انہوں نے ڈاکٹر احمد امین جن کا خیال ہے کہ فراء پہلا مفسر ہے جن کی تفسیر ہم تک پہنچی' کا رد کیا ہے) کے مطابق یہ لفظ قرآن کریم میں چار معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۱۔الشبہ (۶) (۶۔اس کی مثال سورۃ الفتح:۲۹' سورۃ العنکبوت:۴۳) ۲۔السیرۃ (۷) (۷۔اس کی مثال سورۃ البقرہ:۲۱۴) ۳۔العبرۃ (۸) (۸۔اس کی مثال سورۃ الزخرف:۵۹) ۴۔العذاب (۹) (۹۔اس کی مثال سورۃ الفرقان:۳۹) (۱۰) البلخی' مقاتل بن سلیمان' الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم' تحقیق عبد اللہ شحاتہ الہیئۃ المصریۃ العامۃ لکتاب القاہرۃ' ۱۹۹۴' ج۱' ص ۲۰۷۔۲۰۸)

۱۔ سورۃ الرعد:۳۵
۲۔ المفردات للراغب۔بذیل مادہ/معجم مقاییس اللغۃ' ج۵' ص۲۹۶
۳۔ لسان العرب' ۱۹۲۸ء' ج۱۱' ص۶۱۰
۴۔ البحر المحیط' ج۱' ص۲۰۷
۵۔ الشوریٰ۴۲:۱۱

امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) ''مثل'' کا مفہوم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مثل کا لفظ ایسی حالت اور صفت میں استعمال کیا جاتا ہے جس کی کوئی شان ہو اور اس میں کچھ غرابت (حیرت انگیز بات) بھی پائی جاتی ہو جیسے مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیوٰۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صر۔(۱)

تفسیر نمونہ میں مثل کے لغوی مفہوم کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ''لغت عرب میں مثل ہر اس بات کو کہتے ہیں جو کسی حقیقت کو مجسم کر دے یا کسی چیز کی تعریف و توصیف کرے یا ایک چیز کی دوسری چیز سے تشبیہ دے''۔(۲)

تشبیہ اور تمثیل میں فرق:

تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے۔ایک عام تشبیہ میں اصل نگاہ مشبہ (جس کو کسی چیز سے تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں) پر ہوتی ہے اور ان دونوں کے اجزا کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم دگر کتنی مشابہت اور مطابقت پائی جاتی ہے اور پھر اسی مطابقت و مشابہت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورت واقعہ کو صورت واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔اگر ایک صورت حال اور دوسری صورت حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورت حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لئے اہل فن نے ضروری قرار دیئے ہیں۔(۳)

نظام کا کہنا ہے کہ مثل میں چار چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور یہ کسی اور جگہ اکٹھی نہیں ہوتیں اس لئے یہ بلاغت کی انتہا ہے۔وہ چار بلاغی پہلو درج ذیل ہیں:

۱۔ایجاز اللفظ ۲۔اصابت المعنی

۳۔حسن تشبیہ ۴۔جودۃ الکنایۃ(۴)

علماء کی درج بالا آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ لغت اور بلاغت میں اس لفظ کو متعدد معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ادب کی دنیا میں اس کا استعمال ایک فنی اصطلاح کے طور پر معلوم و مشہور ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر ہر دور میں اہل علم نے مستقل کتب تالیف کیں۔(۵)

مثال کا مقصد:

مثال بیان کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قریب تر لانے کے لئے کسی ایسی چیز سے تشبیہ دی جائے جو واضح اور محسوس ہو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ جو چیز عام نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے

۱۔ الاتقان فی علوم القرآن مترجم ج ۲ ص ۱۳۴
۲۔ مکارم تفسیر نمونہ ج ۱۱ ص ۸۶
۳۔ تدبر قرآن ج ۱ ص ۸۶
۱۔ عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی ج ۱ ص ۵۶۵
۵۔ القلم ج ۷ شمارہ ۷ قرآنی امثال کی اہمیت اور اردو ادب پر اس کے اثرات ص ۱۳۔۱۵ ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور ۲۰۰۳ء

مثال کے ذریعے سے گویا اس کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں یہ طرز بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جن حقائق سے یہ دونوں آگاہ کرنا چاہتے ہیں' زیادہ تر غیر مرئی وغیرہ محسوس ہیں۔اس لئے تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبر کرنا قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

قرآن مجید نے بہت ساری باتیں ہمیں مثالوں کے ذریعہ سمجھائی ہیں' جیسا کہ قرآن مجید مؤمن کی مثال بیان فرماتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ٥ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲)

اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال پاکیزہ درخت کے جیسی فرمائی' جس کی جڑ قائم ہو اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے' اللہ تعالیٰ لوگوں کی نصیحت کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔

قرآن مجید کی اتباع میں نبی کریم ﷺ نے بہت ساری باتیں مثالیں دے کر سمجھائی ہیں' جیسا کہ حدیث مبارکہ میں منافق کی مثال بیان ہوئی ہے۔

مثل المنافق کمثل الشاۃ العائرۃ بین الغنمینت تعیر الی ھذہ مرۃ والی ھذہ مرۃ۔(۳)

منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے کبھی اس ریوڑ میں اور کبھی اس ریوڑ میں۔(۵)

تمثیل کامل:

مثال میں صورت واقعہ کو صورت واقعہ سے تشبیہ دے کر بات سمجھائی جاتی ہے' اگر اس صورت حال میں پوری تصویر واضح ہو جائے تو اسے تمثیل کامل کہتے ہیں۔(۵)

تمثیل کا حسن:

تمثیل کے اندر چار چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے' جنہیں تمثیل کا حسن بھی کہا جاتا ہے:

۱۔ایجاز اللفظ ۲۔اصابت المعنیٰ

۱۔ الحشر ۵۹:۲۱ ۲۔ ابراہیم ۱۴:۲۴۔۲۵ ۳۔ مسلم:۷۰۴۳

۴۔ امثال الحدیث' ص ۱۰۔۱۱ ۵۔ تدبر قرآن' ج ۱' ص ۸۶

۳۔ حسن تشبیہ　　　۴۔ جودۃ الکنایۃ (۱)

طوالت سے بچنے کے لئے ان چاروں کی مزید تشریح نہیں کی جارہی۔

اہل علم کتب بلاغت وھانی کی طرف رجوع کریں:

تشبیہ کی تعریف:

ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ کسی ایسی صفت میں لاحق کرنا جو دونوں میں پائی جاتی ہے۔ (۲)

تشبیہ کا مقصد:

تشبیہ کا اصل مقصد مشبہ اور مشبہ بہ ہوتے ہیں۔ (۳)

تشبیہ کے ارکان

تشبیہ کے چار ارکان ہیں:

۱۔ مشبہ　　　۲۔ مشبہ بہ

۳۔ وجہ شبہ　　　۴۔ حرف تشبیہ (۴)

رجلا صحب النبی ﷺ کما صحبہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اربع سنین کے اجزائے ترکیبی:

حضرت حمید بن عبد الرحمان رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کے تشبیہ کے لحاظ سے اجزاء ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مشبہ　:　رجلا صحب النبی ﷺ یہ مشبہ ہے۔

۲۔ مشبہ بہ:　صحبہ ابو ہریرہ: یہ مشبہ بہ ہے۔

۳۔ وجہ شبہ:　اربع سنین: وجہ شبہ ہے۔

۴۔ حرفِ تشبیہ:　کاف حرف تشبیہ ہے۔

تشبیہ کے اعتبار سے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

اس تشبیہ کی مزید وضاحت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی تمثیل وتشبیہ کو سمجھنے کے لئے چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے، صحبت رسول ﷺ سے فیض یاب ہونے اور وفات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی، ج ۱، ص ۵۶۵　　　۲۔ توضیح البلاغۃ، ص ۲۳۰

۳۔ ایضاً　　　۴۔ دروس البلاغۃ، ص ۲۳۱

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

آپ غزوہ خیبر (۶ھ/۷ھ) کے موقع پر اسلام لائے (۱) اس کے بعد آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہریہ تک مدینہ منورہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ (۲) اور ۵۷ھ/ ۵۹ھ میں وفات پائی۔ (۳)

عرصہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

غزوہ خیبر ذی الحجہ ۶ھ یا محرم ۷ھ میں پیش آیا' آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے وصال ربیع الاول ۱۲ھ میں فرمایا۔ (۴) اس طرح یہ عرصہ تقریباً چار سال بنتا ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ۶ھ میں اسلام لائے' ان کا حدیث وسیر کی کتب میں تذکرہ صلح نامہ حدیبیہ کے حوالے سے ملتا ہے' اور بیعت شجرہ والے صحابہ کرام میں ان کا نام شامل ہے۔ (۵) صلح نامہ حدیبیہ ذیقعد ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ (۶) آپ اسلام لانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے' (۷) وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر بصرہ منتقل ہوئے' اور یہیں پر ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ (۸)

عرصہ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ذیقعد ۶ھ میں صلح نامہ حدیبیہ ہوا' اسی کے ضمن میں تذکرہ نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے' اس سے پہلے کے حالات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں' اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ یہی آپ کا زمانہ اسلام ہے' پھر حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ رضی اللہ عنہ سفر وحضر میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' اس طرح ذیقعد ۶ھ سے ربیع الاول ۱۲ھ تک آپ کا عرصہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چار سے پانچ سال بنتا ہے' یعنی چار سال سے زائد ہے۔

۳۔ حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

کتب سیر وتاریخ میں آپ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے ماہ وسال بتلانے کے بارے میں خاموش ہیں' البتہ اتنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایمان لائے' جنگ صفین میں کنارہ کش رہے' بصرہ میں آباد ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں خراسان کے گورنر ہوئے' اور خراسان میں ہی ۵۰ھ میں وفات پائی۔ (۹)

۱۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ' ج ۵' ص ۳۱۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ تاریخ طبری' ج ۲' ص ۴۰۴

۵۔ بخاری: ۴۸۴۱' احمد: ۲۰۵۶۵ ۶۔ سیرۃ النبی' ج ۱' ص ۴۷۷ ۷۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۸ ۸۔ ایضاً

۹۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۸

عرصہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

کتب سیر میں یہ تو وضاحت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' لیکن صحبتِ رسول میں کتنا عرصہ رہے' اس بارے میں کوئی تاریخی وسوانحی شہادت میسر نہ ہوسکی۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

آپ کے احوال وآثار کے بارے میں کتب سیر وتواریخ خاموش ہیں' صرف اتنی صراحت ملتی ہے' کہ آپ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ (۱)

عرصہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کتنا عرصہ رہے' اس حوالے سے کوئی سندی یا تاریخی شہادت میسر نہ ہوسکی۔

تجزیہ:

حدیث مبارکہ میں موجود چاروں صحابہ کرام متعلقہ سوانحی خاکہ حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	نام	سال قبول اسلام	وفات	عرصہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۱	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۶ھ/۷ھ	۵۷ھ/۵۹ھ	تقریباً ۴ سال
۲	حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ	۶ھ	۵۹ھ/۶۰ھ	تقریباً ۴-۵ سال
۳	حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ	نامعلوم	۵۰ھ	نامعلوم
۴	حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ	نامعلوم	نامعلوم	نامعلوم

شارحین کرام رحمہم اللہ نے جو "رجلا صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے مراد تینوں اصحاب (حضرت عبداللہ بن مغفل' حضرت حکم بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہم) کا ذکر کیا ہے' اس کی غالباً وجہ ان سب ہستیوں کا بصری ہونا ہے' لیکن چونکہ حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور چار سال کی صحبت کی صراحت موجود ہے' اس لئے یہ تشبیہ وتمثیل اس وقت درست وکامل ہوسکتی ہے' جب اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہوں' اس کی وجوہات ترجیح حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ مراد ہونے کی وجوہ ترجیح:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام کا زمانہ قریب قریب ہے۔

۲۔ دونوں ہستیوں کا زمانہ وفات بھی قریب قریب ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا حضرات کا زمانہ صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہے۔

۱۔ تہذیب الکمال' ج ۵' ص ۳۶۴

۴۔　دونوں کا عرصہ صحبتِ رسول ﷺ کم از کم چار سال ہے۔

۵۔　حدیث مبارکہ میں چار سال کی صحبت کی وضاحت ہے' یہ شرف صرف حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

۶۔　حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کے زیادہ تر حالات پردہ اخفاء میں ہیں۔

حرف آخر: لہٰذا مذکورہ بالا بحث وتحقیق اور وجوہ ترجیح سے یہ امر متحقق ہو جاتا ہے' کہ "رجلا صحب النبی ﷺ" سے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن مغفل کی ذات بابرکات مراد ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ مزنی:

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوسعید کنیت' نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن مغفل بن عبد بن عفیف بن سہم بن ربیعہ بن عدی بن ثعلبہ بن ذویب بن سعد بن عدی بن عثمان بن مزینہ مزنی۔

اسلام:

عبداللہ ۶ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے' قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ (۱) اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ (۲)

غزوات: خیبر میں بھی ہمرکاب تھے' اس غزوہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں خیبر کے محاصرہ میں تھا کہ کسی نے اوپر سے چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی پھینکی' میں اٹھانے کیلئے بڑھا آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ گئی مجھے اس پر بڑی ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ (۳) فتح مکہ میں بھی شریک تھے اس غزوہ کا یہ عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کو اونٹنی کے اوپر سوار سورۂ فتح تلاوت کرتے دیکھا۔ (۴)

۹ھ میں تبوک کا غزوہ پیش آیا اس سال نہایت شدید قحط تھا اس لئے مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی۔ صاحب مقدور لوگوں کے علاوہ معمولی حیثیت کے مسلمانوں کے لئے اس غزوہ میں شرکت کی کوئی صورت نہ تھی عبداللہ بن مغفل نادار صحابی تھے ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سامان سفر کی درخواست کی۔ یہاں کیا تھا صاف جواب ملا لیکن جوش جہاد گھر میں بھی بیٹھنے نہ دیتا تھا جب سامان سفر کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو اپنی محرومی پر مایوس ہو کر رونے لگے۔ ایک بزرگ ابن یامین نے روتا دیکھ کر سبب پوچھا' کہا غزوہ تبوک کے لئے رسول اللہ ﷺ سے سواری مانگی تھی مگر نہیں ملی اور مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ اپنے پاس سے سامان کروں۔ یہ سن کر ابن یامین نے سواری کے لئے ایک اونٹ اور زادِ راہ کے لئے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھی عبدالرحمٰن بن کعب غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ (۵) ان ہی ناداروں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

۱۔ بخاری: ۴۱۴۸　　۲۔ مسند احمد بن حنبل' ج ۵' ص ۵۴　　۳۔ بخاری: ۴۲۱۴۔

۴۔ مسلم' ج ۱' ص ۲۵۶　　۵۔ سیرۃ ابن ہشام' ج ۲' ص ۳۱۶

۳۔وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (۱)

''اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لئے سواری کا انتظام کرو تو تم نے کہا: میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے یہ سن کر وہ لوٹ گئے اور خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں''۔

بصرہ کا توطن:

تاحیات نبوی ﷺ مدینہ میں رہے۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ چھوڑ دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بصرہ آباد کرایا تو عبداللہ کو مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لئے بصرہ بھیج دیا جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے۔(۲)

عراق کی فوج کشی: عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے' خوزستان کے صدر مقام شوستر کی تسخیر کے بعد سب سے پہلے یہی شہر میں داخل ہوئے تھے۔(۳)

وفات:

کافی عمر پانے کے بعد باختلاف روایت ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں بصرہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے دم آخر اعزہ سے وصیت کی کہ غسل کے آخری پانی میں کافور ملانا اور کفن میں دو چادریں اور ایک قمیص ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ایسا ہی تھا۔(۴) نہلاتے وقت صرف اصحاب ہوں رسول اللہ ﷺ کے صحابی غسل دیں جنازہ کے پیچھے آگ نہ روشن کی جائے۔ابن زیاد (گورنر بصرہ) جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو' وفات کے بعد ان وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا گیا۔آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے نہلایا' جنازہ گھر سے نکلا تو ابن زیاد انتظار میں کھڑا تھا اس کو عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وصیت سنائی گئی۔اسے سن کر تھوڑی دور جنازہ کی مشایعت کر کے گھر لوٹ گیا۔(۵) حسب وصیت آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی' اور بصرہ کی سرزمین میں پیوند خاک کئے گئے۔(۶)

اولاد:

وفات کے بعد سات ۷ اولادیں یادگار چھوڑیں۔(۷)

فضل وکمال:

قبول اسلام کے بعد کئی برس تک ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا موقع ملا تھا اس لئے ان کی ۴۳ مرویات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں' ان میں سے ۴ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔(۸) حمید بن ہلال' ثابت البنانی' مطرب

۱۔ التوبہ ۹:۹۲ — ۲۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۷۔۸ — ۳۔ مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۵۷۸

۴۔ ایضا — ۵۔ طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۱۸ — ۶۔ الاصابہ' ج ۴' ص ۱۳۲

۷۔ استیعاب' ج ۱' ص ۳۷۴ — ۸۔ تہذیب الکمال ج ۶ ص ۲۱۶

بن عبداللہ معاویہ بن قرۃ' عقبہ بن صہبان' حسن بصری' سعید بن جبیر' عبداللہ بن بزیدہ وغیرہ۔(۱) ان کے رواۃ میں ہیں۔ گو عبداللہ کی مرویات کی تعداد کم ہے لیکن ان کا علمی اور تعلیمی تجربہ زیادہ تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ اصحاب کو اہل بصرہ کی فقہی تعلیم کے لئے بھیجا تھا' ان میں ایک یہ بھی تھے۔(۲)

بدعات سے نفرت:

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بدعت سے سخت نفرت تھی' جو چیز انہوں نے عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفاء میں نہیں دیکھی تھی یا ان کے علم میں نہ تھی اس کو کسی طرح نہیں برداشت کر سکتے تھے' ان کے صاحبزادے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز میں بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھی والد نے سن لیا' جب میں نماز تمام کر چکا تو مجھ سے کہا: بیٹا! اسلام میں باتیں نہ بڑھاؤ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں' ان میں سے کوئی بھی بسم اللہ (بالجہر) کے ساتھ نماز نہیں شروع کرتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے لڑکے نے کہا: میں نے والد سے زیادہ بدعات کو برا سمجھنے والا نہیں دیکھا۔(۳) (۴)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایات خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ستترہویں (۷۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں' البتہ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ پر بعض نے کلام کیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی' دوسرے واسطی' تیسرے کوفی اور باقی بصری ہیں۔

☆ سند میں صحابی راوی کے نام کی بجائے تابعی نے ''لقیت رجلا صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما صحبہ ابوھریرہ اربع سنن'' کے الفاظ بطور تشبیہ کے استعمال کئے ہیں' جس سے مراد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں' مذکورہ جملہ انتہائی وضاحت و بلاغت والا ہے۔

☆ سند میں صحابی کا نام مذکور نہ ہونے کی وجہ سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں' اس لئے ان کی جہالت بھی مفر روایت نہیں ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور دونوں ایک ہی زمانہ میں صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوئے' دونوں حضرات آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں موجود رہے۔

۱۔ تہذیب الکمال' ج۶' ص۴۳　　۲۔ ایضاً　　۳۔ مسند احمد بن حنبل' ج۵' ص۵۵

۴۔ سیر الصحابۃ' ج۴' ص۳۷۰۔۳۷۲

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا' حدثنا' قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لقيت رجلا: میں ایک شخص کو ملا' میں ایک ہستی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صحب النبی ﷺ: اس نے نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض پایا۔

اربع سنين: چار سال

نهى رسول الله ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔

ان يمتشط: کنگھی کرنے سے

كل يوم: ہر روز

يبول: وہ پیشاب کرتا ہے

مغتسله: اپنے نہانے کی جگہ۔ غسل خانہ

بفضل المرأة: عورت کا بچا ہوا۔

بفضل الرجل: مرد کا بچا ہوا۔

ويغترفا جميعا: چاہیے کہ وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں۔

۸،۷۔مسائل ونصائح، خلاصہ:

تقدم: ۲۳۹

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۱۴۸: جنبی کے بچے ہوئے پانی سے نہانے کی اجازت

اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا غسل جنابت سے بچا ہوا پانی نہانے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں اس باب میں دونوں کے لئے آسانی اور سہولت کا بیان ہے' پچھلے باب میں جنبی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کی ممانعت کا بیان تھا' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۲۳۹۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، ح وَأَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ مُعَاذَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ " :كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، يُبَادِرُنِي وَأُبَادِرُهُ .حَتَّى يَقُولَ: دَعِي لِي .وَأَقُولُ أَنَا :دَعْ لِي "قَالَ سُوَيْدٌ :يُبَادِرُنِي وَأُبَادِرُهُ فَأَقُولُ :دَعْ لِي .دَعْ لِي

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں دونوں ایک دوسرے سے پہلے غسل کرنے کی کوشش کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: میرے لئے پانی چھوڑو۔ میں عرض کرتی: میرے لئے پانی رہنے دیجئے۔

حضرت سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نہانے کی کوشش کرتے اور میں بھی کوشش کرتی، اور میں عرض کرتی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے چھوڑ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے چھوڑ دیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم برتن میں پانی پہلے استعمال کرتے، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعد میں پانی استعمال کرتیں، اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہلے غسل کرتیں، تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں پانی استعمال کرتے۔ لہٰذا ایک کے بعد دوسرے کے نہانے سے پہلے کا بچا ہوا پانی استعمال ہوتا، اس لئے جنبی کے نہانے سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ نہانا جائز ہوا۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۱۲، مسلم: ۳۲۱، احمد: ۲۴۹۲۰، السنن الکبریٰ: ۲۴۱، تحفۃ الاشراف: ۱۷۹۶۹

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات راویوں کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ (دوبارہ تفصیلی) کے حالات لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ محمد بن بشار: راجع: ۲۷

۲۔ محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور غندر لقب تھا۔ (۱) بعض اہل تذکرہ نے ان کی کنیت ابوبکر بتائی ہے۔ (۲)

۱۔ مراۃ الجنان، ج ۱، ص ۳۴۳ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۹۸

ہذیل بن مدرکہ سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث ہذلی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر بصری کہلاتے ہیں لیکن غندر کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے یہ لقب ان کو ابن جریج نے عطا کیا تھا کیونکہ ابن جعفران سے بہت شغف رکھتے تھے اور اہل حجاز ایسے اشخاص کو عام طور سے غندر کے نام سے پکارتے تھے کتابوں میں اس لقب سے موسوم متعدد تذکرے ملتے ہیں۔ جن میں محمد بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔

علمی مرتبت:

علم وفضل کے اعتبار سے شیخ غندر بلند مرتبہ اور جلیل القدر حفاظ حدیث میں تھے۔ امام شعبہ کے دامن فیض سے کامل بیس سال تک وابستہ رہے تھے۔ اس طویل صحبت نے فضائل وکمالات میں اپنے استاد کا جانشین بنا دیا اور اسی بناء پر مرویات شعبہ کے باب میں ان کا پایہ باتفاق علماء سب سے بلند ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

احد ارباب المتقنین ولا سیما فی شعبة(۱)

وہ ارباب اتقان میں سے تھے۔ بالخصوص امام شعبہ کے باب میں ان کا تثبت مسلم تھا۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل انہوں نے امام شعبہ کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ معمر بن راشد ابن جریج ہشام بن حسان سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے کی تھی۔ خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ یحیی بن معین علی بن المدینی ابوبکر بن ابی شیبہ قتیبہ عثمان بن شیبہ اور ابوبکر بن خلاف رحمۃ اللہ علیہم کے نام نمایاں ہیں۔ (۲)

روایات کا پایہ:

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ غندر کی مرویات حجت اور قابل قبول ہیں۔ علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

کان ثقة جلیلا حافظًا متقنًا (۳)

اتقان ثبت اور ثقاہت ان کے نمایاں جوہر تھے ایسے شیوخ حدیث کم ہی ہیں جن کی مرویات پر کسی نے جرح کی جرأت نہ کی ہو بلاشبہ ان ہی مستثنیات میں امام غندر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ابن معین کا بیان ہے کہ بعض معاصر علماء نے شیخ غندر رحمۃ اللہ علیہ کی مُرویات میں خامی نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہے اور برملا اعتراف عجز کیا کہ: "ما وجدنا شیئا" (۴) یعنی ہم کو کچھ نہیں ملا۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

غندر فی شعبة اثبت منی (۵)

غندر امام شعبہ کے باب میں مجھ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے۔

۱۔ میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۳۶ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۹۲ ۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۲۴
۴۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶ ۵۔ ایضاً

صحت کتاب:

امام غندر رحمۃ اللہ علیہ ان علماء متقنین میں سے تھے، جن کی کتاب یعنی مجموعی روایات اپنی صحت وثقاہت کی وجہ سے سند کا مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ ابن معین فرماتے ہیں: "کان من اصح الناس کتابًا" (۱) امام وکیع انہیں صحیح الکتاب کہا کرتے تھے۔ عبد الرحمٰن بن مہدی کا ارشاد ہے "ہم لوگ امام شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کے خزینہ روایات سے استفادہ کرنے لگے تھے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اذا اختلاف الناس فی حدیث شعبة فکتاب غندر حکم بینهما (۲)

جب لوگ امام شعبہ کی کسی روایت کے بارے میں مختلف الرائے ہو جاتے تو غندر کی کتاب کو حکم قرار دیا جاتا۔

عبادت:

دولت علم کے ساتھ زیور علم سے بھی آراستہ تھے۔ پچاس سال تک مسلسل صوم داؤدی پر عمل پیرا رہے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار سے رہتے۔

مکث غندر خمسین سنة بصوم یومًا ویفطر یومًا (۳)

وفات:

سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے، لیکن صحیح ترین یہ ہے کہ ذیقعدہ ۱۹۳ھ میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا، اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔ (۴) (۵)

۳۔ شعبة: راجع: ۱۱۰ **۴۔ سوید بن نصر:** راجع: ۵۵

۵۔ عبداللہ: راجع: ۲۲۹

۶۔ عاصم:

آپ کا نام ابو عبد الرحمان عاصم بن سلیمان احول بصری (م: ۱۴۱ھ/۱۴۲ھ) ہے، آپ کا تعلق بنو تمیم کے موالات سے ہے۔ آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، صرف حضرت سعید قطان نے آپ پر کلام کیا ہے، جسے باقی آئمہ نے قبول نہیں کیا، کیونکہ حضرت سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی وجہ ذاتی تھی، آئمہ ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے سنن نسائی میں سینتیس (۳۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۶)

۷۔ معاذة: راجع: ۶۴ **۸۔ عائشة:** راجع: ۱۱۲

۱۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۳۱۱ ۲۔ میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۳۶ ۳۔ مراۃ الجنان، ج ۱، ص ۴۴۳

۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۱۰، ص ۲۲۴، تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۹۸، العبر، ج ۱، ص ۲۱۱ ۵۔ سیر الصحابة، ج ۹، ص ۲۷۷۔۲۷۸

۶۔ i۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص ۶۰ ii۔ تاریخ الدارمی، ص ۵۷۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت بیک وقت سداسی اور خماسی ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پانچویں (۱۰۵) اور خماسیات کے لحاظ سے اٹھترہویں (۷۸) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند میں تحویل ہے، یہ سند کی تقویت کا باعث ہے، البتہ بعض کے نزدیک تحویل ضعف کی علامت ہے۔
☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دو اساتذہ سے سماعت فرمائی ہے۔
☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شیوخ مروزی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ اور باقی سارے رواۃ بصری ہیں۔
☆ اس روایت کی سند میں دو عورتیں روایہ ہیں۔
☆ روایت کی پہلی سند سداسی نازل ہے اور دوسری سند خماسی عالی ہے۔
☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت حدثنا، انبانا ایک ایک دفعہ، اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

یبادرنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جلدی کرتے۔
ابادرہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی کرتی۔
دعی لی: تو ایک عورت میرے لئے چھوڑ دے۔
دع لی: تو ایک مرد میرے لئے چھوڑ دے۔
اقول: میں کہتی۔ میں عرض کرتی۔

۷۔ مسائل ونصائح:

روزانہ کنگھی اور بناؤ سنگھار کرنے کے بارے میں شرعی حکم

حدیث نمبر (۲۳۸) میں تین چیزوں کی ممانعت کا ذکر ہے، جن میں سے غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا مسئلہ حدیث نمبر (۳۶) اور جنبی کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنے کا مسئلہ حدیث نمبر (۷۱) اور (۲۳۷) کے ضمن میں گزر چکا ہے، اس لئے تیسرا مسئلہ مرد وعورت کا روزانہ کنگھی کرنے اور بناؤ سنگھار کا مسئلہ تفصیل سے لکھا جاتا ہے:

کثرت سے کنگھی اور بناؤ سنگھار کرنا منع ہے:

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی (م:۱۳۳۹ھ) لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے کثرت کے ساتھ کنگھی کرنے اور بناؤ سنگھار کرنے کی ممانعت مراد ہے۔(۱)

زیادہ بناؤ سنگھار اور تزئین زہد وتقویٰ کے منافی ہے:

ہر روز کنگھی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کی ضرورت سے زیادہ تزئین کی طرف توجہ ہے جب کہ یہ چیز بہت سی معاشرتی اور خلاقی برائیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، کہتے ہیں: (ان رسول اللّٰہ ﷺ نھی عن الترجل لاغبًا) (۲) ''رسول اللہ ﷺ نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے مگر ایک دن چھوڑ کر''۔ یعنی بلا ناغہ روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ س حدیث کی سند میں اگرچہ خفیف سا ضعف ہے لیکن یہ سنن نسائی کی درج ذیل روایت سے ختم ہو جاتا ہے، جس کی صحت کو محقق کتاب نے بھی تسلیم کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی مصر پر مقرر گورنر (عامل) کے ہاں تشریف لے گئے اور وہ بھی صحابیٔ رسول تھے۔ دیکھتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، پوچھا: کیا وجہ ہے، آپ کو پراگندہ حال دیکھتا ہوں جبکہ آپ امیر ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: (کان نبی اللّٰہ ﷺ ینھانا عن الارفاہ، قلنا: وما الارفاہ؟ قال: الترجل کل یوم) (۳) ''اللہ کے نبی ﷺ ہمیں 'ارفاہ' سے روکا کرتے تھے، ہم نے کہا: ''ارفاہ'' سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا: روزانہ کنگھی کرنا''۔ اس حدیث میں بھی روزانہ کنگھی کرنے سے ممانعت کا ذکر ہے، خصوصاً اس نہی کی وجہ سے صحابیٔ رسول فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بھی باوجود یہ کہ عظیم عہدے پر فائز تھے روزانہ کنگھی نہیں کرتے تھے، حالانکہ انہیں بال بڑے ہونے کی وجہ سے اس کی اشد ضرورت بھی تھی۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ روزانہ کنگھی کرنا ممنوع ہے اور اس میں ایک درجہ زہد وورع کا بھی پہلو نمایاں ہے جو یقیناً ایسے افراد کے لئے مطلوب ہے کیونکہ اکثر اوقات اسی بناؤ سنگھار میں لگے رہنا کم از کم دیندار لوگوں کا شیوہ نہیں ہے، نیز اس میں ممانعت عام ہے جو اُمت کے ہر فرد کو شامل ہے۔ اس ممانعت میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، تخصیص کی دلیل معلوم نہیں جبکہ جمہور علمائے کرام اس نہی کو زجر وتوبیخ پر محمول کرتے ہیں کہ اس سے مراد اکثر و بیشتر اسی عمل میں مصروف رہنا قابل مذمت ہے نہ کہ اس سے حقیقی حرمت مراد ہے کہ انسان روزانہ کنگھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال احادیث کے ظاہر اور صحابیٔ رسول ﷺ کے عمل سے ممانعت ہی ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔(۴)

ایک دن کے وقفہ سے کنگھی کرنا سنت ہے:

علامہ شیخ ملا علی بن سلطان محمد قاری حنفی رحمہ اللہ (م:۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

ہر روز کنگھی کرنا اور بال سنوارنا اہل زینت اور اہل دنیا کا کام ہے، مسلمان کے لئے سنت یہ ہے کہ کسی دن کنگھی کرے اور کسی دن چھوڑ دے۔(۵)

۱۔ حاشیہ سندھی، ج۱، ص ۵۸　۲۔ سنن ابی داود: ۴۱۵۹　۳۔ سنن النسائی: ۵۰۶۱
۴۔ سنن نسائی (فوائد)، ج۱، ص ۲۴۸۔۲۴۹　۵۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۲، ص ۲۶۶

حدیث مبارکہ میں ہر دن سے مراد ہر وقت ہے:

علامہ شیخ ملا علی بن سلطان محمد قاری حنفی (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

ایک احتمال یہ بھی کہ یہاں پر ہر دن (کل وقت) سے مراد ہر وقت (کل وقت) ہو۔ یعنی انسان ہر وقت بالوں کو کنگھی کرنے اور ظاہری تزئین وزیبائش میں ہی لگا رہے' ظاہر ہے یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔ (۱)

حدیث مبارکہ میں نہی سے مراد مکروہ تنزیہی ہے:

شیخ خلیل احمد سہارنپوری (م:۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:

علامہ شیخ ولی الدین نے ''الدرجات'' میں لکھا ہے: یہاں پر نہی سے مراد مکروہ تحریمی نہیں' بلکہ تنزیہی مراد ہے' کیونکہ یہ زیب وزینت ہے' اس لئے اس سے بچنا چاہیے' اس سے مراد سر اور داڑھی دونوں میں کنگھی کرنا ہے۔ (۲)

عورتوں کے لئے ہر روز کنگھی کرنا اور زیب وزینت بنانا جائز ہے:

شیخ علامہ ابوسعید محمد شفیق حنفی کشمیری لکھتے ہیں:

ہر روز کنگھی کرنا منع ہے' کیونکہ یہ تزئین میں مبالغہ اور ظاہری خوبصورتی کی طرف توجہ لگانا ہے' اور یہ مکروہ ہے' اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ داڑھی کے بال جھاڑنے کے لیے کنگھی کی جائے' البتہ یہ چیز عورتوں کے لئے مکروہ نہیں ہے' کیونکہ عورتوں کے لئے زیب وزینت میں گنجائش ہے۔ (۳)

امام غزالی کی روایت کا بے اصل ہونا اور کثرت کا مفہوم:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشمائل میں لکھا ہے: ہر روز کنگھی کرنا منع ہے' اور ایک دن کے وقفہ سے کرنی چاہیے' یہ اس لئے ہے کہ ہر وقت بالوں کو سنوارتے رہنا' یہ زیب وزینت میں مبالغہ ہے' یہ عورتوں کا کام ہے اور مردوں کی ذکاوت کے منافی ہے' شیخ ابن عربی نے کہا ہے: ہر وقت زیب وزینت میں مشغول رہنا جھوٹی بناوٹ ہے' اس پر بالکل توجہ نہ کرنا تدلیس ہے' ایک دن کے وقفہ سے بالوں کو سنوارنا سنت ہے۔

اغباب کا معنیٰ:

اس کا مطلب ہے ایک دن کام کیا جائے اور دوسرے دن نہ کیا جائے' اس امر کی تائید حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر روز کنگھی کرنے سے منع فرمایا' اور ایک دن کے وقفہ سے اجازت عنایت فرمائی ہے' اسی حدیث مبارکہ کو امام احمد' نسائی' ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ترجل کا معنی بالوں میں کنگھی کرنا ہے' ایک دن کنگھی نہ کرنا ''البذاذة'' ہے' اور یہ ایمان کی قسموں میں سے ہے۔ جیسا کہ امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے

۱۔ ایضاً ۲۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج ۱ ص ۸۴ ۳۔ فضل الودود فی شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۳۵

روایت کیا ہے: ایک دن کچھ صحابہ نے ان کے پاس دنیا کا ذکر کیا' تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے؟ کہ 'بذاذہ' ایمان سے ہے' بذاذہ کا مطلب ہے: بالوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ بظاہر حال بناؤ سنگھار والا نہ ہونا۔ یہ حدیث مبارکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے منافی نہیں ہے' جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے: کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی گھنی لمبی زلفیں تھیں' انہوں نے اس بارے میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت بنانے اور ہر روز کنگھی کرنے کا حکم فرمایا۔

یہاں یہ دو باتیں واضح ہیں:

۱۔ ہر روز کنگھی کرنا ان لوگوں کے لئے منع ہے' جنہیں اس کی حاجت نہ ہو۔

۲۔ جن لوگوں کو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی طرح ہر روز کنگھی کرنے کی ضرورت ہے' وہ اس نہی میں شامل نہیں ہیں۔

کثرت کا معنی:

اسی طرح اس امر کے لئے وہ حدیث بھی معارض نہیں ہے' جیسے امام ترمذی نے کتاب الشمائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک میں کثرت سے کنگھی فرماتے تھے۔

کثرت سے کنگھی کرنے سے ہر روز کنگھی کرنا لازم نہیں آتا' بلکہ اگر ایک دن کے وقفہ سے کنگھی کی جائے' تو یہ بھی کثرت ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں جو یہ ذکر کیا ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک میں ہر روز دو دفعہ کنگھی کرتے تھے:

اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۱)

مرد و عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرنے کی حدیث ضعیف یا منسوخ ہے:

عارف باللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین کے نزدیک ان دونوں احادیث کی سندوں میں کلام ہے۔ اور اگرچہ ترمذی نے حدیث اول کو حسن صحیح کہا ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البہری نے کہا: خطابی نے کہا ہے کہ محدثین اس حدیث (مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے) کے اسناد سے خوش نہیں ہیں۔ اور اگر یہ حدیث سند کے لحاظ سے ثابت بھی ہو جائے تو نسخ پر محمول ہوگی۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ساری امت سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ اور یہ بات محال ہے کہ حدیث صحیح ہو، مگر کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا ہو اور اس پر عمل کی راہ پر نہ چلا ہو۔ تاہم شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں نظر و اعتراض

۱۔ i۔ المنہل' ج۱' ص۱۱۲-۱۱۳ ii۔ عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد' ج۱' ص۳۱ iii۔ ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبیٰ' ج۴' ص۳۹۱-۳۹۲

ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے مذہب کے بعض آئمہ نے بطور عبادت اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شرح میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ مذکورہ دونوں ابواب اور احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جنبی کے غسل سے بچا ہوا پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی استعمال نہ کریں۔

☆ میاں بیوی کے اکٹھا نہانے اور ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد و عورت کے بچے ہوئے پانی کے عدم استعمال والی حدیث ضعیف اور منسوخ ہے۔

☆ کثرت سے کنگھی اور بناؤ سنگھار کرنا مرد و عورت دونوں کے لئے ناپسندیدہ امر ہے اور یہ زہد و تقویٰ کے منافی ہے۔

☆ حدیث مبارکہ میں تینوں امور میں نہی مکروہ تنزیہی پر محمول ہے۔

☆ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث مبارکہ میں ہر دن سے مراد ہر وقت ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو ہر روز کنگھی کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ حکم بھی استحباب پر محمول ہے۔

☆ جن لوگوں کو ہر روز کنگھی کی ضرورت نہ ہو ان کے لئے منع ہے، جنہیں اس کی حاجت ہے انہیں اجازت ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کے وقفہ سے کنگھی فرماتے تھے، جن احادیث میں کثرت سے کنگھی کرنا آیا ہے ان سے مراد یہی ہے، ہر روز کنگھی کرنا مراد نہیں ہے۔

☆ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہر روز دو دفعہ ریش مبارک میں کنگھی کرنے کی روایت بیان کی ہے، محدثین نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ہاں مسلمان کا ہر وقت بناؤ سنگھار میں مصروف رہنا پسندیدہ امر نہیں ہے۔

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

آپ فرماتے ہیں:

☆ ہر وقت زیب و زینت بنائے رہنا جھوٹی بناوٹ ہے، بالکل نظافت کا خیال نہ کرنا بے وقوفی ہے، ایک دن کے وقفہ سے بالوں کو سنوارنا سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

☆ غسل کرنے کی جگہ پر پیشاب کرنا مکروہ ہے اور اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے ساتھ اکٹھے غسل کرنا حسنِ معاشرت کی بہت اعلیٰ مثال ہے۔

۱۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۷۱

☆ عصر حاضر میں ظاہری بناؤ سنگھار پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور وقت ضائع کیا جاتا ہے یہ امر اسلام میں ناپسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہمیں اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ!

بَابُ ذِكْرِ الِاغْتِسَالِ فِي الْقَصْعَةِ الَّتِي يُعْجَنُ فِيهَ

باب ۱۴۹: آٹا گوندھنے والی پرات سے نہانا

اس سے مراد ایسا برتن جس میں آٹا گوندھا جاتا ہو اور اس میں آٹے کے نشانات بھی موجود ہوں ایسے برتن سے پانی لے کر غسل کرنا جائز ہے اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے پچھلے باب میں جنبی کے نہانے سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے کا بیان تھا اور اس باب میں آٹا گوندھنے والے برتن سے نہانے کا بیان ہے دونوں ابواب غسل سے متعلق ہیں۔

۲۴۰۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللّٰهِ عَنْهَا :أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ هُوَ وَمَيْمُونَةُ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ فِي قَصْعَةٍ فِيهَا أَثَرُ الْعَجِينِ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسی پرات سے غسل کیا جس میں آٹے کے نشانات تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

ابن ماجہ: ۳۷۸، احمد: ۲۶۹۵۳، السنن الکبریٰ: ۲۴۲، تحفۃ الاشراف: ۱۸۰۱۲، ابن خزیمہ: ۲۴۵، تلخیص الحبیر، ج۱، ص۱۶

۳۔ تعارف رجال:

اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابراہیم بن نافع کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ محمد بن بشار: راجع: ۲۷ ۲۔ عبدالرحمٰن: راجع: ۱۱۹

ابراہیم بن نافع: آپ کا نام ابواسحاق ابراہیم بن نافع مخزومی مکی ہے آپ حضرت عطا کیخارانی یمنی کے بھانجے ہیں آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ ثقہ، حافظ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں آپ سے سنن نسائی میں چار احادیث مبارکہ مروی ہیں (۱)

۴۔ ابن ابی نجیح: راجع: ۱۵۵ ۵۔ مجاہد راجع: ۱۳۴

۱۔ i۔ لب اللباب، ج۲، ص۲۱۹ ii۔ تقریب التہذیب، ج۱، ص۶۵

۶۔ام ہانی: راجع: ۲۲۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے، اس سند میں ابن ابی نجیح مدلس راوی ہیں۔اور عنعنہ سے روایت ہے، یہ ضعف کی علامت ہے، البتہ یہی روایت امام احمد بن حنبل ایک اور سند سے روایت کی ہے جس میں ابن ابی نجیح راوی نہیں ہیں، وہ سند حسب ذیل ہے۔

حدثنا عبدالله ، حدثنی ابی و حدثنا سفیان ، عن ابن عجلان ، عن سعید عن ابی مرة مولی عقیل ، عن ام ھانی(۱)

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیا تا مام نسائی میں ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھ (۱۰۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری اور باقی سارے مکی ہیں۔

☆ حضرت شیخ محمد یسار بندار ایسے شیخ الشیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ کے شاگرد ہیں۔

☆ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد ہمشیرہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہن ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اغتسل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔

اناء واحد: ایک برتن

قصعة: پرات، پیالہ، تسلہ، کونڈا۔

اثر: نشان۔اثرات۔

العجین: آٹا۔

۷۔مسائل ونصائح:

حدیث مذکور کا مکمل متن اور شان ورود:

حدیث باب سے ملتی جلتی روایت کو امام احمد بن حنبل نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں تشریف فرما تھے، حضرت

۱۔ احمد: ۲۶۷۴۲

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرد کے اثرات تھے میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے سسرالی رشتہ داروں میں سے دولوگوں کو پناہ دی ہے، میرے ماں جائے انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو تم نے پناہ دی، ہم بھی اس کو پناہ دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی کا برتن رکھا گیا، میں نے دیکھا اس برتن میں آٹا گوندھنے کے اثرات تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا یا غسل کیا، مجھے اس میں شک ہے، (یعنی راوی کو شک ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کپڑے میں چاشت کی نماز ادا فرمائی۔(۱)

قلیل پاک شے پانی کو پاکی سے خارج نہیں کرتی:

امام ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

القصعۃ: پانی کے برتنوں میں سے ایک برتن ہے، اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ تھوڑی پاک شے کو پاکی سے نہیں نکالتی۔(۲)

آٹا کے ذرات سے پانی ناپاک نہیں ہوتا:

اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ آٹا کے ذرات ملے ہوئے پانی سے غسل کرنا جائز ہے، آٹے کی طرح ہر پاک شے کے ملنے سے پانی پاک ہی رہتا ہے۔ (لیکن استعمال کے لئے مخلوط اشیاء کا قلیل ہونا شرط ہے۔ سندرانی عفی عنہ) (۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت:

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے ساتھ نہایت شفیق ومہربان تھے، کہ پانی میں آٹے کے اثرات کے باوجود کوئی اعتراض نہ کیا، اور اس پانی سے غسل فرمالیا، پھر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اکٹھے نہانا بھی حسین معاشرت کی مثال ہے۔

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ آٹے کے ذرات ملے ہوئے پانی سے غسل کرنا جائز ہے۔

☆ تھوڑی مقدار میں کوئی پاک سے اگر پانی میں مل جائے، تو پانی پاک ہی رہے گا، البتہ اگر غلبہ کسی دوسری چیز کا ہوگیا تو اس پانی سے غسل کرنا یا وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔

☆ حدیث مذکورہ کی سند میں مدلس کا ضعف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور دیگر شواہد سے ختم ہوجاتا ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اکٹھے غسل کیا، یہ میاں بیوی کے حسنِ معاشرت کی مثال ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کے ساتھ نہایت شفیق ومہربان تھے۔

۱۔ احمد: ۲۷۴۴۷ ۲۔ حاشیہ سندھی، ج۱، ص ۵۸ ۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۴، ص ۴۰۵

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شریعت مطہرہ نے میاں بیوی کو علیحدہ علیحدہ غسل کرنے کی پابندی لگا کر تنگی نہیں کی بلکہ آسانی رکھی ہے کہ اگر چاہیں تو اکٹھے غسل کر لیں یا انفرادی نہا لیں۔

بَابُ ذِكْرِ تَرْكِ الْمَرْأَةِ نَقْضَ ضَفْرِ رَأْسِهَا عِنْدَ اغْتِسَالِهَا مِنَ الْجَنَابَةِ

باب ۱۵۰: عورت کا غسل جنابت کرتے وقت چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں ہے

عورتوں کے بال لمبے ہوتے ہیں انہیں مینڈھیاں بنانے اور کھولنے میں کافی وقت درکار ہوتا ہے اس لئے شریعت نے انہیں چوٹیاں کھولے بغیر نہانے کی اجازت دی ہے اسباب میں اس امر کا بیان ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں ایسے برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کا بیان تھا جس میں آٹے کے اثرات ہوں اور اس میں چوٹیاں کھولے بغیر غسل کرنے کا بیان ہے دونوں باب غسل کی کیفیت سے متعلق ہیں۔

۲۴۱۔ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ :قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهَا عِنْدَ غَسْلِهَا مِنَ الْجَنَابَةِ؟ قَالَ :إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَى جَسَدِكِ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے سر کی چوٹیاں بہت مضبوطی سے باندھتی ہوں کیا غسل جنابت کے وقت انہیں کھولوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے لئے اتنا کافی ہے: کہ تین چلو پانی سر پر ڈالے اور پھر سارے جسم پر بہا لے۔

۱۔ مطابقت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹیاں کھولنے کے جواب میں فرمایا:
تیرے لئے تین چلو پانی سر پر ڈالنا اور پھر پورے بدن پر بہانا کافی ہے۔
جس سے ظاہر ہوا کہ چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۳۳۰ ابوداؤد: ۲۵۱ ترمذی: ۱۰۵ ابن ماجہ: ۶۰۳ احمد: ۲۶۵۳۹ السنن الکبریٰ: ۲۴۳ تحفۃ الاشراف: ۱۸۱۷۲

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے باقی دو کا تعارف لکھا جاتا ہے۔

۱۔سلیمان بن منصور: راجع:۷۵ ۲۔سفیان: راجع:۱۲۵

۳۔ایوب بن موسیٰ:

آپ کا نام ابوموسیٰ ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ مکی اموی (م:۱۳۲ھ) ہے' آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں' اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں' سنن نسائی آپ سے انیس (۱۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۴۔سعید بن ابی سعید: راجع:۱۱۷

۵۔عبداللہ بن رافع:

آپ کا نام ابورافع عبداللہ بن رافع مدنی ہے' آپ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خادم وغلام تھے' آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں' آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' آئمہ صحاح ستہ کے علاوہ بخاری آپ سے روایت کرتے ہیں' سنن نسائی میں آپ سے بھی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۶۔ام سلمۃ: راجع:۱۸۳

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو ساتویں (۱۰۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بلخی' اگلے دو مکی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت سلیمان بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں' باقی تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' البتہ حضرت عبداللہ بن رافع رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نہیں کیا۔

☆ یہ تابعی (سعید) کی دوسرے تابعی (عبداللہ بن رافع) سے روایت ہے۔

☆ حضرت ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں۔

۱۔ i۔تہذیب الکمال' ج۳' ص۴۹۸ ii۔العلل (ابن حنبل)' ص۳۰۱

۲۔ i۔تاریخ ابی زرعۃ' ص۴۳۰ ii۔الثقات' ج۵' ص۳۰

☆ حضرت عبداللہ بن رافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں' اس طرح یہ غلام کی اپنی مالکہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اشد ضفر راسی:	میں سر پر مضبوطی سے چوٹی باندھتی ہوں۔
افانقضها:	کیا میں اسے کھولوں۔
الجنابة:	ناپاکی' غسل کا واجب ہونا۔
یکفیك:	تمہیں کافی ہے۔
ان تحثی:	تو بہا لے
ثلاث حثیات:	تین چلو۔
تضیضین:	تو بہا۔ تو انڈیل۔
جسدك:	اپنے جسم پر۔

۷۔مسائل ونصائح:

گندھے ہوئے بالوں کے کھولنے یا نہ کھولنے اور تہہ تک پانی پہنچنے کے بارے میں فقہاء اربعہ کا مؤقف اور دلائل:

پروفیسر ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

یہ فقہاء کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے' بالوں اور کھال پر ایک مرتبہ پانی مکمل طور پر بہانا واجب ہے' لہٰذا اگر تھوڑی سی جگہ بھی خشک رہ جائے تو اس کا دھونا بھی واجب ہے بدن کے وہ حصے جن میں سلوٹیں اور جھریاں وغیرہ ہوں ان کا دھیان اور خیال رکھنا واجب ہے جیسے وہ حصے جو پھٹ گئے ہوں سلوٹیں' ناف' بغل اور بدن میں گہرائی اور دباؤ کی ہوئی چیز۔ ان سب کا خیال رکھنا اور صحیح طرح پانی بہانا لازم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بلاشبہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بال دھو اور کھال صاف کرو۔ ابوداؤد' ترمذی' امام ترمذی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱) احناف فرماتے ہیں بدن کے وہ سارے اعضا اور حصے دھونا لازم ہیں جو بغیر حرج کے دھوئے جاسکتے ہوں جیسے کان ناف' مونچھ' بھنویں' داڑھی کی جڑیں' سر کے بال اور عورت کی اگلی شرمگاہ کا بیرونی حصہ (جو کھڑے ہونے کی صورت میں ڈھنپ جاتا ہے) وہ چیز جس کے دھونے میں حرج ہو اس کا دھونا لازم نہیں ہے جیسے آنکھ کا اندرونی حصہ اور قلفہ (غیر مختون شخص کی وہ کھال جو ختنے میں کاٹ دی جاتی ہے) کا اندرونی حصہ۔ اور اصح قول کے مطابق احناف کے ہاں ان کا دھونا مستحب ہے۔

۱۔ سبل السلام' ج ۱' ص ۹۲

کیا بٹے ہوئے اور گندھے ہوئے بالوں کی لٹوں کا کھولنا واجب ہے؟

اس بارے میں علماء کی باہم قریب قریب آراء ہیں۔ احناف فرماتے ہیں: چٹیا یا جوڑے کی جڑ تک پانی کا پہنچ جانا کافی ہے اور یہ دفع حرج کی وجہ سے ہے کہ ان کا کھولنا اور پھر باندھنا حرج اور مشقت کا کام ہے اور بال اگر کھلے ہوئے ہوں تو ان کا پورے کا پورا دھونا لازم ہے اور اگر بٹے اور گندھے ہوئے بالوں کی جڑیں تر نہ ہوں ایسے کہ وہ چپکائی ہوئی ہوں یا گھنی ہوں یا اتنی سختی سے لٹیں بنائی گئی ہوں کہ پانی ان میں نہ جاسکے تو ان کو کھولنا لازم ہوگا صحیح قول کے مطابق‘ لیکن اگر سر دھونے سے اس کو ضرر و نقصان لاحق ہو تو وہ دھونے کو ترک کرسکتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مسح کرلے اور اپنے شوہر کو ہم بستری سے نہیں روکے۔

☆ احناف کے ہاں قلفہ کے اندر تک دھونا واجب ہے اس کو کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے‘ جیسے مرد کے لئے بالوں کی لٹوں کو کھولنا اور بالوں کی جڑوں کو دھونا مطلق واجب ہے۔

اسی تفصیل کے مطابق مالکیہ بھی فرماتے ہیں‘ وہ فرماتے ہیں نہانے والے پر اپنے بٹے ہوئے بالوں کو کھولنا لازم نہیں ہے جب تک کہ وہ انتہائی سختی سے بٹے ہوئے نہ ہوں کہ کھال تک پانی پہنچنا ممکن نہ ہو یا ان کو اتنے دھاگوں سے باندھا گیا ہو جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روک دیں یا بالوں کی تہ تک پہنچنے سے روک دیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے بالوں کو باندھتی ہوں تو کیا میں ان کو غسل جنابت یا غسل حیض کے لئے کھولا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم لپ بھر کر پانی تین مرتبہ اپنے سر پر ڈال لو۔ (۴) (۴۔ بروایت امام مسلم‘ لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں اشد ظفر راسی اس حدیث میں موجود شعر اسی کے بجائے۔ (۱)

☆ شوافع فرماتے ہیں کہ اگر پانی بالوں کی جڑ تک بال کھولے بغیر نہ پہنچے تو ان کو کھولنا ضروری ہوگا‘ لیکن بندھے ہوئے بالوں کی جڑ قابل معافی ہے اور آنکھ اور ناک میں اگنے والے بالوں کا دھونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر ان پر نجاست لگی ہوئی ہو تب ان کا دھونا ضروری ہوگا۔ ناخنوں کی معافی ہے اور آنکھ اور کانوں کے سوراخ کا وہ حصہ جو ظاہر ہو دھونا بھی ضروری ہے اور غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کی اندرونی طرف کا دھونا بھی ضروری ہے‘ دلیل ان امور کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو پہلے گذری اور جو پانی کو بالوں اور کھال تک پہنچانے کو لازمی قرار دینے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو اس صورت کے ساتھ مقید قرار دیتے ہیں جب پانی بال کی لٹوں تک بغیر کھولے ہوئے پہنچ سکے۔

☆ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حیض اور جنابت کے درمیان فرق کرتے ہیں‘ وہ فرماتے ہیں کہ عورت حیض یا نفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا لازم ہے اور جنابت کے سلسلے میں اگر بال کی جڑیں بھیگ جائیں تو ان کا کھولنا ضروری نہیں ہے‘ جنابت کے بارے میں یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث اختیار کرتے ہیں اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کے کھولنے کو لازم قرار دینے کے لئے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حالت حیض۔ میں فرماتے تم پانی لو اور بیری بھی لو اور بالوں میں کنگھی کرو۔ (۱)

۱۔ سبل السلام ج ۱ ص ۹۱

(ا۔ یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے۔) اور بالوں میں کنگھی جب ہی ممکن ہے جب وہ کھلے ہوئے ہوں نہ کہ بندھے ہوئے یا لٹ بنے ہوئے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: اپنا سر کھولو اور کنگھی کرو، ابن ماجہ کے روایت کردہ الفاظ بھی یہی ہیں۔ تاہم ابن قدامہ فرماتے ہیں: حیض کے غسل میں بال کھولنا مستحب ہیں اور ان شاء اللہ یہی زیادہ صحیح۔ اکثر فقہاء کا قول یہی ہے' کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ ایک جگہ اس طرح آئے ہیں: افا نقضہ للحیض؟ قال: لا (کیا میں حیض کے غسل کے لئے ان کو کھولوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں)

☆ خلاصہ کلام یہ ہے کہ چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ عورت کے لئے بال کھولنا واجب نہیں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے جیسا کہ حضرات ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے جس تک پانی نہ پہنچ سکا ہو تو اس کے لئے صرف اس حصے کو دھولینا ہی کافی ہے۔ حنابلہ کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ دوسری یا تیسری مرتبہ دھوتے ہوئے بالوں میں رہ جانے والا پانی بھی اگر اس خشک حصے پر نچوڑ لیا جائے اور پانی اس حصے پر بہہ جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس خشک حصے کو بالوں کے پانی سے دھولینا ایسا ہی ہے جیسے اس کو نئے پانی سے دھولیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اسی بارے میں وارد احادیث بھی اس کے جواز کا بتاتی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے جسم پر ایک جگہ خشک رہ گئی ہے اس تک پانی نہیں پہنچ سکا ہے' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال اس جگہ نچوڑ دے۔

☆ سر کی کھال دھونے کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہے' سر کے بال کم ہوں یا زیادہ اسی طرح بال کے نیچے کی کھال بھی دھونا واجب ہے' جیسے ڈاڑھی کے نیچے کی کھال کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا' آپ نے فرمایا: تم میں سے جو غسل کرے وہ پانی لے اور پاک ہو جائے اور اچھی طرح پاک ہو' پھر اپنے سر پر پانی بہائے اور اس کو ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اس پر پانی بہالے۔ (۲) (۲۔ بروایت امام مسلم) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

☆ جو شخص جنابت کے غسل میں ایک بال برابر جگہ بھی خشک چھوڑ دے جس تک پانی نہ پہنچے تو اللہ اس جگہ جہنم کی آگ میں سے ایسا ایسا کریں گے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کی ہے' امام ابوداؤد نے مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے بالوں کو کٹا ہوا رکھتے تھے۔ (۳) اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ بال کے نیچے کھال تک پانی بلا ضرر پہنچانا ممکن ہے تو اس پر پورے جسم کی کھال کی طرح یہاں بھی پانی پہنچانا لازم ہوگا۔

☆ لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا شوافع کے ہاں واجب ہے' دلیل اس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ غسل کی جگہ اگا ہوا بال ہے تو اس کا دھونا بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے بھنوؤں اور پلکوں کے بال دھونا واجب ہے۔

☆ مالکیہ اور احناف کے ہاں یہ واجب نہیں ہے، دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے، جو بالوں

کے نہ کھولنے کے بارے میں ہے جب کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتادیا تھا کہ انہوں نے اپنے سر کے بال باندھے ہوئے ہیں' اگر ان بالوں کا دھونا واجب ہوتا تو ان کا کھولنا بھی واجب ہوتا تا کہ ان کو بھی دھویا جاسکے۔

☆ حنابلہ کے اس کے بارے میں دو قول ہیں' ان میں راجح قول وجوب کا ہے جیسے شوافع کا ہے اور پانی بہاتے وقت ان بالوں کو ملے تا کہ پانی نیچے کھال تک پہنچ جائے' لہٰذا اس کے اندر انگلیاں ڈالنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ وہ کھال کو بھی ملے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے' وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال مستحب اور ہاتھ کی انگلیوں کا خلال واجب ہے۔ مالکیہ کے ہاں فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے سر کے بالوں میں خلال کرے خواہ وہ گھنے کیوں نہ ہوں' خواہ وہ سر کے بال ہوں یا کہیں اور کے۔ اور خلال کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو ملا دے (یعنی ان میں انگلیاں پھیر کر انہیں ہاتھ سے سونتے جس سے وہ مل کر جمع ہو جائیں)۔ (۱)

تین بار چلو بہانے کی وجہ:

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ظاہراً اس حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ تین بار کی تصریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمائی کیونکہ اکثر گندھے ہوئے بالوں کے نیچے تک پانی نہیں پہنچتا اور بالوں کو مضبوطی سے گوندھنا (جیسا کہ گزرا) اس بات کے لئے مانع نہیں ہے' اس لئے کہ کبھی پانی نیچے تک پہنچ جاتا ہے بالوں کی قلت کی وجہ سے اس لئے کہ عرب والوں کے بال اکثر ہلکے ہوتے تھے۔

اور اس حدیث سے جو بات نکلتی ہے کہ مینڈیوں کو کھولنا واجب نہیں۔ یہ محمول ہے اس بات پر کہ پانی مینڈیوں کے نیچے تک پہنچ جائے ورنہ (پانی کا پہنچانا) دوسری حدیث کی وجہ سے واجب ہوگا اور وہ حدیث یہ ہے: اتحت کل شعرة جنابة کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے اور یہی اکثر اہل علم کا مذہب ہے امام نخعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں ان حضرات کے نزدیک مطلقاً مینڈیوں کو کھولنا واجب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف جنابت میں کھولنا واجب ہے نہ کہ حیض میں۔ (۲)

مرد و عورت کے بالوں کے دھونے میں فرق:

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اسی بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت پر غسل میں سارے بال بھگونا فرض نہیں تمام کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہیں۔ اگر مرد کے بال ہوں تو پورے بھگونے پڑیں گے۔ تین بار کی قید یقین حاصل کرنے کے لئے ہے ورنہ اگر ایک لپ سے ہی تمام جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو کافی ہے اور اگر تین لپوں میں بھی نہ پہنچے تو ڈالنا ضروری ہے اور اگر اتنے سخت بال بندھے ہوں کہ بغیر کھولے ہوئے تمام کی جڑیں نہ بھیگ سکیں تو کھولنا ضروری ہیں۔ (۳)

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ۱' ص ۳۵۵۔۳۵۷　۲۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ' ج ۲' ص ۲۲۳　۳۔ مرآۃ المناجیح' ج ۱' ص ۲۸۲

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل جنابت کے وقت عورت چوٹیاں کھولے بغیر نہا سکتی ہے، سر پر اور پورے جسم پر تین دفعہ پانی بہانا مستحب اور ایک دفعہ بہانا واجب ہے۔

☆ آئمہ اربعہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ غسل جنابت میں عورت اگر مینڈھیاں نہ بھی کھولے اور پانی جڑوں تک پہنچ جائے، تو غسل کرنا درست ہے۔

☆ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیض یا نفاس کے بعد غسل کرنے کے لئے عورتوں کا بال کھولنا ضروری ہے، ورنہ غسل نہ ہوگا، البتہ غسل جنابت کے لئے کھولنا ضروری نہیں ہے، جبکہ آئمہ ثلاثہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

☆ اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ اگر مرد کے بال گندھے ہوئے ہوں، تو ان کو کھولنا واجب ہے اور بغیر کھولے غسل نہ ہوگا۔

☆ غسل میں سر کی کھال اور وضو میں داڑھی کی کھال کا دھونا واجب ہے۔

☆ حدیث مبارکہ میں تین دفعہ پانی بہانے کا حکم مستحب اور تیقن کے لئے ہے، وگرنہ وجوب ایک دفعہ پانی بہانے سے ادا ہو جائے گا۔

☆ پورے بدن کا اگر کوئی حصہ بال برابر بھی خشک رہ گیا، تو غسل نہ ہوگا۔

☆ عورتوں کیلئے چوٹیاں نہ کھولنے کی رخصت مشقت کی وجہ سے ہے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (۱)　　اللہ تعالیٰ جل جلالہ کسی جان کو اس کی حیثیت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔

بَابُ ذِكْرِ الْاَمْرِ بِذٰلِكَ لِلْحَائِضِ عِنْدَ الْاِغْتِسَالِ لِلْاِحْرَامِ

باب ۱۵۱: حائضہ عورت کو غسل احرام کے وقت مینڈھیاں کھولنے کا حکم

اس باب میں ایسی حائضہ عورت کو نہاتے وقت چوٹیاں کھولنے کا حکم ہے، جو حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھنا چاہتی ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں جنبی عورت کے لئے مینڈھیاں نہ کھولنے کی اجازت کا بیان تھا، اسی لئے یہ حکم استحباب پر محمول ہوگا، اس باب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ حیض کی حالت میں چوٹیاں کھولنے کا حکم صرف نظافت کے لئے ہے اور یہ پاکی کے لئے نہ تھا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں تھیں۔ اس لئے یہ امر مستحب نظافت کے لئے تھا۔

۱۔　البقرۃ ۲:۲۸۶

۲۴۲۔ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا أَشْهَبُ، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ وَهِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ، حَدَّثَاهُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَأَهْلَلْتُ بِالْعُمْرَةِ، فَقَدِمْتُ مَكَّةَ، وَأَنَا حَائِضٌ، فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَشَكَوْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ .فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ أَرْسَلَنِي مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَاعْتَمَرْتُ فَقَالَ :هَذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ :هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ لَمْ يَرْوِهِ أَحَدٌ إِلَّا أَشْهَبُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

ہم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے عازمِ سفر ہوئے' میں نے عمرہ کا احرام باندھا' جب مکہ مکرمہ پہنچے تو مجھے ماہواری شروع ہو چکی تھی' اس لئے نہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر سکی' اور نہ ہی صفا مروہ کی سعی کر سکی' میں نے اس بابت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سر کے بال کھولو' کنگھی کرو' حج کا احرام باندھو اور عمرہ چھوڑ دو۔ جب حج مبارک مکمل ہو گیا' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے ساتھ مقامِ تنعیم بھیجا' اس طرح میں نے عمرہ ادا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے اس عمرے کا بدل ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ مالک از ہشام بن عروہ کی سند سے غریب ہے' کیونکہ حضرت اشہب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور نے اسے روایت نہیں کیا۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

سر کے بال کھولو' کنگھی کرو اور حج کا احرام باندھو۔

یہاں پر سر کے بال کھولنے سے مراد ہے: بال کھولو اور غسل کرو اور اس کے بعد کنگھی کر کے حج کا احرام باندھو۔

۲۔ اطراف:

تقدم :۲۷۱۵، بخاری:۲۹۴' اطراف الحدیث:۳۰۵۔۳۱۶۔۳۱۷۔۳۱۹۔ ۳۲۸۔۱۵۱۶۔۱۵۱۸۔ ۱۵۵۶۔۱۵۶۰۔۱۵۶۲۔۱۶۳۸۔ ۱۶۵۰۔ ۱۷۰۹۔ ۱۷۲۰۔۱۷۵۷۔۱۷۶۲۔۱۷۷۱۔۱۷۷۲۔۱۷۸۷۔۴۳۹۵۔۴۴۰۱۔۵۵۴۸۔۶۱۵۷' صحیح مسلم:۱۲۱۱' الرقم المسلسل:۲۸۷۰' سنن ابوداؤد:۱۷۸۰۔۱۷۷۹، سنن ابن ماجہ:۲۹۶۵' سنن بیہقی' ج۵' ص۲' شرح السنۃ:۱۸۷۴' مسند الحمیدی:۲۰۵' مسند احمد:۲۴۰۷۶، موطا:۱۰۱۰۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔یونس بن عبدالاعلیٰ:

آپ کا نام ابوموسیٰ یونس بن عبدالاعلیٰ بن موسیٰ بن میسرہ بن حفص بن جناب صدفی مصری (۱۷۹ھ/۲۶۴ھ) ہے آپ رواۃ کے دسویں طبقہ صغار سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پینتالیس (۴۵) احادیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۲۔اشہب:

آپ کا نام ابوعمرو اشہب بن عبدالعزیز بن داؤد بن ابراہیم قیسی مصری (۱۴۵ھ۔۲۰۴ھ) ہے، بعض کے نزدیک آپ کا نام مسکین ہے اور لقب اشہب ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ فقیہہ راوی ہیں، امام ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔مالک:	راجع:۱۱۷	۴۔ابن شہاب:	راجع:۱۱۶
۵۔ہشام بن عروۃ:	راجع:۱۴۶	۶۔عروۃ بن الزبیر:	ایضاً
۷۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، شیخین نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو آٹھویں (۱۰۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، فقیہہ، اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رواۃ سبعہ مکثرین میں سے ہیں۔

☆ یہ بیٹے (ہشام) کی باپ (عروہ) سے روایت ہے اور بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۹، ص۲۴۳ ii۔الثقات، ج۹، ص۲۹۰

۲۔ i۔الثقات، ج۸، ص۱۳۶ ii۔تقریب التہذیب، ج۱، ص۹۱

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ کلمہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

خرجنا:	ہم نکلے ہم عازمِ سفر ہوئے۔
عام حجة الوداع:	حجۃ الوداع کے سال۔
فاهللت بالعمرة:	میں نے عمرہ کا احرام باندھا۔
فقدمت مكة:	میں مکہ پہنچی۔
لم اطف بالبيت:	میں نے خانہ کعبہ کا طواف نہ کیا۔
شكوت:	میں نے صورت حال بتلائی۔
انقضي راسك:	تو سر کے بال کھول دے۔
امتشطي:	تو کنگھی کر۔
اهلي بالحج:	تو حج کا احرام باندھ۔
دعي العمرة:	تو عمرہ چھوڑ دے۔
فلما قضينا الحج:	جب ہم نے مناسک حج ادا کر لئے حج مکمل کر لیا۔
ارسلني:	آپ ﷺ نے مجھے بھیجا۔
التنعيم:	جگہ کا نام جہاں سے اہل مکہ حج و عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔اب یہاں پر مسجد عائشہ صدیقہ تعمیر شدہ ہے۔
فاعتمرت:	میں نے عمرہ ادا کیا۔
هذه مكان عمرتك:	یہ تیرے عمرہ کا بدل ہے یہ تیرے لئے عمرہ کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۲۴۱

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال دو مسئلوں میں ہے:

۱۔ حج کا احرام باندھنے کے لئے حالت جنابت میں غسل کرنے کے لئے چوٹیاں کھولنا مستحب ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ غسل طہارت کے لئے نہ تھا بلکہ یہ نظافت وصفائی کے لئے تھا۔

☆ حائضہ عورت کے لئے کعبۃ اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی منع ہے۔

☆ جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ فوت ہونے پر تاسف کا اظہار کیا' اس کا مطلب ہے آپ نیکی کے کاموں میں بہت حریص تھیں۔

☆ ہر مسلمان کو نیکی کرنے پر حریص ہونا چاہئے۔

☆ یہ حدیث مبارکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل ہے کہ حائضہ عورت کے لئے مینڈھیاں کھول کر نہانا ضروری ہے' وگرنہ غسل نہ ہوگا۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ کے لئے میقات مقام تنعیم ہے' آج کل اس جگہ پر مسجد عائشہ تعمیر شدہ ہے' یہ مقام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے' آج کل یہ مکہ مکرمہ کی آبادی میں شامل ہو چکی ہے۔

☆ هذه مكان عمرتك: اس جملہ سے دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں:

۱۔ یہ تیرے پہلے عمرہ کا بدل ہے' یعنی حج سے پہلے جس کی نیت کی تھی۔

۲۔ یہ تیرے عمرہ کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔

باب ذِكْرُ غُسْلِ الْجُنُبِ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا الْإِنَاءَ

باب۱۵۲: جنبی برتن سے پانی لینا چاہے' تو پہلے اپنے ہاتھ دھوئے

اس باب میں ایسی حدیث مبارکہ کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ناپاک شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی کے برتن میں پانی لینے لگے' تو سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوئے' پھر باقی جسم دھوئے اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے' پچھلے باب میں حائضہ عورت کے لئے احرام کا غسل کرتے وقت مینڈھیاں کھولنے کا بیان تھا' اس باب میں غسل جنابت کے لئے برتن سے پانی لینے اور پہلے ہاتھ دھونے کا بیان ہے' دونوں باب غسل کے بارے میں ہیں۔

۲۴۳- أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ زَائِدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ وُضِعَ لَهُ الْإِنَاءُ، فَيَصُبُّ عَلَى يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا الْإِنَاءَ، حَتَّى إِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فِي الْإِنَاءِ، ثُمَّ صَبَّ بِالْيُمْنَى وَغَسَلَ فَرْجَهُ بِالْيُسْرَى، حَتَّى إِذَا فَرَغَ صَبَّ بِالْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ مِلْءَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى جَسَدِهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی کا برتن رکھا جاتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالتے اور بائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو دھوتے' جب اس سے فارغ ہوتے تو دائیں سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر' دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔ پھر تین تین دفعہ کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھاتے' پھر تین چلو پانی سر پر ڈالتے' پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

آپ ﷺ ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوتے۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۴۴۔۲۴۵۔۲۴۶'بخاری:۲۴۸'احمد:۲۴۷۰۲'السنن الکبریٰ:۲۴۴'تحفۃ الاشراف:۱۷۷۳۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں' جن میں سے پانچ کے حالات زندگی گذر چکے ہیں' حضرت عطاء بن السائب کا تعارف لکھا جاتا ہے' البتہ دو راویوں حضرت حسین بن علی اور حضرت زائدہ کی سرگزشت حیات کا دوبارہ تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا جارہا ہے:

۱۔احمد بن سلیمان: راجع:۴۲

۲۔حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

حسین نام اور ابوعبداللہ یا ابومحمد کنیت تھی۔والد کا نام علی اور جدامجد کا ولید (۱) تھا جعفی بن سعد العشیر ۃ سے نسبت ولاء رکھنے کے باوجود الجعفی مشہور ہوئے۔(۲)

مولد:

ان کی ولادت ۱۱۹ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اور ان کے بھائی محمد توام پیدا ہوئے تھے۔(۳) کچھ عرصہ بعد جزیرہ منتقل ہوکر وہیں مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔(۴)

فضل وکمال:

علم وفضل' زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ تھے۔متعدد تابعین کرام کے نگار خانہ علم سے اپنے دل و دماغ کو منور کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔زمرۂ اتباع تابعین میں اس حیثیت سے وہ نہایت ممتاز تھے کہ علم کے ساتھ عمل میں اتنا بلند مقام بہت کم ہی کسی کے نصیب میں آسکا۔یہ ان کی جلالت مرتبت اور عظمت شان ہی کا ثمرہ تھا کہ سفیان بن عیینہ جیسے فاضل اور امام عصر ان کی ازحد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

ایک بار حسین الجعفی حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے' وہاں ابن عیینہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً ملنے تشریف لائے اور فرط

۱۔ تہذیب التہذیب' ج۲' ص۳۵۷ تذہب تہذیب الکمال' ص۸۴ ۲۔ اللباب فی الانساب' ج۲' ص۲۳۱

۲۔ طبقات ابن سعد' ج۶' ص۲۷۶ ۳۔ کتاب الانساب' ص۱۳۱

عقیدت میں ان کی دست بوسی کی۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن اولیس' ابواسامہ اور کوفہ کے دوسرے بہت سے محدثین وشیوخ ان کی خدمت میں باریابی کو مایہ صد افتخار وناز تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

وکان مألفًا لاهل القران واهل الخير (۱)

''وہ اہل قرآن واہل الخیر کا مرجع تھے''۔

امام خزرجی نے احد الاعلام والزھاد اور حافظ ذہبی نے **شیخ الاسلام الحافظ المقری' الزاھد القدوۃ** لکھ کر ان کے فضل وکمال کو سراہا ہے۔ (۲)

قرآن: قرأت قرآن میں کامل عبور حاصل تھا۔ اس فن میں انہیں شہرۂ آفاق' ماہر قرأت سبعہ حمزہ بن حبیب الزیات سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ (۳) مہارت فنی ہی کی وجہ سے شائقین کو قرآن کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

له فضل قارئًا للقران يقرا (۴)

''وہ بڑے فاضل قرآن کے قاری تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے''۔

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار کسائی سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا قاری کون ہے؟ جواب دیا: ''حسین بن علی الجعفی''! عجلی بیان کرتے ہیں:

كان يقرا الناس راس فيه وكان صالحًا (۵)

''وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے' اس میں وہ ماہر تھے اور صالح انسان تھے''۔

حدیث:

حدیث نبوی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی تحصیل انہوں نے کبار آئمہ سے کی تھی۔ اس وقت کبار تابعین کی مجلسیں اجڑتی جا رہی تھیں' لیکن پھر بھی سلیمان الاعمش اور ہشام بن عروہ جیسے علماء علم وفضل کی قندیلیں فروزاں کئے موجود تھے۔ حسین الجعفی نے ان سے پوری طرح کسب ضوء کیا' بالخصوص زائدۃ ان کے دولت کدہ پر خود تشریف لاتے اور حدیث بیان کیا کرتے۔ اس بناء پر شیخ مذکور سے سب سے زیادہ روایت کرنے کا شرف حسین رحمۃ اللہ علیہ ہی کو حاصل ہے۔ نمایاں اساتذہ حدیث میں مذکورہ علماء کے علاوہ موسیٰ الجہنی' لیث بن ابی سلیم' جعفر بن برقان' زائدہ' فضیل بن مرزوق' حسین بن حر' ابن ابی داؤد' اسرائیل بن موسیٰ' فضیل بن عیاض کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ (۶)

درس حدیث اور تلامذہ:

ایک عرصہ تک حسین الجعفی غالباً فرط احتیاط کی بناء پر درس حدیث سے احتراز کرتے رہے۔ لیکن پھر ایک شب انہوں نے حالت

۱۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۶۷ ۲۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۸۴ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۳۳۰ ۳۔ ایضاً

۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۷۶ ۵۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۳۵۸ ۶۔ ۱۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۲۷ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۸۴

خواب میں دیکھا کہ حشر ونشر کا ہنگامہ کارزار گرم ہے اور ایک منادی صدا لگا رہا ہے کہ علماء جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہیں کے ہمراہ حسین الجعفی بھی جانے لگے تو یہ کہہ کر انہیں روک دیا گیا کہ:

فلم یزل یحدث فی البرد والحر والمطر حتی کتبنا عنه اکثر من عشرة الاف(۱)

''پروہ برابر گرمی' سردی' برسات ہر موسم میں درس حدیث دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے ان سے دس ہزار حدیثوں کی کتابت کی''۔

ان کے خرمن علم کے خوشہ چینیوں میں امام احمد' اسحاق' یحییٰ بن معین' محمد بن رافع' ابن الفرات' عباس الدوری' محمد بن عاصم' عبداللہ بن ابی عوانہ' ابوبکر بن ابی شیبہ' ابوکریب' ہارون الحمال' شجاع بن المخلد' ہناد السری' ابن ابی عمر' عبد بن حمید' ابومسعود الرازی رحمہم اللہ اور عراق کے دوسرے بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں۔(۲)

ثقاہت:

علماء و محققین نے بالاتفاق ان کی ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان کو تسلیم کیا ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن ہروی کہتے ہیں: ''ما رأیت اتقن منه''(۳) احمد العجلی کا بیان ہے: ''کان ثقة''(۴) عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے: ''بخ بخ ثقة صدوق'' علاوہ ازیں یحییٰ بن معین' امام بخاری' ابن سعد اور ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے۔

زہد وعبادت:

انہوں نے پوری زندگی حالت تجرد میں گزار دی۔ بلاشبہ انسانی زندگی کا یہ نہایت پرازمحن مرحلہ ہوتا ہے' جس سے شاذ ونادر ہی کوئی کامیابی سے گزرتا ہے' لیکن حسین الجعفی کا دامن زہد وورع بہت پاک وصاف رہا۔ غالباً اسی بناء پر وہ بکثرت عبادت کرتے تھے تاکہ دنیا اور اس کے مزخرفات سے قطعی بے التفاتی اور بے رغبتی رہے' چنانچہ ان کی کتاب زندگی میں اس باب کو بڑے اہمیت وعظمت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

کان من العلماء العباد(۵)

وہ عبادت گزار علماء میں تھے۔

ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان عابدًا ناسکًا''

(۶) یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ کا بیان ہے:

ابن بقی احد من الابدال فحسین الجعفی(۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ خامہ ریز ہیں:

۱۔ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۸۴ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۳۵۸　۲۔ کتاب الانساب' ص ۱۳۱ امرأۃ الجنان' ج ۲' ص ۸

۳۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۳۵۸　۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۳۲۰　۵۔ صفوۃ الصفوۃ' ج ۳' ص ۱۰۴

۶۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۳۳۹

کان مع تقدمه فی العلم راسا فی الزهد والعبادة(۱)

''وبایں ہمہ علم وفضل، زہد وتقویٰ میں بھی بلند مرتبہ تھے''۔

مناقب وفضائل:

آپ تمام زندگی مجرد رہے اور ۸۴ برس پر محیط اس طویل ترین مدت کا بیشتر حصہ مسجد میں درس وتدریس اور عبادت وریاضت میں گزارا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ساٹھ سال تک مسلسل مسجد یعفی میں اذان دی (۲) خوف وخشیت الٰہی اس درجہ غالب تھا کہ زندگی بھر نہ تو کبھی ہنسے اور نہ مسکرائے۔ حجاج بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ:

ما رایت حسینا الجعفی ضاحکًا ولا متبسمًا ولا سمعت منه کلمة رکن فیها الی الدنیا(۳)

''میں نے حسین الجعفی کو کبھی ہنستے اور مسکراتے نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات ان کے منہ سے سنی، جس میں دنیا کی طرف کوئی میلان ظاہر ہو''۔

ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید سے مکہ میں ملاقات ہوگئی۔ خلیفہ نے سلام عرض کیا۔ جب انہیں علم ہوا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں تو بڑی جامع نصیحت فرمائی:

یا حسن الوجه انت مسئول عن هذا الخلق کلهم (۴)

''اے حسین چہرے والے تو اس ساری خلق خدا کا ذمہ دار ہے''۔

خلیفہ یہ سن کر رونے لگا۔

علماء کی رائے:

تمام فضلاء وعلماء نے ان کے جلالت علم وعمل کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے کہ میں نے کوفہ میں حسین الجعفی سے بڑا کوئی فاضل نہیں دیکھا۔ وہ تو بالکل راہب تھے۔ (۵) ابو مسعود الرازی کہتے ہیں: ''افضل من رایت الجفری وحسین الجعفی'' (۶)

احمد العلی کا بیان ہے:

وکان صالحًا لم ار رجلًا قط افضل منه وکان صحیح الکتاب (۷)

''وہ نیک انسان تھے، میں نے ان سے افضل کوئی انسان نہیں دیکھا، وہ صحیح الکتاب تھے''۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''هذا راهب''۔

۱۔ العبر فی خبر من غبر، ج۱، ص۳۳۹ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۷۸ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج۲، ص۳۵۸

۴۔ کتاب صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۱۰۵ ۵۔ مراۃ الجنان، ج۲، ص۸ العبر ج۱، ص۳۴۱، وخلاصہ تذہیب، ص۸۴، صفوۃ الصفوۃ ج۳ ص۱۰۴

۶۔ تہذیب التہذیب، ج۲، ص۳۵۸ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۳۲۰

حلیہ:

نہایت حسین اور خوبرو تھے۔(۱)

وفات:

ذیقعد ۲۰۳ھ میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا۔(۲) اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔(۳) سنہ وفات کے متعلق ۲۰۴ھ کا بھی قول ملتا ہے۔لیکن امام بخاری، ابن سعد، ابن قانع، مطین اور ابن حبان نے اول الذکر ہی کو بالجزم صحیح ترین قرار دیا ہے۔(۴)

۳۔حضرت زائدۃ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

زائدہ نام ابو الصلت کنیت اور باپ کا نام قدامہ تھا(۵) اس کے بعد کا سلسلہ نامعلوم ہے، بنوثقیف سے نسبت ولاء رکھنے کی بناء پر ثقفی اور اپنے مولد موطن کوفہ کی طرف منسوب ہو کر کوفی کہلاتے ہیں۔

علم وفضل:

علمی حیثیت سے بلند پایہ اتباع تابعین کی جماعت میں کئی حیثیتوں سے بہت ممتاز تھے، علامہ خزرجی احد الاعلام اور حافظ ذہبی امام و حجت کے الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔(۶)

حدیث میں ان کے تبحر اور کمال کا یہ عالم تھا کہ امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔''اگر تم زائدہ سے مروی کوئی حدیث سن لو تو پھر اس کی کوئی پرواہ اور غم نہ کرو کہ تمہیں کسی دوسرے راوی سے سماع حاصل نہیں، یعنی زائدہ کی روایت ہی مستند ترین اور کافی ہے۔

حدیث:

زائدہ نے اپنے وقت کے بہت سے نادرۂ روزگار آئمہ وشیوخ سے حدیث کی تحصیل اور اس میں مہارت حاصل کی تھی، انہیں جن فضلائے زمن سے فیض وصحبت اور اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں ابو اسحاق سبیعی عبدالملک بن عمیر، سلیمان التیمی، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل السدی، حمید الطویل، زیاد بن علاقہ، سماک بن حرب، شعیب بن غرقد، ہشام بن عروہ، اعمش اور ہشام بن حسان جیسے نامور علماء شامل ہیں۔(۷)

تلامذہ:

ان کے خوشہ چینیوں کی تعداد بھی کثیر ہے، جن میں سے مشہور وممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان بن عیینہ ابو اسحاق الفزاری طلق بن غنام، معاویہ بن، عمر ابو نعیم، احمد بن یونس رحمہم اللہ۔(۸)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۸ ۔ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۳۷۷، صفوۃ الصفوۃ ج ۳، ص ۱۰۴

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۲۰ ۔ ۴۔ سیر الصحابۃ، ج ۹، ص ۱۰۱۔۱۰۵ ۔ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۶۳

۶۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، ص ۱۲۱، ۱۱۱، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۹۴ ۔ ۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۳۰۶ ۔ ۸۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۳۰۶

روایت میں احتیاط:

حدیث میں بایں ہمہ تبحر کمال کے حضرات زائدہ بن قدامہ روایت کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے' وہ رواۃ حدیث کی ثقاہت و عدالت اور دوسرے احوال زندگی کی تحقیق و تفتیش میں بڑے ژرف نگاہی کا ثبوت دیتے اور چھان بین کے بعد جب راوی کی زندگی مثل آئینہ بے داغ اور شفاف نظر آتی جب ہی ان کی روایت کو شرف قبول بخشتے تھے' اس خصوصیت کی بناء پر ان کی تمام مرویات اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ امام ابوداؤد طیالسی روایت حدیث میں ان کی اس فرط احتیاط کی نسبت خامہ ریز ہیں کہ:

كان لا يحدث صاحب بدعة (۱)

وہ کسی اہل بدعت سے روایت نہیں کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

حدثنا زائدة بن قدامة و كان لا يحدث قدريا و لا صاحب بدعة (۲)

''زائدہ بن قدامہ نے ہم سے حدیث روایت کی ہے اور وہ کسی قدری یا بدعتی سے روایت نہیں کرتے تھے''۔

تثبت و اتقان:

کسی حدیث کی صحت اور علو کے لئے راوی کا متقن اور مثبت ہونا بھی ضروری ہے' حضرت زائدہ رحمۃ اللہ علیہ اس صفت سے بھی بدرجہ اتم متصف تھے' علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اتقان میں انہیں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

كان من نظراء شعبة فى الاتقان (۳)

''وہ اتقان میں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر تھے''۔

امام احمد کا قول ہے:

المثبتون فى الحديث اربعة سفيان و شعبة و زهير و زائدة (۴)

''حدیث شریف میں چار اشخاص بہت بلند مرتبہ تھے: سفیان' شعبہ' زہیر اور زائدہ بن قدامہ''۔

صداقت و عدالت اور آئمہ کا اعتراف:

تمام آئمہ و علماء اور ماہرین فن نے بالاتفاق حضرت زائدہ کی ثقاہت' عدالت اور صداقت کا اعتراف کیا ہے' چنانچہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

صدوق من اهل العلم (۵)

ابوحاتم کہتے ہیں:

۱۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۳۶ ۲۔ تہذیب التہذیب' ج ۳' ص ۳۰۶

۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۹۴ ۴۔ تہذیب التہذیب' ج ۳' ص ۳۰۶ ۵۔ ایضاً

کان ثقة صاحب سنة وهو اهب الی من ابی عوانة (۱)

''وہ ثقہ محدث تھے اور میرے نزدیک ابوعوانہ سے زیادہ پسندیدہ تھے''۔

ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة مامونا صاحب سنة وجماعة (۲)

وہ ثقہ مامون اور صاحب سنت تھے۔

ابواسامہ جنہیں حضرت زائدہ رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا' اپنے شیخ کی صداقت اور صالحیت کے متعلق بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور نیک انسان تھے' کان من اصدق الناس وابراهیم (۳)

علامہ ازیں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کان من الحفاظ المتقین' امام دارقطنی' نسائی اور ابوداؤد الطیالسی نے بھی ان کو ثقہ اور صدوق تسلیم کیا ہے۔

وفات:

باختلاف روایت ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا' محمد بن عبداللہ الحضرمی کا بیان ہے کہ ان کی وفات سرزمین روم میں کسی جہاد کے دوران ہوئی۔ (۴) اس کی تائید علامہ ابن سعد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

توفی زائدة بارض الروم عام غز الحسن بن قحطبة الصائفة سنة ستين او احدی وستين ومائة (۵)

''زائدہ کی وفات ارض روم میں اس سال ہوئی جب صائفہ نے جنگ کی تھی' وہ ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ تھا''۔

علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ نے مسطین کا یہ قول نقل کیا ہے:

مات زائدة غازیًا بارض الروم سنة اثنتین وستین ومائة (۶)

زائدہ کی وفات ارض روم میں ۱۶۲ھ میں جنگ کرتے ہوئے ہوئی۔ (۷)

۴۔ عطاء بن السائب:

آپ کا نام ابومحمد عطاء بن السائب ثقفی کوفی (م: ۱۳۶ھ) ہے' بعض نے آپ کی کنیت ابوالسائب اور دادا کا نام زید اور یزید بھی لکھا ہے' آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ' صدوق' مختلط تابعی راوی ہیں' آپ کو امام عبداللہ بن احمد' امام عجلی' امام نسائی' ابن حبان اور ابن سعد نے ثقہ قرار دیا ہے' امام ابوحاتم اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق لکھا ہے' امام ابن معین نے غیر ثقہ جبکہ امام حاکم' امام عقیلی اور ابن عدی نے کہا ہے کہ آخری عمر میں حافظہ میں اختلاط واقع ہوگیا تھا' اس لئے آخری عمر کی روایات میں سے بعض منکر ہیں' اس لئے اختلاط سے

۱۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۳۶' خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۱۳۱ ۲۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۳۶۳

۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۹۴ ۴۔ تہذیب التہذیب' ج ۳' ص ۳۰۷ ۵۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۳۶۳

۶۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۱۳۱ ۷۔ سیر الصحابۃ' ج ۹' ص ۱۴۶۔۱۴۸

پہلے کی روایات ثقہ اور بعد کی بعض ضعیف روایات ہیں۔امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایات بیان کرتے ہیں' سنن نسائی میں آپ سے بتیس (۳۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(i)

۵۔ابوسلمۃ: راجع:۱۶۱ ۶۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' اس کے متابعات کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سونویں (۱۰۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں' البتہ حضرت عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ متکلم فیہ ہیں' ان کو ثقہ' بعض نے صدوق اور مختلف قرار دیا ہے۔

☆ حضرت عطاء سے یہی روایت امام بخاری نے بھی الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کی ہے۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' البتہ شیخ احمد بن سلیمان سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے' جبکہ حضرت عطاء سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نہیں کیا۔

☆ سند میں حضرت حسین بن علی جعفی رحمۃ اللہ علیہ فن قراءت کے مشہور آئمہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا' عنعنہ ایک ایک دفعہ اور صیغہ تحدیث چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا اغتسل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نہاتے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے۔

الجنابۃ: ناپاکی کی حالت۔غسل واجب ہونا۔

وضع: رکھاجاتا۔لایاجاتا۔

الاناء: برتن۔پانی کا پیالہ

۱۔ i۔العلل' ج۱' ص۷۹ ii۔تاریخ الدوری' ج۲' ص۴۰۳ iii۔تاریخ الثقات' ص۳۳۲
iv۔الجرح والتعدیل' ج۶' ص۳۳۲ v۔تہذیب الکمال' ج۲' ص۹۰ vi۔الثقات' ج۷' ص۲۵۱
vii۔الضعفاء (عقیلی)' ج۳' ص۲۱۲ viii۔طبقات ابن سعد' ج۶' ص۳۳۸ ix۔الکامل' ج۵' ص۳۶۱
x۔تقریب التہذیب' ج۱' ص۲۵

یصب: آپ ﷺ بہاتے

قبل ان یدخلھما: دونوں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے

یدہ الیمنی: اپنا دایاں ہاتھ

فرجہ: اپنی شرمگاہ

بالسیریٰ: بائیں ہاتھ کے ساتھ۔

تمضمض: آپ ﷺ کلی کرتے۔

استنشق: آپ ﷺ ناک میں پانی چڑھاتے۔

ملء کفیہ: اپنی دونوں ہتھیلیاں بھر کر۔ چلو۔

یفیض:۔ آپ ﷺ بہاتے۔ آپ ﷺ انڈیلتے۔

جسدہ: اپنا جسم۔

۷۔ مسائل ونصائح:

اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے غسل کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے' غسل کے فرائض' سنن اور دیگر ضروری مسائل حسب ذیل ہیں:

غسل کے فرائض کا مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے خلاصہ:

پروفیسر ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔ احناف کا مذہب:

غسل میں گیارہ چیزیں فرض ہیں' منہ' ناک اور پورے بدن کا ایک مرتبہ دھونا' قلفہ کے اندرونی حصے کا دھونا اس کو مشقت اور تکلیف سے کھولے بغیر' ناف' اور کسی بھی کھلے ہوئے سوراخ کو دھونا عورت کے گندھے ہوئے بالوں کے اندرونی حصے کو دھونا اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ سکے داڑھی کی کھال' مونچھوں کے تلے کھال بھنوؤں کے نیچے کی کھال اور عورت کی شرمگاہ کا وہ حصہ جو بیٹھنے اور انگلی سے اس کو پھیلانے سے ظاہر ہوتا ہے' اس کو دھونا۔ تاہم صحیح قول یہ ہے کہ قلفہ کی اندرونی طرف کو دھونا صرف مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

۲۔ مذہب مالکیہ:

غسل کے فرائض ان کے ہاں پانچ ہیں..... فرض غسل کی یا رفع حدث کی یا حالت جنابت میں ممنوع چیز کے مباح کرنے کی نیت پہلے عضو کو دھوتے وقت کرنا اس طرح کہ وہ اپنے دل سے غسل ادا کرنے کی نیت کرے یا حدث اکبر رفع کرنے کی نیت کرے یا جنابت رفع کرنے کی نیت کرے یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جو حدث اکبر کی وجہ سے ممنوع ہو یا مثلاً نماز مباح کرنے کی نیت کرے

اور موالات (پے در پے افعال غسل کا انجام دینا) اگر یاد رہے اور اس پر قدرت ہو جیسے یہ وضو میں بھی فرض ہے اور پورے جسم کے ظاہری حصے پر پانی بہانا' اور جسم ملنا خواہ پانی بہانے کے بعد سہی اور خواہ کسی کپڑے سے سہی' بالوں' ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔

۳۔ شوافع فرماتے ہیں:

غسل میں تین چیزیں فرض ہیں' نیت' نجاست کا دور کرنا اگر وہ ہو' پانی کا ظاہراً نظر آنے والی کھال پر اور اس کھال پر موجود بال وغیرہ پر بہانا تاکہ پانی بالوں کے نیچے تک پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ باقی امور سنت ہیں۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب:

ان کے ہاں غسل کے واجبات گیارہ امور ہیں:

نجاست اور ایسی چیز کا دور کرنا جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے رد کر دے' نیت' بسم اللہ پڑھنا پورے بدن' منہ اور ناک تک میں پانی بہانا اور ڈالنا لہٰذا مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) غسل میں بھی ایسے واجب ہے جیسے وضو میں بال کے اندر اور باہر دھونا مرد کے ہوں یا عورت کے لٹکے ہوئے ہوں یا نہیں اور حیض و نفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا غسل جنابت کے لئے نہیں اگر بالوں کی جڑیں گیلی ہو جائیں غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کو اندر سے دھونا اگر اس کا پلٹنا ممکن ہو انگوٹھی وغیرہ کے نیچے کا حصہ دھونا لہٰذا اس کو وہ حرکت دے تاکہ پانی اس کے نیچے پہنچ سکے' اور عورت کی شرمگاہ کا وہ ظاہری حصہ جو عورت کے بیٹھنے کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کا حکم ظاہر کا ہے۔ اور شرمگاہ کے اندر کا دھونا ضروری نہیں اور نہ ہی آنکھوں کے اندر کا حصہ دھونا ضروری ہے بلکہ مستحب بھی نہیں ہے خواہ ضرر کا اندیشہ نہ بھی ہو۔ ترتیب اور پے در پے ہونا اعضا وضو کو دھوتے وقت ضروری نہیں کیونکہ غسل ان کی طرف سے ہو جاتا ہے کیونکہ وضو اور غسل ایسی عبادتیں ہیں جو ایک دوسرے میں داخل ہیں لہٰذا چھوٹی عبادت کا حکم ساقط ہے جیسے عمرہ حج کے ساتھ ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا ہے۔ اور جسم کا ملنا واجب نہیں اگر یقین یا گمان غالب اس بات کا ہو کہ پانی پورے جسم پر بہہ چکا ہے۔

۴۔ چوتھی بحث غسل کی سنتیں:

میں نے گذشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کے غسل کا طریقہ بیان کیا تھا' وہ غسل کے کامل اور جامع طریقے کی دلیل ہے جس میں واجب اور سنت دونوں کا بیان آ جاتا ہے' حنابلہ کی رائے کے مطابق یہ وہ ہے جس میں دس چیزیں جمع ہوں۔ (۱)

۱۔ نیت (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) دونوں ہاتھ تین دفعہ دھونا (۴) جسم پر موجود گندگی دھونا (۵) وضو کرنا (۶) سر پر تین لپ بھر کر پانی ڈالنا جس سے بالوں کی جڑیں گیلی ہو جائیں (۷) پورے جسم پر پانی بہانا (۸) جسم کی دائیں جانب سے پہلے شروع کرنا (۹) ہاتھ سے اپنے بدن کو ملنا (۱۰) نہانے کی جگہ سے ہٹ جانا (۱۱) پھر اپنے پاؤں دھو لینا اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی جڑ میں پانی ڈال کر خلال کرنا ان پر پانی بہانے سے پہلے۔

۱۔ المغنی' ج ۱' ص ۲۱۷' الشرح الکبیر' ج ۱' ص ۱۳۷' القوانین الفقہیہ' ص ۲۶

غسل کی وہ سنتیں جن کے کرنے سے غسل کی تکمیل ہوتی ہو مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے مندرجہ ذیل ہے۔ (۲)

۱۔ دونوں ہاتھ اور شرمگاہ دھونے سے غسل کی ابتداء کرنا نجاست کو بدن پر سے دور کرنا اگر نجاست ہو اور شوافع کے بیان کے مطابق اگلی اور پچھلی شرمگاہ دھونے کی نیت کرے اور اس طرح کہے: میں جنابت کی ان دونوں جگہوں اور ان کے درمیان سے دور کرنے کی نیت کرتا ہوں۔

۲۔ پھر نماز کے لئے کیا جانے والا وضو کرے احناف کے ہاں اگر نہانے والا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی ٹھہر جاتا ہو جیسے بڑا تسلہ وغیرہ تو پاؤں بعد میں دھونا اولیٰ ہے اور اگر وہ ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی اس کے پاؤں سے نہ لگتا ہو جیسے کسی تختے یا کسی اونچی جگہ پر پتھر پر کھڑا ہو تو اس صورت میں پاؤں پہلے دھونا افضل ہیں۔ اور وضو کرنے سے احناف اور حنابلہ کے ہاں واجب مضمضہ اور استنشاق بھی اس کے ضمن میں ادا ہو جاتے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں کان کے سوراخ میں گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے اس کو دھونے وغیرہ میں مبالغہ آمیزی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا سماعت کے لئے نقصان دہ ہے کان کا ظاہری اور باطنی حصہ ظاہر بدن کی طرح ہے اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

۳۔ پھر شوافع کے ہاں وہ بدن کے ان حصوں کی دیکھ بھال کے ساتھ دھوئے جن میں موڑ یا گہرائی وغیرہ ہو اور اس طرح کرے کہ ہاتھ میں پانی لے کر اونچی نیچی مڑنے والی جگہیں جیسے کان پیٹ کی سلوٹیں اور ناف وغیرہ میں اہتمام سے پہنچائے کیونکہ اس طرح کرنے سے پانی کے پہنچنے کا زیادہ اہتمام رہتا ہے اسی طرح کان میں بھی اہتمام کرے اور ہاتھ میں پانی لے کر کان میں ڈالے تاکہ پانی کان کے اندرونی حصے اس کی مڑنے والی جگہوں پر پہنچ جائے اور اپنے حلق کے نیچے اور آس پاس دھیان کرے بغلوں اور ناف کے اردگرد کی رگوں کو بھی دھیان اور احتیاط سے دھوئے۔

۴۔ پھر پانی اپنے سر پر ڈالے اور بالوں میں خلال کرے پھر اپنے پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے جسم کی دائیں طرف پر پہلے ڈالنا شروع کرے پھر بائیں جانب ڈالے کیونکہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پاکی حاصل کرنے میں دائیں طرف سے کام شروع کرنا مرغوب تھا۔ پھر بالوں میں خلال کرے اور ان کی جڑوں میں اچھی طرح ہاتھ پھیرے کیونکہ حدیث میں ہے ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے یہ مسنون ہے کہ وہ اپنے بدن کو دونوں ہاتھوں سے ملے کیونکہ اس سے زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے اور اس طرح پانی کا تمام جگہوں اور سلوٹوں وغیرہ تک پہنچنے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس طرح اس اختلاف سے بھی نکلا جا سکتا ہے جو ان حضرات کے دلائل کو واجب کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی مالکیہ حضرات۔ پانی کے تمام بدن اور کھال پر بہہ جانے کے لئے صرف غالب گمان کا ہونا کافی ہے کیونکہ یقین کا حصول باعث مشقت وحرج ہوتا ہے۔

احناف فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص بہتے پانی یا اس کی طرح پانی میں غوطہ لگائے اور اس میں ٹھہرا رہے تو اس کو سنت کا حصول ہو جاتا ہے۔ مالکیہ فرماتے

۱۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰ مراقی الفلاح ص ۱۷ اللباب ج ۱ ص ۲۱ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۳۵۔۱۳۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۰ القوانین الفقہیہ ص ۲۶ المہذب ج ۱ ص ۳۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۳ المغنی ج ۱ ص ۲۱۷ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۷۶

ہیں کہ غسل جنابت وضو کے دھونے کی طرف سے کافی ہوسکتا ہے اگر وہ شخص رفع حدث اکبر کی نیت کر لے خواہ حدث اصغر کے رفع کرنے کی نیت نہ بھی کرے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو عمل سرزد نہ ہو جیسے عضو تناسل وغیرہ کا چھونا' اور شوافع بھی ایک قول کے مطابق یہی فرماتے ہیں کہ غسل کر لینا کافی ہے خواہ اس کے ساتھ وضو کی نیت کرے یا نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں:

غسل وضو کی طرف سے بھی کافی ہو جاتا ہے اگر وہ شخص مضمضہ اور استنشاق کر لے اور وضو اور غسل دونوں کی نیت کر لے تاہم وہ افضل اور اولیٰ عمل کا ترک کرنے والا شمار ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ فقہاء کے ہاں غسل میں پے در پے کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا ہے' مالکیہ کے ہاں یہ فرض ہے' اسی طرح یہ ترتیب بھی مسنون ہے کہ سر سے شروع کر کے پھر دائیں کندھے پر ڈالے پھر بائیں کندھے پر ڈالے۔ تاہم ترتیب بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ کیونکہ پورا بدن ایک ہی چیز ہے' اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص جسم میں کوئی جگہ خشک چھوڑ دے یا پٹی کی جگہ چھوڑ دے تو صرف اس جگہ کو دھو لینا کافی ہے' اس کے بعد والی جگہ کو دھونا ضروری نہیں۔ بالوں کی لٹوں کا کھولنا مالکیہ کے ہاں واجب نہیں اگر وہ سختی سے نہ بندھی ہوئی ہوں اور حنابلہ کے ہاں جنابت کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں حیض اور نفاس کی حالت میں کھولنا واجب ہے اور احناف کے ہاں عورت کے لئے اپنی لٹوں کا کھولنا لازم نہیں گر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور مرد پر علی الاطلاق بالوں کا کھولنا لازم ہے۔ شوافع کے ہاں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچے تو بال کھولنا لازم ہوں گے جیسا کہ ہم یہ بات ابھی بیان کر چکے ہیں۔ فی الجملہ لٹوں کا کھولنا مسنون ہے از روئے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب کہ وہ حالت حیض میں تھیں اپنے بال کھولو اور نہالو (۱) حنابلہ کے ہاں بیری یعنی صابن نما چیز اس شخص کے لئے غسل میں استعمال کرنا مسنون ہے جو اسلام لایا ہو' دلیل حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ گذشتہ حدیث ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری سے نہانے کا حکم دیا۔ (۱) امام احمد' ابوداؤد اور ترمذی' ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔) ایسے شخص کے لئے اپنے بال اتارنا مسنون ہے لہٰذا وہ اگر مرد ہو تو اپنا سر منڈوالے زیر ناف بال اور بغل کے بال مطلقاً (مرد ہو یا عورت) صاف کرے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جو اسلام لایا تھا' فرمایا: اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور ختنہ کرو۔ (۳) (۳۔ بروایت ابوداؤد) اور کافر جب اسلام لائے تو وہ واجبی طور پر ختنہ کرے بشرطیکہ وہ مکلّف ہو اور اس کو اپنے آپ پر اس کے کرنے سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حنابلہ کے ہاں غسل حیض و نفاس میں بھی بیری کا استعمال مسنون ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم حیض کی حالت میں ہو تو پانی اور بیری کے پتے اور کنگھی کرو۔ (۱) (۱۔ بروایت امام بخاری) اور حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تم میں سے نہانے والی پانی اور بیری لے اور پاکی حاصل کرلے۔ (۲) (۲۔ بروایت امام مسلم) شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ مسنون ہے کہ وہ عورت جو احرام نہ باندھی ہوئی ہو یا عدت میں نہ ہو وہ حیض اور نفاس کے خون کے نشانات کی جگہ خوشبو یا مشک یا پانی استعمال کرے اور ان چیزوں کو ایک روئی کے ٹکڑے میں لگائے یا کسی چیتھڑے وغیرہ میں اور شرمگاہ دھونے کے بعد وہاں رکھ

۱۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۹

دے تا کہ حیض ونفاس کی بُو رک جائے' دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حیض کے غسل کے بارے میں پوچھنے کے لئے حاضر ہوئی' آپ نے فرمایا: مشک کی خوشبو لگا کر کپڑے کا ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو' اس نے پوچھا: میں اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا: خدا کی شان ہے اور اپنے کپڑے میں منہ چھپاتے ہوئے فرمایا: بھئی اس سے پاکی حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اپنے پاس کھینچا اور اس کو بتایا کہ خون کے نشانات پر لگاؤ' اس کو بلاعذر چھوڑنا مکروہ ہے۔

غسل دوبارہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ اس بارے میں ایسی کوئی بات منقول نہیں' اور اس میں مشقت بھی ہے' بخلاف وضو کے کہ اگر پہلے وضو سے عبادت کر چکا ہو تو وضو دوبارہ کرنا مسنون ہے۔(۱)

غسل کے مسائل:

غسل کے فرض ہونے کے اسباب بعد میں لکھے جائیں گے' پہلے غسل کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ غسل کے تین جز ہیں' اگر ان میں ایک میں بھی کمی ہوئی غسل نہ ہوگا' چاہے یوں کہو کہ غسل میں تین فرض ہیں۔

۱۔ کلی:

کہ منہ کے ہر پرزے گوشت ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہ جائے۔ اکثر لوگ یہ جانتے ہیں کہ تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اگل دینے کو کلی کہتے ہیں اگرچہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہ پہنچے یوں غسل نہ ہوگا' نہ اس طرح نہانے کے بعد نماز جائز بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے' گالوں کی تہہ میں' دانتوں کی جڑ اور کھڑکیوں میں' زبان کی ہر کروٹ میں' حلق کے کنارے تک پانی بہے۔(۲)

مسئلہ ۱:

دانتوں کی جڑوں یا کھڑکیوں میں کوئی ایسی چیز جو پانی بہنے سے روکے' جمی ہو تو اس کا چھڑانا ضروری ہے اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج نہ ہو جیسے چھالیا کے دانے' گوشت کے ریشے اور اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج ہو جیسے بہت پان کھانے سے دانتوں کی جڑوں میں چونا جم جاتا ہے یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو معاف ہے۔(۳)

مسئلہ ۲:

یوں ہی ہلتا ہوا دانت تار سے یا اکھڑا ہوا دانت کسی مسالے وغیرہ سے جمایا گیا اور پانی، تار یا مسالے کے نیچے نہ پہنچے تو معاف ہے یا کھانے یا پانی کی ریزے دانت میں رہ گئے کہ اس کی نگہداشت میں حرج ہے۔ ہاں بعد معلوم ہونے کے اس کو جدا کرنا اور دھونا ضروری ہے جب کہ پانی پہنچنے سے مانع ہوں۔(۴)

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج۱' ص۳۵۸۔۳۶۱ ۲۔ الفتاوی الرضویہ' ج۱' ص۴۳۹۔۴۴۰

۳۔ ایضا ۴۔ ایضا

(۲) ناک:

ناک میں پانی ڈالنا یعنی دونوں نتھنوں کا جہاں تک نرم جگہ ہے دھلنا کہ پانی کو سونگھ کر اوپر چڑھائے' بال برابر جگہ بھی دھلنے سے رہ نہ جائے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ ناک کے اندر رینٹھ سوکھ گئی ہے تو اس کا چھڑانا فرض ہے۔ نیز ناک کے بالوں کا دھونا بھی فرض ہے۔(۱)

مسئلہ۳: بلاق کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی پہنچانا ضروری ہے' پھر اگر تنگ ہے تو حرکت دینا ضروری ہے ورنہ نہیں۔(۲)

(۳) تمام ظاہر بدن:

یعنی سر کے بالوں سے پاؤں کے تلوؤں تک جسم کے ہر پرزے ہر رونگٹے پر پانی بہ جانا' اکثر عوام بلکہ بعض پڑھے لکھے یہ کرتے ہیں کہ سر پر پانی ڈال کر بدن پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں اور سمجھے کہ غسل ہو گیا حالانکہ بعض اعضا ایسے ہیں کہ جب تک ان کی خاص طور پر احتیاط نہ کی جائے نہیں دھلیں گے اور غسل نہ ہوگا۔(۳) لہٰذا بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے۔ اعضائے وضو میں جو مواضع احتیاط ہیں ہر عضو کے بیان میں ان کا ذکر کر دیا گیا ان کا یہاں بھی لحاظ ضروری ہے اور ان کے علاوہ خاص غسل کے ضروریات یہ ہیں:

۱۔ سر کے بال گندھے نہ ہوں تو ہر بال پر جڑ سے نوک تک پانی بہنا اور گندھے ہوں تو مرد پر فرض ہے کہ ان کو کھول کر جڑ سے نوک تک پانی بہائے اور عورت پر صرف جڑ تر کر لینا ضروری ہے کھولنا ضروری نہیں' ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی تو کھولنا ضروری ہے۔

۲۔ کانوں میں بالی وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا وہی حکم ہے جو ناک میں نتھ کے سوراخ کا حکم وضو میں بیان ہوا۔

۳۔ بھوؤں اور مونچھوں اور داڑھی کے بال کا جڑ سے نوک تک اور ان کے نیچے کی کھال کا دھلنا۔

۴۔ کان کا ہر پرزہ اور اس کے سوراخ کا منہ۔

۵۔ کانوں کے پیچھے کے بال ہٹا کر پانی بہائے۔

۶۔ تھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اٹھائے نہ دھلے گا۔

۷۔ بغلیں بغیر ہاتھ اٹھائے نہ دھلیں گے۔

۸۔ بازو کا ہر پہلو۔

۹۔ پیٹھ کا ہر ذرہ۔

۱۰۔ پیٹ کی بلٹیں اٹھا کر دھوئیں۔

۱۱۔ ناف کو انگلی ڈال کر دھوئیں جب کہ پانی بہنے میں شک ہو۔

۱۲۔ جسم کا ہر رونگٹا جڑ سے نوک تک۔

۱۳۔ ران اور پیڑو، پیڑو یعنی ناف سے نیچے کا حصہ) کا جوڑ۔

۱۴۔ ران اور پنڈلی کا جوڑ جب بیٹھ کر نہائیں۔

۱۵۔ دونوں سرین کے ملنے کی جگہ خصوصاً جب کھڑے ہو کر نہائیں۔

۱۶۔ رانوں کی گولائی۔

۱۔ الدر المختار ورد المحتار ج۱ ص ۳۱۲　　۳۔ الفتاویٰ الرضویۃ ج۱ ص ۴۴۵

۲۔ ایضاً ص ۴۴۳

۱۷۔ پنڈلیوں کی کروٹیں۔

۱۸۔ ذکر وانثیین انثیین یعنی خصیے۔فوطے) کے ملنے کی سطحیں بے جدا کئے نہ دھلیں گی۔

۱۹۔ انثیین کی سطح زیریں جوڑ تک۔ ۲۰۔ انثیین کے نیچے کی جگہ جڑ تک۔

۲۱۔ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو اگر کھال چڑھ سکتی ہو تو چڑھا کر دھوئے اور کھال کے اندر پانی چڑھائے۔عورتوں پر خاص یہ احتیاطیں ضروری ہیں۔

۲۲۔ ڈھلکی ہوئی پستان کو اٹھا کر دھونا۔ ۲۳۔ پستان وشکم کے جوڑ کی تحریر۔

۲۴۔ فرج خارج (عورت کی شرمگاہ کا بیرونی حصہ) کا ہر گوشہ ہر ٹکڑا نیچے اوپر خیال سے دھویا جائے ہاں فرج داخل (شرمگاہ کا اندرونی حصہ) میں انگلی ڈال کر دھونا واجب نہیں مستحب ہے۔(۱) یونہی اگر حیض ونفاس سے فارغ ہو کر غسل کرتی ہے تو ایک پرانے کپڑے سے فرج داخل کے اندر سے خون کا اثر صاف کر لینا مستحب ہے۔

۲۵۔ ماتھے پر افشاں چپٹی ہو تو چھڑانا ضروری ہے۔

مسئلہ۴:

بال میں گرہ پڑ جائے تو گرہ کھول کر اس پر پانی بہانا ضروری نہیں۔(۲)

مسئلہ۵:

کسی زخم پر پٹی وغیرہ بندھی ہو کہ اس کے کھولنے میں ضرر یا حرج ہو یا کسی جگہ مرض یا درد کے سبب پانی بہنا ضرر کرے گا تو اس پورے عضو کا مسح کریں اور نہ ہو سکے تو پٹی پر مسح کافی ہے اور پٹی موضع جات سے زیادہ نہ رکھی جائے ورنہ مسح کافی نہ ہوگا اور اگر پٹی موضع حاجت ہی پر بندھی ہے مثلاً بازو پر ایک طرف زخم ہے اور پٹی باندھنے کے لئے بازو کی اتنی ساری گولائی پر ہونا اس کا ضرور ہے تو اس کے نیچے بدن کا وہ حصہ بھی آئے گا جسے پانی ضرر نہیں کرتا' تو اگر کھولنا ممکن ہو کھول کر اس حصہ کا دھونا فرض ہے اور اگر ناممکن ہو اگر چہ یونہی کہ کھول کر پھر ویسی نہ باندھ سکے گا اور اس میں ضرر کا اندیشہ ہے تو ساری پٹی پر مسح کرلے کافی ہے' بدن کا وہ اچھا حصہ بھی دھونے سے معاف ہو جائے گا۔

مسئلہ۶:

زکام یا آشوب چشم وغیرہ ہو اور یہ گمان صحیح ہو کہ سر سے نہانے میں مرض میں زیادتی یا اور امراض پیدا ہو جائیں گے تو کلی کرے' ناک میں پانی ڈالے اور گردن سے نہالے اور سر کے ہر ذرہ پر بھیگا ہاتھ پھیر لے غسل ہو جائے گا' بعد صحت سر دھو ڈالے باقی غسل کے اعادہ کی حاجت نہیں۔(۳)

مسئلہ۷: پکانے والے کے ناخن میں آٹا' لکھنے والے کے ناخن وغیرہ پر سیاہی کا جرم' عام لوگوں کے لئے مکھی مچھر کی بیٹ اگر لگی ہو تو غسل

۱۔ الفتاوی الرضویۃ' ج ۱' ص ۴۴۸۔۴۵۰ ۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

ہو جائے گا۔ ہاں بعد معلوم ہونے کے جدا کرنا اور اس جگہ کو دھونا ضروری ہے پہلے جو نماز پڑھی ہوگئی۔ (۱)

غسل کی سنتیں:

۱۔ غسل کی نیت کر کے پہلے
۲۔ دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئے پھر
۳۔ استنجے کی جگہ دھوئے خواہ نجاست ہو یا نہ ہو پھر
۴۔ بدن پر جہاں کہیں نجاست ہو اس کو دور کرے پھر
۵۔ نماز کا سا وضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے' ہاں اگر چوکی یا تختے یا پتھر پر نہائے تو پاؤں بھی دھولے پھر
۶۔ بدن پر تیل کی طرح پانی چپڑ لے خصوصاً جاڑے میں پھر
۷۔ تین مرتبہ دہنے مونڈھے پر پانی بہائے پھر
۸۔ بائیں مونڈھے پر تین بار پھر
۹۔ سر پر اور تمام بدن پر تین بار پھر
۱۰۔ جائے غسل سے الگ ہو جائے' اگر وضو کرنے میں پاؤں نہیں دھوئے تھے تو اب دھولے اور
۱۱۔ نہانے میں قبلہ رخ نہ ہو اور
۱۲۔ تمام بدن پر ہاتھ پھیرے اور
۱۳۔ ملے اور
۱۴۔ ایسی جگہ نہائے کہ کوئی نہ دیکھے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ناف سے گھٹنے تک کے اعضا کا ستر تو ضروری ہے' اگر اتنا بھی ممکن نہ ہو تو تیمم کرے مگر یہ احتمال بہت بعید ہے اور
۱۵۔ کسی قسم کا کلام نہ کرے۔
۱۶۔ نہ کوئی دعا پڑھے۔ نہانے کے بعد رومال سے بدن پونچھ ڈالے تو حرج نہیں۔ (۲)

مسئلہ ۱:

اگر غسل خانہ کی چھت نہ ہو یا ننگے بدن نہائے بشرطیکہ موضع احتیاط ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں عورتوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور عورتوں کو بیٹھ کر نہانا بہتر ہے۔ بعد نہانے کے فوراً کپڑے پہن لے اور وضو کے سنن و مستحبات' غسل کے لئے سنن و مستحبات ہیں مگر ستر کھلا ہو تو قبلہ کو منہ کرنا نہ چاہئے اور تہبند باندھے ہو تو حرج نہیں۔

۱۔ الفتاویٰ الرضویۃ' ج ۱ ص ۴۵۵　　۲۔ الفتاویٰ الہندیۃ' ج ۱ ص ۱۴

مسئلہ۲:

اگر بہتے پانی مثلاً دریا یا نہر میں نہایا تو تھوڑی دیر اس میں رکنے سے تین بار دھونے اور ترتیب اور وضو یہ سب سنتیں ادا ہوگئیں' اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اعضا کو تین بار حرکت دے اور تالاب وغیرہ ٹھہرے پانی میں نہایا تو اعضا کو تین بار حرکت دینے یا جگہ بدلنے سے تثلیث یعنی تین بار دھونے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ مینھ میں کھڑا ہو گیا تو یہ بہتے پانی میں کھڑے ہونے کے حکم میں ہے۔ بہتے پانی میں وضو کیا تو وہی تھوڑی دیر اس میں عضو کو رہنے دینا اور ٹھہرے پانی میں حرکت دینا تین بار دھونے کے قائم مقام ہے۔(۱)

۸۔خلاصہ:

☆　اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جنبی اگر نہانے کے لئے برتن سے پانی لینا ہے' تو اسے چاہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے' اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔　ہاتھوں کو برتن میں داخل کئے بغیر کسی دوسرے ذریعہ سے پانی لے کر ہاتھ دھوئے جائیں۔

۲۔　دایاں ہاتھ برتن میں داخل کر کے پانی لیا جائے' اس کے ساتھ بایاں ہاتھ دھولیا جائے' اس صورت میں ہاتھ آلہ طہارت ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔

مذاہب اربعہ کے ہاں غسل کے فراض:

فقہاء احناف کے نزدیک غسل کے گیارہ' مالکیہ کے ہاں پانچ' شوافع کے مطابق تین اور حنابلہ کے مذہب پر گیارہ فرائض و واجبات ہیں' ان سب کی اختصار کے تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔فقہاء احناف کے نزدیک غسل کے فرائض کی تعداد:

احناف کے ہاں حسب ذیل گیارہ امور غسل میں دھونا فرض ہیں:

۱۔منہ کا دھونا　　۲۔ناک کا دھونا　　۳۔پورے بدن کا ایک دفعہ دھونا۔

۴۔قلفہ کا اندرونی حصہ مشقت کے بغیر دھونا　۵۔ناک دھونا　　۶۔عورت کے گندھے ہوئے بالوں کے اندرونی حصہ کو دھونا

۷۔داڑھی کی کھال دھونا　　۸۔مونچھوں کے نیچے کی کھال دھونا　　۹۔بھنوؤں کے نیچے کی کھال دھونا

۱۰۔عورت کی شرمگاہ کا اندرونی حصہ دھونا　　۱۱۔جسم کے سوراخوں کا اندرونی حصہ دھونا۔

۲۔فقہاء مالکیہ کے نقطہ نظر پر غسل کے فرائض کی تعداد:

فقہاء مالکیہ کے مطابق غسل کے پانچ فرائض ہیں:

۱۔نیت کرنا　　۲۔پے درپے غسل کرنا　　۳۔پورے جسم کے ظاہری حصہ پر پانی بہانا

۱۔　الدر المختار ورد المحتار' ج۱' ص ۳۱۹۔۳۲۵' بہار شریعت' ج۱' ص ۳۱۶۔۳۲۰

۴۔ جسم کو ملنا ۵۔ بالوں، ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۳۔ فقہاء شوافع کے مطابق غسل کے فرائض کی تعداد:

علماء شافعیہ کے نزدیک غسل میں تین چیزیں فرض ہیں۔

۱۔ نیت کرنا ۲۔ نجاست کا جسم سے دور کرنا۔

۳۔ پانی کا پورے جسم کی کھال اور بالوں پر پانی بہانا۔

۴۔ فقہاء حنابلہ کے ہاں غسل کے فرائض کی تعداد:

فقہاء حنابلہ نے بھی فقہاء احناف کی طرح غسل کے فرائض کی تعداد گیارہ ہی بیان کی ہے، لیکن دونوں کی تفصیل میں قدرے اختلاف ہے۔

۱۔ جسم سے نجاست کا دور کرنا ۲۔ نیت کرنا ۳۔ بسم اللہ پڑھنا

۴۔ پورے بدن کا دھونا ۵۔ کلی کرنا ۶۔ ناک میں پانی ڈالنا

۷۔ حیض ونفاس کے لئے بالوں کا کھولنا۔ ۸۔ قلفہ کا اندرونی حصہ دھونا

۹۔ انگوٹھی کے نیچے کا حصہ دھونا۔ ۱۰۔ پے در پے غسل کرنا۔

۱۱۔ عورت کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ دھونا

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ دیگر مسائل:

اس حدیث مبارکہ سے حسب ذیل مسائل کا استخراج ہوتا ہے:

☆ برتن میں داخل کرنے سے پہلے جنبی کے لئے اپنے ہاتھ دھونا مشروع ہے۔

☆ غسل میں دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھونا مستحب ہے۔

☆ استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔

☆ بدن پر پانی دائیں ہاتھ سے بہانا سنت ہے۔

☆ غسل میں بھی تین تین دفعہ کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا مستحب ہے۔

☆ غسل کرتے وقت مستحب یہ ہے کہ پانی بہانے کی ابتداء سر سے کی جائے۔

☆ ایک دفعہ پورے جسم کو دھونا فرض ہے، اور تین تین دفعہ دھونا مستحب ہے۔

بَابُ ذِكْرِ عَدَدِ غَسْلِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ إِدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ
باب ۱۵۳: ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے کتنی بار دھونے چاہیے؟

اس باب میں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے قبل دھونے کی تعداد کا بیان ہے' اور وہ تین دفعہ بطور استحباب کے ہے' امام نسائی نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے' پچھلے باب میں جنبی کے لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا بیان تھا' اور اس میں تین دفعہ دھونے کی تعداد کا بیان ہے۔

۲۴۴۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَنَابَةِ. فَقَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ، ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ، ثُمَّ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا' تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوتے' پھر شرمگاہ کو دھوتے' پھر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو دھوتے' پھر کلی کرتے' پھر ناک صاف کرتے' پھر سر پر۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوتے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۲۴۳

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں' ان میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے' حضرت یزید بن ہارون کے حالات و واقعات لکھے جاتے ہیں:

ا۔ احمد بن سلیمان: راجع: ۴۲

۲۔ حضرت حافظ یزید بن ہارون اسلمی:

نام ونسب:

یزید نام اور ابوخالد کنیت تھی۔ اصل وطن واسط (عراق) تھا۔ بنو اسلم کے غلام ہونے کے باعث اسلمی اور وطن کی نسبت سے واسطی کہے

جاتے ہیں۔(۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت (۲) میں ہے کہ قیل اصلہ من بخاران کا خاندانی تعلق بخاری سے تھا۔اس طرح خطیب نے بھی واسطی لکھ کر پھر قیل کا لفظ لکھ کر بخاری کی طرف نسبت کی ہے۔)

ولادت اور تعلیم وتربیت:

اپنے وطن واسط میں ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا' اس لئے اغلب ہے کہ ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی ہوگی۔ اس وقت واسط میں شعبہ بن الحاج اور امام مالک وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔امام یزید نے ان آئمہ سے اکتساب فیض کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور ہر خرمن علم سے خوشہ چینی کی کوشش کی۔

شیوخ وتلامذہ:

ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔مشہور اشخاص کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

شیخ یزید کے شیوخ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تمام ہی ملکوں کے شیوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

واسط سے باہر جانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حاسدوں کی وجہ سے واسط میں رہ کر علم وفضل میں امتیاز پیدا کرنا نہایت مشکل ہے اور یہ واقع ہے کہ یہاں رہ کر کوئی بھی علم میں امتیاز پیدا نہ کر سکا۔راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا: کیا آپ بھی واسط میں رہ کر بلند پایہ عالم نہ ہو سکے۔فرمایا' ہاں!

ما عرفت حتی خرجت من واسط (۳)

میں بھی اس وقت معرفت حاصل نہ کر سکا جب تک واسط سے باہر نہیں آیا۔

قوت حافظہ:

گو امام یزید فقہ میں بھی بلند پایہ مقام رکھتے تھے' لیکن ان کا اصل اطرائے کمال فن حدیث تھا اور بلاشبہ اس میں انہوں نے غیر معمولی درک بہم پہنچایا تھا۔

خداوند قدوس نے انہیں ذہانت اور قوت حافظہ کی غیر معمولی دولت سے سرفراز کیا تھا۔اس حیثیت سے وہ اپنے بہت سے ہم عصروں سے ممتاز تھے۔حتیٰ کہ بعض محققین نے انہیں قوت حفظ میں امام وکیع پر بھی فوقیت دی ہے۔(۴) خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ ازبر ہیں اور اس پر غرور نہیں۔

بالخصوص شامیوں کی روایتیں ان کو کثرت سے حفظ تھیں۔کہتے تھے کہ مجھے شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ ان کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔امام جرح وتعدیل علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے زیادہ قوی الحفظ کسی کو

۱۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۱' ص ۳۶۷　۲۔ ایضا　۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۹

۴۔ ایضا

نہیں دیکھا۔(۱) ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

ما رأیت احدًا احفظ من الصغار والکبار من یزید بن ھارون (۲)

میں نے صغار و کبار میں یزید بن ہارون سے زیادہ قوت حفظ رکھنے والا نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے کہ عراق کے حفاظ حدیث چار ہیں۔ دو شخص ادھیڑ عمر کے اور دو سن رسیدہ۔ مؤخر الذکر تو ہشیم اور یزید بن ربیع ہیں اور ادھیڑ عمر کے وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون ہیں' لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

واحفظ الکھلین ھارون (۳)

ان دونوں ادھیڑوں میں یزید بن ہارون زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں۔

عمر کے آخری حصہ میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے' اس لئے کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب کسی حدیث کے متعلق کچھ شعبہ پیدا ہوتا تو اس کی توثیق و تصدیق کے لئے اپنی تربیت یافتہ لونڈی سے پڑھوا کر اطمینان کر لیتے تھے۔ بعض محدثین اس بات کو ان کے ضعف حفظ کی دلیل قرار دیتے تھے۔

لیکن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ متعدد آئمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کے غیر معمولی حفظ کا اعتراف کیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ انہیں اپنی روایت کی ہوئی حدیثیں خوب یاد تھیں۔ البتہ بڑھاپے میں فرط ضعف اور نابینائی کی وجہ سے ان کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد نہ تھا۔ اس لئے جب حدیث کے بارے میں تردد ہوتا تھا' تو اس کی توثیق لونڈی سے کتاب پڑھوا کر کر لیتے تھے' ان کا یہ فعل کمال احتیاط کی دلیل ہے نہ کہ ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی۔ (۴)

ان کا حافظہ بڑھاپے میں ممکن ہے کچھ کم ہو گیا ہو' مگر اس کی وجہ سے ان کے اتقان فی الحدیث میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ متعدد آئمہ حدیث نے ان کے اتقان فی الحدیث کی تعریف کی ہے۔ حضرت ابوزرہ فرماتے ہیں: **والاتقان اکثر من حفظ الرد** اتقان **فی الحدیث** سندوں کے یاد رکھنے سے زیادہ قیمتی ہے۔

خود یزید بن ہارون کو بھی اپنے حافظہ پر پورا وثوق اور اعتماد تھا' ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ ہارون اسلمی آپ کے پاس اس لئے آرہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں ردوبدل کر کے آپ کے حافظہ کا امتحان لے۔ اسی اثناء میں ہارون آ موجود ہوا۔ یزید نے اس کی آواز سن کر کہا'' ہارون مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری قوت حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھ پر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی جیسی کوشش کر لیجئے' خدا مجھ کو قیامت کے دن کھڑا نہ کرے' اگر میں اپنی روایت کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں''۔

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزید نے فرمایا: میں بیس ہزار احادیث رکھتا ہوں' جس کا جی چاہے ان میں سے کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے۔ (۵)

۱۔ تاریخ بغداد' ج ۱۴' ص ۲۳۱　　۲۔ ایضاً' ج ۱۴' ص ۱۶　　۳۔ ایضاً

۴۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۱' ص ۳۶۶　　۵۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۹۲

درس حدیث:

شیخ یزید کا مستقل حلقہ درس واسط میں تھا' مگر وہ کبھی کبھی بغداد میں بھی اکثر تشنگان علم کو سیراب کرتے تھے۔

خطیب کا بیان ہے کہ:

قدم یزید بغداد حدثبھائم عاد الٰی واسط(۱)

شیخ یزید بغداد آئے' وہاں درس حدیث دینے کے بعد واسط چلے گئے۔

کبار آئمہ حدیث ان سے کسب فیض کو باعث شرف وافتخار تصور کرتے تھے۔ان کی مجلس درس میں طالبان علم کا بے حد ہجوم رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی طلبہ کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔یحیٰی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی مجلس میں شریک تھا۔

وکان یقال ان فی المجلس سبعین الفا(۲)

کہا جاتا ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار لوگ شریک تھے۔

فقہ:

حدیث کے ساتھ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ابوعبداللہ سے کسی نے دریافت کیا: یزید بن ہارون فقیہ بھی تھے؟ فرمایا: ان سے زیادہ ذہین وفہیم میری نظر میں سے نہیں گزرا۔سائل نے پھر کہا: اچھا ابن علیہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ بولے: وہ فقیہ تو ضرور تھے لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں' جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔(۳)

زہد وعبادت:

علم وفضل کے ساتھ زہد واتقاء اور عبادت وریاضت کی صفات بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔وہ نماز نہایت خشوع وخضوع سے ادا کرتے تھے اور خوف خدا سے ہمہ وقت لرزتے رہتے تھے۔ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا' جن کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔(۴)

احمد بن نسان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو یزید بن ہارون سے زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو'وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی ستون ہے' جو بے حس وحرکت اپنی جگہ پر نصب ہے۔فرصت ہوئی تو وہ مغرب و عشاء اور ظہر وعصر کے درمیان نوافل پڑھا کرتے تھے۔اس عہد میں یزید بن ہارون اور ہیثم دونوں طویل نماز پڑھنے میں مشہور تھے۔ کثرت نوافل اور کثرت تلاوت کے باوجود یہ خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا تھا کہ مبادا قرأت قرآن میں کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت میں قابل مؤاخذہ قرار پائیں۔فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ قرآن میں کسی غلطی کی صادر ہو جانے میں ان خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۴' ص ۳۳۷ ۲۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۳۵۱ ۳۔ تاریخ بغداد ج ۱۴' ص ۳۴۰

۴۔ ایضاً' ص ۳۴۱

یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ(۱)
وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں' لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا' وہ دین سے اس طرح بے خبر ہو جاتے ہیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔
عاصم بن علی کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے پاس رہے' اس اثناء میں' میں نے یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گذار دیتے تھے۔
ایک شخص نے حضرت یزید سے پوچھا: آپ شب میں کتنی دیر سوتے ہیں؟ بولے: اگر میں رات میں سوتا ہوں تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کر دے۔(۲)

خوف خدا:

یزید بن ہارون پر خشیت الٰہی کا غلبہ اس درجہ ہوتا تھا کہ ان کی آنکھیں ہر وقت پرنم رہتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی سے محروم ہو گئے۔ کسی نے دریافت کیا: آپ کی دونوں خوبصورت آنکھیں کیسے ضائع ہو گئیں؟ فرمایا:

ذھب بھما بکاء الاسحار (۳)

گریہ صبحگاہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں۔

عزت ووقار:

ان کے علم وفضل' زہد واتقاء اور جذبہ امر بالمعروف کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ خلفائے وقت تک کوئی کام غلط اقدام کرنے سے ڈرتے تھے۔ خلق قرآن کے مسئلہ کی ابتداء تو دوسری صدی کے آغاز میں ہو چکی تھی' مگر امام احمد بن حنبل کے عہد میں اس نے ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ معتزلہ کے اثر سے مامون بھی اس کا قائل ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے اسعقیدہ کی تبلیغ واشاعت کرے' لیکن حضرت یزید بن ہارون کے خوف سے اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکا۔ قاضی یحیٰی بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا:

ولا مکان یزید بن ھارون لاظھرت القرآن مخلوق (۴)۔ اگر یزید بن ہارون کے مرتبہ اور اثر کا خیال نہ ہوتا (جو لوگوں کی نگاہ میں ان کا ہے) تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔
کسی درباری نے پوچھا: امیر المؤمنین! یہ یزید بن ہارون کون ہیں' جن سے آپ بھی اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں؟ مامون نے جواب دیا: میں ان سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت یا اقتدار ہے' بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ اگر میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر دوں اور وہ میری تردید کر دیں تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گا اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ شخص بولا: اچھا میں تصدیق کرتا ہوں۔

۱۔ تاریخ بغداد' ج ۱۴' ص ۳۴۱ ۲۔ ایضا ۳۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۱' ص ۳۶۹
۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۹۲

چنانچہ شخص مذکور واسط آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھے تھے' ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کے کلام مخلوق ہونے کا اعلان کردوں۔

یہ سن کر یزید بن ہارون بولے: تم امیر المؤمنین پر بہتان طرازی کرتے ہو' وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کرسکتے' جس کو وہ نہیں جانتے ہیں' اگر تم سچے ہو تو مجلس میں دوسروں کی آمد کا انتظار کرو اور جب لوگ آجائیں تو اس بات کا اعادہ کرو۔

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز مجلس گرم ہوگئی' تو یہ شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے پہلے روز والی بات دہرائی کہ امیر المؤمنین کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا اظہار کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یزید بن ہارون نے پوری دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ تم امیر المؤمنین پر تہمت باندھتے ہو' وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرسکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں اور جس کا قائل ایک شخص بھی نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: امیر المؤمنین آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ بالکل بجا اور درست تھا' اس معاملہ میں بلاشبہ آپ کا علم بہت زیادہ تھا۔(۱)

بے نفسی:

انسان فطرتاً خود پسند واقع ہوا ہے' لیکن آئمہ کرام کی زندگیوں کا یہ درخشاں ورق ہے کہ انہیں ہمیشہ اپنی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی' وہ اپنی تعریف وتوصیف پر بجائے خوش ہونے کے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ یزید بن ہارون عمر بھر اس عجز وفروتنی کا کامل نمونہ رہے۔ علی بن الجندی العراقی اس عہد میں قصہ گو شاعر تھا' اس کو ان سے قلبی عقیدت تھی' ایک مرتبہ اس نے حاضر ہو کر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا' جس میں تشبیب کے بعد وہ کہتا ہے:

الی یزید بن ھارون الذی کملت ۔۔۔ فیہ الفضائل او اشفی علیٰ ختن
حتی اتیست امام الناس کلھم ۔۔۔ فی العلم الفقہ والأثار والسنن
والدین والزھد والاسلام قد علموا ۔۔۔ والخوف للہ فی الاسرار والعلن
یراتقیاً نقیاً خاشعاً ورعاً ۔۔۔ مبرا من ذوی الأفات والابن
ماذاك من كان طفلاً فی شبيبة ۔۔۔ حتی علاہ مشیت الراس والدقن

شاعر نے اس قصیدہ کو نہایت دلسوزی اور محبت کے ساتھ لکھا تھا' اس لئے طبیعت پر جبر کر کے سن تو لیا' مگر بقول راوی ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب شاعر نے وہ اشعار پڑھے' جن میں شیخ کی مدح کی گئی تھی تو آپ نے اس کو روک دیا اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگے۔(۲)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ عہد صحابہ اور تابعین میں عام تھا' یزید بن ہارون بھی اس کا مجسم نمونہ تھے' مامون جیسا باجبروت

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۴' ص ۳۴۲   ۲۔ ایضا

خلیفہ بھی اس بارے میں شیخ سے خوفزدہ رہتا تھا۔محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ہارون ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

وكان يعد من الأمرين بالمعروف والناهين عن المنكر (۱)

مرجع خلائق:

یزید بن ہارون اپنے علمی فضائل اور علمی کمالات کے باعث عوام وخواص کے مرجع بن گئے تھے۔اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی مجلس میں بسااوقات ستر ستر ہزار کا مجمع رہتا تھا۔(۲)

ابوبکر بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یزید بن ہارون مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔لوگ اس پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بارش کررہے تھے لیکن وہ خود خاموش تھے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیتے تھے۔جب سب خاموش ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم واسط کے رہنے والے ہیں اور وسط کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہوگئے ہیں۔یعنی ہم لوگ ایسی باتوں کا جواب دے کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔(۳)

وفات:

بالآخر ۲۰۶ھ میں واسط میں علم وفضل کی یہ شمع بجھ گئی۔اس وقت ۸۸ برس کی عمر تھی۔(۴)(۵)

۳۔شعبۃ: راجع:۱۱۰ ۴۔عطاء بن السائب: راجع:۲۴۳

۵۔ابوسلمۃ: راجع:۱۶۱ ۶۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سودسویں (۱۱۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہ ہیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج۱۴ ۲۔تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۳۲۹ ۳۔ تاریخ بغداد ج۱۴ ص۳۴۵

۱۔ العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۳۵۰،شذرات الذہب ج۲ ص۱۶ ۲۔ سیر الصحابۃ ج۹ ص۳۶۱۔۳۶۸

☆ سند کے پہلے راوی رھاوی' دوسرے اور تیسرے واسطی' چوتھے کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت یزید بن ہارون سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے' سنن نسائی میں آپ سے کل اکسٹھ (۶۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا' سالت ایک ایک دفعہ' حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

سالت:	میں نے پوچھا۔ میں نے سوال کیا
عن غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہانے کے بارے میں۔
یفرغ:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈالتے۔
یفیض:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہاتے۔
سائر جسدہ:	اپنے سارے جسم پر۔

۷۔ مسائل ونصائح:

راجع: ۲۴۴

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ برتن میں سے پانی لینے کے لئے پہلے تین دفعہ ہاتھ دھو لینے چاہیے۔

☆ تین دفعہ ہاتھ دھونا سنت مستحبہ ہے۔

☆ غسل کے دوران تین دفعہ کلی کرنا' تین دفعہ ناک صاف کرنا اور تین دفعہ پورا جسم دھونا مستحب ہے۔

☆ غسل میں پورے جسم کو ایک دفعہ دھونا فرض ہے۔

بَاب إِزَالَةِ الْجُنُبِ الْأَذَى عَنْ جَسَدِهِ بَعْدَ غَسْلِ يَدَيْهِ

باب ۱۵۴: جنبی کا ہاتھ دھو کر جسم سے نجاست دور کرنا

اس باب کے قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر جنبی آدمی اپنے جسم سے مادہ منی یا دیگر نجاستوں کو دور کرنا یا دھونا چاہتا ہے' تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے' اس کے بعد گندگی کو دور کرے' غسل میں بھی یہی عمل مستحب ہے' اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔

۲۴۵۔ أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَنْبَأَنَا النَّضْرُ قَالَ :أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَسَأَلَهَا عَنْ غُسْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَنَابَةِ. فَقَالَتْ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِالْإِنَاءِ فَيَصُبُّ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا فَيَغْسِلُهُمَا، ثُمَّ يَصُبُّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَيَغْسِلُ مَا عَلَى فَخِذَيْهِ، ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ وَيَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ، وَيَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ

حضرت ابوسلمہ بیان کرتے ہیں:
میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا؟
آپ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا برتن لایا جاتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ پانی بہا کر دونوں ہاتھ دھوتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر رانوں (شرمگاہ) کو دھوتے' پھر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو دھوتے' پھر کلی کرتے ناک میں پانی چڑھاتے' پھر تین دفعہ سر پر پانی بہاتے' پھر پورے جسم پر پانی بہاتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ان جملوں میں سے ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ پانی بہا کر دونوں ہاتھ دھوتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر رانوں کو دھوتے۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۴۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں' ان سب کا تعارف گذر چکا ہے' البتہ حضرت نضر بن شمیل کے حالات دوبارہ قدرے تفصیل سے لکھے جاتے ہیں:

۱۔محمود بن غیلان: راجع:۳۷

۲۔حضرت نضر بن شمیل:

نام ونسب:

نضر نام اور ابوالحسن کنیت تھی۔ پورا شجرہ نسب یہ ہے: نضر بن شمیل بن خرشہ بن یزید بن کلثوم بن عنزہ بن زہیر بن جلہمہ بن حجر بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم۔(۱) یہ شجرہ صرف ابن ندیم نے ذکر کیا ہے' ورنہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے مختلف طور پر درمیان سے متعدد ناموں کو حذف کردیا ہے' جس کی وجہ سے اکثر اشتباہ واقع ہوجاتا ہے۔ اغلباً اختصار کے لئے ایسا کیا گیا ہے' وطناً بصری

۱۔ الفہرست لابن ندیم' ص ۷۷

اور مروزی کہلاتے ہیں۔ بنو مازن سے خاندانی تعلق کی بناء پر مازنی کی نسبت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

مولد ومنشاء:

۱۲۲ھ مطابق ۷۴۰ء میں وہ خراسان کے شہر مروالروز میں پیدا ہوئے۔(۱) جو اپنی مردم خیزی میں عالمی شہرت کا حامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام میں علم ودانش کے دور ہائے آبدار جن زمینوں سے برآمد ہوئے' ان میں مرو کا خطہ نہایت نمایاں ہے۔ بہرحال جب امام نضر صرف ۵'۶ سال کے تھے' ان کے والد انہیں اپنے ہمراہ لے کر بصرہ چلے آئے' خود بیان کرتے ہیں:

خرج بن ابی من مرو الروذ الی البصرة هو انا ابن خمس او ست سنین (۲)

۱۲۸ھ میں مجھے میرے والد مرو سے بصرہ لے کر آئے' اس وقت میری عمر پانچ چھ سال کی تھی۔

پھر وہیں کے ہو رہے' بصرہ بھی اس عہد میں ممتاز علمی مرکز شمار ہوتا تھا' اس لئے ابن شمیل تمام تر علمی ماحول میں پروان چڑھے اور عمر کا بیشتر زمانہ درس وافادہ اور تالیف وتصنیف میں وہیں گزارا۔ لیکن پھر بعض اقتصادی مشکلات سے تنگ آ کر بصرہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مرو آ کر بقیہ عمر وہیں بسر کی۔ یہاں تک کہ اسی خاک کا پیوند بنے۔

بصرہ چھوڑنے کا سبب:

یوں تو تمام ہی ارباب طبقات نے اس سبب کی نشاندہی کی ہے جس کی بناء پر امام نضر سرزمین بصرہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے' جو گویا ان کے وطن ثانی کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور جس کے در ودیوار سے انہیں والہانہ الفت پیدا ہو گئی تھی' لیکن علامہ یاقوت رومی اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے' جو حسب ذیل ہے:

بصرہ میں امام نضر کی معاشی واقتصادی حالت نہایت دگرگوں ہو گئی' یہاں تک کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے تھے۔ وہاں ان کے علم وفضل کا اعتراف کرنے' اس سے مستفید ہونے اور ان کی دقیقہ سنجیوں پر واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ تو نہایت وسیع تھا' لیکن بقدر کفاف بھی ان کے رزق کی فراہمی کا خیال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بالآخر جب حالات فروں تر ہو گئے تو شیخ نے وہاں سے اپنے مولد منتقل ہونے کا ارادہ کیا' کہا جاتا ہے کہ جس وقت وہ بصرہ سے روانہ ہوئے' وہاں کے تین ہزار محدثین' فقہاء' نحویین اور آئمہ لغت ان کو الوداع کہنے ہمراہ چلے اور مقام مربد پہنچ کر ان کو رخصت کیا۔(۳)

حافظ سیوطی نے مزید لکھا ہے کہ اس جم غفیر میں اس کے سات ہزار تلامذہ بھی شامل تھے' جو اپنے شیخ کی جدائی کے غم میں زار وقطار آنسو بہا رہے تھے۔ شیخ نضر نے چلتے چلتے چند الوداعی کلمات ارشاد فرمائے' جس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

لو وجدت عند کم کل یوم ربع من الباقلا لما ظعنت عنکم (۴)

اگر مجھے تمہارے پاس ہر روز تھوڑا سا باقلا بھی مل جاتا تو میں جدا نہ ہوتا۔

۱۔ الاعلام' ج ۳' ص ۱۱۰۴　　۲۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۰' ص ۴۳۷　　۳۔ معجم الادباء' ج ۷' ص ۲۱۹

۴۔ بغیۃ الوعاۃ' ص ۴۰۴

راوی کا بیان ہے کہ جب ابن شمیل نے مذکورہ بالا الفاظ کہے تو میں یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گیا کہ غم و اندوہ کا اظہار کرنے والے اس مجمع کثیر میں سے ایک نفر بھی اتنی معمولی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہو سکا۔(۱)

بہرحال وہ خراسان پہنچے تو ان کا نصیبہ جاگ گیا۔ وہاں خلیفہ ہارون نے ان کی حد درجہ تعظیم و توقیر کی اور فکر معاش کی طرف سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ:

اقام بمرو فاثری وافاد بها مالاً عظيمًا (۲)

انہوں نے مرو میں قیام کیا اور بکثرت مال حاصل کر کے صاحب ثروت ہو گئے۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے ابن شمیل بہت جلیل القدر اور عالی مرتبہ تھے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ:

''وكان امامًا حافظًا'' (۳)

مختلف علوم وفنون کی جامعیت اور تثبت واتقان میں ان کی مثال کم ہی مل سکے گی۔

صغار تابعین کی صحبت سے شرف اندوز اور ان کے کیسۂ علم سے بقدر ظرف مستفید ہوئے تھے۔ خراسان اور بالخصوص مرو میں حدیث کا چرچا عام کرنے میں انہیں اولیت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ عباس بن مصعب بیان کرتے ہیں:

كان امامًا في العربية والحديث بمرو وجميع خراسان (۴)

وہ مرو اور پورے خراسان میں حدیث وعربیت کے امام تھے۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام شعبہ سے ان کی روایات بیان کرنے والا امام ابن شمیل سے زیادہ کوئی نہ تھا۔(۵)

ایک بار خلیفہ مامون نے ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی:

اذا تزوج المراة الدينها وجمالها كان فيه سداد من عوز

اس میں خلیفہ نے لفظ سداد کو سین کے زبر کے ساتھ پڑھا۔ امام نضر نے فوراً ہی اس حدیث کو دہرایا اور اس میں سداد کو بکسر السین پڑھا اور پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر پھڑک اٹھا اور اس نے شعرائے عرب کے منتخب ترین اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ نضر بن شمیل نے عرجی، حمزہ بن بیض، ابو عروہ المدنی اور ابن عبدل الاسدی کے بہت سے شعر سنائے۔ مامون نے ان کی اس غیر معمولی قوت حافظہ اور ظرف بینی سے متاثر ہو کر اپنے وزیر فضل بن سہل کو شیخ کو تیس ہزار درہم انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔(۶)

ابن منجویہ کا بیان ہے کہ:

كان من فصحاء الناس وعلمائهم بالادب وايام الناس (۷)

۱۔ بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۴ ۲۔ شذرات الذہب، ج ۲، ص ۷ ۳۔ بغیۃ الوعاۃ، ص ۴۰۴

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۸۷ ۵۔ بغیۃ الوعاۃ، ص ۴۰۵ ۶۔ معجم الادباء، ج ۱، ص ۲۲۰

۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۴۲۸

وہ فصیح البیان لوگوں میں تھے۔ نیز ایام عرب اور ادب کے رموز واسرار کے بڑے نکتہ دان تھے۔

جامعیت:

تنوع وتفنن فی العلوم ان کے صحیفہ کمال کا ایک تابندہ ورق ہے۔ انہیں حدیث' فقہ' لغت' نحو' ادب' تاریخ اور انساب پر یکساں عبور تھا۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کے فکر ونظر کا خصوصی جولا نگاہ کون سا فن تھا؟ علماء نے متفقہ طور پر لکھا ہے:

کان راسًا فی الحدیث وراسًا فی الفقه واللغة وراية الشعر ومعرفة بالنحو وبايام الناس (۱)

وہ حدیث' فقہ' لغت' روایت' شعر' معرفت نحو اور ایام عرب سب علوم وفنون میں عالی رتبہ تھے۔

مذکورہ بالا تمام فنون میں انہوں نے کتابیں تالیف کیں۔ حافظ ابن کثیر انہیں آئمہ لغت میں شمار کرتے تھے۔

شیوخ:

انہوں نے عرب کے مشاہیر اہل زبان اور کبار محدثین سے اکتساب فیض کیا تھا' نحو' ادب اور ماہرین لغت میں وہ سب سے پہلے خلیل بن احمد ابی خیرۃ الاعرابی اور ابو احمد قیس سے مستفید ہوئے' اس کے بعد علوم نقلیہ میں صغار تابعین اور ان کے بعد کے طبقہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا' اس سلسلہ میں لائق ذکر آئمہ وشیوخ یہ ہیں:

ہشام بن عروہ' حمید الطویل' شعبہ' ابن جریج' سعید بن ابی عروبہ' ابن عون' اسرائیل بن یونس' حماد بن سلمہ' سلیمان بن المغیرہ' ہشام بن حسان' یونس بن ابی اسحاق' عمرو بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہم۔

تلامذہ:

اسی طرح خوف ان سے فیضیاب ہونے والوں میں بھی وہ علماء حدیث شامل ہیں جو اپنے شیخ کی زندگی ہی میں مسند علم کی زینت بنے' چند نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں:

علی بن المدینی' یحیٰی بن معین' اسحاق بن راہویہ' حمید بن زنجویہ' یحیٰی بن یحیٰی النیشاپوری' محمود بن غیلان' احمد بن سعید الداری' محمد بن مقاتل' معاذ بن اسد' حسین بن حریث' عبدالرحمٰن بن بشر' محمد بن قدامہ' عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمۃ اللہ علیہم۔ (۲)

ثقاہت: علمائے فن متفقہ طور پر ان کی روایات کی حجیت اور ثقاہت تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو حاتم کا بیان ہے:

کان ثقة صاحب سنة (۳)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة صاحب حدیث (۴)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۷' ص ۱۰۵ الاعلام ج ۲' ص ۲۰۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ شذرات الذہب ج ۲' ص ۷

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۷' ص ۱۰۵

حجة يحتج به في الصحاح (۱)

وہ حجت ہیں صحاح میں ان کی روایات قابل قبول نہیں۔

قضاء: جب وہ معاشی تنگی سے عاجز آ کر بصرہ سے مرو منتقل ہوئے تو خلیفہ ہارون نے ان کے ساتھ بہت اعزاز واکرام کا معاملہ کیا اور انہیں اس شہر کے منصب قضاء پر فائز کر کے ان کو مال وزر سے نہال کر دیا۔ (۲)

علامہ یاقوت نے براہ راست نقل کیا ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں امام ابن شمیل نے عدل وانصاف کے ایسے مظاہر پیش کئے کہ ہر شخص ان کی توصیف میں رطب اللسان ہو گیا۔ (۳)

سادگی وبے نفسی:

وہ تقشف کی حد تک سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے۔ زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار شیخ نضر خلیفہ مامون کے پاس اس حال میں گئے کہ نہایت موٹے اور خراب کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ خلیفہ نے دیکھتے ہی کہا کہ آپ امیر المؤمنین کے پاس اس قسم کے کپڑوں میں آتے ہیں۔ شیخ نے ٹالنے کی خاطر فرمایا:

بات دراصل یہ ہے کہ مرو میں گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ لہٰذا اس کی حرکت سے ایسے ہی کپڑوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ (۴)

حافظ ذہبی نے داؤد بن محراق کی روایت سے شیخ ابن شمیل کا یہ قول...... زریں نقل کیا ہے:

لا يجد الرجل اللذة العلم حتى يجوع وينسى جوعه (۵)

تصانیف: امام نضر کے تبحر علمی اور جامعیت کے جلوے صرف درس وافادہ کی مجلسوں ہی میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ صفحۂ قرطاس پر بھی اس کی تجلیاں نمودار ہوتی تھیں۔ عباس بن صعب کا بیان ہے کہ شیخ نضر نے اس قدر کثرت سے کتابیں تصنیف کیں، جس کی نظیر اس عہد میں نہیں ملتی۔

عام طور پر ان کی درج ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں "کتاب الصفات' کتاب الصلاح' غریب الحدیث' کتاب النوادر' کتاب المعانی' کتاب المصادر' المدخل الی کتاب العین' کتاب الجیم' کتاب الشمس والقمر"۔

کتاب الصفات: پانچ جلدوں پر مشتمل فن لغت کی تصنیف ہے۔ پہلی جلد میں انسان کی پیدائش' اس کی عادات واطوار اور عورتوں کی صفات' دوسری جلد میں مکانات' پہاڑ وغیرہ' تیسری میں اونٹ' چوتھی میں گھوڑا' چڑیا' چاند' سورج اور شراب وغیرہ' پانچویں جلد میں انگور کی زراعت' درخت' ہوا' بارش اور بادل وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے' علامہ ابن ندیم کا خیال ہے کہ ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی مشہور واہم کتاب غریب المصنف کو اسی سے اخذ کیا ہے اور اسی نہج پر مرتب کیا ہے' دونوں کتابوں کے مندرجات سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

غریب الحدیث: غریب الحدیث کی تشریح وتوضیح کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں' جن میں ابوعبیدہ' قطرب' ابوعدنان نحوی'

۱۔ میزان الاعتدال' ج ۴' ص ۲۳۴　۲۔ الاعلام ج ۴' ص ۱۱۰۴　۳۔ معجم الادباء' ج ۷' ص ۱۲۹

۴۔ ایضاً　۵۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۸۷

اخفش، نضر بن شمیل اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام کی غریب الحدیث کا ذکر ملتا ہے، ان پر مؤخر الذکر ہی کتاب کو شہرت و مقبولیت کا تمغہ نصیب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوعبیدہ نے نہ صرف متقدمین کی تصنیفات کا عطر اپنی کتاب میں کشید کر لیا ہے بلکہ نہایت ظرف بینی کے ساتھ ان تمام خامیوں اور نقائص کو بھی اس میں دور کر دیا ہے، جو پہلے کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، تاہم قدامت کے اعتبار سے نضر بن شمیل کی غریب الحدیث کا پایہ کچھ کم نہیں۔

امام نضر کی مذکورہ بالا تصنیفات اب معدوم ہیں، یا ممکن ہے کہیں ان کے مخطوطات موجود ہوں، راقم الحروف کو اس کی تحقیق نہ ہو سکی۔

وفات: ذی الحجہ ۲۰۳ھ کی آخری تاریخ کو مرو ہی میں راہی ملک عدم ہوئے۔ (۱) یکم محرم ۲۰۴ھ کو تدفین عمل میں آئی۔ اسی وجہ سے بعض تذکروں میں ان کا ذکر ۲۰۳ھ کی وفیات میں ملتا ہے اور بعض میں ۲۰۴ھ کے تراجم میں، اس وقت اورنگ زیب خلافت پر مامون الرشید داد حکمرانی دے رہا تھا۔ (۲) (۳)

۳۔ شعبۃ: راجع: ۱۱۰　　۴۔ عطاء بن السائب: راجع: ۲۴۳

۵۔ ابوسلمۃ: راجع: ۱۶۱　　۶۔ عائشۃ: راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو گیارہویں (۱۱۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ یہ مسلسل ساتویں حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے بصری، تیسرے واسطی، چوتھے کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔
☆ اس سند میں چھ راوی پانچوں شہروں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔
☆ سند میں الفاروایت اخبر سمعت، سأل ایک ایک دفعہ اور انبأنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔
☆ سند اداء روایت کے سارے الفاظ مطلقاً ثقاہت پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۸، اللباب، ج ۳، ص ۸۰　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۸۷

۳۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۳۰۶۔۳۱۱

۶۔لغات:

یوتی بالاناء: آپ ﷺ کے پاس برتن لایا جاتا۔مراد ہے پانی کا برتن۔

ما علی فخذیه: جو کچھ آپ ﷺ کی دونوں رانوں پر ہوتا۔

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۲۴۴

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جنبی جب جسم سے نجاست دور کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوئے یہ امر مستحب ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول: آپ ﷺ دونوں رانوں پر لگی ہوئی نجاست دھوتے تھے اس سے صرف رانوں کا دھونا مراد نہیں بلکہ شرمگاہ اور جسم کے باقی حصہ پر لگی گندگی صاف کرنا بھی مراد ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ کے قول میں مضمر نہیں ہے۔

☆ غسل کرتے وقت پہلے جسم پر لگی نجاست دور کرنی چاہئے۔

☆ صحابہ کرام اور اُم المومنین مسائل کو شرح وبسط سے بیان کرتے تھے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے شرمگاہ کی بجائے رانوں کا ذکر کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل کو بیان کرتے ہوئے شرم وحیا والی باتوں کو اشارۃً اور کنایۃً بیان کرنا چاہئے یہ کلام کا حسن ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جزء بول کر کل مراد لیا ہے۔

بَابُ إِعَادَةِ الْجُنُبِ غَسْلَ يَدَيْهِ بَعْدَ إِزَالَةِ الْأَذَى عَنْ جَسَدِهِ

باب ۱۵۵: جنبی جسم سے نجاست دور کرنے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھوئے

جسم سے نجاست دور کرتے ہوئے چونکہ ہاتھ استعمال کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں کو بھی ناپاکی لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا نجاست دور کرنے کے بعد ہاتھ دوبارہ دھونا مستحب ہے یہ باب اسی امر پر دلالت کرتا ہے اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں نجاست دور کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا بیان تھا اور اس باب میں ناپاکی دور کرنے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔

۲۴۶۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ :وَصَفَتْ عَائِشَةُ غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَنَابَةِ .قَالَتْ :كَانَ يَغْسِلُ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ يُفِيضُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ قَالَ عُمَرُ :وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ :يُفِيضُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يَتَمَضْمَضُ ثَلَاثًا، وَيَسْتَنْشِقُ ثَلَاثًا، وَيَغْسِلُ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں بتلایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ اور ناپاکی کو صاف کرتے۔ حضرت عمر بن عبید (راوی) کہتے ہیں: میرے گمان کے مطابق آپ (شیخ) نے کہا: پھر (دوبارہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر تین دفعہ پانی ڈالتے' پھر تین دفعہ کلی کرتے اور تین دفعہ ناک میں پانی چڑھاتے' پھر تین تین دفعہ چہرہ دھوتے اور بازو دھوتے' پھر تین مرتبہ سر پر پانی بہاتے' پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حصہ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ اور ناپاکی کو صاف کرتے (پھر دوبارہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر تین دفعہ پانی ڈالتے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۴۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' ان میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے' حضرت عمر بن عبید کی سرگزشت حیات کے بارے میں تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔اسحاق بن ابراہیم:　　راجع: ۱۲۸

۲۔عمر بن عبید:

آپ کا نام عمر بن عبید بن ابی امیہ طنافسی حنفی ایادی کوفی (۱۰۴ھ۔۱۸۵ھ) ہے' آپ کو ابوحفص کوفی سے نسبت ولاء تھی' آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے صدوق راوی ہیں' آئمہ صحاح ستہ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث

مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔عطاء بن السائب: راجع:۲۴۳ ۴۔ابوسلمۃ: راجع:۱۶۱

۵۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ اناسویں (۷۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں' البتہ حضرت عمر بن عبید صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی' دوسرے اور تیسرے کوفی اور آخری دو مدنی راوی ہیں۔

☆ حضرت عمر بن عبید سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عمر بن عبید حنفی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ امام نسائی کی اس باب میں روایت کردہ احادیث میں یہ سند عالی ہے' چونکہ باقی سداسیات ہیں اور یہ خماسی ہے۔

☆ شیخ حضرت اسحاق بن ابراہیم' ابن راھویۃ کے لقب سے مشہور ہیں' اور صاحب مسند ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا' قالت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

وصفت عائشة غسلی النبی ﷺ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آقا کریم ﷺ کے نہانے کا طریقہ بیان کیا۔

فیغسل فرجه وما اصابه: آپ نے شرمگاہ اور نجاست کو دھویا۔

ولا اعلمه الا قال: تیرے گمان کے مطابق آپ نے فرمایا۔

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۲۴۴

۱۔ i۔تاریخ الدارمی' ص۵۴۴ ii۔تاریخ الثقات' ص۳۵۹

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جنبی شخص کے لئے جسم سے نجاست دور کرنے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

☆ دوبارہ ہاتھ اس لئے دھوئے جاتے ہیں' تا کہ ہاتھوں کو اگر گندگی وغیرہ لگی ہے' وہ دور ہو جائے۔

☆ دوبارہ ہاتھ دھونے سے نفاست اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

☆ دوبارہ ہاتھ دھونا غسل کے وضو کا استحباب ہے۔

☆ **قال عمر: لا اعلمه الا قال:** راوی حدیث جب اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں' تو ان کی مراد شک کی وضاحت کرنا ہوتا ہے' اس کا مطلب ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں راوی کو شک ہوا ہے' اس لئے ان الفاظ کے ساتھ وضاحت کر دی۔ یہ ایمانداری کی بہت اعلیٰ مثال ہے' عصر حاضر میں اس امر کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

☆ اس باب میں یہ حدیث مبارکہ عالی ہے' کیونکہ یہ خماسی ہے' جبکہ باقی روایات سداسی ہیں۔

باب ذِكْرُ وُضُوءِ الْجُنُبِ قَبْلَ الْغُسْلِ

باب ۱۵۶: غسل سے پہلے وضو کرنا

اس باب میں جنبی کے لئے غسل کرنے سے پہلے وضو کرنے کی سنت کا بیان ہے' حضور اکرم ﷺ غسل جنابت سے پہلے وضو کرتے تھے' اس لئے یہ سنت مستحبہ ہے' اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے' پچھلے باب میں جسم سے نجاست دور کرنے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھونے کا بیان تھا' اور اس باب میں غسل سے پہلے وضو کرنے کا بیان ہے۔

۲۴۷۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ الْمَاءَ فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعْرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ، ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جَسَدِهِ كُلِّهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: حضور نبی کریم ﷺ جب بھی غسل جنابت فرماتے' تو سب سے پہلے ہاتھ دھوتے' پھر نماز جیسا وضو فرماتے' پھر پانی میں انگلیاں ڈال کر ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے' پھر تین چلو پانی سر پر ڈالتے' پھر پورے جسم پر پانی بہاتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

آپ ﷺ سب سے پہلے ہاتھ دھوتے' پھر نماز جیسا وضو فرماتے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۴۸، ۲۶۲، ۲۷۲، صحیح مسلم: ۳۱۶، الرقم المسلسل: ۷۰۳، سنن نسائی: ۲۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ا ص ۶۴۔۶۳، صحیح ابن حبان: ۱۱۹۶، سنن بیہقی، ج ا ص ۱۷۴، معرفۃ السنن والآثار: ۱۴۲۵، شرح السنۃ: ۲۴۶، مصنف عبدالرزاق: ۹۹۷، مسند الحمیدی: ۱۶۳، مسند احمد: ۲۴۲۵۷

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

ا۔قتیبہ:	راجع: ۱۱۸	۲۔مالک:	راجع: ۱۱۷
۳۔ہشام:	راجع: ۱۴۶	۴۔عروۃ:	ایضاً
۵۔عائشۃ:	راجع: ۱۱۲		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ اسی ویں (۸۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام رواۃ آئمہ اجل ثقہ ہیں۔

☆ تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، امام مالک فقہاء مدینہ اور فقہ مالکی کے بانی امام ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقیہہ اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (ہشام) کی باپ (عروہ) سے اور بھانجے کی خالہ (عائشہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

اذا غتسل: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہاتے۔

الجنابة: ناپاکی، جنبی ہونا۔

بدأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع کرتے۔

توضأ كما تيوضا للصلاة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جیسا وضو کرتے۔

يدخل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل کرتے۔

اصابعه: اپنی انگلیاں۔

يخلل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلال کرتے۔

اصول شعره: اپنے بالوں کی جڑوں۔

يصب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈالتے۔

يفيض: آپ انڈیلتے۔

غرف: چلو۔ لپ

۷۔ مسائل ونصائح:

غسل سے پہلے وضو کرنا سنت مستحبہ ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ (۱)

فقہاء احناف کے نزدیک غسل سے پہلے وضو کا سنت ہونا، اس کا طریقہ اور دلائل:

غسل کی سنتیں:

۱۔ غسل کرنے والا پہلے برتن (مگ وغیرہ) اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور یوں اپنے دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین دفعہ دھوئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنے ستر کی صفائی (استنجا) کرے تاکہ وہ اچھی طرح صاف ہوجائے، پھر وہ اسی طرح تین تین دفعہ اعضا کو دھو کر وضو کرے، جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، مگر وہ اپنے سر اور جسم پر تین مرتبہ پانی بہانے تک پاؤں نہ دھوئے پھر وہ اس جگہ سے قدرے ہٹ کر اپنے پاؤں دھولے۔ اس مسئلے کی بنیاد اس روایت پر ہے جو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غسل کا پانی رکھا تاکہ آپ غسل جنابت کرسکیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن اپنے بائیں ہاتھ میں لیا اور دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اور تین مرتبہ آپ نے اس طرح ہاتھوں کو دھویا، بعد ازاں آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی ڈال کر استنجاء کیا۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو دیوار سے مٹی لگا کر خوب رگڑ کر صاف کیا۔ اور پھر نماز کی طرح مکمل وضو کیا، البتہ پاؤں نہ دھوئے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے پاؤں دھوئے جسم پر پانی ڈالا، پھر آپ اپنی جگہ سے قدرے ہٹ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں دھوئے، یہ حدیث سنت اور فرض دونوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۳۵۹

آیا غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے اس میں سر پر مسح کیا جائے۔ یا نہیں ''ظاہر روایت'' میں مذکور ہے کہ وہ اپنے سر پر مسح کرے۔ اور حسن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ مسح نہ کرے۔ اس لئے کہ اس کے بعد جو سر پر پانی بہایا جائے گا اس سے مسح کا مقصد فوت ہو جائے گا لہٰذا مسح کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بخلاف دیگر اعضاء کے کیونکہ اگر بعد میں کسی پہلے سے دھوئے ہوئے عضو پر پانی بہایا جائے تو اس سے پہلے بہائے ہوئے پانی کی نفی نہیں ہوتی تاہم صحیح قول ''ظاہر روایت'' ہی کا ہے اس لئے کہ حدیث میں تمام بدن پر پانی بہانے سے قبل وضو کرنے کی تصریح ہے جیسا کہ ہم اوپر روایت نقل کر چکے ہیں اور وضو چند اعضاء کے دھونے اور ایک کے مسح کرنے سے عبارت ہے (لہٰذا اسے مکمل وضو کرنا چاہئے) البتہ وہ پاؤں دھونے کو قدرے مؤخر رکھے گا وجہ یہ ہے کہ انہیں پہلے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ جسم کے دھونے کے ساتھ دوبارہ ''ملوث'' ہو جائیں گے البتہ اگر وہ کسی ایسی جگہ غسل کر رہا ہو جہاں پاؤں کے نیچے غسل کا پانی جمع نہ ہوتا ہو مثلاً اس کے پاؤں کے نیچے کوئی پتھر وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں پاؤں پہلے ہی دھوئے جا سکتے ہیں۔ ہمارے موجودہ دور کے صاف ستھرے غسل خانوں کے بارے میں بھی شریعت کا یہی حکم ہے اس لئے جدید آسائشوں کے مطابق غسل کا پانی جمع ہونے کے بجائے فوراً باہر نکل جاتا ہے) کیونکہ یہاں پر ان کے آلودہ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں اسی لئے غسل میت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت پاؤں پہلے دھو دینے چاہئیں اور انہیں مؤخر نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہاں پاؤں کے آلودہ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اس لئے کہ غسل کا پانی نہلانے والے تختے پر جمع نہیں ہوتا۔ ہمارے بعض مشائخ نے غسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں دھونے کو پانی بہانے سے مؤخر کرنے کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی ناپاک ہوتا ہے اس لئے اگر وہ پلید نہ ہوتا ہو تو پاک پانی سے اس احتیاط کے کوئی معنی نہیں رہتے لہٰذا انہوں نے اس روایت کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت قرار دیا ہے لیکن ہمارے خیال میں اس روایت میں ایسی کوئی حجت نہیں ہے اس لئے کہ انسان جس طرح ناپاک شے سے بچتا ہے اسی طرح ''میل کچیل'' (قذر) سے بھی اجتناب کرتا ہے خصوصاً انبیاء علیہم السلام تو اور بھی زیادہ لطیف الفطرت ہوتے ہیں اور مستعمل پانی بہر حال گندہ پانی ہوتا ہے جس میں حدث کی پلیدی ملی ہوتی ہے۔ اسی لئے سلیم فطرتیں اس سے تنفر محسوس کرتی ہے۔(۱)

غسل سے پہلے وضو کا سنت ہونا اور پیروں کو ابتداء میں دھونے اور غسل کے بعد دھونے۔۔کی احادیث میں تطبیق:

اس حدیث کے شروع میں ''کان'' ہے جو دوام اور لزوم پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ ہمیشہ جب غسل جنابت کرتے تو پہلے وضو کرتے تھے الا یہ کہ اگر جسم کے کسی حصہ پر ایسی چیز لگی ہو جس کا دھونا واجب ہو تو پہلے اس کو دھوتے تھے پھر اس کے بعد وضو کرتے تھے اور یہ کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔ غسل سے پہلے وضو کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ دونوں جمع ہو جائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ اس طرح وضو کرتے تھے جس طرح نماز سے پہلے وضو کرتے تھے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ پیر بھی دھوتے تھے اور بعض اوقات آپ پیر غسل کے بعد دھوتے تھے جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ان احادیث میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ اگر غسل کرنے کی جگہ صاف ہو اور غسل کا پانی گزرنے کے لئے نالی ہو یا پانی وافر مقدار میں ہو تو آپ وضو

۱۔ بدائع الصنائع ج ا ص ۱۷۲۔۱۷۳

کے ساتھ پیروں کو دھو لیتے تھے اور اگر غسل کی جگہ صاف نہ ہو یا غسل کا پانی نکلنے کے لئے کوئی نالی نہ ہو یا پانی کی مقدار کم ہو تو آپ پیروں کا دھونا مؤخر کر دیتے اور غسل کے بعد پیروں کو دھوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے تھے' ہمارے نزدیک یہ سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔

اس حدیث میں تمام جسم پر پانی بہانے کا ذکر ہے' ملنے کا ذکر نہیں ہے' ہمارے اور باقی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جسم کو ملنا مستحب ہے' علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ لازم ہے' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث میں تین چلو پانی جسم پر بہانے کا ذکر ہے اور یہ بالاتفاق مستحب ہے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔

☆ تمام فقہاء کے نزدیک غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔

☆ یہ حدیث مبارکہ تمام فقہاء کے مستدل ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پاؤں بھی دھوتے تھے' جب کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہو کر اس جگہ سے علیحدہ ہو کر پاؤں دھوتے تھے' احناف کے ہاں ان دونوں احادیث مبارکہ میں تطبیق اس طرح ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایسی جگہ غسل فرما رہے ہوتے' جہاں نیچے پانی جمع ہوتا تھا' وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں بعد میں دھوتے تھے' اگر ایسی جگہ نہاتے' جہاں پانی جمع نہ ہوتا تھا اور جگہ پختہ ہوتی تھی' وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے ساتھ ہی پاؤں بھی دھو لیتے تھے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے سر کے بالوں کی جڑوں کا خلال کرنا بھی سنت سے ثابت ہوا۔

بَابُ تَخْلِيلِ الْجُنُبِ رَأْسَهُ

باب ۱۵۷: جنبی کا سر کے بالوں میں خلال کرنا

بعض لوگوں کے سر کے بال گھنے ہوتے ہیں' یا گندھے ہوتے ہیں' جس کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے' اس لئے ایسے افراد جب غسل کرنے لگیں' تو پہلے ہاتھوں سے سر کے بالوں کا خلال کر لیں' تاکہ بالوں کی جڑیں دھل جائیں' اس باب میں اسی امر کا بیان ہے' پچھلے باب میں غسل جنابت سے پہلے وضو کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں غسل جنابت کرتے وقت سر کے بالوں کو کریدنے کا بیان ہے۔

۱۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۷۲۸۔۷۲۹

۲۴۸۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ :أَنْبَأَنَا يَحْيَى قَالَ :أَنْبَأَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ :حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَنَابَةِ :أَنَّهُ كَانَ يَغْسِلُ يَدَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، وَيُخَلِّلُ رَأْسَهُ حَتَّى يَصِلَ إِلَى شَعْرِهِ، ثُمَّ يُفْرِغُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں بتلایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہاتھ دھوتے' پھر وضو کرتے' پھر سر کا خلال کرتے اور پانی بالوں (کی جڑوں) تک پہنچاتے' پھر سارے بدن پر پانی بہاتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس وسطی جملہ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا خلال کرتے۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۴۷

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں'ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔عمر بن علی: راجع:۴ ۲۔یحییٰ: راجع:۱۳۳

۳۔ہشام بن عروۃ: راجع:۱۴۶ ۴۔عروۃ: ایضاً

۵۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے اکیاسیویں (۸۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی حضرت عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ الشیوخ ہستی ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل ساتویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ خماسیات میں سے ہے۔

☆ یہ روایت بیٹے کی باپ اور بھانجے کی خالہ سے ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ اور صیغہ تحدیث چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ سند میں تمام الفاظ روایت ثقاہت کے استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

یخلل راسہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا خلال کرتے۔

یصل: وہ پہنچتا۔ یعنی پانی پہنچتا۔

شعر: بال

یفرغ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہاتے۔

سائر جسدہ: اپنے سارے بدن پر۔

۲۴۹۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشَرِّبُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَحْثِي عَلَيْهِ ثَلَاثًا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سر کو تر کر لیتے تھے پھر اس پر تین چلو پانی ڈالتے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پہلے جملہ میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سر کو تر کر لیتے تھے۔ تر کرنے سے مراد ہے، سر کے بالوں کو خلال کر کے پانی جڑوں تک پہنچاتے تھے، جس سے سر کے بال بھیگ جاتے تھے۔

۲۔ اطراف:

ترمذی: ۱۰۴، تحفۃ الاشراف: ۱۶۹۳۷

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔محمد بن عبداللہ بن یزید:	راجع:۱۱	۲۔سفیان:	راجع:۱۲۵
۳۔ہشام بن عروۃ:	راجع:۱۴۶	۴۔عروۃ:	ایضاً
۵۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ بیاسیویں (۸۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مکی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ سند اس اعتبار سے اعلیٰ ہے کہ اس کے تمام راوی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے نسبت رکھنے والے ہیں۔

☆ حضرت محمد بن عبداللہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت سفیان بن عیینہ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل آٹھویں حدیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ خماسیات میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یشرب: خلال کرنا۔ پانی پہنچانا۔

یحثی: پانی بہانا۔ انڈیلنا۔ ڈالنا

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۲۴۴' ۲۴۷

۸۔خلاصہ:

ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جنبی شخص جب نہانے لگے تو پہلے سر کے بالوں کا خلال کرے تاکہ

پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔

☆ بعض لوگوں کے سر کے بال گھنے ہوتے ہیں' اور بعض کے گندھے ہوئے ہوتے ہیں' چونکہ غسل جنابت میں پانی کا ہر ہر بال کی جڑ تک پہنچنا فرض ہے' اس لئے پہلے بالوں کا خلال کر لینا سنت ہے۔

☆ غسل جنابت میں جسم کا کوئی حصہ بال برابر بھی خشک رہ جائے تو غسل نہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ عمل اسی احتیاط کے پیش نظر ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں سر کے بالوں میں خلال کا بیان ہے' اسی طرح وضو کے باب میں داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا بھی ثابت ہے' اس لئے سر اور داڑھی دونوں کے بالوں کا غسل جنابت میں خلال کرنا سنت مبارکہ ہے۔

☆ پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہانا سنت ہے۔

حدیث مذکور سے داڑھی کا خلال مراد ہے:

علامہ قاضی عیاض مالکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کے عمومی الفاظ ''اصول الشعر'' سے مراد غسل میں داڑھی کا خلال مراد ہے اور قیاساً سر کے بالوں کا خلال مراد ہے۔(۱)

سر کے بالوں کا خلال واجب ہے یا سنت؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب کے نزدیک غسل میں بالوں کا خلال واجب ہے' اور وضو میں سنت ہے' امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ایک قول وجوب کا ہے اور دوسرا سنت کا ہے' بعض کے نزدیک سر کے بالوں کا خلال واجب ہے' داڑھی کے خلال میں فقہاء مالکیہ کے بھی دو قول ہیں' علامہ ابن قاسم عدم وجوب کے قائل ہیں اور علامہ اشہب وجوب کے قائل ہیں' علامہ ابن بطال نے غسل میں سر کے بالوں کا خلال کرنا اجماعی لکھا ہے اور داڑھی کا خلال قیاسی لکھا ہے۔(۲)

☆ غسل جنابت میں سر کے بالوں اور داڑھی کے بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچنا واجب ہے' اگر نہ پہنچے اور جلد خشک رہ گئی' تو غسل نہ ہوگا' اسی جہت پر احناف کے نزدیک خلاف واجب ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ' ج ۴' ص ۳۶۰ ۲۔ عمدۃ القاری' ج ۳' ص ۱۹۲

بَابُ ذِكْرِ مَا يَكْفِي الْجُنُبَ مِنْ إِفَاضَةِ الْمَاءِ عَلَى رَأْسِهِ

باب ۱۵۸: جنبی کے لئے سر پر کتنا پانی بہانا کافی ہے؟

اس باب میں پانی کی اس مقدار کا بیان ہے، جو جنبی کے لئے دوران غسل کفایت کرنے والی ہے اور یہ تین چلو کی مقدار ہے، یہ سنت مقدار کا بیان ہے، پچھلے باب میں جنبی کے لئے سر کے بالوں کا خلال کرنے کا بیان تھا اور اس باب میں جنبی کے لئے سر پر پانی بہانے کی مقدار کا بیان ہے، دونوں ابواب میں سر دھونے کا بیان ہے۔

۲۵۰۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: تَمَارَوْا فِي الْغُسْلِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ :إِنِّي لَأَغْسِلُ كَذَا وَكَذَا .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ أَكُفٍّ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے غسل کے بارے میں اختلاف کیا، بعض نے کہا: میں اس طرح نہاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتا ہوں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
میں تو اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتا ہوں۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۲۳، بخاری: ۲۵۴، مسلم: ۳۲۷، ابوداؤد: ۲۳۹، ابن ماجہ: ۵۷۵، احمد: ۱۶۷۴۹، السنن الکبریٰ: ۲۴۷، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۱، ص۶۴، سنن بیہقی، ج۱، ص۷۶

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے پہلے تین راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، آخری دو صحابہ راویوں کا تعارف سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔ ابوالاحوص: راجع: ۹۶
۳۔ ابواسحاق: راجع: ۳۳۰

۴۔ سلیمانؓ بن صرد:

نام ونسب:

سلیمان نام، ابو مطرف کنیت، نسب نامہ یہ ہے: سلیمان بن صرد بن جون بن ابی الجون بن منقذ بن ربیعہ بن اصرام بن حبیس بن حرام بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

اسلام:

فتح مکہ سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے جاہلی نام یسار تھا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے بدل کر سلیمان رکھا۔ قبول اسلام کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے بھی مستفید ہوئے اسلم وصحب النبی ﷺ۔ (۱)

جنگ صفین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پر جوش حامیوں میں تھے۔ جنگ صفین میں انہوں نے بڑے کارنامے دکھائے۔ شامی فوج کے مشہور بہادر حوشب ذی ظلیم کو ان ہی نے مارا تھا۔ (۲)۔ اس جنگ میں سلیمان بہت زخمی ہوئے لیکن کوئی زخم پشت پر نہ تھا سب وار رخ پر تھے۔ صلح نامہ کی کتاب کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا امیر المومنین اگر اس وقت کوئی مددگار ہوتا تو ہم ہرگز یہ معاہدہ منظور نہ کرتے۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی اولاد امجاد کے بھی اسی طرح ہوا خواہ رہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صرف چند مہینہ خلافت کر کے چھوڑ دی آپ کی وفات کے بعد جب کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی جماعت بنی تو اس کے ایک سرگرم ممبر سلیمان تھے ان کا گھر حامیانِ حسین رضی اللہ عنہ کا مرکز تھا یہیں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بلانے کے خطوط جاتے تھے۔ (۴)

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سلیمان ان کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس واقعہ پر ان لوگوں کو سخت قلق ہوا جو آپ کی مدد نہ کر سکے تھے چنانچہ سلیمان بن صُرد اور ان کے دوسرے ساتھی مسیب بن نخبہ بہت نادم اور شرمسار ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لے کر گذشتہ فرد گذاشت کی تلافی کرنی چاہیے۔ چنانچہ سلیمان چار ہزار آدمیوں کو لے کر خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے انتقام کے لیے نکلے یہ جماعت ''توابین'' کہلاتی تھی اس جماعت پہلا پڑاؤ ربیع الاول ۶۰ھ میں مقام نخیلہ میں کیا۔ یہاں سے قرقیسیاب کے قریب عین الوردہ پہنچے عین الورہ میں شامی لشکر کا مقابلہ ہوا سلیمان نہایت بہادری سے لڑے اور حصین بن نمیر تمامی کے ہاتھوں مارے گئے فرش زمین پر گرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے۔ ''فزت برب الکعبۃ فزت برب الکعبۃ''، ''رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوا' رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوا''۔ اسی طرح ابن رسول اللہ ﷺ کے خون کے انتقام میں جان دے کر گذشتہ غلطی کی تلافی کی اور حسین کی محبت کے جرم میں ان کا سر کاٹ کر مروان بن حکم کے پاس بھیجا گیا۔ (۵) مقتول ہونے کے وقت ۹۳ سال کی عمر تھی۔ (۶)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ص ۲ ۔ ۲۔ اخبار الطوال، ص ۱۹۸ ۔ ۳۔ ایضا

۴۔ ایضا ۔ ۵۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۳۰ ۔ ۶۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۵۷۴

عام حالات:

سلیمان بن صرد کوفہ میں رہتے تھے۔خزیمہ کے محلہ میں مکان تھا۔اعزاز اور شرف میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔''کان لہ سن عالیہ وشرف وقدر وکلمتہ فی قومہ''۔''یعنی وہ سن رسیدہ صاحب مرتبہ وشرف اور اپنی قوم میں باثر تھے''۔نیکی،فضل وکمال اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مرتبہ تھے۔(۱)　　(۲)

۵۔حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

جبیر نام،ابو محمد،نسب نامہ یہ ہے: جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد المناف قریشی نوفلی۔

حضرت جبیر کے والد مطعم قریشی نرم دل وخداترس بزرگوں میں تھے،ان کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں جبکہ آپ پر چاروں طرف سے مصائب وآلام کا ہجوم تھا،بڑی امداد ملی غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوشش بارآور ہونے لگیں اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضۂ تبلیغ سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپس میں معاہدہ کر کے بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا جس کی رو سے بنی ہاشم میں شادی بیاہ اور خرید وفروخت جملہ معاشرتی تعلقات ناجائز قرار پائے اور یہ عہد نامہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا اس معاہدہ کی رو سے چونکہ قریش کی دوسری شاخوں کا میل جول بنی ہاشم کے ساتھ ممنوع ہو گیا تھا اس لئے بنی ہاشم شعب ابی طالب میں چلے گئے اور تین سال تک اس قید میں زندگی بسر کرتے رہے۔اس طویل مدت میں شعب ابی طالب پر برابر قریش کا پہرہ قائم رہا اور از قسم خورد ونوش کی کوئی چیز شعب ابی طالب میں نہ جانے پاتی تھی لیکن اس گروہ اشقیا میں کچھ نرم دل بھی تھے جو کھانے پینے کی چیزیں چھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے۔آخر میں بعض منصف مزاجوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف صدا بلند کی اور کوشش کر کے اسے چاک کر دیا۔ان احتجاج کرنے والوں میں ایک جبیر بن مطعم بھی تھے۔(۳)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کے بعد جب مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ظاہری سہارا باقی نہ رہا اور تبلیغ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے ناکام لوٹے تو اس وقت مکہ کا ذرہ ذرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو رہا تھا اور بظاہر کوئی جائے پناہ باقی نہ تھی۔مطعم کی نرم دلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقف تھے اس لئے مکہ کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی مطعم گو اس وقت کافر تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت میں لے لیا۔مطعم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت میں لینا تمام مشرکین مکہ کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے اسی لئے حمایت میں لینے کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں آئیں اور خود حرم میں جا کر ببانگ دہل اعلان کیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔(۴) جبیر اسی منصف مزاج اور نرم دل باپ کے فرزند تھے لیکن قومی عصبیت قبول حق سے مانع آتی تھی۔مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بدر ہوا اس میں جبیر شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے تھے۔جس وقت پہنچے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے اور

۱۔ ایضاً　۲۔ ،　سیر الصحابۃ،ج۴،ص۳۲۶۔۳۲۷　۳۔　سیرۃ ابن ہشام،ج۱،ص۲۰۴　۴۔طبقات ابن سعد،ص۴۳

سورۂ طور کی آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ جبیر مسجد میں داخل ہوئے تو کلام اللہ کی سحر انگیز آیتیں کانوں میں پڑیں انہیں سن کر جبیر اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کے نماز تمام کرنے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے اسرائے بدر کے بارے میں گفتگو کی آپ ﷺ نے ان کے باپ کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے اور وہ سفارش کرتے تو میں چھوڑ دیتا۔ (۲)

بدر کے مقتولین کا انتقام احد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس میں تمام مشرکین نے بقدر استطاعت حصہ لیا جبیر نے اپنے غلام وحشی کو بھیجا اور کہا اگر تم حمزہ کو قتل کر دو گے تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا۔ (۳) چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اسلام: جبیر میں اثر پذیری کا مادہ پہلے سے موجود تھا۔ حالت کفر میں آیات قرآنی سے تاثر اس کا بین ثبوت ہے لیکن قومی عصبیت مانع آتی تھی لیکن بالآخر قبول حق کا مادہ جذبۂ عصبیت پر غالب آگیا اور بروایت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں وہ مسلمان ہو گئے۔ (۴)

غزوات:

قبول اسلام کے بعد صرف حنین میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ حنین کی واپسی کے وقت یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ (۵)

وفات:

جبیر آنحضرت ﷺ کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے لیکن کہیں نظر نہیں آئے۔ ۵۷ھ میں مدینہ میں وفات پائی (۶) دو لڑکے محمد اور نافع یادگار چھوڑے۔

فضل وکمال:

گو جبیر کو آنحضرت ﷺ سے فیض یاب ہونے کا بہت کم موقع ملا تاہم احادیث نبوی ﷺ کی متعدبہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں۔ ان کے تلامذہ میں محمد، نافع سلیمان بن صرد اور ابن مسیب قابل ذکر ہیں۔ (۷)

علم الانساب کے بڑے حافظ تھے اور اس کو اس فن کے سب سے بڑے ماہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا اس لئے ان کا شمار قریش کے ممتاز نسابوں میں تھا۔ (۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نسب کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی تھی تو جبیر ہی سے تحقیقات کرتے تھے۔

اخلاق:

ان کے میزان اخلاق میں حلم و بردباری کا پلہ بہت بھاری ہے گو وہ قریش کی ایک مقتدر شاخ کے رکن اور رؤسائے قریش میں

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۸۸　　۲۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۹۰　　۳۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۴
۴۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۲۳۶　　۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۸۴　　۶۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۹۰
۷۔ تہذیب الکمال، ج ۴، ص ۶۱　　۸۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۷۳

تھے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر تکبر ونخوت کا نام نہ تھا اور قریش کے حلیم ترین اشخاص میں ان کا شمار تھا۔(۱)(۲)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ تراسیویں (۸۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بلانی' آخری مدنی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں' جن سے آئمہ صحاح ستہ سے روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ سند صحابی کی دوسرے صحابی سے روایت ہے۔

☆ حضرت سلیمان بن صرد اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ روایت ہے۔

☆ حضرت سلیمان سے سنن نسائی میں تین احادیث مبارکہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے نو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ' کلمہ تحدیث اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

تماروا: انہوں نے بحث کی' انہوں نے جھگڑا کیا' انہوں نے باہم تنازع کیا۔

لاغسل: میں غسل کرتا ہوں' میں نہاتا ہوں۔

فافیض: میں بہاتا ہوں۔

راسی: اپنا سر

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۱۶۵' ۲۴۴

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال دو طرح سے ہے۔

ا۔جنبی کے لئے کفایت کرنے والا پانی تین چلو ہے' جو کہ سر پر بہانا چاہئے۔

۱۔ ایضاً ۲۔ سیر الصحابہ، ج ۴، ص ۲۷۸۔۲۸۰

۲۔ غسل کرنے کے لئے تین چلو پانی کافی ہے۔

☆ تین چلو پانی میں مصر نہیں ہے بلکہ اصل غسل کرنے کے لئے جسم پر پانی بہانا ہے وہ کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے البتہ نہاتے وقت اسراف کرنا منع ہے۔

☆ پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات کرنے بھی ضروری ہیں' اسی طرح حکومتی زعماء کو عملی نمونہ بھی پیش کرنا چاہئے۔

☆ علم کے لئے مناظرہ اور بحث مستحسن امر ہے' جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں غسل کے مسئلہ پر بحث و تحیض کی۔

☆ بعض معاصر شارحین نے لکھا ہے کہ دوران غسل اگلی اور پچھلی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا' یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ غسل کے شروع میں وضو طہارت کے طور پر نہیں ہوتا' بلکہ تنظیف کے لئے ہوتا ہے' وگرنہ جب تک غسل نہ ہو' تو وضو کیسے ہوگا' اسی طرح بہت ساری احادیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ شرمگاہوں کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' کیونکہ یہ دونوں چیزیں جسم کا حصہ ہیں' اس کی مکمل تفصیل حدیث نمبر (۱۶۵) کے ضمن میں جلد ثانی میں گذر چکی ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی صحابی کا رد کرنے کی بجائے' اپنے عمل کو بیان کیا' یہ بہت اعلیٰ طریقہ تعلیم و تدریس ہے' آج تمام اساتذہ اور قائدین کو یہ فکر اپنانے کی ضرورت ہے۔

بَابُ ذِكْرِ الْعَمَلِ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْحَيْضِ

باب ۱۵۹: ماہواری کے غسل کا عمل

اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے' جس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری کے غسل کے بعد شرمگاہ پر کستوری خوشبو لگانے کا حکم فرمایا' جس سے اسلام کی نظافت وصفائی کے اہتمام کا اظہار ہوتا ہے۔ اس باب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۲۵۱۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ وَهُوَ ابْنُ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ فَأَخْبَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، ثُمَّ قَالَ :خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا . قَالَتْ :وَكَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا؟ فَاسْتَتَرَ كَذَا، ثُمَّ قَالَ :سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِي بِهَا .قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا :فَجَذَبْتُ الْمَرْأَةَ، وَقُلْتُ :تَتَبَّعِينَ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ماہواری کے نہانے کے بارے میں پوچھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غسل کرنے کا طریقہ بتلایا اور فرمایا: پھر کستوری لگے پارچہ سے نظافت حاصل کرو' اس نے عرض کیا: اس کے ساتھ صفائی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ انور چھپاتے ہوئے فرمایا: سبحان اللہ جل جلالہ! اس کے ساتھ نظافت حاصل کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور (چپکے سے) کہا: اسے خون کے نشانات پر لگاؤ۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
پھر کستوری لگے پارچہ سے نظافت حاصل کرو۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۲۵' بخاری:۳۱۴'۳۱۵'۷۳۵۷' السنن الکبریٰ:۲۴۸' صحیح مسلم:۳۳۲' الرقم المسلسل:۷۳۲' سنن نسائی:۴۲۷۔۲۵۱' مسند ابو یعلیٰ:۴۷۳۳' صحیح ابن حبان:۱۲۰۰۔۱۱۹۹' سنن بیہقی' ج۱' ص۱۸۳' شرح السنۃ:۲۵۲' مسند احمد:۲۴۹۰۷' ج۱۲' ص۳۹۳۔۳۹۲'
جامع المسانید لابن الجوزی:۷۳۷۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' جن میں سے تین راویوں کا تعارف گذر چکا ہے' باقی دو کے حالات زندگی سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمان: راجع:۴۸ ۲۔سفیان: راجع:۱۲۵

۳۔منصور بن صفیہ:

آپ کا نام منصور بن عبدالرحمان بن طلحہ بن حارث قریشی عبدری حجبی مکی (م:۱۳۷ھ/ ۱۳۸ھ) ہے' آپ ابن صفیہ کے لقب سے مشہور ہیں' آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ' ثابت تابعی راوی ہیں' آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' علامہ ابن حزم نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ آپ ﷺ کا تسامح ہے' آئمہ ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں' البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے' سنن نسائی رحمۃ اللہ میں آپ سے سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۴۔صفیہ:

آپ کا نام صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان عبدر بہ ہے' آپ صحابیہ رسول ﷺ ہیں' امام بخاری کے نزدیک آپ کا حضور نبی کریم ﷺ سے سماع ثابت ہے' البتہ امام دارقطنی کے نزدیک ان کی صحابیت ثابت نہیں ہے' سنن نسائی میں آپ سے بارہ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔عائشہ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ ا۔تقریب التہذیب' ج۲' ص۲۸۱ ‖ ۔الثقات' ج۷' ص۴۷۶
۲۔ ا۔تہذیب الکمال' ج۵' ص۲۱۲ ‖ ۔الثقات' ج۴' ص۳۸۶

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چوراسی ویں (۸۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ خماسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' البتہ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ سے امام ترمذی روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی کوفی' دوسرے کوفی مکی' تیسرے راوی اور چوتھی راویہ مکی اور آخری مدنیہ راوی ہیں۔

☆ حضرت منصور اور حضرت صفیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ بیٹے (منصور) کی ماں (صفیہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت منصور باپ کی بجائے ماں ابن صفیہ کے نسب سے مشہور ہیں۔

☆ یہ روایت صحابیہ کی صحابیہ سے روایت ہے۔

☆ یہ روایت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کی سند میں عورتیں صحابیہ راویہ ہیں۔

☆ سند میں ''عن منصور۔ وھو ابن صفیۃ'' سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف ''عن منصور'' کہا تھا' اور راوی نے ''وھو ابن صفیۃ'' کے الفاظ کا اضافہ کر کے نسب بیان خود کیا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

امراۃ: ایک عورت۔ایک صحابیہ

سالت النبی ﷺ: اس نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا سوال کیا۔

المحیض: ماہواری

خذی: تو پکڑ۔تو لے لے۔

فرصۃ: کستوری۔خوشبو۔

فتطھری: پس تو نظافت حاصل کر۔

فاستتر کذا: آپ ﷺ نے ایسے پردہ کیا۔مراد ہے ہاتھ کے ساتھ چہرہ چھپایا۔

جذبت: میں نے کھینچا۔

تتبحین: تو لگا۔ تو رکھ لے۔

اثر الدم: خون کے نشانات۔

۷۔ مسائل ونصائح:

سوال کرنے والی عورت کی تعیین' حیض کی بدبو زائل کرنے کے لئے فرج (اندام نہانی) پر غسل...... کے وقت خوشبو لگانا اور دیگر مسائل:

اس حدیث میں مذکور ہے: ایک عورت نے سوال کیا' ایک اور روایت میں ہے: وہ وہیب انصاری کی بیوی تھی' امام مسلم نے اس کا نام اسماء بنت شکل لکھا ہے' الخطیب نے کہا: اس کا نام اسماء بنت یزید ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جمہور علماء نے یہ کہا کہ اس کی فرج کے اوپر جو خون کا نشان ہے' اس کو مشک کے ٹکڑے سے صاف کرے تاکہ حیض کے خون کی بدبو زائل ہو جائے' نبی ﷺ نے اپنی طبعی حیاء کی وجہ سے ایک اجنبی عورت کے سامنے اس کو صراحت کے ساتھ نہیں بیان فرمایا' اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کو سمجھا دیا' اگر مشک کا ٹکڑا میسر نہ ہو تو کسی کپڑے کے ٹکڑے میں خوشبو لگا کر اس سے حیض کے خون کی بدبو کو زائل کیا جائے۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہونے والے دیگر مسائل یہ ہیں:

۱۔ دینی مسائل کو معلوم کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہئے اور اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو معلم سے بار بار پوچھنا چاہئے۔

۲۔ کسی خوشبودار چیز کو فرج پر لگا کر حیض کے خون کی بدبو زائل کرنی چاہئے۔

۳۔ جن چیزوں کا تعلق شرم گاہ سے ہو ان کا صراحت سے ذکر کرنے کے بجائے' کنایہ اور تعریض سے ذکر کرنا چاہئے۔

۴۔ اجنبی خواتین کے سامنے شرم گاہ کے ذکر سے احتراز کرنا چاہئے' جس طرح آپ نے اس عورت کے سامنے فرج کا ذکر نہیں کیا۔

۵۔ عورت دوسری عورتوں کو شرم گاہ کا ذکر کر کے مسئلہ سمجھا سکتی ہے' جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو سمجھایا۔

۶۔ متعلم کو اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو نرمی سے دوبارہ سہ بارہ سمجھانا چاہئے اور اس سے تنگ نہیں ہونا چاہئے اور تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہئے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے حسن اخلاق کا پتا چلتا ہے۔ (۲)

عورت خوشبو غسل کے وقت استعمال کرے یا بعد میں:

علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔ غسل حیض ونفاس میں بدن کے ہر اس حصہ میں جہاں خون لگا ہے کسی خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے' وقت استعمال میں دو قول ہیں یہ کہ غسل سے قبل خوشبو استعمال کرے یا یہ کہ غسل کے بعد استعمال کرے۔

۱۔ صحیح مسلم بشرح النواوی' ج ۲' ص ۱۳۹۲۔۱۳۹۱ ۲۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۸۱۰

۲۔ مسائل شرعیہ کے پوچھنے میں عار نہ ہونی چاہیے۔

۳۔ تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا۔

۴۔ عورت کا عالم سے سوال کرنا۔

۵۔ بڑے عالم کی موجودگی میں کم علم والے کا مسئلہ کی تشریح کرنا جب کہ عالم اس بات سے راضی ہو۔

۶۔ سائل کو نرمی سے جواب دینا۔

۷۔ سمجھنے کے لئے دوبارہ سوال پر نہ جھڑکنا۔(۱)

حدیث میں مذکور سنت مبارکہ کے احیاء کی ضرورت ہے:

حیض کا خون چونکہ بدبودار ہوتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ غسل کے علاوہ خون والی جگہ کی مزید صفائی کی جائے مثلاً: خوشبو لگائی جائے تا کہ بدبو زائل ہو جائے۔ اس سنت پر عمل غالباً متروک ہی ہو چکا ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ اس سنت کا احیا کریں۔ یقیناً جہاں اس سے صفائی حاصل ہو گی وہاں ثواب بھی ملے گا۔(۲)

۸۔ خلاصہ:

☆ حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ عورت کو غسل کرتے وقت حیض کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے خوشبو کا استعمال کرنا چاہیے۔

☆ سوال پوچھنے والی عورت کا نام امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسماء بنت شکل اور علامہ خطیب اسماء بنت یزید لکھا ہے یہ حضرت وہیب انصاری کی زوجہ تھیں۔

☆ عورتوں کو حیض ونفاس سے فراغت کے بعد غسل کرتے وقت اثرات دور کرنے کے لئے خوشبو کا استعمال کر کے سنت مطہرہ کا احیاء کرنا چاہیے۔

☆ عورت کا خوشبو کا استعمال دوران غسل بھی کر سکتی ہے اور بعد میں بھی استعمال کر سکتی ہے البتہ حدیث کے الفاظ سے غسل کے بعد خوشبو لگانے کا معلوم ہوتا ہے۔

☆ عصر حاضر میں صابن اور شیمپو کا استعمال بھی اسی حدیث مبارکہ پر عمل کی ایک صورت ہے۔

۱۔ دینی مسائل کو معلوم کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے اور اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو معلم سے بار بار پوچھنا چاہیے۔

۲۔ کسی خوشبودار چیز کو فرج پر لگا کر حیض کے خون کی بدبو زائل کرنی چاہیے۔

۳۔ جن چیزوں کا تعلق شرم گاہ سے ہو ان کا صراحت سے ذکر کرنے کے بجائے کنایہ اور تعریض سے ذکر کرنا چاہیے۔

۴۔ اجنبی خواتین کے سامنے شرم گاہ کے ذکر سے احتراز کرنا چاہیے جس طرح آپ نے اس عورت کے سامنے فرج کا ذکر نہیں کیا۔

۱۔ فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۹ ۲۔ سنن نسائی (فوائد) ج ۱ ص ۲۵۹

۵۔ عورت دوسری عورتوں کو شرم گاہ کا ذکر کر کے مسئلہ سمجھا سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو سمجھایا۔

۶۔ متعلم کو اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو نرمی سے دوبارہ سہ بارہ سمجھانا چاہئے اور اس سے تنگ نہیں ہونا چاہئے اور تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہئے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا پتا چلتا ہے۔(۱)

بَابُ تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنْ بَعْدِ الْغُسْلِ — باب ۱۶۰: غسل کے بعد وضو نہ کرنا

جب غسل شرعی کر لیا جائے تو اس سے وضو خود بخود ہو جاتا ہے اس لئے غسل کرنے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں حائضہ کے لئے غسل کے بعد خوشبو لگانے کا ذکر تھا اس باب میں غسل کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان ہے دونوں ابواب کا تعلق غسل کے بعد کی حالت کے ساتھ ہے۔

۲۵۲۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، أَنْبَأَنَا الْحَسَنُ وَهُوَ ابْنُ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۲۸، ترمذی: ۱۰۷، ابن ماجہ: ۵۷۹، احمد: ۲۴۴۴۳، سنن بیہقی، ج ۱ ص ۲۰۱، ۲۰۲، نیل المقصود: ۲۵۰، السنن الکبریٰ: ۲۴۹، تحفۃ الاشراف: ۱۶۰۱۹، ۱۶۰۲۵۔

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں جن میں سے چھ کے حالات زندگی سپرد قلم کئے جا چکے ہیں باقی پہلے تین راویوں کا تعارف لکھا جاتا ہے جبکہ حضرت شریک بن عبداللہ کی سرگزشت حیات کو دوبارہ ذرا تفصیلی بقید قلم لایا جاتا ہے۔

۱۔ احمد بن عثمان:

آپ کا نام ابوعبداللہ احمد بن عثمان بن حکیم اوری کوفی (م: ۲۶۱ھ) ہے آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں

۱۔ نعمۃ الباری ج ۱ ص ۸۱۰

'آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' شیخین' امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے چودہ (۱۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔عثمان:

آپ کا نام ابوعمرو عثمان بن حکیم بن دینار یا ابن ذبیان اوری کوفی (م:۲۱۹ھ) ہے' آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے مقبول راوی ہیں' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں' آپ سے سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں صرف دو احادیث مبارکہ مروی ہیں' ایک یہی باب الحدیث اور دوسری (۴۳۰) پر حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۳۔حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

حسن نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی۔(۳) نسب نامہ یہ ہے:

حسن بن صالح بن صالح بن مسلم بن حیان بن شُفی بن ہُنی بن رافع بن قملی بن عمرو بن ماتع بن صہلان بن زید بن ثور بن مالک بن معاویہ بن دومان بن بکیل بن جشم بن ہمدان (۴) جدامجد حیان کا لقب حی تھا' اس لئے ابن سعد اور بعض دوسرے محققین ان کا ذکر حسن بن حی کے نام سے بھی کرتے ہیں۔

وطن کی نسبت سے کوفی اور قبیلہ کی طرف سے منسوب ہو کر ہمدانی مشہور ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے' جو کوفہ آباد ہونے کے بعد وہاں آ کر بس گیا تھا۔ اس قبیلہ کی بکثرت شاخیں ہیں۔(۵)

وطن اور پیدائش: ۱۰۰ھ میں کوفہ کی مردم خیر سرزمین میں ولادت ہوئی۔

حسن بن صالح اور ان کے بھائی (علی بن صالح) دونوں اتوام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔(۶) ان دونوں کی ولادت میں صرف ایک گھنٹہ کا فصل ہوا تھا۔

یعنی علی کی ولادت حسن سے ایک گھنٹہ قبل ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے اس سے عمر میں نمایاں تفاوت واقع نہیں ہوتا۔ لیکن ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے حسن کو کبھی اپنے بھائی کا نام لیتے نہیں سنا۔ جب اس کی ضرورت پیش آتی تو فرماتے: قال ابو محمد هکذا۔(۷) (علی بن صالح کی کنیت ابومحمد تھی)۔

علم وفضل:

علمی اعتبار سے وہ باکمال اتباع تابعین میں تھے۔ انہوں نے نہ صرف حدیث وفقہ کی قندیلیں فروزاں کیں' بلکہ اخلاق وعمل کے

۱۔ i۔الجرح والتعدیل' ج۲' ص۶۳ ii۔الثقات' ج۸' ص۴۲۰

۲۔ i۔تہذیب التہذیب' ج۷' ص۱۱۱ ii۔تقریب التہذیب' ج۲' ص۱۰

۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۹۵

۴۔ طبقات ابن سعد' ج۶' ص۲۶۰

۵۔ کتاب الانساب للسمعانی' ص۵۹۱

۶۔ العبر فی خبر من غبر' ج۱' ص۲۴۹

۷۔ طبقات ابن سعد' ج۶' ص۲۶۰

چراغ بھی روشن کئے' اپنے زمانہ کے ممتاز عالم عابد اور زاہد شمار کئے جاتے تھے۔ تمام علماء اور محققین ان پر کلام کے باوجود جملہ خصوصیات اور کمالات کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ابونعیم بیان کرتے ہیں کہ:

كتبت عن ثمان مائة محدث فما رأيت افضل من حسن بن صالح (۱)

''میں نے آٹھ سو محدثین سے حدیثیں لکھی ہیں۔ لیکن حسن بن صالح سے زیادہ بلند مرتبہ میں نے کسی کو نہیں پایا''۔

علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی احد الاعلام اور الامام القدوۃ کے الفاظ سے ان کے فضل و کمال کو سراہتے ہیں۔ (۲)

اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اجتمع فيه حفظ واتقان وفقه وعبادة (۳)

''وہ حفظ واتقان اور فقہ وعبادت کا مجموعہ تھے''۔

حدیث وفقہ:

حسن بن صالح کو حدیث اور فقہ پر یکساں قدرت اور عبور حاصل تھا۔ لیکن فقہ کی خصوصی جولانگاہ تھی' اسی بناء پر فقیہ کوفہ کی حیثیت سے انہیں زیادہ شہرت اور قبول عام نصیب ہوا۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور علامہ خزرجی نے ''فقیہ کوفہ'' ہی کے الفاظ سے ان کے تذکرے کا آغاز کیا ہے۔ عجلی کا قول ہے کہ ''حسن بن صالح سفیان ثوری سے بھی بڑے فقیہ تھے''۔ (۴)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں ان کا کوئی مقام نہ تھا' بلکہ اس میں بھی انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ تمام علمائے جرح و تعدیل ان کی ثقاہت' عدالت' صداقت اور اتقان پر متفق ہیں جو کچھ بھی کلام ان کے بارے میں کیا گیا ہے' وہ ان کے بعض دوسرے خیالات سے متعلق ہے لیکن ان کی محدثانہ شان اور فقیہانہ جلالت قدر میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حسن اثبت فى حديث من شريك۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الحسن بن صالح صحيح الرواية متفقة صائن لنفسه فى الحديث والورع (۵)

''حسن بن صالح متفقہ طور پر صحیح الروایہ ہیں اور حدیث ورع میں بلند مرتبہ ہیں''۔

ابن معین کا بیان ہے:

يكتب راى مالك والاوزاعى والحسن بن صالح وهؤلاء ثقات (۶)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' اوزاعی اور حسن بن صالح کی رائے لکھی جاتی ہے اور یہ سب ثقہ ہیں۔

ابوحاتم کا قول ہے ثقہ' حافظ متقن ابن عدی کہتے ہیں:

۱۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۴۹　۲۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۷۲ ومیزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۱　۳۔ میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۱

۴۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۸　۵۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۲　۶۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۴۹

لم اجدله حديثا منكرًا وهو عندى من اهل الصدق (۱)

''میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں پائی وہ میرے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے **كان ثقة صحيح الحديث كثيره** (۲) علاوہ ازیں امام نسائی' دار قطنی' بخاری اور ابن ابی خیثمہ وغیرہ محدثین وماہرین فن نے بھی حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت وعدالت کو بصراحت تسلیم کیا ہے۔

دوالزامات اوران کے جوابات: بایں ہمہ تبحر علمی اور فضائل وکمالات حسن رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی میں بھی نقد وجراح کے غبار سے محفوظ نہیں رہی' لیکن ان کا تعلق ان کے بعض معتقدات اور خیالات سے ہے۔

پہلا الزام ان پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ علوم دینیہ سے مالا مال ہونے کا اور اپنے تمامتر مذہبی تقشف کے باوجود نماز جمعہ نہیں پڑھتے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

الحسن بن صالح مع ما سمع من العلم وفقه يترك الجمعة

''حسن بن صالح علم وفقہ کے باوجود نماز جمعہ ترک کر دیتے تھے''۔

اس کمزوری کی بناء پر خود ان کے بہت سے تلامذہ ان کو سخت ناپسند کرتے اور ان سے روایت کرنے میں محتاط رہتے تھے۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج بالسیف کے جواز کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلم حکمران اور امام اپنے ظلم وجور سے خلق خدا پر مسلط ہو جائے تو از روئے شرع اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں باقی رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عامہ مسلمین اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان کی چیرہ دستیوں کو بقوت ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم آئمہ سلف کا مسلک یہی رہا ہے' لیکن اس کے نتیجہ کے طور پر گزشتہ زمانے میں جو ہولناک خونریزیاں ہوئیں ان پر اوراق تاریخ شاہد ہیں۔ واقعہ حرہ اور ابن الاشعث کے واقعہ میں جو کچھ ہوا اس میں ارباب بصیرت کے لئے کافی سامان عبرت موجود ہے' اس وجہ سے اب جمہور آئمہ نے اس قدیم مسلک کے یکسر ترک پر اتفاق کر لیا ہے' جس کی رو سے ظالم حکمران اور امام المسلمین کی اطاعت بھی بہر حال لازمی ہے۔ اس سے روگردانی کی گنجائش نہیں۔

حضرت حسن بن صالح کے معاصر علماء نے اسی بناء پر ان کے مسلک سے شدید اختلاف کیا اور اسے ان کے معائب میں شمار کیا۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سفیان ثوری کی مجلس میں حسن بن صالح کا ذکر آیا تو انہوں نے سخت ناگواری ظاہر کی اور فرمایا:

ذلك يرى السيف على الامة يعنى الخروج على الولاة الظلمة (۳)

وہ امت (یعنی ظالم حکمرانوں) کے خلاف خروج بالسیف کے قائل تھے۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں الزامات کی بہت شد ومد کے ساتھ تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اولاً تو اس قسم کے شخصی مسلک کی بنیاد پر ایک ایسی شخصیت کے کردار کو مجروح نہیں کیا جائے گا جس کی عدالت' حفظ' اتقان اور زہد وتقویٰ مسلم ہو۔ ثانیاً ان

۱۔ میزان الاعتدال' ج ا' ص ۲۳۱ ۲۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۰ ۳۔ میزان الاعتدال' ج ا' ص ۲۳۱

کے اس مسلک میں تاویل کی بھی بڑی گنجائش موجود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کسی فاسق کے پیچھے نماز جمعہ کے قائل نہ ہوں گے اور اسی طرح وہ کسی فاسق امام المسلمین کی اورنگ نشینی کو درست تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ اگر حضرت حسن کا مسلک بھی فی الواقع وہی رہا ہو جو عام طور پر سمجھا گیا تو بھی ان کی ذات مطعون قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔ (۱)

پھر یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے' وہ یہ کہ حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد جائز ضرور تھا' تاہم ایک بھی نظیر اس کی موجود نہیں کہ انہوں نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دی ہو اور کسی مسلم حکمران کے جور وستم کے خلاف خروج کیا ہو۔ علاوہ ازیں ترک جمعہ کے الزام کی تردید خود ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس واضح بیان اور شہادت سے ہوتی ہے کہ:

قال ابن المبارك كان ابن صالح لا يشهد الجمعة و انا رايته فى الجمعة قد شهدها مع الناس (۲)

''ابن مبارک کا قول ہے کہ ابن صالح جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے' درآنحالیکہ میں نے خود انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ میں تشریف لائے''۔

اس شہادت کی روشنی میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تاویل بالکل درست معلوم نہیں ہوتی ہے۔

عبادت وریاضت:

حضرت حسن بن صالح زیور علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے' عبادت کی کثرت اور اس میں غایت درجہ خشوع و خضوع ان کے صحیفۂ کمال کے بہت نمایاں ابواب ہیں۔ چنانچہ امام وکیع علم وفضل اور ریاضت وعبادت میں انہیں شہرۂ آفاق تابعی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ (۳) ابن سعد لکھتے ہیں: کان ناسکا فقیهًا عابدًا فقيها (۴) ابن حبان کا قول ہے: تجرد للعبادة (۵)

حافظ ابن حجر' علامہ یافعی' امام ذہبی رحمہم اللہ اور ابن سعد وغیرہ محققین نے حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت عبادت کے بارے میں امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بہت ہی حیرت انگیز بیان نقل کیا ہے کہ حسن' ان کے بھائی علی اور ان کی والدہ نے پوری رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر فرد اپنے حصہ شب (یعنی ثلث) میں عبادت کرتا تھا' پھر جب ان کی والدہ کی رحلت ہوگئی تو دونوں بھائیوں نے رات کے دو حصے کر کے نصف نصف شب عبادت کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد علی بن صالح کا انتقال ہو گیا تو حسن اخیر عمر تک تمام شب عبادت کیا کرتے تھے۔ (۶)

وفات:

باختلاف روایت ۱۶۷ھ یا ۱۶۹ھ میں علم وعمل کا یہ روشن چراغ کوفہ میں گل ہو گیا۔ وفات سے سات سال قبل گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ اس وقت خلیفہ مہدی کا آفتاب حکومت اوج اقبال پر تھا اور کوفہ میں اس کا والی روح بن حاتم تھا۔ کوفہ کے جس مکان میں حسن رحمۃ اللہ علیہ نے

۱۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۸ ۲۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۱ ۳۔ مراۃ الجنان' ج ۱' ص ۳۵۳

۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۱ ۵۔ کتاب الانساب للسمعانی' ص ۵۹۱ ۶۔ تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۸

گوشہ نشینی اختیار کی تھی، اسی میں ان کے ساتھ عیسیٰ بن زید بھی کنارہ کش ہو گئے تھے۔ خلیفہ مہدی نے ان دونوں کو باہر لانے کی بہت کوشش کی، مگر نا کام رہا، حتیٰ کہ اسی حالت میں دونوں نے جام اجل نوش کیا۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ:

رایت حسن بن صالح یوم الجمعة قد شهدها مع الناس ثم اختفى يوم الاحد الى ان مات وله يومئذ اثنتان او ثلاث وستون سنة۔

''میں نے حسن بن صالح کو جمعہ کے روز دیکھا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوئے۔ پھر اس کے بعد اتوار کے دن گوشہ نشین ہو گئے اور وفات تک اسی حالت میں رہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال تھی''۔

اس بیان سے ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت ۱۰۴ھ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ۱۶۷ھ کے سنہ وفات ہونے پر خود ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ بھی متفق ہیں۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم۔ (۱)

۴۔ابواسحاق: راجع:۲۳۰ ۵۔عمرو بن علی: راجع:۴

۶۔عبدالرحمٰن: راجع:۱۱۹

۷۔حضرت شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

شریک نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

شریک بن عبداللہ بن ابی شریک حارث بن اوس بن الحارث بن الاذہل بن وہیل بن سعد بن مالک بن النخع بن جسر بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک ادر بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان (۲) یمن کے قبیلہ بنومدحج کی ایک بڑی شاخ بنوالنخع سے نسبتی تعلق رکھنے کے باعث نخعی کہلاتے تھے۔

ولادت، وطن اور خاندان:

ان کی ولادت خراسان کے مشہور مردم خیز شہر بخارا میں ۹۵ھ میں ہوئی۔ (۳) بنوالنخع طلوع اسلام کے بعد یمن سے نقل مکانی کر کے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، اس لئے قاضی شریک بھی تاحیات کوفہ ہی میں سکونت اختیار کئے رہے، یہاں تک کہ نسباً نخعی کے ساتھ، وطناً وہ کوفی ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ان کا خاندان علم وفضل کے اعتبار سے نہایت بلند وممتاز مقام رکھتا تھا۔ امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعی اسی گلستان فضل ودانش کے ایک گل سرسید تھے، قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد حارث بن اوس نے جنگ قادسیہ میں شریک ہو کر داد شجاعت پائی تھی۔ (۴)

علوئے مرتبت: قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو فضل وکمال خاندانی ورثہ میں ملا تھا، فقہ وحدیث میں ان کی مہارت مسلم تھی، علاوہ فہم ودانش، ذہانت و

۱۔ سیر الصحابہ، ج۹، ص۹۴۔۱۰۰
۲۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۶۳ وابن خلکان، ج۱، ص۴، ۲۰۴ واللباب، ج۳، ص۱۱۶
۳۔ اخبار القضاۃ، ج۳، ص۱۵۰
۴۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۶۳

فطانت سے بھی حصہ وافر پایا تھا' سلاطین وقت ان کے اکرام وتعظیم میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے تھے' علمائے حدیث کی مرویات کا ان سے بڑا واقف کار اس وقت کوئی نہ تھا۔(۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

كان عاقلا صدوقا محدثًا كان شديدًا على اهل الريب والبدع (۲)

وہ عاقل صدوق اور محدث تھے۔ اہل ریب وبدعت کے بارے میں بہت سخت تھے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے: وہ عالم فقیہ' ذی فہم' ذہین اور فطین تھے۔(۳) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں کثیر الروایت اور بلند پایہ محدث قرار دیا ہے۔(۴)

حضرت عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں:

ما رأيت' احدًا قط اورع في عمله من شريك (۵)

میں نے علم میں شریک سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

حدیث:

حدیث میں ان کی بلندی شان کا اندازہ صرف اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اسحاق الازرق رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے نو ہزار حدیثوں کا سماع حاصل کیا تھا۔

ابن مبارک کا یہ قول گذر چکا ہے کہ وہ شیوخ کوفہ کی حدیثوں کے سفیان ثوری سے بھی بڑے عالم تھے۔(۶)

فقہ:

فقہ میں بھی غیر معمولی کمال حاصل تھا' اور اسی باعث وہ طویل زمانہ تک واسط' اہواز اور کوفہ میں مسند عدل وانصاف کی زینت بنے رہے' علماء نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے کمال تفقہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

پایہ ثقاہت:

ماہرین فن کی ایک کثیر تعداد ان کی عدالت وثقاہت کی معترف ہے۔ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وكان ثقة مامونًا كثير الحديث (۷)

''وہ ثقہ' مامون اور کثیر الحدیث ہیں''۔

كوفي ثقة وكان حسن الحديث وكان اروى الناس عنه اسحاق (۸)

۱۔ میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۴۴۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن خلکان' ج ۱' ص ۴۰۲ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۱۰
۵۔ تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۳۳۵ ۶۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۷۰ ۷۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۴
۸۔ تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۳۳۵

وہ کوفی، ثقہ اور حسن الحدیث تھے۔ ان سے سب سے زیادہ روایتیں اسحاق الازرق نے کی ہیں۔
ابو حاتم اور امام نسائی نے بھی ان کی روایات کو قابل قبول قرار دیا ہے۔(۱) ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے مزید برآں ان کی ثقاہت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں لائق حجت قرار دیا، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔(۲)

شریک نے ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ سے "قدیم" سماع حاصل کیا تھا، جس کا مستند ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی وجہ سے قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ مرویات سبیعی کے بارے میں زہیر بن معاویہ، اسرائیل بن یونس اور زکریا بن ابی زائدہ سے بھی بلند تبہ ہے۔(۳) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قاضی شریک اتقان و تثبت میں حماد بن زید کے ہم پلہ تھے۔(۴)

عہدہ قضا:

فقہ و افتاء میں ان کے کمال و تبحر کے باعث مختلف سلاطین نے انہیں قضاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا، سب سے پہلے منصور نے ۱۵۳ھ میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد معزول کر دیا، اس کے بعد جب مہدی اورنگ خلافت پر رونق افروز ہوا تو اس نے قاضی شریک کو دوبارہ اس منصب پر مامور کیا۔(۵) لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حبان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ شریک ۱۵۵ھ میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے بعد کوفہ کے مسند قضاء پر رونق افروز ہوئے۔(۶) اول الذکر ہی بیان اصح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تائید دوسرے مآخذوں سے بھی ہوتی ہے۔ مورخ ابن خلکان نے اہواز کے قاضی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔(۷)
قابل ذکر بات یہ ہے کہ قاضی شریک نے اس آزمائش سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کی، جب بھی حاکم وقت نے ان کو بلا کر اس عہدہ کی پیشکش کی، انہوں نے برملا اس سے اپنے کو نااہل بتا کر معذوری ظاہر کر دی، چنانچہ منصور عباسی نے ان سے کہا: **قد ولیتك قضاء الكوفة** یعنی میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو فوراً عاجزی سے فرمایا:

یا امیر المؤمنین انی انما انظر فی الصلوة والصوم فاما القضاء فلا احسنه

"اے امیر المؤمنین! میں تو صرف نماز روزہ ہی کے امور سے واقفیت رکھتا ہوں، قضا کی ذمہ داریوں سے باحسن عہدہ برآنہ ہوسکوں گا"۔
اسی طرح جب مہدی نے انہیں یہ منصب تفویض کرنے کے لئے بلایا تو فرمایا: **لا اصلح لذالك**۔ یعنی مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں، لیکن بالآخر جب حکمرانوں نے جبر و زبردستی کی حد تک اصرار کیا تو بادل نخواستہ اس کو قبول کرنے پر تیار ہوئے۔(۸)

۱۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۷۰ و میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۴۴۵　۲۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۸۷
۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۳۳۴　۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۱۰　۵۔ الاعلام، ج ۲، ص ۲۱۱
۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۳۳۶　۷۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۰۴
۸۔ اخبار القضاۃ، ج ۳، ص ۱۴۰ و ۱۸۴، طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۶۳

عدل پروری:

قاضی شریک کی کتاب زندگی کا سب سے درخشاں باب ان کا زمانہ قضاء کا کردار وعمل ہے۔ وہ اس عظیم آزمائش سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ اس پوری مدت میں عدل پروری' انصاف پسندی اور غیر جانبداری ان کا خاص شیوہ رہا۔

حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں: کان مشکور الی حکمه و تنفیذ الاحکام (۱) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''کان عادلًا فی قضاء'' (۲) محمد بن خلف وکیع نے عدالتی فیصلے نافذ کرنے میں قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کی زیرکی و ہوشمندی کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ یہاں خود قاضی صاحب کے بیان کردہ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں: جب منصور نے مجھے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو میں وہاں گیا' والی کوفہ محمد بن سلیمان کا کاتب حماد بن موسیٰ کسی قضیہ میں ماخوذ ہو کر میرے سامنے پیش ہوا۔ میں نے دلائل وشواہد کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر کے جیل بھیج دیا' ایک دن ناگاہ مجھے خبر ملی کہ حاکم نے اسے رہا کر دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ پہلا موقع ہے' اگر اس بار بھی میں نے کمزوری کا ثبوت دیا تو پھر حالات پر قابو حاصل کرنا مشکل ہوگا۔

چنانچہ میں فوراً محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا اور نہایت درشت لب ولہجہ میں کہا کہ تمہیں تو میرے فیصلوں کے نفاذ میں ممد و معاون بننا چاہئے تھا نہ کہ مخالف' تم نے قید سے ایک مجرم کو رہا کر کے توہین عدالت کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا! اگر تم نے اسے دوبارہ قید میں نہ پہنچایا تو میں امیر المؤمنین کے سامنے تمہاری حقیقت کی پھول کھول کر رکھ دوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر حاکم مذکور نے فوراً اپنے کاتب کو قید خانہ میں واپس کر دیا۔ (۳)

ایک لائق ذکر معمول:

پورے زمانہ قضاء میں ان کا یہ مستقل معمول رہا کہ مجلس عدل منعقد کرنے سے قبل دوپہر کا کھانا تناول فرماتے' پھر اپنے موزے میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے بغور دیکھتے' اس کے بعد مقدمات کی پیشی کا حکم دیتے' ان کے بعض احباب کو تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس کاغذ میں کیا لکھا ہے' جسے روزانہ اتنی پابندی سے دیکھنے کا معمول ہے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا تو اس میں تحریر تھا:

یا شریك بن عبد اللّٰه اذكر الصراط وحدته' یا شریك بن عبد اللّٰه اذكر الموقف بین یدی اللّٰه عزوجل (۴)

''اے شریک بن عبداللہ! پل صراط اور اس کی باریکی کو یاد رکھو' اے شریک! اس دن کو یاد رکھو' جب تم خداوند قدوس کے روبرو کھڑے ہوگے''۔

یہ درحقیقت اللہ جل شانہ کے سامنے ایک حلف نامہ تھا' تاکہ عدالت کی کارروائی کے ہر ہر موڑ پر اس ذات کبریا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین دل کی گہرائی میں جاگزین رہے اور کہیں لغزش وزیادتی نہ ہونے پائے۔

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات: ان کے فضل وکمال اور علم ودانش کا اعتراف کرنے کے ساتھ بعض علماء نے ان پر جرح بھی

۱۔ البدایہ والنہایہ' ج ۱۰' ص ۱۷۱　　۲۔ میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۴۴۵　　۳۔ اخبار القضاۃ' ج ۲' ص ۱۵۱

۴۔ البدایہ والنہایہ' ج ۱۰' ص ۱۵۱

کی ہے۔ عام طور پر ان پر دو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ سوء حافظہ میں مبتلا تھے۔ جس کے نتیجہ میں روایات میں کبھی تخیط اور تدلیس واقع ہو جایا کرتی تھی' ابراہیم بن سعید کا بیان ہے کہ قاضی شریک نے چار سو حدیثوں میں غلطی کی ہے' دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کی منفرد روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ (۱)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے خلفائے راشدین و انبیائے کرام سے افضل اور خیر البشر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد الرہاوی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو خود کہتے سنا کہ:

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر (۲)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر البشر تھے' پس جو ان کا انکار کرے' وہ کافر ہے''۔

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی اعتراضات یکسر بے بنیاد ہیں' آئمہ سلف کی ایک خاصی تعداد کو اس الزام سے متہم کیا گیا ہے' جس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں اہل بیت کرام سے عقیدت و محبت کے غلو کو تشیع کی طرف رجحان سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا الزامات میں سے پہلے کے جواب یہ ہے کہ آخر عمر میں قاضی شریک کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا' اس لئے اس زمانہ کی مرویات کا پایہ اتنا بلند نہیں رہا جتنا اس سے قبل کی روایات کا تھا' لیکن یہ ضعف ان کی ساری عمر کی روایات پر اثر انداز نہ ہوگا' چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت کو بہت واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ متقدمین کا سماع بالکل بے داغ ہے' جن متاخرین نے کوفہ کا قاضی ہونے کے بعد ان سے حدیثیں روایت کی ہیں' ان میں وہم و اضطراب کا شبہ ہے' اس لئے اس زمانہ میں قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ کبر سنی کے باعث درست نہیں رہا تھا' عجلی کا بیان ہے کہ:

من سمع منه قديما فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ماولي القضاء ففي سماعه بعض الاختلاط (۳)

''جس نے ان سے قدیم سماع حاصل کیا اس کی روایت درست ہے اور جس نے ان کے قاضی ہونے کے بعد سماعت کی اس کی مرویات میں کچھ اختلاط ہے''۔

صالح جزرہ کہتے ہیں کہ:

صدوق ولما ولي القضا اضطرب حفظه (۴)

''یوں تو وہ صدوق ہیں' لیکن منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا''۔

اسی طرح ثانی الذکر الزام کی تردید تو ایک سے زائد بار خود قاضی شریک نے کر دی تھی' ایک مرتبہ کسی مفسد نے خلیفہ مہدی سے شکایت کر دی کہ شریک بن عبداللہ رافضی ہیں' مہدی نے انہیں بلا بھیجا' انہوں نے آ کر خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر جواب سے اعراض کیا' قاضی صاحب نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ نہایت خشمگین لب و لہجہ میں گویا ہوا کہ ''تم ملعون رافضی ہو''۔ قاضی صاحب نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن' حضرت حسین رضی اللہ عنہم

۱۔ میزان الاعتدال' ج ۱ ص ۴۴۵　۲۔ ایضاً　۳۔ تہذیب التہذیب' ج ۴ ص ۳۳۶　۴۔ ایضاً

سے محبت ہی کا نام رافض ہے تو میں خدا اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رافضی ہوں۔(۱) (تشیع کے الزام میں یہ جواب متعدد علماء سے مذکور ملتا ہے)

علاوہ ازیں خلفائے راشدین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل کا الزام بھی صرف ایک بہتان ہے۔قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان کے سامنے جب تفضیلت کا مسئلہ اٹھایا گیا' ہمیشہ یہی فرمایا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہی شخص افضل قرار دے سکتا ہے' جس کی عقل ماری گئی ہو' یہ دونوں شیوخ (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر امت تھے۔(۲)

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر البشر قرار دینے کی مذکورہ بالا روایت کو لے کر جن لوگوں نے انہیں اتہام کا نشانہ بنایا' ان پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے شدید ترین نقد کیا ہے۔رقمطراز ہیں:

ان شر گا لا یعتقد قطعًا ان علیا خیر من الانبیاء ما بقی الا انه اراد خیر البشر ایام خلافته (۳)

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قطعاً انبیائے کرام سے افضل نہیں سمجھتے تھے' درحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خیر البشر تھے اور بلاشبہ وہ اپنے دور خلافت کے بہترین انسان تھے۔

احترام علم:

علم وعلماء کی بے حرمتی و بے توقیری برداشت نہ کرتے تھے۔اس سلسلہ کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے' ہمدان بن الاصبہانی کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا ان کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔پھر قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔انہوں نے کوئی التفات نہ کی۔کئی بار کے بعد اس لڑکے نے شاہانہ نخوت سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت کی اولاد کی تذلیل کرتے ہیں۔فرمایا نہیں' لکن العلم ازین عند اھله من ان یضیعوا '' راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کو فوراً وہ لڑکا دوزانو بیٹھ گیا اور پھر سوال کیا۔قاضی صاحب نے فرمایا: ھکذا یطلب العلم۔(۴)

بھوک کا فائدہ:

قاضی شریک کا یہ گرانقدر مقولہ بہت مشہور ہے کہ بھوک بیماری کو چوس لیتی ہے۔(۵)

وفات:

یکم ذیقعدہ ۱۷۷ھ کو بمقام کوفہ علم وفضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہو گیا۔(۶) حضرت حسن بن حماد کہتے ہیں کہ ۱۷۷ھ میں جب قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں کوفہ میں موجود تھا۔(۷) موسیٰ بن عیسیٰ والی کوفہ نے نماز جنازہ پڑھائی' خلیفہ وقت ہارون الرشید اس وقت حیرہ میں تھا' خبر ملتے ہی بعجلت نماز جنازہ میں شرکت کے لئے کوفہ آیا' لیکن راستہ ہی سے واپس ہو گیا تھا' کیونکہ اسے تدفین سے فراغت کی اطلاع مل گئی تھی۔(۸) وفات کے وقت قاضی صاحب ۸۲ سال کے تھے۔(۹)(۱۰)

۱۔ اخبار القضاۃ' ج ۳' ص ۱۵۶　۲۔ ایضاً' ج ۳' ص ۱۶۰　۳۔ میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۴۴۵　۴۔ اخبار القضاۃ' ج ۳' ص ۱۶۱

۵۔ ایضاً　۶۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۱۶۳　۷۔ اخبار القضاۃ' ج ۳' ص ۱۶۸　۸۔ ابن خلکان' ج ۱' ص ۴۰۳

۹۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۱۰　۱۰۔ سیر الصحابہ' ج ۹' ص ۱۶۱۔۱۶۸

۸۔الاسود:　　راجع:۲۳۴　　۹۔عائشہ:　　راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعت کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت دونوں طریقے سے سداسیات ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے ایک سو بارھویں (۱۱۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اور اکثر اجل فقیہہ ہیں۔

☆ سند کے پانچویں اور چھٹے راوی بصری' باقی سارے کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ سند میں (ح) تحویل کی علامت ہے' جس سے سند کی تقویت ہوتی ہے۔

☆ سند میں 'انبأنا الحسن' وھو ابن صالح'' سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف 'انبأنا الحسن'' کہا تھا' اگلے الفاظ کا اضافہ راوی نے نسب بیان کرنے کے لئے خود کہا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' انبأنا ایک ایک دفعہ' حدثناء اور عنعنہ چار چار دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔لغات:

لا یتوضأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہ کرتے تھے۔

بعد الغسل: نہانے کے بعد۔ غسل کرنے کے بعد۔

۷۔مسائل ونصائح:

غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے:

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد علیحدہ وضو نہ کرتے تھے' بلکہ اسی سے نماز پڑھ لیتے تھے' بشرطیکہ اس دوران حدث واقع نہ ہوا ہوتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا غسل کے شروع میں کئے ہوئے وضو کی بناء پر ہوتا تھا' یا غسل کے ضمن میں ہی وضو کی بناء پر ہوتا تھا' واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم بالحال۔(۱)

غسل میں وضو مسنون ہونے پر علماء کا اتفاق اور غسل کے بعد وضو کی ضرورت نہ ہونے پر علماء کا اجماع ہے:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ غسل میں وضو واجب نہیں بلکہ مسنون ہے' صرف داؤد ظاہری سے وجوب منقول ہے' لیکن غسل کے بعد

۱۔ حاشیہ سندھی' ج۱' ص۶۰

وضو کی ضرورت نہ ہونے پر اجماع ہے بلکہ ایک روایت معجم طبرانی اوسط اور صغیر میں اس طرح مروی ہے "عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ بعد الغسل فلیس منا" مگر اس کی سند کمزور ہے (علامہ ہیثمی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۳) میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وفی اسناد الاوسط سلیمان بن أحمد کذبہ ابن معین وضعفہ غیرہ ووثقہ عبدان"۔(۱)

شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

عام حالات میں یا دوران غسل اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' اس کی دلیل حسب ذیل حدیث مبارکہ ہے:

اخبرنا ھناد' عن ملازم قال حدثنا عبد اللہ بن بدر عن قیس بن طلق بن علی' عن ابیہ قال خرجنا وفدا حتی قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا وصلینا معہ فلما قضی الصلاۃ جاء رجل کانہ بدوی فقال یا رسول اللہ ما تری فی رجل مس ذکرہ فی الصلاۃ قال وھل ھو الا مضغۃ منک او بضعۃ منک۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ہم وفد کی صورت میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی' اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی' جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو ایک دیہات کے رہنے والے صحابی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے' جو نماز میں اپنے عضو تناسل کو چھوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بھی تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔

یعنی جب شرمگاہ جسم کا حصہ ہے تو جب باقی جسم کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' اسی طرح شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔

۸۔ خلاصہ:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل کرنے کے بعد وضو کرنے کی حاجت نہیں ہے' کیونکہ غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے۔

☆ غسل کا وجوب حدث اکبر کی وجہ سے ہوتا ہے' اور وضو کا ٹوٹنا حدث اصغر کی وجہ سے مشروع ہے' اس لئے جب غسل کر لیا' تو یہ اعلیٰ ہے' اس کی وجہ سے ادنیٰ (وضو) پایا جائے گا۔

☆ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے۔

☆ دوران غسل شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو لازم نہیں آتا' کیونکہ یہ ناقض وضو میں سے نہیں ہے' (اس کی مکمل تفصیل فیوض النواھی فی شرح سنن النسائی' ج ۲' ص ۵۸۲۔۵۹۴ پر گذر چکی ہے)

۱۔ درس ترمذی' ج ۱' ص ۳۵۵

☆ امت کے لئے آسانی یہ ہے کہ شرمگاہ کے چھونے سے وضو نہ ٹوٹے۔

بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي غَيْرِ الْمَكَانِ الَّذِي يُغْتَسَلُ فِيهِ

باب ۱۶۱: مکانِ غسل سے علیحدہ ہو کر پاؤں دھونا

غسل کرنے والا اگر ایسی جگہ نہا رہا ہے' جہاں نیچے کچی زمین ہے' یا وہاں پانی جمع ہوتا ہے تو وہ غسل کرنے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جائے' اور دوسری جگہ کھڑے ہو کر پاؤں دھوئے' البتہ اگر وہاں نکاس آب کا انتظام ہے' یا پختہ جگہ ہے اور وہاں پانی جمع نہیں ہوتا' جیسا کہ آج کل عمومی طور پر اس کا انتظام ہے' تو پھر غسل کے ساتھ ہی پاؤں دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے' اس باب میں پہلی صورت کا بیان ہے۔
پچھلے باب میں غسل کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں نہانے کے بعد دوسری جگہ پر پاؤں دھونے کا بیان ہے' اس طرح دونوں ابواب میں غسل کے بعد کے مسائل کا بیان ہے۔

۲۵۳- أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا عِيسَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ قَالَتْ: "أَدْنَيْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ بِيَمِينِهِ فِي الْإِنَاءِ فَأَفْرَغَ بِهَا عَلَى فَرْجِهِ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِشِمَالِهِ، ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْأَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيدًا، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِلْءَ كَفِّهِ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى عَنْ مَقَامِهِ، فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ. قَالَتْ: ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيلِ فَرَدَّهُ"

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غسل جنابت کے واسطے پانی رکھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا' پھر دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا' اور اس سے شرمگاہ پر پانی بہایا' اور بائیں ہاتھ سے اسے دھویا' پھر بایاں ہاتھ اچھی طرح زمین پر رگڑا' پھر نماز جیسا وضو کیا' پھر دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر تین مرتبہ سر پر پانی ڈالا اور پھر سارے بدن کو دھویا' پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تولیہ پیش کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔

۱- مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے۔

۲- اطراف:

تقدم: ۴۱۶-۴۱۷' بخاری: ۲۴۹' ۲۵۷' ۲۵۹' ۲۶۵' ۲۶۶' ۲۷۴' ۲۷۶' ۲۸۱' صحیح مسلم: ۳۱۷' الرقم المسلسل: ۷۰۷' سنن

ابوداؤد: ۲۴۵' سنن ترمذی: ۱۰۳' سنن ابن ماجہ: ۴۶۷' صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۱' مصنف عبدالرزاق: ۹۹۸' مسند الحمیدی' ۳۱۶' صحیح ابن حبان: ۱۱۹۰' المعجم الکبیر: ۱۰۲۳۳' ج ۲۳' سنن دارقطنی' ج ۱' ص ۱۱۴' سنن بیہقی' ج ۱' ص ۱۷۳' معرفۃ السنن والآثار: ۱۴۳۰' شرح السنۃ: ۲۴۸' مسند احمد' ج ۴۴' ص ۳۸۲

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں' جن میں سے چھ کے حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے' حضرت کریب کا تعارف لکھا جا رہا ہے' جبکہ حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیل سے لکھے جاتے ہیں:

۱۔ علی بن حجر: راجع: ۱۳

۲۔ حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی:

نام ونسب:

عیسیٰ نام اور ابوعمرو کنیت تھی۔ (۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق' عمرو بن عبداللہ بن احمد بن ذی یحمد بن السبیع بن سبع بن صعب بن معاویہ' ابن کثیر بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔ (۲) خاندانی نسبت سے ہمدانی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر کوفی کہلاتے ہیں۔

وطن:

ان کا اصلی وطن تو کوفہ تھا اور غالباً وہیں پیدا بھی ہوئے' کچھ دنوں بعد بغداد میں بھی مجلس درس وافادہ گرم کی' لیکن پھر شام کے سرحدی علاقہ حدث۔ مقام حدیث کی تعیین کرتے ہوئے صاحب تقویم رقمطراز ہیں۔ "ھو مدینة صغیرة عامرة فیھا میاہ وزرع کثیر واشجار کثیرة وھو ثغر" میں مستقل طور پر مرابط۔ یعنی سرحدی محافظ) کی حیثیت سے اقامت گزین ہو گئے تھے (۳)۔

حضرت سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

قال عیسیٰ قد انتقل عن الکوفة الی بعض ثغور الشام فسکنھا (۴)

"عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کوفہ سے شام کے ایک سرحدی علاقہ میں منتقل ہو کر سکونت پذیر ہو گئے تھے"۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اس سلسلہ میں سب سے واضح ہے' وہ رقمطراز ہیں:

عیسیٰ بن یونس السبیعی من اھل الکوفة تحول الی الثغر منزل بالحدث وماتبھا فی خلافة ھارون (۴)

"عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے تھے' پھر سرحدی علاقہ حدث میں منتقل ہو کر مقیم ہو گئے اور وہیں ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں وفات پائی"۔

۱۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۳۰۱ ۲۔ تاریخ بغداد' ج ۱۱' ص ۱۵۲ ۳۔ التقویم' ص ۲۶۳

۴۔ کتاب الانساب للسمعانی' ص ۲۹۰ ۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۷۸

خاندان:

حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ اس خانوادہ فضل وکمال سے تعلق رکھتے تھے جس کا ہر فرد آسمان علم وفن کا اختر تاباں تھا' بلاشبہ جماعت تابعین میں ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ اس حیثیت سے بہت ہی ممتاز ہیں کہ ان کے خاندان میں آئمہ وعلماء کی پوری ایک جماعت تیار ہوکر نکلی' جن میں سے کسی نے قرآن وحدیث میں نام روشن کیا تو کوئی فقہ وفتاویٰ کی مسند ریاست پر فائز ہوا' عبادت وریاضت' تواضع و انکسار' بے نفسی وفروتنی' ان سب میں قدر مشترک تھی' ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس خانوادۂ عالیہ میں جو علماء نامور ہوئے' ان میں حضرت یونس بن ابی اسحاق' اسرائیل بن یونس' عیسیٰ بن یونس' یوسف بن یونس' اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی اور یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق قابل ذکر شامل ہیں۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ بلند پایہ اتباع تابعین میں تھے' جامعیت اور تبحر علمی میں ان کی نظیر شاید ہی ملتی ہے' حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام اوزاعی سے میری روایات کے بارے میں سوائے عیسیٰ بن یونس کے مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پروانہیں' کیونکہ میں نے موصوف کو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کسب فیض کرتے دیکھا ہے اور بلاشبہ وہ تمام باقی علمائے عرب سے افضل ہیں۔امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

ذالك رجل قد قهر العلم(۱)

''یہ شخص علم پر غالب ہے''۔

حدیث:

حدیث میں انہوں نے وقت کے کبائر محدثین اور ارباب فن سے مہارت حاصل کی تھی اور پھر خود بھی اساتذۂ عصر میں شمار ہوئے' اپنے جدامجد ابواسحاق سبیعی کے دیدار سے دیدشوق کو روشن کیا تھا' لیکن ان سے سماع کی سعادت نصیب نہ ہوسکی۔ دوسرے تابعین کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا' ان کے خصوصی اساتذۂ حدیث میں سلیمان الاعمش کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ خود حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ ہی سے مروی ہے کہ:

اربعين حديث حدثنا بها الاعمش فيها ضرب الرقاب لم يشركني فيها احد غير محمد بن اسحاق (۲)

''مجھ سے اعمش نے چالیس حدیثیں بیان کی تھیں' ان میں سے ایک ضرب الرقاب کی حدیث بھی ہے۔اس کی سماعت میں محمد بن اسحاق کے علاوہ میرا کوئی شریک نہیں ہے''۔

ان کے لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ہشام بن عروہ' عبیداللہ بن عمر' سلیمان الاعمش' امام اوزاعی' شعبہ' مالک بن انس' ابن جریج' یحییٰ بن سعید الانصاری' محمد ابن اسحاق

۱۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۵　　۲۔ تہذیب التہذیب' ج ۸' ص ۲۳۹

یونس بن ابی اسحاق، اسرائیل بن یونس، ابن عون، ولید بن کثیر، زکریا بن ابی زائدہ، ابن ابی عروبہ، معمر بن راشد رحمت اللہ علیہم۔ (۱)

تلامذہ:

اسی طرح ان کے چشمہ فیض سے اپنی تشنگی علم کو فرو کرنے والے وارفتگان علم کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے۔ جن میں ان کے والد یونس بن ابی اسحاق اور صاحبزادہ عمر بن عیسیٰ کے علاوہ اسماعیل بن عیاش، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یعقوب الدورقی، حسن بن عرفہ، ولید بن مسلم، بقیہ بن الولید، عبداللہ بن وہب، مسدد، حکم بن موسیٰ، یحییٰ بن اکثم، علی بن حجر، حسن بن عرفہ رحمت اللہ علیہم کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۲)

علاوہ ازیں حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی عمر میں ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے ہونے کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں۔

فقہ:

پورا خاندان سبیعی فقہ میں تمغہ امتیاز رکھتا تھا۔ حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس چشمہ فیض سے حصہ وافر نصیب ہوا تھا۔ حضرت سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رئیس الفقہاء سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں شریک تھے کہ اسی اثناء میں عیسیٰ بن یونس تشریف لے آئے۔ ان پر نظر پڑتے ہیں ابن عیینہ نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا: **مرحبا بالفقیه ابن الفقیه ابن الفقیه۔** (۳)

قرأت قرآن:

کلام پاک کی مختلف قرأتوں کا علم بھی گذشتہ زمانہ میں بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے حدیث وفقہ کی طرح علماء اس کی تحصیل کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور اس میں جدوجہد کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن یونس اس فن میں مہارت اور یدطولیٰ رکھتے تھے۔ جعفر بن یحییٰ البرمکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

ما راینا فی القراء مثل عیسٰی بن یونس (۴)

''ہم نے قراء میں عیسیٰ بن یونس کی نظیر نہیں دیکھی''۔

نحو:

عنفوان شباب میں علم نحو کی طرف ان کا خصوصی رجحان تھا اور اس میں انہیں جلد ہی اس حد تک قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ اپنے معاصرین پر تفوق کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اپنی نفس کشی کے لئے انہوں نے نحو کی طرف اپنی توجہ کو بالکل ہٹا لیا، احمد بن داؤد کی روایت سے خود عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

لم یکن فی اسنانی ابصر بالحو منی قد خلتنی منه نخوة فترکته (۵)

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۲، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹

۲۔ کتاب الانساب للسمعانی ص ۲۹۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۵، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹

۳۔ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۴ ۔ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵ ۔ ۵۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۱

''میرے ہم عصروں میں نحو کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا' اس سے مجھ میں غرور پیدا ہو گیا' چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا''۔

حج وجہاد:

کم وبیش ۹۰ برس کی طویل عمر میں انہوں نے مختلف مقامات پر علم وفن کے چشمے جاری کیے تھے' لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ حج اور جہاد میں گزرا تھا۔

بعض بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سال حج کرنے اور ایک سال جہاد فی سبیل اللہ میں رہنے کا معمول بنالیا تھا اور آخر عمر تک اس پر عامل رہے' ان کے شاگرد رشید احمد بن خباب راوی ہیں کہ:

غزا عیسٰی بن یونس خمسًا واربعین غزوۃً وحج خمسا واربعین حاجۃ (۱)

''عیسیٰ بن یونس نے ۴۵ حج اور ۴۵ جہاد میں شرکت کی''۔

استغناء:

آئمہ اسلام کے عام شعار کے مطابق عیسیٰ بن یونس بھی استغناء وبے نیازی کا پیکر مجسم تھے۔ بالخصوص وہ حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم وتدریس پر کوئی معاوضہ قطعی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اسی مثالی اور معیاری شعار نے بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں محیر العقول علمی وفنی کارنامے انجام دلائے۔

حب جاہ اور حرص وزر کی زیادتی علم کی افادیت کو ختم کر دیتی ہے' جس کی نظیر عصر حاضر میں عامۃ الورود ہے' لیکن علمائے سلف کے نزدیک اس کا تصور بھی محال تھا۔ حضرت ابن یونس بھی اس کی اعلیٰ مثال تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے ایام خلافت میں امین اور مامون امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث سنانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے متعدد روایتیں بیان کیں' پھر اس کے بعد مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا' لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ مامون نے خیال کیا وہ اس قسم کو کم سمجھ کر قبول نہیں کر رہے ہیں' چنانچہ اس نے پھر بیس ہزار درہم پیش کئے' مگر اس پر بھی ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی شان استغناء کے ساتھ جواب دیا:

لا ولا اھلیلجۃ ولا شربۃ ما علی حدیث رسول اللہ ﷺ ولو ملئت لی ھذا المسجد الی السقف (۲)

''نہ' حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر نہ تو میں ایک درہم ہی قبول کروں گا اور نہ ایک گھونٹ پانی' خواہ میرے لئے یہ مسجد زمین سے چھت تک بھر کیوں نہ دی جائے''۔

اسی طرح ایک دفعہ انہیں اہل رقہ نے درس دینے کے لئے بلایا۔ جب وہ اس سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو ایک لاکھ کی خطیر رقم ان کی خدمت میں بار بار پیش کی۔ مگر وہ کسی طرح اسے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے اور ہر مرتبہ فرماتے: لا حاجۃ لی فیھلب اصرار حد سے فزوں تر ہوا تو بہت درشتی کے ساتھ نہایت فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

۱۔ تہذیب الاسماء واللغات' ج ۲' ص ۴۸ ۲۔ تاریخ بغداد' ج ۱۱' ص ۱۵۴' تہذیب الاسماء' ج ۲' ص ۴۸

لا واللہ لا یتحدث اهل العلم افی اکلت للسنة ثمناً الا کان هذا قیل ان یتوسلونی الی۔ فاما علی الحدیث فلا واللہ ولا سربة ماء ولا اهلیجة(۱)

نہیں، بخدا اہل علم یہ نہ کہیں کہ میں نے حدیث کی قیمت وصول کی ہے۔ ہاں اس صورت میں اسے قبول کر لینا جب تم مجھے بلا نہ بھیجتے، بخدا حدیث پر نہ تو میں ایک گھونٹ پانی قبول کرنے کو تیار ہوں اور نہ ایک ہڑ لینے کو۔

تثبیت وعدالت اوراعتراف علماء:

ان کی ثقاہت وعدالت، علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا اعتراف نہ صرف ان کے فضلائے وقت تلامذہ نے بلکہ ان کے معاصرین اور ہم پلہ آئمہ نے بھی نہایت فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اجمع الائمة علی جلالته وثوثیقه وارتفاع مرتبته(۲)

''ان کی جلالت شان، علو مرتبت اور ثقاہت پر آئمہ کا اجماع ہے''۔

اس حیثیت سے بلا شبہ حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ منفرد اور عدیم النظیر تھے کہ ان پر کسی بھی اہل علم اور ناقد فن کو کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

بخ بخ ثقة مامون (۳)

حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

جماعة من الاولاد اثبت عندنا من ابائهم منهم عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی (۴)

''ہمارے نزدیک آئمہ کی اولاد کی ایک جماعت اپنے آباء سے زیادہ تثبت رکھتی ہے۔ انہی میں عیسیٰ بن یونس بھی ہیں''۔

حضرت ابن عمار کہتے ہیں کہ فرزندان یونس یعنی اسرائیل، عیسیٰ اور یوسف میں عیسیٰ کا مرتبہ ثقاہت سب سے بلند و برتر ہے۔ عجلی کا قول ہے:

عیسیٰ بن یونس کوفی ثقة وکان تثبتا فی الحدیث

''عیسیٰ بن یونس کوفی ثقہ ہیں اور حدیث میں تثبت رکھتے ہیں''۔

علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

کان مامونا ثقة صدوقا(۵) ۵۔ کتاب الانساب ص ۹۲

حضرت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ خامہ ریز ہیں کہ:

کان ثقة ثبتاً(۶)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۶، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹　۲۔ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۴۸　۳۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۰
۴۔ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۴　۵۔ کتاب الانساب ص ۹۲　۶۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۹

وفات:

ان کی وفات کے متعلق بہت متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۸۱ھ سے ۱۹۱ھ تک کے مختلف اقوال ہیں، لیکن علامہ یافعی اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ صحیح ترین قول کے مطابق وسط رمضان ۱۸۸ھ میں بمقام حدث، یہ آفتاب علم غروب ہوا۔(۱)

(سیر الصحابۃ، ج۹، ص ۲۲۹۔۲۳۴)

۳۔ الاعمش:　راجع:۱۸　　۴۔ سالم:　راجع:۷۷

۵۔ کریب:

آپ کا نام کریب بن ابی مسلم ہاشمی مدنی (م:۹۸ھ) ہے، آپ ابورشدین سے تعلق ولاء رکھتے تھے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چھبیس (۲۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۶۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ:　راجع:۱۳۲　　۷۔ میمونۃ:　راجع:۲۳۶

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ پینتالیسویں (۴۵) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی، اگلے تین کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ یہ بھانجے (ابن عباس رضی اللہ عنہ) خالہ (میمونہ) سے روایت ہے۔
☆ یہ صحابی کی صحابیہ سے روایت ہے۔
☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فقہاء عبادلہ اور مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (اعمش، سالم، کریب) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت کلمہ تحدیث ایک دفعہ، کلمہ اخبار دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مرآۃ الجنان، ج ۱، ص ۴۲۰، العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۳۰۱

۲۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۹۳　　ii۔ تاریخ الدارمی، ص ۹۹۴

۶۔لغات:

ادینت الرسول اللہ ﷺ:		میں نے آقا کریم ﷺ کے لئے رکھا۔	
الجنابة:		ناپاکی۔ جنابت۔	
فغسل کفیه:		آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔	
مرتین او ثلاثا:	دودفعہ یا تین مرتبہ۔	ادخل:	آپ ﷺ نے داخل کیا۔
یمین:	دایاں	الاناء:	برتن
اضرغ:	آپ ﷺ نے بہایا۔	فرج:	شرمگاہ۔
شمال:	بایاں	ضرب:	آپ ﷺ نے مارا۔
دلك:	آپ ﷺ نے ملا۔	دلکا شدیدا:	اچھی طرح ملنا۔
ثلاث حشیات:	تین چلو۔	مل کف:	ہاتھ بھر۔ ہتھیلی بھر
تنحی:	آپ ﷺ علیحدہ ہوگئے۔ ہٹ گئے۔		
رجلی:	دونوں پاؤں	اتیت:	میں حاضر ہوئی۔
مندیل:	تولیہ۔ کپڑا۔	ردہ:	آپ ﷺ نے لوٹا دیا۔ واپس کر دیا۔

۷۔مسائل ونصائح:

غسل سے پہلے وضو کا سنت ہونا اور پیروں کو ابتداء میں دھونے اور غسل کے بعد دھونے کی احادیث میں تطبیق:

☆ اس حدیث کے شروع میں ''کان'' ہے جو دوام اور لزوم پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ ہمیشہ جب غسل جنابت کرتے تو پہلے وضو کرتے تھے الا یہ کہ اگر جسم کے کسی حصہ پر ایسی چیز لگتی ہو جس کا دھونا واجب ہو تو پہلے اس کو دھوتے تھے پھر اس کے بعد وضو کرتے تھے اور یہ کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔ غسل سے پہلے وضو کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ دونوں جمع ہو جائیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ اس طرح وضو کرتے تھے جس طرح نماز سے پہلے وضو کرتے تھے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ پیر بھی دھوتے تھے اور بعض اوقات آپ پیر غسل کے بعد دھوتے تھے جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اگر غسل کرنے کی جگہ صاف ہو اور غسل کا پانی گزرنے کے لئے نالی ہو یا پانی وافر مقدار میں ہو تو آپ وضو کے ساتھ پیروں کو دھو لیتے تھے اور اگر غسل کی جگہ صاف نہ ہو یا غسل کا پانی نکلنے کے لئے کوئی نالی نہ ہو یا پانی کی مقدار کم ہو تو آپ پیروں کا دھونا موخر کر دیتے اور غسل کے بعد پیروں کو دھوتے تھے۔

☆ اس حدیث میں مذکور ہے: آپ بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے تھے ہمارے نزدیک یہ سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک

واجب ہے۔

☆ اس حدیث میں تمام جسم پر پانی بہانے کا ذکر ہے' ملنے کا ذکر نہیں ہے' ہمارے اور باقی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جسم کو ملنا مستحب ہے' علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ لازم ہے' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

☆ اس حدیث میں تین چلو پانی جسم پر بہانے کا ذکر ہے اور یہ بالاتفاق مستحب ہے۔(۱)

حدیث مذکور سے ثابت شدہ دیگر مسائل:

۱۔ مٹی پر ہاتھ رگڑنا بدبو اور لیس کو ختم کرتا ہے اور آلودگی کے وسوسے کو بھی دور کر دیتا ہے' لہٰذا استنجے کے بعد یہ مستحب ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں فرش کچے ہوتے تھے' لہٰذا غسل کا پانی پاؤں میں جمع ہو جاتا تھا۔ اسی جگہ پاؤں دھونے میں کوئی فائدہ نہ تھا' لہٰذا آپ ﷺ ایک طرف ہٹ کر پاؤں دھوتے تھے' البتہ اگر پانی جمع نہ ہوتا ہو تو اسی جگہ پاؤں دھوئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ غسل یا وضو کے بعد رومال استعمال کیا جاسکتا ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا رومال بمعنی تولیہ پیش کرنا' اس کے جواز کی دلیل ہے کہ آپ کے گھر میں رومال تھا۔ باقی رہا آپ کا واپس کرنا تو وہ کسی اور وجہ سے ہوگا' مثلاً: آپ چاہتے ہوں گے کہ پانی کچھ دیر جسم پر رہے تاکہ ٹھنڈک محسوس ہو وغیرہ۔

۴۔ رومال بمعنی تولیہ پانی کے ساتھ ساتھ میل کچیل کو بھی اچھی طرح صاف کر دیتا ہے اور یہی غسل سے مطلوب ہے' نیز غسل کے بعد پانی کا جسم پر رہنا شرعاً مطلوب نہیں اور یہ رہ بھی نہیں سکتا' ہوا یا کپڑوں سے جلد یا بدیر خشک ہو ہی جائے گا۔

۵۔ جو شخص ٹب وغیرہ سے چلو بھر کر پانی لینا چاہے' اسے چاہئے کہ اپنی ہتھیلیاں پہلے دھولے تاکہ پانی آلودہ نہ ہو۔

۶۔ شرمگاہ دھونے کے لئے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالنا چاہئے۔(۲)

حضور نبی کریم ﷺ کا تولیہ استعمال نہ کرنا عاجزی کی بناء پر تھا:

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ نے تولیہ جو استعمال نہیں کیا' اس کی وجہ عاجزی وانکساری کا اظہار ہے۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل کرتے وقت پاؤں کی اس جگہ سے ہٹ کر دھونا مستحب ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں پاؤں علیحدہ ہو کر دھونے کا بیان ہے' جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث نمبر (۲۴۷) میں پاؤں علیحدہ ہو کر دھونے کا بیان نہیں ہے' جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پاؤں بھی ساتھ ہی دھوئے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث مبارکہ میں فقہاء نے یہ تطبیق فرمائی ہے کہ اگر نہانے کی

۱۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۷۲۸۔۷۲۹　۲۔ سنن نسائی (دارالسلام)' ج ۱' ص ۲۶۰۔۲۶۱　۳۔ عمدۃ القاری' ج ۳' ص ۲۸۹

جگہ ایسی ہو جہاں پانی جمع ہوتا ہے یا وہ کچی جگہ ہے تو غسل کرتے وقت پاؤں آخر میں اس جگہ سے علیحدہ ہو کر دھوئے اگر ایسا نہیں کہ وہاں پانی جمع نہیں ہوتا یا وہ پختہ جگہ ہے تو پاؤں بھی وہیں پر ساتھ ہی دھو لے۔

☆ عصر حاضر میں گھروں ہوٹلوں کارخانوں فیکٹریوں اداروں یا دیگر جگہوں پر جو غسل خانے تعمیر شدہ ہیں وہاں پر پاؤں ساتھ ہی دھو لینا چاہئے۔

☆ دیہاتوں کچے مکانوں نالوں یا دیگر ایسے مقامات جہاں پانی نیچے جمع ہوتا ہو وہاں پاؤں بعد میں دھونے چاہیں۔

☆ غسل اور وضو کرنے کیلئے دوسرے سے مدد لینا جائز ہے۔

☆ عورتوں کا اپنے شوہر کی خدمت کرنا مستحسن امر ہے۔

☆ شرمگاہ کو بائیں ہاتھ سے دھونا چاہیئے۔

☆ اگر جنبی ہو تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوئے۔

☆ غسل کرتے وقت پہلے جسم پر لگی ناپاکی کو دور کرنا چاہیئے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کا تولیہ استعمال نہ کرنا عاجزی وانکساری کی بناء پر تھا یا اس لئے کہ اس کی عادت نہ پڑ جائے یا گرمی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے یا جلدی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

بَابُ تَرْكِ الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْغُسْلِ

باب ۱۶۲: نہانے کے بعد تولیہ استعمال نہ کرنا

وضو اور غسل کے بعد اعضاء و بدن سے پانی پونچھنے کے لئے کپڑا یا تولیہ وغیرہ استعمال کرنا چاہئے یا کہ نہیں اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مختلف آراء منقول ہیں البتہ جمہور کے نزدیک اعضاء و بدن سے پانی پونچھنا مستحب ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رومال وغیرہ استعمال نہ کرنا چاہئے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے پچھلے باب میں غسل کے بعد علیحدہ جگہ پر کھڑے ہو کر پاؤں دھونے کا بیان تھا اور اس باب میں نہانے کے بعد تولیہ استعمال نہ کرنے کا بیان ہے۔

۲۵۴۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ فَأُتِيَ بِمِنْدِيلٍ، فَلَمْ يَمَسَّهُ وَجَعَلَ يَقُولُ بِالْمَاءِ: هَكَذَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے غسل فرمایا اور آپ ﷺ کی خدمت میں تولیہ پیش کیا گیا لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول نہ فرمایا بلکہ اس طرح پانی جھاڑا (مراد ہے خود اپنے ہاتھوں کے ساتھ پانی کو جھاڑا)

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ ﷺ نے تولیہ قبول نہ فرمایا۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۰۶،۲۴۲،مسلم:۲۴۷،السنن الکبریٰ:۲۵۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں،جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے،حضرت محمد بن یحییٰ کے حالات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن یحییٰ بن ایوب بن ابراہیم:

آپ کا نام ابویحییٰ محمد بن یحییٰ بن ایوب بن ابراہیم ثقفی مروزی قصری ہے،آپ معلم کے لقب سے مشہور تھے،آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ،حافظ راوی ہیں،آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں،امام ترمذی اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔عبداللہ بن ادریس:　راجع:۱۰۲　　۳۔الاعمش:　راجع:۱۸
۴۔سالم:　راجع:۷۷　　۵۔کریب:　راجع:۲۵۳
۶۔ابن عباس رضی اللہ عنہ:　راجع:۱۳۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،البتہ اس روایت میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو تیرہویں (۱۱۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی،اگلے تین کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔
☆ حضرت محمد بن یحییٰ سے امام نسائی اور امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔باقی تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا،حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔المعجم المشتمل،ص۹۹۲　　ii۔تقریب التہذیب،ج۲،ص۲۲۵

۶۔لغات:

اغتسل: آپ ﷺ نہائے۔آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔

اُتی: لایا گیا۔خدمت میں پیش کیا گیا۔

مندیل: تولیہ۔کپڑے کا ٹکڑا۔رومال، بدن پونچھنے کا کپڑا۔

لم یمسه: آپ ﷺ نے چھوا نہیں۔مراد ہے آپ ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔

جعل یقول: آپ ﷺ نے پونچھنا شروع کیا۔یہاں بقول فعل کے معنٰی میں ہے۔

الماء: پانی

هكذا: اس طرح (راوی نے اشارہ کر کے بتلایا)

۷۔مسائل ونصائح:

وضو اور غسل کے بعد بدن سے پانی پونچھنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

علامہ ابوزکریا محی الدین یحیٰی بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو کے پانی کو پونچھنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین مذاہب ہیں:

۱۔مذہب اول: وضو اور غسل دونوں کے پانی کو پونچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

۲۔مذہب دوم: وضو اور غسل دونوں کے بعد بدن سے پانی پونچھنا مکروہ ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسیل رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف ہے

۳۔مذہب ثالث: وضو میں پونچھنا مکروہ ہے، اور غسل کے بعد مکروہ نہیں ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عباس کا مذہب ہے۔(۱)

وضو اور غسل کے بعد تولیہ استعمال کرنے میں علماء کے پانچ اقوال:

علامہ ابوزکریا محی الدین یحیٰی بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس بارے میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے، اس لئے ان سے پانچ اقوال مروی ہیں:

۱۔پہلا قول: تولیہ استعمال نہ کرنا مستحب ہے، البتہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

۲۔دوسرا قول: غسل اور وضو میں بدن سے پانی پونچھنا مکروہ ہے۔

۳۔تیسرا قول: یہ مباح ہے، اس لئے تولیہ استعمال کرنا، یا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔یہی ہمارے نزدیک بھی پسندیدہ ہے، کیونکہ منع

۱۔　شرح مسلم نووی، ص ۳۰۳

اور استحباب کے لئے دلیل ظاہری کا ہونا ضروری ہے۔

۴۔ **چوتھا قول:** تولیہ کا استعمال مستحب ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے بدن سے میل کچیل دور ہوتی ہے۔

۵۔ **پانچواں قول:** یہ گرمی میں مکروہ ہے، اور سردی میں جائز ہے۔ (۱)

بدن سے پانی پونچھنے اور تولیہ کے استعمال کے جواز کی دلیل:

اس حدیث مبارکہ سے تولیہ استعمال نہ کرنے کا بیان ہے، اسی طرح ایک اور صحیح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضور نبی کریم ﷺ نے غسل فرما کر باہر نکلے، تو آپ ﷺ کے سر انور سے پانی کے قطرے بہہ رہے تھے۔

اسی طرح بہت ساری احادیث میں آپ ﷺ کا بدن سے پانی پونچھنے کا بھی ذکر ہے، جن کو صحابہ رضوان اللہ علیھم کی ایک پوری جماعت نے روایت کیا ہے، اگر چہ ان کی اسانید ضعیف ہیں، جس طرح کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے: وضو اور غسل کے بعد بدن پونچھنے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، جبکہ بعض علماء نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ (**جعل يقول بالماء هكـه**) اسے بدن سے پانی پونچھنے کو مباح قرار دیا ہے، یعنی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے پانی جھاڑا، جب پانی جھاڑنا ثابت ہے، تو پونچھنا بھی اسی کی مثل ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ پانی کے اثرات ختم کرنے کے لئے جھاڑا بھی جائے اور پونچھا بھی جائے۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور نبی کریم ﷺ کا وضو کے بعد چہرۂ انور کو کپڑے کے ساتھ پونچھنا:

امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا، اور اپنے اونی جبہ مبارک کے پلو کو الٹا کر، اس سے چہرۂ انور کو پونچھا۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ غسل کرنے کے بعد کسی کپڑے، رومال یا تولیہ کے ساتھ بدن سے پانی پونچھنا نہیں چاہئے۔

☆ حضور اکرم ﷺ نے غسل اور وضو کے بعد بدن سے پانی پونچھنے کے لئے بعض دفعہ رومال یا تولیہ وغیرہ کا استعمال کیا ہے، اور بعض دفعہ ترک فرمایا ہے۔

☆ آپ ﷺ نے بدن سے پانی کو ہاتھوں سے بھی جھاڑا ہے۔

☆ غسل اور وضو کے بعد رومال یا تولیہ سے پانی صاف کرنا مباح ہے۔

☆ اگر پانی کے قطرات مسجد میں گرنے کا اندیشہ ہو تو پھر کپڑا یا تولیہ، رومال کے ساتھ پانی پونچھنا مستحب ہے۔

۱۔ شرح مسلم نووی، ص ۳۰۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن ماجہ: ۴۶۸، ۳۵۶۴

☆ زیادہ بہتر یہ ہے کہ کبھی غسل اور وضو کے بعد تولیہ وغیرہ استعمال کرلیا جائے، اور کبھی نہ کیا جائے۔

بَابُ وُضُوءِ الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ باب ۱۶۳: جنبی شخص کا کھانے کے لئے وضو کرنا

اگر غسل فرض ہو، اور کھانے پینے کی حاجت ہو، اور غسل کرنے کا وقت نہ ہو، تو ایسی صورت میں وضو کرلینا مستحب ہے، اس فعل سے کسی حد تک صفائی اور نظافت حاصل ہوتی ہے، اور دل مطمئن ہو جاتا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہی تھا، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نہانے کے بعد تولیہ استعمال نہ کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں غسل سے پہلے کھانا کھانے اور وضو کرنے کا بیان ہے، اس طرح پچھلے باب میں نہانے کے بعد کی حالت کا بیان تھا، اور اس باب میں نہانے سے پہلے کی حالت کا بیان ہے۔

۲۵۵۔ أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنْ شُعْبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ " :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَقَالَ عَمْرٌو :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ "زَادَ عَمْرٌو فِي حَدِيثِهِ :وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے، تو وضو فرما لیتے تھے، حضرت عمرو رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جیسا وضو کرتے تھے۔

امام نسائی کی وضاحت:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ دو اساتذہ سے سماعت فرمائی ہے، دونوں شیوخ کے الفاظ میں جو فرق ہے، آپ نے وہ بھی بیان کر دیا ہے، کہ شروع حدیث کے الفاظ حضرت حمید بن مسعدہ کے ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ہیں، اور حضرت عمرو بن علی کے ''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ہیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، مسلم: ۳۰۵، ابو داؤد: ۲۲۴، ابن ماجہ: ۵۸۴، ۵۹۳، احمد: ۲۴۶۶۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۷۳، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۲۰۰، السنن الکبریٰ: ۲۵۲، ۲۵۳، تحفۃ الاشراف: ۱۵۹۲۶، شرح معانی الآثار: ۷۳۸

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، ان سب کے حالات کا تفصیلی تذکرہ ہو چکا ہے، البتہ حضرت حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف دوبارہ لکھا جا رہا ہے:

۱۔حمید بن مسعدۃ:	راجع:۵	۲۔سفیان بن حبیب:	راجع:۸۳
۳۔شعبۃ:	راجع:۱۱۰	۴۔عمرو بن علی:	راجع:۴
۵۔یحیٰ:	راجع:۱۳۳	۶۔عبدالرحمٰن:	راجع:۱۱۹

۷۔الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

حکم نام ابوعبداللہ کنیت، کندہ کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

کان الحکم بن عتیبة ثقة فقیها عالما رفیعا کثیر الحدیث (۱) اکابر علماء ان کے کمالات کے معترف تھے۔ابن عیینہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں حکم کا مثل نہ تھا، اس عہد کے تمام علماء ان کی دولت علم کے ساتھ دامن احتیاط پھیلاتے تھے، مجاہدین رومی کہتے تھے کہ مجھ کو حکم کے حقیقی کمال کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا تھا، جب بڑے بڑے علماء مسجد منیٰ میں جمع ہو جاتے تھے، اور وہ سب ان کی دولت علم کے دست نگر معلوم ہوتے تھے۔(۲)

حدیث:

کوفہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، حافظ ذہبی انہیں حافظ اور شیخ کوفہ (۳) اور علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔(۴)

حدیث میں انہوں نے صحابہ میں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ زید بن ارقم، عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں قاضی شریح، قیس ابن حازم، موسیٰ بن طلحہ، زید بن شریک تیمی، عبداللہ ابن شداد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاؤس، قاسم بن مخیمرہ، مصعب بن سعد، محمد بن کعب قرظی اور ابن ابی لیلیٰ رحمت اللہ علیہم وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں اعمش، منصور، ابواسحاق سبیعی، ابواسحاق شیبانی، قتادہ، ابان ابن صالح، حجاج بن دینار، اوزاعی، مسعر، شعبہ، ابوعوانہ جیسے علماء تھے۔(۵)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۱۶، ص۲۳۱　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۰۴　۳۔ ایضاً، ج۱، ص۱۰۴

۴۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص۲۳۱　۵۔ تہذیب التہذیب، ج۲، ص۲۳۳

فقہ:

ابراہیم نخعی آئمہ فقہ میں سے تھے' حکم ان کے خاص اصحاب میں تھے۔(۱) ان کے فیض صحبت نے ان کو کوفہ کا بہت بڑا فقیہ بنا دیا تھا' عبدہ بن ابی لبانہ کہتے تھے کہ میں نے دونوں کناروں کے درمیان حکم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا' لیث بن سلیم کہتے تھے کہ حکم امام شعبی سے بھی بڑے فقیہ تھے۔(۲)

شعبی کی جانشینی:

حضرت شعبی کے بعد کوفہ کی مسند علم انہی کے حصہ میں آئی' اسرائیل بیان کرتے ہیں کہ حکم کو میں نے سب سے پہلے شعبی کی موت کے دن جانا' ان کی موت کے بعد ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا' لوگوں نے اس سے کہا حکم بن عتیبہ کے پاس جاؤ۔(۳)

عبادت وریاضت:

اس علم کے ساتھ وہ بڑے عبادت گذار بھی تھے' عباس مروزی کا بیان ہے کہ وہ صاحب عبادت وفضل تھے' پابندی سنت میں خاص اہتمام تھا۔(۴)

عظمت واحترام:

ان کے علمی واخلاقی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت تھی۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آتے تھے تو لوگ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ساریہ خالی کر دیتے تھے' اس میں وہ نماز پڑھتے۔(۵)

وفات: ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔(۶)(۷)

۸۔ابراہیم:	راجع:۱۱۸	۹۔الاسود:	راجع:۲۳۴
۱۰۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲		

۴۔حکمِ روایت:

☆ یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ چھیالیسویں (۴۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے چھ راوی بصری، اگلے تین کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ مدنیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (حکم ابراہیم، اسود) راوی ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے، جو سند کی تقویت کا باعث ہے، بعض کے نزدیک یہ صنعت کی علامت ہے۔

۱۔ تہذیب التہذیب' ج۲' ص۴۳۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۰۴ ۳۔ طبقات ابن سعد' ج۶' ص۲۳۱ ۴۔ تہذیب التہذیب' ج۲' ص۴۳۳

۵۔ تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص۱۰۴ ۶۔ طبقات ابن سعد' ج۶' ص۲۳۱ ۷۔ سیر الصحابۃ' ج۷' ص۹۱۔۹۲

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا دو دفعہ، حدثنا ایک دفعہ اور عنعنہ سات دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا اراد : جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ فرماتے۔

ان یاکل : کھانا۔

ینام : سونا۔

جنب : ناپاکی کی حالت۔

توضأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے۔

وضاحت: مسائل ونصائح اور خلاصہ حدیث نمبر (۲۶۰) کے ضمن میں آرہے ہیں۔

بَابُ اقْتِصَارِ الْجُنُبِ عَلَى غَسْلِ يَدَيْهِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ

باب ۱۶۴: جنبی کا کھانے کے لئے صرف ہاتھ دھونا

احادیث مبارکہ میں جنبی کے لئے کھانے سے پہلے وضو کرنے اور صرف ہاتھ دھونے دونوں کا ذکر آیا۔ اسی بناء پر وضو والی احادیث سے وجوب کے لئے یہ صرف ہاتھ دھونے والی احادیث ناسخ ہیں، اس لئے کھانے کے لئے صرف ہاتھ دھولینا بھی کفایت کرنے والا ہے، البتہ وضو کرنا مستحب ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں جنبی کے لئے کھانے کے وقت وضو کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں صرف ہاتھ دھونے پر اکتفا کرنے کا بیان ہے۔

۲۵۶۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ غَسَلَ يَدَيْهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے، تو وضو فرماتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے کا ارادہ ہوتا، تو صرف ہاتھ دھولیتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے کا ارادہ ہوتا، تو صرف ہاتھ دھولیتے۔

۲۔اطراف:

تقدیم:۲۵۷‘۲۵۸‘ مسلم:۷۰۰‘۷۰۱‘ ابوداؤد:۲۲۲۔۲۲۳‘ ابن ماجہ:۵۹۳‘ احمد:۲۴۱۳۸‘ السنن الکبریٰ:۲۵۴‘ تحفۃ الاشراف:۱۷۷۶۹

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں‘ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔محمد بن عبید بن محمد:	راجع:۲۲۶	۲۔عبداللہ بن مبارک:	راجع:۲۲۹
۳۔یونس بن یزید:	راجع:۹	۴۔الزہری:	راجع:۱۱۶
۵۔ابوسلمۃ:	راجع:۱۶۱	۶۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ شواہد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چودھویں (۱۱۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں‘ البتہ یونس بن یزید متکلم فیہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی کوفی‘ دوسرے مروزی‘ تیسرے ایلی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن مبارک‘ علامہ ابن شہاب زہری‘ حضرت ابوسلمہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آئمہ حدیث وفقہ ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا‘ حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا ارادان نیام: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا ارادہ فرماتے۔

اذا ارادان یاکل: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کا ارادہ فرماتے۔

غسل یدیہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ دھوتے۔

وضاحت: مسائل ونصائح اور خلاصہ حدیث نمبر (۲۶۰) کے ضمن میں آئیں گے۔

بَابُ اقْتِصَارِ الْجُنُبِ عَلَى غَسْلِ يَدَيْهِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ

باب ۱۶۵: جنبی کا کھانے اور پینے کے لئے صرف ہاتھ دھونا

اگرچہ پچھلے باب میں کھانے کے ضمن میں پینے کا مفہوم بھی واضح ہوتا ہے' کیونکہ مشروب کھانے کی فرع ہے' جب اصل کھانے کا حکم معلوم ہو جائے' تو فرع پینے کا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے' کیونکہ فرع کا وہی حکم ہوتا ہے' جو اصل کا ہوتا ہے' لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید وضاحت کے لئے کھانے اور پینے دونوں کے لئے الگ باب قائم فرمایا ہے' جس سے مقصود حکم کی مزید توضیح ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے مسئلہ کا استخراج کیا ہے۔

۲۵۷- أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ " :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ -قَالَتْ :غَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَأْكُلُ أَوْ يَشْرَبُ "

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ناپاکی کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو وضو فرما لیتے' اور جب کھانے یا پینے کا ارادہ کرتے' تو پہلے ہاتھ دھوتے' پھر کھاتے یا پیتے۔

۱- مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری حصہ میں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہاتھ دھوتے' پھر کھاتے یا پیتے۔

۲- اطراف:

راجع: ۲۵۶

۳- تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں' ان سب کے حالات کا تذکرہ گذر چکا ہے:

۱- سوید بن نصر:	راجع: ۵۵	۲- عبداللہ بن مبارک:	راجع: ۲۲۹
۳- یونس بن یزید:	راجع: ۹	۴- الزہری:	راجع: ۱۱۶
۵- ابوسلمۃ:	راجع: ۱۶۱	۶- عائشۃ:	راجع: ۱۱۲

۴- حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵- خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پندرہویں (۱۱۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، تیسرے ایلی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، انبانا قالت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذاارادان یاکل او یشرب : جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے یا پینے کا ارادہ فرماتے۔

۷۔مسائل ونصائح:

تقدم: ۲۶۹

۸۔خلاصہ:

ایضاً

بَابُ وُضُوءِ الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ — باب ۱۶۶: جنبی کا سوتے وقت وضو کرنا

جنبی پر جب غسل فرض ہوگیا، تو جتنی جلدی ممکن ہو سکے، نہا لینا چاہئے، البتہ اگر سونا چاہتا ہے، اور ابھی غسل کا ارادہ نہیں، تو پھر وضو کر کے سونا مستحب ہے، پچھلے باب میں جنبی کے کھانے پینے سے پہلے ہاتھ دھونے کا بیان تھا، اور اس باب میں جنبی کا سونے سے پہلے وضو کرنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے اپنے مؤقف پر استنباط کیا ہے۔

۲۵۸۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنب میں سونے کا ارادہ کرتے، تو اس سے پہلے نماز کی طرح وضو کر لیتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۵۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔قتیبہ بن سعید: راجع: ۱۱۸　　۲۔اللیث: راجع: ۱۲۴

۳۔ابن شہاب: راجع: ۱۱۶　　۴۔ابوسلمۃ: راجع: ۱۶۱

۵۔عائشۃ رضی اللہ عنہا: راجع: ۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پچاسی ویں (۸۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی' دوسرے مصری اور باقی تین مدنی ہیں۔

☆ علامہ ابن شہاب زہری' حضرت ابوسلمہ سے یہ مسلسل تیسری' جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

توضأ وضوءه للصلاة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وضو جیسا وضو فرماتے۔

۲۵۹۔ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ :أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ :إِذَا تَوَضَّأَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے کوئی ناپاکی کی حالت میں سو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ وضو کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰، مسلم: ۳۰۶، ترمذی: ۱۲۰، احمد: ۱۵، تحفۃ الاشراف: ۸۱۷۸، ۱۰۵۵۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے، البتہ حضرت نافع کے حالات دوبارہ قدرے تفصیل سے سپردِ قلم کئے جا رہے ہیں:

۱۔ عبیداللہ بن سعید: راجع: ۱۵   **۲۔ یحییٰ:** راجع: ۱۴۳

۳۔ عبیداللہ: راجع: ۱۵

۴۔ نافع بن کاؤس رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

نافع نام ہے۔ ابوعبداللہ کنیت۔ والد کا نام طاؤس یا ہرمز تھا۔ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ عجمی النسل تھے۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تھے، صحیح نہیں ہے۔ ان کے عجمی ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے۔ وطن بعض خراسان، بعض دیلم، بعض جبال طالقان اور بعض کابل بتاتے ہیں۔ اس کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ نافع کس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچے۔ قیاس یہ ہے کہ کسی جنگ میں گرفتار ہو کر ان کے حصہ میں آئے ہوں گے یا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خریدا ہوگا۔

مسلمانوں کی غلام نوازی کے طفیل میں ان کے غلام کمالات کے جن مدارج پر پہنچے نافع بھی اس کی روشن ترین مثال تھے۔ مسلمانوں کے موالی کی علمی تاریخ میں نافع نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں کوئی غلام ان کے رتبہ کا نہ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام عکرمہ بھی بڑے صاحب علم تھے۔ لیکن ان کو بھی اہل مدینہ میں یہ درجہ حاصل نہ تھا۔ نافع ان سے زیادہ بلند مرتبت سمجھے جاتے تھے۔ (۱) اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں غلاموں کی حقیقی تاریخ نافع ہی سے شروع ہوتی ہے۔

تعلیم:

خوش قسمتی سے نافع کو آغاز ہی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صاحب کمال بزرگ کی تربیت میسر آ گئی تھی، انہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی۔ نافع نے کامل تیس سال تک ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت کی۔ (۲)

ان میں تحصیل علم کی فطری صلاحیت واستعداد تھی۔ شفیق آقا کی صحبت اور تربیت نے ان کے جوہر کو چمکا کر اقلیم کا تاج دار بنا دیا۔ ان

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۴۱۴   ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۰

کی علمی جلالت پر تمام علماء اور ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔(۱) خلیلی کا بیان ہے کہ نافع مدینہ کے آئمہ تابعین میں اور امام فی العلم تھے' خود ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے اس نامور غلام کی ذات پر فخر تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے نافع کے ذریعہ ہم پر احسان کیا ہے۔(۲)

حدیث:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث کے بحر بے کراں تھے۔ نافع اس بحر سے سیراب ہوتے تھے۔ انہوں نے ان کی احادیث کا بڑا حصہ محفوظ کرلیا تھا۔ حافظ حدیث بنانے کے لئے تنہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کافی ہیں۔ نافع کی علمی تشنگی نے اس بحر بے کراں کے علاوہ دوسرے سرچشموں سے بھی اپنی پیاس بجھائی تھی۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ میں ابو ہریرہ' ابوسعید خدری' ابولبابہ بن منذر' رافع ابن خدیج' ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ' ام سلمہ اور ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں اپنے آقازادوں عبداللہ' عبیداللہ' سالم اور زید اور قاسم بن محمد بن ابی بکر' منبہ بن وہب عدی' عبداللہ بن محمد بن ابی بکر' عبدالرحمن بن حسین اور سعید بن ابی ہند رحمت اللہ علیہم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔(۳)

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو جماعت تابعین میں نہایت ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔(۴) حافظ ذہبی ان کو امام العلم لکھتے ہیں اور ان کا شمار حفاظ کے طبقۂ اول میں کرتے ہیں۔(۵)

کیفیت کے اعتبار سے نافع کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں۔ طبقات ابن سعد' تذکرہ نافع) خلیلی کا بیان ہے کہ نافع پر تمام ارباب فن کا اتفاق ہے۔(۶) وہ صحیح الروایہ ہیں۔ بعض لوگ انہیں سالم پر بھی جن سے انہوں نے سماع کیا تھا' ترجیح دیتے تھے۔ بعض ان کے ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کی تمام روایات غلطیوں سے پاک ہیں۔(۷)

خصوصاً ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی روایات میں کسی شک وشبہ کا احتمال ہی نہیں تھا۔ امام مالک فرماتے تھے کہ جب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نافع کی زبان سے سن لیتا ہوں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔(۸) محدثین کے نزدیک مالک عن نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سلسلۂ روایت سلسلۃ الذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۹)

تلامذہ:

حدیث میں نافع کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعی اور تبع تابعی آئمہ تھے۔ بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ ابواسحٰق سبیعی' حکیم بن عیینہ' محمد بن عجلان' بکر بن عبداللہ بن اشج' یحیٰی انصاری' امام زہری' صالح بن کیسان' ایوب سختیانی' عبیداللہ بن عمر' حمید الطویل' میمون بن مہران' موسیٰ بن عقبہ' ابن عون' اعمش' ابن جریج' اوزاعی' لیث' یونس ابن عبید' ابن ابی ذیب' ابن ابی لیلیٰ

۱۔ تہذیب الاسماء' ج ا' ص ۱۲۴　۲۔ تہذیب التہذیب' ج ا' ص ۴۱۴　۳۔ ایضاً' ص ۴۱۳
۴۔ وضیات ابن خلکان' ج ۲' ص ۱۵۱　۵۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۰' ص ۴۱۲　۶۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۸۷
۷۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۰' ص ۴۱۴　۸۔ ایضاً　۹۔ ایضاً

ضحاک بن عثمان اور امام مالک وغیرہ۔(۱)

امام مالک ان کے خاص تلامذہ میں تھے۔ انہوں نے زیادہ فیض ان ہی سے پایا تھا۔ بچپن سے نافع کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں بچپن میں جب بہت کم سن تھا' نافع کی خدمت میں جاتا تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا۔ نافع اتر کر مجھ سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔(۲) نافع کی زندگی بھر امام مالک کے استفادہ کا سلسلہ قائم رہا۔ جب تک نافع زندہ رہے' امام مالک برابر ان کے حلقہ درس میں جاتے تھے۔ ان سے پوچھتے تھے کہ ان مسائل میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا فرمایا ہے۔(۳)

فقہ:

اپنے آقائے نامدار کے فیض سے فقہ میں بھی کامل تھے۔ حافظ ابن حجر ان کو نافع الفقیہ لکھتے ہیں۔(۴) صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد مدینہ کی صاحب علم وافتاء جماعت کے رکن تھے۔(۵) ۵۔لیکن اپنے آقازادہ سالم بن عبداللہ کی زندگی بھر جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے اور نافع کے استاد تھے' پاس ادب سے فتویٰ نہیں دیا۔(۶)

عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز اور نافع:

حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے علم کے اتنے قائل تھے کہ انہیں مصر کے مسلمانوں کو سنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔(۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی محبت:

ان کے کمالات کی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ بعض شائقین نے نافع کی غلامی کے زمانہ میں ان کی بڑی قیمت پیش کی' لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما علیحدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر نے بارہ ہزار کی خطیر رقم پیش کی۔ ابن عامر نے تیس ہزار قیمت لگائی۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سب کو نامنظور کر دیا اور اسی وقت یہ کہہ کر کہ "مجھے خوف ہے کہ ابن عامر کے روپے مجھے فریفتہ کرلیں گے۔ نافع کو آزاد کر دیا۔(۸)

وفات: ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔(۹)(۱۰)

۵۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:　　راجع: ۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

۱۔ وفیات ابن خلکان' ج ۲' ص ۱۵۱　۲۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۰' ص ۴۱۲　۳۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۸۸　۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۲ ص ۳۲۰

۵۔ تہذیب التہذیب' ج ۱۰' ص ۴۱۱　۶۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۸۸　۷۔ شذرات الذہب' ج ۱' ص ۱۵۴　۸۔ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۸۸

۹۔ ایضاً　۱۰۔ سیر الصحابہ' ج ۷' ص ۳۹۶۔۳۹۹

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چھیاسی ویں (۸۶) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری' دوسرے بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ یہ روایت غلام (نافع) کی اپنے آقا (ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے ہے۔
☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکثرین سبعہ رواۃ اور فقہاء عبادلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں' آپ خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔
☆ امام مالک کی روایت عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما محدثین کے ہاں سلسلۃ الذہب کے لقب سے مشہور ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت حدثنا ایک دفعہ' صیغہ اخبار اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اینام احدنا: کیا کوئی ہم میں سے سوئے۔
جنب : ناپاکی کی حالت۔
اذا توضأ: جب وہ وضو کرے۔

۷۔مسائل ونصائح:

تقدم: ۲۶۰

۸۔خلاصہ:

ایضاً

بَابُ وُضُوءِ الْجُنُبِ، وَغَسْلِ ذَكَرِهِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ

باب ۱۶۷: جنبی سونے سے پہلے وضو کرے اور شرمگاہ دھوئے

ان تمام ابواب میں اگر چہ مذکر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، لیکن اس سے مراد مرد وعورت دونوں ہیں، اس لئے جب ان دونوں میں سے کوئی بھی بغیر غسل کے سونا چاہے، تو اسے چاہئے کہ وہ شرمگاہ اور اس کے آس پاس کے حصہ کو دھوئے، یعنی جہاں جہاں ناپاکی لگی ہوئی ہے، اسے دھوئے اور وضو کرے، یہ امر مستحب ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ کو اپنا مستدل بنایا ہے، پچھلے باب میں جنبی کے لئے سونے سے پہلے وضو کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں وضو کے ساتھ ساتھ شرمگاہ کو بھی دھونے کا بیان ہے۔

۲۶۰۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :ذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:
آقا کریم ﷺ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: مجھے رات کو ناپاکی لاحق ہو جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم وضو کرو، عضو تناسل کو دھوؤ، پھر سو جاؤ۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۹۰، مسلم: ۳۰۶، ابو داؤد: ۲۲۱، احمد: ۲۶۳، السنن الکبیر طبرانی، ج ۲۵، ص ۳۶۔۳۷، السنن الکبریٰ: ۲۵۶، مؤطا مالک، ج ۱، ص ۴۷، تحفۃ الاشراف: ۷۲۲۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، جن میں سے تین کی سرگزشت حیات کا تذکرہ ہو چکا ہے، حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف لکھا جاتا ہے:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔مالک: راجع ۱۱۷

۳۔عبداللہ بن دینار:

آپ کا نام ابوعبدالرحمان عبداللہ بن دینار عدوی مدنی (م: ۱۲۷ھ) ہے، آپ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ سے چونتیس (۳۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۴۔ابن عمر رضی اللہ عنہما: راجع: ۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۵، ص ۴۶ ii۔تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۳۹۱ iii۔تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۳۰۴
iv۔تاریخ ابی زرعۃ، ص ۴۵۹ v۔طبقات ابن سعد، ج ۹، ص ۲۱۴ vi۔تاریخ الثقات، ص ۲۵۴
vii۔الثقات، ج ۵، ص ۱۰

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے لحاظ سے یہ گیارھویں (۱۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اس سے پہلے حدیث نمبر: ۶، ۱۴، ۳۵، ۵۳، ۵۵، ۷۶، ۱۳۸، ۱۸۹ رباعیات میں سے ہیں۔

☆ رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، ثابت، اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، ثابت، اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن دینار عدوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ پچھلی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی تھی، اور یہ آپ کے غلام حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

ذکر عمر رسول صلی اللہ علیہ وسلم:	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔
تصیبه النابة:	انہیں ناپاکی لاحق ہوئی ہے۔
اللیل:	رات
اغسل ذکرك:	تو اپنا عضو تناسل دھو۔
نم:	سوجا

۷۔ مسائل ونصائح:

جنبی کے لئے کھانے، پینے اور سونے سے پہلے وضو کرنے کا استحباب:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لیے غسل سے پہلے کھانا پینا، سونا اور جماع کرنا جائز ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہے اور ان احادیث میں یہ بات بھی ہے کہ ان کاموں سے پہلے جنبی کا وضو کرنا مستحب

ہے خصوصاً اس وقت جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو اس وقت اپنے ذکر کو دھونے کا استحباب مؤکد ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا مکروہ ہے اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ وضو واجب نہیں ہے امام مالک اور جمہور کا بھی یہی قول ہے البتہ بعض مالکیہ اور داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ یہ وضو سے مراد نماز کا وضو کامل ہے ایک اعتراض یہ ہے کہ سنن ابی داؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ وغیرہا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ پانی کو نہیں چھوتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ غسل نہیں کرتے تھے تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ پانی کو بیان جواز کے لیے نہیں چھوتے تھے کیونکہ اگر آپ ہمیشہ سونے سے پہلے وضو کرتے تو اس سے وضو کرنے کے وجوب کا وہم ہوتا (۱)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جنبی کے سونے میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر حدیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ وہ وضوء کر کے سوئے حضرت علی حضرت عائشہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم خدری اور تابعین میں سے النخعی طاؤس حسن بصری امام مالک امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمت اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا شاذ قول یہ ہے کہ یہ وضو کرنا واجب ہے لیکن یہ قول متروک ہے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی سعید بن مسیب نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو وضوء کرنے سے پہلے سو جائے امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے کیونکہ وضوء اس کو جنابت سے طہارت کی طرف نہیں نکالتا اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

ابواسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سو جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے حتیٰ کہ بعد میں اٹھ کر غسل کرتے تھے۔ (۲)

امام ابوجعفر احمد محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث غلط ہے کیونکہ ابواسحاق نے ایک طویل حدیث کو مختصر کیا ہے اور اختصار میں خطاء کی ہے اس کو چاہیے کہ سونے سے پہلے اس طرح وضوء کرے جس طرح نماز کا وضوء کرتے ہیں۔ اصل حدیث اس طرح ہے:

ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس گیا اور میں نے کہا: مجھے وہ حدیث سنائیں جو حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اوّل حصہ میں سوتے تھے اور آخری حصہ میں بیدار ہوتے تھے پھر اگر آپ کو حاجت ہوتی تو اپنی حاجت پوری کرتے پھر پانی کو ہاتھ لگانے سے پہلے سو جانا پھر اذان کے وقت اٹھتے اور اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر آپ جنبی ہوتے تو اس طرح وضوء کرتے جس طرح نماز کا وضوء کرتے تھے۔ (۳)

۱۔ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۴-۱۰۰۵ ۲۔ سنن ابی داؤد: ۲۲۸، سنن ترمذی: ۱۱۹-۱۱۸، شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۷

۳۔ شرح معانی الآثار: ۳۰۷ مسند احمد، ج ۶ ص ۱۰۲ سنن بیہقی، ج ۱ ص ۲۰۲-۲۰۱

اس حدیث میں اسود بن یزید نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر آپ جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے تو نماز کا وضوء کرتے اور یہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: پھر اگر آپ کو حاجت ہوتی تو اپنی حاجت کو پورا کرتے اور پانی کو چھونے سے پہلے سو جاتے' اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کا غسل کرنے سے پہلے سو جاتے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ وضوء کرنے سے پہلے سو جاتے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

☆ اسود بن یزید' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونا یا کچھ کھانا چاہتے اور آپ جنبی ہوتے تو آپ وضوء کرتے۔ (۱)

☆ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا ارادہ کرتے اور آپ جنبی ہوتے تو آپ نماز کا وضوء کرتے (۲)

☆ یہ اسود کے غیر کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے تو نماز کا وضوء کرتے۔

از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان فرماتی تھیں: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے' پھر سونے کا ارادہ کرے تو اس وقت تک نہ سوئے حتیٰ کہ نماز کا وضوء کرلے۔ (۳)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آیا ہم میں سے کوئی شخص حالت جنابت میں سو جائے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ وضوء کرے (۴)

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ جب جنبی سونے کا ارادہ کرے یا کھانے یا پینے کا ارادہ کرے تو نماز کا وضوء کرے۔ (۵)

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے یہ عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرتا ہوں اور سونے کا ارادہ کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: وضوء کرو اور سو جاؤ۔ (۶)

جنبی کے لیے کچھ کھانے سے پہلے وضوء کرنے کے وجوب کا منسوخ ہونا:

امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث کی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جنبی کو کچھ کھانا نہیں چاہیے حتیٰ کہ وہ وضوء کر لے اور علماء کی دوسری جماعت نے اس کی مخالفت کی اور کہا: اگر جنبی وضوء کے بغیر کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

۱۔ شرح معانی الآثار: ۳۸۷' صحیح البخاری: ۲۸۸۔ ۲۸۷۔ ۲۸۶' صحیح مسلم: ۳۰۶۔ ۳۰۵' سنن نسائی: ۲۵۸' سنن ابی ماجہ: ۵۸۴' مصنف عبدالرزاق: ۱۰۷۳' سنن بیہقی' ج۱' ص۲۰۰

۲۔ شرح معانی الآثار: ۴۰۷' صحیح مسلم: ۳۰۵' سنن ابوداؤد: ۲۲۲' سنن نسائی: ۲۵۷' سنن ابی ماجہ: ۵۸۴

۳۔ شرح معانی الآثار: ۴۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۶۰

۴۔ شرح معانی الآثار: ۴۹۷' صحیح البخاری: ۲۸۷' صحیح مسلم: ۳۰۶' سنن نسائی: ۲۵۸' موطا امام مالک: ۷۶

۵۔ شرح معانی الآثار: ۵۷۷' سنن ابی داؤد: ۲۲۵' سنن ترمذی: ۱۲۰

۶۔ شرح معانی الآثار: ۵۹۷' سنن ابی ماجہ: ۵۸۶

☆ از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے اور کچھ کھانے کا ارادہ کرتے تو اپنے ہاتھ دھو لیتے۔(۱)

☆ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: جب آپ جنبی ہونے کے بعد کھانے کا ارادہ کرتے تو وضوء کرتے' اور اس حدیث میں ہے: آپ صرف ہاتھ دھوتے اور جب ان احادیث میں تضاد ہو گیا تو ہم نے دیکھا کہ جنابت کے بعد کھانے یا سونے سے پہلے وضوء کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اب صفائی کی غرض سے صرف ہاتھ دھونے کا حکم ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلے تو آپ سے کہا گیا: آپ وضوء نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ وضوء کروں۔(۲)

☆ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے لیے، وضوء کرتے تھے اور سونے سے پہلے جنبی کے وضوء کرنے کا وجوب منسوخ ہو گیا: اور اس کا استحباب باقی ہے۔(۳)

☆ اسی طرح آپ نے یہ حکم دیا ہے: آدمی جب ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کرے تو وضوء کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے' پھر دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضوء کرے۔(۴)

جنبی کے لیے وضو کے استحباب اور عدم وجوب کے دلائل:

اس باب پر اتفاق ہے کہ جنبی کے لئے سونے سے قبل غسل واجب نہیں' اور بغیر غسل کئے سو جانا جائز ہے' البتہ وضو کے بارے میں اختلاف ہے' داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وضو قبل النوم واجب ہے' ان کا استدلال صحیح بخاری اور مسلم کی معروف روایت سے ہے: ''عن عبد اللہ بن عمر انہ قال ذکر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ تصیبہ الجنابۃ من اللیل فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضا واغسل ذکرک ثم نم''

☆ اس میں صیغہ امر استعمال ہوا ہے جو وجوب کے لئے ہے' نیز ان کی ایک دلیل اگلے باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ''انہ سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اینام احدنا وھو جنب؟ قال نعم اذا توضأ''۔

☆ سعید بن المسیب' سفیان ثوری' امام ابو یوسف' اور حسن بن حسن رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جنب کے لئے وضو قبل النوم مباح ہے' یعنی اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں' ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ثابت ہے'' قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب ولا یمس ماء'' اس حدیث میں ''ماء'' نکرہ تحت النفی ہے وہ وضوء اور غسل دونوں شامل ہے' لہٰذا وضو کی اباحت ثابت ہو جائے گی۔

☆ آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جنبی کے لئے وضو قبل النوم مستحب ہے' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے داؤد

۱۔ شرح معانی الآثار: ۷۶۰' سنن ابی داؤد: ۲۲۳' سنن نسائی: ۲۵۶' سنن ابی ماجہ: ۵۹۳' مسند احمد: ۲۴۱۳۸

۲۔ صحیح مسلم: ۳۷۴' الرقم المسلسل: ۸۲۶' سنن دارمی: ۷۷۱' مسند احمد، ج ۱ ص ۳۵۹_۲۸۲_۲۲۲ ۳۔ نخب الافکار ج ۱ ص ۷۹۲

۴۔ شرح معانی الآثار: ۷۶۲' صحیح مسلم: ۳۰۸' سنن ابی داؤد: ۲۲۰' سنن نسائی: ۲۶۲' سنن ابی ماجہ: ۵۸۷' نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۶۸_۷۶۹

ظاہری نے استدلال کیا ہے، وہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے "عن ابن عمر رضی الله عنهما انه سال النبی ﷺ اینام احدنا وهو جنب قال نعم ویتوضأ ان شاء (اسنادہ صحیح)" اس سے معلوم ہوا کہ جہاں وضو کا حکم آیا ہے وہ استحباب کے لئے ہے، یہ حدیث جہاں جمہور کے مسلک کی دلیل ہے وہاں ظاہریہ کے استدلال کا جواب بھی ہے، پھر استحباب وضو پر جمہور کا استدلال باب ہذا کی دوسری حدیث سے بھی ہے "عن عائشة عن النبی ﷺ انه کان یتوضأ قبل ان ینام"۔

☆ امام ابو یوسف رحمت اللہ علیہم وغیرہ کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روایت باب میں "ولا یمس ماء" کا جملہ صرف ابو اسحاق نے روایت کیا ہے، ابراہیم نخعی، شعبہ، سفیان ثوری رحمت اللہ علیہم جیسے جلیل القدر محدثین یہ جملہ روایت نہیں کرتے، اسی لئے محدثین نے اسے ابو اسحاق کا وہم قرار دیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں: "ویرون ان هذا غلط من ابی اسحاق" امام ابوداؤد نے بھی اسے وہم قرار دیا ہے اور یزید بن ہارون نے خطا فرمایا ہے، امام احمد نے اس طریق کی روایت کو ناجائز قرار دیا ہے حتیٰ کہ ابن المفوز نے فرمایا "اجمع المحدثون علی خطا ابی اسحاق" امام مسلم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کی تخریج کی لیکن "ولا یمس ماء" کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب التمییز میں اس کو غلط قرار دیا۔ ان کے مقابلہ میں محدثین کی ایک جماعت نے اس زیادتی کو صحیح کہا ہے، امام نووی نے بھی ابو الولید اور ابو العباس بن سریج سے یہی روایت کیا ہے، اور اس کی زیادتی کی تحسین کی ہے، نیز امام محمد نے موطأ (۲) میں بسند ابی حنیفہ اس روایت کی تخریج کی ہے، اس میں بھی "ولا یمس ماء" کے الفاظ موجود ہیں، اور علم اصول حدیث کے قواعد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس زیادتی کو صحیح مانا جائے، کیونکہ ابو اسحاق ثقہ راوی ہیں "وزیادة الثقة مقبولة" اسی لئے ہمارے مشائخ کا رجحان بھی اس زیادتی کی تصحیح کی طرف ہے۔

☆ امام بیہقی نے اس زیادتی کی تصحیح کے بعد فرمایا کہ "لا یمس ماء" میں نفی غسل مراد ہے نہ کہ نفی وضو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہمارا دعویٰ وضو قبل النوم کے استحباب کا ہے، اور استحباب وسنیت احیانا ترک سے ثابت ہوتے ہیں، ابو اسحاق کی یہ روایت اسی ترک کو ثابت کر رہی ہے، اس روایت کے علاوہ کوئی روایت ایسی نہیں جو ترک وضو پر دلالت کرتی ہو، یہ روایت ہمارے نہیں قائلین وجوب کے خلاف حجت ہے۔

☆ استحباب وضو کے قول پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اعتراض وارد ہوتا ہے، جو ابوداؤد (۳) نسائی، اور صحیح ابن حبان میں مروی ہے "عن النبی ﷺ قال لا تدخل الملائکة بیتا فیه صورة ولا کلب ولا جنب" اسی طرح معجم طبرانی میں میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "قالت قلت یا رسول الله ﷺ هل یاکل احدنا وهو جنب؟ قال لا یاکل حتیٰ یتوضا قالت قلت یا رسول الله ﷺ هل یرقد الجنب قالما احب ان یرقد وهو جنب حتیٰ توضا فانی احشی ان یتوفی فلا یحضره جبرئیل علیه السلام"۔(۱)

۱۔ صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۱۰۶، رقم: ۲۱۱

☆ ان روایات کا تقاضا یہ ہے کہ وضو واجب ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ سے ملائکہ رحمت مراد ہیں نہ کہ حفظہ' کیونکہ حفظہ کسی وقت جدا نہیں ہوتے' جیسا کہ خطابی نے تصریح کی ہے اور عدم دخول ملائکہ رحمت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا' غایت مافی الباب استحباب واستحسان ثبت ہوتا ہے' اور یہی مقصود ہے' علامہ نووی نے روایات میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

☆ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس وضو سے کون سا وضو مراد ہے' امام احمد اور امام اسحاق کے نزدیک وضوء کامل مراد نہیں' بلکہ غسل بعض الاعضاء مراد ہے' کیونکہ طحاوی وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل مروی ہے' انہوں نے حالت جنابت میں وضو قبل النوم کیا' اور غسل رجلین کو ترک کر دیا' نیز وضوء صلوٰۃ مزیل جنابت بھی نہیں' اس لئے اکتفاء ببعض الاعضاء صحیح ہوگا' جمہور کے نزدیک وضوء صلوٰۃ ازل مراد ہے' کیونکہ (۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "کان رسول اللہ ﷺ اذا کان جنباً واراد انیا کل او ینام توضا وضوء ہ للصلوٰۃ" (۲) باب الجنب اذا اراد ان ینام الخ' (۳) وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات مروی ہیں' جن میں "توضا وضوء للصلوۃ" کی تصریح موجود ہے' نیز وضوء صلوٰۃ اگرچہ مزیل جنابت نہیں لیکن ان افعال میں کہ جن میں طہارت شرط نہیں مفید ضرور ہے' اس کی دلیل امر شارع ہے۔ (۴)

بغیر وضو کے جنبی کے کھانے پینے میں مذاہب فقہاء اور حدیث مذکور کے دیگر فوائد:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

امام ابو بخاری نے یہ بتانے کا ارادہ کیا ہے کہ جنبی نجس نہیں ہوتا اور وہ غسل کرنے سے پہلے اپنے کاموں میں تصرف کر سکتا ہے اور اس سے ان بعض متقدمین کا رد ہو جاتا ہے' جو جنبی پر وضوء کو واجب کرتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ جنبی ہوتے تو وہ کسی کام کے لیے نہیں نکلتے تھے' حتیٰ کہ وہ نماز کا وضوء کر لیتے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے' عطاء اور حسن کا بھی یہی قول ہے اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اس وقت تک کوئی چیز کھائے نہ پئے' حتیٰ کہ نماز کا وضوء کرلے' یہ قول حضرت علی' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور عطاء سے مروی ہے' اور جس موقف پر لوگوں کا عمل ہے' یہ وہ جو ابوالضحیٰ سے مروی ہے' ان سے سوال کیا گیا: آیا جنبی کھا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور بازار میں چل سکتا ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے وضوء کرے اور یہ امام مالک کا قول ہے اور اکثر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ جب وہ اپنے کاموں کے لیے نکلنا چاہے تو اس پر وضوء کرنا واجب نہیں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ نہیں کہ جب آپ اپنی تمام ازواج کے پاس گئے تھے تو آپ وضوء کرتے تھے اور نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ مومن اس وقت نجس نہیں ہوتا' جب وہ جنابت کے بعد وضوء کرے اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب جنبی کھانے کا ارادہ کرے تو اس پر وضو کرنا واجب نہیں ہوتا' وہ امام مالک ہیں اور فقہاء احناف ہیں اور امام اوزاعی ہیں اور امام احمد ہیں اور اسحاق ہیں اور یہی مذہب ہے' جس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج ا ص ۱۴۴ ۲۔ سنن دار قطنی، ج ا ص ۱۲۶ ۳۔ المنتقی، ج ا ص ۲۰۸

۴۔ درس ترمذی ج ا ص ۳۶۶۔۳۶۹

جنابت کے بعد سونے سے پہلے وضو کرنے کی حکمت:

علامہ ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں۔

جنابت کے بعد سونے سے پہلے جو وضوء کیا جاتا ہے اس کی حکمت کے بیان میں بعض علماء شافعیہ نے کہا تاکہ حدث میں تخفیف ہو، علامہ مازری مالکی نے کہا تاکہ وہ طہارت پر سوئے اگر اس دوران موت آجائے تو طہارت پر موت آئے، علماء مازری نے کہا اسی قیاس پر حائضہ کو بھی سونے سے پہلے وضوء کر لینا چاہیے اور علماء شافعیہ نے کہا کہ حائضہ کے وضوء کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

احادیث مذکورہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

مذکورہ بالا پانچ ابواب کے تحت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں، ان تمام سے آپ کا استنباط حسب ذیل ہے:

حدیث نمبر ۲۵۵ سے استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جب جنبی آدمی کچھ کھانے کا ارادہ کرے اور غسل نہ کرنا چاہے، تو کھانے سے پہلے وضوء کر لینا مستحب ہے، اور یہ وضو نماز کے وضوء کی طرح کرے۔

حدیث نمبر ۲۵۶ سے استنباط:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استنباط یہ ہے کہ جنبی شخص کھانے کے لیے غسل اور وضو نہ کرے، تو کم از کم دونوں ہاتھ دھوئے۔ یہ امر بھی مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۷ سے استخراج:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی یہ مسئلہ ثابت کر رہے ہیں، کہ جنبی شخص کچھ کھانے اور پینے سے پہلے صرف ہاتھ دھونے پر بھی اکتفا کر سکتا ہے، پچھلے باب میں صرف کھانے کا مسئلہ تھا۔ کھانے کے بعد پینے کا بھی استنباط ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۸ اور ۲۵۹ سے مسائل کا اثبات:

ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی یہ ثابت کر رہے ہیں، کہ جنبی شخص کہ اگر غسل کرنے سے پہلے سونا چاہتا ہے، تو وضو کرے، یہ امر بھی مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۲۶۰ سے مسائل کا اصدار:

اس حدیث مبارکہ کو ذکر کر کے امام نسائی یہ مسئلہ واضح کر رہے ہیں کہ ناپاکی کی حالت میں اگر کوئی سونا چاہتا ہے، تو وہ شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے، یہ دونوں امر مستحب ہیں۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۰۰۵

☆ حدیث نمبر ۲۶۰ میں پہلے وضو کرنے کا بیان ہے اور بعد میں شرمگاہ دھونے کا بیان ہے' لیکن یہاں پر واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے' بلکہ تو صیل جمع کے لیے ہے' نفی ان دونوں امور کو سرانجام دے' اسی طرح بعض احادیث میں پہلے شرمگاہ دھونے اور بعد میں وضو کرنے کا ذکر ہے' جبکہ غسل کے باب کی اکثر احادیث میں بھی پہلے شرمگاہ دھونے اور بعد میں وضو کرنے کا ذکر ہے' جس کا مفاد یہ ہے کہ پہلے شرمگاہ دھوئے اور بعد میں وضو کرے' یہی اولیٰ و بہتر ہے۔

☆ مذکورہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے کھانے' پینے اور سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔

☆ جنبی کے لیے کھانے' پینے سے پہلے صرف ہاتھ دھو لینا بھی کافی ہے۔

☆ جنبی کے لیے سونے سے پہلے شرمگاہ دھونا اور وضو کرنا مستحب ہے۔

☆ ستر گاہ کا دھونا' وضو کرنا اور ہاتھوں کا دھونا پاکیزگی و نظافت کے لیے ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والے تھے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرعی مسائل کو پوچھنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ امین

☆ امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن نے میاں بیوی کی معاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی مسائل بیان کر کے امت محمدیہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے' اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو مزید بلندی عطاء فرمائے۔ امین

باب فِي الْجُنُبِ إِذَا لَمْ يَتَوَضَّأْ باب ۱۶۸: جنبی کے وضو نہ کرنے کا نقصان

ایسا جنبی شخص جو بلاوجہ غسل کرنے میں تاخیر کرے' یا سستی کرے' یا اسی کو اپنی عادت بنا لے' یہاں تک کہ نماز فوت ہو جائے' تو ایسے شخص کی نحوست کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا جنبی جو تاخیر کی صورت میں وضو بھی نہیں کرتا' وہ اس وعید میں داخل ہے' مطلقاً جنبی مراد نہیں ہے' یا جو وضو کر لیتا ہے' وہ اس وعید سے خارج ہو جاتا ہے' کیونکہ پچھلی چھ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے' تو وضو کر لیتے تھے اسی طرح امر میں بھی فرمایا' اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے' پچھلے باب میں جنبی کے لیے سونے سے پہلے شرمگاہ دھونے اور وضو کرنے کا بیان تھا' اور اس باب میں وضو نہ کرنے کے نقصان کا بیان ہے۔

۲۶۱۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، ح وَأَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُجَيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس گھر میں تصویر، کتا یا جنبی ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث کے ظاہری الفاظ سے باب کے عنوان کی مطابقت نہ ہے' البتہ استنباطی طریقہ پر مطابقت حسب ذیل ہے:
حدیث مبارکہ میں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہونے کا ایک سبب جنبی ہونا بیان ہوا ہے' امام نسائی نے باب کے قائم کرنے میں وضو نہ کرنے کی قید کا اضافہ کیا ہے' کیونکہ سابقہ احادیث سے معلوم ہو چکا' کہ جنبی کو وضو کر کے سونے کی اجازت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہی عمل کیا' اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس کی اجازت بھی دی' اس لیے امام صاحب کے نزدیک اس جنبی سے مراد وہ ہے' جو وضو نہیں کرتا' مطلقاً جنبی مراد نہ ہے' اس لیے امام صاحب نے وضو کی قید کا اضافہ کیا ہے' یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۹۲' ابوداؤد: ۲۲۷۔۴۱۵۲' ابن ماجہ: ۳۶۵۰' احمد: ۶۰۸' ابن حبان: ۱۲۰۵، دارمی' ج ۲' ص ۲۸۴' السنن الکبریٰ: ۲۵۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں' جن میں سے سات راویوں کا تعارف ہو چکا ہے' باقی تین کا درج کیا جاتا ہے:

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع: ۱۲۸　　۲۔ہشام بن عبدالملک: راجع: ۱۹۴
۳۔شعبۃ: راجع: ۱۱۰　　۴۔عبیداللہ بن سعید: راجع: ۱۵
۵۔یحییٰ بن سعید: راجع: ۱۳۳

۶۔علی:

آپ کا نام ابومدرک علی بن مدرک نخعی وھبیلی کوفی (م: ۱۲۰ھ) ہے' آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ' صدوق' صالح الحدیث' تابعی راوی ہیں' آپ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' آئمہ جرح و تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' سنن نسائی میں آپ سے پانچ

احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۷۔ابوزرعۃ:　　راجع:۵۰

۸۔عبداللہ بن نجی:

آپ کا نام ابولقمان عبداللہ بن نجی بن سلمہ بن جشم بن امام عجلی، اسد بن خلیبہ حضرمی کوفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق تابعی راوی ہیں، امام عجلی، امام نسائی، ابن حبان اور امام بزار نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق قرار دیا ہے، امام بخاری، ابن عدی اور دارقطنی نے متکلم فیہ قرار دیا ہے، امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام نسائی، امام ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم کے نزدیک آپ کی مذکورہ روایت صحیح ہے(۲)

۹۔نجی:

آپ کا نام نجی بن سلمہ بن جشم بن اسد بن خلیبہ حضرمی کوفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول، تابعی راوی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ کو امام نسائی، ابن حبان، امام عجلی اور ابن سعد نے ثقہ قرار دیا ہے، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

۱۰۔علی:　　راجع:۱۱۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اس کے متابعات اور شواہد کافی ہیں۔

حدیث مذکورہ کی فنی بحث:

اصولین اور محدثین کے ہاں اس حدیث مبارکہ کی سند و متن پر کافی بحث و تمحیص پائی جاتی ہے، جمہور کے نزدیک اس حدیث کی سند و متن صحیح ہے، بعض کے نزدیک سند میں ضعف اور متن کا آخری لفظ ''جنب'' کا اضافہ شاذ ہے، جبکہ باقی متن کے الفاظ ایسے ہیں، جن کے شواہد کثیر ہیں، اور امام بخاری و مسلم کے نزدیک بھی صحیح ہیں، باقی الفاظ شیخین نے مختلف اسناد سے ذکر کیے ہیں۔(۴)

ہم پہلے حدیث مذکور کے متابعات اور شواہد ذکر کرتے ہیں۔

۱۔　i۔الجرح والتعدیل، ج۶، ص۲۰۳　ii۔الثقات، ج۵، ص۱۶۵

۲۔　i۔تہذیب التہذیب، ج۴، ص۱۹۴۔۱۹۵　ii۔تہذیب الکمال، ج۵، ص۶۶۷　iii۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۳۴　iv۔الجرح والتعدیل، ج۵، ص۸۵

۳۔　i۔الثقات، ج۵، ص۱۸۰　ii۔تاریخ الثقات، ص۴۴۸　iii۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۲۳

۴۔　بخاری:۳۲۲۵، ۳۳۲۲، ۴۰۰۲، ۵۹۴۹، مسلم:۵۵۱۱۔۱۱۱۹، ترمذی:۲۸۰۴

ا۔ حدیث مذکور کے متابعات:

حدیث مذکور کے متابعات حسب ذیل ہیں:

ا۔ سنن ابوداؤد کی روایت کے الفاظ:

امام ابوداؤد کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُجَيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ (۱)

۲۔ سنن ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ:

امام ابن ماجہ کی روایت حسب ذیل ہے:

حدثنا أَبُو بَكْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُجَيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ، وَلَا صُورَةٌ (۲)

۳۔ مسند احمد کی روایت کے الفاظ:

امام احمد نے درج ذیل کلمات نقل کیے ہیں:

حدثنا عبدالله، حدثنی ابی، حدثنا ابوبکر بن عیاش، مدثنا مغیرة بن مقسم، حدثنا الحارث العکلی بن عبدالله بن نجی قال قال علی: کان لی من رسول الله ﷺ انا لا ندخل بیتا فیه کلب ولا جنب ولا تمثال (۳)

۴۔ مستدرک حاکم کی روایت کے الفاظ:

امام حاکم کے الفاظ روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، أَنْبَأَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، أَنْبَأَ ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَرَجُلٌ، آخَرُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ، مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، كَانَ عَلَى سَرِيَّةٍ وَأَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ بَرْدٌ شَدِيدٌ لَمْ يَرَ مِثْلَهُ، فَخَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَقَالَ :وَاللَّهِ لَقَدِ احْتَلَمْتُ الْبَارِحَةَ، وَلَكِنِّي وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ بَرْدًا مِثْلَ هَذَا هَلْ مَرَّ عَلَى وُجُوهِكُمْ مِثْلُهُ؟ قَالُوا :لَا، فَغَسَلَ مَغَابِنَهُ، وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كَيْفَ وَجَدْتُمْ عَمْرًا وَصَحَابَتَهُ لَكُمْ؟ فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ خَيْرًا وَقَالُوا :يَا

ا۔ ابوداؤد: ۲۲۷　　۲۔ ابن ماجہ: ۳۶۵۰　　۳۔ احمد: ۶۱۰

ا رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى بِنَا وَهُوَ جُنُبٌ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمْرٍو فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ وَبِالَّذِي لَقِيَ مِنَ الْبَرْدِ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ :(وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ) (النساء۴:۲۹) وَلَوِ اغْتَسَلْتُ مُتُّ، فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمْرٍو .هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُمَا عَلَّلَاهُ .بِحَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ الَّذِي(۱)

۵۔صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ:

علامہ ابن حبان کی روایت درج ذیل ہے:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بن عمرو يحدث عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ نُجَيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ:سَمِعْتُ عَلِيًّا يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ" :لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ " (۲)

۶۔سنن الدارمی کی روایت کے الفاظ:

امام دارمی نے بھی حدیث مبارکہ روایت کی ہے:

أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَارِظٍ، أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، حَدَّثَهُ، أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، حَدَّثَهُ :أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ (۳)

خلاصہ متابعات:

ان تمام آئمہ کی روایتوں میں ''ولاجنب'' کے الفاظ موجود ہیں۔

۲۔حدیث مذکور کے شواہد:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی دو روایات میں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں:

ا۔ حاکم:۶۲۸ ۲۔ ابن حبان:۱۲۰۵ ۳۔ داری:۲۶۶۳

۱۔حدیث نمبر۱:

امام ابوداود روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ :قَدِمْتُ عَلَى أَهْلِي لَيْلًا وَقَدْ تَشَقَّقَتْ يَدَايَ، فَخَلَّقُونِي بِزَعْفَرَانٍ، فَغَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، وَلَمْ يُرَحِّبْ بِي، وَقَالَ :اذْهَبْ فَاغْسِلْ هَذَا عَنْكَ ، فَذَهَبْتُ فَغَسَلْتُهُ، ثُمَّ جِئْتُ وَقَدْ بَقِيَ عَلَيَّ مِنْهُ رَدْعٌ، فَسَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، وَلَمْ يُرَحِّبْ بِي، وَقَالَ (ص 80:) :اذْهَبْ فَاغْسِلْ هَذَا عَنْكَ ، فَذَهَبْتُ فَغَسَلْتُهُ، ثُمَّ جِئْتُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ، وَرَحَّبَ بِي، وَقَالَ :إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَحْضُرُ جَنَازَةَ الْكَافِرِ بِخَيْرٍ، وَلَا الْمُتَضَمِّخَ بِالزَّعْفَرَانِ، وَلَا الْجُنُبَ ، قَالَ :وَرَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا نَامَ، أَوْ أَكَلَ، أَوْ شَرِبَ، أَنْ يَتَوَضَّأَ.(۱)

یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت آیا اور میرے دونوں ہاتھ پھٹ گئے تھے پس انہوں نے زعفران کا خلوق لگادیا۔ صبح کے وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ مرحبا کہا بلکہ فرمایا کہ جا کر اسے دھو آؤ۔ میں اسے دھو کر حاضر خدمت ہوا اور میرے اوپر ایک داغ رہ گیا تھا۔ پس میں نے سلام عرض کیا تو نہ آپ نے سلام کا جواب دیا اور نہ مرحبا کہا بلکہ فرمایا کہ جا کر اسے دھو آؤ۔ پھر میں اسے دھو کر حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کیا تو آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہا اور فرمایا کہ فرشتے کافر کے جنازے پر بھلائی لے کر نہیں آتے اور نہ زعفران کا ضماد کرنے والے کے پاس اور نہ جنبی کے پاس اور جنبی کو آپ نے سونے اور کھانے پینے کی اجازت مرحمت فرمائی جب کہ وضو کرے۔

۲۔حدیث نمبر۲: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأُوَيْسِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ :جِيفَةُ الْكَافِرِ، وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوقِ، وَالْجُنُبُ، إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ "(۲)

ہارون بن عبداللہ، عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی، سلیمان ابن بلال، ثور بن زید، حسن بن ابوالحسن نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں جن کے پاس فرشتے نہیں آتے کافر کی لاش، زعفران کا خلوق لگانے والا اور جنبی مگر جب کہ وہ وضو کرے۔

۱۔ ابوداود: ۴۱۷۶　　۲۔ ایضاً: ۴۱۸۰

خلاصہ شواہد:

ان دونوں احادیث میں بھی ''جنبی'' کے الفاظ موجود ہیں۔

فنی ابحاث کا خلاصہ:

☆ حضرت عبداللہ بن نجی کو امام عجلی' امام نسائی' علامہ ابن حبان' امام بزار نے ثقہ قرار دیا ہے' علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق قرار دیا ہے۔

☆ حضرت نجی بن سلمہ کو امام نسائی' ابن حبان' امام عجلی اور علامہ ابن سعد نے ثقہ قرار دیا ہے' علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقبول قرار دیا ہے۔

☆ امام ابوداؤد' امام نسائی' ابن ماجہ' امام احمد بن حنبل' امام حاکم' ابن حبان' امام دارمی اور علامہ ناصر الدین البانی نے مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

☆ امام ابوداؤد' ابن ماجہ' امام احمد' امام حاکم' علامہ ابن حبان اور امام دارمی کی روایات حدیث الباب کی متابعات ہیں۔

☆ امام ابوداؤد کی دو احادیث مبارکہ ہیں' اس حدیث مبارکہ کے شواہد موجود ہیں۔

نتیجہ ابحاث:

آئمہ جرح وتعدیل کی تصریحات' چھ آئمہ حدیث کی ضروریات کی متابعات اور شواہد کی بناء پر یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ ساتویں (۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی' چوتھے نیشاپوری' دوسرے' تیسرے اور پانچویں بصری اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت علی بن مدرک' عبداللہ اور نجی سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد اور داماد رسول رضی اللہ عنہ ہیں' آپ خاندان ہاشم کے چشم و چراغ اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔

☆ سند میں (ح) تحویل کی علامت ہے' جو کہ سند کی تقویت پر دلالت کرتی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا چار دفعہ' حدثنا ایک دفعہ اور عنعنہ سات دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لا تدخل:	وہ داخل نہیں ہوتے۔	**الملائکۃ:**	فرشتے
بیتا:	گھر	**صورۃ:**	تصویر
کلب:	کتا	**جنب:**	جنبی۔ناپاکی کی حالت

۷۔مسائل ونصائح:

جس گھر میں جنبی ہو وہاں فرشتے نہیں آتے:

اور جنبی کا بغیر غسل کئے گھر میں رہنا جائز ہے۔علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ یہ بات درست نہیں کہ امام بخاری نے یہ عنوان حدیث ابوداؤد کے ضعف کے اظہار کے لئے قائم کیا ہے۔حدیث ابوداؤد کو حاکم وابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔اور امام بخاری نے دراصل حدیث ابوداؤد کا مطلب واضح کرنے کے لئے یہ عنوان باندھا ہے۔کہ حدیث ابوداؤد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں پڑے رہنے کی عادت بنالے۔یہاں تک کہ نماز تک فوت ہو جائے۔تو ایسا جنبی جس گھر میں ہوگا رحمت کے فرشتے وہاں داخل نہ ہوں گے۔لیکن جو شخص اپنے کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے غسل کو مؤخر کردے یا وضو کر کے سوجائے یا اپنے کام کاج میں مشغول ہو جائے۔اور بعد میں غسل کرلے تو وہ جنبی اس وعید میں داخل نہیں ہے۔(۱)

مذکورہ وعید کا مصداق جنبی اور احادیث اسباب کا خلاصہ:

☆　وضو کرنے سے جنابت ختم تو نہیں ہوتی مگر ایک قسم کی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔خصوصاً جنبی کے اعضائے وضو پاک ہو جاتے ہیں۔لہٰذا جنبی کے لیے آئندہ نماز تک غسل میں رعایت ہے'البتہ وضو کرلے اور یہ افضل ہے جس طرح کہ دیگر احادیث میں آتا ہے۔اگر شرم گاہ وغیرہ دھو کر بلا وضو بھی سوجائے تو کوئی حرج نہیں اور یہ بھی جائز ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے'انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوجایا کرتے تھے جبکہ آپ جنبی ہوتے اور پانی کو چھوتے تک نہیں تھے۔یہ حدیث صحیح ہے۔شیخ احمد شاکر نے انتہائی محققانہ دقیق علمی اسلوب میں تفصیلاً اس حدیث کی حجیت کا اثبات کیا ہے۔تفصیل کے لیے(۲) نیز آخر میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسان بااختیار ہے۔وضو کر کے سونا افضل اور بلا وضو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوجانا بیان جواز کی خاطر تھا۔مذکورہ حدیث کو شیخ البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے اور یہی بات حق ہے۔واللہ اعلم۔اس مؤقف کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے ہیں: کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں (بلا وضو) سوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سوسکتا ہے' اگر چاہے تو وضو کرلے''۔گویا وضو کرنا اس کی مرضی پر موقوف ہے۔(۳)

۱۔　فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری'ج۲ص۲۶۔۲۷　　۲۔　شرح الترمذی:۱:۲۰۲

۳۔　صحیح ابن خزیمہ:۲۱۱'وموارد الظمآن:۲۳۲'صحیح موارد الظمآن للالبانی:۱۹۵

☆ فرشتوں سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں نہ کہ مطلق فرشتے کیونکہ محافظ فرشتے یا کاتب فرشتے بھی اسی حالت میں انسان کے پاس آ جاتے ہیں جنابت کے باوجود انسان کے پاس رہتے ہیں۔ شیخ البانی کے نزدیک یہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ ولا جنب کے اضافے کے بغیر باقی حدیث صحیح ہے کیونکہ صحیحین کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔(۱) لہٰذا جنبی کے حوالے سے یہ کہنا کہ اس وجہ سے رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے' درست نہیں کیونکہ یہ روایت ہی ضعیف ہے۔ اگرچہ ہمارے فاضل محقق نے پوری روایت کو قابل حجت سمجھا ہے' تاہم بشرط صحت جنبی سے مراد وہ جنبی ہوگا جو بلا ضرورت غسل میں تاخیر کرتا ہے ورنہ نماز کے وقت کے غسل مؤخر کرنے والا اس وعید کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس میں رخصت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اپنی سب بیویوں کے پاس جاتے اور غسل آخر میں فرماتے۔(۲)

باب مذکور کی حدیث کا سنن کی ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب:

☆ اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت ظاہر ہے' بعض علماء نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان سے اس حدیث کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے:

حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے' جس گھر میں تصویر ہو اور نہ (اس گھر میں) جس میں کتا ہو اور نہ (اس میں) جس میں جنبی ہو)(۳) لیکن یہ قول حق سے بعید ہے' اس حدیث کو امام ابن حبان نے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے' جس نے اس کو ضعیف کہا ہے' اس نے اس حدیث کو عبداللہ بن نجی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ یہ مجہول راوی ہے' لیکن العجلی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن نسائی متوفی ۳۰۳ھ لکھتے ہیں: عبداللہ بن نجی بن سلمۃ الحضرمی الکوفی ثقہ ہے۔(۴)

اس حدیث میں جنبی سے مراد وہ شخص ہے' جو غسل کرنے میں سستی کرتا ہے اور غسل میں تاخیر کرنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے اور کتے سے مراد وہ کتا ہے' جس کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور تصویر سے مراد جان دار کی تصویر' جس کو اہانت کے ساتھ نہ رکھا گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں جنبی سے مراد وہ شخص ہو' جس نے نہ غسل کیا ہو' نہ وہ وضو کیا ہو' پھر اس حدیث میں اور باب مذکور میں کوئی منافات نہیں رہے گی۔(۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب جنبی سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے' رہا یہ کہ یہ وضو واجب ہے یا مستحب ہے اس پر عنقریب کلام آئے گا۔

☆ باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۰۷۔ ج ۱، ص ۱۰۰۲ پر مذکور ہے، اس کی شرح کا عنوان ہے: مجامعت کے بعد دوبارہ

۱۔ صحیح البخاری: ۳۲۲۵' صحیح مسلم: ۲۱۰۶' ضعیف سنن ابی داوٗد: ۳۰　　۲۔ سنن نسائی (فوائد ج ۱ ص ۲۶۵)

۳۔ سنن ابوداوٗد: ۱۵۲/۴' سنن نسائی: ۲۶۱' سنن ابی ماجہ: ۳۶۵۰ ۱　　۴۔ الجرح والتعدیل للنسائی: ۲۰۴۴

۵۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۵۸' فتح الباری، ج ۱، ص ۸۰۸

مجامعت کرنے یا سونے سے پہلے وضوء کرنے کا استحباب۔(۱)

وضاحت:

تصویر اور کتے کی بحث آگے اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔(۲)

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی استدلال یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے نہ آنے کی وعید میں وہ جنبی داخل ہے، جو سونے سے پہلے وضو نہیں کرتا۔

☆ امام ابوداؤد کی روایت میں والجنب الا ان یتوضا کا اضافہ ہے، جس سے امام نسائی کے استدلال اور موقف کے بعد کی مزید تائید ہوتی ہے۔

☆ اگر جنبی سونے سے پہلے وضو کر لیتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، اسی طرح ایسا جنبی بھی مراد نہیں، جو عادتاً تاخیر نہیں کرتا، یا نماز ضائع نہیں کرتا۔

☆ یہاں پر فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، وگرنہ کراماً کاتبین اور محافظ فرشتے کسی طور پر بھی انسان سے جدا نہیں ہوتے۔

☆ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے، اور وہ تصویر ہے جو تعظیم کے لیے رکھی ہوئی یا لگائی ہوئی ہو۔

☆ اس وعید سے وہ کتے خارج ہیں، جو کھیتی باڑی یا رکھوالی کے لیے رکھے جاتے ہیں، اور اسی طرح شکاری کتے بھی خارج ہیں۔

☆ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے۔

☆ جو جنبی شخص تاخیر غسل کو عادت بنالے، یا اس وجہ سے نماز ضائع کر دے، یا سستی کی وجہ سے غسل نہ کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

☆ انسان پر غسل جیسے ہی فرض ہو، فوری نہانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆ گھروں میں کتے رکھنے اور تصاویر جاندار لٹکانے سے بچنا چاہیے، ان چیزوں کی نحوست ہوتی ہے، اور رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

☆ عصر حاضر میں بڑی مصیبت آن پڑی ہے کہ مسلمان شوقیہ کتے پالنے اور تصاویر سجا کر رکھتے ہیں، جن کی بے برکتی کی وجہ سے پریشانیاں بڑھ جائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۷۷ ۲۔ ابوداؤد: ۴۱۸۰

بَابٌ فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُودَ

باب ۱۶۹: جنبی جب دوبارہ مباشرت کرنا چاہے تو کیا کرے؟

اگر کوئی شخص ایک دفعہ مباشرت کے بعد دوبارہ بیوی سے مجامعت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عضو تناسل کو دھو لے اور وضو کرے' اسی طرح عورت بھی کرے' اس عمل سے جسم سے تھکاوٹ اور کاہلی دور ہوگی' اور طاقت ونفاست بھی حاصل ہوگی۔ پچھلے باب میں جنبی کے وضو نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا بیان تھا' اس باب میں جنبی کے دوبارہ جماع کرنے سے پہلے کا حکم بیان ہوا ہے' دونوں باب جنبی کی حالت جنابت سے متعلق ہیں۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے مسائل کا استخراج کیا ہے۔

۲۶۲۔ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَعُودَ تَوَضَّأَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم میں سے کوئی دوبارہ جماع کرنا چاہے تو وضو کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۳۰۸' ابوداؤد: ۲۲۰' ترمذی: ۱۴۱' ابن ماجہ: ۵۸۷' احمد: ۱۱۲۲۷' السنن الکبریٰ: ۲۵۸' تحفۃ الاشراف: ۴۲۵۰۔

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں' جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابومتوکل کے حالات سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔

۱۔ الحسین بن حریث: راجع: ۵۲ ۲۔ سفیان: راجع: ۱۲۵

۳۔ عاصم: راجع: ۲۳۹

۴۔ ابوالمتوکل:

آپ کا نام ابومتوکل علی بن داؤد نامی سامی بصری (م: ۱۰۸ھ) ہے' آپ ابومتوکل کی کنیت سے مشہور ہیں' آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں' آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں' آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں (ا) آپ سے سنن نسائی میں دس احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

ا۔ ا۔ تاریخ الدوری' ج ۲' ص ۴۱۷ ii۔ علل لابن مدینی' ص ۷۰

۵۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ :

نام ونسب:

سعد نام ہے۔ابو سعید کنیت' خاندان خدرہ سے ہیں۔سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن الجبر (خدرہ) ابن عوف بن خزرج۔ والدہ کا نام انیسہ بنت ابی حارثہ تھا۔ وہ قبیلہ عدی بن نجار سے تھیں۔ دادا (سنان) شہید کے لقب سے مشہور اور رئیس تھے۔ جاویصہ کے قریب اجرو نام قلعہ ان کی ملکیت تھا۔ اسلام سے پیشتر فقہاء کرتے تھے۔ باپ نے ہجرت سے چند سال قبل عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے نکاح کیا تھا' جو پہلے عمان اوسی کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ یہ ہجرت سے ایک برس پیشتر کا واقعہ ہے۔

اسلام:

مدینہ میں تبلیغ اسلام کا سلسلۂ بیعت عقبہ سے جاری تھا۔ خود انصار داعی اسلام بن کر توحید کا پیغام اپنے قبیلوں کو پہنچاتے تھے۔ سعد بن مالک بن سنان نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ شوہر کے ساتھ بیوی بھی اسلام لائیں۔ اس لئے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔

غزوات اور دیگر حالات:

ہجرت کے پہلے برس مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اس نیک کام میں شرکت کی۔(۱) غزوہ احد میں باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں گئے۔ اس وقت ۱۳ برس کا سن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کمسن خیال کر کے واپس کیا۔ مالک نے ہاتھ پکڑ کر دکھایا کہ ہاتھ پورے مرد کے ہیں' تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔

اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو مالک نے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر کسی شخص کو ایسے شخص کے دیکھنے کی خواہش ہو جس کا خون میرے خون سے آمیز ہوا ہو تو مالک بن سنان کو دیکھے'' اس کے بعد نہایت جانبازانہ لڑ کر شہادت حاصل کی۔(۲)

باپ نے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی تھی۔ اس سے ان کی شہادت سے بیٹے پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ پیٹ پر پتھر باندھا۔ ماں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' آج انہوں نے فلاں شخص کو دیا ہے' تم کو بھی کچھ دیں گے۔ پوچھا گھر میں کچھ ہے' وہاں کیا دھرا تھا۔ اس لئے خدمت اقدس میں پہنچے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ''جو شخص ایسی حالت میں صبر کرے خدا اس کو غنی کر دے گا''۔ یہ سن کر دل میں کہا: میری یاقوتہ (اونٹنی کا نام تھا) موجود ہے پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ کر چلے آئے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا تھا پورا ہو کر رہا۔ رازق عالم نے باب رزق کھول دیا۔ یہاں تک تمام انصار سے دولت وثروت میں

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۵ ۲۔ مسند ایضاً' ج ۳' ص ۴۹۹

بڑھ گئے۔ احد کے بعد مصطلق کا غزوہ پیش آیا۔ اس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد غزوہ خندق ہوا' اس وقت وہ پانژدہ سالہ تھے۔ عمر کی طرح ایمان کا بھی شباب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں داد شجاعت دی۔

صفر ۸ھ میں عبداللہ بن غالب لیثی لشکر لے کر فدک روانہ ہوئے' یہ بھی ساتھ تھے۔ عبداللہ نے تمام لشکر کو تاکید کی خبردار متفرق نہ ہونا اور اس کی مصلحت کے لئے برادری قائم کرنے کی ضرورت ہوئی۔ جو بصہ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے' ان کے بھائی بنائے گئے۔ برادری کا نتیجہ عمدہ صورت میں نمودار ہوا۔ (۱)

ربیع الثانی ۹ھ میں علقمہ بن مجزر ایک سریہ کے ساتھ بھیجے گئے' یہ بھی فوج میں تھے۔ عبداللہ بن حذافہ نے اسی غزوہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن ان کا منشا نہ تھا۔ وہ نہایت خوش مزاج آدمی تھے۔ طبیعت مذاق کی عادی تھی۔ لوگوں نے اس کو صحیح سمجھ کر کودنا چاہا تو خود روکا کہ میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔ (۲)

اسی سلسلہ میں سریہ جس میں ۳۰ آدمی شامل تھے اور دار قطنی کی روایت کے بموجب ابوسعید رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے' کسی مقام کی طرف روانہ ہوا' ایک جگہ پڑاؤ تھا۔ گاؤں والوں سے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ انہوں نے ضیافت کرنے سے انکار کیا۔ اتفاق سے سردار قبیلہ کو بچھو نے ڈنک مارا۔ لوگوں نے بہت علاج کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ صحابہ کے پاس جاؤ' ان کو شاید کچھ علاج معلوم ہو۔ چنانچہ وہ لوگ آئے اور واقعہ بیان کیا۔ بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جھاڑ سکتا ہوں۔ لیکن ۳۰ بکری اُجرت ہوگی۔ انہوں نے منظور کر لیا۔

آپ نے جا کر سورہ الحمد پڑھی اور زخم پر تھوک دیا۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور بے تکلف چلنے پھرنے لگا اور ان لوگوں نے بکریاں لے کر مدینہ کا رخ کیا۔ سب کو تردد تھا کہ ان کا لینا جائز ہے کہ نہیں۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ خود آنحضرت ﷺ سے پوچھا جائے۔ آپ ﷺ نے پورا واقعہ سن کر تبسم کیا اور فرمایا "تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ کا کام دیتی ہے؟ پھر کہا: تم نے ٹھیک کیا۔ اس کو تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگانا۔

ان غزوات کے علاوہ حدیبیہ' خیبر' فتح مکہ' حنین' تبوک اور طاؤس میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن چونکہ ان میں ان کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عہد نبوی کے ۱۲ غزوات میں ان کو شرف شرکت حاصل تھا۔ عہد نبوی کے بعد مدینہ ہی میں قیام رہا۔ عہد فاروقی وعثمانی رضی اللہ عنہما میں فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگ نہروان پیش آئی۔ اس میں نہایت جوش سے حصہ لیا۔ (۳) فرماتے ہیں کہ ترکوں کی بہ نسبت خوارج سے لڑنا زیادہ ضروری جانتا ہوں۔ (۴) یزید کے مطالبہ بیعت کے وقت جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو اور صحابہ رضی اللہ علیہم کی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ یہیں تشریف رکھیں۔ (۵) مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نہیں مانا۔

۱۔　مسند احمد، ج ۳، ص ۴۴۹، وطبقات ابن سعد، ص ۹۱　　۲۔　مسند احمد، ج ۳، ص ۶۷　　۳۔　صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۵۱

۴۔　مسند احمد، ج ۳، ص ۵۶　　۵۔　ایضاً ص ۳۳

۶۱ھ میں یزید کی بداعمالیوں کی وجہ سے اہل حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے' بیعت کی۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے ۶۳ھ میں اہالیان حرم رسول اللہ ﷺ نے علانیہ یزید سے فسخ بیعت کر کے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ الغسیل انصاری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لشکر شام سے مقابلہ پیش آیا۔ جس میں اہل مدینہ کو ہزیمت ہوئی اور حضرت عبداللہ نہایت جانبازی سے لڑکر مارے گئے۔ اس وقت عجیب تشویش اور اضطراب کا عالم تھا۔ مدینہ کا گلی کوچہ خون سے لالہ زاد تھا۔ مکان لوٹے جا رہے تھے۔ عورتیں بے ناموس کی جا رہی تھیں اور وہ مقام جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرح حرم فرمایا۔ اہل شام کے ہاتھوں قتل وغارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بے حرمتی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن یہاں بھی پناہ نہ تھی۔ ایک شامی بلائے بے درماں کی طرح پہنچ گیا اور اندر تلوار اٹھائی۔ انہوں نے بھی دھمکانے کی خاطر تلوار کھینچ لی' وہ آگے بڑھا' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر تلوار رکھ دی اور یہ آیت پڑھی: ''لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف اللّٰہ رب العٰلمین '' اگر تم مجھے مارنے کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہارے مارنے کو تیار نہ ہوں گا۔ کیونکہ میں خدائے رب العالمین کا خوف کرتا ہوں''۔ شامی یہ سن کر پیچھے ہٹا اور کہا: خدا کے لئے بتایئے' آپ کون ہیں؟ ابوسعید خدری! بولا' رسول اللہ ﷺ کے صحابی۔ کہا' ہاں۔ یہ سن کر غار سے نکل کر چلا گیا۔ (۱) غار سے مکان میں آئے تو یہاں عام دار و گیر تھی۔ شامی ابن دبحہ کے پاس پکڑے گئے' اس نے یزید کی خلافت پر بیعت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو معلوم تھا۔ انہوں نے جا کر کہا' میں نے سنا ہے آپ نے دو امیروں کو بیعت کی ہے؟ فرمایا: ہاں' بیشتر ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کی تھی' پھر شامی پکڑ کر لے گئے اور یزید کی بیعت کی۔ ابن عمر نے کہا اسی کا خوف تھا۔ کہا' بھائی! کیا کرتا' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے شب و روز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے چاہئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: لیکن میں دو امیروں کی بیعت پسند نہیں کرتا۔

وفات:

۷۴ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔ اس وقت بہت سن تھے' ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ لوگوں نے عمر کا تخمینہ ۷۴ سال کیا ہے۔ لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۸۶ برس کی عمر تھی (۲)) اور یہی صحیح ہے۔

اولاد:

دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجزہ تھا، جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں۔ دوسری کا نام ام عبداللہ بنت عبداللہ مشہور تھیں اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں۔ اولاد کے نام یہ ہیں۔ ا۔ عبدالرحمٰن، ۲۔ حمزہ، ۳۔ سعید

دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجزہ تھا' جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں۔ دوسری ام عبداللہ بنت عبداللہ مشہور تھیں اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں۔ اولاد کے نام یہ ہیں: ا۔ عبدالرحمٰن ۲۔ حمزہ ۳۔ سعید

ا۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۵۷، طبری، ص ۴۱۸　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۳۷

حلیہ:

حلیہ یہ تھا: مونچھیں باریک کٹی ہوئی' داڑھی میں زرد خضاب' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔(۱)

علم وفضل:

قرآن مجید ایک قاری سے پڑھا تھا۔ انصار کے کئی حلقۂ درس قائم تھے جن میں علمائے انصار درس دیتے تھے۔ حضرت ابوسعید کی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگوں کے پاس بدن کے کپڑے تک نہ تھے۔ ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ چھپ کر بیٹھتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اس وقت قاری قرأت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ سب کے پاس بیٹھ گئے اور اشارہ کیا کہ لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھیں۔ چنانچہ سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ اس تمام جماعت میں صرف حضرت ابوسعید کو آنحضرت ﷺ پہچانتے تھے۔(۲)

حدیث وفقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے سیکھی تھی۔ خلفائے اربعہ اور حضرت زید بن ثابت سے روایتیں کیں۔ کثرت سے حدیثیں یاد تھیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ ان صحابہ اور ممتاز تابعین کے نام نامی جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا' یہ ہیں:

زید بن ثابت' عبداللہ بن عباس' انس بن مالک' ابن عمر' ابن زبیر' جابر' ابوقتادہ' محمود بن لبیہ' ابوالطفیل' ابوامامہ بن سہل' سعید بن مسیّب' طارق بن شہاب رضی اللہ عنہم، عطاء' مجاہد' ابوعثمان' مہندی' عبید بن عمیر' عیاض بن ابی سرح' بشر بن سعید' ابونصرہ' سعید بن سیرین' عبداللہ بن محریز' ابوالمتوکل ناجی وغیرہ۔ آپ کا حلقہ درس آدمیوں سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ جو لوگ کوئی خاص سوال کرنا چاہتے تو بہت دیر سے موقع ملتا۔(۳) اوقات درس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرنا چاہتا تو جواب سے مشرف فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس نے اپنے بیٹے علی اور غلام عکرمہ کو بھیجا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر آؤ۔ اس وقت وہ باغ میں تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ان کے پاس آ کر بیٹھے اور حدیث بیان کی (۴) روایت حدیث کے ساتھ سماع کی نوعیت بھی ظاہر فرما دیتے تھے۔ عبداللہ بن عمر نے کسی سے ایک حدیث سنی تھی۔ وہ ابوسعید سے راوی تھا۔ ابن عمر اس کو لے کر ان کے پاس گئے اور پوچھا: اس شخص نے فلاں حدیث آپ سے سنی ہے۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی؟ فرمایا: "بصیر عینی وسمع اذنی" یعنی میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔(۵) ایک راوی قزعہ کو ایک حدیث بہت پسند آئی۔ انہوں نے بڑھ کر پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا تھا۔ اس سوال پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ فرمایا: "تو کیا میں بے سنے بیان کر رہا ہوں۔ ہاں میں نے سنا تھا۔ جس حدیث کے الفاظ پر اعتماد نہ ہوتا' اس کے بیان میں احتیاط کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک حدیث روایت کی' لیکن رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا۔ ایک شخص نے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے؟ فرمایا میں بھی جانتا ہوں۔(۶)

۱۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۷۸ ۲۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۶۳ ۳۔ ایضاً، ص ۳۵

۴۔ ایضاً، ص ۹۰۔ ۹۱ ۵۔ ایضاً، ص ۹۱ ۶۔ ایضاً، ص ۲۹

اخلاق وعادات:

نہایت حق گو تھے۔فرمایا کرتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو حق گوئی کی تاکید کرتے سنا تھا۔لیکن کاش ایسا نہ ہوتا۔(۱) ایک مرتبہ حدیث کا جس میں حق گوئی کی تاکید تھی، ذکر چھیڑا تو رو کر کہا کہ حدیث تو ضرور سنی، لیکن عمل بالکل نہ ہوسکا۔(۲) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بہت سی نئی باتیں پیدا ہوگئی تھیں۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سفر کرکے ان کے پاس گئے اور تمام خرابیاں گوش گذار کیں۔(۳)

ایک مرتبہ انہی سے انصار کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تکلیفوں پر صبر کا حکم دیا، امیر نے کہا تو صبر کیجئے۔(۴) ایک مرتبہ مروان سے فضیلت صحابہ رضوان اللہ کی حدیث بیان کی۔وہ بولا جھوٹ بکتے ہو۔زید بن ثابت اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما بھی اس کے تخت پر بیٹھے تھے۔ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا ان سے پوچھو۔لیکن یہ کیوں بتائیں گے۔ایک کو صدقہ کی افسری سے معزول ہونے کا خوف ہوگا، دوسرے کو ڈر ہوگا کہ جنبش لب سے ریاست قوم چھنتی ہے۔یہ سن کر مروان نے مارنے کو درہ اٹھایا۔اس وقت دونوں بزرگوں نے ان کی تصدیق کی۔(۵) اسی طرح مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا اور نماز سے قبل خطبہ پڑھا۔ایک شخص نے اٹھ کر ٹوکا کہ دونوں باتیں خلاف سنت ہیں۔بولا کہ اگلا طریقہ متروک ہوچکا ہے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا چاہے کچھ بھی ہو، مگر اس نے پورا فرض ادا کردیا۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرنا چاہئے۔اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دل سے ضرور برا سمجھے۔(۶) امر بالمعروف کے ولولہ کا یہ حال تھا کہ یہی مروان ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، اس میں سعید بھی شریک تھے۔دیکھا تو دونوں جنازے کے لئے نہیں اٹھے۔فرمایا: اے امیر! جنازہ کے لئے اٹھ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اٹھا کرتے تھے۔یہ سن کر مروان کھڑا ہوگیا۔(۷)

جب مصعب زبیر مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو عیدالفطر میں دریافت فرمایا کہ نماز اور خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا عمل کیا تھا؟ فرمایا: خطبہ سے قبل نماز پڑھاتے تھے۔چنانچہ مصعب نے اس دن اسی قول پر عمل کیا۔(۸)

ایک مرتبہ ایک شہر بن حوشب کو سفر طور کا خیال دامن گیر ہوا۔وہ ملاقات کو آئے۔ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تین مسجدوں کے علاوہ (اور کسی مقدس مقام کے لئے) شدرحال کی ممانعت ہے۔(۹)

حضرت ابن ابی صعصہ مازنی کو جنگل پسند تھا۔ان کو ہدایت کی کہ وہاں زور سے اذان دیا کریں کہ تمام جنگل نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھے۔(۱۰)

نہی عن المنکر کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن متواتر بغیر کچھ کھائے پیے روزے رکھتی تھیں۔آنحضرت ﷺ نے ایسے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ان کو ہمیشہ منع کرتے تھے۔(۱۱)

۱۔مسند احمد، ج۳ص۵　　۲۔ایضاً ص۶۱ ص۱۷　　۳۔ایضاً ص۸۴　　۴۔ایضاً ص۸۹
۵۔ایضاً ص۲۳　　۶۔مسند احمد، ج۳ص۱۰　　۷۔ایضاً ص۴۷، ۹۷　　۸۔ایضاً ص۹
۹۔ایضاً ص۹۳　　۱۰۔ایضاً ص۳۵　　۱۱۔ایضاً ص۹۵

سنت کے پورے متبع تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے یا کسی سبب سے نہ آ سکے تو ابو سعید خدری نے امامت کی۔ ان کے طریقۂ نماز سے لوگوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا "میں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح پڑھائی ہے۔ باقی تمہاری کیا مخالفت کی تو اس کی مجھے بالکل پرواہ نہیں۔ (۱)

مزاج میں بردباری اور تحمل تھا۔ ایک مرتبہ پاؤں میں درد ہوا' پیر پر پیر رکھے لیٹے تھے کہ آپ کے بھائی نے آ کر اسی پاؤں پر ہاتھ مارا' جس سے درد بڑھ گیا۔ انہوں نے نہایت نرم لہجے میں کہا: تم نے مجھے تکلیف پہنچائی' جانتے تھے کہ درد ہے؟ جواب ملا: ہاں! لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح لیٹنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ (۲)

مگر ناحق باتوں پر غصہ آ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حج پر جا رہے تھے' ایک درخت کے نیچے قیام ہوا۔ ابن صیاد بھی جس کے دجال ہونے میں شبہہ تھا۔ اسی درخت کے نیچے ٹھہرا تھا۔ ان کو برا معلوم ہوا۔ لیکن خاموش رہے۔ اس نے خود چھیڑ کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ ان کو رحم آ گیا۔ مگر جب اس نے ایک خلاف واقعہ دعویٰ کیا تو بگڑ گیا: تبالك سائر اليوم۔ (۳)

سادگی اور بے تکلفی فطرت ثانیہ تھی۔ ایک جنازہ میں بلائے گئے' سب سے اخیر میں پہنچے۔ لوگ بیٹھ چکے تھے' ان کو دیکھ کر اٹھے اور جگہ خالی کر دی۔ فرمایا یہ مناسب نہیں' انسان کو کشادہ جگہ میں بیٹھنا چاہیے۔ چنانچہ سب سے الگ کھلی جگہ پر جا کر بیٹھے۔ (۴)

حضرت ابو سلمہ سے یارانہ تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے آواز دی۔ یہ لوچا در اوڑھے نکل آئے۔ ابو سلمہ نے کہا ذرا باغ تک چلئے' آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چنانچہ ساتھ ہو لیے۔ (۵) اس واقع میں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ ابو سلمیٰ تابعی اور وہ صحابی ہیں۔ اس کے ماسوا ابو سلمہ کو تلمذی بھی حاصل ہے۔ یتیموں کی پرورش بھی کرتے تھے۔ لیث اور سلیمان بن عمرو بن عبد القعنواری انہی کے تربیت یافتہ تھے۔ (۶)

ہاتھ میں چھڑی لیتے تھے۔ پتلی چھڑیاں زیادہ پسند تھیں۔ کھجور کی شاخیں لاتے اور ان کو سیدھا کر کے چھڑی بناتے تھے۔ یہ بھی رسول ﷺ کا اتباع تھی۔ (۷) (۸)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔ امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے ستاسویں (۸۷) حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۸ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً، ص ۴۳ ۴۔ ایضاً، ص ۱۸

۵۔ ایضاً، ص ۶۰ ۶۔ ایضاً، ص ۳۳،۱۱ ۷۔ ایضاً، ص ۶۵ ۸۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۱۸۵۔۱۹۲

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں' البتہ حضرت حسین بن حریث سے امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی' دوسرے مکی' تیسرے اور چوتھے بصری اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ انصاری مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابوسعید خدری مکثرین سبعہ رواۃ کہ صحابہ میں سے تھے۔آپ سے ایک ہزار ایک سو ستر احادیث مروی ہیں۔

☆ جن میں سے تینتالیس احادیث متفق علیہ ہیں' جبکہ چھبیس میں امام بخاری اور باون میں امام مسلم منفرد ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت ''اخبرنا'' ایک ایک دفعہ اور ''عنعنہ'' چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا اراد: جب وہ قصد کرے۔جب وہ چاہے۔

احدکم: تم میں سے کوئی' کوئی ایک۔

ان یعود: لوٹنا' دوبارہ جانا۔

توضا: وہ وضو کرے۔

۷۔مسائل ونصائح:

تقدم: ۲۶۴

۸۔خلاصہ:

ایضاً

بَابُ إِتْيَانِ النِّسَاءِ قَبْلَ إِحْدَاثِ الْغُسْلِ باب ۱۷۰: کئی بیویوں سے مباشرت کے بعد ایک ہی غسل کرنا

اگر ایک سے زائد بیویوں سے ہم بستری کرنی ہو تو علیحدہ علیحدہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آخر میں ایک ہی غسل کرنا کافی ہے۔البتہ ہر مجامعت کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے۔اس باب میں اسی امر کا بیان ہے۔اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔پچھلے باب میں دوبارہ جامع سے قبل وضو کرنے کا بیان تھا اور اس باب میں متعدد دوبارہ جماع کے بعد آخر میں ایک ہی دفعہ غسل کرنے کا بیان ہے۔

۲۶۳۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِإِسْحَاقَ قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں تمام بیویوں سے مباشرت فرمائی، پھر ایک ہی دفعہ نہائے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ سے متعدد ازواج سے ہم بستری کرنا اور آخر میں ایک ہی دفعہ غسل کرنا واضح ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۲۱۸، احمد:۱۱۹۴۶، السنن الکبری:۲۵۹، تحفۃ الاشراف:۵۶۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں۔ان سب کے حالات کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع:۱۲۸　　**۲۔یعقوب بن ابراہیم:** راجع:۲۲

۳۔اسماعیل بن ابراہیم: راجع:۱۷۱　　**۴۔حمید الطویل:** راجع:۱۰۸

۵۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔اس کے شواہد بخاری و مسلم میں ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ بارہویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ رباعیات امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ امام نسائی کے شیخ حضرت یعقوب بن ابراہیم آئمہ صحاح ستہ کے استاد ہیں جن سے تمام بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔

☆ واللفظ لاسحاق سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے متن کے الفاظ شیخ اسحاق بن ابراہیم کے ہیں۔

☆ اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ دونوں شیوخ کے الفاظ میں فرق ہے مگر مفہوم ایک ہی ہے۔اور حضرت یعقوب بن ابراہیم

نے روایت بالمعنی بیان کی ہیں۔

☆ حضرت حمید کے لقب طویل کی علماء نے دو وجہ بیان کی ہیں:
۱۔ حمید نام کا کوئی شخص آپ کا پڑوسی تھا اور اس کا لقب قیصر تھا' اس لیے پہچان کے لیے آپ کا لقب طویل ہے۔
۲۔ آپ کے ہاتھ لمبے تھے۔ اس وجہ سے طویل کے لقب سے مشہور ہوئے۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی' دوسرے راوی بغدادی اور باقی بصری ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔ آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ آپ شہر بصرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

طاف:	آپ جاتے۔ مراد ہے ہم بستری فرماتے۔
نساء:	اپنی بیویاں' اپنی ازواج
لیلة:	ایک رات۔
غسل واحد:	ایک دفعہ غسل' ایک دفعہ نہانا۔

۲۶۴۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ :أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بیویوں سے حقوق ادا کر کے ایک غسل فرماتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ میں تمام ازواج سے مجامعت کر کے ایک ہی دفعہ آخر میں غسل کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ اطراف:

ترمذی: ۱۴۰' ابن ماجہ: ۵۸۸' احمد: ۱۲۹۲۴' السنن الکبریٰ: ۲۶۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں۔ ان سب کی سرگزشت حیات سپرد قلم کی جا چکی ہے۔

۱۔ محمد بن عبید: راجع: ۲۲۶ ۲۔ عبداللہ بن مبارک: راجع: ۲۲۹

۳۔ معمر: راجع:۱۶۱ ۴۔ قتادہ: راجع:۱۳۹

۵۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے اٹھاسویں (۸۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ سند پچھلی سند سے نازل ہے کیونکہ اس کے چار راوی ہیں اور یہ پانچ رواۃ پر مشتمل ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ البتہ حضرت ابو جعفر نخاس سے امام بخاری، مسلم اور ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی کوفی، دوسرے مروزی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور عنعنہ دو دفعہ، جبکہ حدثنا ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

کان یطوف: آپ جاتے، آپ مباشرت کرتے تھے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے حوالہ سے بہت معرکۃ الاراء ہیں۔ اس لیے دوبارہ جماع سے قبل وضو کے مستحب ہونے، تعداد ازواج، امہات المؤمنین رضوان اللہ علیھن کا تعارف، ازواج النبی کی تعداد، بیک وقت تعداد، باندیوں کی تعداد، حدیث مذکور واقعہ کے زمانے کا تعین اور دیگر متعلقہ مسائل پر تفصیل سے بحث ہوگی۔

دوبارہ جماع سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، واجب نہیں:

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

ہم نے ایک اور باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماع کرتے تھے، پھر دوبارہ جماع کرتے تھے اور وضو نہیں فرماتے تھے۔ (۱)

اور یہ حدیث ہمارے نزدیک دوبارہ جماع کرنے سے پہلے وضو کرنے کے وجوب کے حکم کے لیے ناسخ ہے اور اس کا استحباب باقی ہے۔ (۲)

۱۔ شرح معانی الآثار، ج۱، ص۱۲۷، نخب الافکار، ج۱، ص۴۹۴ ۲۔ شرح معانی الآثار، ج۱، ص۱۲۷، نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار، ج۱، ص۴۹۴

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار جماع سے پہلے غسل کرتے تھے:

حضرت ابورافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی تمام ازواج کے پاس جاتے اور اس کے پاس بھی غسل کرتے اور اس کے پاس بھی غسل کرتے۔ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ایک ہی بار غسل کر لیتے! آپ نے فرمایا: یہ زیادہ ستھرا اور زیادہ طاہر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (۱)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ آپ کا یہ عمل بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطور استحباب تھا۔

اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا۔ (۲)

حافظ علامہ بدرالدین بن محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب انسان کو قدرت ہو تو کثرت جماع مکروہ نہیں ہے اور متعدد بار جماع کرنے کے بعد ایک بار غسل کرنا کافی ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دوبارہ جماع کے درمیان وضو کرنا واجب نہیں۔ اور اس کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنے کا حکم جمہور کے نزدیک مستحب ہے امام شافعی نے اس کو واجب نہیں کہا اور نہ ان کے اصحاب اس حکم کے وجوب کو پہچانتے ہیں۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی ازواج کی تعداد اور ان کے اسماء:

حافظ علامہ بدرالدین بن محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اس وقت آپ کی ازواج کی تعداد نو (۹) تھی اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق تیمیہ (۲) حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب العدویہ (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب الامویہ (۴) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۵) حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ (۶) حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ (۷) حضرت سودہ بنت زمعہ العامریہ (۸) حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار المصطلقیہ (۹) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب النضریہ الاسرائیلیہ الہارونیہ رضی اللہ عنہن۔ (۵)

۱۔ شرح معانی الآثار ۲۵۷، سنن ابی داؤد: ۲۱۹، سنن ابن ماجہ: ۵۹۰، مسند احمد: ج ۲، ص ۸۔۱۰: ۳۹۱

۲۔ شرح معانی الآثار: ۲۶۷، صحیح مسلم: ۳۰۹، سنن ابی داؤد: ۲۱۸، سنن ترمذی: ۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۵۲۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۹۔۲۲۵

۳۔ نخب الافکار فی تنقیح الاخبار ج ۱، ص ۸۰۰ ۴۔ فتح الباری ج ۱، ص ۸۱۰، نعمۃ الباری ج ۱، ص ۷۶۹ ۵۔ نعمۃ الباری ج ۱، ص ۷۴۵

حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ پر اعتراض کے جوابات:

ڈاکٹر محمد اکرم ورک لکھتے ہیں:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس رات اور دن کی ایک ہی ساعت میں دورہ کر لیتے تھے۔ اور وہ گیارہ تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ وہ بولے کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔ سعید نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ انس رضی اللہ عنھم نے نو بیبیاں بیان کیں۔

اس حدیث پر متعدد پہلوؤں سے شدید اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

گیارہ بیویوں سے ایک ہی وقت میں مباشرت کیسے ممکن ہے؟ آپ بہرحال ایک بشر ہی تھے۔ اس لیے یہ حدیث عقل کے خلاف ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ سخت قابل اعتراض ہے۔

آپ کے نکاح میں بیک وقت گیارہ ازواج کبھی بھی نہیں رہیں۔ اس لفظ سے یہ حدیث تاریخی غلط بیانی پر مبنی ہے۔

شبیر احمد ازہر میرٹھی (م ۲۰۰۵ء) اس حدیث پر ایک اور پہلو سے درایتی اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس پر یہ بجا سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ یہ واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا چشم دید تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ کم سن تھے۔ دن میں خدمت کرتے، رات کو اپنی والدہ ام سلیم اور سوتیلے باپ ابوطلحہ انصاری کے یہاں رہتے تھے جیسے بچے اپنے گھر رہا کرتے تھے۔ پوری مدتِ خدمت میں جو تقریباً دس سال تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک رات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بسر نہیں کی۔ لامحالہ اگر انس رضی اللہ عنہ کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ آیا تھا تو کسی نے اسے سنا ہو گا۔ مگر کس سے؟ کیا خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے انس رضی اللہ عنہ جیسے ایک نوعمر لڑکے کو اپنی شب باشی کا ایسا واقعہ سنایا ہو۔ یا ازواج مطہرات میں سے ہی کسی نے انس کو یہ بتا دیا ہو؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی قطعاً ممکن نہیں۔ اور ناقابل تصور چیز ہے۔ یا ام سلیم والدۂ انس کو کسی ام المومنین سے یہ بات معلوم ہوئی ہو اور موصوفہ نے اپنے فرزند یعنی انس رضی اللہ عنہ کو بتا دیا ہو۔ واللہ یہ بھی محال ہے۔ کوئی ماں اپنے بیٹے سے اس طرح کی بات نہیں کر سکتی۔ پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس واقع کا علم ہونے کی قطعاً کوئی صورت نہ تھی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی بات جزم و یقین کے ساتھ کہی ہو۔ جس کا انہیں کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت انس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ قصہ بیان نہیں کیا۔

توضیحات:

ذیل میں ہم مذکورہ تمام اشکالات کا الگ الگ جائزہ لیں گے۔

جہاں تک پہلے اشکال کا تعلق ہے کہ ایک رات میں کوئی بھی انسان اپنی نو بیویوں سے ہم بستری کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا جواب خود حدیث مبارکہ کے متن میں ہی موجود ہے:

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ان سب کی طاقت رکھتے تھے؟ وہ بولے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی تھی۔

حضرت انس نے یہ بات کہہ کر درحقیقت قتادہ کو یہ تعلیم دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ آپ روحانی، جسمانی، ظاہری اور باطنی تمام قوتوں میں دوسرے انسانوں پر فائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی جسمانی اور روحانی قوت عطا فرمائی تھی۔ اور آپ عام انسانوں سے کہیں بڑھ کر طاقت ور تھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کو جس طرح روحانی قوت میں خاص فضیلت عطا فرماتا ہے، اسی طرح وہ جسمانی قوت میں بھی عام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت و رقوت کے بہت سے شواہد کتب سیرت میں ملتے ہیں۔ آپ کی جسمانی طاقت کا عالم یہ تھا کہ اپنے دور کا طاقت ور پہلوان رکانہ آپ کے مقابلے میں خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اسی طرح غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی کے دوران جب ایک ناقابل تسخیر چٹان سامنے آ گئی تو آپ کے ایک ہی وار سے پاش پاش ہو گئی۔ حالانکہ اس چٹان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا جم غفیر توڑنے سے عاجز آ گیا تھا۔

آپ کی جسمانی صحت تریسٹھ برس کی عمر میں بھی قابل رشک تھی۔ اور جب آپ کا وصال ہوا تو ریش مبارک کے صرف چند بال ہی سفید ہوئے تھے۔

آپ سحری یا افطاری کے وقت کچھ کھائے بغیر مسلسل کئی کئی دن تک روزے سے رہتے تھے۔ اور جب آپ کی پیروی میں صحابہ کرام نے بھی ایسا کرنے کی کوشش کی تو آپ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ:

تم میں سے کون مجھ جیسا ہے؟ مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو روحانی اور جسمانی قوت اور طاقت کے اعتبار سے عام انسانوں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ ابن حجر نے اسی پہلو کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر معمولی جسمانی طاقت انبیاء کرام کی خصوصیات میں ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک شب میں اپنی ساٹھ یا ستر بیویوں سے مفارقت کی تھی۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ خصوصیت اس پہلو سے زیادہ نمایاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دیگر مشغولیات اور مصروفیات کی کثرت کے ساتھ زیادہ کھاتے پیتے بھی نہیں تھے۔

دوسرے نکتے سے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ اگرچہ ایک ہی رات میں باری باری تمام بیویوں کے پاس جانے اور ان سے ہم بستری کرنے سے بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے متعلق ایک نامناسب تاثر پیدا ہوتا ہے لیکن یہ اشکال دور ہو جاتا ہے، اگر یہ بات سامنے رکھی جائے کہ آپ ایسا جنسی تلذذ کے لیے نہیں، بلکہ بعض مواقع پر کسی خاص ضرورت اور حکمت کے تحت کرتے تھے۔ اور اس میں

درحقیقت آپ کی اپنی نہیں بلکہ ازواج مطہرات کے حقوق اور جذبات کی رعایت اور ان کے مابین عدل وانصاف ملحوظ ہوتا تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج کے پاس رات گزارنے کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ اور آپ اپنی ہر زوجہ کے پاس ایک دن اور ایک رات گزارا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کی قلبی کیفیات اور خواہشات وضروریات کو میاں بیوی ہی بہت سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے یہ بات کسی طرح بھی بعید از امکان نہیں کہ کسی موقع پر نبی کریم ﷺ مقررہ باری کے لحاظ سے تو کسی ایک زوجہ محترمہ کے پاس مقیم ہوں، لیکن اسی رات آپ کسی خانگی یا شخصی مصلحت کے تحت کسی دوسری زوجہ سے مقاربت کی ضرورت بھی محسوس فرمائی ہو۔ اب چونکہ اس زوجہ کا حق زوجیت آپ نے اس کی مقرر باری سے ہٹ کر ادا فرمایا۔ اس لیے عدل اور دیگر ازواج کی دلداری کے پہلو سے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ اسی رات باقی تمام ازواج کا حق زوجیت بھی ادا کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت میں یہ پہلو بیان نہیں ہوا کہ آپ ایک ہی رات میں تمام ازواج کے ساتھ مقاربت کن خاص مواقع پر کیا کرتے تھے۔ لیکن بعض دوسری روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طریقہ آپ عام طور پر کسی لمبے سفر پر روانگی سے پہلے اختیار فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كنت اطيب رسول الله ثم يطوف على نسائه ثم يصبح محرما ينضغ طيبا۔

یعنی میں نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی پھر آپ ﷺ اپنی ازواج کے پاس دورہ کرتے تھے۔ پھر اگلی صبح اسی کیفیت میں احرام باندھ لیتے تھے کہ آپ کے جسم سے خوشبو اٹھ رہی ہوتی تھی۔

یہاں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ یا حج کے لیے روانگی کے وقت نبی کریم ﷺ کا معمول بیان کر رہی ہیں۔ کہ جس دن آپ کو سفر پر روانہ ہونا ہوتا تھا اس سے پہلی رات کو آپ ﷺ سب ازواج مطہرات کے پاس جاتے تھے اور ان سے مقاربت کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے ذرائع ووسائل کے لحاظ سے دور دراز کے سفر میں کئی دن لگ جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سفر میں ساری ازواج کو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ آپ کا معمول یہ تھا کہ سفر کے موقع پر آپ ازواج کے مابین قرعہ ڈال کر اس کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سفر میں کون سی زوجہ آپ کے ساتھ جائے گی۔

ایسے موقع پر آپ ایک تو سفر کی طویل مدت کے پیش نظر اور دوسرے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ آپ صرف ایک زوجہ کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں جبکہ دوسری ازواج اتنے دن تک آپ کی رفاقت اور صحبت سے محروم رہیں گی ان سب کی دل داری کے لیے ایک ہی رات میں سب کے ساتھ مقاربت فرمایا کرتے تھے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو ہمارے خیال میں زیر بحث روایت رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کی کوئی منفی تصویر سامنے نہیں آتی۔ بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کے عدل وانصاف اپنی ازواج کی دلداری اور ان کے جذبات واحساسات کی رعایت کا پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے۔

رہا یہ نکتہ کہ ازواج مطہرات کی صحیح تعداد کیا تھی؟ تو بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ بوقت وصال آپ کی ازواج کی تعداد نو تھی۔ کیونکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ۱۰ نبوی میں اور زینب بنت خذیمہ ۳ ہجری میں آپ کی حیات مبارکہ ہی میں وصال کر چکی تھیں۔ باقی ازواج کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت سودہ بنت زمعہ

(۲) حضرت عائشہ بنت ابی بکر

(۳) حضرت حفصہ بنت عمر

(۴) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل

(۵) حضرت زینب بنت جحش

(۶) حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار

(۷) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان

(۸) حضرت میمونہ بنت حارث

(۹) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہن

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ایک وقت میں آپ کے نکاح میں نو سے زیادہ ازواج جمع نہیں ہوئیں۔ ہاں ازواج مطہرات کے علاوہ دو کنیزیں یعنی ماریہ مصریہ اور ریحانہ آپ کی ملک میں رہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ راوی نے ازواج مطہرات کے ساتھ ان دونوں کو بھی شامل کر کے مجازاً سب کو گیارہ بیویوں سے تعبیر کر دیا ہو۔

زیر بحث حدیث پر آخری اشکال یہ ہے کہ آخر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ ہم بستری کی ہے؟

غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس اشکال میں زیادہ وزن نہیں' اس لیے کہ یہ بات صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر گزرا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آپ نے ایک ہی رات میں تمام بیویوں کے ساتھ مجامعت کی اور ہر زوجہ محترمہ کے پاس الگ الگ غسل کیا اور پھر ابورافع کے پوچھنے پر فرمایا کہ الگ الگ غسل کرنے کا طریقہ زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔

عین ممکن ہے کہ حضرت انس نے ان حضرات سے یہ روایت سنی ہوں اور انہیں آگے بیان کر دیا ہو۔ ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج الگ الگ حجروں میں قیام پذیر تھیں۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے' رات کے وقت مسجد نبوی میں موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باری باری سب ازواج کے پاس جانے سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ (۱)

۱۔ متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات' ص ۲۰۷-۲۱۴

ایک رات میں تمام ازواج سے مقاربت کی وجوہ اور زمانہ کا تعین:

نبی جو ایک ہی رات میں تمام ازواج کے پاس گئے اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) آپ پر ازواج کی باریاں مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ اسی وجہ سے جب آپ سفر پر جاتے تو قرعہ اندازی کر کے کسی زوجہ کو ساتھ لے جاتے تھے۔ ورنہ جس کی باری ہوتی تھی اس کو ساتھ لے جاتے۔

(۲) ابو عبید نے کہا:

یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت حاصل کر لی ہو۔ جیسا کہ آپ نے بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنے کے لیے باقی ازواج سے اجازت حاصل کر لی تھی۔

(۳) مہلب نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ جس دن تمام ازواج کی باریاں ختم ہو گئی تھیں اس دن آپ تمام ازواج کے پاس گئے ہوں۔ اور اس دن کے بعد سے آپ نے از سر نو ازواج مطہرات کی باریاں مقرر فرمادی ہوں۔ (۱)

باب ما جاء فی الرجل یطوف علٰی نسائہٖ یغسل واحد

"کان یطوف علی علٰی نسائہٖ یغسل واحد

اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جماعین کے درمیان غسل ضروری نہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا عمل اسی بیان جواز کے لیے تھا۔ ورنہ آپ کا عام معمول یہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ کا معمول سنن ابی داؤد میں حضرت ابو رافع کی حدیث میں منقول ہے۔

"ان النبی وطف ذات یوم علی نسائہ یغتسل عند ھذہ وعند ھذہ قالت قلت لہ یا رسول اللہ ﷺ الا تجعلہ غسلًا واحد؟ فقال ھذا ازکی واطیب واطھر"

اس سے معلوم ہوا کہ ہر بار غسل کرنا افضل ہے۔

پھر یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک ہی رات میں تمام ازواج کے پاس جانا بظاہر قسم بین الزوجات کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ آپ پر تقسیم واجب نہیں تھا۔

جیسا کہ آیت قرآنی "تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ إِلَیْكَ مَنْ تَشَاءُ" (۲)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ جواب اس لیے کمزور ہے کہ اگر آپ پر عدم وجوب تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بات مسلم ہے کہ آپ نے ہمیشہ قسم کا لحاظ رکھا ہے اور کبھی اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ طواح علی النساء صاحبہ النبویۃ کی اجازت سے تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ واقعہ سفر کے متصل بعد کا ہے۔ جبکہ نوبت شروع نہیں ہوئی تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ قسمۃ کے وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ واقعہ عند استیفاء القسمیۃ پیش آیا اس کے بعد قسمۃ کا استناف ہوا۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۴۵　　۲۔ الاحزاب ۳۳: ۵۱

اس کے علاوہ اور بھی کوئی جواب دیئے گئے ہیں۔ لیکن سب سے بہتر توجیہ حضرت شاہ صاحب نے فرمائی ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ واقع صرف دوبار پیش آیا۔ ایک حجۃ الوداع کے موقع پر احرام باندھنے سے پہلے اور ایک طواف زیارت کے بعد احلال کے وقت' احرام باندھنے سے پہلے زوجین کا وظیفہ زوجیت سے فارغ ہونا سنت ہے۔ اور اس سفر میں چونکہ تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے سب کو اس سنت پر عمل پیرا کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہو۔ اور حالت سفر کی تھی۔ اس لیے قسم واجب نہیں تھا۔ اسی طرح طواف زیارت کے بعد احلال کامل وطی سے حاصل ہوتا ہے اور وہاں بھی اسی غرض سے آپ نے ایسا کیا۔ (۱)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد اور حرم رسول ﷺ میں آنے کی ترتیب وزمانہ:

امام محمد بن یوسف صالحی شامی لکھتے ہیں:

ان کی تعداد گیارہ ہے۔ ابوطاہر المخلص نے سیف بن عمر کی سند سے (یہ بہت ہی زیادہ ضعیف تھا) حضرت قتادہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پندرہ (عفت مآب) خواتین سے نکاح فرمایا۔ تیرہ سے حق زوجیت ادا کیا۔ گیارہ آپ کے کاشانۂ اقدس میں رہیں۔ جب وصال فرمایا تو نو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ ابن عسا کر نے بحر بن کثیر السقاء کی سند سے (یہ بہت ہی زیادہ ضعیف تھا) حضرت انس سے عثمان بن مقسم کی سند سے' یہ متروک تھا' حضرت قتادہ سے موقوف روایت کیا ہے' ابن بحر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور ازواج مطہرات کی تعداد بارہ تیرہ لکھی ہے۔ آپ نے ام شریک بنت جابر اور نشاۃ بنت رفاء سے بھی حق زوجیت ادا کئے تھے مگر میں نے اس کا تذکرہ نہ تو التجرید از امام ذہبی میں پڑھا ہے نہ ہی الاصابہ میں۔ جن کے ساتھ آپ نے نکاح کئے لیکن حق زوجیت ادا نہ کیا۔ وہ عمر بنت یزید الغفاریہ اور الشنباء تھیں مگر میں نے اس کا ذکر نہیں پایا۔ چھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تعلق قریش سے تھا۔

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا　۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا　۳۔ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا
۴۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا　۵۔ حضرت ام سلمہ ہند بنت امیہ رضی اللہ عنہا　۶۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

چار ازواج مطہرات قریش کے علاوہ عربیہ تھیں۔

۱۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا　۲۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا　۳۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا
۴۔ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ایک زوجہ محترمہ غیر عربیہ تھیں ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ وہ حضرت صفیہ بنت حیی تھیں۔

یہ وہ مشہور ازواج مطہرات ہیں جن کے ساتھ آپ نے وظیفۂ زوجیت ادا کیا' ان میں دو کا بھی اختلاف نہیں' ان کے علاوہ بقیہ تذکرہ انفرادی طور پر آئے گا۔ دو ازواج مطہرات آپ کی حیات ظاہری میں ہی وصال کر گئی تھیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ریحان کے متعلق اختلاف ہے ان کا تذکرہ سراری میں آئے گا۔ ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ نے تحریر کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا' پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا' پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا' پھر حضرت

۱۔ درس ترمذی' ج ا' ص ۳۹۴۔۳۹۵

سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے عقد نکاح میں نو ازواج مطہرات تھیں۔

ان میں پانچ کا تعلق خاندان قریش کے ساتھ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تین عرب تھیں لیکن قریش کے ساتھ تعلق نہ تھا۔ حضرت میمونہ بنت حارث' زینت بنت جحش اور جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔ ایک غیر عرب تھیں وہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا تھیں۔ بلا اختلاف سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کی زندگی میں کسی خاتون سے نکاح نہ فرمایا۔ بقیہ کی ترتیب میں اختلاف ہے جب کہ اتفاق اس میں ہے کہ آپ نے ان تمام کے ساتھ نکاح فرمایا تھا۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل نے لکھا ہے: حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ' حضرت سودہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت حفصہ' حضرت میمونہ' حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن' پھر حضرت زینب بنت خزیمہ الکندیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ نے آپ سے التجاء کی تھی کہ آپ انہیں طلاق دے دیں۔ حضرت قتادہ نے یہ ترتیب اس طرح لکھی ہے: حضرت خدیجہ' حضرت سودہ' حضرت عائشہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت ام سلمہ' حضرت حفصہ' حضرت زینب بنت جحش' حضرت جویریہ' حضرت میمونہ بنت حارث' حضرت صفیہ' پھر حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن۔

ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ نے لکھا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے (مکہ مکرمہ میں) پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (ہجرت سے دو سال قبل) پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے (غزوۂ بدر کے بعد ۲ھ کو) پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے (۲ھ) کو پھر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے (سنہ ۳ھ میں) پھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے (۵ھ) پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے (۶ھ) پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے (۷ھ) پھر حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے' پھر فاطمہ بنت سرع رضی اللہ عنہا سے' پھر زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے' پھر ہند بنت زید رضی اللہ عنہا سے' پھر اسماء بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے' پھر قتیلہ بنت اشعث رضی اللہ عنہا سے' پھر شنباء بنت اسماء رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

عقیل اور امام زہری نے ان کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عقیل نے کہا: حضرت خدیجہ' پھر حضرت عائشہ' پھر حضرت ام حبیبہ' پھر حضرت حفصہ' پھر حضرت ام سلمہ' پھر حضرت زینب بنت جحش' پھر حضرت جویریہ' پھر حضرت میمونہ' پھر صفیہ' پھر کندہ میں سے بنو جوث کی ایک عورت' پھر عمریہ پھر عالیہ رضی اللہ عنہن سے نکاح فرمایا۔

حضرت یونس رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ' پھر حضرت عائشہ' پھر حضرت سودہ سے' پھر حضرت حفصہ سے' پھر حضرت ام حبیبہ سے' پھر حضرت ام سلمہ سے' پھر حضرت زینب بنت جحش سے' پھر حضرت میمونہ سے' پھر حضرت جویریہ سے' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (ان کا حق مہر چار سو دراہم تھے۔ ان کے والد گرامی نے آپ کا نکاح کیا تھا) پھر حضرت سودہ سے نکاح فرمایا۔ ان کا نکاح ان کے والد نے کیا تھا' ان کا حق مہر چار سو دراہم تھا' پھر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ان کا نکاح عقبہ بن عمرو نے کیا تھا' پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کاشانہ نبوت میں آئیں۔ ان کا نکاح ان کے نور نظر سلمہ بن ابی سلمہ نے کیا تھا۔ ان کا حق مہر ایک بستر جس میں پتے تھے' ایک پیالہ اور ایک چکی تھا۔

پھر آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ ان کا نکاح احمد بن جحش نے کیا تھا۔ ان کا حق مہر چار سو دراہم تھا۔ پھر حضرت جویریہ سے نکاح فرمایا۔ ان کا نکاح حضرت خالد بن سعید نے کیا تھا' پھر حضرت ریحانہ سے نکاح فرمایا پھر حضرت ام حبیبہ سے نکاح فرمایا ان کا نکاح خالد بن سعید سے کیا تھا۔ جبکہ یہ حبشہ میں تھیں۔ ان کا حق مہر آپ نے مقرر کیا تھا' پھر حضرت صفیہ سے' پھر حضرت میمونہ سے' ان کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا حق مہر ادا کیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان کا نکاح خالد بن سعید نے کیا تھا' نجاشی نے اپنی طرف سے ان کا حق مہر ۴۰۰ سو دینار ادا کیا تھا۔ اس نے آپ کی طرف سے انہیں پیغام نکاح دیا تھا۔ (۱)

۱۔ آپ کی ازواج گیارہ تھیں یا نو؟ اس کی تحقیق:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابن خذیمی نے کہا ہے کہ گیارہ ازواج کی تعداد کے ساتھ معاذ بن ہشام منفرد ہیں۔ اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کی ازواج نو تھیں۔ اور امام بخاری نے دس ابواب کے بعد یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ ایک رات میں تمام ازواج کے پاس جاتے تھے اور اس دن آپ کے پاس نو ازواج تھیں۔ (۲)

امام ابن حبان نے ان میں تطبیق دی ہے کہ ابتداء میں آپ کے پاس نو ازواج تھیں اور آخر میں گیارہ ہوگئی تھیں۔ جب آپ مدینہ میں آئے تو آپ کے نکاح میں صرف حضرت سودہ تھیں۔ پھر مدینہ میں آپ نے حضرت عائشہ کے ساتھ دخول کیا۔ پھر ام سلمہ کے ساتھ نکاح کیا۔ پھر حضرت حفصہ کے ساتھ نکاح کیا' پھر حضرت زینب بنت خذیمہ کے ساتھ تیسرے اور چوتھے سال میں' پھر حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ پانچویں سال میں' پھر حضرت جویریہ کے ساتھ چھٹے سال میں' پھر حضرت صفیہ کے ساتھ' حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ کے ساتھ ساتویں سال میں نکاح کیا۔ رضی اللہ عنہن۔

یہ تمام ازواج وہ ہیں جو ہجرت کے بعد آپ کے نکاح میں تھیں۔ اور حضرت ریحانہ میں اختلاف ہے۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ آپ نے ان پر نکاح کو پیش کیا' لیکن انہوں نے باندی رہنے کو پسند کیا۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ وہ ۱۰ھ میں آپ سے پہلے فوت ہوگئی تھیں۔

اسی طرح حضرت زینب بنت خذیمہ بھی آپ کے دخول کے تھوڑے عرصہ بعد فوت ہوگئی تھیں۔

امام ابن عبد البر نے کہا:

وہ آپ کے پاس دو یا تین ماہ رہی ہیں۔ اس تفصیل کے مطابق آپ کے پاس نو ازواج سے زیادہ جمع نہیں رہیں۔ جبکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔ اس طرح سعید بن ابی عروبہ کی روایت راجح قرار پاتی ہے کہ آپ کے پاس اس دن نو ازواج تھیں۔ لیکن معاذ بن ہشام کی روایت کا محمل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ریحانہ کو ان کے ساتھ ملا لیا

۱۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱۱ ص ۱۸۲۔۱۸۴

۲۔ صحیح البخاری: ۲۷۴

جائے اور آپ کے نساء کے الفاظ کو عام رکھا جائے۔ خواہ وہ آپ کی ازواج ہوں یا آپ کی کنیزیں تو پھر گیارہ کے عدد کا ایک محمل ہے۔

علامہ الدمیاطی نے اپنی کتاب ''سیرت'' میں لکھا ہے کہ:

آپ کی کل ازواج جن سے آپ نے دخول کیا یا صرف عقد کیا یا جن کو دخول سے پہلے طلاق دے دی یا جن کو نکاح کا پیغام دیا اور عقد نہیں کیا' ان کی تعداد تیس ہے۔ اور ''المختار'' میں حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے پندرہ خواتین سے نکاح کیا' ان میں سے گیارہ کے ساتھ دخول کیا اور جب آپ کی وفات ہوئی اس وقت ازواج نو تھیں۔(۱)

جن خواتین سے عقد فرمایا' لیکن مباشرت نہ کی:

ان میں بعض میں اختلاف ہے کہ آپ نے ان سے نکاح کیا تھا کہ نہیں۔ اس پر طویل گفتگو ہے۔ لمبا چوڑا اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ صاحب زاد المعاد نے ان خواتین کا تذکرہ کر کے جن کے ساتھ آپ نے حق زوجیت ادا کیا تھا۔ لکھا ہے کہ جن عورتوں کو آپ نے پیغام نکاح دیا مگر نکاح نہ فرمایا ان کی تعداد چار یا پانچ ہے۔

حافظ دمیاطی نے ان کی تعداد تیس بتائی ہے لیکن اہل سیر اسے نہیں جانتے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ ان کے ہاں معروف یہ ہے کہ آپ نے الجوانیہ کی طرف پیغام بھیجا تا کہ اس کے ساتھ نکاح فرمائیں۔ آپ پیغام کے لیے اسکے پاس گئے تو اس نے آپ سے پناہ طلب کی تو آپ نے اسے پناہ دے دی اور اس کے ساتھ نکاح نہ کیا۔

اسی طرح قلابیہ تھیں۔ اس طرح وہ عورت تھی جس کے پہلو پر آپ نے سفید داغ دیکھا تو اس کے ساتھ مباشرت نہ کی تھی۔ وہ عورت بھی جس نے اپنا آپ' آپ کو پیش کیا تھا مگر آپ نے قرآن پاک کی سورتوں پر کسی اور سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ یہ محفوظ موقف ہے۔ میں صرف ان کا ذکر کروں گا جن سے آگاہ ہوا ہوں۔

۱۔ خولہ بنت ہذیل:

آپ نے ان کے ساتھ نکاح فرمایا۔ جرجانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن یہ آپ تک پہنچنے سے قبل ہی انتقال کر گئی تھیں۔ ابن عبدالبر نے الجرجانی سے اس طرح نقل کیا ہے۔ المفصل بن غسان الغلائی نے بھی اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ انہیں شام سے آپ کے پاس لایا جا رہا تھا۔ راستہ میں مر گئیں۔ ان کی والدہ کا نام خرنق بنت خلیفہ تھا۔ یہ حضرت دحیہ کلبی کی بہن تھیں۔

۲۔ عمرہ بنت یزید:

آپ نے اس کے ساتھ نکاح کیا جب آپ کے پاس خلوت گزیں ہوئیں تو پناہ طلب کی تو آپ نے فرمایا: تم نے پناہ گاہ سے پناہ طلب کی ہے۔ آپ نے اسے طلاق دے دی۔ حضرت اسامہ کو حکم دیا۔ انہوں نے انہیں تین کپڑے دے دیئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس کا تعلق بنو سلیم کے ساتھ تھا۔ عبید نے لکھا ہے کہ وہ اسماء بنت نعمان

۱۔ فتح الباری: ج ۱ص ۷۹۶، نعمۃ الباری ج ۱ص ۷۴۶۔ ۷۴۷

تھیں۔اس کا باپ اسے آپ کے پاس لے کر آیا۔اس نے کہا: میں مزید عرض کرتا ہوں کہ یہ کبھی بھی بیمار نہیں ہوئیں۔آپ نے فرمایا: اس کے لیے بارگاہِ ربوبیت میں بھلائی نہیں ہے۔

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے سوائے اپنے شیخ قاسم بن عبداللہ سے' یہ ضعیف تھا' بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔حضرت سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: آپ نے بنوعمرو بن کلاب کی بہن سے بنوجون الکندیہ کی بہن سے فراق پسند فرمایا کیونکہ اس پر سفید داغ تھا۔الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت عثان بن ابی سلیمان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کندہ کی عورت سے نکاح کیا مگر اس کے ساتھ مباشرت نہ کی' بعد میں اس نے کسی اور مرد کے ساتھ نکاح کر لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے مابین تفریق ڈال دی اس کے خاوند کو مارا۔اس نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ! رب تعالیٰ سے ڈرو۔اگر میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے ہوں تو مجھے پردہ کراؤ' مجھے بھی وہی کچھ دو جو انہیں دے رہے ہو۔انہوں نے فرمایا: نہیں۔عورت نے کہا: پھر مجھے نکاح کر لینے دو۔انہوں نے فرمایا: نہیں۔نعمت بھی نہیں۔میں کسی کو اس کا حریص بھی نہیں بناؤں گا۔

ابن ابی خیثمہ اور امام احمد نے ابن اسید سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ہم آپ کے ساتھ نکلے ایک باغ تک پہنچے۔جسے الشوط کہا جاتا تھا۔ہم دو باغوں تک پہنچے' ہم ان کے مابین بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: یہیں بیٹھو۔آپ الجونیہ کے پاس تشریف لے گئے۔وہ امیمہ بنت نعمان کے گھر تھی۔ان کے ساتھ ان کی دادیاں تھیں۔آپ اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: میرے لیے تیار ہو جاؤ۔اس نے کہا: ملکہ عام شخص کو اپنا آپ پیش کر سکتی ہے؟ آپ نے اس کی طرف دست محبت بڑھایا۔اس نے کہا: میں رب تعالیٰ کی آپ سے پناہ مانگتی ہوں۔آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگنے کی جگہ سے پناہ مانگی ہے۔آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا: ابواسید! اسے دو کپڑے دو اور اس کے اہل خانہ کے پاس چھوڑ آؤ۔

حضرت عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: عمرہ بنت الجون نے اس وقت آپ سے پناہ طلب کی تھی۔جب آپ اس کے پاس تشریف لے گئے تھے۔اس نے کہا: میں رب تعالیٰ کی آپ سے پناہ طلب کرتی ہوں۔آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگنے کی جگہ سے پناہ مانگی ہے۔آپ نے اسے طلاق دے دی۔حضرت اسامہ یا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم دیا کہ وہ اسے تین کپڑے اور ایک اوقیہ چاندی دے دیں۔ایک اور روایت کے مطابق آپ کو علم ہوا کہ اس پر سفید داغ ہے۔آپ نے اسے طلاق دے دی۔آپ نے اس کے ساتھ مباشرت نہ کی۔

امام بخاری اور ابوداؤد نے اس سے روایت کیا ہے کہ جب بنت الجون کے پاس آپ تشریف لے گئے اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا: میں ربِ تعالیٰ کی آپ سے پناہ طلب کرتی ہوں۔آپ نے فرمایا: تو نے عظیم ذات کی پناہ طلب کی ہے اپنے اہل خانہ کے پاس چلی جا۔

۳۔اسماء بنت صلت:

حافظ مغلطائی نے الاشارہ میں اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ انہوں نے الزھد میں اور حاکم نے الاکلیل میں ذکر کیا ہے کہ آپ

نے اس کے ساتھ نکاح تو کیا تھا مگر مباشرت نہ کی تھی۔

حافظ قطب الدین الحلبی نے المورد الغرب میں لکھا ہے کہ احمد بن صالح نے ان کا ذکر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کا ذکر حاکم نے کیا ہے۔ ان کا تعلق بنوحرام سے تھا۔ آپ نے ان سے حق زوجیت ادا نہ کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ کی چوتھی قسم میں لکھا ہے: جنہیں غلطی سے صحابہ کرام میں شامل کر دیا گیا ہے۔ قتادہ نے تنہا ان کا نام اسماء لکھا ہے۔ جب کہ ان کا نام سنا بنت اسماء تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ قتادہ نے لکھا ہے: اسماء اور سنا کا ذکر۔ جیسے ابن عساکر نے ان سے روایت کیا ہے۔ حافظ احمد بن صالح مصری نے قتادہ کی اتباع کی ہے۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ پہلے نام پر اتفاق ہے۔

۴۔ اسماء بنت کعب الجونیہ:

اس کے ساتھ بھی آپ نے مباشرت نہ کی تھی۔ المورد اور الزہد میں اسی طرح ہے۔ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے: اسماء بنت کعب اور اسماء بنت نعمان ایک ہی ہیں۔ انہوں نے بنت نعمان کے تذکرہ میں یہ نہیں لکھا کہ اسے بنت کعب بھی کہا جاتا ہے۔ نہ ہی ان کے والد کا نسب ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بنت کعب اور ہیں اور دوسری بنت نعمان اور ہیں۔ اگرچہ بنو الجون سے تعلق رکھتی تھیں۔

۵۔ اسماء بنت نعمان ابن الجون:

الحافظ نے الاصباء میں لکھا ہے کہ قول یہ ہے کہ بنت النعمان بن اسود۔ العیون میں اسی طرح ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اسود اس کا باپ ہوگا۔ الاصابہ کے مطابق وہ اس کا دادا ہوگا۔ حظ بعمری نے العیون میں لکھا ہے: میری رائے میں یہ اور اس سے پہلے والی دونوں ایک ہین۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے: اتفاق ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا لیکن اس کے فراق کے قصہ میں اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عین میں سے اسماء بنت نعمان سے نکاح فرمایا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا مگر اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آ جائیں۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے انکار کر دیا۔ بعض نے کہا کہ اسی نے کہا تھا: اعوذ باللہ منک۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دے دی۔ لیکن یہ باطل ہے۔ یہ تو بنوسلیم کی ایک عورت تھی۔ جبکہ صاحب الزہد نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمنہ بنت ضحاک غفاریہ کے پہلو پر سفید نشان دیکھا تھا۔ مگر یہ آمنہ بنت ضحاک کلابیہ تھی۔ انہوں نے دوسری آمنہ کا اضافہ کیا ہے۔ کتب صحاح میں اس کا ذکر نہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کی حالت عامریہ کی طرح تھی۔ آپ نے اس کے ساتھ اس طرح کیا تھا۔ جیسے عامریہ کے ساتھ کیا تھا۔ ابوعبیدہ نے اس طرح روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: یہ خود کو شقیہ کہتی تھی۔ دوسرے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کی تھی وہ بنونضیر کے قیدیوں میں سے تھی۔ ابوعبیدہ نے لکھا ہے کہ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کی تھی۔

۶۔آمنہ:

اسے فاطمہ بنت ضحاک کہا جاتا ہے۔الاشارۃ میں اسی طرح یقین کے ساتھ لکھا گیا ہے۔زاہر اور صاحب المورد نے دوسرے لفظ سے ذکر کیا ہے۔احمد بن محمد نے اپنی کتاب العین میں لکھا ہے کہ کعب بن یزید انصاری نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کی ایک عورت سے نکاح فرمایا۔جب اس کے ساتھ مباشرت کرنا چاہا تو اس کے پہلو پر سفید داغ دیکھا۔امام احمد' ابی بن خیثمہ نے حضرت زید بن کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ بنو غفار کی ایک عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔اس کے پہلو پر داغ پایا تو فرمایا۔اپنے اہل خانہ کے پاس چلی جا۔اسے جو کچھ دیا تھا وہ نہ لیا۔

الطبرانی نے ضعیف سند حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اہل بادیہ میں سے ایک عورت سے نکاح فرمایا۔اس کے پہلو پر نشان دیکھا تو مباشرت سے قبل جدا کر دیا۔اس کا نام آمنہ بنت ضحاک تھا یا اسماء بنت نعمان تھا۔میں کہتا ہوں کہ یہ کلام درست نہیں۔بنو کلاب اور بنو غفار دونوں جداگانہ قبیلے ہیں۔میں نے کتب صحابہ میں آمنہ بنت ضحاک کا ذکر نہیں پایا۔

۷۔امیمہ بنت شراحیل:

امام بخاری نے ابو اسد سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراجیل سے نکاح فرمایا۔جب آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی طرف دست محبت بڑھایا تو گویا کہ اس نے ناپسند فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو السید سے فرمایا: اسے دو سفید کپڑے عطا کر دیں۔میں کہتا ہوں کہ مغلطای نے الاشارۃ میں الزاہد میں' قطب الحسنی نے المورد میں' ابو الفتح نے العیون بن امیمہ کو امہات المؤمنین میں شامل کیا ہے۔ابن حجر نے الاصابہ میں عجیب بات لکھی ہے: ان کا گمان ہے کہ امیمہ بنت شراجیل ہی بنت نعمان ہے۔لیکن اس کی سند بیان نہیں کی۔لیکن حضرت ابو السید کی روایت اسے رد کرتی ہے۔اس میں ہے کہ وہ امیمہ بنت نعمان کے گھر میں ٹھہری تھی۔یہ دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہیں۔ظاہر ہے کہ بنت شراجیل' ابن نعمان کی پھوپھی تھی۔میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔جس کا یہ موقف تھا۔حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

۸۔ام حرام:

حضرت سہل بن حنیف کی روایت میں اسی طرح ہے انہوں نے اضافہ نہیں کیا۔

۹۔سلمٰی بنت نجدہ:

اشارہ اور زہد میں اسی طرح ہے المورد میں بنت عمرہ بن حارث اللیبیہ۔ابو سعید عبد الملک النیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا مگر آپ کا وصال ہو گیا۔آپ کے بعد انہوں نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔لیکن کتب صحابہ میں ان کا ذکر نہ پایا۔

۱۰۔سبا بنت سفیان:

ابن سعد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے المورد میں اس کا ذکر ہے۔مگر اس میں زائد ذکر نہیں ہے۔الحافظ نے الاصابہ میں سنا بنت سفیان لکھا ہے۔بنت صلت الکلابیہ یہ سنا کی طرح ہے۔

۱۱۔سنا بنت اسماء:

ان کا ذکر ابو عبدیہ نے کیا ہے۔ابو خیثمہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا۔مگر مباشرت سے قبل ان کو طلاق دے دی۔ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ یہ عبداللہ بن خازم کی پھوپھی تھیں۔ جو خراسان کے امیر تھے۔بعض نے ان کا نام وسنا لکھا ہے۔انہیں ان کے دادا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔انہوں نے گمان کیا ہے کہ یہی بنت صلت ہیں۔جبکہ اسماء ان کا بھائی تھا۔باپ نہ تھا لیکن پہلے موقف کو ابن اسحاق اور ایک جماعت نے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

ابن عبدالبر نے اسے ترجیح دی ہے۔ان کے وصال کا سبب الرشطی نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب انہیں علم ہوا کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کیا ہے وہ اتنی خوش ہوئیں کہ خوشی کی وجہ سے وصال کر گئیں۔ابن ابی خیثمہ نے حضرت ابو عبیدہ سے روایت کیا ہے کہ حفص بن نضیر اور عبدالقاہر بن السری السلمی کا گمان ہے کہ آپ نے اسماء بنت سنان سے نکاح کیا تھا۔مگر وہ مباشرت سے قبل انتقال کر گئی تھیں۔قتادہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔انہوں نے کہا: آپ نے اسماء بنت صلت سے نکاح فرمایا۔مگر ان کے ساتھ مباشرت نہ کی تھی۔میں یہ کہتا ہوں کہ اگر جو کچھ انہوں نے اور حضرت قتادہ نے کہا ہے وہ صحیح ہے تو سنان' اسماء کی بھتیجی ہیں۔

۱۲۔الشاہ:

مفضل بن غسان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ نے پندرہ خواتین کے ساتھ نکاح فرمایا تھا۔تیرہ کے ساتھ مباشرت فرمائی تھی۔وہ عفت مآب خواتین جن کے ساتھ آپ نے وظیفۂ زوجیت ادا کیا تھا۔وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ' حضرت میمونہ بنت حارث' حضرت ام شریک اور شاہ بنت رفاعہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

ان کا تعلق بنو قریظہ کے ساتھ تھا۔جب انہیں مصیبت پہنچی تو انہیں بھی پہنچی تھی وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔جب آپ نے امہات المؤمنین کو اختیار دیا تو آپ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔حضرت قتادہ کے کلام کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا کیا تھا۔لیکن میں کتب صحابہ میں ان سے آگاہ نہیں ہوا۔اصابہ میں ابن حجر نے ان کا ذکر نہیں کیا حالانکہ ان کا علم بہت وسیع تھا' عثمان بن قسم متروک راوی ہیں۔

۱۳۔شراق بنت خلیفہ کلبیہ:

حضرت دحیہ کی بہن ان کے ساتھ آپ نے نکاح کیا تھا۔مگر یہ راستے میں ہی وصال کر گئی تھیں۔مفضل بن غسان نے اسی طرح روایت کیا ہے۔الطبرانی' ابو نعیم نے حضرت ابوملیکہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کلب کی ایک عورت کو پیغام نکاح دیا

تھا۔ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تا کہ وہ اسے دیکھیں۔ وہ گئیں۔ پھر واپس آئیں۔ فرمایا: کیا دیکھا؟ فرمایا: میں نے اسے زیادہ نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے رخسار پر تل دیکھا؟ ان کا بال بال لرز اٹھا۔ انہوں نے عرض کی: آپ سے تو کوئی راز مخفی نہیں رہ سکتا۔

۱۴۔ الشنبا:

مورد کے دونوں نسخوں میں اسی طرح ہے۔ لیکن ابن رشد کے مقدمات میں الشیبا ہے۔ ابن عساکر اور فضل بن غسان نے تاریخ میں حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پندرہ خواتین سے نکاح فرمایا۔ تیرہ سے حق زوجیت ادا کیا۔ گیارہ کو اپنے پاس رکھا۔ جو پندرہ کے عدد کو پورا کرتی ہیں۔ وہ عمرہ اور شیبا ہیں۔

جب آپ شیبا کے پاس گئے۔ وہ تیار نہ تھیں۔ آپ نے اس کی تیاری کا انتظار کیا۔ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ اس نے کہا: اگر یہ نبی ہوتے تو ان کا محبوب اور پیارا فرزند نہ مرتا۔ آپ نے اسے طلاق دے دی۔ اس کا حق مہر لازم کر دیا' ازواج مطہرات پر اسے حرام کر دیا گیا۔

ابن رشد نے السیرۃ النبوۃ میں اسی طرح لکھا ہے: ابن جریر نے لکھا ہے: بعض علماء کرام نے فرمایا: آپ نے شنبا بنت عمرو غفاریہ سے نکاح کیا۔ یہ کتابیہ تھی۔ (ایک قول کے مطابق) جب آپ اس کے پاس گئے تو اس نے حرکت کی۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ اس کے باپ کا نام عمرو تھا۔ یہ غفاریہ اور کتابیہ تھی۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

۱۵۔ العالیہ بنت ظبیان:

امام زہری نے اس کا نام یہی لکھا ہے۔ الطبرانی نے ان سے صحیح کے راویوں سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ نے لکھا ہے: ہند بنت یزید کے پاس ابو اسد کا پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ آپ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ پہلے نہ دیکھا تھا۔ جب اسے دیکھا تو اس پر سفید داغ تھا۔ آپ نے اسے طلاق دے دی۔

حضرت قتادہ نے لکھا ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالسید الساعدی کو بنو کلاب کی ایک عورت کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ کی طرف سے اسے نکاح کا پیغام دیں۔ آپ نے اسے نہ دیکھا تھا۔ ابوالسید نے آپ کے دیکھے بغیر ہی اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اسے تیار کروا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسے دیکھا تو سفید داغ نظر آیا۔ آپ نے اسے طلاق دے دی۔ ابن خیثمہ نے لکھا ہے کہ یہ کس کے ساتھ آئی تھی۔ انہوں نے اسے عالیہ بنت ظبیان لکھا ہے۔ انہوں نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ آپ نے بنو بکر کلاب کی ایک عورت العالیہ سے نکاح فرمایا پھر اسے طلاق دے دی تھی۔ انہوں نے امام زہری سے ہی روایت کیا ہے کہ آپ نے بنو عمرو بن کلاب کی بہن سے جدائی اختیار کر لی تھی۔ ابن خیثمہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بنو عمرو ہی کہا ہے۔

ابن سعد نے بنو بکر بن کلاب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے عالیہ بنت ظبیان سے نکاح فرمایا وہ کافی دیر آپ کے پاس رہیں پھر

آپ نے اسے طلاق دے دی۔ ابو عمرو نے لکھا ہے کہ اس کا مقتضیٰ ہے کہ اس کے ساتھ آپ نے وظیفۂ زوجیت ادا کیا تھا۔

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے سوائے قاسم بن عبداللہ کے حضرت سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ آپ نے عالیہ بنت ظبیان کو طلاق دے دی تھی۔ الطبرانی نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے طویل روایت ذکر کی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے عالیہ بنت ظبیان کو طلاق دے دی تھی۔ آپ بنو عمرو کی بہن سے اس سفید نشان کی وجہ سے جدا ہو گئے تھے جو اس پر تھا۔

امام زہری نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے پہلے اپنے چچازاد سے نکاح کیا تھا اس کی اولاد بھی تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت جویریہ بنت حارث اور حضرت صفیہ بنت حیی کا شمار بھی لونڈیوں میں کیا ہے۔ یہ آپ کو مال غنیمت میں ملی تھیں۔ صحیح موقف یہ ہے کہ وہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے تھیں۔

۱۶۔ عمرہ بنت معاویہ الکندیہ:

ابونعیم نے حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ امام شعبی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا پھر ان کا وصال ہو گیا۔

۱۷۔ عمرہ بنت یزید:

اس نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا۔ انہوں نے اسے طلاق دے دی تھی۔ پھر آپ نے بھی اس کے ساتھ حق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے دی۔ اس کے نسب میں عمرہ بنت یزید بن عبید بن اوس کہا گیا۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے: آپ نے اس کے ساتھ نکاح فرمایا' پھر آپ کو علم ہوا کہ اس پر سفید داغ ہے تو آپ نے اسے طلاق دے دی اور اس کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ نے نکاح فرمایا۔ تو اس نے آپ سے پناہ طلب کی۔ آپ نے اسے طلاق دے دی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اسے تین کپڑے دینے کا حکم دیا۔

رشاطی نے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا: یہ کبھی بیمار نہیں ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: عنداللہ اس میں بھلائی نہیں ہے۔ آپ نے اسے طلاق دے دی اور اس کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا تھا۔

۱۸۔ عمرہ بنت یزید الغفاریہ:

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ جب یہ آپ کی خدمت میں آئیں تو اسے خواتین کے سامنے کیا گیا تو اس پر سفید داغ دیکھا تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ اس کے لیے حق مہر لازم قرار دیا' بعد والوں کے لیے اسے حرام کر دیا۔

۱۹۔ غزیہ:

یہی ام شریک ہے۔

۲۰۔ فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ:

حضرت زینب بنت رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ نے اس کے ساتھ نکاح فرمایا۔ آیت تخییر اتری تو اسے اختیار دیا اس نے دنیا کو پسند کرلیا۔ آپ نے اسے جدا کر دیا بعد میں یہ مینگنیاں چنتی تھی وہ کہتی تھی: میں بد بخت ہوں جس نے دنیا کو پسند کیا۔ ابن عبدالبر نے ابن اسحاق کے کلام کا تعاقب کیا ہے ابن حجر نے الاصابہ میں ابن عبدالبر کے اس کلام کا تعاقب کیا ہے۔

۲۱۔ قتیلہ بنت قیس بن معدی کرب:

یہ اشعث بن قیس کی بہن تھی آپ نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا مگر حق زوجیت ادا کرنے سے قبل اسے طلاق دے دی تھی۔ ابن ابی خثیمہ نے عبید اور ابن حبیب سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: جب کندہ کا وفد آپ کے پاس آیا تو آپ نے اشعث بن قیس کی بہن قتیلہ سے نکاح فرمالیا یہ سنہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ ماہ صفر کے نصف میں آپ بیمار ہو گئے سوموار کے روز آپ کا وصال ہو گیا جب کہ ماہ ربیع الاول کے دو دن گزر رہے تھے یہ نہ تو آپ کے پاس آئی نہ دیکھا نہ اس کے ساتھ زوجیت ادا کیا تھا۔

ابونعیم اور ابن عساکر نے قوی اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: آپ نے قتیلہ سے نکاح کیا انہیں اختیار دینے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے اسے تخییر سے بری کر دیا۔

امام شعبی نے لکھا ہے:

حضرت عکرمہ بن ابی جہل نے قتیلہ سے نکاح کرلیا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی گردن اڑانے کا ارادہ کیا تو ان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے نہ تو اس کے لئے حق مہر لازم کیا تھا نہ ہی حق زوجیت اس کے ساتھ ادا کیا تھا۔ یہ اپنے بھائی کے ساتھ مرتد ہو گئی تھی۔ اس نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ سے برأت کا اظہار کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رک گئے غریب روایت وہ ہے جسے ابن سعد نے ضعیف سند کے ساتھ عروہ سے روایت کیا ہے کہ آپ قتیلہ سے نکاح نہ کیا تھا نہ کندیہ سے نکاح کیا تھا مگر بنو جون کی بہن سے نکاح کیا تھا۔ جب اسے آپ کے پاس لایا گیا آپ نے اس کی طرف دیکھا تو اسے طلاق دے دی اس کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا۔ میں کہتا ہوں: ممکن ہے انہوں نے عدم ازواج سے مراد دخول لیا ہو ورنہ کئی اسناد سے مروی ہے جنہیں رد کرنا ممکن نہیں کہ آپ نے قتیلہ سے نکاح کیا تھا بعض نے وقت بھی بیان کیا ہے جس میں آپ نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا کہ آپ نے اپنے وصال سے دو ماہ قبل ان کے ساتھ نکاح کیا تھا بعض نے گمان کیا ہے کہ آپ نے مرض وصال میں اس کے ساتھ نکاح کیا تھا بعض نے گمان کیا ہے کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ قتیلہ کو اختیار دیا جائے اگر وہ پسند کرے تو اسے پردہ کرالیا جائے۔ وہ مومنین پر حرام ہو گی ورنہ جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اس نے نکاح پسند کیا۔ حضر موت میں حضرت عکرمہ سے نکاح کرلیا۔ جب یہ خبر سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اکبر تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں اسے جلا دوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ امہات المومنین میں سے نہیں۔ نہ آپ نے اس کے ساتھ حق زوجیت ادا کیا تھا۔ نہ ہی اس نے پردہ کیا تھا: بعض نے گمان کیا ہے کہ آپ

نے اس کے متعلق کوئی وصیت کی تھی۔ وہ مرتد ہوگئی تھی اس ارتداد کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دلیل دی تھی کہ وہ ازواج مطہرات میں سے نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ کے ہاں اس سے صرف نخیل پیدا ہوا۔

۲۲۔ لیلیٰ بنت خطیم:

یہ انصاریہ دوسیہ ظفریہ تھی۔ یہ قیس بن خطیم کی بہن تھی ابن خیثمہ، ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: لیلیٰ بنت خطیم آپ کی خدمت میں آئی آپ سورج کی طرف کمر مبارک کیے ہوئے تھے اس نے آپ کے کندھے پر مارا۔ آپ نے پوچھا: تجھے شیر کھائے کون ہو؟ اس نے کہا: میں پرندوں کو کھلانے والے ہوا کو پکارنے والے کی بیٹی لیلیٰ بنت خطیم ہوں میں اس لئے آئی ہوں تا کہ اپنے آپ آپ کو پیش کروں۔ آپ مجھ سے نکاح فرمالیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے کردیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس گئی اس نے اسے بتایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کرلیا ہے۔ لوگوں نے کہا: تو نے برا کام کیا ہے تو غیرت والی عورت ہے آپ کی بہت سی ازواج ہیں تو ان پر غیرت کرے گی وہ تیرے لئے بدعا کریں گے۔ جا فسخ نکاح کے لئے کہہ: وہ واپس آئی عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نکاح فسخ کردیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے کردیا، پھر مسعود بن اوس نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اس کی اولاد بھی ہوئی۔ یہ مدینہ طیبہ کے کسی باغ میں تھی۔

غسل کررہی تھی ایک بھیڑیے نے اس پر حملہ کردیا کیونکہ آپ نے اسے فرمایا تھا وہ اس کا کچھ حصہ کھا گیا پھر یہ مرگئی۔

۲۳۔ لیلیٰ بنت حکیم انصاریہ اوسیہ:

احمد بن صالح مصری نے ان کا ذکر ازواج مطہرات میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی نے ان کا ذکر ازواج مطہرات میں نہیں کیا۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حکیم ممکن ہے خطیم ہی ہو۔ اسے تجرید اور اصابہ میں برقرار رکھا ہے۔

۲۴۔ ملیکہ بنت داؤد:

ابن حبیب نے ان کا تذکرہ ان ازواج مطہرات میں کیا ہے جن کے ساتھ آپ نے مباشرت نہ کی تھی۔ ابن الاثیر اور صاحب المورد نے اس طرح لکھا ہے انہوں نے اسے برقرار رکھا ہے الحافظ نے لکھا ہے کہ ابن بشکول نے ان کا تذکرہ کیا ہے جو صحیح ہے۔

۲۵۔ ملیکہ بنت کعب الکنانیہ:

ابن سعد نے ابومعشر سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا یہ حسین وجمیل تھی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا: تمہیں حیاء نہ آئی کہ تم نے اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ نکاح کرلیا ہے۔ اس کا باپ فتح مکہ کے روز قتل ہوا تھا۔ حضرت خالد نے اسے قتل کیا تھا اس نے آپ سے پناہ طلب کی آپ نے اسے طلاق دے دی اس کی قوم آئی عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ جھوٹی ہے اس کی کوئی رائے نہیں اسے دھوکہ دیا گیا ہے۔ آپ رجوع فرمالیں مگر آپ نے انکار کردیا انہوں نے اذن طلب کیا کہ وہ بنوعذرہ میں سے کسی قریبی کے ساتھ نکاح کرلے۔ آپ نے اسے اذن دے دیا اس نے ایک عذری کے

ساتھ نکاح کرلیا ابن سعد نے ضعیف سند کے ساتھ عطاء بن یزید جندعی سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: آپ نے ملیکہ بنت کعب سے رمضان المبارک ۸ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ ان کے ساتھ حق زوجیت بھی ادا کیا تھا وہ آپ کے ہاں ہی وصال کر گئی تھیں۔

۲۶۔ ہند بنت زید:

یہ بنت برصاء کے نام سے معروف تھیں۔ ابو عبیدہ نے انہیں ازواج مطہرات میں شامل کیا ہے احمد بن صالح نے لکھا ہے کہ یہ پہلی ہی عمرہ بنت یزید ہے۔

تنبیہ:

عدم دخول سے مراد عدم وطئی ہے کیونکہ جو دخول سے قبل مرگئی تھیں وہ بالاتفاق حضرت دحیہ کی بہن اور بنت ھذیل ہے جب کہ ملیکہ اور سبا میں اختلاف ہے کہ کیا وہ وفات پاگئی تھیں یا آپ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

اتفاق ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا تھا آپ نے عمرہ بنت ضحاک، بنت ظبیان کو حق زوجیت سے قبل جدا کردیا تھا۔ عمرہ، اسماء اور غفاریہ کے متعلق اتفاق ہے۔ سات عورتوں کو جدا کرنے پر اتفاق ہے دو میں اختلاف ہے۔ مبانات بالاتفاق چار ہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو دس ازواج مطہرات آپ کے ہاں تھیں ایک کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا تھا۔ الطبرانی نے عاصم بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے جب کہ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔ امام ترمذی نے اسے متروک کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عورت تھی جس نے اپنا آپ اختیار کیا تھا۔ یہ بنو ہلال میں سے تھی۔

جنہیں صرف پیغام نکاح دیا تھا، نکاح نہ کیا تھا:

بعض خواتین کو آپ نے پیغام نکاح تو دیا تھا لیکن ان سے عقد نکاح نہ فرمایا یہ کسی امر کی وجہ سے تھا جو اس کا تقاضا کرتا تھا وہ درج ذیل خواتین ہیں۔

۱۔ جمرہ:

جمرہ بن حارث۔ ابن ابی خیثمہ اور ابو عبیدہ نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اسے آپ نے پیغام نکاح دیا تو اس کے باپ نے کہا: اسے مرض ہے، حالانکہ اسے کچھ نہ تھا جب اس کا باپ اس کے پاس گیا تو اسے برص ہو چکا تھا۔ یہی امام شبیب بن برصاء ہے۔ حافظ نے الاصابہ میں لکھا ہے، جمرہ بنت حارث ہی برصاء تھی اس کا نام امامہ یا مرضانہ تھا کہا جاتا ہے: برصاء کا نام قرصافہ تھا اس کے والد کے تذکرہ میں اس کا بھی ذکر ہے انہوں نے صرف الحاء میں لکھا ہے۔

حارث بن عوف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نور نظر کو پیغام نکاح دیا اس نے کہا: مجھے وہ آپ کے لئے پسند نہیں اسے برصاء ہے اسے کچھ نہ تھا۔ وہ گھر گیا تو اس نے دیکھا کہ اسے برص ہو چکا تھا اس کے چچا زاد یزید بن حمزہ نے اس سے نکاح کرلیا تھا اس سے شبیب پیدا ہوا جو ابن البرصاء کے نام سے معروف ہوا۔ برصاء کا نام قرصافہ تھا۔ الرشاطی نے اسی کا تذکرہ کیا ہے میں کہتا ہوں: جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو اس جگہ جمرہ کا ذکر نہیں ہے۔

۲۔جمرہ بنت حارث المزنیہ:

عبدالملک نیشاپوری نے اس کا تذکرہ حضرت قتادہ سے کیا ہے اسی طرح حلبی نے المورد میں اس میں اور اس سے اوپر والی مذکورہ میں فرق کیا ہے لیکن یہ درست نہیں یہ بلاشبہ ایک ہی ہے۔

۳۔حبیبہ بنت سہل:

ابن سعد نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ آپ سہلہ سے نکاح فرمائیں پھر آپ نے ترک فرمادیا۔

۴۔خولہ یا خویلہ بنت حکیم:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے ابونعیم نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موصولاً روایت کیا ہے کہ خولہ بنت حکیم ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے اپنا آپ نبی کریم ﷺ کو پیش کیا تھا۔ ہشام بن کلبی نے بھی لکھا ہے کہ یہ ان خواتین میں سے تھی جنہوں نے اپنا آپ حضور اکرم ﷺ کو پیش کیا تھا۔ ابن جوزی نے التنقیح میں لکھا ہے: آپ نے اس کا معاملہ مؤخر کیا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے نکاح کر لیا۔

۵۔سودہ قریشہ:

ابن مندرہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سودہ قریشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس نے عرض کی: آپ مجھے ساری مخلوق سے محبوب ہیں۔ میری ایک بچی ہے مجھے ناپسند ہے کہ لوگ صبح وشام آپ کے سر کے پاس چیختے رہیں۔ آپ نے فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے قریش کی عورتیں بہترین ہیں۔ وہ اپنے بچے پر بچپن میں مہربان ہوتی ہیں خاوند کے لئے اس پر شفقت کرتی ہیں۔ صحیح مسلم میں اس روایت کی اصل ایک اور وجہ سے ہے لیکن وہاں اس کا نام نہیں ہے۔ امام احمد اور ابویعلی نے اس سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔

۶۔صفیہ بنت بشامہ:

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے پیغام نکاح دیا تھا۔ اسے قید کا سامنا کرنا پڑا تھا آپ نے اسے اپنے اور اس کے خاوند کے مابین اختیار دیا۔ خاوند نے اسے چھوڑ دیا۔ بنوتمیم نے اسے برا بھلا کہا۔ ابن حبیب نے المحبر میں اسے اس باب میں ذکر کیا ہے۔

۷۔ضباعہ بنت عامر:

انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا یہ مکہ مکرمہ میں ہی مسلمان ہو چکی تھیں جب کہ آپ نے اپنا آپ بنو عامر پر پیش کیا تھا انہوں نے ہجرت کی تھی۔ ابن جوزی اور ابن عساکر نے ان کا تذکرہ کیا ہے یہ عرب کی حسین ترین خواتین میں سے تھیں۔ خلق کے اعتبار سے عمدہ تھیں۔ جب یہ بیٹھتی تھیں تو زمین سے بہت سا حصہ اکھیڑ لیتی تھیں۔ ان کا جسم بہت بڑا تھا وہ اپنے بالوں سے اسے ڈھانپ لیتی

تھیں۔ یہ ہوذہ بن علی الحنفی کی زوجیت میں تھیں۔ وہ انتقال کر گئے تو عبداللہ بن جدعان سے نکاح کر لیا لیکن ان کے ساتھ دل نہ لگا اور طلاق کا مطالبہ کر دیا انہوں نے طلاق دے دی۔ ہشام بن مغیرہ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا ان کے ہاں سلمہ پیدا ہوئے۔ وہ رب تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے تھے۔ آپ نے اس کے لڑکے کے ذریعے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ آپ کو رکاوٹ تو نہیں میں ان سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ وہ اپنی والدہ کے پاس آئے انہیں بتایا انہوں نے کہا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کیا تم حضور اکرم ﷺ کے متعلق مجھ سے مشورہ کر رہے ہو آپ کی خدمت میں جاؤ اور ہاں کہہ دو۔ جب ان کا بیٹا ان کے پاس گیا تو آپ سے عرض کی گئی: صباعہ اس طرح نہیں جیسے آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس کے چہرے کی سلوٹیں زیادہ ہوگئی ہیں اس کے منہ سے دانت گر گئے ہیں۔ جب سلمہ واپس آئے اور ان کا جواب عرض کیا تو آپ خاموش رہے۔

۸۔ نعاملہ: اسے اور اس کے بعد خواتین کو ازواج میں شامل کیا گیا ہے اگر اس سے مراد پیغام نکاح ہے تو یہ واضح ہے ورنہ انہیں سابقہ باب میں ذکر کرنا بہتر تھا۔ میں نے کوشش کی لیکن مجھے اس کے باپ کا نام نہ ملا۔

یہ بنو عنبر کے قیدیوں میں سے تھی یہ خوبصورت عورت تھی آپ ﷺ نے اسے پیشکش کی کہ آپ سے نکاح کر لے۔ جلد ہی اس کا خاوند خریش دباغ آ گیا انہوں نے اسے برقرار رکھا۔

۹۔ ام شریک بنت جابر غفاریہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لکھا ہے کہ احمد بن صالح نے اس ذکران کا ازواج میں کیا ہے جن کے ساتھ آپ نے وظیفۂ زوجیت ادا نہ کیا تھا۔

۱۰۔ ام شریک انصاریہ: کہا جاتا ہے کہ یہی بنت انس بن رافع تھیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بنت خالد بن لوذان تھیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ام شریک بنت ابی العسکر تھیں۔ صحیح مسلم میں جساسہ کے قصہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے تمیم داری کی روایت میں ہے۔ ام شریک رضی اللہ عنہا ایک غنی خاتون تھیں۔ وہ راہ خدا میں بہت زیادہ خرچ کرتی تھیں اس کے پاس مہمان گئے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ کون تھی؟ حضرت قتادہ سے روایت ہی انہوں نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے ام شریک انصاریہ سے نکاح فرمایا۔ آپ نے فرمایا، مجھے پسند ہے کہ میں انصار میں نکاح کروں، پھر فرمایا: مجھے انصار کی غیرت پسند نہیں۔ آپ نے اس کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا نہ کیا۔

۱۱۔ ام شریک دوسیہ:

ابن سعد، ابن شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور الطبرانی نے حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً(۱)

میں مراد ام شریک ازدیہ ہیں۔ انہوں نے اپنا آپ حضور اکرم ﷺ کو پیش کیا تھا۔ عکرمہ سے بھی روایت ہے کہ یہ حضرت ام شریک دوسیہ تھیں۔ انہوں نے منیر بن عبداللہ دوس سے روایت کیا ہے کہ ام شریک رضی اللہ عنہا زدیہ بنت جابر نے اپنا آپ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ خوبصورت تھیں۔ آپ نے انہیں قبول کر لیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو عورت کسی کو اپنا آپ

۱۔ الاحزاب ۳۳:۵۰

پیش کرے اس میں کیا بھلائی ہوسکتی ہے۔حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ہی وہ عورت ہوں۔رب تعالیٰ نے انہیں مؤمنہ فرمایا:

وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ (۱)　　　اور مومن عورت اگر وہ اپنا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرے۔

میں نے ہی اپنا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا جب یہ آیت طیبہ اتری تو حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: رب تعالیٰ تمہاری تمنا کے بارے جلدی کرے گا۔نسائی نے ثقہ راویوں سے حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے اپنا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

امام بخاری اور ابن ابی خیثمہ نے حضرت ثابت سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھا ان کے پاس ان کی بچی تھی انہوں نے فرمایا: ایک عورت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انس کی بچی نے کہا: ہائے، اس عورت کا حیاء کتنا کم تھا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر تھی۔انہوں نے آپ میں رغبت رکھی تھی اور اپنے آپ کو پیش کر رہی تھی۔انہوں نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: آپ کے پاس ایک خاتون بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنا آپ آپ کو ھبہ کیا ہو۔

۱۲۔ام شریک قرشیہ:

ان کا تعلق بنو عامر سے تھا کسی نے کہا کہ ان کا تعلق دوس میں سے اسد قبیلہ کے ساتھ تھا۔تیمی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ام شریک کا تعلق بنو عامر سے تھا انہوں نے اپنا آپ، آپ کو ہبہ کیا تھا مگر آپ نے انہیں قبول نہ کیا تھا۔انہوں نے شادی نہ کی حتیٰ کہ وصال کر گئیں۔حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے: مختلف روایات سے جو بات ظاہر ہوتی ہے کہ ام شریک ایک ہی ہیں۔ان کے نسب میں اختلاف ہے کہ وہ قریش میں سے عامریہ تھیں۔انصاریہ تھیں دوس میں سے ازدیہ تھیں۔ان تینوں نسبوں کو یوں جمع کیا جاتا ہے کہ وہ قرشیہ تھیں دوس میں نکاح کیا تھا انہی کی طرف منسوب تھیں پھر انصار میں نکاح کر لیا تھا پھر ان کی طرف منسوب ہوئیں یا نکاح نہ کیا تھا بلکہ اعم معنی میں انصار کی طرف منسوب تھیں۔

۱۳۔ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو ان کے بارے میں پیغام نکاح دیا تھا۔

ہبیرہ بن عمرو نے بھی پیغام نکاح دیا تھا۔جناب ابو طالب نے ان کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا۔جب آپ نے اس کے متعلق فرمایا تو انہوں نے کہا: بھتیجے! ہم نے اس کے ساتھ سسرالی رشتہ داری قائم کی ہے۔کریم کریم کا کف ہوتا ہے، پھر اسلام نے حضرت ام ہانی اور ہبیرہ کے مابین تفریق ڈال دی۔آپ نے انہیں پیغام نکاح دیا، تو انہوں نے عرض کی: میں جاہلیت میں آپ سے محبت کرتی تھی۔اسلام میں کیسے محبت نہ کروں گی، لیکن میں مصیبت زدہ عورت ہوں۔مجھے ناپسند ہے کہ وہ آپ کو تکلیف دیں۔آپ نے فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے قریش کی صالح عورتیں بہترین ہیں وہ اپنے بچوں پر شفقت کرتی ہیں۔الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح دیا۔میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی آپ سے رغبت ہے میں آپ سے

۱۔　　الاحزاب ۳۳:۵۰

روگرداں کیوں ہوں؟ لیکن میں پسند نہیں کرتی کہ میں نکاح کروں۔ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں ان میں سے قریش کی عورتیں بہترین ہیں۔

۱۴۔ نامعلوم عورت:

آپ نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا۔ اس نے عرض کی حتیٰ کہ میں اپنے باپ سے اذن لے لوں آپ نے اسے اذن دے دیا۔ وہ واپس آئی تو آپ نے فرمایا ہم نے تیرے علاوہ اور لحاف اوڑھ لیا ہے۔ دو اور عورتوں نے آپ ﷺ کو اپنا آپ پیش کیا، مگر آپ نے شرعی مانع کی وجہ سے انہیں رد فرما دیا۔

۱۔ حضرت امامہ بنت حمزہ:　　آپ نے فرمایا: وہ میرے رضائی بھائی کی نور نظر ہیں۔

۲۔ عزہ بنت ابی سفیان:　　آپ نے فرمایا: میرے لئے روا نہیں کیونکہ ان کی بہن حضرت ام حبیبہ میری زوجیت میں ہیں۔ ان کے متعلق روایات صحیح روایات میں ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (۱)

نبی ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی ازواج کی تعداد اور ان کے اسماء:

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب نبی ﷺ فوت ہوئے اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق تیمیہ۔ ۲۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب العدویہ۔ ۳۔ حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب الامویہ۔ ۴۔ حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ۔ ۵۔ حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ۔ ۶۔ حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ۔ ۷۔ حضرت سودہ بنت زمعہ العامریہ۔ ۸۔ حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار المصطلقیہ۔ ۹۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب النضریہ الاسرائیلیہ الہارونیہ رضی اللہ عنہن۔ (۲)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سنین وفات اور مقام تدفین:

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے پانچ سال پہلے مکہ میں فوت ہوئیں۔ ایک قول ہجرت سے چار سال پہلے کا ہے۔ اور ایک قول تین سال پہلے کا ہے اور وہی صحیح ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ وہ آپ کے ساتھ ۲۵ سال رہیں۔ اور الحجون میں دفن کی گئیں۔

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ مدینہ میں شوال ۵۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ۵۷ھ میں فوت ہوئیں۔ ایک قول ۵۸ھ کا ہے۔ یہ رمضان کی ۱۹ تاریخ تھی۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ آپ کو رات میں دفن کیا جائے۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱۱ ص ۲۵۸۔ ۲۷۱　　۲۔ نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۰۷

اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ (علامہ ابن اثیر نے تاریخ وفات ۱۷ رمضان المبارک لکھی ہے اور آپ کی عمر اس وقت ۶۵ سال تھی۔ (۱)

(۴) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شعبان ۵ ف ۴۵ ھ میں فوت ہوئیں اور اس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔

(۵) حضرت زینب بنت خزیمہ ربیع الثانی ۴ ھ میں فوت ہوئیں اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۶) حضرت ام سلمہ ۵۹ ھ میں فوت ہوئیں۔ اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اس وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔

(۷) حضرت زینب بنت جحش مدینہ میں ۲۰ ھ میں فوت ہوئیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۸) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ۴۴ ھ میں فوت ہوئیں۔

(۹) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ربیع الاول ۵۶ ھ میں فوت ہوئیں اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔

(۱۰) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ سے دس میل پر مقام سرف میں ۵۶ ھ میں فوت ہوئیں اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔

(۱۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ۵۰ ھ میں فوت ہوئی، ایک قول ۵۲ ھ کا ہے۔ (۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر تھی:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے اور امام ابویعلیٰ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور امام ابونعیم نے حلیہ میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ اور امام ترمذی نے جنت کی صفت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں کو جنت میں اتنی اتنی جماع کی قوت ہو گی، عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔

اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے چالیس کو سو میں ضرب دی تو اس کا حاصل چار ہزار ہوا۔ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت ہے۔ اور علامہ ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جماع کی غالب قوت حاصل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے اس کے باوجود صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور کھانے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قناعت سے کام لیتے تھے۔ اور جس طرح امور شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں فضیلتیں جمع کی تھیں اسی طرح امور دنیاویہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر فضیلتیں جمع کی تھیں۔ تاکہ دارین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کامل ہو۔

ہر نبی کو مردوں کی نسبت بہت زیادہ طاقت دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو ازواج تھیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام

۱۔ اسد الغابہ، ج ۷، ص ۱۷۹　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۷۱

کی نوے ازواج تھیں۔اور سیدنا محمد ﷺ چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے اس کے باوجود آپ ﷺ نے صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور یہ تصور غلط ہے کہ آپ ﷺ نے قضاء شہوت کے لیے زیادہ شادیاں کیں۔ کیونکہ شہوت کا زور جوانی کے ایام میں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں ایک بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور پچیس سال کا عرصہ صرف انہی کے ساتھ گزارا۔اور دوسرا عقد نہیں کیا۔

پچاس سال کی عمر کے بعد آپ ﷺ نے چند اور عقد کیے اور یہ عقد تبلیغی مصلحتوں کی وجہ سے کیے۔ کیونکہ نکاح کے ذریعے ایک اور خاندان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تعدد ازواج کی وجہ سے آپ ﷺ کے گھر کے حالات اور خانگی معاملات کے دیکھنے والیاں اور امت تک پہنچانے والی زیادہ خواتین ہو گئیں۔اور گھریلو معاملات سے متعلق احادیث کی نشر واشاعت کے زیادہ ذرائع فراہم ہو گئے۔ نیز آپ ﷺ نے بیک وقت نو (۹) ازواج میں عدل کر کے دکھایا اور امت کو یہ بتلایا کہ تم چار ازواج میں عدل کو گراں سمجھتے ہو اور میں نے بیک وقت نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا ہے۔سلام ہو اس نبی ﷺ پر جس کا عمل ہر میدان میں قول سے بڑھ کر ہے۔(۱)(۲)

ہمارے نبی کریم ﷺ کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر تھی:

حضرت انس نے کہا: آپ ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اسماعیل کی روایت میں تیس کی بجائے چالیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے اور ابونعیم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ گرفت میں اور جماع کرنے میں آپ ﷺ کو چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک جنتی مرد کو کھانے پینے، جماع کرنے اور شہوت میں سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔

اس حساب سے ہمارے نبی کریم ﷺ کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر ہے۔(۳)

حافظ بدرالدین عینی نے اس سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے۔وہ یہ ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی آ کر کہنے لگا: یا ابا القاسم! کیا آپ کا یہ زعم نہیں ہے کہ اہل جنت، جنت میں کھائیں گے اور پئیں گے اور اس نے اپنے اصحاب سے کہا ہوا تھا کہ اگر انہوں نے اس کا اقرار کر لیا تو میں ان سے بحث کروں گا۔تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی حاجت ایک پسینہ سے رفع ہو گی۔جو ان کے تمام جسم سے نکلے گی۔اس میں مشک کی طرح خوشبو ہو گی۔پھر ان کا پیٹ پتلا ہو جائے گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔(۵)

۱۔ عمدۃ القاری ج ۳، ص ۲۱۷ ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ا، ص ۱۰۰۸ ۳۔ فتح الباری، ج ا، ص ۷۹۶-۷۹۷

۴۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۲۰-۳۲۱

۵۔ صحیح ابن حبان: ۷۴۲۴، مسند البزار: ۳۵۲۳، المعجم الکبیر: ۵۰۰۷، البعث والنشور للبیہقی: ۳۵۲، الزہد لابن المبارک: ۱۴۵۹، سنن دارمی: ۲۸۲۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۷۸، المعجم الاوسط: ۷۳۴۴، حلیۃ الاولیاء: ج ۷، ص ۳۶۶۔ ج ۸، ص ۱۱۶، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۴۱۶، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۶۷

اس حدیث کے شواہد حسب ذیل ہیں: (۱)

نوٹ: حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا حوالہ دیا تھا' وہ حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے۔ جبکہ مذکورہ شواہد میں جو حدیث مروی ہے اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ (۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات میں مساوی تقسیم واجب نہ تھی:

حدیث نمبر ۲۷۳۸ اور ۲۷۳۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج کے پاس گئے اور صبح احرام باندھا' علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے کہا ہے کہ ازواج میں سے ایک زوجہ کا کم از کم حصہ ایک رات ہے۔ تو ایک رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج کے پاس کیسے تشریف لے گئے۔

اس کے دو جواب ہیں:

ایک جواب یہ ہے کہ جس زوجہ کی باری تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس زوجہ کی اجازت اور رضامندی سے باقی ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باریاں واجب نہیں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مساوات سے تقسیم اور سفر کے لیے قرعہ اندازی تکرماً اور تبرعاً کرتے تھے۔

علامہ اصطخری شافعی اور بعض دیگر علماء کا یہی قول ہے۔ (۳)

تعداد ازواج پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات:

پیر محمد کرم علی شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جتنی زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کا امتحان بھی سخت لیتا ہے اور اس پر ذمہ داریاں بھی دوسرے بندوں کی نسبت زیادہ سخت عائد کرتا ہے۔

انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں۔ ان کا مقام ساری مخلوق سے بلند ہے۔ اسی لیے ان کی ذمہ داریاں بھی دیگر انسانوں کی نسبت زیادہ کٹھن ہوتی ہیں۔ ذمہ داریوں کے اسی اختلاف کی وجہ سے بعض قوانین میں بھی نبی کا حکم اپنی امت سے مختلف ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کٹھن ذمہ داریاں آپ کو سونپی ہیں وہ آپ سے پہلے کسی نبی یا رسول کو بھی نہیں سونپی گئیں۔ آپ کو حکم ملا کہ ساری دنیا سے شرک کی لعنت کو ختم کر کے توحید خداوندی کا علم بلند کریں' جو لوگ بتوں کے سامنے سربسجود ہیں انہیں خدائے واحد کے سامنے جھکنے کی ترغیب دیں' جو لوگ طاقت اور دولت کے نشہ میں مست' اپنی خدائی کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں' ان کے سامنے حقیقت کا آئینہ رکھیں اور ان کو اصل حیثیت سے آگاہ کریں اور انسانیت کے سامنے ایسا نمونہ عمل رکھیں جو قیامت تک پوری نسل انسانی کی رہنمائی کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انسانیت کے لئے دستور حیات نازل فرمایا۔

۱۔ سنن ترمذی: ۲۵۳۶' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۱۲' صحیح ابن حبان: ۴۰۰۷' المعجم الاوسط: ۲۵۶۳　　۲۔ نعمۃ الباری' ج ۱' ص ۷۴۷۔ ۷۴۸

۳۔ شرح مسلم' ج ۱' ص ۹۷۴' شرح صحیح مسلم' ج ۳' ص ۳۰۳

جس کی روشنی میں سفر کر کے وہ اپنی منزل مقصود کو پا سکے۔اس دستور حیات کے قوانین عام انسانوں کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضمانت تھے لیکن حضور ﷺ کی ذمہ داری چونکہ اپنی امت کے ہر فرد کی ذمہ داری سے کہیں زیادہ کٹھن تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ قوانین ایسے نازل فرمائے جو آپ کے لئے خاص تھے اور امت ان قوانین سے مستثنیٰ تھی۔ان مخصوص قوانین میں سے کچھ وہ ہیں جو حضور ﷺ پر امت کی نسبت زیادہ کٹھن فرائض عائد کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن میں حضور ﷺ کو کچھ ایسی مراعات عطا فرمائی گئی ہیں جو امت کو عطا فرمائی گئیں۔اس قسم کے قوانین میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہے۔

امت کے افراد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں۔ ہر عورت جس کے ساتھ وہ نکاح کریں اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ان کی زوجیت میں جتنی عورتیں ہوں ان سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرنے کا حکم ہے۔کسی کی بیویوں کی تعداد جب چار سے کم ہو تو اسے مزید نکاح کرنے کی ممانعت نہیں ہوتی۔

ان قوانین کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتوں کے تحت حضور ﷺ کے لئے کچھ اور قوانین نازل فرمائے جو ان احکام سے مختلف ہیں جو امت کے لئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے:

یایھا النبی انا احللنا لك ازواجك اللاتی اتیت اجورھن وما ملکت یمینك مما افاء اللہ علیك وبنات عمك وبنات عماتك وبنات خالك وبنات خالاتك اللاتی ھاجرن معك وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لك من دون المؤمنین قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم لکیلا یکون علیك حرج وکان اللہ غفورا رحیما۔

''اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لئے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں۔اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپکی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مؤمن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دیں اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں۔ہمیں یہ خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

بیویوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو امتیازی شان عطا فرمائی اور جہاں ایک امتی کو تمام بیویوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنے کا حکم دیا وہاں حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا:

ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیك ذلك ادنی ان تقر اعینهن ولا یحزن ویرضین بما اتیتهن کلهن واللّٰه یعلم ما فی قلوبکم وکان اللّٰه علیما حکیما۔

''(آپ کو اختیار ہے) کہ دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو چاہیں۔ اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس رخصت سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے۔ اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑا بردبار ہے''۔

عام امتی پر چار بیویوں کی حد کے اندر رہتے ہوئے زندگی کے کسی مرحلے پر ایک بیوی کو دوسری بیوی سے بدلنے یا کسی عورت سے شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک مرحلہ آیا جب آپ کو مزید نکاح کرنے یا کسی زوجہ کو دوسری زوجہ سے بدلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ارشاد خداوندی ہوا:

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولا اعجبك حسنهن الا ما ملکت یمینك وکان اللّٰه علی کل شیء رقیبا۔ ایضاً:۵۲

''حلال نہیں آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ ہی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن بجز کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے''۔

حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی کے متعلق جو خصوصی احکامات نازل فرمائے تھے' آپ نے ان پر عمل کیا۔ آپ کی ازواج مطہرات کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ سیرت کی کتابوں میں گیارہ ایسی خوش نصیب خواتین کا ذکر ملتا ہے جن کو حضور ﷺ نے زوجیت کا شرف بخشا تھا۔ مستشرقین نے حضور ﷺ کی ازواج کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس مسئلے پر بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کے لیے بیویوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ جن عورتوں کے ساتھ نکاح کی حضور ﷺ نے ضرورت محسوس کی آپ نے ان کے ساتھ نکاح کیا' ہمیں اس کا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مستشرقین کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کے لئے تو بیویوں کی تعداد کی حد مقرر کر دی تھی اور آپ کے کسی امتی کو چار سے زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنے کی اجازت نہ تھی لیکن آپ نے خود اس پابندی کو قبول نہ کیا اور جن عورتوں سے اور جتنی عورتوں سے چاہا شادی کر لی۔

حضور ﷺ کے لئے ازواج کے یہ خصوصی قوانین اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں نازل فرمائے تھے۔ یہ قوانین حضور ﷺ نے اپنی مرضی سے نہیں گھڑے تھے لیکن مستشرقین چونکہ قرآن حکیم کو حضور ﷺ کے ذہن کی اختراع قرار دیتے ہیں اس لئے وہ آپ پر یہ الزام

لگاتے ہیں کہ آپ نے اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے بیویوں کی تعداد اس کی حد کونظر انداز کر دیا جو آپ نے خود اپنی اُمت کے لئے مقرر کی تھی اور پھر اپنی اس خواہش پرستی کو جواز مہیا کرنے کے لئے وحی کا سہارا لیا اور یہ دعویٰ کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی اجازت ملی ہے کہ آپ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کر لیں۔

حضور ﷺ کے مخالف تعداد ازواج کے سلسلے میں آپ کے خلاف جو زبان استعمال کرتے ہیں' اس غلیظ زبان کو یہاں نقل کرنا ذوق سلیم کے لئے تکلیف دہ ناگوار تو ہے لیکن جو لوگ مستشرقین کی غیر جانبداری اور انصاف پسندی پر کامل ایمان رکھتے ہیں' ان کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے اور زیر بحث موضوع کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کے لئے یہ ناگوار فریضہ انجام دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ولیم میور شان رسالت میں یوں ہرزہ سرائی کرتا ہے:

Mahmet was now going on it three-score years; but weakness for the sex seemed only to grow with age, and the attractions of his increasing harem were insufficient to prevent his passion from wandering beyong its ample limits. (1)

''اب محمد (ﷺ) کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی لیکن جنس مخالف کی طرف میلان کی کمزوری میں عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ کے بڑھتے ہوئے حرم کی کشش آپ کو اپنی وسیع حدود سے تجاوز سے روکنے کے لئے کافی نہ تھی''۔

اکثر مستشرقین نے حضور ﷺ کی متعدد ازواج کے حوالے سے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے نہ تو حضور ﷺ کی شادیوں کو آپ کی پوری زندگی کے پس منظر میں دیکھا ہے اور نہ انہوں نے یہ سوچا کہ آیا تاریخ میں کوئی اور بھی ایسی ہستی موجود تو نہیں' جن کا وہ انتہائی احترام کرتے ہیں' لیکن ان کی شادیاں حضور ﷺ سے بھی زیادہ تھیں۔

اگر ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر کسی انسان کے خلاف جنس پرستی کا الزام لگتا ہے تو یہ الزام صرف حضور ﷺ پر نہیں لگنا چاہئے بلکہ یہ الزام تاریخ کے ان تمام کرداروں پر لگنا چاہئے جنہوں نے ایک سے زیادہ عورتوں کو اپنی زوجیت میں جمع کیا تھا۔ لیکن یہ عجیب قسم کی غیر جانبداری ہے کہ جس کام کی وجہ سے حضور ﷺ پر جنس پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے' اس کام کی وجہ سے کسی دوسرے پر یہ الزام نہیں لگایا جاتا۔

تعدد زوجات کی وجہ سے حضور ﷺ کے خلاف جنس پرستی کا الزام لگانے والے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیتے ہیں کہ آپ نے اپنی امت کے سامنے جو قانون پیش کیا تھا' آپ نے خود اس پر عمل نہیں کیا۔ گویا اسلام تعدد زوجات کے سلسلے میں عام امتیوں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کرتا اور جو دستور پہلے دنیا میں رائج تھا اسی کو قائم رکھتا تو یقیناً کوئی شخص اسلام کو اسی کام کی وجہ سے' مورد الزام نہ ٹھہراتا' کیونکہ حضور ﷺ سے پہلے جس طرح عام لوگوں میں تعداد ازواج کی رسم عام تھی اسی طرح تاریخ کی بے شمار عظیم شخصیات نے بھی اس رسم پر عمل کیا تھا لیکن کسی نے ان شخصیات کو اسی وجہ سے ان الزامات کا نشانہ نہ بنایا تھا جن الزامات کا نشانہ حضور ﷺ کو بنایا گیا۔

دنیا کے تمام مذاہب میں تعداد ازواج کا رواج تھا۔ ان مذاہب کی نظروں میں محترم ہستیاں خود اس پر کاربند تھیں۔ اور اس کی وجہ

سے ان کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

مثلاً ہندومت کو لے لیجئے۔اس مذہب کے اکبر کی کئی بیویاں تھیں۔

(۱) سری رام چندجی کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں۔

(۲) سری کرشن جی کی' جو اوتاروں میں شمار ہوتے ہیں' سینکڑوں بیویاں تھیں۔

(۳) پانڈوں کے جداعلیٰ راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔

(۴) راجہ شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

(۵) بچھتر اپرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔(۱)

مستشرقین جو اپنے آپ کو ماہرین علوم شرقیہ کہتے تھے۔وہ جس طرح اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اسی طرح ہندومت کا بھی مطالعہ کرتے ہوں گے۔کیونکہ جس طرح اسلام ایک مشرقی مذہب ہے اسی طرح ہندومت بھی ایک مشرقی مذہب ہے۔اور اس طرح وہ بھی ان کے شعبہ تحقیق سے تعلق رکھتا ہے۔مستشرقین کو اپنے مطالعے کی بنا پر معلوم ہے کہ ہندو کے اکابر بھی ایک سے زیادہ شادیوں کی رسم پر کاربند تھے۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ تو ہندو راجاؤں کو دو دو اور تین تین بیویاں رکھنے پر جنس پرست کہا اور نہ ہی سری کرشن جی کی سینکڑوں بیویوں کے باوجود ان پر یہ الزام لگایا۔

ممکن ہے مستشرقین ہندو اکابر کی مثالوں پر یہ کہیں کہ وہ تو غیر الہامی مذہب کے پیروکار تھے۔ان کے عمل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن تعدد ازواج کی مثال صرف ہندو اکابر تک محدود نہیں بلکہ خود الہامی مذاہب میں بھی اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ہم سے یہ مطالبہ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ آپ حضرت محمد ﷺ کو خدا کا نبی اور رسول مانتے ہیں' اس لیے آپ کے عمل کو جائز ثابت کرنے کے لیے غیر الہامی مذاہب کے اکابر کی زندگیوں کو بطور دلیل پیش کرنے کی بجائے انبیاء کرام کی زندگیوں کو پیش کریں۔تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ عمل منہاج نبوت کے مطابق ہے۔لیکن مستشرقین ہم سے یہ جائز مطالبہ نہیں کرتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد انبیائے کرام نے بھی ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم' حضرت یعقوب' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد علیہم السلام کی روحانی عظمتوں کے قائل ہیں۔اور ان کو خدا کے برگزیدہ بندے اور نبی تسلیم کرتے ہیں۔ان برگزیدہ ہستیوں کی زندگیوں سے اگر ہمیں تعدد ازواج پر عمل پیرا ہونے کا ثبوت مل جائے تو یقیناً اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا متعدد عورتوں سے شادی کرنا منہاج نبوت کے عین مطابق تھا۔اور جس طرح اس عمل کی وجہ سے دیگر انبیائے سابقین کے تقدس میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی طرح اس عمل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے تقدس اور عظمت میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

یہود و نصاریٰ کی الہامی کتابیں خود ہمیں بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔(۲)

۱۔ رحمۃ للعالمین' ج ۲' ص ۱۲۷ ۲۔ ایضاً' ص ۱۲۹۔۱۲۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا:

"In Case you go out to the battle against your enemies and Jehovah your God has given then into your hand and you have carried them away captive; and you have seen among the capyives a woman beautiful in from, and you have got attached to her and taken her for your wife. You must then bring her in to the midst of your house. She must now shave herhead and attend to her nails, and remove the mantle of her captivity from off her and dwell in your house and weep for her fatherand mother a whole lunar month; and after that you should have relations with her, and you must take possession of her as your bride, and she must become your wife". (۱)

''اگر تم دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جاؤ اور تمہارا خدا دشمنوں کو تمہارے قبضے میں دے دے' تم ان کو قیدی بنالو اور تم ان کے درمیان ایک خوب صورت عورت دیکھو جو تمہیں اچھی لگے اور تم اسے اپنی بیوی بنالو تو تم اسے اپنے گھر میں لاؤ' وہ اپنا سر مونڈھے اور ناخن تراشے اور غلام کا لباس اتار کر تمہارے گھر میں رہے اور ایک پورا قمری مہینہ اپنے ماں باپ کا سوگ منائے۔ اس کے بعد تم اس سے خلوت کرو اور بطور دلہن اسے اپنے قبضے میں لو اور وہ تمہاری بیوی بنے''۔

بائبل کی یہ تعلیمات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کر رہیں کہ آپ کو یہ اجازت پھر زندگی میں صرف ایک بار عمل کرنے کا اختیار ہے۔ یا جب کبھی دشمن سے جنگ پیش آئے' آپ اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بائبل کے مختلف مقامات پر حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویوں' دس حرموں اور ان کے علاوہ کچھ اور حرموں اور جوروؤں کا ذکر ملتا ہے۔ (۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بائبل ہمیں بتاتی ہے:

"And he camr to have seven hundered wives, princesses, and three hundered concubines".

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔

ہم نے انبیائے کرام کی جو مثالیں سطور بالا میں پیش کی ہیں یہ سب بائبل سے ماخوذ ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کو معیار نبوت پر رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا منہاج نبوت کے عین مطابق تھا۔ جو لوگ کسی مذہب کو مانتے

۱۔ کتاب استثناء' باب ۲۱' آیات: ۱۳-۱۰ ۲۔ رحمۃ للعالمین' ج ۲' ص ۱۲۹

ہیں وہ حضور اکرم ﷺ پر تعداد ازواج کی وجہ سے اس لیے اعتراض نہیں کر سکتے کہ ان کے اپنے اکابر بھی اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اور جو لوگ کسی مذہب کو مانتے ہی نہیں ان کے لیے اعتراض کی گنجائش اس لیے نہیں کہ وہ جنسی تعلقات کے لیے نکاح کی قید کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں' دوسروں پر اعتراض کا ان کو کیا حق پہنچتا ہے؟

مستشرقین جس بات کو سب سے زیادہ اچھالتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ اس لیے آپ نے ایک شادی کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں حضرت محمد (ﷺ) کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل نہ تھا' اس لیے آپ نے متعدد عورتوں سے شادیاں کیں۔

اس کے بعد وہ ان مقدس ہستیوں کے درمیان موازنہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دو انسانوں کے مابین کتنا تفاوت ہے۔ جن میں سے ایک کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل ہوا اور دوسرا زندگی بھر اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے سرگرداں رہے۔

اولاً تو ان مبصرین کا یہ موازنہ ہی بڑا عجیب ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک نبی نہیں بلکہ خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اگر وہ خدا کے بیٹے ہیں تو پھر نفسانی خواہشات یا ان پر کنٹرول کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ شاید عیسائی مستشرقین کو اس بات کا احساس نہیں کہ ازدواجی زندگی کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور ﷺ سے موازنہ کر کے وہ الوہیت مسیح کے عیسائی عقیدے کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے بلکہ خدا کا مقدس رسول مانتے ہیں۔ اگر وہ ان دو عظیم ہستیوں کے درمیان موازنہ کریں تو انہیں اس کا حق پہنچتا ہے۔ لیکن ان عیسائیوں کو بھی موازنہ کرنے سے پہلے یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے کہ مجرد رہنا تقدس کی نشانی ہے اور کتخدائی سے انسان کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ خدا کا رسول دنیا پر نسل انسانی کا راہنما بن کر تشریف لاتا ہے۔ منکرین رسالت ہر دور میں انبیاء و مرسلین علیہ السلام پر یہ اعتراض کرتے آئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے کسی کو بھیجنا تھا تو کیوں نہ کسی فرشتے کو اس کے لیے منتخب کیا گیا۔

اس اعتراض کا جواب بارگاہ خداوندی سے انہیں یہی ملتا رہا ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ وہی انجام دے سکتا ہے جو ان کی اپنی جنس سے ہو۔ جس کی زندگی کے تقاضے وہی ہوں جو عام انسانوں کی زندگی کے ہوتے ہیں۔ جو انسانوں کے سامنے ایک نمونہ کامل پیش کرے۔ جس کے مطابق عمل کر کے وہ اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں۔

تمام انبیائے کرام علیہ السلام جو دنیا میں تشریف لائے' انسانی تقاضے بھی ان کے ساتھ تھے اور وہ ان کو پورا بھی کرتے تھے۔ انہیں بھوک بھی لگتی تھی اور وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ انہیں پیاس بھی لگتی تھی اور وہ پانی بھی پیتے تھے۔ حالت غم میں وہ غمگین بھی ہوتے تھے اور مسرت کے لمحات میں شاداں و فرحاں بھی ہوتے تھے۔ وہ شادیاں بھی کرتے تھے' گھر بھی بساتے تھے' اولاد کی نعمت پا کر اس کا شکر بھی ادا کرتے تھے اور بے اولاد ہونے کی صورت میں گڑ گڑا کر خدا سے اولاد کی التجا بھی کرتے تھے۔ حضور ﷺ بھی اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ جو کام دیگر انبیائے کرام کرتے رہے تھے وہ کام حضور ﷺ نے بھی کیے۔ انبیاء و رسل کی یہ سنت تمام نسل انسانی کے لئے

باعث رحمت ہے کیونکہ اب اگر وہ کھاتے ہیں تو یہ کام بھی سنت انبیاء کے مطابق ہے۔ اگر پیتے ہیں تو یہ بھی خدا کے مقدس رسولوں کی سنت ہے۔ اگر وہ نکاح کرتے ہیں تو بھی انبیائے کرام کی ایک سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اگر اولاد کی نعمت ملنے پر ان کا دل مسرور ہوتا ہے اور وہ اس سرور کا اظہار بھی کرتے ہیں تو یہ بھی سنت انبیائے کے مطابق ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہ السلام کو کھانے اور پینے کی ضروریات سے بے نیاز رکھتا تو اکل وشرب کا عمل خلاف سنت انبیاء قرار پاتا۔ اگر انبیائے کرام نے نکاح کو شجر ممنوعہ قرار دیا ہوتا تو ان کی امتوں کے لوگ بھی نکاح کو معیوب سمجھتے۔ اگر دنیا مجرد انبیائے کرام کی سنتوں پر عمل کرتی تو نہ کسی کے گھر کے آنگن میں پھول کھلتے اور نہ بچوں کی معصوم باتیں گھروں کو رشک جنت بناتیں۔ گھر ویران ہو جاتے اور دنیا انسانوں کے وجود سے خالی ہو جاتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی، اس میں کچھ حکمت ضرور ہو گی جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے مقدس رسول ہیں اور خدا کا رسول وہی کچھ کرتا ہے جس کا اسے بارگاہ خداوندی سے حکم ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو ان کا خاصا تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس کو ان کی ایسی سنت قرار نہیں دیا جا سکتا جس پر عمل کرنا ان کے سارے پیروکاروں کے لئے بھی ضروری ہو۔ انبیائے کرام علیہ السلام کی زندگیوں میں متعدد چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے خواص شمار ہوتی ہیں اور امت کو ان کی پیروی کا حکم نہیں دیا جاتا۔

بعض عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پوری دنیائے عیسائیت اس سنت عیسوی کو اپنی اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے انجام کا وہ خوب اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس بحث سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسانی معاشرے میں مجرد رہنا نہیں بلکہ انبیاء رسل کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کتخدائی کی زندگی گزارنا ہی محمود اور مقبول ہے۔ آج عیسائیت کے چند محدود حلقوں کو چھوڑ کر ساری دنیا میں عزت و وقار کی نظروں سے انہی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے جو متاہل زندگی گزارتے ہیں۔ مجرد آدمی کا نہ معاشرے میں کوئی وقار ہے اور نہ ہی کوئی اس پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اس لیے اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو گھٹانے کے لئے استعمال کرنا کہ آپ نے شادیاں کیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی شادی نہیں کی نہ صرف غلط ہے بلکہ الٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کو گھٹانے کی کوشش کے مترادف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شادی نہ کرنے سے ان میں کوئی انسانی کمزوری ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی مختلف مقاصد کے تحت متعدد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کمزوری کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اس طرح دیگر انبیاء ورسل علیہ السلام کو بھی ان کی ازدواجی زندگی کی وجہ سے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

تعداد ازواج کا دستور ہمیشہ انسانوں میں مروج رہا ہے اور اس کی وجہ سے کسی بھی انسان کے معاشرتی مقام میں کمی نہیں آئی۔ یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے لیکن جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شادیاں

جنسی جذبے کی تسکین کے پیش نظر کی ہی نہیں تھیں بلکہ شادیوں سے آپ کے مقاصد اتنے بلند تھے کہ مستشرقین ان کے تصور سے بھی قاصر ہیں۔ حضور ﷺ کی شادیوں کے مسئلے پر تفصیلاً غور کرنے سے پہلے آپ کی حیات طیبہ کے مندرجہ ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ حضور ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک کوئی شادی نہیں کی۔

۲۔ آپ کے مردانہ حسن اور نسبی وجاہت کی وجہ سے ان عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں۔

۳۔ آپ نے جنسی اباحیت کے ماحول میں اپنا عنفوان شباب تجرد کی حالت میں گزارا لیکن کسی کو آپ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نظر نہیں آیا۔

۴۔ آپ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔ جس خاتون کو سب سے پہلے آپ نے اپنی زوجیت کا شرف بخشا وہ آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھی۔ شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھی۔

۵۔ حضور ﷺ نے اپنی عمر کے پچیس سال کا عرصہ اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارا جس کے ساتھ آپ سب سے پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔ اپنی عمر کے پچاسویں سال تک اور اپنی زوجہ محترمہ کی عمر پینسٹھویں سال تک' جب تک آپ کی وہ زوجہ محترمہ زندہ رہیں' آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

۶۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے جس خاتون سے شادی کی وہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔

۷۔ ایک زوجہ محترمہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی تمام ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی کنواری نہ تھیں حالانکہ حضور ﷺ اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے چہرے پر خوشبو اور مسرت کے کچھ آثار دیکھے تو آپ نے ان سے یہ گفتگو فرمائی:

هل تزوجت قال: نعم۔ قال: بكرا ام ثيبا قال: بل ثيبا۔ فقال له صلوات الله عليه: فهلا بكرا تلاعبها وتلاعبك وتضاحكها وتضاحك(۱)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ انہوں نے عرض کی: ہاں! یارسول اللہ! آپ نے پوچھا: کیا تم نے کسی باکرہ عورت سے شادی کی ہے یا غیر باکرہ سے؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! غیر باکرہ عورت سے شادی کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کسی باکرہ عورت سے شادی کرنی چاہئے تھی کہ وہ تمہارے ساتھ دل لگی کرتی اور تم اس کے ساتھ دل لگی کرتے۔ وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی اور تم اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے''۔

۸۔ حضور ﷺ نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لینے کے باوجود فرمایا:

مالي في النساء من حاجة

۱۔ رحمۃ للعالمین، ج ۲، ص ۱۳۱

"یعنی مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے"۔

۹۔ حضور ﷺ کی اکثر شادیاں بچپن سے لے کر انسٹھ سال تک کی عمر کے درمیان ہوئیں۔ جو شخص حضور ﷺ کی بیویوں کی تعداد کو گن کر آپ کے کردار کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے اور ایسا کرتے وقت مندرجہ بالا حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے کیا اس شخص کو غیر جانبدار محقق اور انصاف پسند عالم کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو شخص پچیس سال کی عمر تک مجرد رہے اور پچیس سال تک کا عرصہ ایک معمر خاتون کی رفاقت میں گزارے اور اس طویل عرصے میں کوئی جذبہ نہ تو کسی غلط کام کی طرف توجہ کر سکے اور نہ مزید خواتین سے نکاح کا خیال اپنے دل میں لائے، کیا یہ بات ممکن ہے کہ جب اس شخص کی عمر پچپن سال ہو جائے تو یکا یک اس کے جنسی جذبات طوفان بن کر امڈ آئیں اور عورتوں کی کوئی تعداد اسے مطمئن نہ کر سکے۔

ایک شخص جو اپنی خواہشات کا غلام ہو اس کے ہاتھ میں اقتدار بھی ہو ہزاروں لوگ اس کے اشارہ ابرو پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار بھی ہوں، قوم کا ہر فرد اس کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کرنے کو ایک بہت بڑی سعادت سمجھتا ہو اور حسین سے حسین تر دوشیزاؤں کے ساتھ شادی کرنے کے راستے میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو ایسا شخص کیا کرے گا؟ کیا وہ اپنی زوجیت کے لئے حسین ترین دوشیزاؤں کو منتخب کرے گا یا اس کی نگاہ انتخاب بیوہ اور معمر خواتین پر پڑے گی؟ یقیناً ایسا شخص اپنی زوجیت کے لئے حسین ترین دوشیزاؤں کو چنے گا اور وہ کسی بیوہ خصوصاً عمر رسیدہ بیوہ سے نکاح کے خیال کو کبھی دل میں نہیں لائے گا۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے تاریخی حقائق ہمارے سامنے ہیں۔ آپ کی ازدواجی زندگی پر بحث کرتے وقت دو چیزوں کو خصوصی طور پر ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ آپ نے ایک سے زیادہ عورتوں کو زوجیت کا شرف اس وقت بخشا جب آپ کی عمر پچپن سال سے تجاوز کر چکی تھی اور پیرانہ سالی کا دور شروع ہو چکا تھا۔

دوسری چیز یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے کسی قسم کی مجبوری کے بغیر اپنی زوجیت کے لئے 'سوائے ایک کے' تمام بیوہ خواتین کو منتخب فرمایا:

ایک تیسری بات بھی اس سلسلے میں ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو آدمی خواہش پرست ہوتا ہے وہ صنف نازک کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوتا ہے وہ اپنی بیویوں کے جائز اور ناجائز مطالبے اور فرمائشیں پوری کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے لیکن حضور ﷺ نے تو 'مدینہ کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی' اپنے کاشانہ اقدس کو فقر کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو آپ نے بیگمات اور رانیوں کی طرح ناز نخرے سے نہیں رکھا بلکہ ایک بار جب انہوں نے اپنی مالی حالت کو بہتر بنانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے باذن خداوندی' اپنی ازواج مطہرات کو دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ اگر تم مال دولت کی خواہش مند ہو تو اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے تمہیں خدا کے رسول سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی۔

اور اگر تم خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی ہو تو پھر تمہیں قناعت اور صبر و شکر سے گزر بسر کرنی پڑے گی' معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے چاہو تو دنیوی مال و متاع کو اختیار کر لو اور چاہو تو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کو۔ اس پیشکش کے جواب میں تمام ازواج

مطہرات نے حضور ﷺ ہی کو پسند کیا تھا اور کاشانہ نبوت کی شان فقر واستغناء پر دنیا کی ہر دولت کو قربان کر دیا تھا۔

حضور ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کو یہ اختیار دینا اور اس کے جواب میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دنیوی مال دولت کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر آپ کو اختیار کرنا' اس بات کی نا قابل تردید دلیل ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہمی رشتہ جنسی خواہشات کی بنیادوں پر قائم نہ تھا بلکہ یہ رشتہ ان عظیم مقاصد کی بنیادوں پر قائم تھا جن کے لئے سب کچھ قربان کیا جاسکتا تھا۔ حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی میں اسکے علاوہ بھی بے شمار ایسی داخلی شہادتیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا متعدد خواتین سے شادی کرنا جنسی خواہشات کی تسکین کی خاطر نہ تھا بلکہ اس کے مقاصد کچھ اور تھے۔

اس بحث کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر حضور ﷺ نے شادیاں کرتے وقت جنسی تقاضوں کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی تو پھر آپ نے متعدد خواتین سے شادیاں کن مقاصد کے تحت کیں اور ان شادیوں میں حکمت کیا تھی؟

حضور ﷺ کی شادیوں کے مقاصد:

علامہ محمد علی صابونی نے اپنی کتاب ''شبہات الاباطیل حول تعدد زوجات الرسول'' میں اس موضوع پر بڑی بحث کی ہے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی متعدد شادیوں کے ان گنت مقاصد کو ان شعبوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) تعلیمی مقاصد　　(۲) تشریعی مقاصد　　(۳) سماجی مقاصد　　(۴) اور سیاسی مقاصد

ا۔ تعلیمی مقاصد:

انسانی زندگی کے بیشمار مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق خصوصی طور پر عورتوں کے ساتھ ہے۔ انسان ان نسوانی مسائل کے متعلق بھی تفصیلی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ صنف لطیف نصف امت ہے اور اسلام نصف امت کے مسائل کو نظر انداز نہ کرسکتا تھا۔ جب مسائل کا تعلق عورتوں کی نسوانہ زندگی کے ساتھ ہے ان کے متعلق کوئی عورت کسی غیر محرم مرد کے ساتھ گفتگو کرنے سے شرماتی ہے۔ گو اہل مغرب ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں شرم وحیاء کی انسانی اقدار معاشرے سے رخصت ہوگئی ہیں۔ لیکن ان کی یہ ترقی انسانی فطرت کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں حیاء کا مادہ رکھا ہے۔ اور جو چیزیں انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہیں ان میں شرم وحیاء کی صفت اہم ہے۔

حضور اکرم ﷺ عورتوں کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ ان تعلیمات کو امت کی عورتوں تک پہنچانے' عورتوں کو وہ مسائل سمجھانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے کے لیے آپ کو ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو انتہائی پاک باز' ذہین' فطین' دیانت دار اور متقی ہوتیں۔ اور فریضہ رسالت کی تبلیغ کے لیے مخلص کارکنوں کی حیثیت سے کام کرتیں۔ ایسی عورتیں جو حضور اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کی تفصیلات کو محفوظ کرتیں' انہیں امانت ودیانت کے ساتھ امت کی عورتوں تک پہنچاتیں' ملت کی عورتیں اپنے جن مسائل کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتیں' حضور اکرم ﷺ اس مسئلے کا جو حل بھی بتاتے اسے عورتوں تک پہنچاتیں۔ اور ان کو ان پر عمل کرنے کا

طریقہ بھی سمجھاتیں۔

ان کاموں کے لیے حضور ﷺ کو ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو مذہب یا معاشرے کی طرف سے کسی قدغن کے بغیر آپ ﷺ کے شانہ بشانہ شانہ اقدس میں آپ کے ساتھ رہ سکتیں۔ یہ کام صرف وہی خواتین کر سکتی تھیں جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتیں۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ اور بہت جلد ان نفوس قدسیہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ جن کی تعلیم کا فریضہ حضور اکرم ﷺ کو انجام دینا تھا۔ صرف ایک بیوی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ان گوناگوں ذمہ داریوں سے تنہا عہدہ برآ ہو سکتی۔

جب اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنے میں آسان ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دیتے تھے تو آپ ﷺ نے خود اس پر عمل کیوں نہ کیا؟

حضور اکرم ﷺ نے جن مقاصد کے تحت شادیاں کی تھیں۔ ان مقاصد کے لیے آپ کو تجربہ کار اور جہاں دیدہ خواتین کی ضرورت تھی اور آپ نے ان انہیں خواتین کا انتخاب کیا جو اس مقصد کے لیے معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔ آپ کے ایک کے سوا تمام بیوہ خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا۔ یہ خواتین بیوہ تو تھیں لیکن ذہانت، فطانت اور دیانت داری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جس ایک باکرہ خاتون کو شرف زوجیت بخشا وہ حقیقت میں بھی اپنی صغرسنی کے باوجود مذکورہ بالا صفات میں کسی جہاندیدہ خاتون سے کم نہ تھیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد کو جس حسن و خوبی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پورا کیا وہ انہی کا حصہ ہے۔

عورتوں کے مسائل، مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امور زوجیت کے مسائل ایسے ہیں جو نہ عورتیں کھل کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کر سکتی تھیں اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کھل کر ان کا جواب دے سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرم و حیاء حضور اکرم ﷺ کی صفات میں سے ایک اہم ترین صفت ہے۔ اور حدیثوں کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اتنے حیاء دار تھے کہ جتنی حیاء دار دلہن اپنے حجلہ عروسی میں ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تبلیغی زندگی میں بعض ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی خاتون نے کوئی مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اشارے اور کنائے کے ذریعے اس مسئلہ کا جواب سائلہ کو سمجھانا چاہا لیکن وہ اس مسئلہ کو نہ سمجھ سکی۔ ہم یہاں اس قسم کی ایک مثال پیش کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کس طرح امت کی خواتین کو دین اسلام کے مسائل سمجھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک انصاری عورت نے حضور اکرم ﷺ سے غسل حیض سے متعلق سوال کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے غسل حیض کا طریقہ سمجھایا اور فرمایا: ایک خوشبودار روئی کا گالا لو اور اس کے ذریعے طہارت حاصل کرو۔ اس عورت نے عرض کیا: روئی کے گالے کے ذریعے کیسے طہارت حاصل کروں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ اس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کے ذریعے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے یہ صورت حال دیکھی تو اس عورت کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے

بتایا کہ اس روئی کے گالے کو فلاں مقام پر رکھو اور اس کے ذریعے خون کا اثر ختم کرو۔ فرماتی ہیں: میں نے اس عورت کو تفصیل سے سمجھایا کہ روئی کے گالے کو کس مقام پر رکھنا ہے۔(۱)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسئلہ طہارت کا تھا جو اسلام کی اکثر عبادات کے لیے شرط ہے۔ اس عورت کے لیے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ اس مسئلے کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے استفسار کرتی۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی حیاء کی وجہ سے اس غیر محرم عورت کے سامنے اس مسئلے کو تفصیل سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت حال میں ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو حضور اکرم ﷺ کی محرم ہو۔ اور اس مسئلے کی تفصیلات کو حضور اکرم ﷺ سے سیکھ کر اس عورت کو سمجھا سکے۔

یہی کام اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرانجام دیا اور باقی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے بھی اسی انداز میں تعلیم امت کے فریضہ کی ادائیگی میں اپنا کردار ادا کیا۔ مسلمان عورتوں کا یہ معمول تھا کہ جب ان کو اس قسم کا کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو امہات المؤمنین میں سے کسی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور اپنا مسئلہ عرض کرتیں۔ ان کو اگر اس مسئلہ کا حل پہلے سے معلوم ہوتا تو ان عورتوں کو بتا دیتیں ورنہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھ کر سائلہ کو اس مسئلے کا حل سمجھا دیتیں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی علمی خدمات صرف خواتین کے مسائل کے ساتھ ہی خاص ہی نہیں تھیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی بیشمار قولی اور فعلی سنتیں، جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ تھا' ان سنتوں کو محفوظ کرنے اور امانت داری کے ساتھ ان کو امت تک منتقل کرنے کا مقدس فریضہ بھی ان خوش قسمت خواتین نے ہی ادا کیا ہے۔ اس لیے امہات المؤمنین عورتوں کے جملہ مسائل کی بھی معلمات تھیں اور مردوں کے خانگی مسائل، خصوصاً جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی سنت فعلی کے ساتھ تھا وہ بھی امت تک حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کے ذریعے پہنچے ہیں۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن صرف امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہی نہیں بلکہ وہ ملت کی معلمات بھی ہیں۔ بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امت محمدیہ ﷺ کو آدھا دین حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی وساطت سے ہی ملا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امت پر ان کے احسانات کی وجہ سے انہیں ساری امت کی مائیں قرار دیا گیا ہے ادھر حضور اکرم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے ساتھ کسی دوسرے کے نکاح کو حرام قرار دے دیا گیا۔

تعلیم دین کے یہ مدرسے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی علم کا نور پھیلاتے رہے۔ اکابر صحابہ کرام بھی مشکل ترین مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے کسی ام المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہاں سے انہیں مشکل ترین سوالات کے جوابات مل جاتے تھے۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ نے تعدد زوجات کے قانون کو ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جس میں ماہرین علوم اسلامیہ کی ایک جماعت علمی خدمات انجام دینے میں مصروف تھی۔ جو شخص حضور ﷺ کی شادیوں کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس اہم ترین مقصد کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ اس مسئلے کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟

۱۔　شبہات واباطیل حول زوجات الرسول، ص ۱۵

تشریحی مقاصد:

زمانہ جاہلیت میں ایسی کئی رسمیں موجود تھیں جن سے انسانی معاشرے میں بڑے سنگین مسائل پیدا ہوتے تھے۔ تباہ کن نتائج کے حامل ہونے کے باوجود، اس قسم کی رسمیں لوگوں کی زندگیوں میں یوں رس بس چکی تھیں کہ کسی انسان کے لئے ان رسموں کی مخالفت کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضہ نبوت ورسالت میں جس طرح خدا کی زمین کو بتوں سے پاک کرنے کا کام شامل تھا اسی طرح انسانی معاشرے سے تمام غلط اور نقصان دہ رسموں کا قلع قمع کرنا بھی آپ کے فرائض نبوت میں سے ایک تھا۔ ایسی رسمیں انسانوں کے رگ وپے میں سما چکی تھیں ان کو ختم کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان رسموں کے خلاف عمل کر کے لوگوں کے سامنے نمونہ پیش نہ کرتے۔

اس قسم کی رسموں میں سے ایک رسم کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے کی بھی تھی۔ ایک شخص کسی اجنبی کے بیٹے کو کہہ دیتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ اس کے اس قول سے وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور نسب، میراث، طلاق، شادی اور مصاہرت کے تمام مسائل میں اس کی حیثیت ایک حقیقی بیٹے جیسی ہو جاتی۔ اس طرح معاشرے میں بے شمار مسائل جنم لیتے۔ مستحق لوگ میراث سے محروم ہو جاتے اور ایک غیر مستحق شخص ساری جائیداد کا وارث بن جاتا۔ محرمات کے سلسلہ میں یہ رسم انتہائی تباہ کن نتائج برآمد کر سکتی تھی۔ اس رسم کو ختم کرنا ضروری تھا، لیکن جو شخص صدیوں پرانی رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرتا، اس پر ہر طرف سے طعن وتشنیع کے تیروں کی بارش برستی۔ یہ فریضہ اتنا کٹھن تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خادم کی بجائے خود آپ کو منتخب فرمایا اور آپ کو یہ قدیم رسم توڑنے کا حکم دیا۔ اس رسم کو توڑنے پر ہر طرف سے طعن وتشنیع کے تیر برسے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت قدمی اور استقلال سے سب کچھ برداشت کیا اور تنقید کرنے والوں کی تنقید کا جواب آپ کے رب کریم نے خود دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی خاص طور پر اسی مقصد کے لئے ہوئی تھی۔ اس شادی کے لئے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی سے وحی متلو یعنی قرآن حکیم کے ذریعے ملے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنیٰ بنایا۔ اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش کے ساتھ ان کا نکاح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے لے پالک بیٹے کے متعلق غلط رسموں کو ختم کرنے کے لئے تدبیر یہ کی کہ حضرت زید بن حارثہ حضرت زینب کو طلاق دیں اور عدت گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے ساتھ نکاح کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ یہ تھا کہ اس نکاح کی صورت میں منافقین، یہودی اور دیگر دشمنان اسلام طوفان بدتمیزی برپا کریں گے اور کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو انسانوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، آپ صرف اور صرف خدا سے ڈریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں فرمایا:

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَراً زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَراً وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولاً (۱)

"پھر جب پوری کرلی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کردیا تا کہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کرلیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہر حال میں ہوکر رہتا ہے۔"

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح کو اپنے نکاح میں لے لیا جو آپ کے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ تھیں۔ جب امتیوں کے سامنے اپنے پیارے نبی کی سنت آ گئی تو اب اس غلط رسم کے خلاف عمل کرنے میں ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ گئی۔

اس شادی کے ذریعے حضور ﷺ نے ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ حل کیا تھا اور ایک انتہائی اہم قانون عملاً نافذ کیا تھا لیکن مستشرقین حضور ﷺ کے اس حکیمانہ طرزِ عمل کو آپ کے اخلاق کو داغدار کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ حضور ﷺ کی شادی کو مستشرقین نے انتہائی ناروا انداز میں اچھالا ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز ایک مستقل فصل میں مستشرقین کی ان ہرزہ سرائیوں کا جواب دیں گے، یہاں ہم صرف اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے متعدد خواتین کے ساتھ نکاح کرنے کے کچھ مقاصد تشریعی نوعیت کے تھے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کی شادی اس کی بہترین مثال ہے۔ حضرت زینب بنت جحش دیگر امہات المومنین کے سامنے اس بات پر فخر کا اظہار کرتی تھیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمہاری شادیاں تو تمہارے اہل خانہ نے کی ہیں لیکن حضور ﷺ کے ساتھ میری شادی خود رب کریم نے سات آسمانوں کے اوپر کی ہے۔

سماجی مقاصد:

وفاداری اہم ترین انسانی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ دوست کا حق دوستی ادا کرنے کی کوشش کرنا، محسن کے احسان کو یاد رکھنا، خادم کی خدمات فراموش نہ کرنا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو انسانیت کا زیور شمار ہوتی ہیں۔ اسلام وفا کا دین ہے اور اسلام کا پیغمبر وہ لجپال ہے جسے دنیا میں تو کیا قیامت کے روز بھی اپنے غلاموں کی فکر ہوگی۔ حضور ﷺ نے جب شرک کی ظلمتوں میں نعرہ توحید بلند کیا تھا اس وقت آپ کی دعوت کو قبول کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ان مشکل ترین حالات میں بھی کچھ نفوس قدسیہ ایسے تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے میں ذرا بھر تاخیر نہیں کی اور پھر اس عظیم ترین مشن کے ایک ایک مرحلے پر وہ آپ کے دست و بازو بنے رہے۔ اس راستے میں انہوں نے حضور ﷺ اور آپ کی دعوت کے لئے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ جاں نثاری کا ایک زریں باب ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فداکاروں کے اس مقدس قافلے کے سرخیل ہیں اور اس قافلے میں جو نفوس قدسیہ شامل تھے ان میں عمر فاروق، عثمان غنی، حیدر کرار اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کے نام آتے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ نے حضور ﷺ کے مشن کے لئے

۱۔ سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۷

جو قربانیاں دی تھیں، ان کی مثال بھی پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

حضور ﷺ کے غلاموں کی ان جاں نثاریوں کا اصل صلہ تو قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا لیکن حضور ﷺ نے اس دنیا میں بھی غلاموں کو نوازنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ انصار کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کی جو تاکید امت کو حضور نے بار بار فرمائی ہے، وہ آپ کے شان لجپالی کا اظہار ہے۔ اپنے خادموں کو نوازنے کے لئے حضور ﷺ نے ایک اسلوب یہ اپنایا کہ آپ نے ان کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کو اپنے نکاح میں لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں اپنی صاحبزادیاں دے کر ان کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ ان غلاموں کے لئے حضور ﷺ کی اس عطا سے بڑی کسی نعمت کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو اپنے باپ پر ترجیح دی تھی اور حضور ﷺ کی غلامی کو آزادی اور ناز و نعمت کی زندگی سے بہتر سمجھا تھا اور پھر تبلیغ حق کے کٹھن فریضے میں قدم قدم پر جاں نثاری کے مظاہرے کئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کر کے ان کی عزت افزائی فرمائی۔

جن لوگوں کے ساتھ حضور ﷺ نے اپنی شادیوں کے ذریعے رشتہ مصاہرت قائم کیا تھا، انہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ حضور ﷺ نے ان کی دلجوئی کی خاطر یہ رشتہ قائم فرمایا ہے۔ وہ اس رشتے کے قیام پر حضور ﷺ کے ممنون احسان تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو حضور ﷺ کی غلامی پر ناز تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، اس کے باوجود ان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے احسانات کا حق ادا کر دیا ہے، لیکن حضور ﷺ نے ان کی ان قربانیوں کو فراموش نہ کیا تھا جو انہوں نے آپ کے مشن کی خاطر دی تھیں۔

آپ اپنے صدیق کے متعلق ان جذبات کا اظہار فرماتے تھے:

ما لاحد عندنا ید الا وقد کافیناہ بها ما خلا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه الله تعالیٰ بها یوم القیامة وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔ وما عرضت الاسلام علیٰ احد الا کانت له کبوة الا ابا بکر فانه لم یتلعثم ولو کنت متخذاً خلیلاً لا تخذت ابابکر خیلاً الا وان صاحبکم خلیل الله تعالیٰ

"ہم پر جس کسی نے کوئی احسان کیا ہے ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے، سوائے ابوبکر کے کیوں کہ ان کے ہم پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال سے پہنچا ہے۔ میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اس کو قبول کرنے میں تردد کیا لیکن ابوبکر نے بغیر کسی تردد کے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو ہی خلیل بناتا۔ سنو! تم اس بات سے آگاہ رہو کہ تمہارے نبی خدا کے خلیل ہیں۔"

جس شخص کے متعلق حضور ﷺ کے دل میں اس قسم کے جذبات تھے، اس کو آپ دنیا میں جو سب سے بڑا معاوضہ عطا کر سکتے تھے، وہ یہ تھا کہ آپ اس کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم فرماتے۔ یہ اعزاز آپ نے اپنے صدیق کو عطا فرمایا اور ان کی صاحبزادی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

جن نفوس قدسیہ نے دبستان نبوت میں تربیت حاصل کی تھی ان کے درمیان مال و دولت، جاہ و حشمت اور اسی قسم کی عارضی چیزوں میں تو باہم مقابلہ نہیں ہوتا تھا البتہ نیکی کے کاموں میں وہ باہم مسابقت ضرور کرتے تھے۔ دین اسلام کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات کو کون نہیں جانتا۔ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت بلند مقام حاصل تھا لیکن انہیں شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ وہ نیکیوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنے اس احساس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی فرمایا تھا۔ حضور ﷺ نے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رشتہ مصاہرت میں منسلک کیا تو آپ نے اپنے اس دوسرے مخلص ترین صحابی کو بھی وہ اعزاز عطا فرمانا چاہا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بیوہ ہوگئیں۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کے لئے ان کا فکر مند ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ حضور ﷺ نے ان کی بیوہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں قبول فرما کر ایک طرف تو ان کی پریشانی دور فرمائی اور دوسری طرف ان کو وہ اعزاز عطا فرمایا جو ان کے لئے حاصل حیات تھا۔ جس طرح صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی شادیوں کے مقاصد میں سے ایک مقصد اپنے غلاموں کی دلجوئی تھا اسی طرح آپ کی دیگر کئی شادیوں میں بھی سماجی مقاصد سرفہرست تھے۔

سیاسی مقاصد:

حضور ﷺ کی شادیوں کے متعدد مقاصد میں سے ایک مقصد دشمنوں کے دل جیتنا، اسلام کے ساتھ ان کی مخالفت کو کم کرنا، قبائل کو اس رشتے کے ذریعے اپنے قریب تر کرنا اور اس طرح نور حق کو پھیلانے کے لئے راستہ ہموار کرنا بھی تھا۔ ہم یہاں چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ حضور ﷺ کی شادیوں کے ذریعے کتنے سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔　بنو مصطلق کا قبیلہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اس قبیلے کا سردار حارث اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ غزوہ بنو مصطلق میں اس قبیلے کو شکست ہوئی اور اس قبیلے کے متعدد لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ ان قیدیوں میں بنو مصطلق قبیلہ کے سردار کی ایک بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے اسیر کنندہ سے مکاتبت کا معاہدہ کیا اور زر مکاتبت ادا کرنے کی خاطر حضور ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔ حضور ﷺ کو جب یہ پتہ چلا کہ یہ سردار کی بیٹی ہیں تو آپ نے ان کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر انہیں منظور ہو تو آپ ان کا زر فدیہ ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے ان کا زر مکاتبت ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے بنو مصطلق قبیلہ کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے سسرالی

رشتہ دار ہیں ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ان کو اپنی قید میں رکھیں۔ اس طرح آزاد ہونے والے کوئی ایک دو آدمی نہ تھے بلکہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے آزادی کی نعمت تقریباً سو گھرانوں کو حاصل ہوئی۔ بنو مصطلق نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالی ظرفی اور مسلمانوں کے دلوں میں موجزن حب رسول کے جذبے کا مشاہدہ کیا تو وہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

یہ بات معمولی نہیں ہے کہ ایک شادی کی برکت سے اسلام کے ایک سخت ترین دشمن قبیلے نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے ڈال لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فما راینا امراۃ کانت اعظم برکۃ علیٰ قومھا منھا (۱)

''ہم نے کسی عورت کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کے لئے اس سے زیادہ برکت کا باعث بنی ہو جتنی برکت کا باعث جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لئے بنیں۔''

۲۔ حیی بن اخطب بھی بنو مصطلق کے سردار حارث کی طرح اسلام کا زبردست دشمن تھا۔ اس کی بیٹی صفیہ بنت حیی بن اخطب غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کے سامنے دو صورتیں رکھیں۔

پہلی صورت یہ تھی کہ وہ اسلام قبول کریں اور آپ انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اگر وہ یہودیت پر قائم رہنا چاہیں تو آپ انہیں آزاد کر دیں اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنا پسند کیا۔ (۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس لحاظ سے انتہائی مفید تھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پہلے یہودی مسلمانوں کے خلاف ہر جنگ میں کسی نہ کسی شکل میں شریک نظر آتے ہیں لیکن اس نکاح کے بعد اسلام کی ابتدائی تاریخ میں یہودی کسی جنگ میں مسلمانوں کے مدمقابل نظر نہیں آتے۔ (۳)

۳۔ ابوسفیان کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں۔ قوم قریش کا نشان جنگ ابوسفیان کے گھر میں رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو قوم کے ہر فرد پر ہدایات اور قومی روایات کی اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ اسلام کے خلاف اکثر جنگوں میں ابوسفیان ہی نے لشکر قریش کی قیادت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اس سخت ترین دشمن کی لخت جگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رملہ بنت ابی سفیان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس رشتے کا اثر یہ ہوا کہ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور بہت جلد وہ اسلام کے جھنڈے تلے اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار کھڑا نظر آیا۔ کیا وہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انتہائی کامیاب سیاسی تدبیر نہ تھی جس نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو اسلام کی صفوں میں لا کھڑا کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام شادیوں کے پس منظر میں اسی قسم کے عظیم مقاصد کارفرما تھے۔

اسلام کے نزدیک کسی عام مسلمان کی شادی کا مقصد بھی جنسی خواہشات کی تسکین تک محدود نہیں ہوتا بلکہ ہر شادی کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں جن میں سے جنسی خواہش کی جائز اور منظم تسکین بھی ایک مقصد ہے لیکن مسلمان صرف اس ایک مقصد کے لئے شادی نہیں

۱۔ رحمۃ للعالمین، ج ۲، ص ۱۷۵ ۲۔ شبہات واباطیل، ص ۳۰۔۲۹ ۳۔ رحمۃ للعالمین، ج ۲، ص ۱۳۲

کرتا۔ حضور ﷺ بھی بحیثیت افضل البشر ہونے کے، انسانی فطرت کے اس تقاضے سے مستثنیٰ نہ تھے لیکن اس مقصد کے لئے آپ کو ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اسی لئے پچاس بلکہ پچپن سال کی عمر تک، جو اس قسم کی خواہشات کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے، آپ نے صرف ایک زوجہ محترمہ پر اکتفاء کیا۔ اس کے بعد آپ نے جو شادیاں کیں ان کے پیچھے تعلیمی، سماجی، تشریعی اور سیاسی مقاصد کارفرما تھے۔ ہم یہاں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق فرداً فرداً کچھ حقائق لکھتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد انسان کو ذرہ برابر شک نہیں رہتا کہ ان شادیوں کے مقاصد انتہائی اعلیٰ تھے اور ان شادیوں کی وجہ سے مستشرقین نے حضور ﷺ پر جو الزامات لگائے ہیں وہ بدنیتی اور علمی خیانت پر مبنی ہیں۔ (۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد نکاح کرنے کی حکمتیں:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

سیدنا محمد ﷺ نے جو متعدد نکاح کئے، اس کے متعلق منکرین اسلام کہتے ہیں کہ آپ نے غلبہ شہوت کی وجہ سے یہ نکاح کئے تھے، حالانکہ یہ حقائق کے خلاف ہے، مخالفین اسلام نبی ﷺ کی متعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی بھی متعدد ازواج تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بائبل میں لکھا ہے:

۱۔ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا، اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں، اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (۲)

اس کے برخلاف سیدنا محمد ﷺ کے نکاح میں بہ یک وقت کل نو ازواج تھیں، جب کہ آپ کی قوت تمام نبیوں سے زیادہ تھی، ہم پہلے ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ میں چار ہزار مردوں کی قوت تھی، سو جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ہو، ان کا نو ازواج پر قناعت کرنا، اپنے نفس پر انتہائی ضبط اور صبر ہے یا غلبہ شہوت ہے!

۲۔ سیدنا محمد ﷺ نے عین عالم شباب میں ۲۵ سال کی عمر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جو بیوہ خاتون تھیں اور ان کی عمر اس وقت ۴۰ سال تھی، وہ ۲۵ سال آپ کے نکاح میں رہیں اور ان کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی اور ۵۰ سال کی عمر تک اسی بیوہ خاتون کے ساتھ رہے، اس کے بعد اپنی دوسری شادی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کی، وہ بھی بیوہ خاتون تھیں اور آپ سے نکاح کے وقت ان کی عمر پچپن سال تھی، اور حضرت عائشہ کے علاوہ آپ نے جن خواتین سے نکاح کئے، وہ سب بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں، پس واضح ہو گیا کہ آپ کا متعدد نکاح کرنا غلبہ شہوت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کی اور وجوہ تھیں، جن کو ہم بیان کر رہے ہیں۔

۳۔ آپ کی زیادہ شادیاں ۵۵ سال کی عمر سے ۵۹ سال کی عمر کے درمیان ہوئیں، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے جنسی جذبہ کی وجہ سے زیادہ شادیاں کیں۔

۴۔ جس خاندان میں نکاح کیا جائے، اس خاندان سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور ربط ضبط بڑھتا ہے، سو جن خاندانوں میں آپ نے نکاح کئے، ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع پیدا ہو گئے، ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ سیرت اور

۱۔ ضیاء النبی، ج ۷، ص ۴۶۵۔۴۹۰ ۲۔ سلاطین باب: ۱۱ آیت: ۳، ۲، کتاب مقدس، ص ۳۴۰

اسلام کی حقانیت دیکھنے کا موقع ملا اور وہ لوگ مائل بہ اسلام ہو گئے۔

۵۔ آپ کی خارجی زندگی دیکھ کر آپ کے معمولات دیکھنے والے مردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی تو چاہئے تھا کہ آپ کی گھریلو اور نجی زندگی دیکھنے والی خواتین کی بھی زیادہ تعداد ہوتا کہ وہ آپ کے خانگی معمولات کو روایت کر سکیں۔

۶۔ آپ نے زیادہ شادیاں تعلیمی مقاصد سے کیں، کیونکہ عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امور زوجیت کو خواتین ہی بیان کر سکتی تھیں۔

۷۔ آپ نے تشریعی مقاصد سے بھی نکاح کئے، عربوں میں مشہور تھا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو آپ نے ۳ یا ۵ ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (۱)

۸۔ آپ نے بعض نکاح اپنے وفادار دوستوں کو ان کی وفاداری کا صلہ دینے کے لئے کئے، جیسے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادیوں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح کئے۔ (حضرت عائشہ سے ہجرت سے تین سال پہلے نکاح کیا۔ (۲) حضرت حفصہ سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ (۳)

۹۔ نجاشی نے آپ کا نکاح آپ کی اجازت سے ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا، اس سے آپ نے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ کسی شخص کا وکیل بھی اس کا نکاح کر سکتا ہے، اس وقت آپ مدینہ میں تھے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ میں تھیں، آپ نے مکتوب کے ذریعہ اجازت دی تھی۔ (۴) سو اس سے معلوم ہوا کہ لڑکا مثلاً انگلینڈ میں ہو اور لڑکی پاکستان میں ہو اور وہ خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ کسی کو پاکستان میں اپنا وکیل بنا دے تو وہ وکیل اس کا نکاح کر دے گا اور لڑکی رخصت ہو کر انگلینڈ چلی جائے گی۔

۱۰۔ بعض نکاح آپ نے کسی فتنہ کو زائل کرنے کے لئے کئے، ۷ھ میں خیبر کے مال غنیمت میں حضرت دحیہ کلبی نے آپ سے پوچھا کہ میں ایک کنیز لے لوں؟ آپ نے اجازت دے دی، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا، جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار تھیں، اس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا کہ یہ خاتون تو اپنی خاندانی عظمت کی بناء پر صرف آپ کے لائق ہیں، آپ نے حضرت دحیہ سے کہا: تم کوئی اور باندی لے لو اور فتنہ کو زائل کرنے کے لئے آپ نے ان سے نکاح کر لیا، یہ مطلقہ خاتون تھیں۔ (۵)

۱۱۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کی خاطر اور ان کی درخواست پر ۷ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، حضرت میمونہ معمر بیوہ تھیں، ان کا کوئی سہارا نہیں تھا، اس لئے آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ آخری خاتون ہیں، جن سے آپ نے نکاح کیا۔ (۶)

۱۲۔ ۵ یا ۶ ھ میں بنو مصطلق کے لوگ جنگ میں شکست کھا کر اسیر اور غلام ہو گئے تھے، یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے اور جنگ میں شکست کھا چکے تھے، آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا زر مکاتبت ادا کر کے ان سے

۱۔ الاصابہ، ج ۸، ص ۱۵۳ ۲۔ ایضاً، ص ۲۳۲ ۳۔ ایضاً، ص ۸۷

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۱ ۵۔ صحیح البخاری: ۳۷۱، م، الاصابہ، ج ۸، ص ۲۱۰ ۶۔ اسد الغابہ، ج ۷، ص ۲۶۳-۲۶۲

نکاح کرلیا، اس حسن سلوک سے متاثر ہوکر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا، اس نکاح کی برکت سے آپ نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کردیا۔(۱)

۱۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابوسلمہ ایک جنگ میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہوگئے، انہوں نے ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے تھے، ان کا کوئی کفیل نہ تھا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کفالت کرنے کے لئے ۳ یا ۴ ھ میں ان سے نکاح کرلیا۔(۲)

۱۴۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کے پہلے شوہر طفیل تھے، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت عبیدہ بن حارث سے ہوا، جو جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے، اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ جحش سے ہوا، وہ بھی جنگ احد میں شہید ہوگئے، ان کے زخموں کی دادرسی کرنے کے لئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا، ۳ ھ میں جب آپ نے ان سے نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی اور وہ آپ کی زندگی میں ہی دو یا تین ماہ بعد فوت ہوگئیں۔(۳)

۱۵۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ اپنے شوہر کے فوت ہونے کے بعد بے سہارا ہوگئیں تھیں اور وہ اس وقت کافی معمر تھیں، اس عمر میں ان سے کون نکاح کرتا، آپ ان کا سہارا بنے اور آپ نے ان کا سے نکاح کرلیا۔(۴)

۱۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا، ان کی زندگی میں اپنی امت کی لئے شوہر کا نمونہ نہیں ہے، باپ کا نمونہ نہیں ہے، بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا نمونہ نہیں ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بیوہ، مطلقہ اور ایک کنواری خاتون کے ساتھ نکاح کیا، ان کے درمیان عدل وانصاف کیا، ان کے حقوق ادا کیے، اس میں امت کے لئے شوہر کا نمونہ ہے، آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں، آپ نے ان کی پرورش کی، تین صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں آپ کی زندگی میں فوت ہوئیں، آپ نے ان پر صبر کیا، وہ بیویوں کی وفات پر صبر کیا، ان کی تجہیز وتکفین کی، چار صاحب زادیوں کے نکاح کیے، ان سب کاموں میں امت کے لئے نمونہ ہے۔

۱۷۔ عام طور پر لوگ غیر خاندان اور غیر کفو میں نکاح کو باعث عار سمجھتے ہیں، آپ نے اپنی دو ہاشمی صاحب زادیوں کا نکاح حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ سے کرکے انسانیت کا پرچم بلند کیا اور امت کے لئے غیر کفو میں نکاح کرنے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔

۱۸۔ جن کے ساتھ آپ نے نکاح کیے، ان کو دنیا میں عزت ملی، وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آخرت میں وہ آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، سو تعدد ازواج کی وجہ سے متعدد خواتین کو دنیا اور آخرت کی عزت ملی اور شرف حاصل ہوا۔

۱۹۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ میں عمل کا پہلو قول سے آگے ہوتا ہے، امت کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے اور چاشت اور اشراق پڑھتے تھے اور بہت نوافل پڑھتے تھے، امت کو چار ازواج میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کرکے دکھایا، پس کروڑوں صلوٰۃ وسلام ہوں، اس نبی پر جس نے متعدد نکاح کرکے امت کے لئے ہدایت اور فوز وفلاح کی راہیں روشن کردیں۔ (۵)

۱۔ الاصابہ، ج۸، ص۴۳-۴۲
۲۔ ایضاً، ص۴۰۴
۳۔ ایضاً، ص۱۵۷
۴۔ اسد الغابہ، ج۷، ص۱۵۸-۱۵۷
۵۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۴۷۷-۴۷۶

۸۔خلاصہ:

☆ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال حسب ذیل ہے:

حدیث نمبر۲۶۳ سے استدلال:

اس حدیث مبارکہ امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جنبی اگر دوبارہ جماع کرنا چاہئے، تو وضو کرے، یہ وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث نمبر۲۶۴۔۲۶۵ سے استنباط:

ان دو احادیث مبارکہ سے استنباط یہ ہے کہ متعدد بیویوں کے ساتھ ہم بستری کرنی ہو، تو آخر میں ایک ہی غسل کرنا کافی ہے، اس سے ان حضرات کی نفی کرنا بھی مراد ہے، جو ہر بیوی سے مجامعت کے بعد غسل کو واجب قرار دیتے ہیں۔

☆ دوبارہ مباشرت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا فرمائی ہوئی تھی، اور یہ چار ہزار عام مردوں کے برابر بنتی ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی قوت وطاقت کے اعتبار سے عام انسانوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی رات میں سب ازواج کو حق زوجیت کا شرف بخشنا خاص ضرورت اور حکمت کی بناء پر تھا۔

☆ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے، اور حجرے وخیمے الگ الگ ہونے کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار جانا مشاہدہ کیا ہو، کیونکہ آپ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کسی ام المومنین سے سن کر روایات کیا ہو، یا آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان کیا ہو۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی رات میں سب ازواج سے مقاربت کرنے کی تین وجوہ ہوسکتی ہیں۔

۱۔ سفر پر جانے سے پہلے اور آنے کے بعد۔

۲۔ جس دن تمام ازواج کی باریاں ختم ہوئی ہوں، اس کے بعد سب کے پاس ایک ہی رات میں تشریف لے گئے ہوں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باریاں واجب نہ تھیں، اس کے اظہار کے لئے یہ واقعہ دوبارہ پیش آیا:

۱۔ حجۃ الوداع کے موقع پر احرام باندھنے سے پہلے۔

۲۔ طواف زیارت کے بعد احلال کے وقت۔

کیونکہ اس سفر میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ساتھ تھیں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد اور نام درج ذیل ہیں:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد گیارہ ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا　۲۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا　۳۔حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

۴۔حضرت ام حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ عنہا ۵۔حضرت ام سلمہ بنت ہند رضی اللہ عنہا ۶۔حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

۷۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۸۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ۹۔حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

۱۰۔حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ۱۱۔حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

☆ بیک وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو ازواج تھیں، غالباً یہی وہ سب ازواج ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں مقاربت فرمائی، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۲۔حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا ۳۔حضرت ام حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ عنہا

۴۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۵۔حضرت ام سلمہ بنت ہند رضی اللہ عنہا ۶۔حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

۷۔حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ۸۔حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ۹۔حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

☆ جن عورتوں سے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا، لیکن مباشرت نہ کی، ان کی تعداد تقریباً چھبیس (۲۶) ہے، ان کے نام درج حسب ذیل ہیں:

۱۔خولہ بنت ہزیل ۲۔عمرہ بنت یزید ۳۔اسماء بنت صلت

۴۔اسماء بنت کعب الجونیہ ۵۔اسماء بنت نعمان ابن الجون ۶۔آمنہ

۷۔امیمہ بنت شراجیل ۸۔ام حرام ۹۔سلمٰی بنت نجدہ

۱۰۔سبا بنت سفیان ۱۱۔سنا بنت اسماء ۱۲۔الشاہ

۱۳۔شراق بنت خلیفہ کلبیہ ۱۴۔الشیبا ۱۵۔العالیہ بنت ظبیان ۱۶۔عمرہ بنت معاویہ الکندیہ

۱۷۔عمرہ بنت یزید ۱۸۔عمرہ بنت یزید الغفاریہ ۱۹۔غزیہ

۲۰۔فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ ۲۱۔قتیلہ بنت قیس بن معدی کرب ۲۲۔لیلیٰ بنت خطم

۲۳۔لیلیٰ بنت حکیم انصاریہ اوسیہ ۲۴۔ملیکہ بنت داؤد ۲۵۔ملیکہ بنت کعب الکنانیہ

۲۶۔ہند بنت زید

☆ جن عورتوں کو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح دیا، لیکن نکاح نہ کیا، ان کی تعداد تقریباً چودہ (۱۴) ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔جمرہ ۲۔جمرہ بنت حارث المزنیہ ۳۔حبیبہ بنت سہل

۴۔خولہ بنت خویلہ بنت حکیم ۵۔سودہ قرشیہ ۶۔صفیہ بنت بشامہ

۷۔ضباعہ بنت عامہ ۸۔نعاملہ ۹۔ام شریک بنت جابر غفاریہ

۱۰۔ام شریک انصاریہ ۱۱۔ام شریک دوسیہ ۱۲۔ام شریک قرشیہ

۱۳۔ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب　　۱۴۔نامعلوم عورت

☆ دو عورتوں سے آقا کریم ﷺ نے ممانعت شرعی کی وجہ سے نکاح نہ فرمایا:

۱۔حضرت امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہما　　۲۔عزہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما

☆ حضور نبی کریم ﷺ نے جو متعدد نکاح کیے، ان کے مقاصد تعلیمی، تشریعی، سماجی اور سیاسی تھے۔

☆ حضور ﷺ نے پچاس سال کی عمر تک ایک ہی نکاح کیا، زیادہ نکاح پچپن سال کی عمر کے بعد کئے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بَابُ حَجْبِ الْجُنُبِ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ　باب ۱۷۱۔جنبی کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت

قرآن شریف کی تلاوت کرنے کے لئے جسمانی طہارت اور ناپاکی سے پاک ہونا ضروری ہے، اس لئے حالت جنابت میں قرآن مجید پڑھنا اور چھونا دونوں منع ہے، اس باب میں جنبی کے لئے کتاب اللہ کو پڑھنے کی ممانعت کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے اپنے موقف پر استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں جنبی کے لئے متعدد بیویوں سے مباشرت کرکے آخر میں ایک ہی غسل کرنے کا بیان تھا، جبکہ اس باب میں جنبی کے لئے قرآن حکیم کی تلاوت نہ کرنے کا حکم ہے، اس باب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جنبی کے لئے ممنوع امور کا بیان شروع کررہے ہیں۔

۲۶۵۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلِمَةَ قَالَ: أَتَيْتُ عَلِيًّا أَنَا وَرَجُلَانِ فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ، وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ

حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں دو لوگوں کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آقا کریم ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے، تو قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے، آپ ﷺ کو قرآن مجید پڑھنے سے ناپاکی (جنابت) کے علاوہ کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث شریف کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ ﷺ کو قرآن مجید پڑھنے سے ناپاکی کے علاوہ کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۶۶، ابوداؤد: ۲۲۹، ترمذی: ۱۴۶، احمد: ۶۳۹، السنن الکبریٰ: ۲۶۱، دارقطنی، ج۱، ص۱۱۸، حاکم: ۵۵۷، السنن الکبریٰ

(بیہقی)، ج ۱، ص ۸۸، خلافیات (بیہقی)، ج ۲، ص ۱۲، ابویعلی: ۴۰۷، ابن خزیمہ: ۲۰۸، طحاوی، ج ۱، ص ۸۷

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالاتِ زندگی سپرد قلم کئے جا چکے ہیں، باقی دو حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف لکھا جاتا ہے۔

۱۔ علی بن حجر: راجع: ۱۳ ۲۔ اسماعیل بن ابراھیم: راجع: ۱۷

۳۔ شعبۃ: راجع: ۱۱۰

۴۔ عمرو بن مرۃ:

نام ونسب:

عمرو نام ہے۔ ابوعبداللہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے: عمرو بن مرہ بن عبداللہ بن طارق بن الحارث ابن سلمہ بن کعب بن وائل بن جمل بن کنانہ ناجیہ بن مراد جمل مرادی۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان ثقۃ ثبتا امام مسعر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا۔(۱)

حدیث:

حفظ حدیث کے لئے یہ سند کافی ہے کہ حافظ ذہبی ان کو حافظ کا لقب دیتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی انہیں حفاظ کوفہ میں شمار کرتے تھے۔(۲)
حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے اعمش سے عمرو بن مردہ کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں سنی۔ وہ کہتے تھے کہ ابن مرہ اپنی روایات میں مامون تھے۔ شعبہ کہتے تھے کہ تمام راویان حدیث سے حدیثوں میں کچھ نہ کچھ ردوبدل ہو جاتا ہے۔ صرف ابن عون اور عمرو بن مرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مسعر کہتے ہیں کہ وہ صدق کی کان ہیں۔(۳)

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن اوفی، ابووائل، مرۃ الطیب، سعید بن مسیب، عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن حارث نجرانی، عمرو بن میمون اودی، عبداللہ بن سلمہ، حسن بن مسلم، خیثمہ بن عبدالرحمٰن، سعد بن عبیدہ، سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی جیسے علماء سے استفادہ کیا تھا۔ ابواسحٰق سبیعی اعمش، منصور، زید بن ابی انیسہ، مسعر، علاء بن مسیب، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، شعبہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔(۴)

نماز میں اخلاص:

اس علم کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے آراستہ تھے۔ نماز اس خضوع سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پڑھتے ہی مغفرت ہو جائے گی۔ شعبہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے عمرو بن مرہ کو نماز پڑھتے دیکھا، ہمیشہ یہی خیال ہوا کہ نماز سے لوٹنے سے قبل ہی ان کی

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۸ ۲۔ ایضاً ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۱۲۔۱۳ ۴۔ ایضاً، ص ۱۰۲

قبولیت ہو جائے گی۔(۱) ایک روایت میں ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔(۲)

وفات:

۱۱۶ھ میں وفات پائی، جنازہ میں عبدالملک بن میسرہ کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ وہ خیر البشر تھے۔(۳)(۴)

۵۔عبداللہ بن سلمۃ:

آپ کا نام عبداللہ بن سلمہ مرادی کوفی ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے تابعی راوی ہیں، آپ کا آخری عمر میں حافظہ مختلط ہو گیا تھا، آپ کو امام عجلی، ابن حبان، یعقوب بن شیبہ، نے ثقہ، علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق، امام بخاری اور ابو حاتم نے غیر ثقہ اور امام ابن عدی نے قابل اعتماد قرار دیا ہے، جن حضرات نے آپ کو غیر ثقہ قرار دیا ہے، ان کے نزدیک بھی بڑھاپے سے پہلے کی روایات ثقہ ہیں، البتہ بڑھاپے کی روایات ان کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے اور دوسری حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے روایت کی ہے، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۵)

۶۔علی:　　　راجع: ۱۱۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعات وشواہد کی بناء پر صحیح ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبی نے امام حاکم کی موافقت فرمائی ہے۔

نوٹ: حدیث مبارکہ کی فنی حیثیت پر تفصیلی گفتگو اگلی حدیث کے ضمن میں آ رہی ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو سولھویں (۱۱۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عبداللہ بن سلمہ متکلم فیہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے اور تیسرے اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند کی تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت علی بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد اور ابن ماجہ، جبکہ حضرت عبداللہ بن سلمہ، امام بخاری اور مسلم روایت نہیں کرتے۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۲۰　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۰۸　　۳۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۲۰

۴۔ سیر الصحابہ، ج۷، ص۲۹۶۔۲۹۷

۵۔ i۔تھذیب الکمال، ج۵، ص۳۷۹　　ii۔تاریخ الثقات، ص۲۵۸　　iii۔الکامل (ابن عدی)، ج۴، ص۲۴۹

iv۔التاریخ الکبیر، ج۵، ص۲۸۵　　v۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۹۷　　vi۔میزان الاعتدال، ج۶، رقم: ۴۳۶۰

☆ حضرت عبداللہ بن سلمہ میں ''سلمہ'' لام کی زیر کے ساتھ ہے، اسی طرح عمرو بن سلمہ بھی لام کی زیر کے ساتھ ہے، باقی ہر جگہ ''سلمہ'' لام کی زبر کے ساتھ ہے۔

☆ حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں چھتیس (۳۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن سلمہ سے صرف دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک حدیث الباب اور دوسری اسی کے بعد والی حدیث نمبر (۲۶۶) مروی ہے۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد چہارم، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے والد گرامی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت قال ایک دفعہ، اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتیت : میں آیا۔ میں حاضر خدمت ہوا۔

انا : میں۔

رجلان : دو آدمی۔

یخرج : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

الخلاء : لیٹرین۔ پیشاب خانہ۔

یقرأ القران : آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے۔

یاکل صعنا : آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تناول فرماتے۔

اللحم : گوشت۔

لم یکن یحجبہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع نہ کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ روکتا تھا۔

لیس الجنابۃ: سوائے جنابت، جنابت کے علاوہ،

یہاں پر لیس حرف استثناء ہے، اور افعال ناقصہ میں سے ہے۔

۲۶۶۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ أَبُو يُوسُفَ الصَّيْدَلَانِيُّ الرَّقِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلِمَةَ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ لَيْسَ الْجَنَابَةَ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے، سوائے جنابت کی حالت کے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۶۵

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، ایک کی سرگزشت حیات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہے:

۱۔محمد بن احمد ابو یوسف الصید لانی الرقی:

آپ کا نام ابو یوسف محمد بن احمد بن محمد بن حجاج بن میسرہ کریزی صیدلانی (م:۲۴۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ ثقہ، حافظ، صدوق، متقن راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔عیسیٰ بن یونس: راجع: ۲۵۳ **۳۔الاعمش:** راجع: ۱۸

۴۔عمرو بن مرۃ: راجع: ۱۶۵ **۵۔عبداللہ بن سلمۃ:** ایضاً

۶۔علی: راجع: ۱۱۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اس کے دیگر متابعات وشواہد موجود ہیں۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح کہا ہے۔

حدیث الباب کی فنی حیثیت:

اس حدیث مبارکہ کے متابعات کثیر ہیں، اس کے راویوں کی آئمہ رجال نے توثیق کی ہے، اس حدیث مبارکہ کو اکثر محدثین نے صحیح

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۷، ص ۱۸۳۔ ii۔الثقات، ج ۹، ص ۱۰۴

قرار دیا ہے اب ان تمام امور کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ حدیث مذکور کے متابعات وشواہد:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام ابوداؤد (۲۲۹)، امام ترمذی (۱۴۶)، امام نسائی (۲۶۵۔۲۶۶)، امام ابن ماجہ (۵۹۵)، امام حاکم (۵۵۷)، امام احمد بن حنبل (۶۴۱)، امام ابن خزیمہ (۲۰۸)، امام ابوداؤد طیالسی (۱۰۳)، امام دارقطنی (۴۲۳)، امام طحاوی (۵۳۶) اور امام بیہقی (۴۱۴) نے حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کیا ہے، اس روایت کے دیگر متابعات و شواہد حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوغریب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوغریب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو بكر النيسابوري واسماعيل بن محمد الصفار قالا حدثنا محمد بن عبد الملك الدقيقي حدثنا يزيد بن هارون حدثنا عامر بن السمط حدثنا ابو الغريب الهمداني قال كنا مع علي في الرجية فخرج الى اقصى الرجية فوالله ما ادري ابولا احدث ام غائطًا ثم جاء فدعا بكوز من ماء فغسل كفيه ثم قبضهما اليه ثم قرا صدرًا من القرآن ثم قال اقرء والقرآن مالم يصب احدكم جنابة فان اصابته جنابة فلا ولا حرفًا واحدًا۔ هو صحيح عن علي۔

ابوغریب ہمدانی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کھلے میدان میں موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میدان کے کنارے تک تشریف لے گئے، اللہ کی قسم! مجھے یہ پتہ نہیں ہے، انہوں نے پیشاب کیا کہ پاخانہ کیا، انہوں نے پانی کا برتن منگوایا، پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور پھر ان دونوں کو جوڑ کر قرآن کا ابتدائی حصہ تلاوت کیا اور پھر یہ فرمایا:

تم لوگ قرآن کی تلاوت اس وقت تک کر سکتے ہو جب تک کسی شخص کو جنابت لاحق نہ ہو، اگر اسے جنابت لاحق ہو جائے تو پھر وہ اس کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتا۔

یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مستند طور پر منقول ہے۔ (۱)

۴۔ حکمِ روایت:

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام دارقطنی نے اسے صحیح کہا ہے، اسی طرح امام ہیثمی نے بھی تمام رجال کی ثقاہت کا قول لکھا ہے، یہ روایت مرسل ہے اور مراسیل صحابہ بالاتفاق قابل حجت ہیں۔

نوٹ: مرسل روایت کے قابل قبول یا عدم قبولیت کی مکمل بحث فیوض الراحی فی شرح سنن النسائی، ج ۲، ص ۶۱۷۔۶۳۹ گذر چکی ہے۔

۱۔ سنن دارقطنی: ۴۱۸، السنن الکبریٰ (بیہقی): ۴۱۷، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۱۰، مسند ابویعلیٰ، ج ۱، ص ۳۰۰، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۸۱

وہاں مرسل روایت کی فنی حیثیت پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابوبکر محمد بن عمر بن ایوب المعدل بالرملة والحسن بن الخضر المعدل بمكة قالا حدثنا اسحاق بن ابراهيم بن يونس البغدادی حدثنا يحيٰى بن عثمان السمسار حدثنا اسماعيل بن عياش عن زمعة بن صالح عن سلمة بن وهرام عن عكرمة عن ابن عباس عن عبد الله بن رواحة ان رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) نهى ان يقرا احدنا القرآن وهو جنب اسناده صالح وغيره لا يذكر عن ابن عباس۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے: کوئی شخص جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرے۔

اس روایت کی سند بہترین ہے۔

حکمِ روایت:

امام دارقطنی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح (صالح) ہے' اس روایت کو تعلیقاً امام بیہقی (۴۱۷) نے ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مالک غافقی کی روایت:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

☆ اخبرنا ابو زكريا بن ابى اسحاق المزكى وابو بكر: احمد بن الحسن القاضى قالا حدثنا ابو العباس: محمد بن يعقوب اكبرنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم اخبرنا ابن وهب' قال وحدثنا بحر بن نصر قال قرء على ابن وهب اخبرك ابن لهيعة عن عبد الله بن سليمان عن ثعلبة بن ابى الكنود عن عبد الله بن مالك الغافقى انه سمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لعمر بن الخطاب: (اذا توضات وانا جنب اكلت وشربت' ولا اصلى ولا اقرا حتى اغتسل)(۲)

عبداللہ بن مالک غافقی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: جب میں جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں تو وضو کر لیتا ہوں' میں کھاتا اور پیتا ہوں' لیکن نماز نہیں پڑھتا اور نہ قرآن پڑھتا ہوں جب تک غسل نہ کرلوں۔

☆ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ روایت واقدی نے عبداللہ بن سلیمان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۱۔ سنن دارقطنی: ۴۲۳

۲۔ السنن الکبریٰ: ۴۱۵

☆ قال ابن وهب وقال لی مالك بن انس والليث بن سعد مثله يعنی من قولهما۔
قال الشيخ رحمه الله: ورواه الواقدی عن عبد الله بن سليمان هكذا۔(۱)

حکمِ روایت:

اس روایت میں ابن لہیعۃ متکلم فیہ راوی ہیں' البتہ ان کو امام ابن حجر عسقلانی نے صدوق (۲) قرار دیا ہے۔ شواہد و متابعات میں صدوق کی روایات قابل قبول ہیں۔

۴۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

☆ حدثنا ابو عبد الله الحافظ حدثنا ابو العباس: محمد بن يعقوب حدثنا الربيع بن سليمان حدثنا ايوب بن سويد حدثنا سفيان عن الاعمش عن ابی وائل: ان عمر رضی الله عنه كره ان يقرا القرآن وهو جنب۔

سیدنا ابووائل سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا ناپسند سمجھتے تھے۔ (۳)

☆ ورواه غيره عن الثوری عن الاعمش عن ابی وائل عن عبيدة عن عمر وهو الصحيح (۴)

حکمِ روایت:

امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، یہ روایت مرسل ہے، اور مرسل صحابہ حجت ہے۔

۵۔ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا غندر' عن شعبة' عن سيار' عن ابی وائل قال لا لقرأ الجنب والحائض القرآن (۵)

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
جنبی مرد اور حائضہ عورت قرآن نہ پڑھے۔

۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت:

۱۔ اخرجہ الدارقطنی' ج ۱ ص ۱۱۹　　۲۔ تقریب التھذیب' ج ۱ ص ۴۱۷　　۳۔ السنن الکبریٰ: ۴۱۶
۴۔ اخرجہ الدارمی' ص ۹۹۲　　۵۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۲۵

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسماعیل بن محمد الصفار حدثنا العباس بن محمد حدثنا ابو نعیم النخعی عبدالرحمن بن ھان، حدثنا ابو مالك النخعی عبدالملك بن حسین حدثنی ابو اسحاق السبیعی عن الحارث عن علی۔ قال ابو مالك واخبر نی عاصم بن كلیب الجرمی عن ابی بردة عن ابی موسیٰ: قال ابو نعیم واخبرنی موسی الانصاری عن عاصم بن كلیب عن ابی بردة عن ابی موسیٰ كلاهما قال قال رسول الله ﷺ یا علی انی ارضی لك ما ارضی لنفسی واكره لك ما اكره لاتقرا القرآن وانت جنب ولاوانت راكع ولاوانت ساجد ولاتصل وانت عاقص شعرك ولا تدبح تدبیح الحمار۔(۱)

ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے۔ دوسری سند کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

اے علی! میں تمہارے لئے اس بات سے راضی ہوں جس بات سے اپنے لئے راضی ہوں، اور تمہارے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں جسے اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں، تم اس وقت قرآن کی تلاوت نہ کرو جب تم جنابت کی حالت میں ہو اور نہ ہی اس وقت کرو جب تم رکوع کی حالت میں ہو اور نہ ہی اس وقت کرو جب سجدے کی حالت میں ہو، اور تم اس وقت نماز ادا کرو جب تم نے بالوں کو باندھ رکھا ہو اور (نماز کے دوران رکوع کی حالت میں) اس طرح نہ جھکو جیسے گدھا اپنے سر کو جھکا دیتا ہے۔

حکم روایت:

یہ روایت ضعیف ہے۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا غندر، عن شعبة، عن حماد، عن ابراهیم ان ابن مسعود كان یمشی نحو الفرت وهو یقری رجلا فبال ابن مسعود فكف الرجل عنه، فقال ابن مسعود مالك ؟، قل : :انك بلت، فقال ابن مسعود انی لست بجنب۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شاگرد کو قرآن پڑھاتے ہوئے، دریائے فرات کے کنارے جا رہے تھے، آپ نے پیشاب کیا تو اس شاگرد نے آپ کو قرآن پڑھنے سے ٹوکا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے ابھی تو پیشاب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں جنبی تو نہیں ہوں۔

۱۔ سنن دارقطنی: ۱۱۹/۱　　۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص ۱۲۵

۲۔ حدیث الباب کی سند پر امام بخاری، امام ابوحاتم اور امام احمد بن حنبل کا اعتراض:

امام نسائی کی روایت کردہ احادیث کی سند میں ایک راوی حضرت عبداللہ بن سلمہ ہیں، ان پر امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحاتم نے جرح کی ہے' کہ ان کا حافظہ بڑھاپے میں مختلط ہوگیا تھا۔ اس لئے ان کی بڑھاپے کی روایات قابل قبول نہیں ہیں' اور مذکورہ روایت بڑھاپے کی ہے' ان تینوں حضرات کی آراء حسب ذیل ہے:

ا۔ امام بخاری کی حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جرح:

علامہ حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال البخاری: لا یتابع فی حدیثہ(۱)

حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقد:

علامہ حافظ جمال الدین مزی نقل کرتے ہیں:

قال ابو حاتم: تعرف و تنکر۔(۲)

حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے معروف ومنکر روایات مروی ہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رائے:

علامہ حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

وقال ابو طالب' عن احمد بن حنبل:

لم یرو احد (یقر الجنب) غیر شعبۃ عن عمروبن مرۃ عن عبد اللہ بن سلمۃ(۳)

حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت (جنبی قرآن نہ پڑھے) شعبہ از عمرو بن مرۃ کے علاوہ کسی اور نے بیان نہیں کی۔

۳۔ حدیث الباب پر اعتراضات کے جوابات:

حدیث مذکور کے راوی حضرت عبداللہ بن سلمہ کی امام عجلی' ابن حبان' امام یعقوب بن شیبہ' امام ابن عدی' امام شعبہ' علامہ ابن حجر عسقلانی' حضرت سفیان بن عیینہ' امام حاکم' علامہ ذہبی اور دیگر بہت سارے آئمہ رجال نے توثیق کی ہے' اسی طرح اس حدیث مبارکہ کو اکثر آئمہ حدیث نے صحیح کہا ہے' پھر اس کے بہت سارے متابعات وشواہد موجود ہیں' اب ان تمام ابحاث کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آئمہ رجال کی توثیق:

اکثر آئمہ جرح وتعدیل نے حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق کی ہے۔ اب ان سب کی تفصیل سپرد قلم کی جاتی ہے۔

۱۔ تہذیب الکمال' ج۵' ص۳۸۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

۱۔امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

علامہ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال العجلی :کوفی تابعی ثقة ۔(۱)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ، تابعی، کوفی راوی ہیں۔

۲۔علامہ ابن حبان کی رائے:

امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔(۲)

۳۔امام یعقوب بن شیبہ کی تعدیل:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال یعقوب بن شیبة:ثقة یعد فی الطبقة الاولی من فقهاء الکوفة بعد الصحابة۔(۳)

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ طبقہ اولیٰ سے ثقہ راوی ہیں، آپ کا شمار صحابہ کے بعد فقہاء کوفہ میں ہوتا ہے۔

۴۔امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

قال ابو احمد بن عدی :ارجو انه لاباس به۔(۴)

امام ابواحمد بن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں امید کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵،۶۔امام شعبہ اور حضرت سفیان بن عیینہ کے کلمات تحسین:

قال سفیان بن عینیة: سمعت هذالحدیث من شعبة، وقال شعبة:لم یرو عمر عمرو بن مره احسن من هذا الحدیث ۔(۵)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث مبارکہ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنی، آپ نے فرمایا: حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سے بہتر کوئی روایت بیان نہیں کی۔

۷۔علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات تعدیل:

آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عبدالله بن سلمة، بکسر اسلام ، المرادی ، الکوفی ، صدوق تغیر حفظ۔(۶)

حضرت عبداللہ بن سلمہ مرادی کوفی ہیں، آپ صدوق راوی ہیں، آخر عمر میں حافظہ مختلط ہو گیا تھا۔

۱۔ تھذیب الکمال، ج۵،ص۳۸۰　۲۔ تاریخ الثقات، ص۲۵۸　۳۔ تھذیب التھذیب، ج۵،ص۲۴۲
۴۔ الکامل، ج۴،ص۲۴۹　۵۔ تھذیب الکمال، ج۵،ص۳۸۰　۶۔ تقریب التھذیب، ج۱،ص۳۹۷

۸۔امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والشيخان لم يحتجا بعد الله بن سلمة فمدار الحديث عليه، وعبدالله بن سلمة غير مطعون فيه ۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایات نہیں لیں، اس حدیث کے مدار یہی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلمہ پر طعن درست نہیں ہے۔

۹۔حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل:

امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعبدالله لا مطعن فيه :(۲)

حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن جائز نہیں ہے۔

۴۔حدیث مذکور کے صحیح ہونے کے بارے میں اقوال آئمہ:

اس حدیث مبارکہ کو امام ترمذی، ابوداؤد، امام نسائی، امام شعبہ، حضرت سفیان بن عیینہ، امام حاکم، علامہ ذھبی، امام بیہقی، امام دارقطنی، امام ھیثمی، امام طحاوی، امام ابن سکن اور امام بغوی نے صحیح قرار دیا ہے، ان تمام کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

۱۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

قال ابو عیسیٰ :حديث علی، هذا حديث حسن صحيح ۔(۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب:

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی حدیث میں ضعف یا علت ہوتو اسے وہ بیان کرتے ہیں، اگر وہ کسی ضعف یا علت کا بیان نہیں کرتے، وہ حدیث کے صحیح اور صالح للعمل ہونے کی علامت ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: **مالم اذكر فيه شيافهو صالح للعمل (۴)**

اس روایت پر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی تبصرہ یا جرح وقدح نہیں فرمائی۔(۵)

۳۔امام نسائی کا طریق:

سنن نسائی (المجتبیٰ) کی احادیث کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کوشش یہ تھی کہ ساری صحیح حدیث کو جمع کیا جائے، جیسا کہ

۱۔ مستدرک حاکم: ۵۴۱　　۲۔ ایضاً　　۳۔ سنن الترمذی، ج۱، ص۱۴۶

۴۔ تذکرۃ المحدثین، ص۲۸۱　　۵۔ ابوداؤد: ۲۲۹

اس کی تصنیف کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان النسائی لما صنف السنن الکبریٰ اھداہ الی أمیر الرملة فقال له الامیر:-کل مافی ھذا صحیح؟ قال :لا اقال :فجرد الصحیح منه فصنف له المجتبیٰ (۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''السنن الکبریٰ'' لکھ کر امیر رملہ کی خدمت میں پیش کی، تو امیر رملہ نے امام سے دریافت کیا: کیا اس کتاب میں ساری احادیث صحیح ہیں؟ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: نہیں۔امیر رملہ نے امام سے درخواست کی: کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس میں سے صحیح احادیث علیحدہ کر دیں۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر رملہ کے لئے ''المجتبیٰ'' تصنیف کی۔

۲۔ امام نسائی کے شاگرد اور سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے راوی امام محمد بن معاویہ احمد، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

قال النسائی کتاب السنن کله صحیح و بعضه معلول الا انه لم یبین علته والمنتخب المسمی بالمجتبی صحیح کله(۲)

امام نسائی نے فرمایا: ''کتاب السنن'' میں صحیح روایات بھی ہیں اور معلول بھی، اور ان معلول احادیث کی علت کو بھی اس میں بیان نہیں کیا گیا۔البتہ ''المجتبیٰ'' ساری کی ساری صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔

(۳)

پھر امام نسائی کا اسلوب کہ حدیث کے سند و متن کے منعب و غرب اور علت کو بیان کر دیتے ہیں، اس حدیث پر امام نے کوئی حکم بیان نہیں کیا، جو ان کے نزدیک صحیح حدیث کی علامت ہے۔(۴)

۴۔امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

علامہ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

وقال شعبة: لااروی احسن منه، عن عمرو بن مرة،و کان شعبة یقول فی ھذا الحدیث :ھذاثلث راسی مالی ۔(۵)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عمرو بن مرہ سے اس سے بہتر کوئی حدیث مبارکہ روایت نہیں کی، یہ حدیث مبارکہ میرے پاس موجود علمی سرمایہ کا ایک تہائی ہے۔

۱۔ مقدمہ زہرالربی، ص ۲۲ ۲۔ جامع الاصول، ج ۱، ص ۱۱۶ ۳۔ فیوض النزاهی، ج ۱، ص ۵۲-۵۳

۴۔ نسائی: ۲۶۵-۲۶۶ ۵۔ تھذیب الکمال، ج ۵، ص ۳۸۰

۵۔امام حاکم کا صحیح کہنا:

هذا حديث صحيح الاسناد(۱)

یہ حدیث مبارکہ صحیح الاسناد ہے۔

۶۔امام ذہبی کا قول:

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔(۲)

۷۔علامہ بیہقی کی رائے:

امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

۸۔امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

امام دارقطنی حضرت ابوغریب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر تبصرہ کرتے ہیں:

هو صحيح عن علي۔(۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اسناده صالح۔(۵)

۹۔حضرت سفیان بن عیینہ کا قول:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

قال سفيان' قال لي شعبة: ما احدث بحديث احسن منه(۶)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے حضرت شعبہ نے بیان کیا' میں نے اس سے زیادہ اچھی روایت بیان نہیں کی۔

۱۰۔علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ کو امام ابویعلیٰ نے مسند میں روایت کیا ہے' اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔(۷)

۱۱،۱۲۔علامہ ابن سکن اور علامہ بغوی کا قول:

علامہ ابن سکن اور علامہ بغوی نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(۸)

۱۔ مستدرک حاکم: ۵۴۱ ۲۔ ایضاً ۳۔ السنن الکبریٰ: ۲۱۴۔۲۱۷ ۴۔ سنن دارقطنی: ۴۱۸

۵۔ ایضاً: ۴۲۳ ۶۔ ایضاً: ۴۲۲ ۷۔ مجمع الزوائد' ج۱' ص۲۸۱ ۸۔ التلخیص' ج۱' ص۱۳۹

۱۳۔علامہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کا روایت کرنا:

علامہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے' جو اس حدیث مبارکہ کی صحت کی علامت ہے۔(۱)

خلاصہ نقد و جرح:

مذکورہ بالا بحث سے سات متابعات و شواہد حضرت ابوغریب ہمدانی' حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت عبداللہ بن مالک غافقی' حضرت عمر فاروق' حضرت ابووائل' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات اس حدیث مبارکہ کے متابعات ہیں' جس سے ثابت ہوا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

۲۔　اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت عبداللہ بن سلمہ پر امام بخاری اور امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہم نے جرح کی ہے' جبکہ امام عجلی' علامہ ابن حبان' امام یعقوب بن شیبہ' امام ابن عدی' امام شعبہ' حضرت سفیان بن عیینہ' علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی' امام حاکم اور علامہ ذہبی نے حضرت عبداللہ بن سلمہ کی تعدیل و توثیق کی ہے' جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ' صدوق اور غیر مطعون راوی ہیں۔

۳۔　اس حدیث مبارکہ کو امام ترمذی' ابوداؤد' نسائی' امام شعبہ' حضرت سفیان بن عیینہ' امام حاکم' علامہ ذہبی' علامہ بیہقی' امام دارقطنی' علامہ ہیثمی' علامہ ابن سکن' علامہ بغوی اور علامہ ابن خزیمہ رحمت اللہ علیہم نے صحیح قرار دیا ہے۔

حاصل کلام:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے' حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ راوی ہیں' یہ روایت حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں جیسے ابوغریب ہمدانی وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

۵۔امام بخاری اور امام ابوحاتم کے اعتراض کا رفع ہونا:

اس روایت کو امام بخاری' امام ابوحاتم اور بعض دیگر آئمہ نے حضرت عبداللہ بن سلمہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے' جبکہ امام دارقطنی نے یہ روایت حضرت ابوغریب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے بیان کی ہے۔(۲)

لہٰذا امام بخاری و دیگر آئمہ کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

هذا ما عندی والله تعالیٰ جل جلاله اعلم بالصواب

وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین وبارك وسلم

حدیث الباب کے شواہد:

اس حدیث مبارکہ کے کچھ شواہد پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں' جیسے حضرت عبداللہ بن غافقی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایات اور حضرت عمر فاروق' حضرت ابووائل اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے آثار گزر رہے ہیں' اس حدیث مبارکہ کے باقی شواہد حسب ذیل ہیں:

۱۔ صحیح ابن خزیمہ: ۲۰۸　　۲۔ سنن دارقطنی: ۴۱۸

۱۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَالحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، قَالَا :حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَقْرَأُ الحَائِضُ، وَلَا الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ ، وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ "، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَقْرَأُ الجُنُبُ وَلَا الحَائِضُ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ :سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا :لَا تَقْرَأُ الحَائِضُ وَلَا الجُنُبُ مِنَ القُرْآنِ شَيْئًا، إِلَّا طَرَفَ الآيَةِ وَالحَرْفَ وَنَحْوَ ذَلِكَ، وَرَخَّصُوا لِلْجُنُبِ وَالحَائِضِ فِي التَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ "، وسَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ :إِنَّ إِسْمَاعِيلَ بْنَ عَيَّاشٍ يَرْوِي عَنْ أَهْلِ الحِجَازِ، وَأَهْلِ العِرَاقِ أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ، كَأَنَّهُ ضَعَّفَ رِوَايَتَهُ عَنْهُمْ فِيمَا يَتَفَرَّدُ بِهِ ، وَقَالَ :إِنَّمَا حَدِيثُ إِسْمَاعِيلَ بْنَ عَيَّاشٍ عَنْ أَهْلِ الشَّأْمِ وقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ :إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ أَصْلَحُ مِنْ بَقِيَّةَ، وَلِبَقِيَّةَ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ عَنِ الثِّقَاتِ .حَدَّثَنِي بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ الحَسَنِ، قَال :سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ ذَلِكَ (۱)

۲۔حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:

حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

اسمٰعیل نام اور ابوعتبہ کنیت تھی' جتنے نسب نامہ کا ذکر ملتا ہے' وہ صرف یہ ہے: اسماعیل بن عیاش بن سلیم (۲) نسباً عنسی اور وطناً حمصی مشہور ہیں۔عنس بن مالک بن اود۔

یمن کے رہنے والے تھے' لیکن ان کے خاندان کی ایک بڑی جماعت شام منتقل ہوگئی اور وہیں مستقل بودو باش اختیار کر لی تھی۔(۳) اغلب یہ ہے کہ انہی منتقل ہونے والوں میں عیاش بن سلیم بھی رہے ہوں گے۔

وطن اور ولادت:

بروایت صحیح ابوعتبہ ۱۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔مولد کے بارے میں کوئی تصریح تو نہیں ملتی' لیکن الحمصی کی نسبت سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت کا شرف سرزمین حمص کو حاصل ہوا۔یہ شام میں دمشق وحلب کے درمیان ایک مشہور شہر ہے۔

۱۔ ترمذی:۱۳۱،ابن ماجہ:۵۹۵۔۵۹۶'دار قطنی:۴۱۳۔۴۱۸' بیہقی:۴۱۸ 'طحاوی:۵۴۶'تحفۃ الاشراف:۸۴۷۴

۲۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال'ص ۳۵ ۳۔ کتاب الانساب للسمعانی'ص ۴۰۱

تحصیل علم:

تحصیل علم میں غیر معمولی جانکاہی اور محنت ومشقت آئمہ سلف کا مشترک تمغہ امتیاز تھا' ابو عتبہ بھی اس کا مجسم پیکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف شام کے تمام مشاہیر اور ماہر فن علماء سے اکتساب علم کیا بلکہ علم عراق اور حجاز وغیرہ دوسرے ملکوں کا سفر کر کے وہاں کے بھی ممتاز فقہاء ومحدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کسی کام کے لئے طلب صادق اور سچی لگن انسان کو کمال کی انتہائی رفعتوں تک پہنچا دیتی ہے۔ ابو عتبہ نے انہی اوصاف سے سرشار ہو کر تحصیل علم کی راہ میں تن من کے ساتھ دھن دولت کو بھی قربان کر دیا تھا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر خود ہی بیان کرتے ہیں:

ورثت من ابی اربعة الاف دینار اتفقتها فی طلب العلم(۱)

مجھے اپنے والد سے چار ہزار دینار وراثت میں ملے تھے' میں نے ان سب کو تحصیل علم میں خرچ کر دیا۔

جلالت علم وعلوئے مرتبت:

تحصیل علم میں ایسی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ تھا کہ وہ معدن علم کے گوہر شب چراغ شمار ہوئے اور زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انہیں محدث الشام اور مفتی اہل الحمص کے خطاب سے نوازا۔ بالخصوص شامی شیوخ کی روایات کے بارے میں ابو عتبہ کا پایہ نہایت ارفع واعلیٰ ہے اور اس سلسلہ میں بالاتفاق انہیں مستند ترین اور ثقہ ترین قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ خزرجی ان کو عالم الشام واحد مشائخ الاسلام اور حافظ ذہبی الامام محدث الشام وفی اہل الحمص لکھتے ہیں۔ (۲) ابو زرعہ کا بیان ہے:

لم یکن بالشام بعد الاوزاعی مثله(۳)

''امام اوزاعی کے بعد شام میں اسمٰعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا''۔

حدیث:

حضرت اسماعیل حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے' لیکن حدیث میں انہیں خصوصی درک حاصل تھا' ان کے اساتذۂ حدیث میں مختلف ملکوں کے آئمہ شامل ہیں۔ جن میں ہشام بن عروہ، یحیٰی بن سعید الانصاری، شرجیل بن مسلم، بجیر بن سعد، تمیم بن سعد، تمیم بن عطیہ، زید بن اسلم، محمد بن زیادہ اصفہانی، صفوان بن عمرو، عبد الرحمٰن بن جبیر، ثور بن یزید، حبیب بن صالح، حجاج بن ارطاۃ، صالح بن کیسان، سہیل بن ابی صالح کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۴)

فقہ میں انہیں امام اوزاعی سے تلمذ حاصل تھا، جو اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کی بناء پر فقیہ الشام کے لقب سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ ابو عتبہ نے فقہ میں انہی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پھر خود بھی حمص میں افتاء کی خدمات انجام دیں۔

خود اسمٰعیل بن عیاش سے مستفید ہونے والوں میں لیث بن سعد، ولید بن مسلم، معتمر بن سلیمان، عبد اللہ بن مبارک، ابو داؤد

۱۔ تذکرۃ الحفاظ' ج' ص ۲۳۱' ومیزان الاعتدال' ج ا ص ۱۱۱ ۲۔ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۳۵' العبر فی خبر من غبر' ج ا ص ۲۷۹

۳۔ میزان الاعتدال' ج ا ص ۱۱۳ ۴۔ تھذیب التھذیب، ج ا، ص ۳۲۲، وتذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۲۳۰

الطیاسی، حجاج الاعور، شبانہ بن سوار، حسن بن عرفہ، سعید بن منصور، مناد، محمد بن بکار اور داؤد بن عمرو (۱) ممتاز ہیں۔
امام اعمش اور ابن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری اگرچہ ان کے شیخ ہیں مگر بعض حدیثیں وہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

جرح وتعدیل:

حضرت اسماعیل بن عیاش کی روایات دوطرح کی ہیں۔ایک تو وہ جوانہوں نے شامی شیوخ سے بیان کی ہیں اور دوسری غیر شامی یعنی حجاز وعراق وغیرہ ممالک کے شیوخ کی روایات، نوع اول کے بارے میں علماء جرح وتعدیل بالاتفاق ان کو ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان میں بلند مقام دیتے ہیں۔چنانچہ ابن مدینی کہتے ہیں:

ماكان احد اعلم بحديث اهل الشام من اسماعيل بن عياش

''اہل شام کی روایت کو اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا''۔

حضرت یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

عن الشاميين حديثه صحيح (۲)

''شامیوں سے ان کی روایت صحیح ہے''۔

یعقوب بن سفیان کا بیان ہے:

اسماعيل ثقه عدل اعلم الناس بحديث الشام

اسمٰعیل ثقہ عادل ہیں۔نیز اہل شام کی روایت کا لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

محمد بن عثمان کا قول ہے:

اسماعيل ثقه فيما روى عن الشاميين

''اہل شام کی روایت کے بارے میں اسمٰعیل ثقہ ہیں۔''

لیکن وہ روایتیں جو اسمٰعیل نے غیر شامی علماء ومشائخ سے بیان کی ہیں، ان کے بارے میں محققین ماہرین فن انہیں غیر مقبول اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ان کے اسباب وعلل کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو سبب بیان کیا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

كان من اوعية العلم الا انه ليس بمتقن لما سمعه بغير بلده كانه كان يو ممدعلى حفظه فوقع خلل فى حديثه عن الحجاز يين وغير هم (۳)

''وہ علم کا ظرف تھے، لیکن غیر شامیوں سے انہوں نے جو سماع حاصل کیا تھا اس میں وہ غیر ثقہ ہیں کیونکہ وہ اپنے حافظہ پر زیادہ

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۳۲۲، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۳۰ ۲۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۱۱۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۳۰

اعتماد کرتے تھے۔اس لئے اہل حجاز وغیرہ کی روایات میں ضعف پیدا ہوگیا۔

جب علماء ان کی ذہانت وفطانت اور محیر العقول حافظہ پر متفق اللسان ہیں اور انہیں اس خصوصیت میں امام وکیع کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں تو پھر غیر شامی شیوخ سے ان کی مرویات میں خلل تضعیف کا قوی سبب نہیں ہوسکتا۔ممکن ہے اس کا کوئی دوسرا سبب ہو۔

قوت حافظہ:

حضرت ابن عیاش کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ہزاروں حدیثیں انہیں زبانی ازبر تھیں۔یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

مارایت شامیاً ولا عراقیا احفظ من اسماعیل بن عیاش ماادری مالثوری (۱)

''میں نے اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کسی بھی شامی یا عراقی عالم کو نہیں پایا۔میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ ثوری کیا چیز ہیں''۔

داؤد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

ماحدثنا اسمٰعیل الامن حفظه وکان یحفظ نحواً من عشرین الف حدیث (۲)

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے انہیں تقریباً بیس ہزار احادیث مبارکہ زبانی یاد تھیں''۔

انہی کا قول ہے:

کان اسماعیل یحدثنا من حفظه مارایت معه کتاباً قط (۳)

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے،میں نے ان کے ساتھ کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ داؤد بن عمر سے دریافت کیا کہ اسماعیل بن عیاش کو کتنی حدیثیں یاد تھیں۔فرمایا بہت زیادہ۔انہوں نے پھر پوچھا کیا دس ہزار؟ فرمایا نہیں تیس ہزار! یہ سن کر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً کہا کہ بخدا یہ تو امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہے۔جو قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔(۴)

کثرت عبادت:

ابن عیاش عالم باعمل تھے۔درس وتدریس کے علاوہ شب وروز کے تمام اوقات ذکر وفکر اور عبادت وریاضت میں گذارتے تھے،ابو الیمان عینی رحمۃ اللہ علیہ شہادت دیتے ہیں کہ:

کان منزله الی جنب منزلی فکان یحی اللیل (۵)

''اسماعیل بن عیاش کا گھر میرے پڑوس میں تھا،وہ شب بیداری کرتے تھے''۔

مناقب:

ان کی پوری زندگی گوناگوں مناقب ومحامد سے معمور تھی۔علم وفضل،ورع وتقویٰ،عبادت وریاضت،اخلاق ومعاملات،شرافت و

۱۔ تذکرۃ الحفاظ،ج۱،ص۲۳۰ ۲۔ العبر فی خبر من غبر،ج۱،ص۲۷۹ ۳۔ العبر فی خبر من غبر،ج۱،ص۲۷۹

۴۔ تھذیب التھذیب،ج۱،ص۳۲۲ ۵۔ میزان الاعتدال،ج۱،ص۱۱۱

نیک نفسی، غرض ہر حیثیت سے وہ ایک مثالی اور معیاری انسان تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

ومناقبه كثيرة(۱)

پھر تذکرہ میں لکھتے ہیں:

كان محتشماً نبيلاً جواداً وكان من العلماء العاملين (۲)

''وہ نہایت باعزت، شریف اور سخی تھے اور عالم باعمل تھے۔''

یحییٰ الوعاظی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

ما رايت اكبر نفساً من اسماعيل بن عياش كان اذا اتينا مزرعته لايرضى لنا الا بالخروف والحلوا (۳)

''میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ بلند ظرف کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس کھیت پر ملنے جاتے تو حلوہ اور تازہ پھل ضرور کھلاتے تھے۔''

ان کے مناقب ہی کے ذیل میں یہ کارنامہ بھی لائق ذکر ہے کہ اہل حمص ان کی پیدائش سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص علی الاعلان بکثرت کرتے تھے۔ جب ابن عیاش نے سن شعور کو پہنچ کر یہ فتنہ دیکھا تو اہل شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی تبلیغ شروع کردی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور پھر اس تنقیص کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (۴)

وفات:

باختلاف روایت ۱۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔ (۵) علامہ ذہبی نے اول الذکر ہی کو اصح قرار دیا ہے۔ وفات کے وقت ۸۰ سال کی عمر تھی۔ (۶)

۳۔ حضرت عقبہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

آپ کا نام ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش قرشی اسدی مطرفی مدنی (م: ۱۴۱ھ) ہے آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، تابعی راوی ہیں، آپ مغازی وسیر کے امام ہیں، مغازی میں سب سے معتبر آپ کی روایات ہیں، حضرت ابراھیم بن منذر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، مجھے محمد بن ضحاک اور انہوں نے مسور بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کہ انہوں نے امام مالک سے عرض کیا: اے ابو عبداللہ! فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس پوچھنے کے لئے بھیجا ہے: کہ اس کے دادا جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

آپ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ لوگ کیا کہتے ہیں، جن کے بارے حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ وہ بدر میں شریک

۱۔ العبر، ج۱، ص۲۷۹　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۳۰　۳۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۱۱۱

۴۔ ایضاً　۵۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۲۳۵　۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۳۱، سیر الصحابۃ، ج۹، ص۸۹۔۹۳

ہوئے ہیں، وہ ہوئے ہیں، جن کے بارے میں انہوں نے نہیں لکھا، وہ شریک نہیں ہوئے۔(۱) آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔(۲)

۴۔ حکمِ روایت:

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مبارکہ مروی ہے' البتہ مجھے یہ روایت اس سند کے علاوہ نہیں ملی۔

مذکورہ روایت کی سند پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اور اس کا جواب:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

میں نے امام بخاری سے سنا ہے کہ: حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر احادیث بیان کرتے ہیں' اس طرح آپ نے ان کی وہ روایات جن میں وہ منفرد ہیں' ان کو ضعیف قرار دیا۔(۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزید فرمان ہے: کہ جب حضرت اسماعیل اہل شام سے روایت کریں' تو وہ صحیح ہیں۔(۴)

جمہور آئمہ جرح و تعدیل کا یہی مؤقف ہے کہ حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کی اہل شام سے روایات صحیح ہیں' اور غیر اہل شام سے متکلم فیہ ہیں' حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ مدنی ہیں' البتہ حضرت ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ ثقہ سے روایت بیان کریں' تو صحیح ہے۔

حضرت ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ کا قول: حضرت ابراہیم بن یعقوب جوز جانی فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو مسہر سے حضرت اسماعیل بن عیاش اور حضرت بقیہ کے بارے میں پوچھا' تو آپ نے فرمایا: یہ دونوں غیر ثقہ اور ثقہ سے روایات بیان کرتے ہیں' جب یہ ثقہ سے بیان کریں' تو ان کی روایت ثقہ ہے۔(۵)

حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے میں حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ منفرد نہیں ہیں' بلکہ حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ اور ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کی یہ روایت ضعیف ہے؟ جبکہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے دو روایات ایسی بیان کی ہیں' جن کے راوی حضرت مغیرہ بن عبدالرحمٰن اور حضرت ابو معشر ہیں' وہ دونوں روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ تہذیب الکمال' ج ۱۰' ص ۱۸۸

۲۔ i۔ التاریخ الکبیر' ج ۷' رقم ۱۲۴۷　ii۔ الجرح والتعدیل' ج ۸' ص ۶۹۳　iii۔ سیر اعلام النبلاء' ج ۶' ص ۱۱۴

۳۔ ترمذی: ۱۳۱　۴۔ تہذیب الکمال' ج ۱' ص ۴۹۸　۵۔ ایضا

حدثنا محمد بن حمدویه المروزی حدثنا عبد الله بن حماد الاملی حدثنا عبد الملك بن مسلمة حدثنی المغیرة بن عبد الرحمن عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله (ﷺ) لایقرا الجنب شیئًامن القرآن۔ عبد الملك هذا كان بمصر و هذا غریب عن مغیرة بن عبد الرحمٰن وهو ثقة وروی عن ابی معشر عن موسی بن عقبة۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنبی شخص قرآن بالکل نہ پڑھے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

حدثنامحمد بن مخلد حدثنا محمد بن اسماعیل الحسانی عن رجل عن ابی معشر عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر عن النبی (ﷺ) قال الحائض والجنب لا یقرآن من القرآن شیئًا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جنبی شخص اور حائضہ عورت قرآن بالکل نہ پڑھے۔

حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان ثقہ راوی ہیں (۱) جبکہ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان سندھی ضعیف ہیں۔(۲)

علامہ ابن سید الناس کا مذکورہ روایت کو صحیح قرار دینا:

اس روایت کو علامہ ابن سید الناس نے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل بن عیاش کی روایت کی متابعات میں سے ہے۔(۳)

خلاصہ کلام:

مذکورہ ابحاث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ مذکورہ حدیث کی روایت میں حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ اکیلے نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ بن عقبہ سے حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان اور حضرت ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

۲۔ حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان ثقہ راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر اہل علم متفق ہیں۔

۳۔ حضرت ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی ثقہ سے روایات ثقہ ہیں۔

۴۔ امام ابن سید الناس کے نزدیک یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

امام بخاری کے اعتراض کا رفع ہونا:

اس بحث سے امام بخاری کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ منفرد نہیں ہیں، اسی طرح

۱۔ سنن دارقطنی: ۴۱۶-۴۱۷ ۲۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۳۰۳ ۳۔ التلخیص، ج ۱، ص ۲۴۰

حضرت ابو مسہر کے مطابق حضرت اسماعیل کی یہ روایت ثقہ ہے۔

حاصل کلام:

حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متابعات کی بناء پر، حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان کی روایت، حضرت ابو مسہر اور حضرت ابن سیدالناس کی تصریحات کی بناء پر یہ حدیث مبارکہ حسن کے درجہ میں ہے۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ بالا ابحاث، شواہد، متابعات اور تصریحات آئمہ کے مطابق امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ احادیث مبارکہ صحیح ہیں۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث ضعیف کی تعریف اور قبول وعدم قبول کی بحث:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے آئمہ رجال نے ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ضعیف اور اس کے متعلقات کو سمجھا جائے، اس لئے اس کی تعریف، اقسام، درجات، ضعف المتن، حیثیت اور قبول وعدم قبول اور روایت کرنے کی وجوہات کو بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ حدیث ضعیف:

ڈاکٹر محمد خالد علوی صاحب نے ضعیف حدیث اور متعلقات پر بڑی مفصل بحث کی ہے (۱)، آپ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی سے پہلے علوم الحدیث پر لکھنے والے تمام مصنفین نے ضعیف حدیث کو ایک مستقل نوع قرار دیا۔ ابتداء میں تو صحیح و سقیم کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ حاکم نے معرفۃ الصحیح والسقیم کے تحت ایک باب باندھا ہے (۲) اور احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ نے نقل کیا ہے:

ان العالم اذالم یعرف الصحیح والسقیم والناسخ والمنسوخ من الحدیث لا یسمی عالم (۳)

ایک عالم اگر حدیث میں صحیح وسقیم اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت نہیں رکھتا تو اسے عالم نہیں کہا جائے گا۔

ابن الصلاح نے انواع علوم الحدیث کے تحت لکھا:

ان الحدیث عند اھلہ ینقسم الی صحیح وحسن وضعیف (۴)

محدثین کے ہاں حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ حسن کی اصطلاح کو امام ترمذی نے معروف کیا (۵)، لیکن جہاں تک ضعیف کا تعلق ہے، وہ کسی نہ کسی تعبیر کے ساتھ محدثین واصولیین کے ہاں موجود رہی۔ حافظ ابن حجر نے صحیح وحسن کو مقبول کی اقسام قرار دیا (۶)، اور ضعیف کو الگ طور پر

۱۔ اصول الحدیث، ص ۲۷۱-۲۹۹ ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۸ ۳۔ الیضاً، ص ۶۰

۴۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۱ ۵۔ الیضاً، ص ۳۵ ۵۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۵۴-۵۵

۶۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۳

ذکر نہیں کیا' بلکہ خبر مردود اور اس کی اقسام پر اکتفا کیا (۷)۔ چونکہ محدثین کے ہاں ضعیف ایک مستقل نوع کی حیثیت سے موجود ہے' اس لئے اختصار کے ساتھ اس سے متعلق بحث درج کی جاتی ہے۔

۲۔ضعیف کی تعریف:

حافظ ابن الصلاح نے ضعیف کی تعریف درج ذیل بیان کی ہے:

كل حديث لم تجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن المذكور فيما تقدم فهو حديث ضعيف۔(۱)

ہر وہ حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی مذکورہ صفات جمع نہ ہوں' وہ حدیث ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ضعیف کی تعریف درج ذیل بیان کی ہے۔

كل حديث لم تجتمع فيه صفات القبول (فهو حديث ضعيف) (۲)

ہر وہ حدیث جس میں صفات قبول جمع نہ ہوں، وہ ضعیف حدیث ہے۔

۳۔ضعیف کی اقسام:

حافظ ابن الصلاح نے ابو حاتم بن حبان البستی کے حوالے سے انچاس (۴۹) اقسام کا ذکر کیا ہے (۳)، اور کہا ہے کہ جو میں نے ذکر کیا ہے وہ جامع ہے (۴)، ازاں بعد وہ مختلف شرائط کے حوالے سے ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بعض خاص اقسام کا ذکر کرتے ہیں:

والذى له لقب خاص معروف من اقسام ذلك: الموضوع، والمقلوب، والشاذ، والمرسل، والمنقطع، والمعضل، فى انواع سياتى عليها الشرح ان شاء الله تعالىٰ (۵)

اس کی اقسام میں سے کچھ وہ ہیں جن کا خاص لقب ہے جیسے: موضوع، مقلوب، شاذ، معلل، مضطرب، مرسل، منقطع اور معضل ان کا شمار ان انواع میں ہے، جن کی تشریح انشاء اللہ آنے والی ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے جن اقسام کا ذکر کیا ہے حافظ حجر نے انہیں خبر مردود کے تحت درج کیا ہے۔(۶)

اگر حافظ ابن حجر کی تعریف کو مدنظر رکھا جائے، تو ضعیف ایک عام اصطلاح ہوگی، جو ہر خبر مردود پر مشتمل ہوگی۔ اس طرح اس کی اقسام بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ حافظ سیوطی نے حافظ عراقی کے حوالے سے بیالیس قسموں کا ذکر کیا ہے، اور شرف الدین المناوی کے حوالے سے ایک سو انتیس (۱۲۹) قسموں کا ذکر کیا ہے، جو عقلاً ممکن ہیں اور اکیاسی ایسی اقسام ہیں، جن کا وجود ممکن ہے۔(۷)

۱۔ ایضاً ۲۔ ابن الصلاح، ج۱، ص۴۹۲ ۳۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص۴۱ ۴۔ ایضاً

۵۔ نزھۃ النظر، ص۷۷ ۶۔ تدریب الراوی، ج۱، ص۱۴۴ ۷۔ تدریب الراوی، ج۱، ص۱۴۴

۴۔حدیث ضعیف کے درجات:

حدیث ضعیف کے کئی درجات ہیں، امام نووی کہتے ہیں:

وتتفاوت درجاته فی الضعیف بحسب بعده من شروط الصحیح كما اختلف درجات الصحیح(۱)
صحیح کی شرائط سے دوری کی بنا پر ضعیف کے درجات مختلف ہوں گے، جیسا کہ صحیح کے مختلف درجات ہیں۔

اس طرح کچھ کم درجہ کی ضعیف ہوں گی اور کچھ شدید۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ امام نووی نے ''کصحة الصحیح'' کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، کہ جس طرح اصح الاسانید ہیں، اسی طرح اوھی الاسانید بھی ہوں گے(۲)

۵۔ضعف المتن:

محدثین کے ہاں یہ بحث موجود ہے کہ سند کا ضعف متن کے ضعف کے لئے دلیل نہیں، امکان ہے کہ سند ضعیف سے ایک غیر ضعیف متن مروی ہو، اور سند کے ضعف کو کسی اور طریق سے قوت حاصل ہو جائے، اسی طرح متن شذوذ علت کی وجہ سے ضعیف ہو لیکن سند صحیح ہو۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

اذا رایت حدیثاً باسناد ضعیف فلك ان تقول هنا ضعیف، وتعنی انه بذلك الاسناد ضعیف، ولیس لك ان تقول هنا ضعیف وتعنی به ضعف متن الحدیث بناء علی مجرد ضعف ذلك الاسناد، فقد یكون مرویا باسناد آخر صحیح یثبت بمثله الحدیث بل یتوقف جواز ذلك علی حكم امام من ائمة الحدیث بانه لم یرو باسناد یثبت به اوبانه حدیث ضعیف، اونحو هنا مفسرا وجه القدح فیه، فان اطلق ولم یفسر، ففیه كلام یاتی ان شاء الله (۳)

جب آپ ایک ضعیف الاسناد حدیث دیکھیں، تو آپ کو حق ہے کہ اسے ضعیف کہیں، اور اس سے آپ کی مراد یہ ہو کہ اس کی سند ضعیف ہے، لیکن آپ کو یہ حق نہیں کہ ضعیف الاسناد ہونے کی وجہ سے آپ کسی حدیث کو ضعیف کہیں، اور اس سے آپ کی مراد متن کا ضعف ہو، کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ یہ حدیث کسی اور صحیح اسناد سے مروی ہو، جو ایسی حدیث کو ثابت کرے۔ بلکہ اس حدیث کے بارے میں فیصلہ ائمہ حدیث میں سے کسی امام کے اس قول پر موقوف ہے کہ یہ حدیث کسی ایسی اسناد سے مروی نہیں، جس سے اس کی صحت ثابت ہوئی ہو، یا یہ کہ حدیث ضعیف ہے، یا اس طرح کی بات جس سے سبب قدح کو واضح کیا گیا ہو، اگر ضعف کے بارے میں بغیر کسی توضیح کے مطلق قول ہو تو اس پر بحث ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۔ تدریب الراوی، ج۱، ص۱۴۵　　۲۔ مقدمہ ابن الصلاح، ۱۰۲-۱۰۳

۳۔ i-مقدمہ ابن الصلاح ص۱۰۳　ii-الارشاد، ۸۰　iii-التقریب ۱۲،　iv-الباعث، ۷۵

اس لئے یہ ضروری ہے کہ حدیث ضعیف کی پوری وضاحت ہو کہ ضعف سند کا ہے یا متن کا۔ اور محدثین موضوع حدیث کے سوا احادیث ضعیفہ کی سند میں تساہل کو روا رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کا تعلق صفات الٰہی، حلال وحرام کے احکام شریعت سے نہ ہو(۱)۔ اور سند کے بغیر اگر حدیث بیان کی گئی تو اس کے لئے "قال رسول الله كذا" یا اس نوعیت سے یقینی الفاظ نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔

بہتر یہ ہے کہ ایسی احادیث کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوں:

وهكذا الحكم فيما تشك في صحته وضعفه وانما تقول: قال رسول الله ﷺ فيما ظهر لك صحته بطريقه الذي وضحناه اولا (۲)

اور یہ حکم ہے اس روایت کے بارے میں جس کی صحت وضعف کے بارے میں تمہیں شک ہو اور تم "قال رسول الله" صرف اس کے سلسلے میں کہہ سکتے ہو جس کی صحت تم پر اس طریق سے ظاہر ہو جیسے ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

۶۔ حدیث ضعیف کی حیثیت:

حدیث کے درجات پر بات ہو چکی ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ ضعیف احادیث کی حیثیت درجہ ضعف کے مطابق متعین ہوگی۔ محدثین کے ہاں حدیث ضعیف کے قابل عمل ہونے کے بارے میں بحثیں ہیں، اور اس مسئلہ پر مختلف آراء ہیں، جو کتب علوم الحدیث میں منقول ہیں۔ ذیل میں ہم ان آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ضعیف حدیث قابل عمل ہونے کی جملہ بحثیں اس امر سے متعلق ہیں کہ حدیث میں شدید ضعف نہ ہو۔

۷۔ مطلقاً قابل عمل:

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ حدیث ضعیف مطلقاً قابل عمل ہے، اور دین کے تمام معاملات میں اسے قبول کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کے سوا کوئی اور حدیث موجود نہ ہو، جو صالح للعمل ہو۔ امام احمد اور امام ابوداؤد جیسے جلیل القدر لوگوں کی یہ رائے ہے۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ چونکہ ضعیف حدیث میں اصابت کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے اگر اس کے متعارض کوئی شئی نہیں تو اس کی اصابت کا پہلو قوی ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن مندہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن سعد الباوردی کو یہ کہتے سنا:

كان مذهب ابي عبد الرحمن النسائي ان يخرج عن كل من لم يجمع على تركه قال ابن منده و كذلك ابو داؤد السجستاني ياخذ ماخذه ويخرج الاسناد اذا لم يجد في الباب غيره لانه اقوى من راى الرجال (۳)

ابوعبدالرحمٰن النسائی کا مذہب یہ تھا کہ وہ ہر اس شخص سے روایت کرتے، جسے ترک کرنے پر اجماع نہ ہو۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ یہی حال ابوداؤد کا بھی ہے کہ: ماخذ تک رسائی حاصل کرتے ہیں، اور اگر اس باب میں کچھ اور نہ ملے، تو ضعیف اسناد کی تخریج کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایک ضعیف حدیث لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی ہے۔

۱۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۷　　۲۔ ایضاً　　۳۔ القول البدیع، ص ۹۵

اسی طرح امام احمد بن حنبل سے منقول ہے:

ان ضعیف الحدیث احب الیه من رای الرجال لانه لایعدل الی القیاس الابعدعدم النص۔ (۱)

ضعیف حدیث انہیں لوگوں کی رائے سے زیادہ محبوب ہے، اس لیے کہ صرف نص کی عدم موجودگی میں ہی قیاس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔

امام ابن قیم نے امام احمد بن حنبل کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وھوالذی رجحه علی القیاس ولیس المرادبالضعیف عندہ الباطل ولا المنکرولامافی روایته مھتم بحیث لایسوغ الذھاب الیه والعمل به بل الحدیث الضعیف عندہ قسیم الصحیح وقسم من اقسام الحسن ولم یقسم الحدیث الی صحیح وحسن وضعیف بل الی صحیح وضعیف وللضعیف عندہ مراتب فاذالم یجداثرایدفعه ولاقول صاحب ولااجماع علی خلافه کان العمل به عندہ اولی من القیاس۔ولیس احدمن الائمة الاوھوموافقه علی ھذاالاصل من حیث الجملة فانه مامنھم احدالاوقدقدم الحدیث الضعیف علی القیاس۔ (۲)

امام احمد بن حنبل اسے (حدیث ضعیف کو) قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔کیونکہ ان کے نزدیک ضعیف سے مراد باطل یا منکر نہیں، اور نہ وہ حدیث جس کی روایت میں کوئی متہم ہے، جس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا، اور نہ اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک ضعیف صحیح کا حصہ ہے اور حسن کی اقسام میں سے ہے۔ان کے عہد میں حدیث صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ صحیح اور ضعیف میں ہوتی ہے۔ان کے نزدیک ضعیف صحیح کا حصہ ہے اور حسن کی اقسام میں سے ہے۔ان کے نزدیک ضعیف کے درجات ہیں۔اگر کسی مسئلے میں کوئی اثر موجود نہ ہو، جو اس کے مخالف ہو اور اس کے خلاف اجماع بھی نہ ہوا ہو تو ان کے نزدیک قیاس کی بجائے اس پر عمل اولیٰ متصور ہوتا ہے۔اور آئمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس مسئلہ پر ان سے بحیثیت مجموعی متفق نہ ہو۔اس لیے کہ ان میں کوئی ایسا امام نہیں جس نے ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم نہ رکھا ہو۔

علامہ ابن علان نے امام احمد بن حنبل کی رائے نقل کی ہے، اور اس کے بعد اس کی ایسی ہی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

۱۔ رب العالمین، ج۱، ص۶۱ ۲۔ شرح الاذکار، ج۱، ص۸۶

مانقل عن الامام احمد من العمل بالحديث الضعيف مطلقاً حيث لم يوجد غيره وانه خير من الراي: محل الضعيف فيه على مقابل الضعيف على عرفه وعرف المتقدمين اذ الخبر عندهم صحيح وضعيف، لانه ضعف عن درجة الصحيح، فيشمل الحسن واما الضعيف بالاصطلاح المشهور اي مالم يجمع شروط القبول فليس مراداً، كمانقله ابن العربي عن شيخه، وهو حسن، به يندفع ماذكر من الكلام في هذا الامام۔ (۱)

ضعیف حدیث پر مطلق عمل کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا جو نقطہ نظر نقل کیا گیا ہے، اس صورت میں ہے جب اس کے علاوہ کوئی رائے نہ ملے، تو ضعیف حدیث پر عمل رائے سے بہتر ہے، تو ان کے نزدیک اور متقدمین کے مطابق ضعیف کو صحیح کے مقابل ہونے پر محمول کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں حدیث صحیح ہوگی یا ضعیف، اور ضعیف اس لیے کہ وہ صحیح کے درجہ سے فروتر ہے۔ یوں وہ حسن کو شامل ہے۔ جہاں تک مشہور اصطلاح کے مطابق ضعیف حدیث کا تعلق ہے، یعنی وہ حدیث جس میں قبول کی شرائط جمع نہ ہوں تو وہ اس سے مراد نہیں، جیسا کہ ابن العربی نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے، بلکہ وہ حسن ہے اور اس سے وہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے، جو امام کے کلام پر وارد ہوتا ہے۔

حافظ سیوطی کہتے ہیں:

ويعمل بالضعيف ايضاً في الاحكام اذا كان فيه احتياط۔ (۲)

احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ اس میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔

ہم امام احمد، نسائی اور ابوداؤد کی رائے نقل کر آئے ہیں کہ وہ ضعیف حدیث کو قابل حجت سمجھتے تھے۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں احناف کا اجماع ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے اور امام شافعی مرسل کو قابل حجت مانتے تھے اگر کوئی نص موجود نہ ہو (۳)۔ اسی طرح وہ ضعیف حدیث جسے امت کی طرف سے قبول حاصل ہو، اس پر عمل کیا جائے گا، حتیٰ کہ وہ متواتر کا مرتبہ حاصل کر لے گی، اور اس سے نص قطعی منسوخ ہو سکتی ہے۔ اس لئے امام شافعی کا کہنا ہے کہ حدیث "لا وصية لـــوارث" (۴) محدثین کے ہاں ثابت نہیں لیکن اسے قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور اس پر عمل کیا گیا حتیٰ کہ اسے آیت وصیت کے لئے ناسخ قرار دیا گیا۔ (۵)

۸۔ فضائل اعمال میں قابل عمل ہے:

جمہور علماء کے نزدیک فضائل اعمال جیسے مستحبات و مکروہات وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ امام نووی نے اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے (٦)۔ اسی طرح ملا علی قاری اور شیخ ابن حجر ھیثمی کی بھی یہی رائے ہے۔ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث پر عمل

۱۔ تدریب الراوی، ج۱، ص۲۵۲ ۲۔ فتح المغیث، ج۱، ص۳۳۳ ۳۔ الرسالہ، ص۱۳۹-۱۴٦

۴۔ فتح المغیث، ج۱، ص۳۳۳ ۵۔ ایضاً، ص۳۳۴ ٦۔ القول البدیع، ص۱۹۵

کے لئے تین شرائط رکھی ہیں (۱)، اور کہا ہے کہ اسے ابن عبد السلام اور ابن دقیق العید نے ذکر کیا ہے:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ضعف غیر شدید ہو۔ اس سے کذاب، متہم بالکذب اور فحش غلطی کرنے والے خارج ہو جائیں گے۔ العلائی (۲) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اصل عام کے تحت درج ہو، اس سے وہ اختراع خارج ہو جائے گی، جس کی کوئی اصل نہیں۔

۳۔ اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ ہو، بلکہ احتیاط کا عقیدہ رکھے، امام نووی نے ضعیف حدیث پر عمل کے سلسلے میں لکھا ہے:

قال العلماء من المحدیثن والفقهاء وغیر هم یجوز یستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیره ذلك فلا یعمل فیها الابالحدیث الصحیح والحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شئی من ذلك کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الانکحة فان المستحب ان یتنزه عنه ولکن لایجب۔ (۳)

محدثین وفقہاء وعلماء نے کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل جائز اور مستحب ہے، بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو۔ جہاں تک حلال وحرام بیع اور نکاح وطلاق وغیرہ جیسے احکام کا تعلق ہے، تو ان میں حدیث صحیح اور حسن کے بغیر عمل نہیں کیا جائے گا۔ الا یہ کہ اس میں سے کسی معاملے میں احتیاط مطلوب ہو جیسے اگر بعض بیوع اور نکاحوں کی کراہت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے، لیکن واجب نہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر الهیشمی نے فضائل اعمال کے سلسلے میں حدیث ضعیف پر عمل کے لئے دلیل دیتے ہوئے کہا:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد أعطی حقه من العمل به، والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق للغیر۔ (۴)

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے اس لئے کہ اگر یہ حقیقت میں صحیح ہے تو اس پر عمل کرنے سے اس کا حق ملا، اور اگر صحیح نہیں ہے تو اس پر عمل کرنے سے حلال اور حرام بنانے اور دوسرے کے حق کو ضائع کرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے سلسلے میں یہ رائے محتاط اور معتدل تصور ہوتی ہے اور علماء کی اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۹۔ ضعیف حدیث کی روایت

ضعیف حدیث پر عمل کی بنیاد محدثین کا وہ رویہ ہے، جو انہوں نے ضعیف حدیث کی روایت کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱۔ القول البدیع ص ۱۵۶　۲۔ الاذکار ص ۷۷　۳۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۳　۴۔ الارشاد ص ۱۹۸

یجوز عند اهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید وروایة ماسوی الموضوع من انواع الاحادیث الضعیفة من غیر اهتمام ببیان ضعفها فیما سوی صفات الله تعالیٰ واحکام الشریعة من الحلال والحرام وغیرهما وذلك کالمواعظ، والقصص، وفضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترهیب، وسائر مالاتعلق له بالا حکام والعقائد ۔(۱)

محدثین وغیرھم کے نزدیک موضوع کے سوا احادیث ضعیفہ کے تمام انواع کی اسانید میں ضعف کے بیان میں عدم اہتمام جیسا تساہل جائز ہے۔لیکن صفات اللہ اور حلال وحرام جیسے احکام شریعت میں تساہل جائز نہیں۔ یہ تساہل، مواعظ، قصص، فضائل اعمال ترغیب وترھیب کی تمام اقسام اور دیگر سب معاملات جن کا تعلق عقائد سے نہیں، میں جائز ہے۔

حافظ ابن الصلاح کی اس رائے کو امام نوویؒ اور دیگر متبعین نے اختیار کیا ہے (۲) مگر اس پر مفصل بحث خطیب بغدادی نے کی ہے۔انہوں نے وہ تمام آراء نقل کی ہیں، جو اس سلسلے میں اختیار کی گئی ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

قد ورد عن غیر واحد من السلف انه لایجوز حمل الاحادیث المتعلقة بالتحلیل والتحریم الاعمن کان بریأ من التهمة بعیدا من الضمنة واما احادیث الترغیب والمواعظ ونحوذلك فانه یجوز کتبها عن سائر المشائخ (۳)۔

سلف میں سے کئی بزرگوں سے منقول ہے کہ حلال وحرام سے متعلق احادیث کی روایت صرف انہی لوگوں سے جائز ہے جو تہمت سے محفوظ اور بدگمانی سے بعید ہوں۔جہاں تک ترغیب، مواعظ اور اس جیسے موضوعات کا تعلق ہے،تو ان احادیث کا تمام مشائخ سے لکھنا جائز ہے۔

خطیب بغدادی نے اس کے بعد کئی محدثین کے اقوال بیان کئے ہیں جن میں سے چند ایک نقل کیے جاتے ہیں:

امام سفیان ثوری کا قول:

حدثنا رواد بن الجراح قال سمعت سفیان الثوری یقول: لا تاخذوا هذا العلم فی الحلال والحرام الا من الروساء المشهورین بالعلم الذین یعرفون الزیادة والنقصان فلا باس بما سوی ذلك من المشائخ۔(۴)

رواد بن الجراح بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سفیان الثوری کو کہتے سنا: حلال وحرام کے بارے میں یہ علم ان آئمہ کے سوا کسی سے اخذ نہ کرو جو ایسے علم کی شہرت رکھتے ہیں، جس میں زیادتی اور نقصان کی معرفت پائی جاتی ہے۔حلال وحرام کے سوا دیگر مشائخ سے حاصل کرنے میں کوئی ڈر نہیں۔

۲۔امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

ابو العباس احمد بن محمد السنجری یقول: سمعت النوفلی یعنی ابا عبدالله یقول: سمعت احمد بن حنبل یقول: اذا روینا عن رسول الله فی الحلال والحرام والسنن والا حکام تشددنا فی الاسانید واذا روینا عن النبی فی فضائل الاعمال وما لایضع حکما ولا یرفعه تسا هلنا فی الاسانید ۔(۵)

۱۔ الارشاد،ص ۱۹۸ ۲۔ الکفایہ،ص ۱۳۳ ۳۔ ایضاً،ص ۱۳۴ ۴۔ ایضاً،ص ۱۳۴ ۵۔ ایضاً،ص ۱۳۴

ابوالعباس احمد بن محمد السنجری کہتے ہیں کہ: انہوں نے ابوعبداللہ النوفلی کو کہتے سنا:
میں نے احمد بن حنبل کو کہتے سنا: جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال وحرام اور سنن واحکام سے متعلق روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جب ہم نبی ﷺ سے فضائل اعمال میں اور ان امور سے متعلق جن سے کوئی حکم وضع یا رفع نہیں ہوتا، روایت کرتے ہیں، تو ہم اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

۳۔امام ابوزکریا کا قول:

ابو زکریا العنبری یقول: الخبر اذا ورد لم یحرم حلالا ولم یحل حراما ولم یوجب حکما وکان فی ترغیب اوترھیب اوتشدید اوترخیص وجب الاغماض عنه والتساھل فی رواته (۱)

ابوزکریا العنبری کہتے ہیں: مروی خبر جب کسی حلال کو حرام نہ کرے، حرام کو حلال نہ کرے، موجب حکم نہ ہو اور ترغیب، ترھیب، تشدید یا ترخیص سے متعلق ہو تو اس میں اغماض اور اس کے راویوں کے بارے میں تساہل واجب ہے۔

یہ تمام اقوال اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ عقائد واحکام کو چھوڑ کر باقی تمام امور میں روایت حدیث میں نرم رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے ناقدین حدیث نے بھی جرح وتعدیل کے بارے میں ایسی احادیث کے رواۃ کو پیش نظر رکھا ہے۔ ضعیف حدیث محدثین کے ہاں بحث کا مستقل موضوع ہے، سند کے اعتبار سے بھی اور متن کے لحاظ سے بھی۔ خطیب (۲) نے ضعفاء سے روایت کرنے کے سلسلے میں بھی محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین نے اس سلسلے میں کتنا اہتمام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر ابوالفضل عباس بن محمد الدوری کے حوالے سے نقل کیا ہے:

سئل احمد بن حنبل وھو علی باب ابی النضر ھاشم بن القاسم فقیل له: یا اباعبداللہ ما تقول فی موسیٰ بن عبیدۃ ومحمد بن اسحاق؟ فقال: اما موسی بن عبیدۃ فلم یکن به باس ولکن حدث با حادیث مناکیر عن عبداللہ بن دینار۔ واما محمد بن اسحاق فرجل تکتب عنه ھذہ الاحادیث۔ یعنی المغازی ونحوھا۔ فاما اذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما ھکذا وقبض اصابع یدیه الاربع ۔(۳)

امام احمد بن حنبل سے، جب وہ ابونضر ھاشم بن قاسم کے دروازے پر تھے، پوچھا گیا کہ: اے ابوعبداللہ! موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن اسحٰق کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا: جہاں تک موسیٰ بن عبیدہ کا تعلق ہے، تو ان کے بارے خطرہ نہیں، تاہم انہوں نے عبداللہ بن دینار سے منکر احادیث نقل کی ہیں۔ رہے محمد ابن اسحٰق تو ان سے مغازی اور ان جیسے امور سے متعلق احادیث لکھی جاسکتی ہیں، لیکن جب حلال وحرام کا معاملہ ہو تو ہمیں ایسے لوگ مطلوب ہیں، اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کی چاروں انگلیاں بند کیں۔ یعنی مضبوط ومستحکم لوگ۔

۱۔ الکفایۃ، ص ۱۳۴　۲۔ النکت، ج ۲، ص ۸۸۸　۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۸۸۹

حاصل کلام:

ایسی حدیث ضعیف جس کا ضعف شدید نہ ہو، اس کے بارے میں آئمہ کرام کا نقطہ نظر حسب ذیل ہے:

۱۔　امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک حدیث ضعیف قابل حجت ہے۔

۲۔　امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔

۳۔　امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حدیث ضعیف جسے امت کی طرف سے قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہو جائے، وہ متواتر کے درجہ میں ہوگی، اور اس سے نص قطعی منسوخ ہو سکتی ہے، جیسے حدیث ''لا وصیة لوارث'' سے آیت وصیت کو منسوخ مانا گیا ہے۔

۴۔　جمہور علماء کے نزدیک حدیث ضعیف پر فضائل اعمال جیسے مستحبات ومکروہات وغیرہ میں عمل جائز ہے۔

۵۔　فضائل، ترغیب، ترھیب اور مواعظ کے لئے حدیث ضعیف کی روایت جائز ہے۔

حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی فنی حیثیت:

حدیث ضعیف کی ابحاث کی روشنی میں ان دونوں روایات کی حیثیت درج ذیل بنتی ہے:

۱۔　حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اکثر آئمہ رجال کے نزدیک صحیح کے درجہ میں ہے۔

۲۔　حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اکثر کے نزدیک متابعات وشواھد کی بناء پر حسن کے درجہ میں ہے، البتہ بعض کے نزدیک ضعیف ہے۔

۳۔　اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دونوں احادیث میں ضعف شدید نہیں ہے، جن آئمہ کرام کے نزدیک یہ احادیث ضعیف ہیں، ان کے نزدیک بھی ضعف قلیل ہے۔

۴۔　امام ترمذی اور دوسرے آئمہ کی تصریحات کے مطابق جمہور صحابہ کرام وتابعین آئمہ ثلاثہ امام سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا ان احادیث پر عمل ہے، جس سے یہ حدیث مبارکہ تلقی بالقبول کے درجہ پر ہے، ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس روایت پر عمل ہے۔

۵۔　عصر حاضر میں علماء ظواہر (غیر مقلدین) کے علاوہ باقی تمام امت کا اسی حدیث مبارکہ پر عمل ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند (حدیث نسائی: ۲۶۶)

☆　یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆　سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو سترہویں (۱۱۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆　سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆　حضرت عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ متکلم فیہ راوی ہیں۔

☆　سند کے پہلے راوی جزری اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد چہارم، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، زوج بتول اور والد حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ہیں۔

☆ حدیث الباب کی دونوں روایات آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

☆ حدیث مذکور محدثین وفقہاء کے درمیان معرکۃ الآراء ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۲۶۵

۷۔مسائل ونصائح:

حائضہ عورت اور جنبی مرد کے قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں آئمہ کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

ا۔امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی کے دلائل وتمحیص:

ذکر الٰہی تو جنابت وغیرہ تمام حالات میں درست ہے اور قراءت قرآن جنابت وحیض میں درست نہیں ورنہ بلا وضو درست ہے۔

ا۔ عمرو بن مرہ نے عبداللہ بن سلمہ سے نقل کیا کہ میں اور ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور بنی اسد کا ایک آدمی اس موقع پر تھا ان دونوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی کام بھیجا پھر فرمایا تم دونوں خوب مضبوط دین کے اعمال محنت سے کرنا پھر بیت الخلاء گئے پھر نکلے اور پانی کا ایک چلو لیا ہاتھوں کو دھو کر قرآن مجید پڑھنے لگے تو ہمیں ان کی اس حالت پر تعجب ہوا تو وہ فرمانے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلتے اور ہمیں قرآن مجید پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے اور اس سے کوئی چیز بھی آپ کو نہ روکتی بلکہ کھانے پینے سے تو جنابت بھی نہ روکتی۔(۱)

۲۔ شعبہ کہتے ہیں ہمیں عمرو بن مرہ نے بتلایا کہ میں نے عبداللہ بن سلمہ سے سنا، انہوں نے اسی طرح کی روایت نقل کی البتہ الفاظ میں یہ فرق ہے: "**کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ فیقرا القرآن**"، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوتے پس قرآن پڑھتے۔

۳: عبدالرحمان بن زیاد نے بیان کیا کہ شعبہ نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۴: محمد بن خزیمہ نے بیان کیا کہ حجاج نے کہا کہ ہمیں شعبہ نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۵: اعمش کہتے ہیں کہ عمرو بن مرہ نے عبداللہ بن سلمہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کے علاوہ ہر حالت میں تلاوت قرآن مجید فرماتے تھے۔

۶: یحییٰ بن عیسیٰ نے ابن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے عمرو سے انہوں نے عبداللہ بن سلمہ سے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی

ا۔ ابوداؤد، ۲۲۹، ترمذی ۱۴۶، نسائی ۱۷۰، ابن ماجہ ۵۹۴، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۰۷

ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ ہم نے روایت کیا ہے اس سے بلا وضو قراءت قرآن اور ذکر اللہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے بغیر طہارت کے ذکر کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔

حاصل روایات:

ان چھ روایات سے بغیر وضو ذکر اللہ اور قراءت قرآن کا جواز معلوم ہو رہا ہے اور قرآن مجید کے متعلق جنابت والے کی ممانعت خاص طور پر نکل رہی ہے اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ بلا وضو بھی مباح ہے اس کے لئے تائیدی روایات ملاحظہ ہوں۔

۱: اعمش نے شمر بن عطیہ سے اور انہوں نے شہر بن حوشب سے بیان کیا کہ ابو ظبیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے طہارت سے رات گزارے رات کو بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔ (۱)

۲: ابو ظبیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے جناب نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے البتہ ان الفاظ کا فرق ہے "علی ذکر اللہ" کے لفظ اس روایت میں نہیں ہیں۔

ثابت کہتے ہیں ہمارے ہاں ابو ظبیہ آئے اور یہ روایت بیان کی تو میں نے حماد سے کہا کہ کیا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درست ہے تو انہوں نے کہا جی ہاں درست ہے۔

(عبارت میں قدم کا فاعل ابو ظبیہ ہے۔ قلت کے قائل ثابت ہی ہیں)

۳: زید بن ابی انیسہ نے عاصم بن ابی النجود سے اور انہوں نے شمر بن عطیہ سے اپنی اسناد سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور یہ روایت بھی نیند کے بعد یعنی حدث کی حالت میں ذکر اللہ کی اباحت بتلا رہی ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ روایات آئی ہیں۔ (۲)

۲۔ امام ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات:

آپ نے جنبی شخص اور حائضہ عورت کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کی ممانعت پر باب قائم کیا ہے، اور اس کے تحت مندرجہ ذیل روایات نقل فرمائی ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: حائضہ عورت اور جنبی شخص قرآن بالکل نہ پڑھیں۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے اور اس کی متابعت بھی کی گئی ہے۔

۴۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

۱۔ ابوداؤد ۲۴۔۵۰، ابن ماجہ: ۳۸۸۱، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۵، عمل الیوم ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸　۲۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۲۴۸۔۲۵۰

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جنبی شخص قرآن بالکل نہ پڑھے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جنبی شخص اور حائضہ عورت قرآن بالکل نہ پڑھیں۔

۷: ابوظرف ہمدانی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کھلے میدان میں موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میدان کے کنارے تک تشریف لے گئے اللہ کی قسم! مجھے یہ پتہ نہیں ہے، انہوں نے پیشاب کیا کہ پاخانہ کیا، انہوں نے پانی کا برتن منگوایا ، پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور پھر ان دونوں کو جوڑ کر قرآن کا ابتدائی حصہ تلاوت کیا اور پھر یہ فرمایا:

تم لوگ قرآن کی تلاوت اس وقت تک کر سکتے ہو جب تک کسی شخص کو جنابت لاحق نہ ہو، اگر اسے جنابت لاحق ہو جائے تو پھر وہ اس کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتا۔

یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مستند طور پر منقول ہے:

۸۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے۔ دوسری سند کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی:

اے علی! میں تمہارے لئے اس بات سے راضی ہوں جس بات سے اپنے لئے راضی ہوں، اور تمہارے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں جسے اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں، تم اس وقت قرآن کی تلاوت نہ کرو جب تم جنابت کی حالت میں ہو اور نہ ہی اس وقت کرو جب تم رکوع کی حالت میں ہو اور نہ ہی اس وقت کرو جب سجدے کی حالت میں ہو، اور تم اس وقت نماز ادا نہ کرو جب تم نے بالوں کو باندھ رکھا ہو اور (نماز کے دوران رکوع کی حالت میں) اس طرح نہ جھکو جیسے گدھا اپنے سر کو جھکا دیتا ہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ غافقی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کھایا اور پھر فرمایا: میرے لئے پردہ ٹانک دو تا کہ میں غسل کرلوں! میں نے آپ سے دریافت کیا: کیا آپ جنابت کی حالت میں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! بعد میں، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں بتایا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اس نے یہ بتایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابت کی حالت میں کچھ کھایا پیا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں! جب میں وضو کرلوں تو میں کھا پی سکتا ہوں لیکن میں قراءت اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک غسل نہ کرلوں۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مالک غافقی بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: جب میں جنابت کی حالت میں وضو کرلوں تو میں کھا پی سکتا ہوں لیکن میں جب تک غسل نہ کروں اس وقت تک نماز ادا نہیں کرتا اور قرآن کی تلاوت نہیں کرسکتا۔

۱۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کی تلاوت کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی تھی، ماسوائے اس صورت کے، جب آپ جنابت کی حالت میں ہوں۔

سفیان نامی راوی بیان کرتے ہیں: شعبہ نے مجھ سے یہ فرمایا: میں نے اس سے بہترین حدیث بیان نہیں کی۔

۱۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے: کوئی شخص جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرے۔

اس روایت کی سند بہترین ہے۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے حوالے سے یہ بات منقول ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے: کوئی شخص جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرے۔

۱۴۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے پہلو میں سو رہے تھے، وہ اٹھے اور گھر کے کنارے میں موجود اپنی کنیز کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے ساتھ صحبت کرنے لگے، ان کی اہلیہ خواب میں ڈر گئیں، وہ بیدار ہوئیں تو انہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بستر پر نہیں ملے، وہ اٹھیں اور باہر آئیں تو دیکھا کہ وہ اس کنیز کے ساتھ صحبت کر رہے ہیں، وہ خاتون گھر کے اندر گئی، اس نے چھری لی اور باہر نکلی تو اس دوران حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صحبت کر کے فارغ ہو چکے تھے اور واپس آ رہے تھے۔ ان کا اپنی اہلیہ سے سامنا ہوا جس نے چھری اٹھائی ہوئی تھی، تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا ہوا؟ تو ان کی اہلیہ نے جواب دیا: ہونا کیا ہے، اگر میں آپ کو اس حالت میں پاتی جس حالت میں، میں نے آپ کو پہلے دیکھا ہے، تو میں نے یہ چھری آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مار دینی تھی۔ ابن رواحہ نے دریافت کیا: تم نے مجھے کہاں دیکھ لیا؟ تو اہلیہ نے جواب دیا: میں نے آپ کو کنیز کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو ابن رواحہ نے یہ فرمایا: تم نے مجھے نہیں دیکھا، پھر حضرت ابن رواحہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے، کوئی شخص جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرے، تو اہلیہ نے کہا: پھر آپ تلاوت کریں، تو حضرت ابن رواحہ نے یہ اشعار پڑھے:

''ہمارے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، جو چمکدار اور روشن صبح سے بھی زیادہ مشہور اور روشن ہے، وہ ہمارے پاس ہدایت لے کر آئے، اس کے بعد کہ ہمارے دل نابینا ہو چکے تھے، وہ ایسی ہدایت تھی جو یقین دلانے والی تھی اور انہوں نے جو فرمایا وہ واقع ہوا، وہ رات ایسی حالت میں بسر کرتے تھے کہ ان کا پہلو بستر سے الگ ہوتا تھا، اس وقت جب مشرکوں کے بستر ان کے وزن سے بوجھل ہوتے تھے۔''

تو اس خاتون نے کہا: میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی بات کو غلط قرار دیتی ہوں، پھر اگلے دن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس بارے میں بتایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

راوی بیان کرتے ہیں: یہاں تک کہ مجھے آپ کے اطراف کے دانت دکھائی دیئے۔

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ گھر داخل ہوئے (اس کے بعد انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

بات سے منع کیا ہے، کوئی شخص جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرے۔

۱۶۔　حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حائضہ عورت، جنبی شخص اور نفاس والی عورت قرآن کی تلاوت نہیں کریں گے۔

اس روایت کا راوی یحییٰ، یہ ابن ابی انیسہ ہے اور یہ ضعیف ہے۔(۱)

۳۔علامہ غلام رسول کا موقف و دلائل:

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنا، سجدۂ تلاوت کرنا اور مصحف کو چھونا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، یہ سب امور وضو کے ساتھ بھی جائز ہیں اور بغیر وضو کے بھی اور جنبی اور حائض کے لئے بھی۔

رہا بے وضو قرآن مجید کی تلاوت کرنا تو اس میں مخالفین بھی ہمارے موافق ہیں، رہا جنبی اور حائض کو قرآن کی تلاوت سے منع کرنا تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری، قتادہ اور نخعی وغیرہم کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے:

عبداللہ بن سلمہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنابت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔(۲)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ آپ اس حالت میں قرآن کریم نہیں پڑھتے تھے لیکن آپ نے جنبی کو تلاوت قرآن سے منع نہیں فرمایا اور جن آثار میں ممانعت ہے وہ ضعیف ہیں۔(۳)

شیخ ابن حزم نے یہ صحیح نہیں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے ان کو قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔(۴)

امام ترمذی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا اور ان کے بعد کے تابعین کا یہی مسلک ہے، مثلاً سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحٰق وغیرہم، انہوں نے کہا کہ حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں، سوا ایک آیت اور ایک حرف کے اور انہوں نے ان کو تسبیح اور تہلیل کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے، امام بخاری کے نزدیک اس کی اہل شام سے روایت منکر ہے، امام احمد نے کہا کہ یہ بقیہ سے اصلح ہے۔

۱۔　سنن دار قطنی: ۴۱۲-۴۲۷　　۲۔　سنن ابوداؤد: ۲۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۶، سنن نسائی: ۱۶۵، سنن ابن ماجہ: ۵۹۴، مسند احمد، ج۱، ص۸۴

۳۔　محلیٰ بالآثار، ج۱، ص۹۶

۴۔　سنن ترمذی: ۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۵۹۵، السنن الکبریٰ، ج۱، ص۸۹، معرفۃ السنن والآثار، ج۱، ص۱۹۰، الکامل لابن عدی، ج۱، ص۸۹، تاریخ بغداد، ج۲، ص۱۴۵، سنن دار قطنی، ج۱، ص۱۱۷، ۴۱۷، حلیۃ الاولیاء، ج۴، ص۲۲، شرح معانی الآثار: ۵۴۶)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی سند میں اسماعیل بن عیاش کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے اور امام دارقطنی کی سند میں مغیرہ بن عبدالرحمٰن کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے، لہٰذا امام بخاری والا اعتراض بھی ساقط ہوگیا، امام دارقطنی کی سند یہ ہے:

محمد بن حمدویة المروزی نا عبدالله بن حماد الاملی ثنا عبدالملک بن مسلمة حدثنی المغیرة بن عبدالرحمان عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال، قال رسول الله ﷺ "لایقرء الجنب شیئا من القرآن"۔

امام دارقطنی لکھتے ہیں:

مغیرہ بن عبدالرحمان ثقہ ہے وہ ابومعشر از موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ کو جنابت کے سوا قرآن پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔(۲)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہم کو جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔(۳)

اس سلسلہ میں بعض آثار یہ ہیں:

عبیدہ السلمانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنبی کے قرآن پڑھنے کو مکروہ فرماتے تھے۔(۴)

یسار نے کہا: حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنبی اور حائض قرآن نہ پڑھیں۔(۵)

ابوالغریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنبی قرآن نہ پڑھے، ایک حرف بھی نہ پڑھے۔(۶)(۷)

۴۔ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی کا نظریہ:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حائضہ اور جنبی کے لئے ذکر، تسبیح وتہلیل وغیرہ کے جواز پر اجماع ہے، البتہ تلاوت قرآن کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، آئمہ ثلاثہ اور جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک تلاوت ناجائز ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**یقرأ الجنب الآیات ایسیرة لتعوذ**" جبکہ حق حائضہ میں ان کی دو روایتیں ہیں، ایک جواز کی دوسری عدم جواز کی، اور (۸) میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مطلقاً جواز مروی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جنب اور حائض دونوں کے لئے تلاوت مطلقاً جائز ہے۔

مجوزین تلاوت قرآن کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معروف حدیث سے ہے جو (۹) میں "**باب ذکر الله تعالیٰ فی حال الجنابة وغیرھا**" کے تحت مروی ہے، "**عن عائشة قالت کان النبی ﷺ یذکر الله علی کل احیانه**"

۱۔ سنن دارقطنی: ۴۱۶　　۲۔ ایضا: ۴۲۲　　۳۔ ایضا: ۴۲۶۔۴۲۵۔۴۲۴

۴۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۳۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۰، معرفۃ السنن والآثار: ۱۱۵، شرح معانی الآثار: ۵۶۰

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۵　　۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۶، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۰۸

۷۔ تبیان القرآن، ج ۱۱، ص ۶۹۲۔۶۹۴　　۸۔ شرح مہذب، ج ۲، ص ۱۵۸　　۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۶۲

لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس سے ذکر قلبی مراد ہے، اور اگر ذکر لسانی مراد ہے، تو یہ اذکار متواردہ پر محمول ہے، اور اگر اسے اپنی حقیقت پر محمول کر کے تلاوت قرآن کو بھی اس میں شامل کیا جائے تب بھی وہ ایک دلیل عام ہے، جو جمہور کی مستدل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو دلیل خاص ہے "عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن" اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش عن موسیٰ بن عقبہ کے طریق سے مروی ہے، اور اسماعیل ابن عیاش کی احادیث غیر اہل شام سے مقبول نہیں، اور موسیٰ بن عقبہ غیر شامی ہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے دوسرے متابعات موجود ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث صالح للحجت ہے۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لئے کتنی مقدار کی تلاوت ناجائز ہے، ایک آیت یا اس سے زیادہ کی ممنوع ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے اور مادون الآیۃ میں احناف سے دو روایتیں ہیں، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ بھی جائز نہیں، اسی کو اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ نے التجنیس میں، علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کنز اور الکافی میں، اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق میں، صاحب بدائع نے فرمایا "وعلیہ عامۃ المشائخ"۔

دوسری روایت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے انہوں نے مادون الآیۃ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ وہ متحدی بہ نہیں ہے، اسی کو اختیار کیا ہے فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور صاحب خلاصہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "وعلیہ الفتوی"، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے محاکمہ فرمایا کہ جنبی کے لئے عدم جواز ہے اور حائضہ کے لئے قرأت مقطعا جائز ہے۔

عدم جواز اور مذکورہ بحث اس وقت ہے جب بقصد تلاوت قرأت کی جائے اور اگر تلاوت بقصد تبرک یا دعاء ہو تو اس میں بھی اختلاف ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قراءۃ تسمیہ بقصد الاستفتاح کے جواز پر اجماع ہے، اس کے علاوہ کسی اور آیت کی قراءۃ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں خواہ کسی ارادہ سے ہو، احناف کے نزدیک اس کا جواز ہے، پھر فقہاء احناف میں قراءۃ فاتحہ علی وجہ الدعاء میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس کا بھی جواز ہے، کیونکہ مقصود تلاوت نہیں جبکہ محققین کے نزدیک جواز نہیں، کیونکہ ایک مستقل سورۃ قرآنیت سے خارج نہیں ہو سکتی، بالخصوص جبکہ سورۂ فاتحہ کی دعاء غیر الفاظ قرآن میں بھی ممکن ہے، صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "سورۃ الحفد والخلع" (دعاء قنوت) کی تلاوت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ اقرب الی نظم القرآن ہے، اور بعض روایات سے اس کا قرآن ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک جواز ہے، کیونکہ ثبوت قرآنیت کے لئے تواتر شرط ہے۔(۱)

☆ یہ حدیث اس بات میں جمہور کی دلیل ہے کہ حالت جنابت میں قرأت قرآن جائز نہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے، کہ حالت جنابت میں قرأۃ قرآن جائز ہے۔

☆ حدیث علی رضی اللہ عنہ حدیث حسن صحیح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، ابن السکن اور بغوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے، لیکن امام شافعی اور امام احمد سے اس کی تضعیف منقول ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن سلمہ ان کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن قائلین تصحیح کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۸۷۔۳۸۹

اول تو اس لئے کہ عبداللہ بن سلمہ کی امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ اور یعقوب بن شیبہ نے توثیق کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (۱) میں یعقوب بن شیبہ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سلمہ ثقہ ہیں، اور صحابہ کے بعد طبقہ اولی کے فقہاء کوفہ میں سے ہیں، علاوہ ازیں مسند احمد میں اس حدیث کا ایک متابع موجود ہے، جس میں ابوالغریف عبیداللہ بن خلیفہ المرادی نے حضرت علی سے ایک طویل حدیث میں نقل کیا ہے کہ ''ھکذا رایت رسول اللہ ﷺ تو ضا ثم قراء شیئا من القرآن ثم قال ھذا لمن لیس بجنب فاما الجنب فلا ولا آیۃ'' (۲) اور ابوالغریف بھی اگرچہ بعض کے نزدیک ضعیف ہیں، لیکن ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، اس لئے ان کی حدیث کا درجہ حسن سے کم نہیں، فیکفی للمتابعۃ۔

ولا یقرأ فی المصحف الا وھو طاھر : یہ جمہور کا مسلک ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس سے اختلاف کر کے فرماتے ہیں کہ مس مصحف کے لئے طہارت شرط نہیں، جمہور کا استدلال حضرت عمرو بن حزم کی صحیح مرفوع روایت سے ہے ''لایمس القرآن الا طاھر'' اس حدیث کی تخریج امام ابن حبان اور حاکم دونوں نے کی ہے۔ (۳) نیز حافظ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے نصب الرایہ میں یہی مضمون

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے (۴)

واضح رہے کہ جمہور کے مسلک پر آیت قرآنی ''لایمسہ الا المطھرون'' سے استدلال کرنا ضعیف ہے، کیونکہ وہاں ''مطھرون'' سے مراد فرشتے ہیں، البتہ اس آیت کو تائید کے طور پر ضرور پیش کیا جا سکتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (۵)

۵۔ حافظ محمد امین سلفی نجدی کا نقطہ نظر:

۱۔ قرآن مجید پڑھنے کے لئے وضو ضروری نہیں ہے، البتہ قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے اکثر اہل علم نے وضو ضروری قرار دیا ہے، اگرچہ اس کی دلیل اتنی قوی نہیں۔ بنابریں اگر ہاتھوں پر نجاست وغیرہ نہ لگی ہو تو بلا وضو بھی قرآن کو پکڑا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ جمہور اہل علم کے نزدیک جنابت کی حالت میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے اور یہ قرآن مجید کے احترام کے طور پر ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کو عام ذکر کی طرح جنابت میں بھی جائز سمجھا ہے۔ امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم رحمہم اللہ وغیرہ کا موقف بھی یہی ہے۔ ان کے نزدیک ممانعت کی تمام روایات ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ دلائل کی رو سے اگرچہ انہی اجلاء علماء کی رائے قوی اور راجح معلوم ہوتی ہے لیکن یہ جواز علی الاطلاق مناسب نہیں لگتا بلکہ اس میں قدرے ناپسندیدگی اور کراہت کا پہلو محسوس ہوتا ہے جیسا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ظاہر ہوتی ہے جبکہ آپ پیشاب سے فارغ ہوئے، پھر تیمم کیا اور اس کے بعد سلام کا جواب دیا، اور فرمایا: ''انی کرھت ان اذکر اللہ الا علی طھارۃ'' (٦) میں نے بلا طہارت اللہ کا ذکر کرنا ناپسند کیا تھا۔'' گویا سلام کا جواب بھی آپ نے تیمم کے بعد دیا ہے اور اسے ذکر اللہ قرار دیا۔ قرآن بھی ذکر ہے جو کہ اس ذکر سے بہتر ہے، اس لئے افضل یہی ہے کہ غسل کی بعد ہی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ واللہ اعلم۔ (۷)

۱۔ تہذیب التھذیب، ج ۵ ص ۲۴۲　۲۔ ترتیب المسند، ج ۲ ص ۱۲۱　۳۔ عبدالرزاق مصنف، ج ۱ ص ۳۴۱، ۳۴۲، ۱۳۲۸　۴۔ نصب الرایہ ص ۱۰۳

۵۔ درس ترمذی، ج ۱ ص ۴۰۳-۴۰۴　٦۔ سنن ابی داؤد (اسبانی) : ۱۳　۷۔ سنن نسائی (فوائد)، ج ۱ ص ۲٦۸

۸۔خلاصہ:

☆ دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن مجید کی تلاوت جائز نہیں ہے۔

☆ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن مالک غافقی، حضرت ابووائل رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی جنبی اور حائضہ کو قرآن مجید کی تلاوت منع ہے۔

☆ آئمہ کرام میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام حاکم، امام ابن ابی شیبہ، امام شعبہ، علامہ ذھبی، امام دارقطنی، علامہ بیہقی، حضرت سفیان بن عیینہ، علامہ ہیثمی، علامہ ابن سکن اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی بات کے قائل ہیں، کہ جنبی اور حائضہ قرآن شریف کی تلاوت نہیں کر سکتے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس، امام بخاری، امام ابن منذر، علامہ داؤد ظاہری اور امام طبری کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت جائز ہے۔

☆ امام مالک کے نزدیک جنبی کے لئے قرآن مجید کی تلاوت بطور استغفار جائز ہے، جبکہ حائضہ کے لئے مطلقاً جائز ہے، البتہ حائضہ کے لئے ایک قول ناجائز کا بھی ہے۔

☆ جنبی اور حائضہ کے لئے ذکر اذکار، تسبیح وتہلیل اور، اوراد ووظائف کے جائز ہونے پر اجماع ہے۔

☆ قرآن مجید کی ایک آیت یا اس سے زائد کی تلاوت سے ممنوع ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

☆ ایک آیت سے کم کی تلاوت جمہور احناف کے نزدیک ناجائز، البتہ امام طحاوی، علامہ فخر الاسلام بزدوری اور بعض دوسرے اس کے قائل ہیں۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت بقصد قرأت نہ ہو، بلکہ بقصد تبرک ودعا ہو تو جمہور احناف کے نزدیک یہ جائز ہے۔

☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بقصد استفتاح جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر اجماع ہے۔

مذکورہ روایت کی فنی حیثیت:

اس حدیث مبارکہ سے متعلق فنی ابحاث کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ اس روایت کو امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، امام شعبہ، حضرت سفیان بن عیینہ، امام حاکم، حافظ ذھبی، علامہ بیہقی، امام طحاوی، امام دارقطنی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن سکن، علامہ ابن سید الناس، علامہ بغوی اور امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ اس روایت کی سند میں مذکور راوی حضرت عبداللہ بن سلمہ پر امام بخاری اور امام ابوحاتم نے جرح کی ہے، جبکہ امام عجلی، علامہ

ابن حبان، امام یعقوب بن شیبہ، امام شعبہ، امام ابن عدی، امام ابن عدی، حضرت سفیان بن عیینہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام حاکم اور علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ راوی کی تعدیل وتوثیق کی ہے۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت حضرت عبداللہ بن سلمہ کے علاوہ حضرت ابوغریب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔

۴۔ مذکورہ روایت کے متابعات وشواھد میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عبداللہ بن مالک غافقی، حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابووائل رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت اسماعیل بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ متکلم فیہ راوی ہیں، جبکہ یہ روایت حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے راویوں حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابومعشر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے، حضرت مغیرہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت متابعات وشواھد کی بناء پر ''حسن'' کے درجہ میں ہے۔

۷۔ حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جن آئمہ کے نزدیک ضعیف ہے ان کے نزدیک بھی ضعف شدید نہیں ہے۔

۸۔ جمہور صحابہ کرام، تابعین کرام، آئمہ ثلاثہ، امام سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام اسحاق، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ اور عصر حاضر میں تقریباً تمام امت محمدیہ کا اس روایت پر عمل ہے، جس سے یہ تلقی بالقبول کے درجہ پر ہے۔

بَابُ مُمَاسَّةِ الْجُنُبِ وَمُجَالَسَتِهِ
باب ۱۷۲: جنبی کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹھک

نجاست حکمی ناپاکی ہے، اور انسان کی بحیثیت مسلمان پاکی حقیقی ہے، اس لئے جنبی حکماً ناپاک ہوگا، مگر ذات کے اعتبار سے پاک ہی رہے گا، اسی لئے اس کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹھنا اٹھنا جائز ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں جنبی وحائضہ کے لئے قرأت قرآن کے ممنوع ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں جنبی کے ساتھ میل ملاپ بیٹھک کے جواز کا بیان ہے، اس باب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جنبی وحائضہ سے متعلق مباحات کا بیان شروع کر رہے ہیں۔

۲۶۷۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَنْبَأَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَقِيَ الرَّجُلَ مِنْ أَصْحَابِهِ مَاسَحَهُ وَدَعَا لَهُ. قَالَ: فَرَأَيْتُهُ يَوْمًا بُكْرَةً فَحِدْتُ عَنْهُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُكَ فَحِدْتَ عَنِّي. فَقُلْتُ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَخَشِيتُ أَنْ تَمَسَّنِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی سے ملتے، تو (مصافحہ کے بعد) اسے ہاتھ پھیرتے اور دعا دیتے تھے، ایک دن صبح کے وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور راستہ بدل لیا، پھر میں دن چڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میں نے تمہیں دیکھا، لیکن تم راستہ بدل کر چلے گئے؟ میں نے عرض کیا: میں ناپاکی کی حالت میں تھا، اور میں نے خطرہ محسوس کیا، کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھو نہ لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

مسلمان کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

یعنی جنابت کی حالت میں اس کے ساتھ میل ملاپ، بیٹھک اور اسے چھونا جائز ہے۔

۲۔اطراف:

احمد:۲۳۴۷۶،السنن الکبریٰ:۲۶۵،تحفۃ الاشراف:۳۳۹۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات زندگی گذر چکے ہیں، حضرت سلیمان شیبانی رحمۃ اللہ علیہ، کا تعارف لکھا جاتا ہے، البتہ حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی سرگزشت حیات دوبارہ تفصیل سے سپرد قلم کیے جاتے ہیں!

ا۔اسحاق بن ابراھیم: راجع:۱۲۸ ۲۔جریر: راجع:۲

۳۔الشیبانی:

آپ کا نام ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان شیبانی کوفی ہے، آپ کی وفات ۱۴۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، آپ کے والد کے نام میں بھی شدید اختلاف ہے، علامہ اتیولی نے نام فیروز کو ترجیح دی ہے، جبکہ بعض خاقان اور عمر بھی ذکر کیا ہے، آپ کا تعلق طبقہ غلامان سے تھا، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے سنن نسائی میں پندرہ (۱۵) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عامر نام ہے۔ابو بردہ کنیت۔کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے: عامر بن عبداللہ بن موسیٰ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن حمام جماہر اشعری۔

تعلیم:

ان کے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری بڑے پایہ کے صحابی تھے۔انہوں نے ان کو حصول تعلیم کے لئے مشہور صحابی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس جو مدینہ میں اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے، بھیج دیا تھا۔اس واقعہ کو ابو بردہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ

ا۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۴،ص۱۳۴ ii۔تاریخ الثقات، ص۲۰۳ iii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۴، ص۴۰۱

کو تحصیل علم کے لئے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔

جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: بھتیجے تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کچھ مال واجب ہو تو وہ اگر تم کو گھاس کا ایک گٹھا بھی دے تو اس کو قبول نہ کرنا کہ وہ ربا ہوگا۔(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں مدینہ میں گیا اور عبداللہ بن سلام سے ملا تو انہوں نے کہا، چلو جس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل ہو کر نماز پڑھی ہے تم بھی اس میں چل کر نماز پڑھو تم کو کھجور اور ستو کھلاؤں گا۔(۲) پھر فرمایا بھتیجے تم ایسے مقام پر رہتے ہو جہاں سود عام ہے۔(۳) تم میں سے ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ کسی کو قرض دیتے ہیں اور اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو مقروض خورد و نوش کے سامان کی ایک گٹھری اور چارہ کا ایک گٹھا اپنے ساتھ لاتا ہے یہ ربا ہے۔(۴)

فضل و کمال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور دوسرے بزرگوں کے فیض صحبت نے ابُو بردہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ''ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری الفقیہ احد الائمۃ الاثبات'' (۵) امام نووی لکھتے ہیں۔ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔(۶)

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ''کان ثقۃ کثیر الحدیث'' اس فن میں انہوں نے ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم، عبداللہ بن سلام، اعز المزنی مغیرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، اسود بن یزید نخعی اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔(۷)

تلامذہ:

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سعید اور بلال، پوتے یزید اور عام لوگوں میں امام شعبی، ثابت النبانی، حمید بن بلال، عبدالملک بن نمیر، قتادہ، ابواسحٰق سبیعی وغیرہ لائق ذکر ہیں۔(۸)

فقہ:

فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور امام لکھتے ہیں۔(۹)

عہدہ قضاء:

اس تفقہ کی بنا پر وہ قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسند قضاء پر بیٹھے تھے۔(۱۰) ان کے بعد ان کے لڑکے بلال ان کے

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۵،ص۱۸۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۸۳ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج۱،ص۱۷۹ ۴۔ ایضاً

۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۸۳ ۶۔ تہذیب الاسماء، ج۱،ص۱۸۹ ۷۔ تھذیب التھذیب، ج۱۲،ص۱۸

۸۔ ایضاً ۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۸۳ ۱۰۔ شذرات الذہب، ج۱،ص۱۲۶

جانشین ہوئے۔(۱)

فضائل اخلاق:

فضائل اخلاق کا مجسم پیکر تھے۔ان کی ذات میں تمام اخلاقی محاسن جمع تھے۔یزید بن کہلب جس زمانہ میں خراسان کا والی ہوا اس وقت اس کو ایک جامع اوصاف شخص کی ضرورت ہوئی۔اس نے لوگوں سے کہا مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو خصائل حسنہ میں پورا ہو۔لوگوں نے ابو بردہ کا نام لیا۔

یزید انہیں بلا کران سے ملا۔تجربہ میں انہیں بہترین شخص پایا۔ان کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔انہیں پرکھنے کے بعد ان سے کہا میں تم کو فلاں فلاں عہدہ پر مامور کرتا ہوں۔انہوں نے اس کے عہدے قبول کرنے سے معذرت چاہی۔یزید نہ مانا، اس وقت انہوں نے معذرت میں یہ مذہبی دلیل پیش کی کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عہدہ قبول کر لیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ دوزخ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے تیار رہے۔(۲)

وفات:

۱۰۴ھ میں وفات پائی۔(۳)(۴)

۵۔حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

ابو عبداللہ کنیت، صاحب السر لقب، قبیلہ، عطفان کے خاندان عبس سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے:

حذیفہ بن حسل بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن فروہ ابن حارث بن مازن بن قطیعہ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان العبسی۔

والدہ کا نام رباب بنت کعب بن عدی بن عبدالاشہل تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد اپنی قوم کے کسی شخص کو قتل کر کے مدینہ گئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی عبدالاشہل کے خاندان سے حلف کا تعلق ہوا پھر بعد میں باہم قرابت بھی کر لی۔کہتے ہیں کہ اوس وخزرج کا تعلق چونکہ یمن سے تھا اس لئے ان کی قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا۔(۵) عبدالاشہل میں جو نکاح کیا تھا، اس سے حسب ذیل اولاد پیدا ہوئی، حذیفہ، سعد، صفوان، مدلج، لیلے (۶) یہ لوگ اولاد یمان کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسلام:

والدین نے اسلام کا زمانہ پایا اور مشرف باسلام ہوئے، بھائی بہنوں میں صرف حذیفہ اور صفوان کو یہ سعادت حاصل ہوئی، اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ میں اقامت گزین تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مکہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ سے ہجرت اور

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۵،ص۱۸۷　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۸۳　۳۔ طبقات ابن سعد، ج۵،ص۱۸۷

۴۔ سیر الصحابہ، ج۷،ص۴۱۶۔۴۱۸　۵۔ الاصابہ، ج۱،ص۳۳۲　۶۔ ایضاً، ج۸،ص۲۳۴

نصرت کے متعلق رائے طلب کی تو آپ نے ہجرت کے بجائے نصرت کو ان کے لئے تجویز فرمایا۔ (۱)

غزوات:

اگر چہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، تاہم اپنے باپ کے ساتھ غزوہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن راستہ میں کفار قریش نے روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جانے کی اجازت نہیں، بولے کہ محمد کے پاس نہیں بلکہ مدینہ جاتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اس شرط پر چھوڑا کہ لڑائی میں محمد ﷺ کی طرف سے شریک نہ ہوں، انہوں نے خدمت اقدس میں پہنچ کر ساری داستان سنائی ارشاد ہوا کہ اپنے عہد پر قائم رہو اور مکان واپس جاؤ، باقی فتح ونصرت تو وہ خدا کے ہاتھ ہے، ہم اسی سے طلب بھی کریں گے۔ (۲)

غزوۂ احد میں شریک ہوئے والد بھی موجود تھے، اور ثابت بن وقش کے ساتھ عورتوں کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب مشرکین نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی تو کسی شیطان نے آواز دی۔ دیکھنا مسلمان پہنچ گئے، چنانچہ مشرکین کا ایک دستہ پلٹ پڑا۔ جس سے مسلمانوں کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد درمیان میں تھے، یہ دیکھ کر کہ ان کی خیر نہیں حضرت حذیفہ نے آواز دی خدا کے بندو! یہ میرے باپ ہیں، لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سن سکتا تھا۔ ایک مسلمان نے نادانستہ قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ کو معلوم ہوا تو انتہائی حلم وعفو سے کام لے کر کہا یغفر اللہ لکم! خدا تم لوگوں کی مغفرت کرے۔ (۳) آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو اپنی جیب خاص سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیت عطا کی اور اس فعل کو بہ نظر استحسان دیکھا۔ (۴)

غزوۂ خندق میں نمایاں حصہ لیا قریش مکہ جس سروسامان سے اٹھے تھے اس کا یہ اثر تھا کہ مدینہ منورہ کی بنیادیں ہل گئیں، مدینہ کے چاروں طرف کوسوں تک آدمیوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جناب باری میں دعا کی اور مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھدوائی ایک رات عجیب واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کی حق میں تائید غیبی سے کم نہ تھا۔ قریش کا لشکر جنگل میں خیمہ زن تھا کہ یکا یک نہایت تیز وتند ہوا چلی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور سردی نہایت تیزی سے چمک اٹھی ابوسفیان نے کہا اب خیر نہیں یہاں سے فوراً کوچ کرنا چاہئے۔ (۵) آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی بڑی فکر تھی ارشاد ہوا ''کوئی جا کر مشرکین کی خبر لائے تو اس کو قیامت میں اپنی معیت کی بشارت سناتا ہوں۔'' سردی اور پھر ہوا کی شدت کوئی شخص حامی نہ بھرتا تھا، آپ نے ۳ مرتبہ یہی جملہ دہرایا لیکن کسی طرف سے جواب میں کوئی صدا نہ اٹھی چوتھی بار آپ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا کہ ''تم جا کر خبر لاؤ''۔ چونکہ نام لے کر پکارا تھا، اس لئے تعمیل ارشاد میں اب کیا چارہ تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر خدمت اقدس میں آئے ارشاد ہوا دیکھو، ''مشرکین کو میری طرف سے خوف نہ دلانا''، یعنی موقع پا کر کسی پر حملہ نہ کر دینا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بہت تیز چلے مشرکین کے پڑاؤ پر پہنچے تو دیکھا کہ ابوسفیان پیٹھ سینک رہا ہے چاہا کہ تیر وکمان سے اس کا خاتمہ کر دیں لیکن پھر آنحضرت ﷺ کا قول یاد آیا اور اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ واپس ہوئے تو دیکھا آنحضرت ﷺ اب تک نماز میں مصروف ہیں، نماز سے فارغ ہوئے تو خبر سنی اس کے بعد آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کمبل اوڑھایا

۱۔ اسد الغابہ، ج۱، ص۳۹۱　۲۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۸۹　۳۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۵۸۱
۴۔ الاصابہ، ج۲، ص۱۴　۵۔ طبقات ابن سعد، ج۲، ص۵۰

وہ یہیں شب باش ہوئے، صبح ہوئی تو فرمایا قم یا نومان (۱) اے سونے والے اب اٹھ۔
خندق کے بعد دیگر غزوات اور واقعات میں بھی شرکت کی۔

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ سنا (۲) اور اس کے ۴۰ روز کے بعد خود بھی وفات پائی، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔
وفات سے پہلے ان کی عجیب کیفیت تھی نہایت سراسیمہ، خوف زدہ اور شدید گریہ و بکا میں مصروف تھے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو بولے کہ دنیا چھوڑنے کا غم نہیں موت مجھ کو محبوب ہے، لیکن اس لئے رو رہا ہوں کہ معلوم نہیں وہاں کیا پیش آئے گا، اور میرا حشر کیا ہوگا۔ جس وقت انہوں نے آخر سانس لی تو فرمایا ''خدایا اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کرنا کیونکہ تو جانتا ہے کہ تجھے میں نہایت محبوب رکھتا ہوں۔ (۳)

جنازہ کے ساتھ کثیر مجمع تھا، ایک شخص نے اشارہ کر کے کہا کہ میں نے ان سے سنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے کہ اس کے بیان کرنے میں ہم کو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تم لوگ آمادہ قتال ہو تو میں اپنے گھر بیٹھ رہوں گا، اس پر بھی کوئی وہاں پہنچے گا تو کہوں گا کہ آ اور میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لے۔ (۴)

وفات کے وقت اپنے دو بیٹوں کو وصیت کی کہ علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا، چنانچہ ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور صفین میں قتل ہوئے۔ (۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، صفوان سعید، صاحب طبقات کے زمانہ میں ان کی اولاد مدائن میں موجود تھی۔ (۶) بیویاں غالباً دو تھیں۔

حلیہ:

صورت سے حجازی معلوم ہوتے تھے حلیہ تھا، قد متوسط، بدن اکبر کے آگے کی دانت خوبصورت (۷) نظر اس قدر تیز تھی کہ صبح کے اندھیرے میں تیر کا نشانہ دیکھ لیتے تھے۔

فضل وکمال:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ علمائے کبار میں تھے فقہ وحدیث کے علاوہ اسلام پر قیامت تک جو انقلابات ہونے والے ہیں، ان کے بہت بڑے عالم تھے، منافقین اسلام کے متعلق جو واقفیت تھی، اس کے لحاظ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ بھی تھے، دجال کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں اس کے متعلق ان سے

۱۔ صحیح مسلم، ج ۲ ص ۸۹ ۲۔ طبقات ابن سعید، ج ۶ ص ۸ ۳۔ اسد الغابہ، ج ۱ ص ۳۹۲ ۴۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۸۹
۵۔ استیعاب، ج ۱ ص ۱۰۵ ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۹ ۷۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۰۰-۴۰۳

زیادہ معلومات رکھتا ہوں۔(۱)

آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایک خطبہ میں قیامت تک کے تمام واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان فرمائے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو وہ خطبہ یاد تھا بعض باتیں فراموش ہوگئی تھیں لیکن جب کوئی واقعہ پیش آتا تو یاد آجاتی تھیں، بعینہ اس طرح کہ آدمی کسی شخص کو ایک مرتبہ دیکھتا ہے اور پھر اس کو بھول جاتا ہے لیکن پھر جب کبھی سامنا ہوتا ہے تو اس کی پہلی صورت آنکھوں میں پھر آجاتی ہے۔(۲)

ان کا خود بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں تمام واقعات کی خبر دے دی تھی، صرف ایک بات باقی رہ گئی تھی، اور وہ یہ کہ مدینہ والوں کے مدینہ سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا۔(۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم عام طور پر آنحضرت ﷺ سے فضائل اعمال نماز روزہ اور اسی قسم کی باتیں دریافت کرتے تھے، لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں پوچھتے تھے ان کا قول ہے کہ:

كنت اساله عن الشر فخافة ان يدر كني ۔(۴)

میں آنحضرت ﷺ سے برائیاں پوچھتا تھا، کہ ان میں بتلا نہ ہو جاؤں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا لقب ''محرم راز نبوت'' تھا حضرت ابودرداء کہتے تھے۔

اليس فيكم صاحب السر

کیا تم میں اسرار کا سب سے بڑا عالم موجود نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم جمع تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فتنہ کے متعلق کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مال و دولت اہل و عیال اور ہمسایہ کے متعلق آدمی سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے اس کا نماز، صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کفارہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پوچھنے کا یہ مقصد نہیں، وہ فتنے بتاؤ جو سمندر کی طرح جوش ماریں گے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''آپ کے اور ان کے درمیان ایک دروازہ حائل ہے اس لئے آپ کو تردد کی ضرورت نہیں'' فرمایا ''دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا''۔ بولے ''توڑا جائے گا فرمایا تو پھر کبھی بند نہ ہوگا کہا جی ہاں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک مجلس میں یہ حدیث بیان کی وہاں شقیق بھی تھے، انہوں نے کہا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ کی خبر تھی؟ فرمایا ہاں جس طرح تم یہ جانتے ہو کہ دن کے بعد رات ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا تو دروازہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا خود عمر رضی اللہ عنہ (۵)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی بہت سی روایتیں ثابت ہیں اور اس قسم کے اسرار ان کو بہت معلوم تھے جو زیادہ تر اسلام کی سیاست سے تعلق رکھتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی ماہرین اسرار تھے جن کا وجود ہم کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ۔(۶)

۱۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۵۱۴ ۲۔ ایضاً، ص۴۹ ۳۔ ایضاً
۴۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۴۹ ۵۔ ایضاً، ص۱۰۵۱ ۶۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۴۹۷

''میں اس وقت سے قیامت تک کے تمام فتنوں کو جانتا ہوں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرے سوا اور کسی کو ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ہم کو ایک مجلس میں ایک دن یہ باتیں بتلائیں تھیں۔ اور چھوٹے بڑے تمام واقعات کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان میں سے میرے سوا اب کوئی باقی نہیں''۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے علم سے وقتاً فوقتاً کام لیتے اور مسلمانوں کو ان کے مستقبل کی نسبت مطلع کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ عامر بن حنظلہ کے گھر میں خطبہ دیا تو فرمایا۔

ان هذا الحی من مضر لا تدع الله فی الارض عبداصالحا الا افتنته واهلكته حتی يدر كها الله بجنود من عباده فبذلها حتی لا متنع ذنب تلقه

قریش ایک زمانہ مین دنیا کے کسی نیک بندہ کو نہ چھوڑیں گے اور اس کو فتنہ سے آلودہ کر کے ہلاک کریں گے اس وقت خدا ان کو اپنے بندوں کی ایک فوج سے بالکل پامال کر دے گا۔

لوگوں نے کہا آپ کیا کہتے ہیں، آپ خود بھی تو قریش ہیں، فرمایا اس کو کیا کروں میں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔ (۱)

ایک مرتبہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے دو باتیں بیان کی تھیں جن میں ایک کو میں دیکھ چکا ہوں دوسری کا انتظار ہے۔ اس کے بعد خود کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک وقت تھا کہ جس امیر سے بیعت کرتا اس کی نسبت مجھ کو کچھ تردد نہ ہوتا تھا، اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسلام کے ذریعہ اور نصرانی ہوتا مسلمان عمال کے ذریعہ سے ہم پر حکومت کرتا تھا لیکن اب میں بیعت میں تامل کرتا ہوں، میری نگاہ میں اس کے اہل صرف چند اشخاص ہیں میں انہی کے ہاتھ پر بیعت کر سکوں گا۔ (۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے مستقبل کی نسبت ایک پیشینگوئی فرمائی ہے، جو آج ہماری حالت پر بالکل صادق آتی ہے اور وہ یہ ہے۔

لاتقوم الساعة حتی يسود كل قبيلتها نافقوها۔ (۳)

قیامت اس وقت آئے گی جب قبیلوں کے سردار منافق ہو جائیں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کو صاحب خلاصہ نے سو (۱۰۰) سے اوپر شمار کیا ہے یہ ذخیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا۔

ان کے راویان حدیث میں متعدد صحابہ وہی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں جابر، جندب بن عبداللہ بجلی، عبداللہ بن یزید خطمی، ابوالطفیل رضی اللہ عنہم، تابعین میں کثیر جماعت ہے بعض کے نام یہ ہیں، قیس بن ابی حازم ابووائل، زید بن وہب، ربعی بن خراش، زر بن حبیش، ابوظبیان، حصین بن جندب، صلہ بن زفر، ابوادریس خولانی عبداللہ بن عکیم، اسود بن یزید نخعی، عبدالرحمان بن یزید، عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ، ہمام بن الحارث، یزید بن شریک التیمی۔

مہمات سلطنت کی وجہ سے اگرچہ بہت کم فرصت رہتی تھی تاہم جب کبھی فرصت ملتی تو حدیث کا درس دیتے تھے کوفہ کی مسجد میں حلقہ قائم ہوتا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان فرماتے۔ (۴)

۱۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۰، ۳۹۵، ۴۰۴　۲۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۰۴۹، ۱۰۵　۳۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۰۶　۴۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۰۳

شاگردان کا نہایت ادب کرتے تھے اوران سے ڈرتے تھے بشکری ایک مرتبہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ تمام مجمع خاموش اور ایک شخص کی طرف ہمہ تن متوجہ ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

کانما قطعت رئوسھم(۱)

گویا مجمع کے سرکاٹ لئے گئے ہیں۔

شاگردوں کے خوف کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق فتنہ والی حدیث بیان کی تو باوجود اس کے کہ پوری رموز واشارات کا مجموعہ تھی کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی چنانچہ انہوں نے سرورق کو جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔(۲)، اس کے پوچھنے پر آمادہ کیا اورانہوں نے پوچھا۔

اخلاق وعادات:

زہد کا یہ عالم تھا کہ مدائن کے زمانہ امارت میں بھی طرز معاشرت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوا عجم کی آب وہوا میں رہنے اور منصب امارت پر فائز ہونے کے باوجود کوئی ساز وسامان نہیں رکھتے تھے، سواری کے لئے ہمیشہ گدھا استعمال کرتے تھے، استغناء کا یہ عالم تھا کہ قوت لایموت سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ حضرت عمر نے کچھ مال بھیجا تو سب اٹھا کر تقسیم کردیا۔(۳)

اس استغناء کے ساتھ عبادت اور ذکر الٰہی میں جوانہماک تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام رات نماز پڑھتے رہ گئے اور اف تک نہ کی صبح کے وقت جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پکاری تو اس وقت تک ان بزرگوں کی صرف دو رکعتیں ہوئی تھیں۔(۴)

امر بالمعروف کا یہ حال تھا کہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو کہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے غایت احتیاط کی بناء پر شیشی میں پیشاب کرنا شروع کیا کہ چھینٹ نہ پڑنے پائے ان کو معلوم ہوا تو کہا کہ یہ شدت ٹھیک نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک گھوڑے پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، میں آپ کے ساتھ تھا، ہٹنا چاہا تو ارشاد ہوا کہ قریب رہو چنانچہ میں بالکل آپ کی پشت کے قریب ہی کھڑا رہا۔(۵)

ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے باتیں کررہے تھے حذیفہ رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاق میں شمار کی جاتی تھیں۔(۶)

ایک شخص مسجد میں نہایت عجلت سے نماز پڑھ رہا تھا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا تم کتنے زمانہ سے اس طرح نماز پڑھتے ہو؟ بولا ۴۰ برس سے، فرمایا تمہاری ۴۰ سال کی نماز بالکل رائیگاں گئی اور اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے تم مرگئے تو دین محمدی پر نہ مروگے اس کے بعد اس کو نماز کا طریقہ بتلایا اور کہا چھوٹی رکعت پڑھو لیکن رکوع وسجود میں اعتدال کا خیال رکھو۔(۷)

۱۔ مسند احمد، ج۵، ص۳۸۶ ۲۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۵۱ ۳۔ اسد الغابہ، ج۱، ص۳۹۲
۴۔ مسند احمد، ج۵، ص۴ ۵۔ ایضاً، ج۵، ص۳۸۲ ۶۔ ایضاً، ص۳۸۴
۷۔ ایضاً

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں ربعی زیارت کے لئے مدائن آئے تو پوچھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کن لوگوں نے کیا ہے ربعی نے نام گنائے تو فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اور امارت کو ذلیل کیا وہ خدا کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے۔(۱)

ایک شخص مجلس کے وسط میں بیٹھا تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے۔(۲)

عرب میں وفات کی خبر نہایت اہتمام سے مشتہر کی جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس پر اس شدت سے عامل تھے کہ جب کوئی مرتا تو اس کی خبر تک نہ کراتے کہ شاید اس میں بھی وہ صورت پیدا ہو جائے۔(۳)

راستبازی خاص شعار تھی ان کے ایک شاگرد ربعی حدیث روایت کرتے تو کہتے۔

حدثني من لم يكذبني

مجھ سے اس نے حدیث بیان کی جو مجھ سے جھوٹ نہ بولتا تھا۔

لوگ سمجھ جاتے کہ حذیفہ مراد ہیں۔(۴)

ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی باتیں پہنچاتا تھا، سامنے سے نکلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ امراء کے پاس تمام خبریں لے جاتا ہے فرمایا ایسا شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔(۵)

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے صحابی کا بتلایئے جو آپ سے رفتار و گفتار و مذہب غرض ہر چیز میں مشابہ ہو۔ فرمایا ایسے شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں لیکن جب تک گھر کے باہر رہتے ہیں باقی گھر میں کیا کرتے ہیں اس کی مجھ کو اطلاع نہیں۔(۶)

عفو و درگذر جس پیمانہ پر موجود تھا وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے ان کے والد کو مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا۔ انہوں نے غصہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کے بجائے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عفو و درگذر کی صفت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میں اخیر وقت تک موجود تھی۔(۷)

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حال غزوۂ خندق کے سلسلہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک شخص بھی مشرکین کے لشکر میں جانے کی ہمت نہ کرتا تھا، لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی بشارت حاصل کی۔

ایک مرتبہ راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور آپ ان کی طرف بڑھے تو بولے میں جنبی ہوں، فرمایا مومن نجس نہیں ہو سکتا۔(۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سعادت حاصل ہوتی تو پہلے خود نہ شروع کرتے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء فرماتے تھے۔(۹)

۱۔ مسند احمد، ص ۳۸۷　۲۔ ایضاً ص ۳۹۸　۳۔ ایضاً، ج ۵، ص ۴۷۶　۴۔ ایضاً ص ۳۸۵، ۴۰۱

۵۔ ایضاً ص ۳۸۹　۶۔ ایضاً ص ۳۸۹-۳۹۴　۷۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۸۱

۸۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۸۴　۹۔ ایضاً ۳۸۳

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تقرب وخصوصیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ سے ٹیک لگائی۔(۱) ایک مرتبہ آزار کی حد بتائی تو ان کی پنڈلی دست مقدس سے پکڑی،(۲)۔غزوۂ خندق کی رات کو مشرکین کی خبر لائے تو اپنا کمبل اوڑھایا اور اپنی سواری پر بٹھایا(۳)، ایک رات اپنے حجرہ میں رکھا ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے اٹھے تو لحاف کا ایک کنارہ خود اوڑھے تھے اور دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر پڑا تھا وہ نسوانی مجبوری کی وجہ سے نماز کو نہ اٹھ سکیں۔(۴)

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو بسا اوقات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے اور اتنے عرصہ تک شرف صحبت سے مشرف رہتے۔(۵)

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے، اور طہارت کے لئے پانی دیتے تھے۔(۶)

ایک روز ان کی والدہ نے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کب سے نہیں گئے انہوں نے مدت بیان کی تو بہت خفا ہوئیں اور سخت سست کہا بولے اچھا چھوڑیے جاتا ہوں، اور مغرب کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ پڑھتا ہوں اور اپنے اور آپ کے لئے استغفار کراتا ہوں چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھ کر آپ کے پیچھے ہوئے، آپ نے مڑ کر دیکھا تو یہ نظر آئے پوچھا کون حذیفہ رضی اللہ عنہ! فرمایا غفر الله لك و لا ملك۔(۷) خدا تجھے اور تیری ماں دونوں کو بخشے۔

تمام لوگوں سے اچھی طرح ملتے لیکن بیوی سے سخت گفتگو کرتے، اس کا احساس ہوا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کی ارشاد ہوا کہ تم استغفار کیا کرو۔(۸)

غصہ کم آتا تھا لیکن جب احکام شرع پامال ہوتے دیکھتے تو ان کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی، مدائن میں کسی جگہ پانی مانگا ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں لاکر پیش کیا۔ تو انہوں نے جھنجلا کر پیالہ اس پر کھینچ مارا اور فرمایا کیا میں نے تم کو تنبیہ نہیں کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔(۹)

بغض وکینہ دیر تک قائم نہ رکھتے جن لوگوں سے شکر رنجی ہو جاتی تھی ان سے جلد صاف ہو جاتے تھے اصحاب عقبہ میں سے ایک صاحب سے کسی معاملہ میں بگاڑ ہو گیا تھا اور بول چال ترک ہو گئی تھی لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خود ہی چھیڑ کر گفتگو کی اور بالآخران کو بھی اپنا طرز عمل بدلنا پڑا۔(۱۰)

استغناء کے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں طبعاً بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، کوئی کھانے کے وقت پہنچ جاتا تو اس کو شریک کر لیتے۔(۱۱)

مذکورہ بالا محاسن ومکارم کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے جس جنازہ پر وہ نماز پڑھتے خود بھی پڑھتے اور جس پر وہ نماز نہ پڑھتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہ پڑھتے تھے۔(۱۲)

۱۔ مسند احمد، ص ۳۹۱ ۲۔ ایضاً، ص ۳۸۲ ۳۔ ایضاً، ص ۳۹۳ ۴۔ ایضاً، ص ۴۰۰ ۵۔ ایضاً، ص ۳۹۲ ۶۔ ترمذی، ج ۱، ص ۶۲
۷۔ مسند، ج ۵، ص ۳۹۴ ۸۔ ایضاً، ص ۳۹۶ ۹۔ ایضاً، ص ۳۹۰ ۱۰۔ ایضاً، ص ۳۹۶ ۱۱۔ ایضاً، ص ۳۹۶ ۱۲۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۳۹۱

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اپنی اپنی تمنائیں پیش کیجئے سب نے کہا کہ زر و جواہر سے بھرا ہوا ایک گھر ملتا اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میری تمنا تو یہ ہے کہ مجھ کو ابو عبیدہ، معاذ بن جبل اور حذیفہ رضی اللہ عنہم بن یمان جیسے لوگ ملیں اور ان کو سلطنت کے عہدے تفویض کروں۔(۱)(۲)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ انانوے ویں (۸۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ حدیث کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی کوفی ہیں۔

☆ حضرت سلیمان شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، آپ کی شیبانی نسبت قبیلہ بکر بن وائل کے پردار شیبان بن عا تک کی طرف ہے۔

☆ امام محمد بن حسین شیبانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

☆ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے تقریباً سو (۱۰۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ آپ رازدان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ صحابہ کے درمیان ستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور تھے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو قیامت تک کے حالات اور فتنوں کا علم عطا فرمایا تھا۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذالقی :	جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملتے۔
الرجل :	آدمی۔صحابی۔
ماسحه :	آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہاتھ پھیرتے۔
دعاله :	آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دعا دیتے۔
رایته :	میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

۱۔ اسد الغابۃ، ص ۳۹۲　　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۵۵۵۔۵۶۸

یوما بکرۃ:	ایک دن صبح کے وقت۔
فحدت عنه :	میں نے راستہ بدل لیا، میں نے آپ ﷺ سے رخ بدل لیا۔
اتیته :	میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
حین ارتفع النهار :	جب دن چڑھ گیا۔
انی کنت جنبا :	میں ناپاک تھا۔
خشیت :	میں نے خوف محسوس کیا۔
ان تمسنی :	کہ آپ ﷺ مجھے چھولیں گے۔
المسلم :	مسلمان۔
لاینجس :	وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

۲۶۸۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا يَحْيَى قَالَ :حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ :حَدَّثَنِي وَاصِلٌ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ وَهُوَ جُنُبٌ فَأَهْوَى إِلَيَّ .فَقُلْتُ :إِنِّي جُنُبٌ .فَقَالَ :إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
آقا کریم ﷺ اور میرا آمنا سامنا ہوا، اس وقت میں حالت ناپاکی میں تھا، آپ ﷺ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا ،تو میں نے عرض کیا: میں جنبی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۳۷۲،ابوداؤد:۲۳۰،ابن ماجہ:۵۳۵،احمد:۲۳۳۲۴،السنن الکبریٰ:۲۶۴،تحفۃ الاشراف:۳۳۳۹

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت واصل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھے جاتے ہیں، اسی طرح حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ کی سرگزشتہ حیات دوبارہ تفصیلی سپرد قلم کی جارہی ہے:

۱۔اسحاق بن منصور: راجع:۸۸ ۲۔یحییٰ: راجع:۱۳۳

۳۔ حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

مسعر نام ہے، ابوسلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے:

مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلاک بن عامر بن صعصہ قرشی عامری۔

فضل وکمال:

حضرت مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تبع تابعین میں تھے۔ حضرت یعلی بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی جامع تھی۔ (۱)، عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے۔ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر رحمۃ اللہ علیہ اور ایوب رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا۔ (۲)، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۳)

حدیث:

حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں سے تھے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں حافظ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں، (۴)، ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں۔ (۵)

حدیث میں انہوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابواسحٰق سبیعی، عطاء معن، سعید بن ابراہیم، ثابت بن عبداللہ انصاری، عبدالملک بن نمیر، بلال بن جناب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرثد، قتادہ، معن ابن عبدالرحمٰن، مقدام بن شریح اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا۔ (۶)

ان کی مرویات کا پایہ:

ان کی روایات کی صحت کے لئے یہ کافی ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث انہیں مصحف (۷) کہتے تھے ان کی ذات احادیث کی جانچ کے لئے معیار تھی میزان ان کا لقب ہو گیا تھا۔ (۸)

کم ایسے محدثین نکلیں گے جن کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید کی گئی ہو لیکن حضرت مسعر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ (۹)

آئمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو مسعر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے تھے۔ (۱۰) ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان یعنی مسعر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتے تھے۔ (۱۱)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۷۰ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۱۱۴ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ا، ص ۸۹
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۶۹ ۵۔ ایضاً ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۱۱۴
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۶۹ ۸۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۱۱۴ ۹۔ ایضاً
۱۰۔ تہذیب الاسماء، ج ا، ص ۸۹ ۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۷۰

احتیاط:

اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ ''کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں کہ گر کر چور چور ہو جاتیں''۔(۱) ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مسعر رحمۃ اللہ علیہ اپنی احادیث میں بڑے شکی تھے لیکن وہ کوئی غلطی نہ کرتے تھے۔ اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر رحمۃ اللہ علیہ کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا۔(۲)

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر رحمۃ اللہ علیہ اپنی حدیثوں میں شک کرتے تھے، انہوں نے کہا ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔(۳)

فقہ:

فقہ میں کافی دسترس تھی اور صاحب افتاء جماعت میں تھے۔(۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے تعلق خاطر:

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ تلامذہ میں تو نہ تھے، مگر ان کی ذات اور ان کے اصحاب سے ان کو بڑا تعلق خاطر تھا اور ان کے علم و فضل کے مداح تھے۔ کوفہ میں امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس کے قریب ہی ان کا حلقہ درس بھی تھا، بسا اوقات درس سے فارغ ہو کر استفادہ کی غرض سے امام اور ان کے اصحاب کی مجلس درس میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی بعض تلامذہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی اور انہوں نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ سے احادیث رسول کے سماع کے لئے آتے ہیں اور آپ اہل بدعت (یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب) سے سماع کرتے تھے یہ سن کر ان کو غصہ آ گیا، فرمایا کہ درس سے اٹھ جاؤ اگر ان میں ان کا کوئی معمولی آدمی بھی زمانۂ حج کے پورے مجمع میں پہنچ جائے تو ان کے دامن کو علم سے بھر دے۔(۵)

حلقۂ درس:

مسجد میں حلقۂ درس تھا، عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم حدیث ارد گرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے۔(۶)

زہد و عبادت:

ان کی ماں بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ ان کے فیض تربیت کا مسعر رحمۃ اللہ علیہ پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا، ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد جاتے، مسعر نمدہ لئے ہوتے تھے۔ مسجد پہنچ کر ماں کے لئے نمدہ بچھا دیتے جس پر کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھتیں، مسعر مسجد کے دوسرے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے، نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شائقین حدیث آ کر

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۷۰　　۲۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۱۱۴　　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۶۹

۴۔ اعلام الموقعین، ص۲۸　　۵۔ مناقب مکی، ج۲، ص۱۶۶　　۶۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۱۰۵۳

جمع ہو جاتے، مسعر انہیں حدیثیں سناتے اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں مسعر درس ختم کرنے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے، ان کے صرف دو ٹھکانے تھے گھر یا مسجد۔(۱) کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔(۲)

روزانہ شب کو نصف قرآن تمام کر ڈالتے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کئے بغیر نہ سوتے تھے۔(۳)۔ تلاوت قرآن ختم کرنے کے بعد چادر لپیٹ کر سو جاتے، ایک ہلکی سی جھپکی لینے کے بعد پھر اس طرح چونک پڑتے جیسے کسی کی کوئی چیز کھو گئی ہو اور وہ پریشان ہو کر اس کی تلاش کر رہا ہو، اٹھ کر وضو اور مسواک کرتے پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا تھا مگر اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ:

و کان یجتھد علی اخفاء ذالک جداً(۴)

''وہ اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے''۔

آخرت کا خوف اور رقت قلب:

آخرت کی باز پرس سے ہر وقت ترساں اور لرزاں رہتے تھے ان کے ایک پڑوسی کا بیان ہے کہ ایک دن یکایک مسعر رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ طاری ہو گیا ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی والدہ بھی رونے لگیں، مسعر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اماں جان! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ بولیں! بیٹا میں نے تم کو روتے دیکھا اس لئے میں بھی رو پڑی۔ بیٹے نے کہا اماں! کل جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے تصور سے میں اس قدر روتا ہوں، پوچھا وہ کیا؟ اس پر مسعر پھر پھوٹ پڑے اور روتے ہوئے جواب دیا کہ اماں! قیامت اور اس کی ہولناکی، یہ کہہ کر ماں کے پاس سے اٹھے اور چلے گئے تاکہ ان کی اس کیفیت سے ان کو مزید رنج نہ پہنچے۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہر وقت ان پر رقت طاری رہتی۔(۵)

وہ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد بھی رکے نہیں بلکہ ان کی روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے۔ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا۔(۶)

معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا ہر دن پہلے دن سے افضل پایا وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں شک نہ کرتے تھے۔ حضرت حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔(۷)

علامہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یا اسی درجہ کے کسی اور بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے۔(۸)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۵۳　۲۔ ایضاً ص ۳۵۴　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۷۰

۴۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۳ ص ۷۲　۵۔ ایضاً ص ۷۳۔۶　تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۷۰

۷۔ ایضاً ص ۱۶۹　۸۔ ایضاً ص ۱۷۱

من كان ملتمساً جليساً صالحاً　　فليات حلقة مسعر بن كدام

جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو　　اس کو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آ جانا چاہئے

فيها السكينة والوقار واهلها　　اهل العفاف وعلية الاقوام

اس میں سکینہ ہے اور وقار ہے اور اس کے ارکان　　پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی:

اس زندگی کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شان وشوکت سے بالکل بے نیاز تھے چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابوجعفر عباسی آپ کا عزیز تھا اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا انہوں نے کہا کہ میرے گھر والے تو مجھے دو درہم کا سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارا دو درہم کا سودا کرنا بھی پسند نہیں کرتے اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو، خدا تم کو صلاحیت دے، ہماری قرابت داری ہے اس لئے ہمارا حق ہے (کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں) ان کی اس عذر پر ابوجعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔ (۱)

عادات واخلاق:

نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے جب کبھی کوئی انہیں ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے تو محض اس کی دل شکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے۔ (۲)، زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے تھے یہ عادات عنفوان شباب ہی سے پیدا ہو گئی تھیں۔ ماں کی خدمت اور ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔

ایک بار ماں نے عشاء کے بعد پانی مانگا وہ پانی لے کر آئے تو وہ سو چکی تھیں، انہوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا اور پوری رات کھڑے رہے کہ نہ جانے کس وقت ماں کی نیند ٹوٹ جائے۔ (۳)

حکیمانہ اقوال:

فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ محزون وغمگین آواز سنوں اس لئے کہ اس سے موت اور آخرت کا تصور سامنے آتا ہے۔ (بخلاف قہقہے اور چہچہے کے سننے سے آدمی کے اندر خدا سے غفلت پیدا ہوتی ہے)

فرماتے تھے کہ آدمی کے نفس کا جو بھی تقاضا ہوتا ہے اس کے اوپر وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیث کا۔

الاثم ماحاك في نفسك

"گناہ وہ ہے جو آدمی کے دل میں کھٹکے"۔

آپ سے پوچھا گیا، کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کے عیوب آپ کے سامنے بیان کرے، فرمایا کہ ہاں اگر وہ خیر خواہی کی بناء پر بیان کرتا ہے تو میں اس کو پسند کروں گا اور اگر مقصد محض شماتت ہے تو پھر پسند نہیں کروں گا۔

اکثر حزینہ اور آخرت کا تصور دلانے والے اشعار ان کی زبان پر ہوتے تھے۔ مثلاً

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۰۷　　۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۵۳　　۳۔ ایضاً

الا قد فسد الدھر فاصخی حلوہ مرا
زمانہ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ اس کی شیرینی بھی تلخ ہو گئی ہے

فالزم نفسك الياس من الناس تعش مرا
لوگوں سے کوئی امید نہ رکھو تو زندگی آزادی سے گزرے گی

تفنى اللذازه من نال صفوتها من الحرام ويبقى الاثم والعار
وہ لذتیں اور آسائشیں جو حرام ذرائع سے کسی کو حاصل ہوں اور جس کے پیچھے گناہ اور ذلت بھی ہو

تبقى عواقب سوء من بغيتها لاخير فى لذة من بعدها النار
ان کے نتائج انجام کار برے ہی ہوتے ہیں اور اس کوئی خوبی اور بھلائی نہیں جس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہو
لذت وآسائش میں　(۱)

۴۔واصل:

آپ کا نام واصل بن حیان احدب بیاع سابری اسدی کوفی (م:۱۲۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، ثابت تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں تین احادیث (۲۶۸، ۴۰۱۳، ۴۰۱۴) مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔ابووائل بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

شقیق نام ہے۔ابووائل کنیت۔والد کا نام سلمہ تھا۔نسباً قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تھے شقیق اپنے نام سے زیادہ کنیت سے مشہور ہیں۔

عہد رسالت:

ابووائل عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے، لیکن کم سن تھے۔عمر بن مروان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابووائل سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔انہوں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔لیکن اس وقت میں نوخیز لڑکا تھا۔(۳) لیکن بروایت صحیح وتابعی ہیں۔

اسلام:

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں وہ مشرف باسلام ہوئے۔مغیرہ کا بیان ہے کہ ابووائل کہتے تھے کہ ہمارے قبیلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحصیلدار آیا۔وہ ہم سے ہر پچاس اونٹنیوں پر ایک اونٹنی لیتا تھا۔میرے پاس ایک مینڈھا تھا میں نے اس کو لا کر پیش کیا

۱۔ سیر الصحابہ، ج۸، ص۲۹۹۔۳۰۵　۲۔ i۔سؤالات ابن جنید، ص۲۴۴　ii۔الثقات، ج۷، ص۵۵۸
۳۔ طبقات ابن سعد، ج۷، ص۱۳۵

اور کہا اس کا صدقہ لو۔ اس نے کہا اس میں صدقہ نہیں ہے۔(۱)

عہد صدیقی:

عہد صدیقی میں ان کے قبیلہ نے بھی صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ابووائل بھی اس جماعت میں شامل تھے سلیمان الاعمش کا بیان ہے کہ شفیق مجھ سے کہتے تھے کاش تم ہم کو بزاخہ کے معرکہ میں خالد بن ولید کے مقابلہ میں بھاگتے ہوئے دیکھتے۔ اس دم میں اونٹ سے گر پڑا تھا اور میری گردن ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھی۔ اگر میں اس دن ہلاک ہو گیا ہوتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی۔ عہد صدیقی میں بنی اسد پر فوج کشی کا معرکہ)، بعد میں ان کے قبیلہ نے زکوٰۃ ادا کر کے اطاعت قبول کر لی تھی۔

عہد فاروقی میں تلافی مافات:

عہد فاروقی میں انہوں نے اس لغزش کی پوری تلافی کر دی۔ عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ قادسیہ کے مشہور معرکہ میں موجود تھے۔(۲)

شام کی مہم میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، خود ان کی زبانی یہ روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی فوج کشی میں شریک ہوا، غالباً اس سے مراد سفر شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشایعت ہو گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا برتاؤ:

ان کی خدمات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے چار عطیے دیئے اور کہا ایک نعرۂ تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(۳)

جنگ صفین:

عہد مرتضوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں نکلے، لیکن بعد میں اس شرکت پر متاسف تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ کسی نے ابووائل سے پوچھا کہ آپ نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی؟ فرمایا ہاں شریک ہوا تھا، لیکن دونوں صفیں نہایت بری تھیں۔(۴)

حجاج اور ابووائل:

اموی عہد میں ابووائل:

اموی عہد میں ابووائل کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ حجاج خصوصیت کے ساتھ بہت مہربان تھا۔ اس نے آپ کے سامنے بعض بڑے عہدے پیش کئے لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا۔(۵)

خود آپ کا بیان ہے حجاج جب (کوفہ) آیا تو مجھے بلا بھیجا میں اس کی طلبی پر گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ میں نے کہا تم کو معلوم ہی ہو گا ورنہ مجھے بلاتے کیسے، پوچھا آپ کو کتنا قرآن یاد ہے۔ میں نے کہا اتنا کہ اگر میں اس کی پابندی کروں تو وہ میرے لئے کافی ہو۔(۶)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۳۵　۲۔ ایضاً، ج ۶، ص ۶۴　۳۔ ایضاً ص ۶۴

۴۔ ایضاً ص ۶۴　۵۔ ایضاً　۶۔ ایضاً

ان سوالات کے بعد اس نے کہا میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ کو بعض عہدے دینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کون سا عہدہ۔ اس نے کہا سلسلہ سزا دینے کا ایک عہد (بیڑی)۔ میں نے کہا یہ عہدہ ان لوگوں کے لئے موزوں ہے جو ذمہ داری کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں۔ اگر آپ مجھ سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ایسے عقل خوردہ سے مدد لیں جس کا برے مددگاروں سے سابقہ ہوگا۔ اس لئے اگر آپ مجھے اس عہدہ سے معاف رکھیں تو میرے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔ اور اگر آپ کو اصرار ہے تو میں اس پرخطر عہدہ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مگر یہ بھی عرض کر دوں کہ ایسی جماعت میں جبکہ میں آپ کا عہدہ دار نہیں ہوں، جب راتوں کو آپ کو یاد کرتا ہوں تو نیند اڑ جاتی ہے تو جب عہدہ دار رہوں گا تو کیا حال ہوگا۔ لوگ آپ سے اس قدر خائف ہیں کہ اس سے پیشتر کسی امیر سے اتنا خائف نہ ہوئے ہوں گے۔

میری ان باتوں کو اس نے پسند کیا اور کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خون ریزی میں مجھ سے زیادہ جری اور بے باک بھی نہیں ہے۔ میں ایسے ایسے کام کر گزرا، جس کے پاس جاتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے۔ میری اس سختی کی وجہ سے میری مشکلات آسان ہوگئیں۔ خدا آپ پر رحم کرے اب آپ جایئے۔ اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں شخص مل گیا تو آپ کو زحمت نہ دوں گا ورنہ پھر آپ کو اس میں ڈالنا پڑے گا۔ غرض کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ابووائل واپس آئے اور پھر کبھی حجاج کے پاس نہ گئے۔ (۱)

تحصیل زکوٰۃ کا عہدہ:

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور میں وہ تحصیل زکوٰۃ کے عہدہ پر تھے۔ مہاجر ابوالحسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابو بردہ اور شقیق کے پاس جو بیت المال میں تھے زکوٰۃ لے کر گیا، انہوں نے اس کو داخل کرلیا۔ اسی روایت کے ایک راوی سعد لکھتے ہیں کہ میں دوبارہ زکوٰۃ لے کر گیا تو تنہا ابووائل تھے۔ انہوں نے کہا اس کو واپس لے جاؤ، اور اس کے مصارف میں اس کو صرف کردو۔ میں نے کہا مؤلفۃ القلوب کا حصہ کیا کروں؟ انہوں نے کہا "اسے دوسرے لوگوں کو دے دو"۔ (۲)

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ابووائل کوفہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ حافظ ذہبی ان کو کوفہ کا شیخ اور عالم لکھتے ہیں۔ (۳)۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۴)

قرآن:

قرآن کے حافظ تھے، ذہین اور ذکی ایسے تھے کہ وہ مہینہ میں پورے قرآن کی تعلیم حاصل کرلی تھی، لیکن تفسیر بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے۔ (۵)

حدیث:

حفظ حدیث میں علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ (۶)۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی،

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۶ص ۲۱۶　　۲۔ ایضاً ص ۶۵　　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص ۵۱
۴۔ تھذیب التھذیب، ج۱ص ۲۴۷　　۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص ۵۱　　۶۔ طبقات ابن سعد، ج۶ص ۶۹

معاذ بن جبل، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، حباب بن ارت، کعب بن عجرہ، ابومسعود انصاری، ابوموسیٰ، اشعری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اکابر حفاظ سے روایتیں کی ہیں۔(۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں کوفہ میں ان کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔(۲)

تلامذہ:

بڑے بڑے تابعی ان کے خرمن کمال کے خوشہ چین تھے۔ اکابر تابعین میں شعبی، عاصم اور اعمش۔ اور عام محدثین میں منصور، زبید الیامی، حبیب بن ابی ثابت، عاصم بن بھدلہ، عبدہ بن لبابہ اور عمرو بن مرہ وغیرہ نے ان سے فیض پایا تھا۔(۳)

علماء میں حضرت ابووائل کا درجہ:

اس عہد کے اکابر ان کو خیار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم نے مجھ سے ہدایت کی تھی کہ تم شفیق سے استفادہ کیا کرو، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب اس زمانہ میں جب کہ ان کی بڑی تعداد موجود تھی سب کے سب اپنی جماعت کے خیار میں شمار کرتے تھے۔(۴)

خشیت الٰہی:

ان کے دل پر خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب ان کے سامنے تذکیر و تخویف ہوتی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔(۵)

زہد و عبادت:

بصرہ کے عابد تابعین میں شمار تھا۔ عبادت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ثقات میں تھے کوفہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی، اور یہاں کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے۔(۶)

آپ کی عبادت کا خاص وقت تاریکی شب تھا۔ سجدہ میں نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ خدایا مجھے معاف کر اور میری مغفرت فرما اگر تو مجھے معاف کر دے کہ مسلسل گناہوں کو معاف کر دے گا اور اگر عذاب دے گا تو عذاب دینے میں تو ظالم نہ ہوگا۔(۷)

جہاد فی سبیل اللہ اور دنیا سے بے تعلقی:

دنیا سے محض برائے نام تعلق تھا۔ رہنے کے لئے ایک معمولی سا چھپر کا جھونپڑا تھا جس میں وہ اور ان کا رفیق جہاد گھوڑا رہتا تھا۔ جب جہاد کے لئے جانے لگتے تو چھپرا کھاڑ دیتے جب واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔(۸)

کسب حلال:

کسب حلال کا بڑا خیال تھا۔ مفت کی دولت کے انبار کے مقابلہ میں حلال کے ایک درہم کو زیادہ پسند کرتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ تجارت کا ایک درہم مجھے اپنے وظیفہ کے دس درہم سے زیادہ پسند ہے۔(۹)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۳۶۱　۲۔ تہذیب الاسماء، ج۱، ص۲۴۷　۳۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۳۶۲

۴۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۶۷　۵۔ ایضاً ص۶۸　۶۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۳۶۲

۷۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص۶۷　۸۔ ایضاً ص۶۸　۹۔ ایضاً

ان کی ذات باعث برکت تھی:

ان کے ان اخلاقی اور روحانی کمالات کی وجہ سے لوگ ان کو اپنے لئے باعث رحمت و برکت سمجھتے تھے۔ ابراہیم کہتے تھے کہ ہر مقام میں ایک ایسی ہستی ضرور ہوتی ہے جس کے طفیل میں وہ آبادی بلاؤں سے محفوظ رہتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ شقیق بھی ایسے ہی لوگوں میں ہیں۔(۱)۔ صحابہ تک ان کے کمالات اخلاقی کے معترف تھے عبداللہ بن مسور پر ان کا اتنا اثر تھا کہ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ یہ ''تائب'' ہیں۔(۲)

وفات:

۸۲ھ میں وفات پائی۔ واقدی کے بیان کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوا کیونکہ اس اعتبار سے ان کی عمر بہت بڑھ جاتی ہے۔(۳)(۴)

۶۔ حذیفہ:　　راجع: ۲۶۷

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھارویں (۱۱۸) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے اور باقی سارے کوفی ہیں۔
☆ سند میں تین (مسعر، واصل، ابووائل) تابعی راوی ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا کلمہ تحدیث اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لقیہ :　　آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ملے، مراد ہے آمنا سامنا ہوا۔

اھوی الی:　　آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف مائل ہوئے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا۔

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱، ق ۱، ص ۲۴۷　　۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۶۸　　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۵۲
۴۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۴۳۶۔۴۴۱

۲۶۹۔ أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا بِشْرٌ وَهُوَ ابْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ :حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْسَلَّ عَنْهُ فَاغْتَسَلَ، فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ :أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ لَقِيتَنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ حَتَّى أَغْتَسِلَ. فَقَالَ :سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا مدینہ منورہ کی ایک گلی میں آمنا سامنا ہوا، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت حالت ناپاکی میں تھے، اس لئے وہاں سے کھسک گئے، اور غسل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجود نہ پاکر، جب وہ واپس آئے تو پوچھا: اے ابوھریرہ! تم کہاں چلے گئے تھے؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میرا آپ سے آمنا سامنا ہوا، اس وقت میں جنبی تھا، اس لئے میں نے بغیر غسل کے آپ کی مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، مؤمن کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے حالت ناپاکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنا ناپسند کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کران کارد فرمایا:

مسلمان کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۸۳۔ ۲۸۵، مسلم: ۳۷۱، الرقم المسلسل: ۸۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۳۱، سنن ترمذی: ۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۵۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۱۷۳، صحیح ابن حبان: ۱۲۵۹، سنن بیہقی، ج۱، ص۱۸۹، شرح السنۃ: ۲۶۱، مسند احمد، ج۲، ص۲۳۵ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۱۱، ج۱۲، ص۱۴۵)

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات زندگی سپرد قلم کئے جاچکے ہیں۔

۱۔ حمید بن مسعدۃ:	راجع: ۵	۲۔ بشر بن المفضل:	راجع: ۸۲
۳۔ حمید:	راجع: ۱۰۸	۴۔ بکر:	ایضاً
۵۔ ابورافع:	راجع: ۱۹۱	۶۔ ابوھریرۃ:	راجع: ۱۱۰

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، آئمہ صحاح ستہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوانیسویں (۱۱۹) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند میں تین تابعین (حمید، بکر، ابورافع) راوی ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، البتہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔
☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سبعہ رواۃ مکثرین صحابہ میں سے ہیں، اور ان کے بھی سرخیل ہیں، آپ سے پانچ ھزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) روایات مروی ہیں۔
☆ سند میں "حدثنا بشر۔ وھو ابن المفضل" سے مراد ہے کہ۔ وھو ابن المفضل ۔ کے الفاظ شیخ نے نہیں بولے، بلکہ راوی نے خود نسب کی وضاحت کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبر نا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لقیہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا آمنا سامنا ہوا۔
طریق : راستہ، یہاں گلی مراد ہے۔
طرق المدینۃ مدینہ منورہ کی گلیاں، راستے، سڑکیں۔
جنب : ناپاک۔
فانسل عنہ : آپ چپکے سے چلے گئے، کھسک گئے، علیحدہ ہو کر چل دیئے۔
فقدہ النبی : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موجود نہ پایا۔
لما جاء: جب وہ آئے۔
این کنت یا ابا ھریرۃ؟: اے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ! تم کہاں تھے؟
فکرھت : پس میں نے پسند نہیں کیا۔
ان اجالسک : میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھوں۔

المؤمن : ایمان والا۔ مسلمان۔

۷۔ مسائل ونصائح:

آدمی کے جسم کی طہارت کا بیان:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

مسلمان خواہ زندہ ہو یا مردہ یہ حدیث اس کی طہارت میں اصل عظیم ہے، زندہ مسلمان کی طہارت پر مسلمانوں کا اجماع ہے حتیٰ کہ پیٹ کا بچہ جو اس کی ماں سے ساقط ہو جائے اور اس پر فرج کی رطوبت لگی ہوئی ہو وہ بھی طاہر ہے، یہ زندہ مسلمان کا حکم ہے اور رہا مردہ تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، صحیح یہ ہے کہ وہ طاہر ہے اسی لئے اس کو غسل دیا جاتا ہے، امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ مسلم کبھی نجس نہیں ہوتا، خواہ زندہ ہو یا مردہ، اور کافر کے متعلق فقہاء شافعیہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ مسلمان کے حکم میں ہے، یعنی وہ بھی پاک ہے خواہ زندہ ہو یا مردہ، اور قرآن مجید میں جو ہے: ''انما المشرکون نجس'' مشرکین نجس ہیں'' اس سے ان کے اعتقاد کی نجاست مراد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے اعضاء بول اور براز کی طرح نجس ہیں، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ آدمی طاہر ہے خواہ مسلم ہو یا کافر تو اس کا پسینہ، لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں، لہٰذا مشرکین کے کپڑوں سے نماز پڑھنا جائز ہے اور کسی مائع چیز کو ان کے ساتھ تناول کرنا جائز ہے، اس کے دلائل سنت اور اجماع سے مشہور ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اہل فضل کا احترام کرنا مستحب ہے، اور اہل فضل کے مصاحب کی تعظیم اور توقیر کرنی چاہئے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ طالب علم کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پاس سب سے اچھے لباس اور سب سے بہتر ہیئت میں حاضر ہو، جن بالوں کو کاٹنا چاہئے وہ کٹے ہوئے ہوں، ناخن کٹے ہوئے ہوں اور بدبودار اور ناپسندیدہ لباس سے پاک ہو، کیونکہ اس میں علم اور علماء کا احترام ہے۔ (۱)

اہل فضل کا احترام، غسل جنابت کو مؤخر کرنے کا جواز اور جب جنبی کے جسم پر نجاست نہ ہو تو اس کے اعضاء کا طاہر ہونا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل فضل کا احترام کرنا مستحب ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے کو پاکیزہ صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہئے، علماء نے کہا ہے کہ طالب علم جب اپنے استاد کے پاس بیٹھے تو اس کو پاک اور صاف ہونا چاہئے، اس کے ناخن اور مونچھیں کٹی ہوئی ہوں اور اس کے منہ اور بدن سے بدبو نہ آ رہی ہو۔

عالم کو چاہئے کہ جب وہ اپنے متبع کی کوئی بات خلاف شرع دیکھے یا سنے تو اس کی اصلاح کرے۔

غسل جنابت کو مؤخر کرنا جائز ہے، مگر اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور غسل سے پہلے وہ اپنے ضروری کام انجام دے سکتا ہے۔

جب جسم پر حسی نجاست نہ ہو تو اس سے کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ مؤمن کے اعضاء طاہر ہیں اور وہ اپنی طہارت کی حفاظت کرتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقراء مسلمین کی دل جوئی اور دل داری کرنا چاہئے۔ (۲)

۱۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۶۲، شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۵۷　　۲۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۵۶۔۳۵۵

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ کافر نجس العین ہے اور "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (۱) سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا اعتقاد نجس ہے اور جمہور کا استدلال اس سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ مسلمان ان سے مباشرت کے وقت ان کے پسینہ سے محفوظ نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ زندہ آدمی نجس نہیں ہوتا اور اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔(۲)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی بھول گئے کہ وہ اس حدیث کے عنوان میں خود لکھ چکے ہیں کہ کافر اور اس کا پسینہ نجس ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن حبان نے اس حدیث کے باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے: اس شخص پر رد کرنا جس کا زعم یہ ہے کہ جب جنبی کنویں میں گر جائے اور غسل کی نیت کرے تو کنویں کا پانی نجس ہو جائے گا۔(۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ رد بھی مردود ہے کیونکہ یہ حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی، حدیث کی عبارت اس پر دلیل ہے کہ جنبی بالکل نجس نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کے ساتھ تعرض نہیں کیا گیا کہ جب جنبی غسل کی نیت کرے گا تو اس کا غسالہ پاک ہوگا، حتیٰ کہ کنویں کے پانی کو نجس کہنے والے کا رد کیا جائے۔(۴)(۵)

کافر کا جسم اور پسینہ پاک ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ جب جنابت کا جسم میں حسی اثر نہ ہو تو اس وقت مومن کے اعضا پاک ہوتے ہیں کیونکہ مومنین اپنے اعضا کو پاک اور صاف رکھتے ہیں، اس کے برخلاف مشرکین نجاست اور گندگی کی آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے غالب احوال کے اعتبار سے فرمایا: "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (۶) اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے اعضاء نجس ہیں بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے افعال نجس ہیں اور فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جنبی کا اور حائض کا پسینہ پاک ہوتا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ نزدیک یہودی، نصرانی اور مجوسی کا پسینہ بھی پاک ہوتا ہے، اور دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو حلال کر دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ پسینہ آنے سے محفوظ نہیں ہے اور جب مسلمان ان سے مباشرت کریں گے تو ان کا پسینہ ان کے جسموں کو لگے گا، اس کے باوجود کتابیہ پر اسی صورت میں غسل فرض ہوتا ہے، جس صورت میں مسلمان عورت پر غسل فرض ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن آدم اپنی ذات میں نجس نہیں ہے، جب تک کہ اس پر کوئی خارجی نجاست نہ لگے۔(۷)(۸)

۱۔ التوبہ: ۲۸ ۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۸۰۷ ۳۔ ایضاً ص ۸۰۷ ۴۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۵۶
۵۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۶۴۔۷۶۵ ۶۔ التوبہ ۹: ۲۸)
۷۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۴۰۴۔۴۰۳ ۸۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۶۳۔۷۶۴

کافر کے جسم اور پسینے کے پاک ہونے پر امت کا اجماع ہے:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اور جمہور سلف کے نزدیک کفار کے برتن اور ان کے کپڑے پاک ہیں بعض علماء نے فقہاء حنبلیہ سے ان کے نجس ہونے کو نقل کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ "(۱)　　اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں کہ مشرکین نجس ہیں۔

ہمارے اصحاب شافعیہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (۲)　　اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنا کھانا اپنے برتنوں میں پکاتے ہیں اور کھانے کی چیزوں میں اپنا ہاتھ لگاتے ہیں اور اصل طہارت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ثمامہ بن اثال نام کے ایک مشرک کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ (۳) اور اگر کفار اور مشرکین نجس العین ہوتے تو آپ ان کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

"إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ "(۴) ۴۔ ایضاً) کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین اپنے دین اور اپنے اعتقاد میں نجس ہیں اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے بدن اور ان کے کپڑے بھی نجس ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں داخل کیا اور ان کے برتنوں کو استعمال کیا اور ان کا پکایا ہوا کھانا کھایا۔ (۵)

نیز علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جس آدمی کے اوپر نجاست نہ ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اگر وہ پانی میں گر کر مر جائے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ (۶)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: ہمارا مذہب اور جمہور متقدمین اور متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ طہارت اور نجاست میں کافر کا حکم مسلمان کی طرح ہے اور "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ "(۷) ۷۔ ایضاً) سے مراد اس کے اعتقاد کی نجاست ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے اعضاء پیشاب اور پاخانہ کی طرح نجس ہیں، آدمی طاہر ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، اس کا پسینہ اس کا لعاب اور اس کے آنسو پاک ہیں خواہ وہ بے وضو ہو یا حائض ہو یا نفساء ہو اور ان تمام امور پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (۸)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

عام اہل علم کے نزدیک آدمی اور اس کا جھوٹا پانی طاہر ہے، خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ (۹)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین اپنے اعتقاد میں نجس ہیں، نہ کہ ان کا بدن نجس ہے۔ (۱۰)

۱۔ التوبہ ۹:۲۸　۲۔ المائدہ ۵:۵　۳۔ صحیح البخاری: ۴۶۲-۴۶۹، صحیح مسلم: ۴۶۴۷، سنن ابوداؤد: ۲۶۷۹، سنن نسائی: ۱۸۹

۴۔ التوبہ ۹:۲۸　۵۔ المجموع شرح المہذب، ج ۲، ص ۲۷۰-۲۷۱　۶۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۳۲، ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۷

۷۔ التوبہ ۹:۲۸　۸۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۲، ص ۱۴۷۹　۹۔ المغنی، ج ۱، ص ۷۶

۱۰۔ کشاف القناع مع الاقناع، ج ۱، ص ۵۹، نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۶۲-۷۶۳

میت کا غسالہ طاہر غیر مطہر ہے:

مقصود کا باب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمیہ ہے، جس کا ظاہر بدن پر ظہور نہیں ہوتا یہی حکم حائضہ اور نفساء کا بھی ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''الامة علی ان اعضاء الجنب والحائض والنفساء و عرقهم وسورهم طاهر'' صاحب بحر نے فرمایا یہی حکم غسالہ میت کا بھی ہے، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مبسوط میں اس کی نجاست مروی ہے، لیکن درحقیقت یہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ بطن میت سے شی نجس خارج ہوئی ہو، اور عموماً ایسا ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ غسالہ بھی نجس ہو جائے گا، ورنہ فی نفسہ طاہر غیر طہور ہے، صاحب بحر نے فرمایا کہ میت کافر کا غسالہ بھی اسی حکم میں ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت اس کے نجس ہونے کی ہے، یہ بھی اس پر محمول ہے کہ عموماً بدن کافر نجاست حقیقیہ سے ملوث ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ غسالہ ہو جائے گا، ورنہ فی نفسہ طاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان تینوں روایات سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جنبی شخص کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹھک، اسی جنبی کا دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا اور بیٹھنا اٹھنا جائز ہے۔

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے جو تخیل قائم کیا، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رد فرما دیا، اس سے ثابت ہوا کہ شیخ یا استاد اپنے شاگردوں میں اگر کوئی غلطی دیکھے، تو اس کی اصلاح فرمائے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد درجہ احترام اور تعظیم کرتے تھے مصافحہ کرتے، معانقہ فرماتے، ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے، یہ انتہائی شفقت و مہربانی والا رویہ ہے، عصر حاضر میں بھی قائدین، اساتذہ کرام، پیران عظام اور بڑوں کو چاہئے، کہ وہ کارکنوں، شاگردوں، مریدوں اور چھوٹوں کے ساتھ ایسا ہی حسن سلوک کریں، اس امر کی موجودہ زمانے میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے موجود نہ ہونے پر مشوش ہو جاتے تھے اور ان کے بارے میں پوچھتے تھے، جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے، یہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بہت ہی پیاری اور شاندار جھلک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ مسلمان پاک ہے ناپاکی کا امر حکماً ہے، جس سے بدن کا ظاہراً ناپاک ہونا لازم نہیں آتا جنبی کا پسینہ بھی پاک ہے۔

☆ میت کا غسالہ پاک ہے، لیکن غیر مطہر ہے۔

☆ کافر کا جسم اور اعضاء پاک ہوتے ہیں، اسی طرح اس کا جوٹھا بھی پاک ہے۔

☆ قرآن مجید کی آیت: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (۲)

سے مشرکین کا اپنے دین اور اعتقاد میں ناپاک ہونا مراد ہے، البتہ ان کے بدن نجس نہیں ہیں۔

۱۔ درس ترمذی، ج۱، ص۳۶۹۔۳۷۰　　۲۔ توبہ۹: ۲۸

☆ طھارت اور نجاست میں مسلمان اور کافر کا حکم ایک ہے۔

☆ مسلمان اور کافر، ان کا پسینہ، ان کا لعاب اور آنسو پاک ہوتے ہیں۔

بَابُ اسْتِخْدَامِ الْحَائِضِ — باب ۱۷۳: ماھواری والی عورت سے کام کروانا

حائضہ عورت کے لئے ناپاکی کی نجاست حکمیہ ہے، اور اس کا بدن اور اعضاء پاک ہوتے ہیں، اس لئے حیض ونفاس والی عورت کے کام کاج کرنے یا سالن روٹی بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، پچھلے باب میں جنبی شخص کے میل ملاپ اور بیٹھک کے جواز کا بیان تھا، اور اس باب میں حائضہ عورت سے کام کاج کروانے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث مبارکہ سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا ہے۔

۲۷۰۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ قَالَ :يَا عَائِشَةُ نَاوِلِينِي الثَّوْبَ .فَقَالَتْ :إِنِّي لَا أُصَلِّي .قَالَ :إِنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِكِ فَنَاوَلَتْهُ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے کپڑا دے دو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: میں نماز نہیں پڑھتی (یعنی حیض سے ہوں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (حیض) تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے، پس انہوں نے وہ کپڑا پکڑا دیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ میں ماھواری سے ہوں، اس لئے شاید میرے لئے کپڑا پکڑانا جائز نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو رد فرمایا، کہ حیض تمہارے ہاتھ میں ہے، یعنی کام کاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۸۱، مسلم: ۱۳۰، احمد: ۹۵۳۸، السنن الکبری: ۲۶۶، تحفۃ الاشراف: ۳۴۴۳

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی ایک کا لکھا جاتا ہے۔

۱۔ محمد بن المثنیٰ: راجع: ۸۰ ۲۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۱۳۳

۳۔ یزید بن کیسان:

آپ کا نام ابو اسماعیل یا ابو منین یزید بن کیسان یشکری کوفی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، سنن نسائی میں

آپ رحمۃ اللہ علیہ سے آٹھ احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں روایت کی ہے۔(ا)

۴۔ابوحازم: راجع: ۱۴۹　　**۵۔ابوھریرۃ:** راجع: ۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ نویں ویں (۹۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری، تیسرے اور چوتھے کوفی اور آخری مدنی ہیں۔

☆ حضرت یزید بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، جبکہ حضرت ابوملزم سے اس سے پہلے حدیث نمبر ایک سو انچاس (۱۴۹) بھی مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ اور قال ایک ایک دفعہ، جبکہ کلمہ تحدیث دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۴۔لغات:

ناولینی : تو مجھے پہنچا دے، تو مجھے پکڑا دے۔

الثوب : کپڑا۔

لااصلی : میں نماز نہیں پڑھتی، یہ حیض سے کنایہ ہے۔

انه لیس فی یدك : وہ (حیض) تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، یعنی ماھواری سے بدن اور اعضاء ناپاک نہیں ہوتے۔

فناولته : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیا۔

ا۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۲۷۲　　ii۔البرقانی، ص۱۸

۲۷۱۔(۱) أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ح وَأَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ .قَالَتْ :إِنِّي حَائِضٌ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَيْسَتْ حَيْضَتُكِ فِي يَدِكِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

تم مسجد سے مجھے چٹائی پکڑا دو، میں نے عرض کیا: میں ماھواری سے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا حیض ہاتھ میں تو نہیں ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۷۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ثابت بن عبید انصاری کے حالات زندگی صفحہ قرطاس پر منتقل کئے جاتے ہیں۔

ا۔قتیبۃ:　راجع:۱۱۸　　۲۔عبیدۃ:　راجع:۱۳

۳۔الاعمش:　راجع:۱۱۸　　۴۔اسحاق بن ابراھیم:　راجع:۱۲۸

۵۔جریر:　راجع:۲

۶۔ثابت بن عبید:

آپ کا نام ثابت بن عبید انصاری کوفی ہے، آپ حضرت زید بن ثابت سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، کثیر الحدیث، تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے ادب المفرد میں آپ سے روایت بیان کی ہے، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۷۔القاسم بن محمد:　راجع:۱۶۶　　۸۔عائشۃ:　راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

ا۔　i۔الجرح والتعدیل، ج۲،ص۴۵۴　　ii۔الثقات، ج۴،ص۹۱

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ اکانوے ویں (۹۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عبیدہ کو بعض نے صدوق قرار دیا ہے۔
☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت عبیدہ سے امام مسلم نے روایت نہیں لی، اور حضرت ثابت سے امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت بیان کی ہے۔
☆ سند میں تحویل ہے، جو سند کے لئے تقویت کی علامت ہے۔
☆ حضرت القاسم بن محمد خلیفہ راشد اول حضرت ابو بکر صدیق کے پوتے ہیں، آپ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا تین دفعہ اور عنعنہ چھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الخمرة: نمرہ، چٹائی، سجدہ کی جگہ رکھنے والی چھوٹی چٹائی۔

انی حائض : میں ماھواری سے ہوں۔

لسیت حیضتك فی یدك : تیرا حیض، تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔

۲۷۱ا(۲)۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

مذکورہ بالا حدیث اسحاق بن ابراھیم از ابو معاویہ از اعمش کی سند سے بھی مروی ہے:

۱۔مطابقت:

راجع: ۲۷۱

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔اسحاق بن ابراھیم: راجع: ۱۲۸ ۲۔ابو معاویۃ: راجع: ۳۰

۳۔الاعمش: راجع:۱۱۸ ۴۔ثابت بن عبید: راجع:۲۷۱

۵۔القاسم بن محمد: راجع:۱۶۶ ۶۔عائشۃ: راجع:۱۱۴

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے مطابق یہ ایک سو بیسویں (۱۲۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، اگلے تین کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت قاسم بن محمد فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت قاسم کی پھوپھی ہیں، اس طرح یہ روایت بھتیجے کی اپنی پھوپھی جان سے ہے۔

☆ سند کے آخر میں امام نسائی نے ''بھذا الاسناد مثلہ'' کہا ہے، امام حاکم کے نزدیک، جب دو روایتوں کے الفاظ ایک جیسے ہوں، تو مثلہ کہا جاتا ہے، اور جب الفاظ کی بجائے دو روایتوں کا مفہوم و معنیٰ ایک جیسا ہو، تو 'نحوہ' کہا جاتا ہے۔ (۱)

۶۔لغات:

راجع:۲۷۱

۷۔مسائل ونصائح:

الخمرۃ کا مفہوم:

قاضی حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''خمرۃ'' چٹائی کا چھوٹا ٹکڑا تھا، جس پر سجدہ کیا جاتا تھا، اس کی جسامت اتنی ہی ہوتی تھی، جس پر آدمی چہرہ رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تاکہ کنکریوں اور زمین کی تپش سے بچا جا سکے۔ (۲)

امام حافظ محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف حزی نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ (خمرۃ) چٹائی کی جسامت اتنی ہی تھی کہ جتنی جگہ پر سجدہ کیا جا سکتا ہے، امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ایک کپڑا تھا، جس پر نمازی سجدہ کرتا تھا، جب کہ سنن ابی داؤد میں ایک حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج۴، ص ۶۰۸ ۲۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج۲، ص ۱۱۲

سے مروی ہے: ایک بلی آئی، اس کو ایک بچی نے پکڑ کر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چٹائی (خمرۃ) پر تشریف فرما تھے، وہ خمرہ درہم کی مقدار جلد ہوا تھا یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ خمرہ (چٹائی) کی جسامت بڑی تھی۔

الخمرہ کی وجہ تسمیہ:

الخمرۃ اس بچھونے کو خمرۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ چہرہ کو زمین سے چھپاتی تھی، تخمیر کا معنیٰ چھپانا ہے، اسی سے عورت کا دوپٹہ ہے، کیونکہ وہ عورت کو چھپاتا ہے، شراب کو خمر بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ (۱)

حائضہ کا ہاتھ سے مسجد سے چیز لینا جائز اور خود مسجد میں داخل ہونا منع ہے:

قاضی حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ بیرون مسجد کھڑے ہو کر ہاتھ سے چٹائی اٹھاؤ اور مجھے دے دو، اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مسجد میں داخل ہو کر چٹائی لانے کا حکم دیا ہو، کیونکہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے۔

(حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے مسجد میں ہاتھ داخل کیا، باقی جسم داخل نہیں کیا، اگر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کو داخل ہونے کا حکم دیتے، تو صرف ہاتھ ذکر کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔ (۲)

حائضہ عورت کا جسم، پسینہ اور کپڑے پاک ہوتے ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

حیض والی عورت کا جسم، پسینہ اور کپڑے پاک ہوتے ہیں، بشرطیکہ یہ نجاست سے ملوث نہ ہوں۔ (۳)

ہاتھ کے دخول سے جسم کا دخول مراد لینا باطل ہے:

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

ہاتھ کے دخول سے جسم کا دخول مراد لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح قرآن کو ہاتھ کے ساتھ چھونے سے دلیل بنانا بھی درست نہیں ہے، پس حیض والی عورت کا مسجد میں داخل ہونا اور قرآن چھونا منع ہے، یہ نجاست حکمیہ ہے، جس کی وجوداً اور زوالاً تجزی ممکن نہیں ہے، اسی طرح صرف ہاتھ کے دخول سے حائضہ کا دخول ثابت کرنا درست نہیں ہے، البتہ قرآن کا چھونا صرف ہاتھ کے چھونے سے اغلب طور پر ثابت ہے، یعنی قرآن مجید کو اکثر ہاتھ سے ہی چھوا جاتا ہے، ان دو وجوہات سے ان دونوں کے حکم میں فرق ہے۔ (۴)

۱۔ شرح مسلم نووی، ص ۲۹۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ فتح المنعم شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸۴

۴۔ فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم، ج ۳، ص ۱۰۸

حائضہ عورت کھانا پکانا اور دیگر کام کاج کر سکتی ہے:

علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں:

حائضہ عورت نجس العین نہیں ہے، وہ کھانا پکا سکتی ہے، گھر کے کام کاج کر سکتی ہے اور جسم کو چھو سکتی ہے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استنباط یہ ہے کہ حائضہ عورت سے کام کروایا جا سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ الخمرۃ: سے مراد وہ چھوٹی چٹائی، جسے سجدہ کرنے کے لئے زمین پر رکھا جاتا تھا، تا کہ سجدہ کرتے وقت کنکریوں اور زمین کی تپش سے بچا جا سکے۔ اس کی جسامت بھی غالباً چھوٹی بڑی ہوتی تھی، عصر حاضر میں علیحدہ جائے نماز کی اصل یہی حدیث مبارکہ ہے۔

☆ ان احادیث مبارکہ میں مساجد اور گھروں میں جائے نماز رکھنے اور نماز پڑھنے کا ثبوت بھی ہے۔

☆ یہ واقعہ دوران اعتکاف کا ہے، کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان: میں نماز نہیں پڑھتی، یہ حیض سے کنایہ ہے، جس سے ثابت ہوا کہ شرم و حیاء والی باتیں اشارہ و کنایہ سے کرنی چاہیے۔

☆ حائضہ عورت کا ہاتھ کے ساتھ مسجد سے چیز لینا اور دینا جائز ہے، البتہ اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

☆ حائضہ عورت نجس العین نہیں ہے بلکہ ناپاکی نجاست حکمیہ ہے، اس لئے اس کا جسم، پسینہ، لعاب اور کپڑے پاک ہوتے ہیں۔

☆ حائضہ عورت کھانا پکا سکتی ہے اور گھر کے دیگر کام کاج کر سکتی ہے۔

☆ مذکورہ حدیث مبارکہ میں ہاتھ کے دخول سے جسم کا داخل ہونا مراد لینا باطل ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بَابُ بَسْطِ الْحَائِضِ الْخُمْرَةَ فِي الْمَسْجِدِ　　باب۱۷۴: حائضہ عورت کا مسجد میں چٹائی بچھانا

جس عورت کو ماھواری جاری ہو، وہ باہر کھڑی ہو کر مسجد میں چٹائی، دری جائے نماز یا صف وغیرہ بچھا سکتی ہے، البتہ اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس باب میں اسی امر کے جائز ہونے کا بیان ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت سے مطلقاً کام لینے کا بیان تھا، اور اس میں حیض والی عورت کا مسجد میں چٹائی بچھانے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۱۰۰۰

۲۷۲۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْبُوذٍ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّ مَيْمُونَةَ قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ إِحْدَانَا، فَيَتْلُو الْقُرْآنَ وَهِيَ حَائِضٌ، وَتَقُومُ إِحْدَانَا بِالْخُمْرَةِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَتَبْسُطُهَا وَهِيَ حَائِضٌ

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی ایک کی گود میں سر انور رکھتے اور قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے، حالانکہ اسے حیض جاری ہوتا تھا، اسی طرح ہم میں سے کوئی چٹائی پکڑ کر مسجد کی طرف جاتی اور اسے بچھا دیتی، حالانکہ وہ ماہواری سے ہوتی تھی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت دوسرے حصہ میں ہے:
ہم میں سے کوئی چٹائی پکڑ کر مسجد کی طرف جاتی اور اسے بچھا دیتی، حالانکہ وہ حیض سے ہوتی تھی۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۸۳، احمد: ۲۶۸۷۳، السنن الکبریٰ: ۲۶۷، تحفۃ الاشراف: ۱۸۰۸۶

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو حضرت منبوذ اور ام منبوذ کے حالات سپرد قلم کئے جا رہے ہیں:

۱۔ محمد بن منصور: راجع: ۲۱ **۲۔ سفیان:** راجع: ۱۲۵

۳۔ منبوذ:

آپ کا نام منبوذ بن ابی سلیمان مکی ہے، بعض نے آپ کا نام سلیمان اور لقب منبوذ لکھا ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، مقبول راوی ہیں۔ آپ سے صرف یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ آئمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۴۔ ام منبوذ:

آپ حضرت منبوذ بن ابی سلیمان کی والدہ ہیں، آپ کا نام معلوم نہیں ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبولہ، تابعیہ راوی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ (۲)

۵۔ میمونہ: راجع: ۲۳۶

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۴۱۸ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۲۷۹ ۲۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۵۳۶

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ بانوے ویں (۹۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت امام منبوذ مقبول ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی مکی ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مکیہ مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں، آپ مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف میں شاہراہ مدینہ منورہ پر مدفون ہیں، آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح بھی اسی مقام پر ہوا تھا۔

☆ سند میں دو عورتیں راویہ ہیں۔

☆ یہ بیٹے کی ماں سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قالت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

یضع راسہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سرانور رکھتے۔

حجر: گود

احدانا: ہم میں سے کوئی ایک۔

فیتلوا القرآن: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید تلاوت کرتے۔

تقوم احدانا : ہم میں سے کوئی ایک۔

بالخمرۃ: چٹائی، بچھونا، سجدہ کرنے کا چھوٹا کپڑا۔

فتبسطھا: وہ اسے بچھاتی۔

حائض: ماھواری والی عورت۔ حیض والی عورت۔

۷۔ مسائل ونصائح:

ام المؤمنین مسجد سے باھر کھڑے ہو کر چٹائی بچھاتی تھیں:

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین مسجد میں داخل ہوتی تھیں، کیونکہ مسجد سے باہر کھڑے ہو کر بھی چٹائی بچھائی جاسکتی ہے۔(۱)

۱۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۶۳

حائضہ عورت کے مسجد میں داخل ہونے کے بارے میں مذاہب اربعہ:

پروفیسر ڈاکٹر وھبہ زحیلی حائضہ، نفاسہ اور جنبی کے حرام امور کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسجد میں اعتکاف، یہ بالا جماع حرام ہے، اور مسجد میں داخل ہونا احناف اور مالکیہ کے ہاں مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس کو عبور کرنے یا پار کرنے کی غرض سے یہ کام ہو، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ کرام کے گھر کے دروازے مسجد میں نکلے ہوئے دیکھے تو آپ نے فرمایا ان گھروں کا رخ مسجد سے ہٹا دو، میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے صحن میں تشریف لائے اور با آواز بلند فرمایا مسجد حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں ہے۔

اور قرآن کریم میں آیت میں آئے ہوئے لفظ عابری سبیل میں عابرین سے مسافر مراد ہیں مسافر حالت جنابت میں نہائے بغیر نماز کے قریب جانے کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، آیت نے یہ بیان کر دیا کہ اس کا حکم تیمّم کا ہے۔ شوافع اور حنابلہ جنبی وغیرہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے اور اس میں بلا ضرورت آنے جانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

مسجد کو عبور کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں خواہ وہ بلا ضرورت عبور کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لاتقربوا الصلاۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ماتقولون ولا جنباً الا عابری سبیل میں راستہ مراد ہے اور سعید بن منصور نے حضرت جابر سے روایت نقل کی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی مسجد میں سے حالت جنابت میں گزر جایا کرتا تھا، اور حضرت زید بن اسلم سے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مسجد میں حالت جنابت میں چلا پھرا کرتے تھے۔

تاہم یہ اباحت اس وقت ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے گزرنے سے مسجد گندی نہ ہو اور اگر مسجد کے گندے ہونے کا امکان ہو تو ایسا کرنا ممنوع ہوگا اور اس میں ٹہلنے کی طرح گزرنا بھی حرام ہوگا۔ (۱)

حائضہ عورت کے مسجد میں داخل ہونے کا عدم جواز اور قائلین کا رد:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علماء غیر مقلدین کے نزدیک حائضہ عورت کا مسجد میں جانا اور وہاں رہنا اور مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ ہم اس سلسلہ میں پہلے شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کے دلائل پیش کریں گے اور ان کے دلائل کے ساتھ ساتھ ان کا رد بھی کریں گے:

شیخ ابن حزم اندلسی اس مسئلہ پر درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مجھے مسجد سے جائے نماز اٹھا دو۔ وہ کہتی ہیں: میں نے

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص ۳۶۵

عرض کیا: میں حائضہ ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔ (۱)

علماء غیر مقلدین کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوگا جب اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حجرہ سے نکل کر مسجد میں جائیں اور وہاں سے مصلیٰ لاکر رسول اللہ ﷺ کو دیں، جب کہ اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ سے ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلیٰ اٹھا کر حضور ﷺ کو دیں اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں، ورنہ فرماتے کہ تمہارا حیض تمہارے پیروں میں تو نہیں ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے متصل تھا۔ جب نبی ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے تو اپنا سر مبارک حجرہ میں داخل کر دیتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کا سر دھوتی تھیں اور اس وقت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ تھیں۔ (۲)

اور اگر حائضہ کا مسجد میں آنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسجد میں بلا لیتے اور حجرہ میں سر مبارک داخل نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس حدیث سے شیخ ابن حزم نے استدلال کیا ہے، اس میں مسجد سے مُراد مسجد نبوی نہ ہو، بلکہ مسجد بیت ہو۔ یعنی حجرہ کی وہ جگہ جس کو نبی ﷺ نے نماز کے لئے مخصوص فرما لیا تھا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم لکھتے ہیں:

جو آئمہ حائضہ عورت کا مسجد میں جانا ناجائز کہتے ہیں، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ان گھروں (کے دروازوں) کا رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد (میں جانے) کو حلال نہیں کرتا۔ (۳)

شیخ ابن حزم نے اس حدیث کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی سند میں افلت بن خلیفہ ہے، یہ راوی غیر مشہور ہے اور ثقاہت میں معروف نہیں ہے۔ (۴)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے شیخ ابن حزم کے اس کلام پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ افلت کو امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابو حاتم نے کہا کہ وہ شیخ ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور ''الکاشف'' میں مذکور ہے کہ یہ بہت زیادہ سچا ہے اور ''البدر المنیر'' میں مذکور ہے کہ وہ مشہور ثقہ ہے۔ (۵)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے مانعین کی دوسری حدیث نقل کی ہے کہ:

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بہ آواز بلند نداء کی: سنو! یہ مسجد نہ جنبی کے لئے حلال ہے نہ حائضہ کے لئے، مگر نبی ﷺ اور ان کی ازواج کے لئے اور علی کے لئے اور فاطمہ کے لئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔ (۶)

۱۔ صحیح مسلم: ۲۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۶۱، سنن ترمذی: ۱۳۴، سنن نسائی: ۲۷۱، سنن ابن ماجہ: ۶۳۲، محلی بالآثار، ج۱ ص ۳۹۹

۲۔ صحیح بخاری رقم: ۲۰۳۱، سنن ابوداؤد رقم: ۲۴۶۷، سنن ترمذی رقم: ۸۰۴　۳۔ سنن ابوداؤد: ۲۳۲، سنن بیہقی، ج۲ ص ۴۴۲　۴۔ المحلی بالآثار، ج۱ ص ۴۰۱　۵۔ نیل الاوطار، ج۱ ص ۳۲۵　۶۔ سنن ابن ماجہ: ۶۴۵

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں محدوج الہذلی ہے جو جسرہ بنت وجاجہ سے روایت کرتے ہیں۔ محدوج ساقط ہے، وہ جسرہ سے معضلات روایت کرتا ہے۔ نیز اس روایت کی سند میں ابو الخطاب الہجری ہے، وہ مجہول ہے۔ وغیرہ۔ (۱)

شیخ شوکانی نے شیخ ابن حزم کی اس عبارت کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ جسرہ کے پاس عجائب ہیں۔ امام ابن القطان نے کہا کہ امام بخاری کا یہ قول جسرہ کی احادیث کو رد کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور العجلی نے کہا کہ وہ ثقہ تابعیہ ہے۔ امام ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں جسرہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ابن سید الناس نے کہا کہ اگر حدیث کو حسن کہا جائے تو یہ اس کا بہت کم مرتبہ ہے، کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کی صحت پر خارجی شواہد ہیں۔ لہٰذا شیخ ابن حزم کے پاس اس حدیث کو رد کرنے کے لئے کوئی حجت نہیں ہے۔

آگے چل کر شیخ شوکانی نے لکھا ہے کہ افلت کو مردود کہنا مردود ہے، کیونکہ آئمہ حدیث میں سے کسی نے اس کو مردود نہیں کہا۔ اس کے بعد شیخ شوکانی لکھتے ہیں: یہ دونوں احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنبی اور حائض کا مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور یہ اکثرین کا مذہب ہے اور جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اور اس حدیث سے بھی جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کو حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اور داؤد (ظاہری) اور مزنی وغیرہم نے کہا کہ جنبی اور حائضہ کا مسجد میں ٹھہرنا مطلقاً جائز ہے۔ (۲)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے حائضہ عورت کے مسجد میں ٹھہرنے پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عائشہ ام المؤمنین بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ فام لڑکی عرب کے کسی قبیلہ کی تھی، انہوں نے اس کو آزاد کیا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوگئی، اس کے لئے مسجد میں خیمہ تھا۔ (۳)

شیخ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ عورت نبی ﷺ کی مسجد میں رہتی تھی اور عورتوں کے متعلق معلوم ہے کہ ان کو حیض آتا ہے اور نبی ﷺ نے اس کو منع نہیں فرمایا اور ہر وہ کام جس سے نبی ﷺ منع نہ فرمائیں وہ مباح ہے۔ (۴)

شیخ ابن حزم کی اس دلیل پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تاحیات اس لڑکی کو مسجد میں رہنے کی اجازت دی تھی، نہ یہ مذکور ہے کہ ایک لمبے عرصے تک رہنے کی اس کو اجازت دی تھی ورنہ دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہوتا۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقتی اور عارضی طور پر اس کو مسجد میں ٹھہرایا تھا جب تک کہ اس کی رہائش کا کوئی اور معقول بندوبست نہیں ہوگیا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا: (۵)

شیخ ابن حزم اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لئے تمام روئے زمین پہ رہنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو پھر کسی مسجد میں رہنے سے منع کرنا اور کسی مسجد میں جائز قرار دینا یہ قطعاً

۱۔ المحلی بالآثار، ج ۱، ص ۴۰۱　۲۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۳۲۶۔۳۲۵　۳۔ صحیح بخاری: ۴۳۹
۴۔ المحلی بالآثار، ج ۱، ص ۴۰۱　۵۔ صحیح بخاری: ۳۳۵، صحیح مسلم: ۵۲۱، سنن نسائی: ۴۳۲

جائز نہیں ہے اور اگر حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا نا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کو بتا دیتے، جب انہیں حیض آیا، حالانکہ آپ نے انہیں صرف بیت اللہ کے طوائف سے منع فرمایا تھا۔(۱)

شیخ ابن حزم کا یہ استدلال انتہائی عجیب وغریب ہے۔ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمام روئے زمین میں لوگوں کا خرید وفروخت کرنا، بیویوں سے مجامعت کرنا، قضائے حاجت کرنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی یہ سب کام جائز ہیں اور بعض مساجد کو ان کاموں سے خاص کر لینا یہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی فاتر العقل ہی کہہ سکتا ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے اسے مسجد کے لئے وقف کر دیا اور وہاں مسجد کی عمارت بنا دی، اس کا حکم یہ ہے کہ وہاں با جماعت نماز پڑھنے سے ۲۷ درجہ ثواب ہوگا اور جمعہ پڑھنے سے پانچ سو گنا ثواب ہوگا اور اس مسجد میں خرید وفروخت کرنا اور حائضہ اور جنبی کا اس میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زمین کے جس ٹکرے پر نماز پڑھی جائے، جہاں عرفاً مسجد قائم نہ ہو، وہاں نماز پڑھنے سے نماز تو ہو جائے گی، لیکن اس جگہ نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ہوگا اور نہ اس جگہ خرید وفروخت اور دیگر دنیاوی کاموں سے منع کیا جائے گا۔ باقی رہا شیخ ابن حزم کا یہ کہنا کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو آپ حضرت عائشہ کو بتاتے، سو رسول اللہ ﷺ نے تو بتایا ہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کی احادیث سے بیان کر چکے ہیں۔

طواف بالبیت سے ممانعت کا نبی ﷺ نے جو ذکر فرمایا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اس میں بیت اللہ کا طواف کرنا ہوتا ہے اور طواف کے لئے حضرت عائشہ کو بیت اللہ میں داخل ہونا پڑتا اور وہ حائضہ تھیں، جس کی وجہ سے وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں، اس لئے آپ نے انہیں طواف بالبیت سے منع فرمایا۔ یعنی طواف بالبیت سے منع کرنے کی علت یہی ہے کہ اس سے مسجد میں داخل ہونا لازم آتا ہے جو کہ حائضہ کے لئے جائز نہیں۔

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

کہ نبی ﷺ کا ایک ارشاد یہ ہے کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔(۲) اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حائضہ کا مسجد میں جانا اور مسجد میں رہنا مطلقاً جائز ہے اور آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں کرتا۔(۳) ان دونوں احادیث میں تطبیق دینا ضروری ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسری کی ناسخ نہیں ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ ضرورت کی بناء پر جنبی اور حائضہ کا مسجد میں رہنا اور جانا جائز ہے اور بلا ضرورت جائز نہیں ہے، جیسا کہ خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے لیکن ضرورت کے وقت مباح ہیں۔(۴)

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک مطلقاً حائضہ اور جنبی کا مسجد میں جانا اور رہنا جائز نہیں ہے، ضرورت کی بناء پر جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جب کہ عام غیر مقلدین حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں جانے کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔(۵)

۱۔ المحلی بالآثار، ج۱ص۴۰۰۔۴۰۱ ۲۔ صحیح مسلم: ۲۹۸ ۳۔ سنن ابوداود: ۲۳۲

۴۔ فتاوی ابن تیمیہ، ج۲۶ص۱۰۹ ۵۔ تبیان القرآن، ج۱۱ص۶۹۷۔۷۰۰

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ حائضہ عورت مسجد میں چٹائی، مصلیٰ یا بچھونا بچھا سکتی ہے۔

☆ حائضہ عورت کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، چٹائی یا مصلیٰ بیرون مسجد کھڑے ہو کر بچھائے گی۔

☆ ام المؤمنین نے جو چٹائی یا بچھونا مسجد میں بچھایا، اس کی جسامت بہت کم تھی، اکثر علماء کے نزدیک وہ صرف اتنی جسامت کے تھے، جس پر چہرہ رکھ کر سجدہ کیا جا سکتا تھا، اور بعض کے نزدیک اتنی جسامت ہوتی تھی، جس پر کوئی شخص بیٹھ سکتا تھا، اس کا مقصد بھی اتنا ہی تھا کہ زمین کی تپش اور کنکریوں سے چہرہ کو بچایا جا سکے، اتنی کم جسامت والی چٹائی کو خارج از مسجد کھڑے ہو کر بچھانا آسان اور ممکن ہے۔

☆ آپ ﷺ کے زمانہ کی چٹائیاں ہمارے دور کی چٹائیوں کی طرح نہ تھیں، عصر حاضر میں چٹائیاں عام طور بیس ہاتھ (۲۰ فٹ) سے شروع ہو کر سو ہاتھ (۱۰۰ فٹ) یا اس سے بھی زائد جسامت کی ہیں، جبکہ عہد رسالت ﷺ کی جن چٹائیوں کا ذکر احادیث مبارکہ میں ہے، ان کی جسامت ایک ہاتھ (۱ فٹ) کے لگ بھگ تھی۔

☆ حائضہ، نفاسہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کے بارے میں مذاہب اربعہ کا مؤقف درج ذیل ہے:

۱۔ فقہاء احناف اور مالکیہ کے ہاں مطلقاً حرام ہے، اگرچہ مسجد میں داخلہ عبور کرنے کے لئے ہو۔

۲۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک حائضہ، نفاسہ اور جنبی کا داخلہ ٹھہرنے کے لئے اور بلا ضرورت ممنوع ہے، البتہ مسجد عبور کرنے کے لئے مباح ہے۔

فقہاء احناف اور مالکیہ کے دلائل:

فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک حائضہ، نفاسہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخلہ حرام ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ احادیث مبارکہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوھریرہ کا بیان ہے:

حضور نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے کہا: اے عائشہ! مجھے کپڑا دے دو۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا: میں نماز نہیں پڑھتی (یعنی حیض سے ہوں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ (حیض) تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے، پس انہوں نے وہ کپڑا پکڑا دیا۔ (۱)

۲۔ امام ابوداؤد اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کردو، کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کو حلال نہیں کرتا۔ (۲)

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آواز بلند فرمایا:

خبردار! یہ مسجد جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں ہے، مگر نبی ﷺ اور ان کی ازواج، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ کے لئے۔ (۳)

۱۔ سنن نسائی: ۳۸۱، مسلم: ۱۳، احمد: ۹۵۳۸، السنن الکبریٰ: ۲۶۶، تحفۃ الاشراف: ۳۴۴۳　　۲۔ ابوداؤد: ۲۳۲، سنن بیہقی، ج ۲ ص ۴۴۲

۳۔ ابن ماجہ: ۶۴۵

☆ حائضہ عورت کی گود میں لیٹ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا جائز ہے۔

☆ مرد کا اپنی بیوی کی گود میں لیٹنا بھی جائز ہے۔

☆ لیٹ کر یا ٹیک لگا کر قرآن پڑھنا جائز ہے۔

☆ احدانا: سے مراد غالباً ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود ہی ہیں، جس سے واضح ہوا کہ زوجین کو آپس کی بات اشارہ و کنایہ سے کرنا ہی زیادہ اولیٰ ہے۔

☆ حائضہ کو چھونا جائز ہے۔

بَابٌ فِي الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

باب ۱۷۵: حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے

بیوی کو اگر ماھواری یا ولادت کا خون آ رہا ہو، یا وہ جنبیہ ہو، تو اس کے پاس بیٹھ کر یا اس کی گود میں سر رکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت کا مسجد میں چٹائی بچھانے کا بیان تھا اور اس باب میں حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن پاک پڑھنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے مسئلہ استخراج کیا ہے۔

۲۷۳۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ، أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَأْسُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِ إِحْدَانَا وَهِيَ حَائِضٌ، وَهُوَ يَتْلُو الْقُرْآنَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ہم (ازواج مطہرات) میں سے کسی ایک کی گود میں ہوتا تھا، حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھی اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے:

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۷۹،۹، بخاری: ۲۹۷، ۷۵۴۹، مسلم: ۳۰۱، ابوداود: ۲۶۰، ابن ماجہ: ۶۳۴، السنن الکبری: ۲۶۸، احمد: ۲۴۴۳۵، جامع المسانید: ۷۶۹۵

۳۔تعارفِ رجال:

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع: ۱۲۸　　۲۔علی بن حجر: راجع: ۱۳

۳۔سفیان: راجع:۱۲۵ ۴۔منصور: راجع:۲۵۱

۵۔صفیۃ: ایضاً ۶۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے، امام ترمذی کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ تریانوے ویں (۹۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، اگلے تین مکی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (منصور) کی اپنی ماں (صفیہ) سے روایت ہے۔

☆ سند کی آخری دو روایات صحابیہ ہیں، یہ صحابیہ کی صحابیہ سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۲۷۲

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۲۷۱،۲۶۹

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث مبارکہ سے استنباط یہ ہے کہ حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے۔

☆ حائضہ عورت کو چھونا جائز ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی بہترین مثال ہے۔

☆ حائضہ عورت کی ناپاکی نجاست حکمیہ ہے۔

☆ حائضہ عورت سے نفرت جائز نہیں ہے۔

☆ میاں بیوی کو باہمی پیار و محبت والے رویوں اور عادات کو پروان چڑھانا چاہیے۔

باب۔غسل الحائض رأس زوجها

باب ۱۷۶: حائضہ کا اپنے خاوند کا سر دھونا

حیض ونفاس والی عورت کی ناپاکی نجاست حکمیہ ہے، اس لئے اس کے کام کاج کرنے اور اس سے خدمت کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ماھواری والی عورت کے لئے اپنے خاوند کا سر دھونا اور کنگھی کرنا وغیرہ بھی جائز ہے، اس بات میں امام نسائی رحمہ اللہ نے چار احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں خاوند کا حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں حیض والی بیوی کا اپنے خاوند کے سر دھونے کا بیان ہے۔

۲۷۴۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ :حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُومِءُ إِلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ، وَأَنَا حَائِضٌ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک میرے قریب کر دیتے، میں اسے دھو دیتی تھی، اس وقت میں ماھواری سے ہوتی تھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر انور دھو دیتی تھی، حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۸۵، بخاری: ۳۰۱، ۲۰۳۱، مسلم: ۲۹۷، احمد: ۲۵۹۸۵، السنن الکبریٰ: ۲۶۹، تحفۃ الاشراف: ۱۵۹۹۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کے حالات زندگی گذر چکے ہیں:

ا۔عمرو بن علی:	راجع: ۴	۲۔یحیٰ:	راجع: ۱۳۳
۳۔سفیان:	راجع: ۱۱۱	۴۔منصور:	راجع: ۲
۵۔ابراھیم:	راجع: ۱۱۸	۶۔الاسود:	راجع: ۲۳۴
۷۔عائشہ:	راجع: ۱۱۲		

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی علیہ الرحمۃ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ سنتالیسویں (۴۷) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل آئمہ حدیث وفقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے دوراوی بصری، باقی کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔
☆ سند کے اکثر راوی آئمہ فقہ وحدیث ہیں۔
☆ یہ تابعی (ابراھیم) کی دوسرے تابعی (اسود) سے روایت ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، کلمہ تحدیث اور عنعنہ تین تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

یومئ الی راسه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر انور میرے قریب کر دیتے یا سر انور میری طرف جھکا دیتے

معتکف: اعتکاف بیٹھنے والے۔

اغسله: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھودیتی۔

اناحائض: میں ماھواری کی حالت میں ہوتی۔

۲۷۵۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، وَذَكَرَ آخَرُ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرِجُ إِلَيَّ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر انور مسجد سے باہر میری طرف نکال دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھوتی تھی، اس وقت میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھوتی تھی، اس وقت میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔

۲۔اطراف:

بخاری:۲۹۷،۲۰۳۱،مسلم:۲۹۷،احمد:۲۴۲۹۲،السنن الکبریٰ:۲۶۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کی سرگزشت حیات لکھی جاچکی ہے، حضرت ابوالاسود محمد بن عبدالرحمان کا تعارف لکھا جاتا ہے:

۱۔محمد بن سلمۃ: راجع:۲۰　　۲۔ابن وھب: راجع:۹

۳۔عمرو بن الحارث: راجع:۷۹

۴۔ابوالاسود:

آپ کا نام ابوالاسود محمد بن نوفل بن اسود اسدی مدنی (م:۱۳۱ھ) ہے، آپ کی پرورش حضرت عروہ بن زبیر نے کی، کیونکہ آپ کے والد نے اس کی وصیت کی تھی، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں آپ سے گیارہ (۱۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔عروۃ: راجع:۱۴۶　　۶۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆　یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆　سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکیسویں (۱۲۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆　سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆　سند کے پہلے چار راوی مصری اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆　حضرت ابوالاسود مدنی مصری راوی ہیں۔

☆　حضرت عبداللہ بن وھب نے یہ حدیث مبارکہ حضرت عمرو بن الحارث سے روایت کی، انہوں نے ایک اور راوی کا بھی ذکر کیا، اور ان دونوں نے حضرت ابوالاسود سے روایت کی۔

☆　دوسرا راوی مبہول ہے، لیکن اس کی جہالت نقصان دہ نہیں، کیونکہ حضرت عمرو بن حارث ثقہ راوی ہیں۔

۱۔　i۔الجرح والتعدیل، ج ۷، ص ۳۲۱　　ii۔رجال البخاری (باجی)، ج ۲، ص ۶۵۶

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۲۷۴

۲۷۶۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو کنگھی کرتی تھی، اس وقت میں ماھواری کی حالت میں ہوتی تھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی بظاھر باب کے عنوان سے مطابقت نہیں ہے، کیونکہ عنوان میں ماھواری کی حالت میں زوجہ کا خاوند کے سر کو دھونے کا بیان ہے، جبکہ حدیث مبارکہ میں کنگھی کرنے کا بیان ہے، البتہ اس کی مطابقت کے دو احتمال اور قرینے ہیں:

۱۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب سر انور دھویا، تو ساتھ ہی کنگھی بھی کی ہوگی۔

۲۔عام عادت یہ ہے کہ نہانے کے بعد کنگھی کی جاتی ہے، اس لئے ضمناً اس کو بھی ذکر کر دیا۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۹۵،۲۹۶،۳۰۱،۲۰۲۸،۲۰۳۱،۲۰۴۶،۲۰۴۷،سنن ترمذی: ۱۳۲،سنن نسائی: ۳۸۷،السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۳۸۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۷،۱۰۳۱،۱۰۳۱،مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱،ص ۳۵،سنن دارمی: ۱۰۳۷،المنتقی: ۱۰۶،سنن بیہقی، ج ۱،ص ۱۸۹،شرح السنۃ: ۳۱۷،مسند احمد: ۲۵۵۶۳

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔قتیبۃ بن سعید: راجع: ۱۱۸ ۲۔مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ھشام بن عروۃ: راجع: ۱۴۶ ۴۔عروۃ: ایضاً

۵۔عائشۃ: راجع: ۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

- ☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چورانویں (۹۴) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہہ ہیں۔
- ☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
- ☆ سند کے آخری چار راوی فقہاء مدینہ منورہ میں سے ہیں۔
- ☆ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام دارالہجرہ اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔
- ☆ یہ بیٹے کی باپ اور بھانجے کی خالہ سے روایت ہے۔
- ☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
- ☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کنت ارجل : میں کنگھی کرتی تھی، میں بال سنوارتی تھی۔

۲۷۷۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، ح وَأَنْبَأَنَا عَلِيُّ بْنُ شُعَيْبٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا مِثْلَ ذَلِكَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی کی مثل دوسری سند سے روایت ہے۔

۱۔مطابقت:

راجع:۲۷۶

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ راویوں کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت علی بن شعیب کا تذکرہ لکھا جاتا ہے:

۱۔قتیبۃ بن سعید: راجع:۱۱۸ **۲۔مالک:** راجع:۱۱۷

۳۔علی بن شعیب:

آپ کا نام ابوالحسن علی بن شعیب بن عدی بن ھمام سمسار بزاز بغدادی طوسی (م:۲۵۳ھ) ہے، آپ فارسی الاصل ہیں، آپ

رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔معن:　　راجع:۶۲　　۵۔الزھری:　　راجع:۱۱۶

۶۔عروۃ:　　راجع:۱۴۶　　۷۔عائشۃ:　　راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت بیک وقت خماسی اور سداسی ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پچانویں (۹۵) اور سداسیات کے اعتبار سے ایک سو بائیسویں (۱۲۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، تیسرے بغدادی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ امام زہری آئمہ محدثین میں سے ہیں، یہ ان آئمہ محدثین میں سے ہیں، جنہوں نے ابتدائی طور پر احادیث جمع کرنے پر توجہ دی تھی۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں تحویل ہے، جو سند کی تقویت کا باعث ہے۔

☆ تحویل سند کا مدار حضرت امام مالک ہیں۔

☆ مثل ذلک: سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں روایات کے الفاظ و مفہوم ایک ہی ہیں، جب الفاظ مختلف ہوں اور معنیٰ ایک ہو تو محدثین "نحوہ" بولتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور حدثنا دو دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۲۷۶

۷۔مسائل ونصائح:

بیوی کی مرضی سے اس سے خدمت لینے کا جواز:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حائضہ اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ اپنے شوہر

ا۔　ا۔تاریخ بغداد، ج۱۱، ص۴۳۵　　ii۔تقریب التھذیب، ج۲، ص۴۴

کے سر کو دھوسکتی ہے اور اس میں کنگھی کر سکتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ بیوی کی مرضی سے اس سے خدمت لی جاسکتی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ہشام نے خبر دی از عروہ، بے شک ان سے سوال کیا گیا: آیا حائضہ میری خدمت کر سکتی ہے یا عورت اگر جنبی ہو تو میرے قریب ہوسکتی ہے؟ عروہ نے کہا: یہ سب چیزیں میرے اوپر آسان ہیں اور میری بیوی اس طرح میری خدمت کرتی ہے اور اس میں کسی کے لئے بھی کوئی حرج نہیں ہے، مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھیں اور وہ حائضہ ہوتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تھے، آپ اپنا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کرتے اور وہ اپنے حجرہ میں ہوتی تھیں، پس وہ آپ کے سر میں کنگھی کرتیں اور وہ حائضہ ہوتی تھیں۔ (۱)

حائضہ کو چھونے اور اس کو مس کرنے کا جواز:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ نے از منبوذ از مادر خود یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے بال بکھرے ہوئے دیکھ رہی ہوں، انہوں نے کہا: میری کنگھی کرنے والی ام عمار حائض ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے بیٹے! حیض ہاتھ میں تو نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر ہم میں سے کسی ایک کے حجرہ میں رکھتے تھے اور وہ حائضہ ہوتی تھی۔ (۲)

باب مذکور کی حدیث میں عروہ کا استدلال حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی طرح ہے اور وہ حائض کی طہارت میں اور اس سے جسمانی قرب میں حجت ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں جو ہے:

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (۳)　　اور عورتوں سے مباشرت مت کرو۔ر جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو

اس آیت میں مباشرت سے مراد جماع ہے، اس آیت میں عورت کو چھونے اور اس کو مس کرنے کی ممانعت نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کر دیتے تھے اور وہ آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھیں، حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کا رد ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ معتکف کے لئے باوضو ہونا لازم نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد زینت کے لئے کنگھی کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض اپنے خاوند کی خدمت کر سکتی ہے، اس کی صفائی کر سکتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مصلیٰ طلب کیا اور انہوں نے کہا: میں حائضہ ہوں تو آپ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (۴)

۱۔ جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۴۳۹　۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۲۰۲، مسند احمد: ۲۶۸۱، ج ۴۴ ص ۳۹۱

۳۔ البقرۃ ۲: ۱۸۷　۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲ ص ۴۵۴

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض تنزیہاً اور تعظیماً مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔(۱)
میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ معتکف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے یا صفائی کی غرض سے مسجد سے باہر غسل کرنے کے لئے نہیں جاسکتا، ورنہ رسول اللہ ﷺ غسل کرنے کے لئے اپنے حجرہ میں چلے جاتے اور مسجد سے حجرہ میں اپنا سر داخل نہ کرتے۔

جنبی اور حائضہ کے جسم پر صرف حکمی نجاست ہے:

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:
خلاصہ یہ ہے کہ حائض کا بدن طاھر ہے اور اس کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے، جس طرح جنبی کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے، اس پر متعدد علماء کا اجماع ہے، حماد سے سوال کیا گیا: آیا حائض اپنے پسینہ سے آلود کپڑوں کو دھوئے گی؟ انہوں نے کہا: یہ کام صرف مجوس کرتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جنبی اور حائض کے بدن پر نجاست حکمیہ ہوتی ہے، جو غسل سے زائل ہو جاتی ہے۔(۲)(۳)

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی کا ان چاروں احادیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ حائضہ عورت اپنے خاوند کا سر دھوسکتی ہے۔
☆ حائضہ عورت خاوند کو کنگھی بھی کرسکتی ہے، ان دو امور میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
☆ بیوی کی مرضی سے اس سے خدمت لی جاسکتی ہے۔
☆ حالت حیض میں اپنی بیوی کو چھونا جائز ہے۔
☆ مرد کا زینت کے لئے کنگھی کرنا جائز ہے۔
☆ حائضہ اپنے خاوند کی خدمت کرسکتی ہے، اور اس کی زیب و زینت بناسکتی ہے۔
☆ عورت کا حالت ماھواری میں مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔
☆ حائضہ کے جسم پر نجاست حکمیہ ہوتی ہے، جو غسل سے زائل ہو جاتی ہے۔

باب مؤاكلة الحائض والشرب من سؤرها

باب ۱۷۷: حائضہ عورت کو ساتھ کھلانا اور اس کا جوٹھا پینا

جب اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، اس وقت عرب معاشرے میں عورت کو کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا، اس وقت کے مذہبی طبقات (یہود و نصاریٰ) بھی اس روش کو اپنائے ہوئے تھے، خاص طور پر ماھواری کے دنوں میں عورتوں کو اچھوت سمجھا جاتا تھا، اور ان کے ساتھ

۱۔ شرح ابن بطال، ج۱، ص۴۱۸ ۲۔ فتح الباری لابن رجب، ج۱، ص۴۰۲ ۳۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۷۸۹۔۷۹۰

کھانے پینے اور بیٹھک کو انتہائی معیوب جانا جاتا تھا، آقا کریم ﷺ نے ان قبیح رسموں کو ختم کیا، اور اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اعلیٰ انسانی اخلاق کو اپناتے ہوئے، ان کو اپنے ساتھ کھلایا پلایا، ان کے چھوڑے ہوئے برتنوں سے کھایا پیا، ان کے بچے ہوئے کھانے اور مشروب سے تناول فرمایا، ان کے ساتھ مس کیا، اس باب میں آقائے نامدار ﷺ کے اسی اعلیٰ اخلاق کی ایک جھلک کا بیان، ان کی انتہائی پیاری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی، امام نسائی نے بیان کیا ہے، اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ کو اپنا موضوع مستدل بنایا ہے، پچھلے باب میں حیض والی عورت کا اپنے خاوند کے سر دھونے کا بیان تھا، اور اس باب میں خاوند کا اپنی حائضہ عورت کو ساتھ کھلانے اور اس کا جوٹھا پینے کا بیان ہے۔

۲۷۸۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ وَهُوَ ابْنُ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ شُرَيْحٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سَأَلْتُهَا :هَلْ تَأْكُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا وَهِيَ طَامِثٌ؟ قَالَتْ :نَعَمْ ,كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُونِي فَآكُلُ مَعَهُ وَأَنَا عَارِكٌ، وَكَانَ يَأْخُذُ الْعَرْقَ فَيُقْسِمُ عَلَيَّ فِيهِ فَأَعْتَرِقُ مِنْهُ، ثُمَّ أَضَعُهُ فَيَأْخُذُهُ فَيَعْتَرِقُ مِنْهُ وَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ وَضَعْتُ فَمِي مِنَ الْعَرْقِ، وَيَدْعُو بِالشَّرَابِ فَيُقْسِمُ عَلَيَّ فِيهِ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبَ مِنْهُ، فَآخُذُهُ فَأَشْرَبُ مِنْهُ، ثُمَّ أَضَعُهُ فَيَأْخُذُهُ فَيَشْرَبُ مِنْهُ، وَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ وَضَعْتُ فَمِي مِنَ الْقَدَحِ

حضرت شریح بن ھانی کا بیان ہے:

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا عورت ماہواری کی حالت میں اپنے خاوند کے ساتھ کھا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آقا کریم ﷺ مجھے بلاتے تھے، میں آپ ﷺ کے ساتھ کھاتی اور اس وقت میں حائضہ ہوتی تھی۔ آقا کریم ﷺ ہڈی والی بوٹی اٹھاتے، اور مجھے کھانے کی قسم دیتے، میں اس سے گوشت نوچتی، پھر میں رکھ دیتی، آقا کریم ﷺ اسے اٹھا کر اس سے گوشت نوچتے، آپ ﷺ بوٹی کو اسی جگہ سے نوچتے، جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا۔ اسی طرح آقا کریم ﷺ مشروب منگواتے، تو پہلے مجھے پینے کی قسم دیتے، میں اسے پکڑ کر پیتی، پھر رکھ دیتی تھی، تو آقا کریم ﷺ اسے نوش فرماتے، آپ ﷺ اپنا دھن مبارک برتن میں اسی جگہ رکھتے، جہاں میں نے پیا ہوتا تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۷۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت یزید بن مقدم کے حالات

زندگی سپردِ قلم کیے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبۃ: راجع: ۱۱۸

۲۔ یزید:

آپ کا نام یزید بن المقدام بن شریح بن ھانی حضرمی حارثی کوفی ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، علامہ ابن عسقلانی نے کہا: کہ عبدالحق نے ان کی تصنیف کرنے میں غلطی کی ہے، آپ سے سنن نسائی میں تین احادیث مبارکہ مروی ہیں" امام بخاری (ادب المفرد)، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ المقدام بن شریح: راجع: ۸ ۴۔ شریح بن ھانی: ایضاً

۵۔ عائشۃ: راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ چھیانوے ویں (۹۶) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت یزید کو اکثر نے صدوق قرار دیا ہے۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، اگلے تین کوفی اور آخری مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ اس سند میں باپ، بیٹا اور پوتا راوی ہیں۔
☆ حضرت یزید بن مقدام سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

سالتھا: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔

ھل تاکل المرأۃ: کیا عورت کھائے۔

طامث: ماھواری والی عورت۔ حائضہ۔

۱۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۶۷۶ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۳۸۰

يدعوني:	آپ ﷺ مجھے بلاتے۔
فاكل معه :	میں آپ ﷺ کے ساتھ کھاتی۔
عارك:	حیض والی عورت۔
كان يا خذ العرق:	آپ ﷺ ہڈی والی بوٹی پکڑتے۔
فيقسم علي:	آپ ﷺ مجھے قسم دیتے۔
فاعترق منه:	میں اس بوٹی سے گوشت نوچتی۔
ثم اصنعه:	پھر میں اسے رکھ دیتی۔
فمه:	آپ ﷺ کا دھن مبارک۔
حيث وضعت :	جہاں میں رکھتی، جہاں سے میں لگاتی۔
بالشراب:	پینے کے لئے کوئی مشروب۔
فاقده:	پس میں اسے پکڑتی۔
فاشرب منه:	میں اس سے پیتی۔
القدح:	برتن۔ پیالہ۔

۲۷۹۔ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَزَّانُ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ فَاهُ عَلَى الْمَوْضِعِ الَّذِي أَشْرَبُ مِنْهُ فَيَشْرَبُ مِنْ فَضْلِ سُؤْرِي، وَأَنَا حَائِضٌ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:
آقا کریم ﷺ اپنا دھن مبارک اسی جگہ رکھتے، جہاں سے میں نے منہ لگا کر پیا ہوتا تھا، آپ ﷺ میرا بچا ہوا پیتے، حالانکہ میں ماھواری سے ہوتی تھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:
باب کے عنوان میں دو امور کا بیان ہے، ایک حائضہ کو اپنے ساتھ کھلانے کا اور دوسرا اس کا جھوٹا پینے کا۔ حدیث مبارکہ میں دوسرے امر کا بیان ہے، یعنی آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جوٹھا نوش فرمایا۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۷۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو کا درج کیا جاتا ہے:

۱۔ ایوب بن محمد الوزان: راجع: ۳۲

۲۔ عبداللہ بن جعفر:

آپ کا نام ابوعبدالرحمان عبداللہ بن جعفر بن غیلان رقی قریشی (م: ۲۲۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں۔ آپ کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا، لیکن اس کا روایات پر اثر نہیں ہے، کیونکہ آپ ۲۱۶ھ میں نابینا ہو گئے تھے، ۲۱۸ھ میں حافظہ میں اختلاط واقع ہوا تھا، اور ۲۲۱ھ میں دارفانی سے واصل بحق ہوئے۔ آپ سے سنن نسائی میں چار (۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ عبیداللہ بن عمرو:

آپ کا نام ابووھب عبیداللہ بن عمرو بن ابی الولید اسدی جزری رقی (۱۰۱ھ۔۱۸۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، فقیہ راوی ہیں، کبھی کبھی وہم کا شکار ہو جاتے تھے، آپ نے اناسی سال کی عمر میں وفات پائی، آپ سے سنن نسائی میں سولہ (۱۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۴۔ الاعمش: راجع: ۱۱۸　　**۵۔ المقدام بن شریح:** راجع: ۸

۶۔ شریح: ایضاً　　**۷۔ عائشۃ:** راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ اڑتالیسویں (۴۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۱۔ i۔ الثقات، ج ۸، ص ۳۵۱　　ii۔ تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۳۸۶

۲۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۵، ص ۳۲۸　　ii۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۸۴

☆ سند کے پہلے تین راوی رقی، اگلے تین کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل ساتویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کان رسول الله ﷺ یضع فاه : آقا کریم ﷺ اپنا دھن مبارک رکھتے۔

فضل سؤری: میرا جوٹھا بچا ہوا۔

۷۔مسائل ونصائح:

☆ حائضہ عورت نجس العین نہیں ہے، وہ کھانا پکا سکتی ہے، گھر کے کام کاج کر سکتی ہے، جسم کو چھو سکتی ہے۔(۱)

☆ حیض اور جنابت کی حالت ظاہری پلیدی نہیں، لہٰذا حائضہ اور جنبی کا جوٹھا پاک ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے نبی اکرم ﷺ کے کمال حسن معاشرت کا درس ملتا ہے۔

☆ آدمی اپنی بیوی سے جماع کے علاوہ ہر وہ معاملہ کر سکتا ہے، جس سے دونوں کو سرور حاصل ہو۔(۲)

☆ حیض کی حالت میں عورت کی شرمگاہ کے علاوہ تمام اعضاء پاک ہوتے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان بیان حکم، اظہار انس ومحبت اور میاں بیوی کے حسن معاشرت کے لئے ہے۔(۳)

☆ یہ حدیث مبارکہ نبی کریم ﷺ کی اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت اور کمال تواضع کی بہت عمدہ مثال ہے(۴)

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ انسان کو اپنی بیوی کے ساتھ پیار ومحبت بڑھانے والے کام کرتے رہنا چاہئے۔(۵)

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا، اسے ساتھ کھلانا اور پلانا امر مباح ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان ومنقبت ہے، اور اس امر کا اظہار ہے کہ آقا کریم ﷺ کو آپ سے بہت محبت تھی۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایسے کاموں میں شوہر بیوی کو قسم دے سکتا ہے، یہ محبت وشفقت کا ایک انداز ہے۔

☆ حائضہ عورت کا منہ پاک ہوتا ہے۔(۶)

۱۔ شرح مسلم نووی، ج۱،ص۱۴۲ ۲۔ سنن نسائی (فوائد)، ج۱،ص۱۳۵ ۳۔ حاشیہ سندھی، ص۲۷

۴۔ شرح سنن نسائی، ج۲،ص۱۷۷ ۵۔ فیوض الراھی، ج۱،ص۸۵۴ ۶۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۵،ص۸

۸۔ خلاصہ:

☆ ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ حائضہ بیوی کو ساتھ کھلانا اور اس کا جوٹھا پینا جائز ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورت کا منہ اور جسم پاک ہوتا ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ عورت کا جوٹھا پاک ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

☆ تمام آئمہ کرام اس پر متفق ہیں کہ حائضہ عورت کا باقی جسم اور اعضا پاک ہوتے ہیں۔

☆ حائضہ عورت کا مباشرت کے علاوہ تمام امور سرانجام دینا جائز ہے، اسی طرح کھانا پکانا، بچوں کو دودھ پلانا، گھر کے دوسرے کام سرانجام دینا جائز ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور محبت کے اظہار کی بڑی اعلیٰ مثال ہے۔

☆ اسلام میں یہ حدیث مبارکہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کی آئینہ دار ہے، اور میاں بیوی کے درمیان محبت ومودت کا عملی نمونہ ہے، جسے ہر انسان کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

☆ آدمی کے لئے اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ جماع کے علاوہ باقی معاملات کرنا جائز ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خصوصی شفقت ومحبت فرماتے تھے۔(۱)

☆ اس حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی شان اور منقبت کا بیان ہے، کہ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا جوٹھا تناول و نوش فرماتے ہیں، سبحان اللہ، کہاں وہ منظر کہ حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں، اور پھر اس غسالہ کو اپنے چہروں اور جسم پر مل کر برکت حاصل کرتے ہیں، اور کہاں یہ منظر کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے گوشت کی بوٹی کو کھاتے اور پیالہ سے نوش فرماتے ہیں، جہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لب مبارک لگے ہیں، پھر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم قسم دے کر اس کی فرمائش بھی خود فرماتے ہیں۔ یہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی ہے، جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

بَابُ الِانْتِفَاعِ بِفَضْلِ الْحَائِضِ

باب ۱۷۸: حائضہ عورت کے جوٹھے سے فائدہ اٹھانا

حائضہ عورت کی ناپاکی نجاست حکمیہ ہے، اس لئے اس کے ہاتھ، منہ، چہرہ اور جسم پاک ہوتا ہے، اس کا جوٹھا پاک ہوتا ہے، اس کا بچا ہوا کھانا پینا جائز ہے، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے، پچھلے باب حیض والی عورت کو کھلانا اور اس کے بچے ہوئے سے پینے کا بیان تھا، اس باب میں ماھواری والی عورت کے جوٹھے سے فائدہ اٹھانے کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۔ فیوض النزاہی فی شرح النسائی، ج ۱، ص ۸۵۴

۲۸۰۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَقُولُ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاوِلُنِي الْإِنَاءَ فَأَشْرَبُ مِنْهُ وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ أُعْطِيهِ فَيَتَحَرَّى مَوْضِعَ فَمِي ,فَيَضَعُهُ عَلَى فِيهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ مجھے دیتے، میں اسے پیتی، حالانکہ میں ماہواری سے ہوتی تھی، پھر میں وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور کر کے وہیں سے نوش فرماتے، جہاں سے میں نے منہ لگا کر پیا ہوتا تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا برتن سے پیتیں، پھر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے نوش فرماتے، یہ حائضہ کے جوٹھے کو استعمال میں لانا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۷۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔محمد بن منصور:	راجع:۲۱	۲۔سفیان بن عیینہ:	راجع:۱۲۵
۳۔مسعر:	راجع:۲۶۸	۴۔المقدام بن شریح:	راجع:۲۷۸
۵۔شریح بن ھانی:	ایضاً	۶۔عائشۃ:	راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو تئیسویں (۱۲۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی خزاعی، باقی سارے کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔
☆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل آٹھویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ حضرت مقدام بن شریح ،از شریح از حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک ہی مفہوم کی روایت نقل کی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

يناولني : آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب کرتے ، مجھے دیتے۔

الاناء : برتن۔ پیالہ۔

اعطيه : میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی۔

يتحرى : آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور فرماتے۔

يضعه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دھن مبارک رکھتے۔

۲۸۱۔أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ : حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ وَسُفْيَانُ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ وَأُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ .فَيَشْرَبُ وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ، وَأُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں ماھواری کی حالت میں پانی پیتی ، پھر وہ پیالہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ دھن مبارک رکھ کر پانی نوش فرماتے ، جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا، اسی طرح میں حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچتی ، پھر اسے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حصہ سے تناول فرماتے ، جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا۔

۱۔مطابقت:

راجع: ۲۸۰

۲۔اطراف:

راجع: ۷۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے، البتہ امام وکیع کے حالات دوبارہ تفصیل سے سپرد قلم کئے جاتے ہیں:

ا۔محمود بن غیلان:　　　راجع: ۳۷

۲۔حضرت وکیع بن الجراح الرواسی :

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز اتباع تابعین نے علم عمل کے چراغ روشن کئے۔ ان میں امام وکیع بن الجراح کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اگر چہ ان کی تصانیف کی عدم شہرت اور نایابی کی بناء پر ان کی شخصیت اہل قلم کی توجہات کا مرکز نہ بن سکی، لیکن علم وفضل، زہدوورع، ذہانت اور فطانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ امام وکیع کے علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابن مبارک، ابن معین اور ابن مدینی اور امام شافعی جیسے فضلاء روزگار ان ہی کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔

نام ونسب:

وکیع نام اور ابوعبدالرحمٰن الرواسی کنیت تھی۔(۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی بن الفرس بن سفیان بن الحارث بن عمر بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عمار بن صعصعہ،(۲) قبیلہ قیس عیلان کی ایک شاخ رواس کی نسبت سے رواسی کہلاتے ہیں۔(۳)

نشوونما:

امام وکیع ۱۲۹ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔(۴) مگر بغدادی نے بسند امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی تو فرمایا:

ولدت سنة ثمان وعشرين ومائة۔ (۵)

میری ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلاً کوفی تھے۔ مگر بعض کا خیال ہے کہ آپ کے مولد ہونے کا شرف نیشاپور کے استواء نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے۔

بیشتر شواہد اور دلائل اول الذکر ہی کو مرجع قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کوفہ میں ولادت کے بعد استواء منتقل ہو گئے ہوں۔

امام وکیع نے کوفہ ہی میں نشوونما پائی۔ وہاں ان کے والد بیت المال کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔(۶) خود فرماتے ہیں:

كان ابى على بيت المال (۷)

میرے والد بیت المال کے نگران تھے۔

ا۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۶۶، الفہرست لابن ندیم، ص۳۱۷　　۲۔ الطبقات الکبیر لابن سعد، ج۶، ص۲۷۵

۳۔ الاعلام، ج۳، ص۱۳۶، المستطرفہ، ص۳۵، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸۰

۴۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۱۰۴، الانساب للسمعانی، ج۶، ص۱۸۲　　۵۔ تاریخ البغداد، ج۱۳، ص۴۶۲

۶۔ کتاب الجمع بین الرجال الصحیحین، ج۲، ص۵۴۶　　۷۔ الاعلام، ج۳، ص۱۱۳۶

تحصیل علم:

امام وکیع نے اپنے وقت کے تقریباً سبھی علمی سرچشموں سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ ان کے زمانہ تک علم سینہ بسینہ رائج تھا، اسی بناء پر تحصیل علم میں جو مشقت اور تکلیفیں علمائے سلف نے اٹھائیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں جب ہم امام وکیع کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی تحصیل کے لئے کتنی مشقت جھیلی ہوگی، مگر اسی سچی لگن اور جذبۂ صادق نے انہیں علوئے مرتبت کے اس مقام پر فائز کیا کہ زبان خلق نے ان کو امام المسلمین احدائمة الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے نوازا۔

امام وکیع کے فطری جوہر طالب علمی ہی کے زمانہ میں نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، چنانچہ جب وہ امام اعمش کے پاس کسب فیض کے لئے گئے تو انہوں نے نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

ما احسب الا سیکون لك نبأ (۱)

میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا۔

یحیٰی بن یمان امام وکیع کے عہد طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

نظر سفیان الی عینی وکیع فقال ترون هذا الرواسی لایموت حتیٰ یکون له نبأ (۲)

سفیان نے امام وکیع کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا، تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو، موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔

اپنے شاگرد کے بارے میں استاذ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

شیوخ:

امام وکیع نے مختلف ملکوں کے نامور فضلاء سے فیض حاصل کیا، ان میں سے نمایاں اساتذہ کے نام یہ ہیں:

اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروہ، سلیمان الاعمش، عبداللہ بن عون، ابن جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ثوبہ بن ابی صدقہ، جریر بن حازم، خالد بن دینار، سلمہ بن نبیط، عیسیٰ بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، اسامہ بن زید، اللیثی، مسطر، حنظلہ بن ابی سفیان، علی بن صالح بن حی، زکریا بن اسحاق، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن عبید، طلحہ بن یحییٰ، عبدالحمید بن جعفر، عذرہ بن ثابت، علی بن المبارک، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، ابن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس الاسدی، الوراق، ہشام الدستوئی، ہشام بن سعد، حماد بن سلمہ، سعید بن عبدالعزیز التنوخی، سلیمان بن المغیرہ، صالح بن ابی خضر، عبداللہ بن عمر العمری، عبدالعزیز بن ابی رواد، فضیل بن مرزوق، قرۃ بن خالد، مبارک بن فضالہ، موسیٰ بن عبیدہ الربذی، ہمام بن یحییٰ، یونس بن ابی اسحاق، ابی ہلال الراسبی، یزید بن زیاد۔ (۳)

ایک روایت کے مطابق امام وکیع نے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام ابو زفر سے بھی سماعت حدیث کی تھی۔ (۴) بغدادی نے بھی لکھا ہے کہ وکیع نے امام ابوحنیفہ سے سماع کیا تھا۔ و کان قد سمع منه شیئاً کثیراً (۵)

۱۔ کتاب الانساب للسمعانی، ج ۶، ص ۱۸۲ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۹ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۳۲، ۱۲۴
۴۔ الفوائد البہیہ، ص ۱۲ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۱

ضمیری نے بھی ان کا شمار امام اعظم کے تلامذہ کے ساتھ کیا ہے۔(۱)

درس حدیث:

ان جلیل القدر اساتذہ کے فیض نے ان کو آسمان علم کا نیر تاباں بنا دیا اور ان کے فضل وکمال کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مختلف ملکوں کے طلبہ اس منبع علم سے فیض یاب ہونے کے لئے اُمڈ پڑے۔امام وکیع کے حلقہ درس سے جو فضلاء نکلے ان میں یحیٰی بن آدم، ابن معین اور ابن مدینی جیسی یگانہ وقت ہستیاں شامل ہیں اور عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر بزرگ، جنہوں نے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور حمید الطویل جیسے آئمہ سے فیض حاصل کیا تھا، وہ بھی وکیع سے فخریہ روایت کرتے ہیں۔

امام وکیع نے اپنے شیخ سفیان ثوری کی رحلت کے بعد مسند درس کو زینت دی۔(۲)(۲)مشہور امام جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۵ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا،لیکن ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ:

حدث وكيع وهو ابن ثلاث وثلاثين سنة

یعنی وکیع نے ۳۳ سال کی عمر میں درس کا آغاز کیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا اور دوسرے تمام حلقہ ہائے درس ویران نظر آنے لگے۔ابوہشام رفاعی کہتے ہیں:

دخلت المسجد الحرام فاذا عبيدالله بن موسیٰ يحدث والناس حوله كثير فطعفت اسبعاثم جنت فاذا عبيدالله قاعدوحده فقلت ماهذا فقال قدم التنين فاخذهم يعن وكيعاً (۳)

ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا تو عبیداللہ بن موسیٰ کو حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا۔ان کے اردگرد طلبہ کا ہجوم تھا۔پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو آ کر دیکھا تو عبیداللہ تن تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔میں نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ایک اژدھا آ گیا ہے جو پورے حلقہ کو نگل گیا۔ان کی مراد امام وکیع سے تھی۔

خطیب نے بھی اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا۔(۴)

اس کے علاوہ بھی مسجد حرام کے کئی حلقائے درس امام وکیع کے مکہ آ جانے کے بعد ویران ہو گئے،جن کی تفصیل خطیب نے بیان کی ہے۔

تلامذہ:

امام وکیع کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے،مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن حنبل، ابن المدینی، یحیٰی بن آدم، قتیبہ بن سعید، یحیٰی بن معین، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، احمد بن جعفر الوکیعی، عباس بن غالب الوراق، یعقوب الدورقی، (۵) عبیداللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبداللہ القصار، (۶) احمد بن منیع، حسن بن عروہ، (۷)

۱۔ الجواہر المضیہ، ج۲،ص۲۰۹　۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳،ص۱۰۴، تاریخ بغداد، ج۱۳،ص۴۶۸　۳۔ تہذیب التہذیب، ج۱۱،ص۱۲۹

۴۔ تاریخ بغداد، ج۱۳،ص۴۷۹　۵۔ الانساب للسمعانی، ج۶،ص۱۸۱، تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۶۷

۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۸۰　۷۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، ج۱،ص۴۱۵

اسحاق الحنظلی، محمد بن نمیر، عبداللہ الحمیدی، محمد بن سلام، یحییٰ بن جعفری، یحییٰ بن موسیٰ، محمد بن مقاتل، ابوسعید اشج، نصر بن علی، سعید بن ازہر، ابن ابی عمر، علی بن حشرم، (۱) یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، محمد بن صلاح الدولابی، ابراہیم بن سعد، الجوہری۔ (۲)

علامہ ابن حجر نے ابراہیم بن عبداللہ القصار کو امام وکیع کا آخری شاگرد بتایا ہے۔ مذکورہ بالا تلامذہ کے علاوہ امام وکیع سے بعض ان مشاہیر آئمہ نے بھی روایت کی ہے جو وکیع کے استاد ہیں یا شیوخ کی صف کے بزرگ ہیں۔ جیسے امام سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی۔

فضل وکمال:

امام وکیع کا فضل وکمال ان کے دور کے علاوہ علماء میں مسلم تھا اور وہ سب ان کے کمالات کے معترف تھے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ:

مارأیت رجلا قط مثل وکیع فی العلم والحفظ والاسناد والابواب مع خشوع وورع (۳)

میں نے علم، حفظ، اسناد اور ساتھ ہی ساتھ ورع وتقویٰ میں امام وکیع بن جراح کا مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

انہی کا دوسرا قول ہے:

مارأیت عینی مثلہ قط یحفظ الحدیث جیداً ویذاکر بالفقہ فیحسن مع ورع واجتھاد (۴)

میری آنکھوں نے امام وکیع کا مثل نہیں دیکھا، وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے، فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے۔ تقویٰ اور اجتہاد میں مختار تھے۔

ابن عمار کہتے ہیں:

ماکان بالکوفۃ فی زمان وکیع، فقہ ولا اعلم بالحدیث، کان وکیع جھبذا (۵)

وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ امام وکیع عبقری وقت تھے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

کان وکیع فی زمانہ کالاوزاعی فی زمانہ (۶)

امام وکیع کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو امام اوزاعی کی ان کے وقت میں تھی۔

ابن ناصر الدین کا قول ہے:

ابوسفیان (وکیع) محدث العراق ثقۃ متفق ورع

امام سفیان وکیع محدث عراق ثقہ اور متقی تھے۔

۱۔ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین، ج ۲، ص ۵۴۶ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۵ ۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۴
۴۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۳۵۰ کتاب الانساب للسمعانی، ص ۲۶۱ ۵۔ ایضاً ۶۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۲

ابن سعد نے انہیں ثقہ، بلند مرتبہ عالم، مامون، کثیر الحدیث اور حجۃ لکھا ہے۔ (۱) ان کمالات کی بناء پر وہ امام کوفہ اور محدث عراق کے خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ذہانت اور قوت حافظہ:

مبداء فیاض نے امام صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ ان کی ذکاوت وفطانت کے جوہر صغر سنی ہی میں کھلنے لگے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے جو حدیث کسی شیخ سے سنی، وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی۔ ان کی اس خصوصیت پر ائمہ وقت رشک کرتے تھے۔ قاسم حربی بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوری امام وکیع کو بلا کر پوچھتے کہ رواسی سے تم نے کونسی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ سفیان ثوری اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے اور تعجب وحیرت کا اظہار کرتے۔ (۲)

اپنی قوت حافظہ کے بارے میں خود وکیع کا بیان ہے:

مانظرت فی کتاب منذ خمس عشرة سنة الا فی صحیفة یوماً فنظرت فی طرف منه ثم اعدته علی مکانه (۳)

میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور پر دیکھا اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دی۔

اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے اور طلبہ اس کو اثنائے درس میں یا اس کے بعد قلمبند کرتے تھے۔ طالب علمی کی زمانہ میں بھی انہوں نے کبھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا بلکہ درس کے بعد آ کر لکھتے تھے۔

ما کتبت عن سفیان الثوری حدیثاً قط کنت احفظه فاذا رجعت الی المنزل کتبته (۴)

میں نے سفیان ثوری کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا، پھر گھر واپس آ کر لکھتا تھا۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو بتکلف ہے اور امام وکیع فطری حافظ تھے۔ (۵) امام وکیع کے لڑکے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب اور کاغذ کا ٹکڑا نہیں دیکھا۔ (۶)

امام موصوف کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ معاصی سے اجتناب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حفظ وفہم کی دولت سے نوازتا ہے۔ مگر خبائث اور معاصی کی کثرت اس کو کند کر دیتی ہے۔ حضرت علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیتے تھے۔ ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ دیکھ کر میں نے ان سے کوئی ایسی دوا پوچھی جس سے حافظہ اچھا ہو جائے۔ امام صاحب نے فرمایا:

ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ (۷)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۵　۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۸　۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۵　۴۔ ایضاً ص ۴۷۵

۵۔ کتاب الانساب للسمعانی، ص ۲۶۱　۶۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۹　۷۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۹

معاصی سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لئے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔
ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حافظہ کی شکایت کی۔امام وکیع نے اس کو معاصی سے اجتناب کا مشورہ دیا اور فرمایا:
علم خداوند قدوس کا نور ہے، اور کسی گناہگار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا۔ درج ذیل اشعار میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فاوصافی الی ترك المعاصی

وعلله بان العلم فضل

وفضل الله لا یؤتی لعاصی (۱)

اخلاقی فضائل:

علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ دنیا و دولت اور وجاہت کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی اور ہمیشہ اس سے دامن بچاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کے سامنے منصب قضاء کی پیشکش کی، آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔(۲)

ایک مرتبہ محمد بن عامر مصیصی نے امام احمد سے دریافت کیا کہ آپ وکیع سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یا یحییٰ بن سعید سے؟ امام احمد نے جواب دیا میں وکیع کو یحییٰ سے افضل سمجھتا ہوں، کیونکہ انہوں نے حفص بن غیاث کی طرح عہدۂ قضاء کو قبول کرنے سے گریز کیا تھا اور یحییٰ نے معاذ بن جبل کی طرح اپنے آپ کو اس منصب کی آزمائشوں میں مبتلا کیا۔(۳)

ان کی والدہ نے انتقال کے وقت ایک لاکھ نقد اور اتنی قیمت کی جائیداد وراثت میں چھوڑی تھی۔ وکیع نے کبھی اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا، گھر میں جو کھانا اور کپڑا مل جاتا اسی پر قانع وشاکر رہتے، نہ مزید کے لئے مطالبہ کرتے اور نہ اس بارے میں کوئی گفتگو ہی کرتے۔(۴)

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ امام اعمش کے حلقہ درس میں آپ نے میری دوات سے روشنائی استعمال کی تھی، اس کی قیمت ادا کیجئے! راوی کا بیان ہے کہ امام موصوف نے بغیر کسی تحقیق اور بحث کے دینار کی ایک تھیلی لاکر اس شخص کو دے دی اور فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔(۵)

خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے وکیع کو اکثر یہ کہتے سنا:

"ای یوم النامن الموت" ہماری موت کس دن ہوگی؟

داؤد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا "جو لوگ اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے اور بلاشبہ وکیع انہی میں سے ایک ہیں"۔

۱۔ مرآۃ الجنان للیافعی، ج ا، ص ۴۵۸　　۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۲، الاعلام، ج ۳، ص ۱۱۳۶　　۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۵

۴۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۹　　۵۔ ایضاً

دولت مند ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے تھے، پھر بھی اس خوف سے لرزاں رہتے تھے کہ کہیں خداوند قدوس کے یہاں اس ''تعیش'' کی باز پرس نہ ہو، ان کی جسمانی تروتازگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ وہ عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ایک مرتبہ جب وہ مکہ گئے تو حضرت فضیل بن عیاض نے جو مشہور زاہد ہیں، انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ تو عراق کے راہب ہیں۔یہ موٹا کیسا؟ فرمایا: هذا فرحي يا بالاسلام۔یعنی یہ چیز درحقیقت نعمت اسلام سے بہرہ ور ہونے کی خوشی اور مسرت کا نتیجہ ہے۔(۱)

عبادت:

ان کی عبادت کثرت، رقت قلب اور گریہ پر معاصر آئمہ واخیار بھی رشک اور اس کی تمنا کرتے تھے، ابراہیم بن شماس کہتے ہیں کہ اگر میں کوئی آرزو کرتا۔(۲)

قاضی یحیٰی بن اکثم اور امام وکیع کا سفر وحضر میں بار بار ساتھ رہا ہے، ان کا بیان ہے کہ وکیع ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے۔(۳) ایک دوسرے معاصر یحیٰی بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ وہ رات میں ثلث قرآن پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے اور پھر رات کے آخری حصہ مین بیدار ہوجاتے تھے۔(۴)

ان کی شب بیداری اور عبادت گذاری کا رنگ پورے گھر پر چڑھا ہوا تھا اور گھر کا ہر فرد، حتیٰ کہ ملازم تک تہجد کے پابند تھے، ابراہیم بن وکیع فرماتے ہیں:

كان ابى يصلى الليل فلايبقى فى دار نا احدالا صلى حتى ان جارية لنا سوداء لتصلى (۵)

میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تھے تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا نہیں باقی رہتا تھا جو نماز نہ پڑھتا ہو، حتیٰ کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی تھی۔

معمولات:

سفیان بن وکیع اپنے والد کے شب وروز کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میرے والد صائم الدھر تھے، صبح سویرے بیدار ہوجاتے۔فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہوجاتی، دن نکلنے تک اس میں مشغول رہتے۔پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے۔اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے، پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے اور پھر مسجد آکر عصر کی نماز پڑھتے اور اس سے فارغ ہوکر پھر درس قرآن شروع ہوجاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے، پھر مکان تشریف لاکر افطار فرماتے۔اس سے فارغ ہوکر نماز پڑھتے تھے۔(۶)

مسلک:

امام وکیع اگرچہ منصب امامت واجتہاد پر فائز تھے، لیکن فتویٰ مسلک حنفیہ کے مطابق دیتے تھے۔اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ حنفی

۱۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۸۱، تھذیب التھذیب، ج۱۱،ص۲۸۱، شذرات الذاھب، ج۱،ص۳۵۰　۲۔تھذیب التھذیب، ج۱۱،ص۳۰　۳۔ایضاً
۴۔کتاب الانصاب سمعانی، ج۱،ص۲۶۶، صفوۃ الصفوۃ، ج۳،ص۱۰۲　۵۔تاریخ بغداد، ج۱۳،ص۴۷۱　۶۔ ایضاً،ص۴۷۱

مسلک کی طرف مائل تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

كان وكيع يفتي بقول ابي حنيفة و كان قد سمع منه شيئاً كثيراً (۱)

امام وکیع ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی۔

علالت اور وفات:

۱۹۶ھ کے اواخر میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہوگئی۔ اس لئے وطن کا قصد کیا۔ لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا اور کوفہ و مکہ کے درمیان مقام فید میں پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا اور علم و فضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگیا۔ (۲) اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی۔

تصنیفات:

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع نے درس و تدریس کے ساتھ تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں:

عليكم بمصنفات وكيع (۳)

امام ابن جوزی کا بیان ہے:

صنف التصانيف الكثيرة (۴)

انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں۔

لیکن ان تصنیفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ:

له مصنف في الفقه والسنن (۵)

لیکن صراحت کے ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں:

۱۔ مصنف ابی سفیان۔ (۶) (وکیع بن الجراح) (۷)

مگر آج ان کی کسی تصنیف کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا یہی وجہ ہے کہ خلیفہ چلپی اور صاحب المعجم نے امام وکیع کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (۸)

۳۔ مسعر:　راجع: ۲۶۸　　۴۔ سفیان:　راجع: ۱۲۵

۵۔ المقدام بن شریح:　راجع: ۲۷۸　　۶۔ شریح:　ایضاً

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۱　　۲۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۴۵

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۱۸، تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۶، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۶　　۴۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۱۶۴

۵۔ الاعلام، ج ۳، ص ۱۱۳۶　　۷۔ الفہرست، ص ۳۱۷　　۸۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۳۱۶۔۳۲۵

۷۔ عائشۃ:　　راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چوبیسویں (۱۲۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی بغدادی، باقی سارے کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت وکیع نے یہ حدیث مبارکہ دو اساتذہ کرام حضرت مسعر اور حضرت سفیان بن عیینہ سے سماعت کی ہے۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل نویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ یہ ایک ہی مضمون کی حدیث مبارکہ چوتھی دفعہ امام نسائی نے روایت کی ہے۔
☆ آخری پانچ راوی پچھلی دونوں سندوں میں ایک ہی ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اناوله النبی: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتی۔

فاہ: منہ

اتعرق العرق: میں ہڈی سے گوشت نوچتی۔

۷۔ مسائل ونصائح:

راجع: ۷۰

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا ان دو احادیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ حائضہ کے جوٹھے سے فائدہ حاصل کرنا، اور استعمال میں لانا جائز ہے۔

☆ دونوں احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطھرات کے ساتھ کتنی شفقت ومحبت فرماتے تھے۔
☆ خاوند کو چاہیے کہ وہ مختلف انداز سے بیوی کی دلجوئی کرے، اور پیار ومحبت والے رویوں کو پروان چڑھائے۔
☆ ہمارے ہاں ہندوانہ اور غیر اسلامی اندازِ فکر نے میاں بیوی کے درمیان بہت ساری غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں، انہیں ختم کر کے

اسلامی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے، آقا کریم ﷺ کا طرز معاشرت اسلامی تہذیب وتمدن کا آئینہ دار ہے۔ ہمیں اسے ہی اپنانا چاہیے۔

بَابُ مُضَاجَعَةِ الْحَائِضِ

باب ۱۷۹: حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا

حائضہ عورت کے ساتھ جماع حرام ہے، البتہ اکثر علماء کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور بعض کے نزدیک شرمگاہ پر اگر عورت نے کپڑا لپیٹا ہوا ہو، تو اس سے مباشرت کرنا جائز ہے، اسی طرح مرد کے لئے حائضہ عورت کے باقی جسم سے نفع حاصل کرنا درست ہے، اس باب میں اسی بات کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت کے جوٹھے سے فائدہ اٹھانے کا بیان تھا، اور اس باب میں اس کے ساتھ لیٹنے کا بیان ہے۔

۲۸۲۔ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، ح وَأَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مُضْطَجِعَةٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيلَةِ إِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ نَعَمْ. فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
ایک دفعہ میں آقا کریم ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی، مجھے اچانک حیض شروع ہو گیا، میں چپکے سے اٹھی، اور ماھواری کے کپڑے اٹھائے، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں حیض شروع ہو گیا ہے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور میں اسی چادر میں آپ ﷺ کے ساتھ لیٹ گئی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور میں اسی چادر میں آپ ﷺ کے ساتھ لیٹ گئی۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۶۹، ۹۰۳، بخاری: ۲۹۸، ۳۲۲، ۱۹۲۹، شرح السنۃ: ۳۱۶، عبدالرزاق: ۱۲۳۵، احمد: ۲۶۵۶۶، السنن الکبریٰ: ۲۷۷، تحفۃ الاشراف: ۱۸۲۷۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔اسماعیل بن مسعود:	راجع:۴۷	۲۔خالد:	راجع:۱۴۵
۳۔ھشام:	راجع:۱۲۸	۴۔عبیداللہ بن سعید:	راجع:۱۵
۵۔اسحاق بن ابراھیم:	راجع:۱۲۸	۶۔معاذ بن ھشام:	راجع:۳۴
۷۔یحییٰ:	راجع:۲۴	۸۔ابوسلمۃ:	راجع:۱۶۱
۹۔زینب بنت ابی سلمۃ:	راجع:۱۸۲	۱۰۔ام سلمۃ:	ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ انچاسویں (۴۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں تحویل تقویت سند کی علامت ہے۔

☆ سند کے پہلے تین اور چھٹے راوی بصری، چوتھے پانچویں نیشاپوری، ساتویں یمامی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ رحمہ اللہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف کے صاحبزادے ہیں، آپ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں (بعض کے نزدیک)، آپ راویہ حضرت زینب کے باپ نہیں ہیں۔

☆ حضرت زینب کے والد کا نام حضرت عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی ہے، جو کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ حضرت زینب ربیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابیہ رضی اللہ عنھما ہیں، جبکہ حضرت ابوسلمہ تابعی ہیں۔

☆ یہ بیٹی کی ماں سے، اور صحابیہ کی صحابیہ سے روایت ہے۔

☆ حضرت ام سلمہ ازواج مطھرات میں سے ہیں، اور سب سے آخر میں وفات پانے والی ام المؤمنین ہیں۔

☆ یہ تابعی (یحییٰ) کی دوسرے تابعی (ابوسلمہ) سے روایت ہے۔

۶۔لغات:

مضطجعۃ: لیٹنے والی ایک عورت۔

الخميلة:	چادر اوڑھنی۔لحاف۔
حصنت:	مجھے ماھواری شروع ہوگئی۔
فانسللت:	میں چپکے سے چلی گئی، میں کھسک گئی۔
فاخذت :	میں نے پکڑا۔میں نے لیا۔
انفست ؟:	کیا تجھے خون آنا شروع ہوگیا ہے؟
فدعا نی :	آپ نے مجھے بلایا۔
فاضطجعت :	پس میں لیٹ گئی۔

۲۸۳۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ صُبْحٍ قَالَ :سَمِعْتُ خِلَاسًا يُحَدِّثُ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كُنْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ وَأَنَا طَامِثٌ أَوْ حَائِضٌ، فَإِنْ أَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ، وَلَمْ يَعْدُهُ وَصَلَّى فِيهِ، ثُمَّ يَعُودُ فَإِنْ أَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَلَمْ يَعْدُهُ وَصَلَّى فِيهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چادر میں سو جاتے تھے، حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی، اگر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے کچھ (خون وغیرہ) لگ جاتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دھو لیتے، اس سے زیادہ نہ دھوتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں نماز (تہجد) پڑھتے، پھر لوٹ آتے، اگر دوبارہ کوئی چیز لگ جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اتنا حصہ دھو لیتے، اس سے زیادہ نہیں دھوتے تھے، پھر اسی حالت میں نماز پڑھتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
میں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چادر میں سو جاتے تھے، حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۷۰،۳۷۲،۷۷ ،ابوداؤد:۲۶۹، ۲۱۶۶،احمد:۲۴۶۶۸،السنن الکبریٰ:۲۷۶،تحفۃ الاشراف:۱۶۰۶۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات زندگی کو لکھا جا چکا ہے، حضرت جابر بن صبح کا تذکرہ سپردِ قلم کیا جاتا ہے:

۱۔محمد: راجع:۸۰　　　۲۔یحییٰ بن سعید: راجع:۱۴۳

۳۔جابر بن صبح:

آپ کا نام ابو بشر جابر بن صبح راسی بصری ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے سنن نسائی میں تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۴۔خلاس: راجع:۵۷　　　۵۔عائشہ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ متابعات وشواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ستانوے ویں (۹۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت جابر بن صبح سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے چار راوی بصری اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، خلیفہ راشد اول حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی اور مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ، سمعت ایک ایک اور صیغہ تحدیث دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

نبیت : ہم رات گذارتے۔مراد ہے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ۔

الشعار: چادر، لحاف۔

طامث : ماھواری والی عورت۔

ان اصابه : اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز لگتی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے۔

شئی: کوئی چیز، مراد ہے حیض کی ناپاکی یا خون وغیرہ۔

غسل مکانه : آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کو دھو لیتے۔

لم یعده : زیادہ نہ کرتے۔

۱۔ i۔میزان الاعتدال، ج۱، ص۳۷۷　　ii۔الثقات، ج۶، ص۱۴۲

صلی فیه :　آپ ﷺ اسی حالت میں نماز پڑھتے۔

فعل مثل ذلك :　آپ ﷺ اسی کی مثل کرتے۔ مراد ہے دوبارہ اس حصہ کو دھو لیتے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا اور عورت کے لئے ماھواری کے کپڑے الگ ہونا:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث کا عنوان ہے: جس نے نفاس کا نام حیض رکھا ہے۔ بہ ظاہر یوں ہونا چاہئے تھا: جس نے حیض کا نام نفاس رکھا، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حیض پر نفاس کا اطلاق کیا ہے، امام بخاری نے جب یہ دیکھا کہ حیض اور نفاس کا حکم ایک ہے کہ دونوں میں نمازوں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق جائز ہے، حیض پر نفاس کے اطلاق کی تو اس حدیث میں تصریح تھی، تو انہوں نے اس کے عنوان میں نفاس پر حیض کے اطلاق کا ذکر کر دیا۔ (۱)(۲)

☆　کپڑوں پر جتنی جگہ نجاست لگی ہو، صرف اتنی جگہ دھونا کافی ہے۔ سارا کپڑا دھونے کی ضرورت نہیں اور اس قسم کے کپڑے میں بلا تردد نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

☆　دوبارہ لیٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تھے۔ وقفے کے بعد پھر لیٹ جاتے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (۳)

حیض پر نفاس کا اطلاق اور امام بخاری کا باب قائم کرنا:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اپنے خاوند کے ساتھ حیض کے کپڑے پہن کر ایک بستر میں سو سکتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ حائضہ اپنے عام کپڑوں کے علاوہ حیض کے کپڑے الگ تیار رکھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ۔ (۴)

ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔

تو پھر کیا ایک بستر پر بیوی کے ساتھ سونے سے اس حکم کی مخالفت نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایام حیض میں اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرو، اور آپ نے جو حیض کو نفاس سے تعبیر فرمایا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ نماز اور روزے کے جائز نہ ہونے اور مسجد میں دخول، طواف کعبہ، قرآن مجید کی تلاوت اور مصحف کو چھونے کی ممانعت میں حیض اور نفاس کا حکم ایک ہے، مہلب نے کہا ہے

۱۔ شرح ابن بطال، ج۱، ص۴۲۱　　۲۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۹۳۷　　۳۔ سنن نسائی (فوائد)، ج۱، ص۲۷۷

۴۔ البقرۃ ۲:۲۲۲

چونکہ امام بخاری کو نفاس کے متعلق الگ حدیث نہیں ملی، اس لئے انہوں نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا، جس نے نفاس کو حیض کہا۔

نفاس والی عورتوں کے احکام اور مدت کا بیان:

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ نفاس والی عورتیں، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چالیس دن بیٹھی رہتی تھیں، پھر ہم اپنے چہروں پر درس نام کی خوشبودار گھاس کا لیپ کرتی تھیں۔(۱)

اہل علم صحابہ تابعین اور بعد کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز نہیں پڑھے گی، ماسوا اس کے کہ وہ اس سے پہلے طہر کو دیکھ لے، پھر بے شک وہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی، اگر اس نے چالیس دن کے بعد بھی خون دیکھا تو اکثر فقہاء کے نزدیک اب وہ نماز ترک نہیں کرے گی، حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ پچاس دن تک نماز ترک کرے اور عطاء سے روایت ہے: وہ ساٹھ دن تک نماز ترک کرے۔(۲)

۸۔خلاصہ:

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔

☆ آقا کریم ﷺ نے حیض کے لئے نفاس کا لفظ استعمال فرمایا ہے، چونکہ دونوں صورتوں میں ناپاکی ہے، اور ایسی عورت پر نمازوں کے ترک کرنے اور روزوں کو قضاء کرنے کا حکم ہے، اس لئے یہ دونوں الفاظ مترادف طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔

☆ حائضہ اور نفاسہ کے لئے نماز روزہ کا عدم جواز، مسجد میں دخول، طوافِ کعبہ، قرآن مجید کی تلاوت اور مصحف کو نہ چھونے سے متعلق احکام ایک جیسے ہیں۔

☆ اسی طرح حائضہ اور نفاسہ کے ساتھ حقوق زوجیت بھی ادا کرنا حرام ہیں۔

☆ حائضہ کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے، جبکہ نفاسہ کی کم از کم مدت کا تعین نہیں ہے، جب بھی خون بند ہو جائے، تو پاک ہو جائے گی، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت جمہور کے نزدیک چالیس دن اور بعض کے نزدیک پچاس یا ساٹھ دن ہیں۔

☆ آقا کریم ﷺ اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے، اسی طرح دیگر کام بھی خود سرانجام دے لیتے تھے، یہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

☆ حائضہ عورت کے لئے ماہواری کے دنوں کے الگ کپڑے رکھنا مستحب ہے۔

☆ حائضہ عورت کے (ناف سے گھٹنوں تک کے علاوہ) جسم سے شوہر کے لئے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

☆ جسم یا کپڑے کے جتنے حصہ پر ناپاکی لگی ہو، اتنا ہی دھو لینا کفایت کرنے والا ہے۔

۱۔ سنن ترمذی: ۱۳۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۱، سنن ابن ماجہ: ۶۴۸، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۹-۳۰۴-۳۰۲-۳۰۰

۲۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۹۳-۳۹۲، نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۹۳

بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ باب ۱۸۰: حائضہ سے نفع اٹھانا

ماھواری کی حالت میں عورت سے جماع کرنا حرام ہے، اسی طرح ناف سے لے کر گھٹنوں تک نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اس کے علاوہ باقی جسم سے خواہش پوری کی جاسکتی ہے، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے، کہ آقا کریم ﷺ حالت ماہواری میں ازواج مطہرات کو لنگوٹ باندھنے کا حکم دیتے تھے، اس باب میں امام نسائی نے تین احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنے کا بیان تھا، اور اس باب میں اس سے نفع اٹھانے کا بیان ہے۔

۲۸۴۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَشُدَّ إِزَارَهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: جب ہم میں سے کوئی ماہواری سے ہوتی، تو آقا کریم ﷺ اسے تہبند باندھنے کا حکم فرماتے، پھر اس سے نفع اٹھاتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ ﷺ اس سے نفع اٹھاتے تھے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۷۱، احمد: ۲۵۰۷۵، السنن الکبریٰ: ۲۷۸، تحفۃ الاشراف: ۱۷۴۲۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابومیسرہ کے حالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں:

۱۔قتیبۃ بن سعید: راجع: ۱۱۸ ۲۔ابوالاحوص: راجع: ۹۶
۳۔ابواسحاق: راجع: ۲۳۰

۴۔عمرو بن شرحبیل:

آپ کا نام ابومیسرہ عمرو بن شرجیل ہمدانی کوفی مغضرمی (م: ۶۳ھ) ہے، آپ نے آقا کریم ﷺ کا زمانہ اقدس پایا تھا، لیکن بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری نصیب نہیں ہوئی۔ آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ عابد تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت و عبادت پر متفق ہیں۔ امام ابن ماجہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے سنن نسائی میں بارہ (۱۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۱۔ i۔الثقات، ج۵ص۱۶۸ ii۔ابن طہمان، ص۱۵۲

۵۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اٹھانوے ویں (۹۸) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، اگلے تین کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت عمرو بن شرجیل سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ ہے۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یامر احدانا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کو حکم فرماتے۔
أن تشهد ازارها: اپنا تہبند باندھنے کا۔
يباشرها: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نفع حاصل کرتے۔

۲۸۵۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَنْبَأَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا حَاضَتْ أَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَتَّزِرَ، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم میں سے جب کوئی ماہواری سے ہوتی، تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے تہبند باندھنے کا حکم فرماتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نفع حاصل کرتے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نفع حاصل کرتے۔

۲۔اطراف:

تقدم، ۲۳۷۱، بخاری: ۳۰۰، ۳۰۲، ۲۰۳۰، صحیح مسلم: ۲۹۳، الرقم المسلسل: ۶۶۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۸، سنن ترمذی: ۱۳۲،

سنن ابن ماجہ: ۶۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، ص ۲۵۴، المستدرک، ج ۱، ص ۱۷۲، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۳۱۱۔۳۱۰، سنن دارمی: ۱۰۶۱، المعجم الاوسط: ۱۶۸۷، مسند احمد: ۲۴۰۴۶، ج ۴۰، ص ۵۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔اسحاق بن ابراھیم:	راجع: ۱۲۸	۲۔جریر:	راجع: ۲
۳۔منصور:	ایضاً	۴۔ابراھیم:	راجع: ۱۱۸
۵۔الاسود:	راجع: ۲۳۴	۶۔عائشۃ:	راجع: ۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پچیسویں (۱۲۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، اجل، فقیہ، حجت ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، باقی سارے کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ تابعی (ابراھیم) کی دوسرے تابعی (اسود) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کانت احدانا اذا حاضت: جب ہم میں سے کوئی ماہواری سے ہوتی۔

امرھا رسول الله ﷺ ان تتزر: آقا کریم ﷺ اسے تہبند باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

۲۸۶۔أَخْبَرَنَا الْحَارِثُ بْنُ مِسْكِينٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ وَاللَّيْثِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَبِيبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ، عَنْ بُدَيَّةَ -وَكَانَ اللَّيْثُ يَقُولُ :نَدَبَةَ مَوْلَاةُ مَيْمُونَةَ -عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَاشِرُ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَائِهِ وَهِيَ حَائِضٌ إِذَا كَانَ عَلَيْهَا إِزَارٌ يَبْلُغُ أَنْصَافَ الْفَخِذَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ فِي حَدِيثِ اللَّيْثِ -مُحْتَجِزَةً بِهِ

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ مباشرت کیا کرتے تھے، حالانکہ وہ ماہواری سے ہوتی تھیں، البتہ انہوں نے ایسا لنگوٹ باندھا ہوتا تھا، جو آدھی رانوں یا گھٹنوں تک ہوتا تھا۔

حضرت لیث کی روایت میں ہے: وہ مضبوطی سے ازار باندھے ہوتی تھیں۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی حصہ میں ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ مباشرت کیا کرتے تھے، حالانکہ وہ ماہواری سے ہوتی تھیں۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۷۴،۳۷۴، بخاری:۳۰۳، مسلم:۲۹۴، سنن بیہقی، ج۱،ص۳۱۳، السنن الکبریٰ:۲۸۵، ابوداؤد:۲۶۷، احمد:۲۶۸۸۳، سنن دارمی، ج۱،ص۲۴۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات زندگی گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔الحارث بن مسکین:	راجع:۹	۲۔ابن وھب:	ایضاً
۳۔یونس:	ایضاً	۴۔اللیث:	راجع:۱۲۴
۵۔ابن شھاب:	راجع:۱۱۶		

٦۔حبیب مولیٰ عروۃ:

آپ کا نام حبیب بن الاعور (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ حضرت عروہ بن الزبیر سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول تابعی راوی ہیں، آپ سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۷۔بدیّۃ:

آپ کا نام بدیہ یا ندبہ ہے، آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ سے تعلق ولاء رکھتی تھیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبولہ

ا۔　ا۔الثقات، ج٦،ص۱۷۸　ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۱۵۴

تابعیہ راویہ ہیں، بعض کے نزدیک آپ صحابیہ رسول ﷺ ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام ابوداؤد اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۸۔ میمونہ: راجع: ۲۳۶

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہیں۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ پچاسویں (۵۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی مصری اور آخری چار مدنی ہیں۔

☆ امام نسائی کا یہ قول:

"قرائة علیه و انا اسمع" اس وجہ سے ہے، کہ امام حارث بن مسکین اور حضرت امام نسائی کے درمیان ناموافق حالات پیدا ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے امام نسائی حضرت حارث بن مسکین کی نظروں سے اوجھل ہوکر حدیث سماعت کرتے تھے، اسی حالت کی طرف امام نسائی ان الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں، یہ امام نسائی کا کمال اتقان ہے کہ آپ روایت کرنے کی حالت کو بھی بیان کرتے ہیں۔

☆ حضرت حبیب اور حضرت بدیہ سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ کنیز کی اپنی مالکہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں دوراویات عورتیں ہیں۔

☆ یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

یباشر المرأة: آپ ﷺ زوجہ سے نفع حاصل کرتے۔

من نسائه: اپنی ازواج میں سے۔

ازار: چادر۔ لنگوٹ۔ تہبند۔

۱۔ i۔ الثقات، ج۵، ص۴۸۷ ii۔ تقریب التھذیب، ج۲، ص۵۳۰

یبلغ: وہ پہنچا ہوتا۔

انصاف الفخذین: رانوں کا آدھا حصہ۔

الرکبتین: دونوں گھٹنے۔

محتجزة به: وہ مضبوطی کے ساتھ باندھے ہوتی۔

۷۔ مسائل ونصائح:

مباشرت کا معنی اور حائض سے مباشرت کی اقسام:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ مجھے تہبند باندھنے کا حکم دیتے، اس جملہ میں یہ دلیل ہے کہ یہاں مباشرت کا معنی جماع نہیں ہے بلکہ یہاں مباشرت کا معنی لمس ہے یعنی مرد کا اپنی کھال کو عورت کے کھال کے ساتھ ملانا اور مس کرنا۔

حائض کے ساتھ مباشرت کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ حائضہ کے ساتھ جماع کیا جائے اور اس کی فرج میں اپنا آلہ داخل کیا جائے، یہ بالا جماع حرام ہے اور ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ'' (۱) کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے، جو شخص اس کی حلت کا اعتقاد رکھے، وہ کافر ہے اور اگر کسی نے حرام سمجھتے ہوئے یہ کام کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور دوبارہ یہ کام نہ کرے، اس میں اختلاف ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا، اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اس پر سوا استغفار کے اور کچھ لازم نہیں ہے، اکثر علماء کا اور ہمارا یہی قول ہے، پھر کفارہ کی مقدار میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: وہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، بعض نے کہا: وہ ایک دینار یا نصف دینار ہے۔ بعض نے کہا: یہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حائضہ سے مباشرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کے جسم کے ناف کے اوپر اور گھٹنے سے نیچے سے لذت حاصل کی جائے، یہ بالاتفاق جائز ہے۔ حائضہ سے مباشرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اس کی فرج اور دبر کے علاوہ ناف اور گھٹنے کے درمیان سے لذت حاصل کی جائے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ حرام ہے، امام محمد بن حسن اور امام احمد کے نزدیک یہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہود کی عورت حائض ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے اور نہ اس کو گھر میں اپنے ساتھ رکھتے اور نہ اس سے جماع کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ'' (۲) لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے: وہ نجاست ہے، پس تم ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو یعنی ان سے جماع نہ کرو، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان سے جماع اور دخول کے سوا سب کچھ کرو۔ (۳)

ا۔ البقرۃ ۲: ۲۲۲　۲۔ ایضاً　۳۔ صحیح مسلم: ۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۶۴۴، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۳۲، کنز العمال: ۴۴۸۹۴

وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو تہبند کے اوپر سے مباشرت کی ہے، وہ استحباب پر محمول ہے، امام محمد کا یہ قول حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو طلحہ سے منقول ہے۔ (۱)(۲)

حائضہ عورت سے مباشرت کی اقسام اور ان کے احکام:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول:

حائضہ عورت کی فرج میں جماع کے ساتھ مباشرت کی جائے، یہ قرآن مجید کی نص صریح، سنت صحیحہ اور اجماع مسلمین سے حرام ہے، ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص حائضہ عورت کی فرج میں جماع کو حلال سمجھے تو وہ کافر مرتد ہو جائے گا، اور اگر کوئی انسان اس کو حلال سمجھے بغیر بھول یا جہالت سے (عام ازیں کہ اس کو حیض کا علم نہ ہو یا مسئلہ کا علم نہ ہو) حائضہ سے جماع کرے تو اس کا کوئی گناہ ہے نہ کفارہ ہے، اور اگر کسی شخص کو حیض اور مسئلہ کا علم ہو اور وہ عملاً حائضہ سے فرج میں وطی کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس پر توبہ واجب ہے اور کفارہ کے وجوب کے متعلق امام شافعی کا زیادہ صحیح قول جدید، امام احمد کا ایک قول اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور جمہور سلف کا یہ قول ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور امام شافعی کے قول ثانی جو قول قدیم اور قول ضعیف ہے، کے مطابق اس پر کفارہ واجب ہے، حضرت ابن عباس حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ، اوزعی، اسحٰق اور امام احمد کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ کفارہ کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ایک غلام آزاد کرنا کفارہ ہے اور بعض نے کہا ایک دینار ہے بعض نے کہا نصف دینار ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں مقاربت کی وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ یہ حدیث آئمہ حفاظ کے اتفاق سے ضعیف ہے۔

قسم ثانی:

ناف سے اوپر یا گھٹنوں سے نیچے عورت کے جسم کے ساتھ مباشرت کی جائے، اس کو اپنے جسم کے ساتھ لپٹائے یا بوسہ دے، یا اس کو مس کرے یہ قسم تمام علماء کے اتفاق سے حلال ہے اور شیخ ابو حامد السفر ائنی اور ایک جماعت کثیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے، نبی ﷺ نے تہبند کے اوپر سے مباشرت کی تھی۔

قسم ثالث:

قبل اور دبر کے سوا ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کے ساتھ مباشرت کی جائے ہمارے اصحاب کے اس میں تین قول ہیں۔ (۱) یہ حرام ہے۔ (۲) حرام نہیں ہے مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳) اگر کسی شخص کو یہ اعتماد ہو کہ وہ فرج تک تجاوز نہیں کرے گا خواہ اس کی

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۹۶۔۳۹۵، شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۴۲۴۔۴۲۳، فتح الباری، ج ۱، ص ۸۱۹

۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۹۴۔۷۹۵

وجہ ضعف شہوت ہو یا شدت تقوی اس کے لئے یہ جائز ہے اور جس کو یہ اعتماد نہ ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ مطلقاً حرام ہے، اور عکرمہ، مجاہد، شعبی، نخعی، حکم، ثوری، اوزاعی، امام احمد بن حنبل، محمد بن الحسن، اسحق بن راہویہ، ابوثور، ابن المنذر، اور داؤد ظاہری کے نزدیک یہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس نے کہا جماع کے علاوہ ہر کام کرو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف تہبند کے اوپر سے مباشرت کرنا استحباب پر محمول ہے۔ (۱) (۲)

مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

مباشرت کے لغوی معنی مس الجلد بالجلد کے ہیں، اور اس کی حق حائض میں تین صورتیں ہیں:

۱۔ استمتاع بالجماع، اور یہ باتفاق امت حرام ہے، حتی کہ امام نووی نے اس کے مستحل پر حکم کفر لگایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوافع کے نزدیک اس کا مستحل کافر ہے، صاحب بحر نے فرمایا کہ فقہاء احناف کا اس کے کفر میں اختلاف ہے، اور میرے نزدیک عدم تکفیر راجح ہے، کیونکہ مسئلہ تکفیر میں احتیاط کی ضرورت ہے، حتی کہ بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر دس وجوہ میں سے نو وجوہ کفر کی اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو وجہ ایمان کو ترجیح ہوگی، "لان الاسلام یعلو ولا یعلی" علامہ شامی نے فرمایا کہ فقہاء احناف نے تکفیر میں بہت احتیاط کی ہے، اور مسئلہ ھذا میں عدم تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہو اور وہ حرمت لعینہ ہو تو اس کے مستحل پر حکم کفر لگایا جاتا ہے اور اگر اس کا ثبوت نص قطعی سے نہ ہو یا حرمت لغیرہ ہو تو حکم کفر نہیں ہوتا، اس مسئلہ میں نص قطعی تو موجود ہے لیکن حرمت لغیرہ ہے اس لئے تکفیر نہ ہوگی۔

۲۔ الاستمتاع بما فوق الازار، اس کے جواز پر اجماع ہے۔

۳۔ استمتاع بما تحت الازار من غیر جماع، اس میں اختلاف ہے، جمہور آئمہ کے نزدیک اس کا جواز نہیں، جبکہ امام محمد اور امام احمد کے نزدیک جواز ہے، ان کا استدلال (۳) باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا الخ کے تحت حضرت انس کی طویل حدیث ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے: "اصنعوا کل شیٔ الا النکاح (الجماع الخ) یہ روایت منطوقاً حلت غیر جماع پر دلالت کر رہی ہے، جمہور کا استدلال ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت انس اور حضرت معاذ بن جبل وغیرہم کی روایات سے ہے، سب کا مفہوم مشترک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائتزار کے بعد مباشرت فرمائی۔

شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ تعارض کے لئے تساوی دلیلیں شرط ہے، اور یہاں تساوی نہیں کیونکہ روایت مسلم منطوقات حلت استمتاع پر دلالت کر رہی ہے، اور روایات جمہور مفہوماً حرمت پر دال ہیں، اور منطوق اقوی ہوتا ہے، پھر جواب دیا کہ یہ روایات بھی منطوقاً حرمت پر دال ہیں کیونکہ ابوداؤد میں (۴)

"**حرام بن حکیم عن عمه (عبدالله بن سعد) انه سال رسول الله ﷺ ما یحل لی من امراتی وهی حائض قال لك مافوق الازار**" امام داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، اس حدیث میں سوال کے اندر لفظ "ما" عام ہے، لہٰذا جواب میں

۱۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۴۲۔۱۴۱　　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۹۵　　۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۴۳

۴۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۸

بھی "لك مافوق الا زار" میں بھی عموم ہوگا، اور یہ روایت منطوقاً حرمت بماتحت الازار پر دلالت کرے گی، یا یہ جواب دیا جائے کہ روایات جمہور سے دلالت التزامی کے طریقہ پر حرمت ثابت ہوگی اور دلالت التزامی منطوق کے حکم میں ہیں۔

علامہ کشمیری نے فرمایا کہ یہ اختلاف فرق مراتب فی الاجتہاد پر متفرع ہوا ہے، کہ روایت مسلم میں ایک فریق نے نکاح سے نفس جماع مراد لیا، اور دوسرے فریق نے "ما یجاورہ" بھی مراد لیا، دوسری روایات سے فریق ثانی کی مراد ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اسی کو ترجیح ہوگی، بالخصوص اس لئے بھی کہ حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔(۱)

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی روایات پر اعتراضات کے جوابات:

ڈاکٹر محمد اکرم ورک لکھتے ہیں:

حالت حیض میں ازواج سے مباشرت کی روایات:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م: ۵۷ھ) فرماتی ہیں:

"کانت احدانا ، اذا کانت حائضا، فاراد رسول الله ﷺ ان یباشرھا امرھا ان تتزر فی فور حیضتھا ثم یباشرھا" (۲)

"ہم میں سے جب کسی بی بی کو حیض آتا اور رسول خدا ﷺ اس سے اختلاط کرنا چاہتے تو اسے حکم دیتے کہ اپنے حیض (کے غلبہ) کی حالت میں ازار باندھ لے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس سے اختلاط فرماتے۔"

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (م: ۵۱ھ) بیان کرتی ہیں:

"کان رسول الله ﷺ اذا أراد أن یباشر امرأۃ من نسائه أمرھا فاتزرت وھی حائض "(۳)

"نبی کریم ﷺ اپنی ازواج میں جب کسی سے اختلاط کا ارادہ فرماتے تو اس کو حالت حیض میں تہہ پوش پہننے کا حکم فرماتے۔"

ان روایت پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ ان میں روزہ اور حالت حیض میں مباشرت کا ذکر ہے جبکہ قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ (۴)

(لوگ آپ سے حیض کے بارے پوچھتے ہیں، فرما دیجئے کہ حیض گندگی ہے، اس لئے حیض میں عورتوں سے دور رہو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔)

اس ظاہری تضاد کی وجہ سے اس مضمون کی جملہ احادیث کو منکرین حدیث اور ظاہر بین حضرات نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ یہ

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۸۹۔۳۹۰　　۲۔ بخاری، رقم: ۳۰۲، نسائی: ۲۸۷، ابوداؤد: ۲۷۳، ابن ماجہ: ۶۳۵، ترمذی: ۱۳۲

۳۔ بخاری رقم: ۳۰۳، نسائی: ۲۸۸، ابوداؤد: ۲۶۷　　۴۔ البقرۃ ۲: ۲۲۲

احادیث چونکہ قرآن کے واضح حکم کے خلاف حالت حیض میں بھی مباشرت کی اجازت دیتی ہیں اس لئے خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہیں۔(۱)

توضیحات:

ان حضرات کے اشکالات کی بنیادی وجہ لفظ ''مباشرۃ'' کو شرم گاہ میں بیوی کے ساتھ جماع کے ہم معنی سمجھنا ہے، حالانکہ مباشرت کا اصل مفہوم محض بدن کا بدن کو چھونا ہے، جبکہ مجامعت کے لئے یہ لفظ بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے۔علامہ ابوبکر الجصاص (م:۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''حقیقة المباشرة هی الصاق البشرة بالبشرة من ای موضع کان من البدن'' (۲)

''مباشرت کا حقیقی معنی بدن کا بدن سے چھونا ہے خواہ جس حصہ سے ہو۔''

امام شوکانی (م:۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

''ان المباشرة فی الاصل التقاء البشرتین'' (۳)

''مباشرت اصل میں دو جسموں کے ملنے کو کہتے ہیں''۔

صحیح بخاری میں بھی لفظ ''مباشرۃ'' اپنے اصلی اور حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً کتاب النکاح، کے ایک باب کا عنوان یہ ہے: ''لاتباشر المرأة المرأة'' یعنی کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ نہ سوئے یا اس کے ساتھ نہ چمٹے۔اسی طرح ''تاج العروس'' میں ہے:

''باشر الرجل المرأة اذا صارافی ثوب واحد فباشرت بشرته بشرتها ومنه الحدیث انه کان یقبل ویباشر وهو صائم وارادبه الملامسة واصله بشرة من لمس بشرة الرجل بشرة المرأة'' (۴)

''جب بیوی اور خاوند دونوں ایک ہی لباس میں اکٹھے ہو جائیں اور خاوند کا جسم عورت کے جسم سے چھو جائے تو اس کو مباشرت کہتے ہیں اور اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ روزہ کی حالت میں مباشرت کرتے تھے۔اس سے مراد بدن سے بدن کا ملنا ہے اور مباشرت کا اصل لغوی مفہوم یہی ہے کہ مرد کا بدن عورت کے بدن سے چھو جائے۔

گویا لفظ مباشرت اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے شرم گاہ میں جماع کے لئے خاص نہیں، بلکہ بیوی کے جسم کے ساتھ جسم ملانے اور شرم گاہ سے ہٹ کر جنسی خواہش پوری کرنے پر بھی اس کا اطلاق ممکن ہے۔مذکورہ احادیث میں بھی نبی ﷺ کے حالت حیض میں مباشرت سے مراد یا تو جسم کے ساتھ جسم ملانا ہے یا شرم گاہ سے ہٹ کر لذت حاصل کرنا اور ان کے بیان سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ میاں بیوی حالت حیض میں اکٹھے لیٹ سکتے ہیں، معانقہ کر سکتے ہیں اور بوسہ لے سکتے ہیں، حتی کہ اگر شوہر اپنے جذبات پر اتنا قابو رکھتا ہو کہ شرم گاہ سے دور رہتے ہوئے جنسی خواہش پوری کر لے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ان احادیث کے بیان سے ازواج مطہرات کے پیش نظر دین میں آسانی اور سہولت کے پہلو کو واضح کرنا ہے۔تاہم اس کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کا یہ ارشاد بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر چہ

۱۔ مقام حدیث، ص ۱۹۶۔۱۹۷، اسلام کے مجرم، ص ۸، ۲۶، دو اسلام، ص ۲۰۸
۲۔ احکام القرآن، ج ا، ص ۲۹۰
۳۔ نیل الاوطار، ص ۸۵۶
۴۔ تاج العروس، ج ۳، ص ۴۶

رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات سے روزہ اور حالت حیض میں مباشرت فرماتے تھے، لیکن اگر تم اس سے اجتناب ہی کرو تو بہتر ہے۔ فرماتی ہیں:

''وایکم یملك اربه کما کان النبی ﷺ یملك اربه''(۱)

''تم میں سے کس کو اپنے نفس پر اتنا اختیار ہے جتنا نبی ﷺ کو اپنے نفس پر تھا؟''

یہ حکمت نبی ﷺ کی ہدایات میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ مباشرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ایک شخص کو اجازت دے دی جبکہ دوسرے کو اس سے روک دیا۔ حضرت ابوہریرہ (م:۵۸ھ) کا بیان ہے:

''فاذاالذی رخص له شیخ و الذی نهاه شاب''(۲)

''آپ نے جس کو اجازت دی، وہ بوڑھا تھا جبکہ جس کو منع کیا، وہ جوان تھا''۔(۳)

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی کا مذکورہ بالا تینوں احادیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، اسے اپنے ساتھ لپیٹنا اور ناف سے گھٹنوں تک کے علاوہ جسم سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

☆ مباشرت کا لغوی معنیٰ، جسم کو جسم کے ساتھ ملانا ہے، اور ہمارے عرف میں اس سے مراد جماع ہے۔

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی تین صورتیں اور ان کا حکم:

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔پہلی صورت: حائضہ عورت کی فرج میں جماع کے ساتھ مباشرت کی جائے، یہ بالاجماع حرام ہے، یہ قرآن مجید کی آیت: فَاعۡتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الۡمَحِيۡضِ (۴) کے حکم کی صریح مخالفت ہے، جو شخص اس کی حلت کا اعتقاد رکھے، وہ کافر ہے۔

۲۔دوسری صورت: حائضہ عورت کے جسم سے ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے نفع حاصل کیا جائے، یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۳۔تیسری صورت: حائضہ عورت کی دونوں شرمگاہوں کے علاوہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان سے لذت حاصل کی جائے، یہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک حرام ہے، اور امام احمد بن حنبل و امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک جائز ہے۔

☆ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں مباشرت سے مراد جماع نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے حقیقی معنیٰ جسم کو جسم کے ساتھ ملانے اور جماع کے علاوہ نفع حاصل کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

۱۔ بخاری:۳۰۲، مسلم:۶۸۰، ابن ماجہ:۶۳۵، ابوداود:۲۷۳ ۲۔ ابوداود:۲۳۸۷، ابن ماجہ:۱۶۸۸

۳۔ متون حدیث پر جدید ذھن کے اشکالات، ص۳۹۵۔۳۹۸ ۴۔ البقرۃ۲:۲۲۲

بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ)

باب ۱۸۱: اللہ تعالیٰ کے فرمان: "صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں" کی تفسیر

ابتدائے اسلام کے وقت یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ وہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا، بول چال اور ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا ختم کر دیتے تھے، اسی طرح یہودی عورت ایک اچھوت بن کر رہ جاتی تھی، اس کے برعکس عیسائی عورتوں کے ساتھ ماھواری کی حالت میں بھی جماع کرتے تھے، یہ دونوں انتہائیں اپنے عروج پر تھیں، حیض والی عورت کے بارے میں اسلام نے معتدل رویہ اپنانے کا حکم دیا، صحابہ کرام کا سوال اسی صورت حال کے بارے میں تھا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیات نازل فرمائیں، اور اسلامی تعلیمات کو بیان فرمایا۔ اس باب میں سورۂ بقرہ کی ان آیات کا شان نزول کا ذکر ہے، امام نسائی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں حائضہ عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تفسیر ہے۔

۲۸۷۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :كَانَتِ الْيَهُودُ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ مِنْهُمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهُنَّ وَلَمْ يُشَارِبُوهُنَّ وَلَمْ يُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، فَسَأَلُوا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ " :(وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى) (البقرۃ۲:۲۲۲) ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤَاكِلُوهُنَّ وَيُشَارِبُوهُنَّ وَيُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، وَأَنْ يَصْنَعُوا بِهِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مَا خَلَا الْجِمَاعَ "

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے:
یہودیوں میں جب کسی عورت کو ماھواری آتی تھی، تو باقی یہودی ایسی عورتوں کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے، اور انہیں اپنے گھروں میں بھی علیحدہ کر دیتے تھے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے: حیض نجاست ہے، اس لئے ماھواری کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسی عورتوں کے ساتھ کھاؤ، پیو اور رہائش پذیر رہو، ان کے ساتھ تمام معاملات کرو، البتہ جماع نہ کرو۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ حسب ذیل ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت: ویسئلونك عن المحیض ، کی تفسیر بیان کرتے ہوئی فرمایا: تم حیض والی عورتوں کے ساتھ کھاؤ، پیو اور رہائش پذیر رہو، ان کے ساتھ تمام معاملات کرو، البتہ جماع نہ کرو۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۶۷، مسلم: ۳۰۲، ابوداؤد: ۲۵۸، ۲۱۶۵، ابن ماجہ: ۶۴۴، احمد: ۱۲۳۵۶، السنن الکبریٰ: ۲۸۱، تحفۃ الاشراف: ۳۰۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات زندگی گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، حضرت ثابت بن اسلم کا تعارف دوبارہ تفصیل سے سپرد قلم کیا جارہا ہے:

۱۔اسحاق: راجع:۱۲۸

۲۔سلیمان بن حرب:

آپ کا نام ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی بصری (۱۴۰ھ۔۲۲۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، امام، حافظ، کثیر الحدیث راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے امام بخاری نے ایک سوستائیس (۱۲۷) احادیث مبارکہ روایت کی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چودہ (۱۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔حضرت حماد بن سلمہ:

اس نام کے یہ دوسرے بزرگ ہیں، جن کا شمار ممتاز اتباع تابعین میں ہوتا ہے۔علم وفضل کے ساتھ ان کا خاص امتیاز ان کا زہد و اتقاء اور تدوین حدیث ہے۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ:

هو اول من صنف التصانيف مع ابن ابی عروبة(۲)

یہ ان اشخاص میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف وتالیف میں حصہ لیا۔

نام ونسب:

حماد نام اور ابوسلمہ کنیت تھی۔یہ بنوتمیم کے غلام تھے۔(۳)

تحصیل علم:

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ ان کی ابتدائی تعلیم کہاں شروع ہوئی، مگر اس وقت بصرہ دینی علوم کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا، وہاں علوم دینیہ کے علاوہ ادب ولغت اور نحو وصرف کا بھی چرچا تھا، اس لئے اغلب ہے کہ حماد نے بھی عام رواج کے مطابق ان تمام علوم میں ضرور کمال حاصل کیا ہوگا، چنانچہ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

كان فصيحاً مفوهاً امامافی العربية(۴)

وہ فصیح بولنے والے اور عربیت کے امام تھے۔

امام ذہبی نے دوسرے القاب کے ساتھ النحوی بھی لکھا ہے۔(۵)

۱۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۷،ص۳۰۰ ii۔الجرح والتعدیل، ج۴،ص۱۰۸ ۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳،ص۳۷۳
۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۱۸۲ ۴۔ شذرات الذہب، ج۱،ص۲۶۲ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۱۸۲

شیوخ:

ان کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے، جس میں بے شمار ممتاز تابعین بھی شامل ہیں، چند تابعین کے اسمائے گرامی شمار کرانے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وخلق كثير من التابعين فمن بعدهم (۱)

ان کے علاوہ تابعین کے ایک کثیر گروہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔اس طرح ان کے بعد کے لوگوں سے بھی۔

چنانچہ انہوں نے مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ان کی بے شمار حدیثوں کے حافظ اور فقہ وفتاوی کے وارث بن گئے، بالخصوص حدیث میں وہ مشہور تابعی شیخ ثابت البنانی اور حمید الطویل کی روایات کے خاص حامل تھے۔(۲)

تلامذہ:

زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گزارا اور وہیں انہوں نے درس وافادہ کی مجلسیں گرم کیں، ان کے حلقہ درس میں بلاشبہ لاتعداد لوگوں نے فقہ وحدیث کی تحصیل کی، مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن جریج، شعبہ بن الحجاج، یہ دونوں حضرات عمر میں حماد سے بڑے تھے اور شعبہ تو امام وقت تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، امام ابوداؤد طیالسی۔

حدیث کے تمام مجموعوں ہی میں حضرت حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں۔خصوصیت سے ابوداؤد الطیالسی نے، جو ان کے تلمیذ رشید ہیں، اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں، ایک مشہور اور طویل روایت ملاحظہ ہو۔

امام داؤد الطیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن سلمہ، قیس ابن الربیع اور ابوعونہ تینوں صاحبان کی بواسطہ سماک بن حرب عن ابن المعتمر الکنانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ کچھ لوگوں نے شیر کو پھنسانے کے لئے ایک گڑھا کھودا اور جب شیر اس میں گرا تو اس کو دیکھنے کے لئے بڑا ہجوم ہوا ہجوم میں دھکا کھا کر ایک شخص گڑھے میں گرا اور گرتے وقت اس نے دوسرے شخص کا سہارا لینے کی کوشش کی، چنانچہ وہ جھٹکا کھا کر گرا چاہتا تھا کہ اس نے تیسرے کو پکڑ لیا اور تیسرے نے چوتھے کو۔اس طرح چاروں گر پڑے اور شیر نے ان سب کو پھاڑ ڈالا اور وہ مر گئے۔ یہ اشخاص جن جن قبائل کے تھے ان میں خون بہا کے لئے شدید اختلاف ہوا اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ موقع پر پہنچے اور سمجھایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ چار آدمیوں کی جگہ دو سو مزید آدمیوں کا خون بہا جائے۔اگر تم راضی ہو تو میں فیصلہ کر دوں، ورنہ پھر یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرو، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے گڑھا کھودا ہے وہ دیت ادا کریں اور دیت اس طرح تقسیم ہوگی کہ پہلے شخص کے ورثا کو

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۱۲　　۲۔ ایضاً، ص ۱۲

۴/۱ دیت، دوسرے کے ورثاء ۳/۱، تیسرے کے ورثاء ۲/۱ اور چوتھے کو پوری دیت۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور بعض راضی نہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قصہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت علی نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''القضا کما قضی علی'' یعنی حضرت علی نے جو فیصلہ کیا وہی صحیح ہے۔

یہ تو حماد کا بیان ہے اور قیس جو دوسرے راوی ہیں کہتے ہیں کہ:

قاضیُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء علی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے فیصلہ کو نافذ فرمایا۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں، جن کے راوی محض حماد بن سلمہ ہیں، وہ حدیث کے بیان کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، اسی احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حدیث نبوی کی روایت بالکل ترک کر دیں، مگر ان کے استاد ایوب سختیانی نے خواب میں انہیں روایت حدیث کا حکم دیا، تو وہ آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حافظ ذہبی خود حماد بن سلمہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

ما کان من نیتی ان احدث حتی قال لی ایوب فی النوم حدث (۱)

حدیث بیان کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا حتیٰ کہ ابو ایوب نے مجھے خواب میں تحدیث کا حکم دیا۔

ابن مدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن ضریس کے پاس دس ہزار ایسی حدیثیں تھیں، جو حماد بن سلمہ سے مروی ہیں۔ (۲)

ذریعہ معاش:

امام وقت ہوتے ہوئے وہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، مگر یہ کاروبار بھی محض رزق کفاف کے لئے تھا، چنانچہ سوار بن عبداللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

کنت اتی حماد بن سلمۃ فی سوقہ فاذا اربح فی ثوب حبۃ او حبتین شد جیوبہ وقام (۳)

میں بازار میں حماد بن سلمہ کی دکان پر آیا تھا، جب کسی کپڑے میں ایک دو حبہ فائدہ ہو گیا، وہ فوراً دکان اٹھا دیتے تھے۔

یعنی جہاں سد رمق کا انتظام ہوا کاروبار بند کر دیا۔

ہم عصر علماء کی آراء:

حفظ وثقاہت میں حضرت حماد بن سلمہ کم از کم اپنے معاصرین میں مفقود النظیر تھے، مگر آخر عمر میں سوء حفظ کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے محدثین نے ان کی روایتوں پر جرح کی ہے۔ امام بخاری نے ان سے روایت تو نہیں کی مگر ان سے استشہاد کیا ہے، جس میں حماد بن سلمہ کی ثقاہت کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ امام مسلم نے ان سے متعدد روایتیں کی ہیں۔

امام بیہقی لکھتے ہیں:

ھو احد ائمۃ المسلمین الانہ لما کبر ساء حفظہ، فلذا ترکہ البخاری واما مسلم فاجتھد واخرج من حدیثہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۸۳　　۲۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۲٦۲　　۳۔ ایضاً

من ثابت ماسمع منه قبل تغیره(۱)

وہ مسلمانوں کے ایک امام ہیں، مگر بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا ہے، اسی لئے امام بخاری نے ان سے روایتیں نہیں کیں ہیں، مگر امام مسلم نے اجتہاد کیا اور سوء حفظ سے پہلے کی جوان کی روایتیں ثابت البنانی کے واسطے سے ہیں ان کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

کچھ تو سوء حفظ کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کی کتابوں میں کچھ لوگوں نے الحاق کر دیا تھا، ان کی روایتیں بعض محدثین کی نظر میں مشتبہ ہوگئی تھیں، سوء حفظ کے بارے میں امام بیہقی کی رائے اوپر گذر چکی، الحاق کے بارے میں امام عبدالرحمٰن بن مہدی کا بیان ہے کہ:

و کانوا یقولون انها دست فی کتبه

''لوگوں کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے۔''

ان کا ایک ربیب ابن ابی العوجاء نامی تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

فکان یدس فی کتبه

''ان کی کتابوں میں کچھ ردوبدل کیا کرتا تھا۔''

تاہم آئمہ حدیث نے حماد بن سلمہ کے فضل وکمال کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حماد بن سلمہ کی برائی کرتے ہوئے دیکھو، اس سے اسلام کو مشتبہ سمجھو۔(۲)، حافظ ابن حجر نے بھی قریب قریب اسی طرح کا ایک قول نقل کیا ہے۔(۳)

علاوہ ازیں ابن عدی، عجلی، نسائی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، ابن عدی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وحماد من اجلة المسلمین وهو مفتی البصرة وقد حدث عنه من هو اکبر منه سناوله احادیث کثیرة واصناف کثیرة و مشائخ (۴)

اور حماد اجلہ مسلمین میں سے تھے، بصرہ کے مفتی تھے، ان سے ان کے سن رسیدہ لوگوں نے روایتیں کی ہیں، ان سے بکثرت اور مختلف النوع حدیثیں مروی ہیں اور ان کے مشائخ بھی قابل ذکر ہیں۔

زہد وعبادت:

علم وفضل کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا ساز ہد واتقاء اور عبادت وریاضت زمرۂ تابعین اور اتباع تابعین کی ایک عام خصوصیت تھی۔ چنانچہ حماد بن سلمہ بھی ان صفات ملکوتی کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، شہاب بن معمر کہتے ہیں کہ حماد اپنے وقت کے ابدال تھے، ایک دوسرے معاصر عفان کا بیان ہے کہ:

قد رایت من هو اعبد من حماد بن سلمة ولکن مارأیت اشد مواظبة علی الخیر و قراة القران والعمل لله

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۱۱۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۸۳ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۱۵ ۴۔ ایضاً ص۱۵

من حماد بن سلمة(۱)

''میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والوں کو دیکھا ہے، مگر ان سے زیادہ تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ بھلائی کرنے والا تلاوت قرآن کرنے والا اور ہر کام اللہ ہی کے لئے کرنے والا حماد بن سلمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی جن کا زہد و اتقاء ضرب المثل ہے، بیان فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے عمل کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کل آپ کو موت آجائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کے لئے گنجائش نہیں ہوگی۔(۲) ابن حبان کہتے ہیں کہ:

ان کا شمار مجاب الدعوات عابدین میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے اقران میں فضل وکمال، دین وعبادت میں ممتاز تھے، سنت کے سخت پابند اور اہل بدعت کے اثرات کو ختم کرنے میں انتہائی کوشاں تھے۔(۳)

خود فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث نبوی کو غیر اللہ کے لئے (یعنی عزت ووجاہت کے حصول کے لئے) حاصل کرتا ہے وہ خدا سے فریب کرتا ہے۔(۴)

وقت کی قدر:

ایک بار موسیٰ بن اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو میں یہ سچ کہوں گا، وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے تھے، یا تلاوت قرآن کرتے یا تسبیحات پڑھتے تھے یا پھر نماز میں مشغول رہتے، انہوں نے پورے دن کو انہی کاموں کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔(۵)

خدائے عزوجل کے یہاں ان کے اعمال صالحہ کی مقبولیت ہی کی یہ علامت تھی کہ ان کا انتقال مسجد میں بحالت نماز ہوا۔ یونس بن محمد کا بیان ہے کہ:

مات حماد بن مسلمة فی المسجد و هو یصلی (٦)

''حماد بن سلمہ کی وفات مسجد میں بحالت نماز ہوئی۔''

استغناء، اظہار حق اور امراء کی صحبت سے گریز:

حماد بن سلمہ کی کتاب زندگی کا ہر باب ہی بڑا تابناک ہے۔ زہد وعبادت، دنیا اور اہل دنیا سے استغناء اور امراء کی صحبت سے گریز زمرہ تبع تابعین کی ایک عمومی خصوصیت تھی، حماد بن سلمہ اس خصوصیت وامتیاز میں بھی نہ صرف ان کے شریک وسہیم تھے، بلکہ ممتاز مقام رکھتے تھے، اس سلسلہ میں محدث ابن جوزی نے ان کا ایک واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، جس سے حماد بن سلمہ کے زہد واتقاء اور خشیت الٰہی کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، ذیل میں اس واقعہ کی تلخیص درج کی جاتی ہے۔

مقاتل بن صالح الخراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہ کے پاس گیا تو ان کے گھر میں ایک چٹائی کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اسی پر

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۱۳ ۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۳۷۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۸۳
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۸۳ ۵۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۳۷۴ ۶۔ ایضاً، شذرات الذھب، ج۱، ص۲۶۲

بیٹھے قرآن کی تلاوت کررہے تھے۔ایک چمڑے کا توبڑا تھا جس میں ان کا سارا علم (یعنی روایات حدیث نبوی ﷺ) بند تھا، ایک وضو کا برتن تھا، جس سے وضو کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک دن موجود تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھو بیٹی کون ہے؟ وہ واپس آکر بولی کہ محمد بن سلیمان کا قاصد (غالباً یہ بصرہ کا امیر تھا) فرمایا کہ جاؤ کہہ دو کہ وہ تنہا میرے پاس آئے، وہ قاصد آیا اور اس نے ایک خط پیش کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام۔

اما بعد! خدا آپ کو اسی طرح سلامت رکھے، جس طرح آپ نے اپنے اولیاء اور اطاعت گزاروں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک مسئلہ درپیش ہے، اگر آپ تشریف لائیں تو اس بارے میں آپ سے استفادہ کرتا۔ والسلام۔

یہ خط ملا تو آپ نے پڑھ کر لونڈی سے کہا کہ قلم و دوات لاؤ اور اس کی پشت پر یہ جواب لکھ دو۔

اما بعد! آپ کو بھی خدا اسی طرح سلامت رکھے جس طرح اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو سلامتی عطا کرتے ہیں۔ میں نے بہت سے ایسے علماء کی صحبت اختیار کی ہے جو کسی کے پاس جایا نہیں کرتے (اس لئے میں بھی معذور ہوں) اگر آپ کو کوئی مسئلہ سمجھنا ہے تو آپ خود تشریف لائیے گا۔ آپ کے ساتھ خدم و حشم نہ ہوں، ورنہ میں آپ کے ساتھ اور اپنے ساتھ خیر خواہی نہ کرسکوں گا۔ والسلام۔

قاصد یہ جواب لے کر واپس چلا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، لونڈی کو حکم دیا کہ دیکھو کون ہے؟ اس نے آکر کہا کہ محمد بن سلیمان۔ فرمایا کہ جاؤ کہو آجائیں مگر تنہا آئیں، چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کرکے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بولا کہ کیا وجہ ہے کہ جب بھی میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں، میرے اوپر خوف و دہشت طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی کے واسطے سے حضرت انس کی زبانی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عالم اپنے دین کے ذریعہ خدا کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے اور جب وہ اس سے دنیا کے خزانے چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے۔

محمد بن سلیمان نے پوری توجہ کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور پھر کہا کہ چالیس ہزار درہم حاضر خدمت ہیں، انہیں اپنی ضروریات میں صرف فرمائیں۔ حماد بن سلمہ نے کامل استغناء کے ساتھ فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور جن لوگوں پر ظلم کرکے انہیں حاصل کیا ہے ان کو دے ڈالو۔ وہ بولا کہ بخدا میں یہ اپنے خاندانی ورثہ سے دے رہا ہوں۔ فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے معاف کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں معاف کرے، تم اس رقم کو تقسیم کردو۔ وہ بولا کہ میری تقسیم میں اگر کسی مستحق کو نہ ملا تو ناانصافی کی شکایت کرے گا۔ آپ نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ مجھے معاف کرو۔ (۱)

اس طویل واقعہ سے حماد بن سلمہ کی زندگی کی کتنی درخشاں اور تابناک تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

وفات:

۱۶۷ھ میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۲) اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۲۷۴　　۲۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۲۶۲

حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا انتقال ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا۔(۱)) عمر ۸۰ سال کے قریب پائی۔(۲)

تصنیف:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حماد بن سلمہ کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے جنہوں نے تالیف و تدوین کی خدمات انجام دی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی پوری تفصیلات نہیں ملتی، صاحب شذرات الذہب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ:

له تصانيف في الحديث (۳)

''حدیث میں ان کی تصانیف ہیں۔''

ان کے ممتاز شاگرد ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے پاس قیس کی کتاب کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں تھی، اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

يعني كان يحفظ علمه (۴)

یعنی وہ قیس کے علم کے حافظ تھے۔

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ قیس کی روایتوں سے انہوں نے جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ ضائع ہوگیا تو وہ اپنی حافظہ سے روایت کرنے لگے۔

اس تفصیل سے بہرحال اتنی بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ حماد بن سلمہ نے جمع و تدوین کا کچھ نہ کچھ کام کیا تھا، لیکن مکمل تفصیلات متداول تذکروں میں نہیں ملتیں۔(۵)(۶)

۴۔ثابت بن اسلم بنانی:

نام ونسب:

ثابت نام، ابومحمد کنیت، نسباً قریشی کی شاخ بنی سعد سے اور بصرہ کے صاحب علم وعمل تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ بصرہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام وحجت اور ابن عماد حنبلی علم وفضل اور عبادات میں سادات تابعین میں لکھتے ہیں۔(۷)

حدیث:

انس بن مالک کے خاص اصحاب میں تھے ان کی صحبت نے ان کو بڑا حافظ حدیث بنادیا تھا۔ ان کی مرویات کی تعداد ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ڈھائی سو تک پہنچی ہے۔(۸) صحابہ میں انہوں نے انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن ابی لیلیٰ، مطرف بن عبداللہ، ابورافع،

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۱۳　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۸۳　۳۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۶۲

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۱۵　۵۔ ایضاً ص ۱۸۳　۶۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۱۱۸۔۱۲۵

۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۱، شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۶۱　۸۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۲

عمرو بن ابوسلمہ، شعیب عبداللہ بن رباح، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، مطرف بن عبداللہ، ابورافع صائغ سے سماع حدیث کیا تھا۔ (۱) حمید الطویل شعبہ، جریر بن ابی حازم، معمر، ہمام، ابوعوانہ، جعفر بن سلیمان، سلیمان مغیرہ، داؤد بن ابی ہند، عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن عبید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔ (۲)

زہد وورع:

ان کی شہرت ان کے علم سے زیادہ ان کے عمل اور زہد وورع اور عبادت وریاضت کی وجہ سے ہے، صحابہ تک ان کے مذہبی اور اخلاقی اوصاف کے معترف تھے، حضرت انس فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ ثابت خیر کی کنجی ہیں۔ (۳) بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ جسے دنیا کا سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو وہ ثابت کو دیکھ لے، میں نے ان سے بڑا عابد نہیں دیکھا۔ (۴)

سوز وگداز:

ان کا دل سوز وگداز کی آتش سوزاں تھا، گداز قلب سے ان کی آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی تھیں اور اس بے قراری کے ساتھ روتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پسلیاں الٹ جائیں گیں شدت گریہ سے آنکھیں خراب ہوگئی تھیں اور ان کے بے نور ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، لوگوں نے اتنی اشکباری پر عرض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ روتی رہیں اور علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ (۵)

عبادت وریاضت:

ان کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا، فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں ہے اس وقت تک وہ عابد نہیں ہوسکتا، جس مسجد کی طرف سے گزرتے تھے، اس میں نماز ضرور پڑھتے تھے، تہجد کی نماز میں یہ پر موعظت آیت،

"اکفرت بالذی خلقك من تراب ثم من نطفة"۔

''اے انسان تو اس سے کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی پھر نطفہ سے پیدا کیا''۔

بار بار تاثر کے ساتھ پڑھتے تھے، اور زار وزار روتے تھے۔ (۶)

صائم الدہر تھے، کبھی روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا (۷) ایک شبانہ ویوم میں پورا قران ختم کرتے تھے۔ (۸)

توبہ اور استغفار:

غفار الذنوب کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار بہت پسند تھا، فرماتے تھے، مجھے یہ پسند ہے کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہوں، اور خدا سے استغفار کر کے اس گناہ کو چھوڑ دوں، اس کے مقابلہ میں کہ صغیرہ سرزد ہو اور استغفار اور اس کو چھوڑنے کی توفیق نہ ہو۔ (۹)

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲ ۲۔ ایضا ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۲ ۵۔ ایضا ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۳

۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۲ ۸۔ ایضا ۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۳

موت کی یاد کا عمل پر اثر پڑتا ہے:

فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کے اعمال پر اس کا نمایاں اثر پڑتا ہے۔(۱)

وفات:

۱۲۳ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت اسی (۸۰) سال سے اوپر عمر تھی۔(۲)(۳)

۵۔انس: راجع:۱۳۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ننانوے ویں (۹۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی نیشاپوری، باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت سلیمان بن حرب اور حضرت حماد بن سلمہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک، خادم رسول ﷺ اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا حاضت المرأۃ:	جب عورت کو ماہواری آتی تھی۔
لم یاکلوھن:	وہ ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے
لم یشاربوھن:	وہ ان کو اپنے سے پلاتے نہیں تھے۔
لم یجامعوھن:	وہ ان کے ساتھ رہتے نہیں تھے۔
البیوت:	گھروں۔
سالوا النبی ﷺ:	صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۲ ۳۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۶۳۔۶۵

یسئلونک :	یہ آپ سے سوال کرتے ہیں۔
المحیض :	حیض۔ ماھواری۔
اذی :	نجاست۔ گندگی۔ ناپاکی۔
امرھم :	آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔
ان یصنحوا بھن کل شئی :	صحابہ عورتوں کے ساتھ تمام معاملات کریں۔
الا الجماع :	سوائے ہم بستری کے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

حیض کا لغوی واصطلاحی معنیٰ:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جوخون رحم سے وقت مخصوص میں وصف مخصوص کے ساتھ خارج ہو اس کو حیض کہتے ہیں۔(۱)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

لغت میں حیض کا معنی ہے سیلان (بہنا)، جب کوئی وادی بہنے لگتی تو کہتے ہیں حاض الوادی، اوقات مخصوصہ میں خون بہنے کی وجہ سے اس خون کو حیض کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں حیض اس صفت شرعیہ کو کہتے ہیں جو ان کاموں کے کرنے سے مانع ہو جن کے لئے حیض سے پاک ہونا شرط ہے، مثلاً نماز پڑھنا، قرآن مجید کو چھونا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا اور عمل زوجیت کرنا۔

علامہ حصکفی نے حیض کی یہ تعریف کی ہے: وہ خون جو بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے خارج ہو۔ رحم کی قید سے استحاضہ خارج ہو گیا، کیونکہ یہ خون ایک رگ سے خارج ہوتا ہے اور یہ افعال مذکورہ سے مانع نہیں ہے، رحم اس ظرف کو کہتے ہیں جس میں بچہ ہوتا ہے یعنی بچہ دانی، اور بغیر وقت ولادت کی قید سے نفاس خارج ہو گیا (نفاس بھی افعال مذکورہ سے مانع ہے) ولادت کے بعد عورت کے رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کا سبب یہ ہے کہ حضرت حواء نے شجر ممنوع سے کھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر دیا، امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حیض کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر اس کو مقدر کر دیا ہے، حیض کا رکن یہ ہے کہ خون رحم سے نکل کر فرج داخل کے باہر آ جائے اگر وہ خون فرج داخل ہی میں رہے تو وہ حیض نہیں ہے۔(۲)

آیت مذکور کا شان نزول اور حیض کا سبب:

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی لکھتے ہیں:

۱۔ المفردات، ص۱۳۶ ۔ ۲۔ تبیان القرآن، ج۱، ص۸۲۴۔۸۲۵

امام احمد، عبد بن حمید، دارمی، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابویعلی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، النحاس (الناسخ میں) ابن حبان اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ یہود کی عورتیں حائضہ ہوتیں تو وہ انہیں گھر سے نکال دیتے اور گھروں میں نہ ان کے ساتھ کھاتے نہ پیتے اور نہ اکٹھے رہتے، رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ آیت نازل فرمائی، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ گھروں میں رہو، اس کے ساتھ سوائے جماع کے سارے معاملات کرو، یہود کو یہ بات پہنچی تو کہنے لگے یہ شخص ہر معاملہ میں ہماری مخالفت ہی کرنا چاہتا ہے۔ اسید بن حضیر اور عباد بن بشر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہود یہ کہہ رہے ہیں کیا ہم اپنی بیویوں کے ساتھ نہ رہا کریں؟ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ اقدس (یہ سن کر) متغیر ہو گیا حتی کہ ہم نے سوچا کہ آپ ﷺ ان پر ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں چلے گئے تو انہیں راستہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں آنے والا دودھ کا ہدیہ (لانے والا) ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا پھر انہیں دودھ پلایا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ ان پر ناراض نہیں ہیں۔ (۱)

امام نسائی اور البزار نے حضرت جابر کے واسطہ سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ یہود نے کہا جو اپنی بیوی کی دبر کی طرف سے قبل میں وطی کرتا ہے اس کا بچہ بھینگا ہوتا ہے، انصار کی عورتیں اپنے خاوندوں کو دبر (پچھلا حصہ) کی طرف قبل (فرج) میں وطی کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں، انصار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو پہلے انہوں نے عورت کی حالت حیض میں مرد کے جماع کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ویسئلونك عن المحیض الخ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اور کھیتی سے مراد بچے کی جگہ ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قرآن حیض والی عورت کے متعلق نازل ہوا مسلمان بھی عجمیوں کی طرح ان کو گھروں سے نکال دیتے تھے۔ پس اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے اس عمل کے متعلق فتویٰ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، مومنوں نے اعتزال کا مفہوم یہ سمجھا کہ جس طرح وہ پہلے انہیں گھروں سے نکال دیتے تھے وہی مراد ہے۔ حتی کہ آیت کا آخری حصہ تلاوت فرمایا۔ پس مومنین نے اعتزال کا مفہوم سمجھ لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتقربو ھن حتی یطھرن۔

امام ابن جریر نے سدی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جنہوں نے حیض کے متعلق پوچھا تھا وہ ثابت بن الدحداح تھے۔ (۲)

امام عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں لوگ حیض والی عورت کو اپنے گھر میں نہیں ٹھہراتے تھے اور نہ ایک برتن میں اسے کھانا کھلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ پس جب تک وہ حیض سے ہو اس کی فرج حرام کر دی اور باقی تمام معاملات حلال قرار دیئے۔ (۳)

امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا جب کہ وہ حیض سے تھیں، یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لازم کر دیا ہے۔ (۴)

امام عبدالرزاق (نے المصنف میں)، سعید بن منصور اور مسدد نے اپنی مسند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

۱۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۶ ۲۔ تفسیر طبری، ج ۲، ص ۴۵۷ ۳۔ تفسیر طبری، ج ۱، ص ۴۵۶
۴۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۱۳

کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مردوں کے ساتھ صف میں نماز پڑھتی تھیں اور وہ لکڑی کے قوالب بنواتی تھیں جن کے ساتھ ان کا قد بلند ہو جاتا تھا یہ اس لئے کرتی تھیں تا کہ اپنے دوست کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر حیض ڈال دیا اور انہیں مساجد سے منع کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے ان پر حیض مسلط کر دیا پس وہ پیچھے کر دی گئیں۔ ابن مسعود نے فرمایا: فاخروھن من حیث اخرھن اللہ (انہیں پیچھے کرو جیسے اللہ نے انہیں پیچھے کیا)

امام عبدالرزاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کی جوتے بنواتی تھیں وہ ان کے ساتھ مساجد میں مردوں کے لئے آراستہ ہوتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر مساجد میں آنا حرام کر دیا اور ان پر حیض مسلط ہو گیا۔

امام احمد اور بیہقی نے سنن میں حضرت یزید بن بابنوس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے کہا تم العراک کے بارے کیا کہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہاری اس سے مراد حیض ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم بھی اس کو وہی نام دو جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ (۱) (۲)

عورت کی عقل اور دین کے ناقص ہونے کا سبب:

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے:

کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف نکلے، آپ خواتین کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ تم اکثر اہل دوزخ ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے کوئی ناقص عقل اور ناقص دین والی ایسی نہیں دیکھی، جو کسی محتاط مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دین اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف کی مثل ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔ (۳)

عورتوں پر نقص کا حکم اکثری ہے، کلی نہیں ہے:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت تو مرد سے ناقص نہیں ہوتی بعض عورتیں مرد سے کامل بھی ہوتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں دنیا کی عورتوں میں سے یہ عورتیں کافی ہیں: مریم بنت عمران،

۱۔ سنن کبریٰ، کتاب الحیض، ج ۱، ص ۳۰۷　　۲۔ تفسیر در منثور، ج ۱، ص ۶۶۶۔۶۶۷۔

۳۔ اطراف الحدیث: ۱۴۶۲۔۱۹۵۱۔۲۶۵۸، صحیح مسلم: ۷۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۹، سنن نسائی: ۱۵۷۵۔۱۵۷۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۰۳، سنن بیہقی، ج ۱۰، ص ۱۴۸، شعب الایمان: ۹، مسند احمد: ۵۳۴۳۔

خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کل پر کسی چیز کا حکم لگایا جائے تو وہ اس کو مستلزم نہیں ہوتا کہ اس کل کے ہر فرد پر وہ حکم لگایا جائے ،بعض مردوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور بعض عورتوں کا حافظہ بہت قوی ہوتا ہے،بعض مرد غبی ہوتے ہیں اور بعض عورتیں بہت ذہین ہوتی ہیں، لیکن اکثر مردوں کی عقل کامل ہوتی ہے اور اکثر عورتوں کی عقل ناقص ہوتی ہے اور اس حدیث میں اکثریت کے اعتبار سے عورتوں کو ناقص العقل فرمایا ہے اور چونکہ ہر عورت حیض میں مبتلا ہوتی ہے،اس لئے ہر عورت کی نماز اور روزے کی عبادت مرد کی عبادت سے کم ہوتی ہے، یہ خلقت کے اعتبار سے ہے، ورنہ بہت مرد ایسے ہیں، جو نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں اور بعض عورتیں ان کی بہ نسبت زیادہ نماز پڑھتی ہیں اور زیادہ روزے رکھتی ہیں، سو عورتوں کا دین میں ناقص ہونا، یہ بھی اکثریتی حکم ہے کلی حکم نہیں ہے اور شرع اور عرف میں اکثر افراد پر کل کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔(۲)

عورتوں کے بارے میں اسلام کی تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں:

پیر محمد کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں:

یہود ایام حیض میں عورت سے بالکل قطع تعلق کرلیا کرتے تھے۔ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کر دیا جاتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکین عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔لیکن نصاریٰ ان دنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اسلام کی روایتی میانہ روی اور اعتدال جلوہ فرما ہے۔صحبت سے منع کر دیا کیونکہ مرد عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔عورت کی طبیعت ان دنوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لئے بھی ناگوار خاطر ہوتا ہے۔نیز خون جو بہر حال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اسلام نے جائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

ایام حیض کے تعین میں مذاہب آئمہ:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے، اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور عموماً حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے، اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر (پاکیزگی کے ایام) کی مدت پندرہ دن ہے۔(۴)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

۱۔ سنن ترمذی:۳۸۷۸، مسند احمد، ج۳،ص ۱۳۵، المستدرک، ج۳،ص ۱۵۷، مصنف عبدالرزاق:۲۰۹۱۹، شرح السنۃ، ج۱،ص ۳۴۶۔

۲۔ نعمۃ الباری، ج۱،ص ۷۹۷۔۷۹۸ ۳۔ ضیاء القرآن، ج۱،ص ۱۵۲۔۱۵۳ ۴۔ ردالمحتار، ج۱،ص ۱۸۹۔۱۸۸

حیض کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔(۱)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔(۲)

علامہ علاء الدین مصکفی حنفی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔(۳)

فقہاء احناف کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں: امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کنواری اور شادی شدہ عورت کا حیض تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا، دس دن کے بعد نکلنے والا خون استحاضہ ہے۔ حائضہ ایام حیض کے بعد کی نمازوں کی قضا کرے۔ حیض میں سرخی مائل سیاہ گاڑھا خون ہوتا ہے اور استحاضہ میں زرد رنگ کا پتلا خون ہوتا ہے۔(۴)

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(۵)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے۔(۶)

امام دارقطنی نے ان احادیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن تعداد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہو گئیں اور ان سے استدلال صحیح ہے نیز ان احادیث کی تقویت حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے:

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

معاویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ وکیع نے کہا حیض تین سے دس دن تک ہے اس کے علاوہ استحاضہ ہے۔(۷)

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے بھی یہ اثر بیان کیا، اور سفیان کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔(۸)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ متعدد اسانید کے ساتھ چھ صحابہ سے منقول ہے کہ حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔(۹)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے کامل میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن سے کم حیض نہیں ہوتا اور دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا۔(۱۰)

۱۔ روضۃ الطالبین، ج ۱، ص ۲۴۸۔۲۴۷　۲۔ المغنی، ج ۱، ص ۱۸۹　۳۔ درمختار علی ھامش ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۸۶

۴۔ سنن دارقطنی، ج ۱، ص ۲۱۸　۵۔ ایضاً　۶۔ ایضاً ص ۲۱۹　۷۔ ایضاً ص ۲۱۰

۸۔ ایضاً ص ۲۱۰　۹۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۸۹　۱۰۔ فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۴۳

امام ابن جوزی نے علل متناھیہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

حیض، نفاس اور استحاضہ میں مبتلا خواتین کے مسائل:

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

۱۔ حالت حیض میں طہارت (پاکیزگی) کے حصول کے لئے وضو کرنا منع ہے، صفائی کے لئے غسل کرنا جائز ہے جیسے دوران حج بدن صاف کرنے کے لئے غسل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن وظائف کے پڑھنے کی اس کو عادت ہو مثلاً تکبیر، تہلیل، درود شریف ان کے لئے وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ فقہاء نے کہا ہے کہ حائضہ کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جائے نماز پر بیٹھ کر وظیفہ وغیرہ پڑھتی رہے جتنی دیر میں وہ نماز پڑھتی تھی تاکہ اس کی نماز کی عادت قائم رہے۔ اس عمل سے اس کو اس کی بہترین نماز پڑھنے کا اجر ملے گا۔

۲۔ حیض کی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے، خواہ کسی قسم کی نماز ہو یا سجدہ شکر ہو، حالت حیض میں جو نمازیں فوت ہو گئیں ان کی قضا نہیں ہے۔

۳۔ حائضہ کا اعتکاف کرنا منع ہے، اور اگر دوران اعتکاف اس کو حیض آ گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

۴۔ حالت حیض میں طواف صدر (وداع) ممنوع ہے۔

۵۔ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

۶۔ حیض آنے سے لڑکی بالغہ ہو جاتی ہے۔

۷۔ عدت پوری ہونے کا تعلق بھی حیض سے ہے، آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہے۔

۸۔ استبراء کا تعلق بھی حیض سے ہے، جب مال غنیمت سے کوئی باندی ملے یا کسی باندی کو خریدے تو ایک حیض تک اس سے وطی نہ کرے، ایک حیض گزر جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس کے رحم میں استقرار نطفہ ہے یا نہیں۔

۹۔ حیض منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔

۱۰۔ رمضان کے روزہ کے کفارہ اور قتل کے کفارے میں مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں اگر ان روزوں کے درمیان حائضہ کو حیض آ گیا تو اس کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

۱۱۔ حائضہ عورت پر روزہ رکھنا منع ہے لیکن وہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا کرے گی، اس نے نفل روزہ شروع کیا اور پھر حیض آ گیا تو اس کی قضا کرے گی۔

۱۲۔ حائضہ عورت کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

۱۳۔ حائضہ کے لئے کعبہ کا طواف کرنا منع ہے۔

۱۴۔ حائضہ کی ناف سے گھٹنے تک اس کے شوہر کا قریب ہونا منع ہے۔

۱۵۔ تلاوت قرآن کے قصد سے قرآن پڑھنا منع ہے البتہ دعا کے قصد سے سورۃ فاتحہ یا کسی اور آیت کو پڑھنا یا تبرک کے قصد سے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے۔

۱۶۔ قرآن مجید کو چھونا منع ہے خواہ وہ متصل یا منفصل غلاف میں ہو۔

۱۷۔ اللہ کا ذکر کرنا، تسبیح کرنا، قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عید گاہ میں جانا جائز ہے۔

۱۸۔ ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے بعد کھانا پینا جائز ہے، اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر جنبی کے لئے کھانا مکروہ ہے، حائضہ کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

۱۹۔ جب اکثر مدت پوری ہونے کے بعد حیض منقطع ہو (یعنی دس دن کے بعد) شوہر کا اس کے ساتھ بغیر اس غسل کے وطی کرنا جائز ہے اور غسل کے بعد وطی کرنا مستحب ہے۔

۲۰۔ اگر کم مدت گزرنے کے بعد اس کا حیض منقطع ہوا تو حائضہ وضو کرے اور آخری وقت میں نماز پڑھ لے۔

۲۱۔ اگر حائض کے ایام مقرر ہیں اور اس سے کم وقت میں حیض منقطع ہو گیا تو اس کے شوہر کے لئے اس سے مباشرت جائز نہیں ہے، البتہ وہ احتیاطاً نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

۲۲۔ اگر حیض کم مدت میں منقطع ہو گیا تو شوہر کا اس سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔

۲۳۔ اگر حیض منقطع ہونے کے بعد حائضہ نے نماز کا اتنا وقت پالیا جس میں تکبیر تحریمہ پڑھی جاسکتی ہے تو اس پر وہ نماز فرض ہو گئی اور وہ اس کی قضا کرے گی۔

۲۴۔ جو شخص حائضہ عورت سے حلال سمجھ کر مباشرت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

۲۵۔ مدت حیض سے کم یا مدت حیض کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہے، اس کا حکم اس طرح ہے جس طرح کسی معذور شخص کی ناک سے ہمیشہ خون جاری ہو تو اس سے نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح مستحاضہ سے بھی نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا۔ اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نماز کے ایک وقت میں وضو کرے یہ وضو اس پورے وقت میں شرعاً قائم رہے گا، بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے وضو نہ ٹوٹے، وہ اس وضو سے پورے وقت میں تمام عبادتیں کر سکتی ہے اور وقت ختم ہونے کے بعد اسے دوسرے وقت کے لئے وضو کرنا ہو گا۔

۲۶۔ ولادت کے بعد رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس کے کم ہونے کی کوئی حد نہیں ہے اور اکثر نفاس کی حد چالیس دن ہے اور چالیس دن کے بعد جو خون آتا رہے وہ استحاضہ ہے، استحاضہ کے دوران وہ نمازیں پڑھے گی اور روزے رکھے گی اور معذور شخص کی طرح وضو کرے گی۔

۲۷۔ نفاس کا خون نکلنے سے عدت پوری ہو جاتی ہے خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات ہو۔

۲۸۔ حیض اور نفاس میں مبتلا دونوں عورتیں ان ایام میں نماز نہیں پڑھیں گی اور ان پر ان ایام کی قضا نہیں ہے، البتہ ان ایام میں اگر رمضان کے روزے آ گئے تو روزے نہیں رکھیں گی۔ بعد میں فوت شدہ روزوں کی قضا کریں گی۔ (۱) (۲)

۱۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۲۰۰۔ ۱۸۱　　۲۔ تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۲۵۔ ۸۲۸

خلاصہ:

☆ امام نسائی کا اس باب کے قائم کرنے سے مراد ہے کہ اس آیت مبارکہ کا مفہوم کیا ہے، اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کیا بیان کی ہے، اس طرح آپ کا استدلال یہ ہے:
حیض کے دنوں میں حائضہ عورتوں کے ساتھ کھانا پینا، بیٹھک اور ایک گھر میں اکٹھے رہنا، اور جماع کے علاوہ مباشرت کرنا جائز ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بارے میں سوال کن صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا؟ جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں دیا ہے، اس بارے میں مفسرین نے تین نام ذکر کئے ہیں:

۱۔ حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ　　۲۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

حیض کی تعریف:

وہ خون جو بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے خارج ہو۔(۱)

حیض کی مدت:

۱۔ احناف کا موقف: کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

۲۔ شوافع کا موقف: کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات، زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔

۳۔ مالکیہ کا موقف: کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔

۴۔ حنابلہ کا موقف: کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات، زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔

☆ حائضہ عورت کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کا سلوک انتہائی ظالمانہ تھا، یہودی حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا، لیٹنا سب کچھ ختم کر دیتے تھے، عیسائی حیض کے دنوں میں بھی جماع کرتے تھے، اسلام کی تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں، کہ وہ حائضہ کے ساتھ کھانے پینے، رہنے اور مباشرت کو جائز کہتا ہے، جبکہ اس کے ساتھ جماع کو منع کرتا ہے۔

☆ قرآن مجید نے حائضہ عورت سے جماع نہ کرنے کا سبب نجاست بیان کی ہے، اس لئے عورت کی دبر استعمال کرنا بھی حرام ہے، کیونکہ وہ تو ہے ہی محل نجاست، پھر اس کی حرمت بہت ساری احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ کسی قوم کی مخالفت کا یہ مطلب نہیں، کہ مسلمان ناجائز کام کرنے لگ جائیں، بلکہ اسلام میں تعصب حرام ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی غلط رویے پر تھی، اس لئے ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو بلا کر انہیں دودھ پلایا، تا کہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔

۱۔ المفردات، ص ۱۳۶

☆ استاد، ماں باپ یا کوئی بڑا جب شاگرد، اولاد یا ماتحت، غلط رویوں کو پروان بھی نہیں چڑھانا چاہئے، اور ان رویوں کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ غلط رویوں کی روک تھام کے لئے ان کی مذمت اور حوصلہ شکنی کرنا ضروری ہے۔

بَابُ مَا يَجِبُ عَلَى مَنْ أَتَى حَلِيلَتَهُ فِي حَالِ حَيْضَتِهَا بَعْدَ عِلْمِهِ بِنَهْيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ وَطْئِهَا

باب ۱۸۲: نہی کا علم ہونے کے باوجود حائضہ بیوی سے جماع کرنے والے کا کفارہ

حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرنا حرام ہے، البتہ ایسے شخص پر توبہ کے ساتھ کفارہ دینا بھی واجب ہے، یا کہ نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک حیض کی حالت میں جماع کرنے والے شخص پر توبہ استغفار ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، البتہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہے، امام نسائی کا مذہب بھی کفارہ ادا کرنے کا ہے، امام نسائی نے اس باب ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں آیت حیض کی تفسیر کا بیان تھا، اور اب اس باب میں حیض کی حالت میں جماع کرنے والے شخص پر واجب ہونے کا کفارہ کا بیان ہے۔

۲۸۸۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فِي الرَّجُلِ يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ بِنِصْفِ دِينَارٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرے، وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حدیث مبارکہ میں حائضہ عورت سے جماع کرنے والے کا کفارہ ایک دینا یا آدھا دینار بیان ہوا ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۶۸، ابوداؤد: ۲۶۴، ابن ماجہ: ۶۴۰، تحفۃ الاشراف: ۶۴۹۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو کے حالات زندگی سپرد قلم کئے جاتے ہیں:

۱۔عمرو بن علی: راجع ۴

۲۔یحییٰ: راجع: ۱۳۳

۳۔شعبۃ: راجع: ۱۱۰

۴۔الحکم: راجع: ۱۰۴

۵۔عبدالحمید:

آپ کا نام ابوعمر عبدالحمید بن عبدالرحمان بن زید بن خطاب عدوی مدنی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ آپ سے مروی ہے، آپ نے خلیف ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں وفات پائی، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔مقسم:

آپ کا نام ابوالقاسم مقسم بن بجرہ (م:۱۰۱ھ) ہے، بعض نے نجدہ ذکر کیا ہے، آپ حضرت عبداللہ بن حارث سے تعلق ولاء رکھتے تھے، بعض نے تعلق ولاء حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، صدوق، مرسل راوی ہیں، آپ کو امام ابوحاتم، امام عجلی اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری، علامہ ابن سعد اور علامہ ساجی نے ضعیف قرار دیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق قرار دیا ہے، آپ متکلم فیہ راوی ہیں، امام بخاری نے آپ سے حدیث الباب ہی روایت کی ہے، سنن نسائی رحمۃ اللہ میں آپ سے نو احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۷۔ابن عباس رضی اللہ عنہما: راجع:۱۳۲

۴۔حکم روایت:

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث مبارکہ مرسل یا موقوف ہے، اور اسے متصل مرفوع قرار دینا درست نہیں ہے۔(۳)

امام ابوداؤد نے ایک سند سے اسے مرسل کہا ہے، اسی طرح دو خمس والی روایت کو معضل قرار دیا ہے۔(۴)

اسی طرح اس روایت کے متن میں بھی اضطراب ہے، بعض دینار یا آدھے دینار کا ذکر ہے، بعض میں دو خمس دینار کا، پھر بعض میں ابتداء حیض اور انتہاء حیض کا بیان ہے، اسی طرح بعض میں گاڑھے خون اور زرد خون کا ذکر ہے۔(۵)

حدیث مرسل، موقوف، معضل اور مضطرب کی تعریفات اور احکام:

۱۔حدیث مرسل کی تعریف اور حکم:

حدیث مرسل کی پوری بحث فیوض الراحی فی شرح سنن انسائی، ج ۲، ص ۶۰۹۔۶۳۹) پر گذر چکی ہے۔

۲۔حدیث موقوف کی تعریف اور حکم:

وقف سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، بمعنی: روکا ہوا اور اصطلاح میں وہ حدیث ہے جو کسی صحابی کی طرف منسوب ہو، خواہ قول ہو یا

۱۔ i۔تاریخ الثقات، ص ۲۸۶ ii۔الثقات، ج ۷، ص ۱۱۷

۲۔ i۔تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۲۷۸ ii۔الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۴۱۴

۳۔ معالم السنن، ج ۱، ص ۱۱۵ ۴۔ ابوداؤد: ۲۶۶ ۵۔ شرح سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۴۶۔۳۴۹

فعل، اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع:

وهو مطلقاً ماروی عن صحابی، من قول او فعل ، متصلاً کان او منقطعاً (الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث:۱۵۰)

قول الصحابی : کنانقول کذا، اونفعل کذا، اونری کذا، ان لم یضفه الی زمن النبی ﷺ، فهو موقوف ،(۱)

موقوف حدیث کی تین قسمیں ہیں:

۱۔موقوف قولی۔　　۲۔موقوف فعلی:　　۳۔موقوف تقریری

۱۔موقوف قولی:

وہ حدیث ہے جس میں کسی صحابی کا کوئی قول منقول ہو، مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد۔(۲)

حدثوا الناس بما یعرفون، اتحبون ان یکذب الله ورسوله ؟

''لوگوں سے وہ احادیث بیان کرو، جنہیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ نامانوس ہوں ان کے بیان سے گریز کر، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔''

۲۔موقوف فعلی:

وہ حدیث ہے جس میں کسی صحابی کا کوئی فعل منقول ہو، مثلاً امام بخاری کا یہ قول:

ام ابن عباس رضی اللہ عنہما وھو متیمم (۳)

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امامت کرائی حالانکہ انہوں نے تیمم کیا ہوا تھا''۔

۳۔موقوف تقریری:

وہ حدیث ہے جس میں کسی صحابی کی تائید سکوتی منقول ہو، جیسے کسی تابعی کا کہنا کہ میں نے فلاں صحابی کے سامنے یا ان کے زمانہ میں ایسا کام کیا اور انہوں نے میرے اس کام کی روک ٹوک نہ کی۔

موقوف روایت کبھی صحیح ہوتی ہے، کبھی حسن اور کبھی ضعیف۔

موقوف روایت اگر متصل سند سے بھی ثابت ہو، تب بھی حجت نہیں: وھو لیس بحجة علی الاصح وان اتصل (۴)(۵)

۳۔حدیث معضل کی تعریف اور حکم:

لغت میں اعضلہ سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی: سخت ہونے، مشکل ہونے اور تنگ ہونے کے ہیں۔

۱۔ ارشاد طلاب الحقائق،۱:۱۵۹، تدریب الراوی،۱:۱۵۰　　۲۔ صحیح بخاری:۵۰　　۳۔ ایضاً:۱۰۲

۴۔ الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث،۱۵۰　　۵۔ معرفت علوم الحدیث، ص ۳۲۸۔۳۲۹

اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند کی درمیان میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں بمن اقسام السقط من الاسناد :ان کان اثنتین فصا عدامع التوالی فھو المعضل(۱)

مثلاً امام مالک اس طرح کہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا اور امام شافعی اس طرح کہیں کہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرمایا: کقول مالك :قال رسول الله ﷺ وقول الشافعي :قال ابن عمر رضی اللہ عنہما (۲)

اس کی مثال یہ ہے: عن عمرو بن شعیب قال :قاتل عبد مع رسول الله ﷺ یوم احد فقال له رسول الله ﷺ: اذن لك سيد ك ؟ قال :لا فقال :لو قتلت لدخلت النار ، قال سيده :فهو حريارسول الله، فقال النبی ﷺ الا ن فقاتل۔(۳)

اس کو عمرو بن شعیب نے معضل بنا دیا: فقداً عضل الاسناد عمرو بن شعيب ۔(۴)

کبھی ایک روایت ایک سند سے معضل ہے، مثلاً: عن مالك انه قد بلغه ان باهريرة رضی الله عنه ،قال :قال رسول الله ﷺ للمملوك طعامه و كسوته بالمعروف ولا يكلف من العمل الا مايطيق۔(۵)

یہ روایت معضل ہے، اور اسے امام مالک نے موطأ ۲:۹۸۰، کتاب الاستیذان :۵۴، باب الامر بالرفق بالمملوک :۱۶، حدیث :۴۰، میں معضل ہی نقل کیا ہے لیکن یہ روایت موصول بھی منقول ہے۔(۶)

هذا معضل ،اعضله مالك فی الموطأ الا انه قدوصل عنه خارج الموطأ۔(۷)

اس اعضال کو اس طرح دور کیا گیا: عن مالك بن انس عن محمد بن عجلان عن آبيه عن ابی هريرة رضی الله عنه :قال :قال رسول الله ﷺ :للمملوك طعامه وكسوته بالمعروف اولا يكلف من العمل الا ما يطيق(۸)

معضل کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اتباع تابعین میں سے کوئی مرسلاً روایت کرے: ومثاله ما يرويه ، تابعی التابعی قاتلا فيه : قال رسول الله ﷺ اوعن ابی بكروعمررضی الله عنهما او غيرهما غير ذاكر سائط بينه و بينهم(۹)

مثلاً: اعمش (۱۰) شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: يقال للرجل يوم القيامة عملت كذا و كذا ؟ فيقول :لا ، فيختم علی فيه اليه روایت اس لئے معضل ہے کہ شعبی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے، تو گویا اعمش نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم ﷺ کو سند سے ساقط کر کے حدیث کو معضل بنا دیا: فقداً عضله الا عمش ، لان الشعبی يرويه عن انس رضی الله عنه عن النبی ﷺ فقد أ سقط الاعمش انساً رضی الله عنه و النبی ﷺ فناسب ان يسمى معضلاً(۱۱)

۱۔ مقدمۃ ابن الصلاح ،۸۱،نوع:۱۱ ۲۔ قواعد التحدیث:۱۳۰ ۳۔ معرفۃ علوم الحدیث:۳۶ ۴۔ ایضاً:۳۶
۵۔ ایضاً:۳۷ ۶۔ صحیح مسلم،:۱۶۶۲،مسند حمیدی:۱۱۵۵ ۷۔ معرفۃ علوم الحدیث:۳۷ ۸۔ ایضاً:۳۷
۹۔ مقدمۃ ابن الصلاح:۸۲ ۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ:۵۴، الاعلام۳:۱۳۵ ۱۱۔ مقدمۃ ابن الصلاح:۸۳

معضل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی حالت مرسل اور منقطع سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ اسناد میں کئی راویوں کو حذف کیا جاتا ہے جن کے ثقہ ہونے کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، سب علماء اس پر متفق ہیں: المعضل لاحجة فيه(۱)

۴۔ حدیث مضطرب کی تعریف اور حکم:

اضطرب الموج سے ماخوذ ہے جس کے معنی موجوں کی کثرت اور تھپیڑوں کے چلنے کے ہیں۔

مصطلح الحدیث میں اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی روایت میں راویوں کا اختلاف واقع ہو جائے، اور یہ چیز حدیث کو ضعیف بنا دیتی ہے، اگر راویوں کا اختلاف سند میں ہو تو اضطراب فی الاسناد کہلاتا ہے، اور اگر اضطراب متن میں ہو تو اضطراب فی المتن کہلاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اضطراب کو رفع کیا جا سکتا ہو تو رفع ہونے کے بعد حدیث مضطرب صحیح ہو جاتی ہے اور اگر اضطراب رفع نہ ہو سکے تو حدیث ضعیف و ناقابل استدلال ہوتی ہے۔

شروط تحقق اضطراب:

۱۔ اختلاف ایسا شدید ہو کہ ان کے مابین موافقت و تطبیق ناممکن ہو۔

۲۔ قوت اور رتبہ میں مساوات و برابری ایسی ہو کہ کسی ایک کی دوسری پر ترجیح ممکن نہ ہو۔

پھر اضطراب کو رفع کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ روایتوں میں تطبیق دی جائے۔

۲۔ اور دوسرے یہ کہ کسی ایک روایت کو صحیح یا راجح قرار دے کر باقی روایتوں کو غلط یا مرجوع قرار دے دیا جائے۔ اضطراب کی صورت میں کسی ایک روایت کو اس کے راوی کے احفظ ہونے یا مروی عنہ (جس سے روایت نقل کرتا ہے) کے ساتھ زیادہ طویل صحبت رکھنے کی بناء پر ترجیح دے دی جائے تو اضطراب رفع ہو جاتا ہے۔(۲)

مضطرب کی قسمیں:

موقع اضطراب کے اعتبار سے مضطرب حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مضطرب السند　　　۲۔ مضطرب المتن

۱۔ مضطرب السند:

وہ روایت ہے جس کی سند میں اضطراب ہو، اس کی مثال سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے:

حدثنا بشر بن المفضل حدثنا إسماعيل بن امية حدثني ابوعمرو بن محمد بن حريث انه سمع جده حريثاً يحدث عن ابی هريره رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قاله: اذا صلی احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً، فان لم

۱۔ فتح الباری، ۵: ۱۹۰، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۲۲۹۔۲۳۱　　　۲۔ مقدمۃ ابن الصلاح: ۱۲۴، نوع: ۱۹، فتح المغیث ۱: ۲۲۱

یجد فلینصب عصاً ، فان لم یکن معه عصاً فلیخطط خطاً ثم لا یضره مامرامه: (۱)

''تم میں سے جو شخص نماز پڑھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھے، اگر کوئی چیز ایسی نہیں جسے آگے رکھ سکے تو اپنی لاٹھی سے سترہ بنائے اور اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو ایک خط کھینچے، اس کے بعد اگر کوئی اس کے حدود سے باہر گزرتا ہے تو اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: تفرد عنه اسماعیل بن امیة ، و اضطرب فیه، (۲)

''اس سند میں اسماعیل بن امیہ منفرد اور مضطرب ہے۔''

حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

اختلف فیه علی اسماعیل اختلافاً کثیر (۳)

''اس سند میں اسماعیل سے روایت کرنے میں اختلاف کثیر ہے''۔

۲۔ مضطرب المتن:

وہ روایت ہے جس کے متن میں اضطراب ہو، اس کی مثال یہ روایت ہے: عن شریك ، عن ابی حمزة، عن فاطمة بنت قیس رضی الله عنها قالت :سئل رسول الله ﷺ عن الزکاة فقال ان فی المال حقاً سوی الزکاة: (۴) ''نبی ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں شرعی حق ہے۔''

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے :لیس فی المال حق سوی الزکاة، (۵)

''مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی شرعی حق نہیں ہے۔''

حافظ عراقی ان دونوں روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ اضطراب ہے کہ اس کی توجیہ ممکن نہیں ہے۔ فهذا اضطرب لایحتمل التاویل (۶)

چونکہ اضطراب راوی کے ضبط کی کمزوری یا اس کے عدم ضبط کو بتاتا ہے اس لئے مضطرب روایت نا قابل احتجاج ہوتی ہے اور اسے صحیح کہنے میں توقف کیا جائے گا: المضطرب لاحجة فیه ، و یتوقف عن الحکم بصحته (۷)

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکیاون ویں (۵۱) حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔ سنن ابی داؤد: ۱۰۳، ۶۸۹ ۲۔ میزان الاعتدال: ۴۷۵:۱، ۲۹۱ ۳۔ فتح المغیث: ۱۰۹، تدریب الراوی: ۲۲۱:۱

۴۔ سنن ترمذی، ۶۵۹۔۶۶۰ ۵۔ سنن ابن ماجۃ، ۱۷۸۹: ۶۔ فتح المغیث: ۱۱۱، تدریب الراوی: ۲۲۴:۱

۷۔ الھدی الساری: ۳۴۹، فتح الباری ۳۳۲:۴، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۳۱۶۔۳۱۸

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت مقسم متکلم فیہ راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، حضرت حکم کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عبدالحمید اور حضرت مقسم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ ہے۔

☆ بعض کے نزدیک حضرت مقسم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تعلق ولاء رکھتے تھے، اس قول پر یہ غلام کی اپنے آقا سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن، مکثرین سبعہ اور فقہاء عبادلہ میں سے ہیں، ان سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الرجل :	آدمی	**یاتی :**	وہ آیا
امرأته :	اپنی بیوی	**حائض :**	حیض والی عورت۔ ماہواری والی عورت
یتصدق :	وہ صدقہ کرے	**دینار :**	دینار (اُس وقت کی متداول کرنسی)

۷۔مسائل ونصائح:

حائضہ سے جماع کی صورت میں کفارہ کے بارے میں مذاہب اربعہ:

پروفیسر ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مالکہ احناف اور مذہب جدید کے مطابق شوافع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کرنے والے پر کفارہ واجب نہیں ہے اس پر صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔ کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ انسان پر کفارہ لازم نہ ہو اور اس اصول سے ہٹنے (یعنی کفارہ لازم ہونے) کے لئے دلیل درکار ہے اور کفارہ بیان کرنے والی حدیث مضطرب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہم بستری گندگی ہونے کی بناء پر حرام ہے، تو اس سے کفارہ لازم نہیں ہوگا جیسے پچھلی طرف (دبر میں) ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے منقول راجح روایت کے مطابق حنابلہ کی رائے میں اس شخص پر کفارہ لازم ہے جو شخص عورت سے دوران حیض یا نفاس ہم بستری کرے اور عورت پر بھی لازم ہوگا اگر وہ مرد کو ہم بستری اپنی خوشی سے کرنے دے اور یہ ایسے ہی لازم ہوگا جیسے حالت احرام میں ہم بستری کر لینے کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ جبراً ہم بستری کی تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مکلّف نہیں رہتی ہے اور کفارہ بہ ہر حال لازم ہوگا خواہ بھولے سے کیا یہ کام ہو، یا یا جبراً ہوا ہو، حیض سے واقف ہو یا ناواقف، اس کے حرام ہونے سے واقف ہو یا ناواقف یا دونوں (حیض اور حرمت) سے ناواقف ہو اور خون رک جانے کے بعد ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم

نہیں ہوگا، اور کفارہ ایک دینار یا آدھا دینار ہے، دونوں میں اختیار ہے، جو دیدے جائز ہو جائے گا۔ دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر جو بیوی سے حالت حیض میں ہم بستری کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرنا لازم ہوگا۔(۱)

اور اگر کوئی شخص یہ کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر سے یہ ساقط ہو جائے گا جیسے رمضان میں ہم بستری کرنے کا کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہونے پر وہ ساقط ہو جاتا ہے۔

شوافع فرماتے ہیں خون آنے کے دوران ہم بستری کرنے والے کے لئے ایک دینار صدقہ کرنا مسنون ہے۔ دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری اور جو امام ترمذی نے ذکر کی ہے کہ اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلا ہو تو آدھا دینار۔

حائضہ سے ہم بستری کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کی تعریف اس پر صادر نہیں آتی۔(۲)

امام احمد، امام اسحٰق، اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امر بالتصدیق وجوب پر محمول ہے، یعنی قبول توبہ تصدق کے بغیر ممکن نہیں، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ابتداء دم میں دینار اور آخر دم میں نصف دینار واجب ہوگا، جمہور کے نزدیک یہ منسوخ ہے آیت توبہ سے، یا استحباب پر محمول ہے،"وانما علیه التوبة والاستغفار" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت جمہور کے مطابق ہے۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ جو شخص علم ہونے کے باوجود حائضہ عورت سے جماع کرے، تو اس پر ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرنا واجب ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حدیث مذکور مضطرب ہے، اس لئے ایسے شخص پر توبہ و استغفار ہے، اور کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ انسان کے لئے اصل یہ ہے کہ کفارہ نہ ہو۔ لہٰذا ایسے شخص پر کفارہ نہ ہوگا۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث الباب قابل استدلال ہے، اور حیض و نفاس کی حالت میں جماع کرنے والے پر ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر عورت نے رضامندی سے جماع کروایا تو اس پر بھی کفارہ واجب ہے، البتہ اگر کوئی شخص کفارہ ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کے لئے معافی ہے۔

☆ علماء کے اختلاف سے نکلنے اور حدیث مذکور پر عمل کرنے کے لئے ایسے شخص کو توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ صدقہ و خیرات بھی کرنا چاہیے۔

☆ حائضہ عورت سے جماع کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے، کیونکہ اس پر گناہ کبیرہ کی تعریف صادق نہیں آتی۔

۱۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۲۷۸　　۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۲۰　　۳۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۹۲

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تعریف اور فرق:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ کی تعریف اور کبیرہ اور صغیرہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ کام جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے، استاذ ابواسحاق اسفرائنی شافعی اور دیگر علماء کا یہی قول ہے، قاضی عیاض مالکی نے لکھا ہے کہ محققین کا یہی مذہب ہے، اس نظریہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے اعتبار سے اس کی ہر مخالفت گناہ کبیرہ ہے، اور جمہور سلف اور خلف نے یہ کہا ہے کہ معاصی کی دو قسمیں ہیں صغائر اور کبائر۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے، کتاب اور سنت کے دلائل اور امت کے سلف اور خلف کا یہی قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کی مخالفت بعض دوسرے احکام کی بہ نسبت کبیر ہے، بعض خلاف ورزیاں ایسی ہیں کہ پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، حج، عمرہ، وضو، عرفہ اور عاشورہ کے روزے یا دیگر نیکیاں ان کا کفارہ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے، اور بعض ایسی خلاف ورزیاں ہیں جن کا یہ نیکیاں کفارہ نہیں ہوتیں، جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے ''جب تک کوئی شخص کبیرہ کا مرتکب نہ ہو'' پس جن گناہوں کا نیکیاں کفارہ ہو جاتی ہیں۔ وہ صغیرہ ہیں اور جن گناہوں کا نیکیاں کفارہ نہیں ہوتیں وہ کبیرہ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ صغیرہ اور کبیرہ کے ثبوت پر یہ عمدہ دلیل ہے۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تعریفیں:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی طرف منقسم ہوتے ہیں تو ان کی تعریفوں میں پھر اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہر وہ گناہ جس کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ، غضب، لعنت یا عذاب کی خبر دی ہو وہ کبیرہ ہے، حسن بصری رحمت اللہ علیہ سے بھی یہی تعریف منقول ہے، دوسرے علماء نے یہ کہا کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کی وعید سنائی ہو یا دنیا میں اس پر حد مقرر کی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے، امام غزالی رحمت اللہ علیہ نے یہ کہا کہ ہر وہ گناہ جس کو انسان بغیر کسی خوف اور جھجک کے کرے وہ کبیرہ ہے، اور ہر وہ گناہ جس کو انسان ڈرتے ڈرتے کرے اور گناہ کی لذت پر اس کے عذاب کا خوف غالب رہے اور اس پر ارتکاب معصیت کے وقت ندامت طاری رہے وہ گناہ صغیرہ ہے۔ حافظ ابوعمرو ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں لکھا جس گناہ کے ارتکاب پر کتاب اور سنت میں دنیا میں حد بیان کی گئی ہو اور آخرت میں اس پر دوزخ کی وعید ہو یا لعنت ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے، شیخ امام ابو محمد بن عبدالسلام نے بیان کیا ہے کہ دو گناہوں کی مفاسد کا تقابل کرو جس گناہ کے مفاد زیادہ ہوں وہ کبیرہ اور دوسرا صغیرہ ہے، مثلاً کسی مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کے لئے بند کرنے یا کسی مسلمان شخص کو قتل کے لئے بند کرنے کا فساد یتیم کی مال کھانے کے فساد سے زیادہ ہے، اسی طرح کفار کو مسلمانوں کے خفیہ امور پر مطلع کرنا جس کے نتیجہ میں وہ مسلمان کی جان، مال، عزت، اور آبرو کو لوٹ لیں اس کا فساد اور وبال میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگنے سے زیادہ ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ جس معصیت کو انسان بے پرواہی کے ساتھ کرے وہ کبیرہ ہے۔

امام ابوالحسن الواحدی وغیرہ نے یہ کہا کہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ کی تعریف غیر معروف ہے، بلکہ شریعت نے بعض معاصی کو کبائر کے ساتھ متصف کیا ہے اور بعض کو صغائر کے ساتھ متصف کیا ہے، اور بعض معاصی کو کبائر کے ساتھ متصف کیا ہے نہ صغائر کے ساتھ اور یہ کبائر اور صغائر دونوں کو شامل ہیں اور اس کے بیان نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان تمام معاصی سے بچتا رہے کہ مبادا یہ کبائر ہوں اور اس کی نظیر یہ ہے جیسے لیلۃ القدر کو مخفی رکھا اور جمعہ کی ساعت قبولیت کو مخفی رکھا، رات میں اجابت دعا کی ساعت کو مخفی رکھا، اور اسم اعظم کو مخفی رکھا۔(۱)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن نجیم نے معاصی کے بیان میں ایک رسالہ لکھا ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ ہر مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔

علامہ شامی کی اس عبارت سے یہ تعریف مستفادہ ہوتی ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب صغیرہ ہے اور صغیرہ پر اصرار کو کبیرہ بنا دیتا ہے، ہمارے نزدیک یہی تعریف مختار ہے۔(۲)(۳)

بَابُ مَا تَفْعَلُ الْمُحْرِمَةُ إِذَا حَاضَتْ

باب ۱۸۳: احرام کی حالت میں حیض آ جائے، تو عورت کیا کرے؟

حالت احرام میں اگر عورت کو ماہواری شروع ہو جائے، تو وہ حج عمرہ کے باقی مناسک ادا کرے گی، البتہ خانہ کعبہ کا طواف مؤخر کردے گی، حیض ختم ہونے پر پاک ہو کر طواف کرے گی، اس باب میں اسی بات کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استخراج کیا ہے، پچھلے باب میں حائضہ عورت سے جماع کرنے پر کفارہ ادا کرنے کا بیان تھا، اس باب میں دوران احرام حائضہ ہونے کی صورت میں مسائل کا بیان ہے۔

۲۸۹۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كَانَ بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي. فَقَالَ: وَضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

ہم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج کے ارادے سے نکلے، جب مقام سرف پر پہنچے تو مجھے ماہواری شروع ہوگئی، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، تو میں آنسو بہا رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تجھے حیض شروع ہوگیا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کا مقدر کردی ہے، تم حاجیوں کی طرح مناسک ادا کرو، البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس سال) اپنی ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی۔

۱۔ شرح مسلم، ج۱، ص ۶۵۔۶۴　　۲۔ ردالمختار، ج۱، ص ۴۲۵　　۳۔ شرح صحیح مسلم، ج۱، ص ۵۴۶۔۵۴۸

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

تم حاجیوں کی طرح مناسک ادا کرو، البتہ خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنا۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۲۷۱۵، بخاری: ۲۹۴: ۳۰۵۔۳۱۶۔۳۱۷۔۳۱۹۔۳۲۸۔۱۵۱۶۔۱۵۱۸۔۱۵۵۶۔۱۵۶۰۔۱۵۶۱۔۱۵۶۲۔ ۱۶۳۸۔ ۱۶۵۰۔۱۷۰۹۔۱۷۲۰۔۱۷۳۳۔۱۷۵۷۔۱۷۶۲۔۱۷۷۱۔۱۷۷۲۔۱۷۸۶۔۱۷۸۷۔۴۳۹۵۔۴۴۰۱۔ ۵۵۴۸۔ ۶۱۵۷، صحیح مسلم ۱۲۱۱،، سنن ابو داؤد: ۱۷۷۹۔۱۷۸۰، سنن ابن ماجہ ل۲۹۶۵، سنن بیہقی، ج۵، ص۲، شرح السنۃ: ۱۸۷۴، مسند الحمیدی: ۲۰۵،، مسند احمد: ۲۴۰۷۶، ج۴۰، ص۸۷

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ اسحاق بن ابراھیم: راجع: ۱۲۸ **۲۔ سفیان:** راجع: ۱۲۵

۳۔ عبدالرحمان بن القاسم: راجع: ۱۶۶ **۴۔ القاسم بن محمد:** ایضاً

۵۔ عائشہ: راجع: ۱۱۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ سویں (۱۰۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔ یہ بیٹے کے باپ اور بھانجی کی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں تین راوی حضرت القاسم بن محمد پوتے اور عبدالرحمان عائشہ آپ کی صاجزادی، حضرت القاسم بن محمد فقہاء سبعہ مدینہ منورہ سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

خرجنا مع رسول ﷺ: ہم آقا کریم کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔

لانری الا الحج: صرف حج کے لئے

سرف: مکہ مکرمہ کے قریب مقام کا نام، تقریباً دس میل باہر مدینہ منورہ کے راستے پر ہے۔

حضت: مجھے ماہواری شروع ہوگئی۔

دخل علی رسول ﷺ: میرے پاس رسول ﷺ تشریف ہوئے۔

انا ابکی: میں رو رہی تھی۔

مالك: تجھے کیا ہوا۔

انفست: کیا تجھے ماہواری شروع ہوگئی ہے۔

ھذا امر: ہر چیز پر کام۔

کتبه الله: اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

بنات ادم: آدم کی بیٹیاں

فاقضی ما یقضی الحاج: تو حاجیوں کے ساتھ مناسک ادا کر۔

لا تطوفی بالبیت: خانہ کعبہ کا طواف کرنا۔

ضحی: آپ ﷺ نے قربانی کی۔

عن نسائه: اپنی ازواج کی طرف سے۔

بالبقر: گائے۔

۷۔مسائل ونصائح:

حائض، نفساء اور جنبی کے طواف کے احکام:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے کے بعد عورت کو حیض آ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ تمام افعال حج ادا کرے لیکن وہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے، اور اس نے حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کر لیا تو حیض سے پاک ہونے کے بعد اس کو ایک اونٹ کی قربانی دینی ہوگی، اور اگر بغیر وضو کے طواف قدوم کر لیا تو اس کا صدقہ دینا ہوگا، امام شافعی کے نزدیک طواف کے لیے وضوء شرط نہیں ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، ہر نفلی طواف کا یہی حکم ہے، اور اگر طواف زیارت بے وضو کر لیا تو اسے بکری کی قربانی دینی ہوگی، اور جنبی نے طواف زیارت کیا تو اس پر اونٹ کی قربانی ہے، اس طرح حائضہ اور نفاسہ کا حکم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کے مرد عورت کی طرح سے قربانی کرسکتا ہے، ہاں! اگر قربانی واجب ہو تو ان سے اجازت لینا ضروری ہے اور نفلی قربانی میں ان سے اجازت لینے ضروری ہے اور ان سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

امام مالک نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ گائے کی قربانی اونٹ سے افضل ہے، دیگر فقہاء بہ شمول امام شافی نے کہا ہے کہ اونٹ کی قربانی افضل ہے کیونکہ ساعت جمعہ میں نبی ﷺ نے اونٹ کی قربانی کو گائے کی قربانی پر مقدم فرمایا ہے۔(۱)

طواف کے لئے طہارت کی شرط اور مذاہب اربعہ:

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس میں تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتی، البتہ اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طواف کے لئے طہارت شرط ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط نہیں ہے اور حائضہ کو طواف سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر طہارت کے مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔(۲)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً طواف کا حکم دیا ہے اور اس میں طہارت کی قید نہیں لگائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (۳) اس آیت میں حج کرنے کا بغیر کسی شرط کے حکم دیا گیا ہے اور غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا (۴)

حالت جنابت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ غسل کرلو۔''

عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا:

حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں اس بات کا ثبوت ہے عورت کے لئے حج میں جانے کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ محرم ہو اور متقدمین علماء کا اس میں اختلاف رہا ہے کہ عورت کے لئے حج کی استطاعت میں محرم کا ہونا شرط ہے یا نہیں نیز اس میں بھی اختلاف ہے۔ کہ خاوند عورت کو حج پر جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ روک سکتا ہے کیونکہ خاوند کا حق علی الفور ہوتا ہے جبکہ حج کو مؤخر بھی کیا جاسکتا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عورت کے حج کی استطاعت کے لئے محرم ہونا شرط ہے، کیونکہ احادیث میں ہے کہ بغیر خاوند یا محرم کے عورت حج نہ کرے۔

عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ لاتحجن امراۃ الا و معھا ذومحرم ۔(۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورت بغیر محرم کے ہرگز حج نہ کرے۔

حافظ زیلعی اور ابن ہمام نے اس حدیث کو مسند بزار کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔

عن ابی امامہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتسافر امرأۃ ثلاثۃ ایام اوتحج الاومعھا زوجھا۔(۶)

۱۔ نعمۃ الباری، ج ا، ص ۷۸۷۔۷۸۸　۲۔ شرح مسلم، ج ا، ص ۳۸۸　۳۔ حج ۲۲:۲۹
۴۔ النساء ۴:۴۳　۵۔ سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۲۲۳　۶۔ ایضاً، ص ۲۲۳

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت خاوند کے بغیر تین دن کا سفر یا حج نہ کرے۔
حافظ زیلعی نے اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے تاہم علامہ ہیثمی نے ان دونوں حدیثوں کو مجمع الزوائد اور کشف الاستار میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اس مسئلہ پر مکمل گفتگو انشاء اللہ ہم باب نمبر ۳۹۳، عورت کے لئے حج اور دیگر سفروں میں محرم کی شرط، میں ذکر کریں گے۔

مکہ میں عمرہ کرنے والے کے میقات میں مذاہب:

حدیث مبارکہ میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ وادی محصب پہنچے تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا: اپنی بہن کو حرم سے لے کر جاؤ تا کہ وہ عمرہ کا احرام باندھیں...... علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: علماء کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ میں ہو اور عمرہ کا احرام باندھنا چاہے تو اس کا میقات خارج حرم کی قریب ترین جگہ ہے اور اس کے لئے حرم میں عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے اس کے خلاف کیا اور حرم میں احرام باندھ کر طواف سے پہلے حرم سے باہر چلا گیا تو یہ اس کے لئے کافی ہوگا اور اس پر قربانی نہیں ہے اور اگر حرم سے باہر نہیں گیا اور طواف اور سعی کر لی اور سر مونڈ لیا تو اس مسئلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ اس کا عمرہ صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر جائے اور پھر طواف اور سعی کرے اور سر منڈائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا عمرہ صحیح ہے لیکن میقات کو ترک کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی لازم ہے۔ امام شافعی کا یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس پر حرم سے باہر جانا اس لئے واجب ہے کہ اس کی عبادت میں حل اور حرم جمع ہو جائیں جیسا کہ حج کرنے والے ان کو جمع کرتے ہیں کیونکہ وہ عرفات میں ٹھہرتے ہیں اور وہ خارج حل (خارج از حرم) میں ہے پھر طواف کے لئے مکہ میں داخل ہوتا ہے، یہ امام شافعی کے مذہب کی تفصیل ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ عمرہ کرنے کے لئے خارج حرم کی قریبی جگہ میں جانا واجب ہے اور اگر اس نے حرم میں احرام باندھ لیا اور خارج حرم نہیں گیا تو اس پر قربانی لازم ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کا عمرہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک کہ وہ خارج حرم نہ جائے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک اس پر بالخصوص تنعیم جا کر احرام باندھنا واجب ہے اور عمرہ کرنے کا وہی میقات ہے لیکن یہ قول شاذ ہے جمہور علماء کے نزدیک حل (خارج حرم) کی تمام جگہیں مساوی ہیں جس جگہ جا کر بھی احرام باندھ لے صحیح ہے۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمہ اللہ کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ احرام کی حالت اگر کسی عورت کو ماہواری شروع ہو جائے، تو وہ باقی مناسک ادا کرے گی، البتہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گی، طواف بعد میں پاک ہو کر کرے گی۔

☆ اس بات پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ حیض و نفاس والی عورت اور جنبی مرد و عورت کا طواف کرنا حرام ہے۔

۱۔ شرح مسلم نووی، ج ۱، ص ۳۸۹، شرح صحیح مسلم، ج ۳، ص ۴۲۰۔۴۲۲

☆ طواف کے منع کرنے کا سبب کیا ہے، اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

۱۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط ہے، اس لئے حائضہ کے لئے طواف منع ہے۔

۲۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، حائضہ کو منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، اس لئے طواف سے منع کیا۔

☆ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے، البتہ اگر قربانی واجب ہو تو اس کی اجازت لینا ضروری ہے۔

☆ نفلی قربانی کرنے کے لئے عورت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ گائے کی قربانی اونٹ کی قربانی سے افضل ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ کی قربانی افضل ہے، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساعت جملہ میں اونٹ کی قربانی کو گائے کی قربانی پر مقدم فرمایا ہے۔(۱)

☆ عورتوں کو ماہواری آنا حکم ربی ہے، یہ حضرت حوا کے شجرہ ممنوعہ سے کھانے کے بعد شروع ہوا۔

بَابُ مَا تَفْعَلُ النُّفَسَاءُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ

باب ۱۸۴: نفاس والی عورتیں احرام کے وقت کیا کریں؟

نفاس وہ خون ہے، جو بچے کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے آتا ہے، نفاس والی عورت کا بھی وہی حکم ہے، جو ماہواری والی عورت کا ہے، اس لئے اگر احرام پہننے کے وقت یا بعد میں ولادت ہو، تو ایسی عورت حج کے باقی مناسک ادا کرے گی، البتہ بیت اللہ کا طواف مؤخر کردے گی، اس باب میں اسی بات کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں احرام کی حالت میں حیض آنے کا مسئلہ بیان ہوا تھا، اور اس باب میں نفاس کا خون آنے کا مسئلہ بیان ہوا ہے، دونوں باب احرام سے متعلق ہیں۔

۲۹۰۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ :أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ :أَتَيْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ حِجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لِخَمْسٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى إِذَا أَتَى ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ :اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي، ثُمَّ أَهِلِّي

امام حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:
ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارکہ کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بیان کیا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عازم حج ہوئے، اس وقت ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے، ہم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے، تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارے میں پچھوایا کہ اس میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہا کر لنگوٹ باندھو اور تلبیہ کہو۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۲۵۷

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
نہا کر لنگوٹ باندھو اور تلبیہ کہو۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۱۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔عمرو بن علی:	راجع:۴	۲۔محمد بن المثنی:	راجع:۸۰
۳۔یعقوب بن ابراھیم:	راجع:۲۲	۴۔یحیی بن سعید:	راجع:۱۳۳
۵۔جعفر بن محمد:	راجع:۱۸۲	۶۔محمد:	ایضا
۷۔جابر بن عبداللہ:	راجع:۱۳۸		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو ایک ویں (۱۰۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے اور چوتھے راوی بصری، چوتھے راوی بغدادی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ امام نسائی رحمہ اللہ نے یہ حدیث مبارکہ تین ساتذہ سے روایت کی ہے۔تینوں شیوخ ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح نے براہ راست روایت کرتے ہیں۔والفظ لھو: سے واد ہے کہ یہ الفاظ حضرت یعقوب بن ابراھیم کے ہیں۔
☆ سند میں دو آئمہ اطہار حضرت امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رحمہما اللہ ہیں۔یہ بیٹے (جعفر) کی باپ (باقر) سے روایت ہے۔
☆ حضرت جابر بن عبداللہ مکثرین سبعہ روایت میں سے ہیں، آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس روایات میں سے ہیں، سند میں الفاظ روایت اخبرنا دو دفعہ اور کلمہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔
☆ سند میں سارے الفاظ روایت انتہائی معتبر و ثقہ استعمال ہیں۔

۶۔ لغات:

اتیناہ: ہم آئے۔

سالناہ: ہم نے آپ ﷺ سے سوال پوچھا۔

خرج: آپ ﷺ نکلے۔

لخمس بقین من ذی القعدۃ: ذی قعد کے پانچ دن باقی تھے۔

ولدت: اس نے جنا۔ اس کے ہاں پیدا ہوا۔

امرسلت: اس نے بھیجا۔

کیف رضیع: میں کیا کروں؟

اغتسلی: تو غسل کر۔

استثفری: تو لنگوٹ باندھ۔ تو حہ بند باندھ۔

اھلی: تو تلبیہ کہ

۷۔ مسائل ونصائح:

راجع: ۲۱۴۔۲۸۹

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی ﷫ کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ حالت احرام میں اگر نفاس کا خون شروع ہو جائے تو ایسی عورت غسل کر کے لنگوٹ باندھے، اور حج کے تمام مناسک ادا کرے، البتہ طواف نہیں کرے گی۔

☆ حضرت اسماء بنت عمیس ؓ خلیفہ راشد اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی زوجہ محترمہ ہیں۔

☆ سوال پوچھنے کے لیے غالبا حضرت ابوبکر صدیق ؓ خود تشریف لے گئے تھے، کیونکہ سنن سنائی حدیث ۲۱۴ میں گزر چکا ہے، کہ

☆ آقا کریم ﷺ نے یہ حکم حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو فرمایا تھا۔

☆ حضرت اسماء بنت عمیس ؓ کا نہانا نظافت کے لئے تھا، پاکی حاصل کرنے کے لئے نہ تھا۔

☆ سعی کرنے کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، اس لیے حائضہ، نفاسہ اور جنبی سعی کر سکتے ہیں۔ (۱)

☆ جن مسائل کا علم نہ ہو، وہ ہمیں علماء وفقہاء سے پوچھنے چاہیے۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری۔ ج ۱، ص ۲۲۷

بَابُ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ　　باب۱۸۵: کپڑے کو حیض کے خون سے پاک کرنے کا طریقہ

حیض کا خون ناپاک ہے، اس لیے اگر کپڑے پر لگ جائے، تو ایسے کپڑے کو پاک کرنا ضروری ہے، اس باب میں کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے، امام نسائی نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نفاس کی حالت میں احرام باندھنے کی حالت کا بیان تھا، نفاس اور حیض دونوں خون ناپاک ہیں، پچھلے باب میں نفاس کا خون جاری ہونے کی صورت میں کپڑا باندھنے کا حکم تھا، اب ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۹۱-أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو الْمِقْدَامِ ثَابِتٌ الْحَدَّادُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ دِينَارٍ قَالَ :سَمِعْتُ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ مِحْصَنٍ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ قَالَ :حُكِّيهِ بِضِلَعٍ وَاغْسِلِيهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ

حضرت ام قیس بنت محص کا بیان ہے:
آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کپڑے کے بارے میں پوچھا جس پر حیض کا خون لگ جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لکڑی سے کھرچو، پھر پانی اور بیری کے پتوں سے دھولو۔

۱-مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری حصہ میں ہے:
اس لکڑی سے کھرچو، پھر بیری کے پتوں سے دھولو۔

۲-اطراف:

تقدم: ۳۹۳، ابوداؤد: ۳۶۳، ابن ماجہ: ۶۲۸، ابن حبان: ۲۳۵، ابن خزیمہ: ۲۷۷، اصر: ۲۷۰۶۷، السنن الکبرای: ۲۸۶، تحفۃ الاشرف: ۱۲۳۴۴

۳-تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن سے میں سے تین کے حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے، آخری تین کا تعارف کیا جاتا ہے:

۱-عبیداللہ بن سعید: راجع: ۱۵　　۲-یحیی بن سعید: راجع: ۱۱۱

۳-سفیان بن سعید: راجع: ۱۱۱

۴-ابوالمقدام ثابت الحداد:

آپ کا نام ابومقدام ثابت بن ہرمز حداد کوفی ہے، آپ کنیت سے مشہور ہیں، آپ بکر بن وائل سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ

رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، علامہ ابن حجر عقسلانی نے لکھا ہے: آپ وہم کا شکار ہو گئے تھے، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور ابن خزیمہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔عدی بن دینار:

آپ کا نام عدی بن دینار مدنی ہے، آپ حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے تعلق ولاء رکھتے ہیں، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ آپ سے راویت کرتے ہیں۔(۲)

۶۔ام قیس بنت محصن:

آپ کا نام ام قیس آمنہ بنت محصن ہے، آپ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، آپ ابتدائی اسلام لانے والوں میں سے ہیں، اسی طرح آپ ہجرت مدینہ کرنے والوں میں سے ہیں، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لمبی عمر کی دعا دی تھی، اس لیے ان کی عمر طویل ہوئی، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی الگ حدیث مبار مروی ہے۔(۳)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روای سدسیات، امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھبویں (۱۲۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے بصری، تیسرے اور چوتھے کوفی، آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا صحابیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور حضرت عکاشہ کی بہن ہیں، آپ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ غلام (عدی) کی اپنی مالکہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ، صیغہ تحدیث اور عنعنہ دو دو دفعہ ستعمال ہیں۔

۱۔ i۔تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۴۰۷ ii۔الکاشف، ج ا، ص ۷۰۷

۲۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۷، ص ۳ ii۔الثقات، ج ۵، ص ۲۷۰

۳۔ i۔تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۵۳۵ ii۔ذخیرۃ العقبی، ج ۵، ص ۱۴۱

۶۔لغات:

سألت: حضرت ام قیس نے پوچھا۔

دم الحیض: حیض کا خون۔

یصیب الثوب: وہ کپڑے پر لگا، یعنی خون کپڑے پر لگا۔

حکیه: تو اسے کھرچ

صنلع: لکڑی، ہڈی

اغسلیه: تو اسے دھو۔

ماء: بیری، مراد پتے ہیں۔

۲۹۲أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَتْ تَكُونُ فِي حَجْرِهَا :أَنَّ امْرَأَةً اسْتَفْتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ فَقَالَ :حُتِّيهِ، ثُمَّ اقْرُصِيهِ بِالْمَاءِ، ثُمَّ انْضَحِيهِ وَصَلِّي فِيهِ

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خون کے بارے میں پوچھا، جو کپڑے کو لگ جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کھرچو، پھر پانی ڈال کر مسل کر دھوڈالو، اور نماز پڑھلو۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آخری حصہ میں ہے۔
اسے کھرچو، پھر پانی ڈالتے ہوئے ہاتھ کے ساتھ مل کر دھولو۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۲۷، ۳۰۷، صحیح مسلم :۲۹۱، سنن ابوداود:۳۶۲۔۳۶۱۔۳۶۳، سنن ترمذی: ۱۳۸، سنن ابن ماجہ:۶۲۹، صحیح ابن خزیمہ:۲۷۵، المعجم الکبیر:۲۹۰، ج ۲۴، ج ۲۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۰۲، مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۶ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۶۹۳۲۔ ج ۴۴ ص ۴۹۹۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں تین راوی اور دو راویات ہیں، راویوں کی سرگزشت حیات لکھی جاچکی ہے، دونوں راویات کے حالات لکھے جاچکے ہیں:

۱۔یحیٰی بن حبیب بن عربی:　راجع: ۷۵　　۲۔حماد بن زید:　راجع: ۳

۳۔ھشام بن عروۃ:　راجع: ۱۴۶

۴۔فاطمہ بنت المنذر:

آپ کا نام حضرت فاطمہ بنت منذر بن الزبیر اسدیہ ہے، آپ ۴۸ھ میں پیدا ہوئیں۔آپ حضرت ہشام بن عروہ کی زوجہ ہیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے تقہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:

نام ونسب:

اسماء نام ذات النطاقین لقب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔

ماں کا نام قتلہ بنت عبد العزی تھا ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت زبیر بن عوام سے ہوا۔

اسلام:

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی ابن اسحٰق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھاوان نمبر تھا۔

عام حالات:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رفیق صحبت تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو پہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا حضرت اسماء نے سفر کا سامان تیار کیا دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔(۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے، ابوقحافہ جو کہ ان کے والد تھے معلوم ہوا تو بولے انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیے اور ان پر کپڑا ڈال دیا پھر ابوقحافہ کو لے گئیں اور کہا کہ ٹٹول لیجیے دیکھئے یہ رکھا ہے، ابوقحافہ نابینا تھے اس لیے مان گئے اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایسا میں نے صرف ابوقحافہ کی تسکین کے لیے کیا تھا ورنہ ایک حبہ بھی نہ تھا۔(۳)

۱۔　i۔تاریخ الثقات، ص ۵۲۳　　ii۔الثقات، ج ۵، ص ۳۰۱

۲۔　بخاری، ج ۱، ص ۵۵۳،۵۵۵　　۳۔　مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۳۵۰

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماء بھی آئیں (۱) قبا میں قیام کیا یہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے ان کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی (۲) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب جوان ہوئے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا اس بناء پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے عظیم پیکر مجسم تھے ادھر سلطنت بنوامیہ کا فرماں روا (یزید) سرتا پا فسق و فجور تھا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہی اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے کی تیاریاں کیں، شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں پوچھا کیا حال ہے؟ بولیں بیمار ہوں کہا آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے لیکن میں بھی مرنا پسند نہیں کرتی میری آرزو ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو اور میں صبر کروں یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہنس کر چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے وہ مسجد میں بیٹھی تھی صلح کے متعلق مشورہ کیا تو بولیں بیٹا! قتل کو خوف سے ذلت آمیزہ صلح بہتر نہیں کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنے سے ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تین دن گزرنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کنیز کو ساتھ لیکر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا: کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا وقت آیا (۴) حجاج کو چھیڑ منظور تھی آدمی بھیجا کہ جا کر بلائے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کے گھسیٹ لائے گا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صرف خدا کی شان جباری سے معترف تھیں جواب دیا میں نہیں آسکتی حجاج مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی حجاج نے کہا کہئے میں نے دشمن خدا (ابن زبیر) کے ساتھ کیا سلوک کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں۔ تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں! اور میں نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی، لیکن یاد رہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ظالم پیدا ہوگا چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ (۵)

۱۔ الاصابہ، ج۴، ص۲۲۹، طبقات، ج۱، ص۱۶۱، تھذیب الکمال، ج۵، ص۲۱۴ ۲۔ بخاری، ج۱، ص۵۵۵

۳۔ فتح الباری، ج۶، ص۱۶۳، اسد الغابہ، ج۵، ص۳۹۲ ۴۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۱۶۳، استیعاب، ج۱، ص۳۶۶

۵۔ مسلم، ج۲، ص۳۷۵

چند دنوں کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے لاش کو اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا جوڑا الگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دعا کرتی تھی کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے (۱) چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزراتھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولی ۷۳ھ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی، عبداللہ، منذر، عروہ،، مہاجر، خدیجۃ الکبری، ام الحسن، عائشہ (۲)

حلیہ:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باایں ہمہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش وحواس بالکل درست تھے (۴) دراز قد اور لحیم شحیم تھیں اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ (۳) دراز قد اور لحیم شحیم تھیں اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے (۴) حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبداللہ، عروہ (پسران) عناد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر رابن زبیر، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس، صفیحہ بنت شیبہ ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، ابوبکر و عامر (پسران) ابن زبیر مطلب بن حطب، محمد بن منکدر رمسلم معری، ابونوفل، ابن ابوعقرب۔

اخلاق:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کو بہت طول دیا تو اسماء نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے (۵) لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غش آ گیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔ (۶) ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے (اور گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)

۱۔ الاستیعاب، ج۱ص۳۶۶　۲۔ طبری، ج۳ص۲۴۶۱، الریاض النضرۃ ص۲۷۹، ۲۸۰　۳۔ الاصابہ، ج۸، ص۸

۴۔ مسند احمد، ج۶ص۳۴۸، اسد الغابہ، ج۵ص۳۹۳　۵۔ مسند احمد، ج۶ص۳۴۹　۶۔ بخاری، ج۱ص۱۴۴

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جابر کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ خود اپنی آپ ہی نظیر ہے، ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ امیر کہاں ہے؟ معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا، اس لئے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا تھا تو جھوٹا ہے وہ ملحد نہ تھا، بلکہ صائم، پارسا اور شب بیدار تھا۔ (۱)

نہایت صابر تھیں، حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت ایک قیامت تھی، جوان کے لئے قیامت کبری بن گئی لیکن اس میں انہوں نے جس عزم جس استقلال جس صبر اور تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیر مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خود دار تھیں، حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

بااین نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کچھ نہ تھا صرف ایک اونٹ اور گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی تھی اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گھٹلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر کے اوپر لاد کر لاتی تھی ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں گھر آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور داخت کرتا تھا اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی مصیبت کم ہوئی کہتی تھیں فکانما اعتق یعنی گویا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔ (۲)

غربت کی وجہ سے کچھ خرچ کرتیں تو ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی پھر کبھی تنگدستی نہیں ہوئیں۔ (۳)

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں۔ (۴) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مزاج تیز تھا اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کا مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ (۵)

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا کہ ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)۔ (۶)

۱۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۵۱　۲۔ بخاری، ج ۲ ص ۷۵۶　۳۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۵۲

۴۔ خلاصہ تذھیب تھذیب الکمال، ص ۴۸۸　۵۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۵۳　۶۔ بخاری، ج ۲ ص ۸۸۴

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کئی حج کیے۔ پہلا حج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا (۱) اس میں جو کچھ دیکھا تھا (۲) ان کو بالکل یاد نہ تھا چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حج کے لئے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے پوچھا چاند چھپ گیا اس نے کہا نہیں جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لئے چلو رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کو نماز پڑھی اس نے کہا آپ نے عجلت کی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ (۳) جب کبھی حجون سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔ (۴)

نہایت بہادر تھیں اخلاقی جرات کے چند واقعات اوپر تحریر ہو چکے ہیں سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بدامنی شروع ہوگئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا لوگوں سے پوچھا اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی؟ (۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تقدس کا عام چرچا تھا لوگ ان سے دعا کراتے تھے جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لئے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (۶) (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو) (۷) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ (جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ (۸)(۹)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو دوسری (۱۰۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ سند کے تمام راوی بصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت شوہر کی بیوی سے ہے۔ سنن نسائی کی غالباً پہلی راویت ہے جس میں شوہر بیوی سے روایت کر رہا ہے۔

☆ اس طرح یہ روایت بیٹی کی اپنی ماں سے ہے کیونکہ فاطمہ کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے گود لیا تھا۔

۱۔ مسلم، ج۱، ص۴۷۹ ۲۔ بخاری، ج۱، ص۲۲۷ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ تاریخ طبری، ج۱۳، ص۲۴۶۱ ۶۔ بخاری، ج۲، ص۸۵۲ ۷۔ ایضاً ۸۔ مسند احمد، ج۶، ص۳۴۸

۹۔ سیر الصحابہ، ج۶، ص۱۳۰۔۱۳۵

☆ حضرت اسماء بنت ابی بکر یہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دادی بھی ہیں اس طرح یہ روایت ہے۔

☆ سند میں ایک تابعی، ایک تابعیہ اور ایک صحابیہ ہیں۔

☆ سند میں دو عورتیں راویہ ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے چھپن احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سنن نسائی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنفعہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

کافت تکون فی حجرها:	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔
استفتت:	اس ایک عورت نے پوچھا۔
حتیه:	اسے کھرچو۔
اقرصیه:	اسے ملو
انصجبه:	اسے دھولو

۷۔ مسائل ونصائح:

حت، قرص، اور نضح کا معنی:

اس حدیث میں تحتہ کا لفظ ہے حت کا معنی ہے: درخت سے پتے جھاڑنا اور یہاں مراد ہے: خشک خون کو کھرچ کر صاف کرنا اور تقرصہ بالماء کا لفظ ہے اس کے معنی ہے: پانی سے مل مل کر صاف کرنا۔

اور اس میں تنضحہ لالفظ ہے اس کا معنی ہے: دھونا، شیر خوار لڑکے کا پیشاب آلودہ کپڑوں کو صاف کرنے کے لیے بھی حدیث میں ینضح کا لفظ ہے۔ فقہا شافعیہ وہاں اس کا معنی پانی چھڑکنا کرتے ہیں اور ہم اس کا معنی پانی سے دھونا کرتے ہیں اور یہاں پر شوافع نے بھی تنضحہ کا معنی پانی سے دھونا کیا ہے، اس لیے وہاں بھی اس کا معنی پانی سے دھونا کرنا چاہیے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: علامہ خطابی مالکی نے کہا ہے: تنضحہ کا معنی ہے: اس کو دھوئے اور علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اس پر پانی چھڑکے،

علامہ عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ کپڑا پاک ہے تو پانی چھڑکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر وہ کپڑا نجس ہے تو پانی کے چھڑکنے سے وہ پاک نہیں ہوگا، اس لئے علامہ خطابی مالکی نے جو اس کا معنی دھونا کیا ہے وہ زیادہ اچھا ہے۔ (۱)

۱۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۵۸

ہر مائع چیز سے نجاست کے ازالہ پر دلیل:

علامہ خطابی نے کہا ہے:

اس حدیث میں غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: یہ دلیل ہے کہ نجاست صرف پانی سے زائل ہوتی ہے اور دیگر مائعات سے زائل نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما یہ کہتے ہیں کہ ہر مائع طاہر سے نجاست زائل ہو جاتی ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم میں سے کسی ایک کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس میں اسے حیض آ جاتا تھا، پس اگر اس کپڑے پر خون لگ جاتا تو وہ اپنے تھوک سے بھگوتی، پھر اس کو اپنے تھوک سے رگڑ کر صاف کرتی۔ (۱)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اگر تھوک خون کو زائل کر کے کپڑے کو پاک نہ کرتا تو تھوک لگانے سے نجاست اور زیادہ ہو جاتی ہے اور تھوک پانی کا غیر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ہر مائع چیز سے نجاست زائل نہیں ہو جاتی ہے پھر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ وہ بعد میں پانی سے دھو لیتی ہوں۔ (۲)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بعد میں پانی سے دھونے کا ذکر نہیں ہے لہذا فقہاء احناف کا اس حدیث سے استدلال درست ہے اور حافظ ابن حجر کا حدیث میں احتمال نکال کر دینا باطل اور مردود ہے۔

قلیل نجاست کی مقدار میں مذہب فقہاء:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالمالک بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

نجاست کو زائل کرنے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اصل ہے:

اس حدیث میں النضح کا لفظ ہے اور کلام عرب سے مراد دھونا ہوتا ہے اور اس پر دلیل کہ اس حدیث میں اس سے مراد دھونا ہے، وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: تم اپنے آپ پر سے خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو، اور علماء کے نزدیک یہ حدیث کثیر خون پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خون کے نجس ہونے پر یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ بہا ہوا خون ہو اور وہ کثیر جاری خون سے کنایہ ہے، مگر خون کی جو مقدار معاف ہوتی ہے، اس میں اختلاف ہے۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ خون اور باقی نجاسات میں درہم کی مقدار قلیل نجاست ہے اور درہم سے زیادہ مقدار کثیر نجاست ہے، انہوں نے اس قیاس پر کیا ہے کہ جب پاخانہ کرنے کے بعد پتھر سے استنجاء کیا جائے تو مقعد کی کروٹوں اور اطراف میں ایک درہم کے برابر نجاست لگی رہتی ہے اور اتنی مقدار معاف ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک درہم کی مقدار نجاست قلیل ہے اور اس سے زیادہ کثیر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قلیل خون معاف ہے اور باقی نجاسات کی قلیل مقدار کو دھویا جائے گا اور ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے کہ حیض کا قلیل خون بھی کثیر خون کی طرح ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑا خون بھی دھویا جائے گا، مگر پسو کا خون معاف ہے۔ کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔

۱۔ سنن ابوداؤد: ۱۵۸　　۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۵۸

امام مالک رحمۃ اللہ نے جو کہا ہے کہ حیض کا قلیل خون بھی کثیر کی طرح ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے حیض کے خون کے متعلق فرمایا: اس کو کھر چو پھر اس کو پانی سے ملو، اور آپ نے قلیل خون اور کثیر میں فرق نہیں کیا اور نہ آپ نے حیض کے خون کی مقدار کے متعلق کوئی سوال کیا اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو اور اس حکم میں آپ نے درہم کی مقدار خون یا اس سے کم یا زیادہ کا فرق نہیں کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ کی جو دوسری روایت ہے کہ حیض کا قلیل خون معاف ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قلیل خون معاف ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے، کیونکہ انسان کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو پھنسی اور زخم ہوتا ہے اور اس پر پسو اور مچھر کا خون لگ جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہنے والے خون کو حرام کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جو خون بہنے والا نہ ہو، وہ معاف ہے اور تمام نجاستوں میں صرف بہنے والے خون کا استثناء کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ قلیل خون کو بھی حرام کر دیتا تو لوگ خون کو گوشت کی رگوں سے بھی تلاش کر کے نکالتے، لیکن ہم گوشت کو پکاتے ہیں اور ہنڈیا کے اوپر پیلاہٹ ہوتی ہے اور انسان کا غالب حال یہ نہیں ہے کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر پاخانہ پیشاب لگا ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے، اس لیے صرف خون کی قلیل مقدار معاف ہے باقی نجاستوں کی قلیل مقدار معاف نہیں ہے۔ (۱)

فقہاء احناف کے نزدیک قلیل نجاست کی مقدار:

فقہاء احناف کے نزدیک باقی نجاستوں میں بھی قلیل مقدار معاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پاخانہ کرنے کے بعد پتھر سے استنجاء کرنے کو کافی قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد پانی سے دھونے کو فرض یا واجب قرار نہیں دیا گیا، حالانکہ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد مکمل صفائی نہیں ہوتی اور تھوڑی سی نجاست لگی رہتی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء نے قلیل نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے، کیونکہ صاحب الاسرار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے اور ان کے اقتداء کرنا ہمارے لیے کافی حجت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہوں نے نجاست کو ایک ناخن کے برابر مقرر کیا اور الحیط میں مذکور ہے کہ درہم کبیر ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہوتا ہے، پس یہ اس پر دلیل ہے کہ ایک درہم سے کم نجاست نماز سے مانع نہیں ہے اور محیط میں یہ بھی مذکور ہے کہ درہم کبیر ہتھیلی کی چوڑائی کی مثل ہے اور صلاۃ الاصل میں مذکور ہے کہ درہم کبیر ایک مثقال تک پہنچتا ہے اور علامہ سرخسی کے نزدیک ان کے زمانہ کا درہم معتبر ہے۔ (۲)

قلیل نجاست کا معیار آیا درہم کی چوڑائی ہے یا اس کا وزن؟:

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۴۶-۳۴۵ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۲۱۱-۲۱۰

☆ یہ معلوم کرنا واجب ہے کہ ہمارے نزدیک نجاست کی قلیل مقدار معاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کپڑے میں قلیل نجاست کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب میرے اس ناخن کی مقدار کے برابر نجاست ہو تو وہ جواز صلوۃ سے مانع نہیں ہے کیونکہ قلیل نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے پھر وہ نمازی کے کپڑوں پر بیٹھتی ہے اور اس کے پروں اور پیروں میں نجاست ضروری ہوتی ہے اس لیے عموم بلوی کی وجہ سے قلیل نجاست کو معاف کر دیا گیا ہے اور صحیح آثار سے ثابت ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم پتھروں سے استنجاء کو کافی سمجھتے تھے اور پتھر اصل نجاست کو زائل نہیں کرتا اور اگر قلیل نجاست معاف نہ ہوتی تو وہ پتھروں سے استنجاء کو کافی قرار نہ دیتے۔

☆ پھر نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظ اور خفیفہ سو نجاست غلیظ جب درہم کی مقدار کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو جواز صلوۃ سے مانع نہیں ہے اور ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو پھر صلوۃ سے مانع ہے اور اعتبار درہم کبیر کا ہے درہم صغیر کا اعتبار نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ الجامع الصغیر میں لکھا ہے: درہم کبیر دراہم بڑا ہوتا ہے اور انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ درہم کبیر کی چوڑائی کا اعتبار ہے یا اس کے وزن کا۔

☆ دوسرے مقام پر امام محمد نے فرمایا: درہم کبیرہ وہ ہے جو ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہو جیسے الدرہم الشہلیلی اور کتاب الصلوۃ میں انہوں نے ذکر کیا کہ درہم کبیر کے وزن کا اعتبار کا۔

☆ امام ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد کے ان الفاظ میں تطبیق دی ہے، انہوں نے کہا: امام محمد نے جہاں درہم کی چوڑائی کا اعتبار کیا ہے اس سے نجاست رقیقہ کی مقدار مراد ہے اور جہاں انہوں نے درہم کے وزن کا اعتبار کیا ہے اس سے ان کی مراد نجاست غلیظ کی مقدار ہے اور یہی صحیح مذہب ہے کہ نجاست رقیقہ میں درہم کی چوڑائی قلیل نجاست غلیظ میں درہم کا وزن قلیل نجاست ہے اور درہم کا اعتبار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ناخن کے برابر نجاست کو قلیل نجاست قرار دیا اور ان کا ناخن درہم کبیر کہ مقدار کے برابر تھا اور حدث (وضو توڑنے) کی جگہ کا اعتبار ہے کیونکہ شریعت نے نجاست کی اس مقدار کو معاف کر دیا ہے جو وضو توڑنے کی جگہ (معقد) میں لگی ہوتی ہے کیونکہ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد طہارت کا حکم لگایا جاتا ہے اور پتھر نجاست کو زائل کرتا ہے اس کے اثر کو زائل نہیں کرتا، یہ اس کی دلیل ہے کہ موضع حدث (وضو توڑنے کی جگہ یعنی مقعد) کے ذکر کو قبیح جانا، پس انہوں نے اس کا درہم سے کنایہ کیا اس طرح ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔(۱)

باب مذکورہ کی حدیث کے دیگر مسائل:

اس حدیث سے جو دیگر مسائل معلوم ہوئے وہ یہ ہیں:

(۱) خون بالاجماع نجس ہے۔

(۲) نجاست کو زائل کرنے میں عدد شرط نہیں بلکہ صفائی شرط ہے۔

(۳) عورت اپنے کپڑوں میں جب خون لگا ہوا دیکھے تو اس کو پانی سے دھو کر صاف کرے، پھر ان کپڑوں سے نماز پڑھ سکتی ہے۔(۲)

۱۔ المحیط البرھانی، ج۱، ص۳۷۲-۳۷۱　　۲۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۶۷۶-۶۷۹

نجاست کوزائل کرنے کے متعلق آئمہ مذاہب کی آراء:

علامہ یحیی بن شرف شافعی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ خون نجس ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے نیز اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نجاست کوزائل کرنے کے دلیے عدد شرط نہیں ہے بلکہ اس کو صاف کرنا کافی ہے۔

نجاست کوزائل کرنے کے لیے اس نجاست کو صاف کرنا واجب ہے اگر نجاست حکمی ہو اور نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب وغیرہ تو اس کو ایک بار دھونا واجب ہے اور دو دفعہ دھونا واجب نہیں ہے، لیکن دوسری اور تیسری بار دھونا مستحب ہے کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو تین بار دھونے سے پہلے اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے اور اگر نجاست عینیہ ہو اور نظر نہ آتی ہو مثلاً خون وغیرہ تو اس کو بعینہ ازالہ کرنا ضروری ہے اور اس کو دو تین بار دھونا مستحب ہے۔

آیا کپڑے کو دھونے کے بعد اس کو نچوڑنا بھی شرط ہے؟ اس میں دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے۔ اگر نجاست عینیہ کو دھو دیا اور س کا رنگ نظر آتا رہا تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ طہارت حاصل ہوگئی اور اگر اس کا ذائقہ باقی رہا تو کپڑا نجس ہے اور اس ذائقہ کوزائل کرنا ضروری ہے اور اصلاً نجاست کی بو باقی رہی تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ طاہر اور دوسرے قول یہ ہے کہ وہ طاہر نہیں ہے۔

☆ علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

نجاست کی دو قسمیں ہیں مرئی (دکھائی دینے والی) غیر مرئی (نہ دکھائی دینے والی) جو نجاست مرئی ہو اس کی طہارت بعنیہ اس نجاست کے زائل ہونے سے ہوگی، کیونکہ نجاست کا بعینہ اس چیز میں حلول ہو گیا اس لیے اس کا زوال ضروری ہے، ہاں اگر اس کا کچھ اثر باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا دشوار ہو تو کوئی حرج نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک بار دھونے سے وہ نجاست زائل ہوگئی تو اس کو مزید دھونا نہیں ہے اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور جو نجاست غیر مرئی ہو اس کو اس وقت تک دھونا چاہیے جب تک دھونے والے کو اس کی طہارت کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول ﷺ نے بیدار ہونے والے شخص کو تین بار ہاتھ دھونے کا حکم دیا ہے، اور ظاہر الروایہ کے مطابق ہر بار نچوڑنا بھی ضروری ہے۔

مقام حیرت یہ ہے کہ فقہاء شافعیہ کے جوٹھے برتن کو تو سات مرتبہ دھونا ضروری قرار دیتے ہیں اور جن کپڑے پر پیشاب لگا ہو اس کو ایک مرتبہ دھو لینا کافی سمجھتے ہیں۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جس کپڑے کا حیض کا خون یا نجاست لگ جائے تو اسے پہلے کھرچ کر کے صاف کیا جائے اور پھر ہاتھوں سے مل کر دھویا جائے۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۷۸۔۹۷۹

☆ ایک درہم تک نجاست غلیظہ معاف ہے، اور اس سے زاہد کا زائل کرنا واجب ہے۔

☆ نجاست خفیفہ عضو کے چوتھائی حصہ تک معاف اور زائد کا زائل کرنا ضروری ہے۔

☆ نجاست رقیقہ میں درہم کی چوڑائی قلیل نجاست ہے، اور نجاست غلیظہ میں درہم کا وزن قلیل نجاست ہے۔

☆ خون بالاجماع نجس ہے، اسی طرح حیض کا خون اور نفاس کا خون بھی نجس ہے۔

☆ نجاست کے زائل کرنے میں عدد شرط نہیں، بلکہ صفائی کا حاصل ہونا شرط ہے۔

☆ پانی سے نجاست زائل ہو جاتی ہے۔

☆ کپڑے کا پاک ہونا نماز کے لیے شرط ہے۔

☆ نجاست اگر کھرچ سے زائل ہو جائے تو پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ آپ ﷺ کا ایک ہی وقت میں کھرچنے اور ملنے اور دھونے کا حکم دینا بطور مستحباب اور تنظیف کے لیے، وگرنہ نجاست حسب طریقہ پر بھی زائل ہو جائے اور کپڑا پاک ہو جائے گا۔

بَابُ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

باب ۱۸۶: کپڑے پر منی کا لگنا

منی سے مراد وہ گاڑھا مادہ ہے، جو شدت شہوت کے وقت شرمگاہ سے نکلتا ہے، اس باب سے امام نسائی رحمہ اللہ منی کے احکامات کا بیان شروع کر رہے ہیں، پہلے حیض کے ابواب کو بیان کیا گیا ہے، اس حیض کو مقدم اور منی کو موخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حیض کا وقوع زیادہ ہے، اور منی کا وقوع کم ہے اس باب میں امام نسائی رحمہ اللہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۲۹۳۔أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ :أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي كَانَ يُجَامِعُ فِيهِ؟ قَالَتْ :نَعَمْ .إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِ أَذًى "

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آقا کریم ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے جسے جماع کرتے وقت پہنا ہوتا تھا، انہوں نے جواب دیا: ہاں جب اس کپڑے پر نجاست نہ ہوتی تھی۔

۱۔ مطابقت:

”حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے: جب اس کپڑے پر نجاست نہ ہوتی تھی۔

یہاں اذٰی“ سے مراد منی ہے، یعنی اگر منی کپڑے پر لگی ہو تو کپڑے ناپاک ہوتا ہے، اگر منی نہ لگی ہو تو کپڑا پاک ہوتا ہے، اسی لیے

آقا کریم ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۳۶۶،ابن ماجہ:۵۴۰،احمد:۲۶۸۲۲،السنن الکبریٰ:۲۸۷تحفۃ الاشراف:۱۵۸۶۸

۳۔تعارف رجال:

اس راویت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی تین کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں

۱،عیسیٰ بن حماد:　راجع:۲۱۱　۲۔اللیث:　راجع:۱۲۴

۳۔یزید بن حبیب:　راجع:۲۰۷۔

۴۔سوید بن قیس:

آپ کا نام سوید بن قیس تجیبی مصری ہے، اور راویت کے تیسرے طبقہ ثقہ راوی ہیں اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ سے تین تین احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ آپ سے راویت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔معاویہ بن حدیج:

آپ کا نام ابوعبدالرحمان معاویہ بن حدیج بن حنفیہ بن قتیرہ بن حارثہ بن عبد شمس تجیبی کندی (م:۵۲ھ) ہے، بعض نے کنیت ابونعیم ذکر کیا ہے آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طقبہ صغار سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ بعض نے آپ کا شمار تابعین میں کیا ہے، اکثر علماء رجال کے نزدیک آپ کی صحبت ثابت ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی صحبت ثابت ہے، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (الادب الفرد)، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ آپ سے راویت کرتے ہیں۔(۲)

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ:

علامہ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی لکھتے ہیں:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے! معاویہ بن ابی سفیان صخر بن خرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قصی الامووی۔ابوعبدالرحمٰن (امیر معاویہ) اور آپ کے والد فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور جنگ (غزوہ) حنین میں شریک ہوئے۔اسلام لانے سے قبل آمؤلفتہ القلوب میں شامل تھے لیکن بعد میں پکے اور سچے مسلمان ہوگئے (پختگی کے ساتھ ایمان قبول کیا)

کتابت وحی کی خدمت:

آپ دربارِ رسالت کے کاتبوں میں سے تھے۔(۱) آپ سے رسول ﷺ کی ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احایث مروی ہیں، آپ سے

۱۔　i۔تہذیب الکمال، ج۱۲، رقم ۲۷۰　ii۔الثقات، ج۴، ص۳۲۲

۲۔　i تقریب التھذیب، ج۲، ص۲۶۵　ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۵، ص۷۴۔۷۵

بہت سے صحابہ کرام مثلاً ابن غنم ۔ ابن عمرو۔ ابن زبیر۔ ابوالدردا۔ جزیر االجبلی ۔ نعمان بن بشیر اور چند تابعی حضرت مثلاً ابن المسیب حمید بن عبدالرحمٰن وغیرہ ہم (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ فہم و تدبر، علم و دانائی اور تحمل میں بڑے مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں بہت سے احادیث وارد ہیں (لیکن ان میں سے پایہ ثبوت کو پہنچنے والی بہت کم ہیں) امام ترمذی نے ایک حدیث حسن عبدالرحمٰن ابن عمر کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ کہ رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ الٰہی! تو معاویہ کو حساب کتاب سکھا دے اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ابن ابی شیبہ مصنف میں اور طبرانی میں عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے خلافت ملنے کی اس روز سے امید ہوگئی تھی جس روز حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ معاویہ! جس دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو مخلوق سے اچھی طرح پیش آنا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سراپا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دراز قد خوبرو اور وجیہہ شخص تھے حضرت عمر آپ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ معاویہ کو برا نہ کہو جب یہ تمہارے اندر سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سر تن سے جدا کئے جائیں گے (جدال و قتال ہوگا)۔ مقریزی کہتے ہیں کہ لوگوں پر حیرت ہے کہ وہ کسریٰ (شاہ فارس) اور ہرقل (شاہ روم) کا تو ذکر کرتے ہیں مگر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحمل:

آپ کا تحمل ضرب المثل تھا چنانچہ ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن ابی عاصم نے آپ کے حلم پر ایک کتاب تک لکھی ہے، ابن عون کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ معاویہ تم سیدھے ہو جاؤ ورنہ ہم خود تمہیں سیدھا کر دیں گے آپ نے فرمایا تم مجھے کس چیز سے سیدھا کرو گے اس نے کہا، اینٹیں مار مار کے! آپ نے فرمایا! اچھا تو اس وقت میں سیدھا ہو جاؤ ں گا۔ قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بہت رہا ہوں۔ میں نے آپ سے زیادہ حلیم، عقیل اور ذی فہم کوئی نہیں پایا۔ آپ جاہلوں سے دیر آمیزہ تھے اور بڑے باتدبیر تھے۔

جنگ میں شرکت اور امارات:

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب لشکر روانہ فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے بھائی یزید ابن ابوسفیان کے ہمراہ ملک شام چلے گئے تھے اور وہیں مقیم رہے جب یزید بن ابوسفیان کا انتقال ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کو دمشق کا حاکم بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں حکم دمشق ہی رہنے دیا۔ آخر کار بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کو تمام مملکت شام کا امیر بنا دیا گیا۔ جہاں آپ نے ۲۰ سال تک بحیثیت گورنر حاکم رہے اور پھر بیس سال تک بحیثیت خلیفہ حکمراں رہے۔

کعب احبار کا بیان ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جتنی دولت موجود رہی اتنی کسی مسلمان کی ملکیت نہ رہی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ کعب

احبار کا تو پہلے انتقال ہو چکا تھا (پھر ان کی یہ رائے کیسے درست ہوگی) لیکن کعب احبار کا یہ کہنا درست ہے اس لیے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری بیس سالہ دور خلافت میں مملکت شام میں کسی گورنر یا حاکم نے سر نہ اٹھایا۔ اس کے برعکس آپ کے بعد بہت سی بغاوتیں اور مخالفتیں ہوئیں اور بعد کے حاکموں اور سربراہوں کے قبضے سے بہت سے ملک (ان بغاوتوں کے نتیجے میں) نکل گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا (جنگ صفین واقع ہوئی) اور خود خلیفہ کے لقب سے کیا، اس طرح انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر خروج کیا جس کے باعث امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ چنا چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ ماہ ربیع الآخر جمادی الاول میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور چونکہ اس سال کوئی اور خلافت کا دعویدار نہ تھا اور صرف آپ کی خلافت پر امت کا اجماع ہوا اس لئے اس سال کا نام سال جماعت رکھا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا عجیب و غریب واقعہ:

خرائطی نے ہواتف میں حمید بن وہب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ فاکہ ابن مغیرہ قریشی کے حبالہ نکاح میں ایک عورت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ تھی فاکہ نے اٹھنے بیٹھنے کے لئے ایک نشست بنوا رکھی تھی اس نشست گاہ میں آنے جانے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اتفاقاً ایک روز فاکہ اور اس کہ بیوی ہند اس ن نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی ضرورت سے کچھ دیر کے بعد فاکہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہندہ اکیلی رہ گئی اچانک اس وقت ایک شخص آیا اور بیٹھک میں داخل ہوتا لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہاں تنہا عورت بیٹھی ہے تو وہ فوراً پلٹ پڑا اس کے پلٹتے وقت فاکہ باہر سے واپس آ گیا اور اس مرد کو باہر نکلتے دیکھ لیا چنا چہ فاکہ ہند کے پاس آیا اور غصہ سے اس کو ٹھوکریں مار کر پوچھا کہ تیرے پاس یہ کون مرد آیا تھا۔ ہند نے کہا کہ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا ہاں تمھارے کہنے سے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی آیا تھا لیکن فوراً واپس ہو گیا۔ فاکہ نے کہا تو میرے گھر سے نکل جا اور اپنے ماں باپ کے پاس چلی جا (تو میرے لائق نہیں ہے)۔ ہند اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئی لیکن لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا ہند کے باپ نے ایک روز اس سے کہا کہ لوگ تجھے ہر طرف ملعون کرتے ہیں تو مجھے سچ بات بتا دے اگر تیرا خاوند سچا ہے تو اس کو کسی شخص کے ذریعہ قتل کروا دوں گا تا کہ اس طعنہ زنی سے باز آ جائیں اور اگر وہ جھوٹا ہے تو چلو یہ معاملہ یمن کے کاہن کے پاس پیش کریں یہ سن کر ہند نے اپنی پاک دامنی پر اس طرح قسمیں کھانا شروع کر دیں جیسا عہد جاہلیت میں دستور تھا جب عتبہ (والد ہند) کو یقین ہو گیا کہ ہند سچ کہہ رہی ہے تو اس نے فاکہ کو مجبور کیا کہ چونکہ تم نے میری بیٹی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس لئے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ لیکر یمن کے کسی کاہن کے پاس چلو، چنا چہ فاکہ بنو مخزوم کو اور عتبہ عبد مناف کو لیکر یمن کی جانب روانہ ہوئے، ہند کے ساتھ اس کی کئی سہیلیاں بھی موجود تھی۔ جب قافلہ یمن کے قریب پہنچا تو ہند کے چہرے کا رنگ بدل گیا یہ حال دیکھ کر اس کے باپ نے کہا کہ تیرے اس تغیر رنگ سے صاف ظاہر ہے کہ تو گنہگار ہے۔ ہند نے کہا یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ مجھے ایسے شخص کے پاس لے کے جا رہے ہیں جس کی بات کبھی صحیح ہوتی اور کبھی غلط اگر اس نے بلا وجہ مجھ پر تہمت

لگادی تو پھر میں تمام عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔عتبہ نے کہا کہ میں تیرے معاملہ کو کاہن کے سامنے پیش کرنے سے پہلے امتحان لوں گا، چناچہ کاہن کی صداقت کا امتحان لینے کے لئے اس نے اپنے گھوڑے کے کان میں جانوروں کی وہ بولی بولی جس سے گھوڑا اگر ما گیا اس وقت عتبہ اس کے ذکر کے سوراخ میں گیہوں کا ایک دانہ رکھ کر اوپر چمڑے کی پٹی باندھ دی پھر قافلہ کاہن کے پاس پہنچا اس نے ان کو خوش آمدید کہا اوران کی تواضع کے لئے اونٹ ذبح کیا۔دستر خوان پر عتبہ نے اپنے میزبان کاہن سے کہا کہ ہم آپ کے پاس ایک کام سے آئے ہیں لیکن اس سے پہلے بغرض امتحان ہم نے ایک کام کیا ہے وہ بتا دیجیے پھر کام آپ کو بتائیں گے نجومی نے کہا نرکل میں گیہوں کا دانہ عتبہ نے کہا اس کی وضاحت کیجیے تب کاہن نے کہا کہ تم گھوڑے کے ذکر سوراخ میں گیہوں کا دانہ رکھا ہے عتبہ نے کہا کہ آپ نے بالکل درست کہا۔اصل معاملہ اب عورتوں کا ہے کہ آپ اس معالے پر غور کیجیے۔وہ ایک عورت کے پاس آیا اوراس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کھڑی ہو جاؤ پھر اس طرح دوسری اور تیسری عورت کے پاس آیا اور یہاں تک کہ ہند کی باری آئی۔کاہن نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا تو صاف ہے تو نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا اور تو ایک بادشاہ کو جنے گی جس کا نام معاویہ ہوگا یہ سن کر ہند کے خاوند فاکہ نے ہند کا ہاتھ پکڑ لیا مگر ہند نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا مجھ سے دور ہو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ کاہن کی یہ بات اگر سچ ہے کہ میری قسمت میں بادشاہ کی ماں بننا ہے تو وہ تیرے صلب سے نہیں ہوگا۔الحاصل (فاکہ کو چھوڑ کر) ہند نے ابوسفیان سے شادی کر لی اور ان سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماہ رجب ۶۰ ھ میں وفات پائی۔دمشق میں باب جابیہ اور باب صغیر کے درمیان آپ کو دفن کیا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ستر سال کی عمر پائی۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے موہائے مبارکہ تراشیدہ اور ناخن مبارک آپ کے پاس (بطور یادگار) موجود تھے آپ کے پاس (بطور تبرک و یادگار) موجود تھے آپ نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دیئے جائیں اور پھر مجھے میرے اور میرے ارحم الرحمین کے درمیان چھوڑ دینا (دفن کر دینا) چناچہ آپ کی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا۔(۱)

علمی مذاکرات اور ثقافتی کارنامے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علمی مذاکرات اور ثقافتی کارناموں کا سلسلے چند ایک چیزوں یہاں مختصر طریق سے ذکر کی جاتی ہیں۔اس سے آنجناب کے علمی ذوق اور دینی وثاقت اور ملی خدمات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اہم علمی مقام و مرتبہ کے حامل تھے آں موصوف نے جہاں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہیں وہاں ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے احادیث نبوی نقل کی ہیں۔یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح احادیث نبوی کے راوی ہیں اسی طرح وہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات کے مروی عنہ بھی ہیں اور راوی

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص۴۰۵۔۴۱۲

ومروی کے دونوں شرفوں سے مشرف ہیں۔

ان فن کے علماء نے تحریر کیا ہے کہ درج ذیل جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، جریر عبداللہ بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابو سعید خذری اور ابوامامہ بن سہل وغیرہ۔

اور کبار تابعین اور فقہاء میں سے درج ذیل حضرات نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً افضل التابعین حضرت سعید بن مسیت، عبداللہ بن حارث بن نوفل، قیس بن ابی حازم، ابوادریس خولانی اور ان کے بعد کے حضرات مثلاً عیسی بن طلحہ، محمد بن جبر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلز، عمران مولی عثمان بن محیریر، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابوعریان نخعی، مطرف بن عبداللہ بن شخیر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ:

((ھولاء الائماتہ ائمتہ الاسلام الذین رووا عنہ۔تعلم انہ کان مجھدا ای مجتھدو فقیھا ای فقیہ))

یعنی مندرجہ بالا حضرات دین اسلام کے آئمہ کرام اور پیشوا ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دینی روایات نقل کی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتنے ارفع درجے کے مجتہد اور کتنے اعلی درجے کے فقیہ تھے۔

نیز امام نووی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سوتریسٹھ (۱۶۳) احادیث نبوی منقول ہیں۔

اتنی کثیر تعداد میں احادیث نبویہ کے راوی ہونے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام اور دینی شغف بخوبی واضح ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقل کرنے اور وعظ گوئی کے مسئلہ میں آں موصوف کے عہد خلافت میں خاص احتیاط کی جاتی تھی تاکہ احکام شرعی اور دینی امور میں کسی قسم کا بے جا تصرف نہ کیا جا سکے۔

بعض مرویات:

(الف) اس سلسلے میں یہاں نمونہ کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی چند ایک روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں انصار کے مقام و مرتبہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہم پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو میں مصروف تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم انصار کے متعلق کلام کر رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں بھی (انصار کے متعلق) ایک حدیث بیان کروں جو میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین! فرمایئے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے اور جو انصار کو ناپسند کرے گا اللہ تعالیٰ

اسے ناپسند فرمائے گا۔

(عن یزید بن جا ریته انه اکان جالسا فی نفر من الا نصار فمر علیهم معاویته فسالهم عن حدیثهم فقالوا: کنا فی حدیث من حدیث الانصار فقال معاویته افلا ازیدکم حدیثا سمعته من رسول اللهﷺ؟ قالوا: بلی یاامیر المومنین !قال سمعت سول اللهﷺ یقال من احب الانصار احبه الله ومن ابغض الا نصار بغضه الله)

(ب) اسی طرح درج ذیل روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اوران کی توثیق کی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ سردار عالم مقروض (قینچی) سے اپنے مبارک تراشے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے سوا کسی دوسرے صاحب سے ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی تو حضرت عبداللہ بن عباس نے جواباً فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حضور ﷺ پر اہتمام لگانے والے نہیں ہیں۔ (یعنی ان کی روایت درست ہے)

(عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان معاویه رضی اللہ عنہما اخبره انه رای رسول الله قصر من شعره بمشقص فقلنا لا بن عباس رضی اللہ عنہما ما بلغنا هذاالا عن معاویه رضی اللہ عنہ فقال ماکان معاویه رضی اللہ عنہ علی رسول لله متهما))

(ج) حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد حنفیہ ہاشمی نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: المعری یعنی جو چیز کسی شخص کو عمر بھر کے لیے دے دی جائے تو وہ اس کے لیے جائز اور درست ہے۔

((عن محمد بن علی (الحنفیته) عن معاویه بن ابی سفیان قال سمعت رسول اللهﷺ یقول: المعری جائزة لا هلها)

اکابر ہاشمی حضرات نے متعدد روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں یہ چیزیں ان بزرگوں کے باہم دینی اعتماد پر دلالت کرتی ہیں اوران کے باہمی مذاکرات وتعلقات کو واضح کرتی ہیں۔

نقل حدیث اور وعظ گوئی میں احتیاط:

ا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ کے نقل کرنے اور جمع کرنے میں خاص احتیاط کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں عبداللہ بن عامر تحصبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بیان راویت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرمارہے تھے کہ (بے احتیاطی سے) احادیث مت بیان کرو۔ ہاں وہ راویت جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں انہیں ذکر کیا کرو کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خداخوفی کرنے والے تھے (وہ اپنے عہد میں بے اصل روایات کو جاری نہیں ہونے دیتے تھے) اس فرمان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جناب نبی اکرم ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ "من ادر الله به

خیر ایفقھه فی الدین ۔۔۔الخ ''یعنی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین میں بہتر سمجھ عطا فرماتے ہیں :(۱)

۲۔　اس طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی تو آپ نے میرے بیان پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس روایت کی تصدیق اور تحقیق کے لیے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ میری طرف وہ حدیث نبوی تحریر کر کے روانہ فرمائیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ روایت تحریر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمائی ((قال فاخبر ته معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یالذی اخبرته حتی کتب الی ام المولمنین ان اکتبی الی به۔ فکتب الیه به کتابا))(۲)

۳۔　محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ قریش کا ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ حضرت موصوف کو یہ چیز پہنچائی گئی کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عنقریب قبیلہ قحطان کا ملک پر قبضہ ہو جائے گا (یعنی قریش کی خلافت نہ رہے گی) یہ معلوم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور ایک خطبہ کی شکل میں مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بعض لوگ ایسی روایات بیان کرتے ہیں کہ جو نہ کتاب اللہ میں ہیں اور نہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہ ناواقف لوگ ہیں۔ ان کی خواہشات کے مطابق برگشتہ کر دینے والی باتوں سے آپ لوگ اجتناب کریں۔ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ (امر خلافت) قوم قریش میں ہو گا جب تک کہ دین الٰہی قائم رکھیں گے، اور جو بھی معاملہ میں ان سے نزاع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرا دیں گے۔

((فغضب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنه فقام فانثی علی اللہ عزوجل بما ھو اھله ثم قال امابعد فانه بلغنی ان رجالا منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا توثو عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیك جھالکم فایا کم والا مانی التی تجل اھلھا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول ان ھذا الا مر فی قریش لا یناز عھم احد لا لکبه اللہ علی و جھه ما اقاموالدین))

۴۔　نیز بیان روایت میں احتیاط کرنے کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ربیعہ بن یزید کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص جو مصر میں مقیم ہیں ان سے درج ذیل راویت کے متعلق استفسار کریں کہ انہوں نے یہ روایات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ ایسی امت کو پاک اور بابرکت نہیں فرماتا جس امت میں حق کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور جس امت کے ضعیف لوگ اپنا حق قوی لوگوں سے بہ سہولت نہیں حاصل کر سکتے۔'' مزید تحریر کیا کہ اگر عبداللہ بن عمرو کہیں کہ میں نے روایت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو بذریعہ قاصد مجھے اطلاع دیں۔ چنانچہ مسلمہ بن مخلد نے مصر میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا راویت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد مسلمہ بن مخلد مصر سے شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روایت کے سماعت کرنے کی خبر دی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی یہ راویات جناب نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی تھی لیکن میں نے اس کی تائید وتصدیق کرنا چاہتا تھا۔

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۹۹　　۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۰۷، مسند احمد، ج ۴، ص ۹۹

((عن ربیعة بن یزید ان معاویة ﷜ کبت الی مسلمة بن مخلدرضی الله تعالیٰ ان سیل عبدالله بن عمر و بن العا رضی الله تعالیٰ هل سمع رسول الله ﷺ بقول لاقدست امة لا یاخذ ضعیفها حقه من قویها وهو مضطهد ۔ فان قال نعیم فاحمله علی البرید ۔ فسائله فقال نعم ۔ فحمله علی البرید من مصر الی السام فسائله معاویة رضی الله تعالیٰ عنه فاخبره فقال معاویة وانا قدسمعته ولکن احببت ان اتثبت رواه الطبرانی ورجاله ثقات)(۱)

۵۔　چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت سیدنا معاویہ ﷜ کے دور میں حصول روایت کا ایک دیگر واقعہ محدثین ذکر کرتے ہیں۔جس سے حضرت امیر معاویہ ﷜ کی حفاظت حدیث وجمع راویت میں مسائی جمیلہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ایک مرتبہ سیدنا معاویہ ﷜ مغیرہ بن شعبہ ﷜ (جواس وقت کوفہ کے حاکم تھے)چنانچہ اس فرمان کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷜ کوفہ سے احادیث تحریر کے کے ارسال کیں جن میں درج ذیل فرمان نبوی مذکور تھا:

((قال فکتب الیه انی سمعت رسول ﷺ یتعوذ من ثلاثة من عقوقالا مهات و من وادالبنات و هات و سمعته ینهی ثلاثة عن قیل وقال اضاعته المال وکثرة السوال قال وسمعته بقول :اللهم لا مانع لما اعطیت ولا راد لماقضیت ولا ینفع ذاالجد منك الجد)) (۲)

"مطلب یہ کہ مغیرہ بن شعبہ ﷜ نے کوفہ سے امیر معاویہ کی طرف جواباً تحریر کیا کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں والدہ کی نافرمانی ،لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور جو چیز اپنے پاس ہے اس کو دینے سے انکار کرنے سے پناہ مانگتے تھے۔اور میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں قیل وقال (غیر ضروری بحث ومباحثہ)اور مال کو ضائع کرنے اور بے جا کثرت سوال سے منع فرماتے تھے،

۶۔　حضرت امیر معاویہ ﷜ کے عہد خلافت میں جس طرح بیان راویت کے باب میں احتیاط کی جاتی اور اس کے حصول میں کوشش کی جاتی تھی ،اس طرح واعظ گوئی یا عام قصہ گوئی پر خلیفہ وقت کی جانب سے کنٹرول تھا تا کہ ہر کوئی اٹھ کر بے سروپا چیزیں نہ بیان کرنے لگے اور جاہل اور نااہل لوگ غلط بیانی سے عوام الناس کو گمراہ نہ کریں۔یہ سب چیزیں حفاظت دین کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں اس سلسلے میں چند ایک امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

۷۔　ابو عامر عبداللہ بن یحیٰی کہتے ہیں کہ ایک بار ہم نے حضرت امیر معاویہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمیں اطلاع دی گئی کہ بنی مخزوم کا ایک غلام اس شہر میں قصہ گوئی کرتا ہے۔حضرت امیر معاویہ ﷜ نے اس قصہ گو کو بلوا کر اس سے دریافت کیا تجھے قصہ گوئیکی اجازت ملی ہوئی ہے؟اس نے کہا کہ نہیں۔حضرت امیر معاویہ ﷜ نے فرمایا کہ تو بلا اجازت قصہ گوئی کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمیں خداتعالیٰ نے علم دیا ہے اور ہم اسے پھیلاتے ہیں۔اس پر حضرت امیر معاویہ ﷜ نے فرمایا کہ اگر میں نے پہلے تجھے منع کیا ہوتا تو آج تجھے سزا دیتا۔

۱۔ مجمع الزوائد ،ج۵،ص۲۰۹　　۲۔ مسند عبد بن حمید،ص۱۵۰۔۱۵۱

((عن ابی عامر عبداللہ بن یحیٰ قال حججنا مع معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ فلما قد منا مکۃ اخبر بقاص یقص علی اھل مکۃ مولی لبنی (مخزوم)او (فروح)فارسل الیہ معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ فقال امرت بھذہ القصص ؟ قال :لا ۔ قال فما حملک علی ان تقص بغیراذن ؟ قال فنشیء علماء علمنا اللہ عزوجل فقال معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ لو کنت تقدمت الیک لقطعت منک طائفۃ (وفی بعض الروایات۔۔۔منک طابقا)(۱)

۸۔　اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کعب اخبار وعظ کہتے تھے لیکن جب انہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا کہ آنجناب فرمایا کرتے تھے کہ وعظ اور نصیحت گوئی امیر وقت اور حاکم کے ذمے ہے یا اس شخص کا کام ہے جسے حاکم وقت نے اجازت دی ہو، تیسرا شخص محتال اور متکلف (یعنی بزور وعظ گوئی کرنے والا ہے) تو اس کے بعد جناب کعب احبار نے وعظ گوئی ترک کردی اور اس کا کام رک گیا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ موصوف نے آپ کو خصوصی طور پر اجازت دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ آپ وعظ اور نصیحت کر سکتے ہیں چنانچہ اس کے بعد جناب کعب وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔

(کان کعب یقص فبلغہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقص الا امیر اوماموراو محتال ۔ فترک القصص حتی امرہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصاریۃ بعد ذالک)(۲)

دینی مسائل کی اہمیت:

علمی مذکرات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض اوقات دینی مسائل دریافت کرتے تھے اور اس میں اکابر سے رائے حاصل کرنے انقباض نہیں رکھتے تھے حضرت موصوف کا یہ طریق کار ان کے اخلاص فی الدین کی خاص علامت ہے اور باہم دینی روابط کا مظاہرہ ہے اور شرعی مسائل میں اتفاق واتحاد کا واضح ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔　سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شام کے علاقے میں ایک شخص احوص نے اپنی زوجہ کا طلاق دے دی اور وہ مطلقہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ اخوص کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وراثت کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدمی بھیج کر مسئلہ وراثت دریافت کیا تو جواب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہوچکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہوچکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی (یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ اس مسئلہ میں ایک صحابی کی تحقیق ہے۔

((عن سلیمان بن یسار ان لا خوص ھلک بالشام حین دخلت امراتہ فی الدم من الحیضۃ الثالثۃ وقد کان طلقھا فکتب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ الی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ یسائلہ عن ذالک فکتب الیہ زید انھا اذا دخلت فی الدم من الحیضۃ الثالثۃ فقد برئت منہ وبری منھا۔ لا یرثھا ولا ۔ رواہ مالک)(۳)

۲۔　مسائل شرعیہ کی دریافت کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ محدثین اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ مشہور تابعی سعید بن مسیب

۱۔ مستدرک حاکم، ج۱،ص ۱۲۸　۲۔ الاصابہ، ج۳، ص ۲۹۸، رقم: ۷۴۹۸　۳۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۲۸۹

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علاقہ شام میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو قابل اعتراض حالت میں پایا تو اس نے اس اجنبی مرد نے اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ اس معاملہ کی قضا اور فیصلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشکال ہوا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کا حل طلب کرنے کے لیے مکتوب لکھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلے کا حل جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر قاتل چار شاہد پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے۔ (یعنی بدہد شتران دیت را):

(مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن بن المسيب ان رجلامن اهل الشام وجد مع امراته رجلا فقتله اوقتلها فاشكل على معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہ الضاء فيه فكتب الى ابى موسىٰ عن ذالك على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ فقال ابو موسىٰ رضی اللہ عنہ كتب الى معاويه بن ابى سفيان السالك عن ذالك فقال على رضی اللہ عنہ انا بوالحسن :ان لم يات باربعة شهيداء فليعط برمته)(۱)

۳۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کو ''خاص الفاظ کے ساتھ طلاق دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو چکی ہے یہ آدمی مسئلہ لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنجناب نے یہی فیصلہ صادر فرمایا کہ مذکورہ صورت میں یہ عورت اس شخص پر حرام ہو چکی ہے اور بغیر حلالہ کے اس کے لیے حلال نہیں۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو پھر وہی شخص وہی مسئلہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور فیصلہ طلب کیا اور ساتھ ہی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سابق فیصلہ بھی اس نے خود ہی ذکر کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام صورت معلوم کر کے فرمایا:

((قال قد اجزنا قضاه عليك او قال ماكنا لنرد قضاء قضاه عليك)(۲)

مطلب یہ کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا اور اس کا خلاف نہیں۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کا شرعی مسائل میں باہم تعاون تھا اور وہ ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔

۴۔ حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ طیبہ سے ایک نباش (کفن چور) پکڑا گیا۔ اس وقت مدینہ منورہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم عامل متعین تھے۔ مروان نے اس شخص کی سزا کے متعلق اس وقت کے اکابر صحابہ اکرم رضی اللہ عنہم اور فقہائے مدینہ سے مسئلہ دریافت کیا تو کسی صاحب نے قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں دیا بلکہ وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ اس شخص کو زدوکوب کیا جائے اور شہر میں (تذلیل کے طور پر) پھرایا جائے۔

(اخذ نباش فى زمان معاويه زمان كان مروان على المدينة ۔ فسال من كان بخضرته من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة والفقهاء فلم يجدوا احدا قطعة قال فجمع رائيهم على ان يضربه ويطاب به)(۳)

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں دینی مسائل میں دیگر حضرات

۱۔ موطا امام مالک، ص ۳۰۸　۲۔ السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۱۲۰　۳۔ منصف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰، ص ۳۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء سے رائے طلب کرنے میں انقباض نہیں تھا اور حضرات کی تحقیق کا احترام ملحوظ رکھا جاتا اور ان کی رائے کی قدردانی کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

ثقافتی امور کی طرف توجہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے شمار علمی و ثقافتی خدمات تاریخ میں مذکور ہیں ان کو فراہم کر کے زیر قلم کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اس سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک شخص عبید بن شریہ جرہمی تاریخ دان ہے اس نے جاہلیت کا دور پایا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھا لیکن آنجناب سے سماع اسے حاصل نہیں ہوا۔ اس شخص کو ملوک عرب و عجم کے بے شمار از بر تھے اور اخبار و انساب کا ماہر تھا اور تاریخی حالات سے خوب واقف تھا۔ یہ شخص یمن کے دارالحکومت صنعا میں سکونت پذیر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے اپنے ہاں بلوایا اور حکم دیا کہ سابقہ عرب و عجم کے حالات کی اپنے معلومات کی حد تک تدوین جائے اور انھیں ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل میں قلم بند کیا جائے۔ چنانچہ ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ:

(عبید بن شرية الجرهمی فی زمان معاوية بن ابی سفيان رضی الله تعالیٰ فساله عن الاخبار المتقدمته و ملوك العرب اولعجم و سيب تبلبل الا لسنة وامز افتراق الناس فی البلاد كان استخره من صنعاء اليمن فاجيه اكلى ما امر فامر معاوية رضی الله تعالیٰ ان يدون وينسب الی عبيد بن شرية الی ايام عبدالمالك بن مروان وله من الكتب كتاب الا مثال و كتاب الملوك واخبار الماضيين) (۱)

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ شخص عبدالمالک بن مروان کے عہد تک زندہ رہا اور اس نے تدوین تاریخ کے سلسلے میں متعدد تاریخی کتب مرتب کیں۔ مثلاً کتاب الامثال، کتاب الملوک اور کتاب الماضیین وغیرہ۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن شریہ سے عرب و عجم کے ملوک کے حالات میں ایک تاریخی دستاویز تدوین کروائی اور اہل تاریخ کے لیے بہترین مواد فراہم کر دیا۔

۲۔ مورخین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں انساب و اخبار شخص وغفل بن حنظلہ سدوسی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وغفل موصوف نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس کو پایا ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع انہیں حاصل نہیں ہوا۔

ایسے مشاہیر لوگوں کا بطور وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عہد میں ماہرین فن سے استفادہ کے مواقع پیدا کیے جاتے تھے اور لوگوں کو ان تاریخی معلومات سے فائدہ ہوتا تھا۔

ابن ندیم اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے کہ:

(والا نساب والاخبار من خطر اليزيدی ۔هو الحجر بن الحارث الكنانی وقدغفل لقب و قيل قدغفل

۱۔ الفہرست ابن ندیم، ص ۱۳۸

الذھلی النسابة ھو دغفل بن حنظلة الساوسی۔ ادرك النبی ﷺ ولم یسمع منه ووفد علی معاویة)(۱)

۳۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔اس سلسلے میں علماء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ آں موصوف نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''القرش'' ایک بحری جانور ہے جو اپنی فطری قوت اور طبعی صلابت میں مشہور ہے۔اگر اس کا گزر دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں پر ہو تو انہیں کھا جاتا ہے۔شدت طبعی کی مناسبت سے قوم قریش کو بھی قریش کہتے ہیں۔یہ بھی دیگر قبائل واقوام پر اپنی صلابت اور شدت کی بنا پر غالب رہتے ہیں۔پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس مسئلہ پر آپ اشعار بھی پیش کر سکتے ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جمحی کے اشعار ذکر کیے۔

(عن ھشام بن عروة، عن ابیه، عن ابی ریحاسنه العامری ۔ان معاویة قال لا بن عباس رضی اللہ عنہما فلم سمیت قریش قریسا؟ قال :لدابة تکون فی البحر ، تکون اعظم دوابه ، یقال :لھا "القرش " لا تمر بشی ء من الغث والسمین الا الکلته ۔ قال :فانشدنی فی ذالك شیئا فانشده شعر الجمیحی اذیقول ۔

وقریش ھی التی تسکن البحر　بھا سمیت قریش قریشا
تاکل الغث والسمین ولا ترك　فیھا لذی جناحین ریشا
ھکذا فی البلاد حی قریش　یاکلون البلاد اکلا کمیشا
ولھم آخر الزمان نبی　یکثر القتل والخموشا (۲)

۴۔ علمی مذاکرات کے سلسلے میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں تذکرہ ہوا۔شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مجلس میں قریش کے اکابرین بھی شامل تھے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں آپ سے چند مسئلے دریافت کر کے جوابات سننا چاہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دریافت کیجئے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔اللہ کی قسم وہ فقراء و مساکین کے حق میں بڑے شفیق تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تھے، برائی سے منع کرنے والے تھے، دین خداوندی سے خوب واقف تھے۔اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے، برے کاموں پر تنبیہ کرتے تھے، اچھائی کا حکم کرتے تھے رات کو تہجد میں قیام کرتے اور دن کو روزہ دار تھے پرہیزگاری میں اپنے ساتھیوں سے فائق تھے، قلیل گزران پر گزارہ کرنے والے تھے۔زہد اور پاک دامنی میں سبقت کرنے والے تھے۔جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے اور ان پر طعن کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

۱۔الفہرست (ابن ندیم)، ص ۱۳۷　۲۔دلائل النبوۃ (بیہقی)، ج ۱، ص ۱۸۱

اس واقعہ کو شیعہ مورخ مرزا محمد تقی لسان الملک نے اپنی تصنیف ناسخ التواریخ میں مسعودی شیعی کے حوالہ سے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''مسعودی در مروج الذہب می نویسد کہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ درآ، ودر مجلس او جماعتی از بزرگان قریش حاضر بودند معاویہ روبا بن عباس کرد وگفت ہمی مسئلے چند از تو پرسش کنم و پاسخ بشنوم فرمود از ہر چہ خواہی بہ پرس گفت چہ میگوئی در ابوبکر قال (ابن عباس فی ابی بکر رحم الله ابابکر کان والله للفقراء رحیما و للقرآن تالیا وعن منکر ناھیا ویدینه عارفا ومن الله خائفا وعن المنھیات وناجرا وبالمعروف آمرا وباللیل قائما و بالنھار صائما وفاق اصحابه ورعاً وکفافاً وسارھم زاھدا عفا فا فغضب الله علی من ینقصه ویطعن علیه ''(۱)

یونانی طب کی لئے خدمات:

۱۔ فن تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص ابن اثال لسانیات کا ماہر عالم تھا اس نے یونانی طب کی کتابوں کو جو یونانی زبان میں تھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے عربی زبان میں منتقل کیا۔اس دور طب یونانی کو عربی کی طرف منتقل کرنے کا پہلے پہل یہ اہم کام ہوا۔

۲۔ نیز لکھتے ہیں کہ مروان بن حکم کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں ایک یہودی ماہر فن طبیب تھا اور عربی زبان دانی میں لائق فائق تھا ۔اس کو ماسر جویہ کہتے تھے اس شخص نے کتب طب کو سریانی زبان سے عربی زبان مین منتقل کیا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں یہ کتاب ملک شام کے کتب خانوں میں موجود تھی خلیفہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے لوگوں کی منفعت کی خاطر پھیلایا اور عوام تک پہنچائی۔

علامہ شبلی نعمانی اپنے دور کے مشہور مصنف اور مورخ ہیں،انہوں نے اس مسئلے پر جس کتاب (اخبار الحکماء وعیون الانباء) کا حوالہ دیا ہے،وہ یہاں ہمیں میسر نہیں،تاہم ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب ''الانتقاد علی تمدن اسلامی'' سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

(فنقل ابن اثال المعاویة رضی اللہ عنہ کتب الطب من الیو نانیة وھذا اول نقل فی الاسلام ، وکان فی البصرة فی ایام مروان بن الحکم طبیب ماھر یھودی النحله عارف بالعربیة اسمه ماسر جو یة ھذا کناش القس اھر ون ابن اعین فی السریانیة الی العربیة ، فلما تولی عمر بن عبدالعزیز وجد ھذا الکتاب فی خزائن الکتب فی الشام فاخرجه الی الناس وبثه فی ایدیھم)(۲)

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قومی وملی خدمات اور علمی وثقافتی کارناموں کا احصاء وشمار کر لینا کوئی سہل امر نہیں تاہم مندرجات بالا مین چند ایک چیزیں بطور نمونہ پیش کردی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان موصوف کا اس سلسلے میں کردار نہایت رفیع تھا انہوں نے علمی کارنامے اور خدمات سرانجام دینے میں قابل قدر مساعی کیں۔

۱۔ تاریخ مسعودی شیعی،ص ۶۰،ج ۳،تاریخ التواریخ،ج ۵،ص ۱۴۳۔۱۴۴ ۲۔ الانتقاد علی تمدن (علامہ شبلی نعمانی)،ص ۵۲

مکارم اخلاق:

اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند اخلاق وسیرذ کر کئے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنی اعلیٰ اخلاق عمدہ خصائل اور حسن معاملات سے لوگوں میں عزیز ہوتا ہے۔ لوگ اس چیز پر نظر کرتے ہیں کہ اس شخص کے ذاتی عادات و خصائل کیسے ہیں؟ اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ یہ شخص کس کردار کا مالک ہے؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کے اخلاق نہایت کریمانہ تھے اور کردار بہت بلند تھا۔ حلم و بردباری ان کی نمایاں وصف تھی جس کے مخالفین بھی مقر تھے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دور میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے رواداری اور انصاف پسندی ان کا شیوہ تھا، حق بات تسلیم کرنا ان کا معمول تھا اور خدا خوفی وخشیت الٰہی ان کے معاملات میں پائی جاتی تھی، عوام الناس کی قضائے حوائج ان کی بہترین خصلت تھی، ان کی مجالس لوگوں کے افادہ کے لئے منعقد رہتی تھیں اور خواص وعام کے حق میں منفعت بخش ہوتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض احوال و کیفیات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان سے آں موصوف کی شخصیت کا مقام و مرتبہ اور ان کے رفیع اخلاق و کردار کا اندازہ ہوسکتا ہے اور ان کی نیک طنیت اور صحیح فراست معلوم ہوسکتی ہے اور ان کی انصاف پسندی، رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری واضح ہوتی ہے۔

صفت حلم:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اوصاف و اخلاق خصوصاً حلم و بردباری کے اعتبار سے اپنے ہم عصر لوگوں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ چنانچہ مختلف علماء مثلاً ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن ابی عاصم وغیرہ نے اس باب میں ان کے حق میں مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ:

(قلت و كان يضرب المثل بحلم معاوية رضی اللہ عنہ وقد افرد ابن ابی الدنيا و ابوبكر ابن ابی عاصم تصنيفا فی حلم معاوية)(۱).

اور مورخین لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی صفت حلم و بردباری کا اعتراف فرماتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں چند صحابہ کرام، تابعین اور بعض اکابر علماء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔　حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما لوگوں میں بہت حوصلہ اور زیادہ حلم والے ہیں تو حاضرین نے کہا کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ؟ اس کا جواب میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے بہت بہتر اور افضل ہیں لیکن معاویہ بہت حلیم ہیں۔

۱۔　تاریخ اسلام (ذہبی)، ج ۲، ص ۳۲۲

((عن محمد بن سیرین عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال معاویہ من احلم الناس؟ قالو ایا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ؟ قال ابو بکر خیر من معاویہ رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ من احلم الناس)) (۱) (یہاں اس مضمون کی پانچ عدد روایات منقول ہیں)

۲۔ مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں موجود تھے انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصائل وفضائل بیان کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ تمہارے خلیفہ ایسی شخصیت ہیں کہ (فطری طور پر) ان کی طبیعت کو اللہ تعالی نے سہل، نرم، اور حوصلہ مند بنایا ہے اوران کے طریق کا درست اور معاملہ بہتر بنایا ہے۔

چنانچہ بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف انساب الاشرف میں لکھا ہے کہ:

((قال عمرو بن العاص ذکر معاویہ وھو بمصر ان اما مکم لمن سھل اللہ خلیفتہ و قوم طریقتہ ،و احسن صیغتہ) (۲)

۳۔ ایک اور بزرگ قبیصہ بن جابر فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہم نشینی اختیار کی۔ میں نے ان سے زیادہ حلیم، جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار شخص نہیں دیکھا۔

((وعن قبیصہ بن جابر قال صحبت معاویہ فما رایت رجلا اثقل حلما و لا ابطا جھلا و لا ابعد اجھلا و لا ابعد اناتہ منہ) (۳) تحت باب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

۴۔ ایسی طرح محدثین اور مورخین کا اکابر علماء کی فطری سیرت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((اناہ کان جید السیرہ،حسن التجاوز ، جمیل العفو ،کثیر الستر، رحمہ اللہ تعالی) (۴) تحت ذکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے اور اپنے کمال حلم ووقار کی بنا پر (لوگوں کی خطاؤں اور عیوب) پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔

تائید از شیعہ علماء کرام:

۵۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اوصاف کا شیعہ مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریمانہ اوصاف اور صفت حلم وزیرکے مالک تھے اور مالی سخاوت کے وصف سے متصف تھے۔

((او کان لمعاویہ حلم ودھا وجو دبالمال علی المداراتہ)) (۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم اور بردباری کے سلسلے میں ایک دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ (تاریخ ابن عسا (مخطوط قلمی) ج ۲ ص ۳۲ ۷ ۲۔ کتاب انساب الاشرف (بلاذری) ص ۴۶ ۳۔ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ الاصابۃ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۵۶، ج ۳، تحت ۷۲۷۸ قبیصہ بن جابر۔ کتاب المعارفہ والتاریخ، (بسوی)، ص ۱۴۵۸

۴۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ ۵۔ تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۸، ج ۲

۱۔ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ شعبی کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار (عطائے مال کے سلسلے میں) ایک انصاری بزرگ کی طرف پانچ سو دینار بھیجے تو اس انصاری نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے فرزند پر قسم ڈالی کہ تو اس رقم کو لے جا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر مار دے۔ (یعنی یہ رقم قلیل ہے ہمیں منظور نہیں)۔ ان کے فرزند اپنے والد کی ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت موصوف نے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا اے امیر المومنین! میرے والد گرامی کے مزاج میں طیش اور حدت زیادہ ہے اس نے مجھے قسم دے کر یہ کہا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اس کی قسم پوری کرنے کے لیے) اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ لیا اور انصاری کے مذکورہ فرزند کو فرمایا کہ اپنے والد کی فرمائش پوری کر لے اپنے چچا (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رفق اور نرمی کا معاملہ کرنا۔ پھر اس نے اسی طرح کیا۔ اسے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری مذکورہ کے لیے شفقت فرماتے ہوئے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔۔۔الخ

((فوضع یده علی وجهه و قال افعل ما امرك به ابوك وارفق فرمی الدنانیر وامر معاویه للانصاری دینار)(۱)

۲۔ ماروی نے ایک واقعہ چادروں کی تقسیم کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کچھ چادریں تقسیم کیں اور اہل دمشق میں سے ایک شخص کو ایک ایک چادر ملی مگر اس کو پسند نہ آئی۔ جوش میں آ کر اس نے خیر سے قسم کھا لی کہ میں چادر امیر معاویہ کے سر پر ماروں گا۔ اس قصد کے تحت وہ صاحب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ پہنچے اور اپنے حلف کا ذکر کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (کمال حلم اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ آپ اپنے قسم پوری کر لیں لیکن آپ اس معاملہ میں میرے ساتھ رفق اور نرمی اختیار کریں۔

(وقسم معاویه قطفا فاعطی شیخا من اهل دمشق قطیفته فلم تعجبه۔ فحلف ان یضرب بها راس معاویه۔ فاتا فا خبره فقال له معاویه اوف بنذرك ولیر فق الشیخ با لشیخ)) (۲)

اس صفت حلم و بردباری کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کچھ اقوال بطور تجزیہ اور تجربہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو علماء نے نقل کیے ہیں:

۱۔ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لا حلم الا التجارب یعنی تجربات کے بعد ہی صفت حلم حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ:

(۳) قال معاویه لا یبلغ الرجال مبلغ الرای حتی یغلب علمه جهله وصبره شهوته ولا یبلغ ذالاك الا بقوته الحلم)

۱۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری)، ص ۶۴۔ ج ۱ جزء رابع، کتاب الفخری فی الاداب السلطانیۃ الاسلامیہ، ص ۹۵، ۹۶ ۲۔ ادب الدنیا والدین، ص ۲۹

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان صاحب الرائے نہیں ہوسکتا جب تک اس کا علم اس کی جہل پر اور اس کا صبر اس کی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، اور انسان اس درجہ تک قوت حلم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

مروت:

اور صفت مروت کے، متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بعض تشریحات علماء نے ذکر کی ہیں مروت کے مفہوم کی تشریح میں آن موصوف کے بعض اقوال پیش خدمت ہیں:

۱۔ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروت کو مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مروت چار چیزوں میں ہوتی ہے: اسلام میں پاکدامنی، مال کا صحیح اور جائز طریقے سے حاصل کرنا، اقربا کی رعایت رکھنا اور پڑوسیوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

((عن ابی بحر قال قال معاویہ رضی اللہ عنہ المروته اربع :المعفاف فی السلام وا ستصلاح المال،وحفیظ الا خوان ،وعون الجار)(۱)

۲۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ مروت کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا دینی معاملات میں دامن صاف رکھنا۔

((وردینا عن ابی سوار قال قیل لمعاویه رضی اللہ عنہ مالمر ته؟ قال العاف فی الدین واصلاح فی ا المعیشة)(۲)

۳۔ اور ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو بحر احنف بن قیس سے فرمایا کہ مروت کیا چیز ہے؟ انھوں نے کہا کہ دین میں تفقہ اور پاکدامنی اور والدین کے ساتھ احسان کرنا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

(وقال معاویه رضی اللہ عنہ لا حنف یا ابا بحر ما المروته؟ قال الفقه فی الدین والعاف و برالدین فقال معاویه هو ذاك))(۳)

بعض حکیمانہ اقوال اور جائزے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض امور سے متعلق حکیمانہ جائزے اور تجزیے علماء نے ذکر کیے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دینی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ جب اصحاب رسول اس عالم سے رخصت ہو جائیں تو ورع اور تقوی نہ رہے گا۔ یعنی جس طرح کہ صحابہ کرام میں یہ اوصاف بے درجہ اتم پائے جاتے تھے، اس طرح یہ اوصاف بعد میں کامل درجہ میں نہیں پائے جائیں گے۔

((قال معاویه ازاهب اصحاب رسول الله ذهب الورع))(۴)

۲۔ اور ایک بار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے انسانی اخلاق کے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان کو جو بہترین

۱۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۱۶، ص ۷۴۳　　۲۔ السنن الکبری (بیہقی)، ج ۱۰، ص ۱۹۵

۳۔ انساب الاشرف (بلاذری)، ص ۲۰　　۴۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری)، ص ۳۰

چیز عطا کی گئی ہے وہ عقل اور حلم (حوصلہ مندی) ہے۔ جب اسے نصیحت کی جائے تو وہ اسے قبول کرے، اور اگر اسے عطیہ دیا جائے تو وہ شکریہ ادا کرے، اور جب وہ آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے گا وہ غضبناک ہو تو غصہ کو پی جائے، اور اگر کسی سے وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو بخش دے اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی طلب کرے اور اگر سمجھایا جائے تو رک جائے۔

(قال معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ما اعطیہ الرجل العقل و الحلم فان ذکر ذکر و، ان اعطی شکر، و ان ابتلی صبر، و ان غضب کظم، و ان قدر غفر و ان ساء استغفر و ان وعظ از دجر) (۱)

مطلب یہ ہے کہ انسان کے حق میں یہ بہترین فضیلت کی چیزیں ہیں اور عقلمندی اور حوصلہ مندی کے ذریعے ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

۳۔ اور ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاسد کے متعلق ایک نفیس جائزہ ذکر فرمایا کہ

(قال ابن السماقال معاویہ رضی اللہ عنہ کل الناس استطیع ان ارضیہ الا حاسد نعمتہ فانہ لا یرضیہ الا زوالھا) (۲)

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نعمت پر حسد کرنے والے شخص کے سوا ہر شخص کو راضی کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں، کیونکہ حاسد زوال نعمت کے بغیر راضی نہیں ہو سکتا۔

۴۔ عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اخلاقیات پر تبصرہ کرتے ہوئے) تحریر فرمایا کہ:

۱۔ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر وہ شخص ہے جس نے جلد بازی سے منہ موڑ لیا۔
۲۔ اور خسارہ میں وہ آدمی ہے جس نے بردباری اور آہستگی سے روگردانی اختیار کی۔
۳۔ اور ثابت قدم رہنے والا انسان مقصد یافتہ ہوتا ہے۔
۴۔ اور جلد باز شخص خطا کار اور چوک جانے والا ہے۔
۵۔ جس کو رفیق و نرمی نفع نہیں بخشتی اس کو شدت و سختی نقصان دہ ہو گی۔
۶۔ جس شخص کو تجربہ کاری فائدہ نہیں دیتی وہ بلند مراتب نہیں پا سکتا۔
۷۔ جب تک انسان کا صبر اس کی خواہشات پر اور اس کا حوصلہ اور حلم اس کی جذبات پر غالب نہ آ جائے وہ بلندی رائے اور عالی فکر حاصل نہیں کر سکتا۔

(۔۔۔نا عبداللہ بن المبارك قال کتب معاویہ رضی اللہ عنہ الی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اما بعد فان الرشید من رشد عن العجالتہ و ان الخائب من خاب عن الاناتہ و ان المتثبت مصیب او کاد ان یکون مصیبا و ان العجل مخطی او کاد یکون مخطیا ومن لا ینفعہ الرفق یضرہ الخرق ومن لا ینفہ التجارب لا یبلغ المعالی ولا یبلغ رجل مبلغ

۱۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری)، ص ۳۱　۲۔ ابن عساکر (مخطوط قلمی)، ج ۱۶، ص ۴۴۳

الرای حتمی یبلغ الرای حتمی یبلغ صبرو شھوتہ و حلمہ غضبہ)(۱)

۷۔ام حبیبہ: راجع:۱۸۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ باون ویں (۵۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدنی شامی اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ ہیں۔

☆ حضرت سوید، حضرت ابن خدیج اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ سنن نسائی میں مروی ہے۔

☆ سند میں دو صحابی اور ایک صحابیہ راویہ ہیں۔

☆ سند میں دونوں صحابیوں کا نام معاویہ ہے۔

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث مبارکہ راوی ہیں۔

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی ہیں۔

☆ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔

☆ یہ روایت بھائی کی بہن سے ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سائل ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سائل: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یصلی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

الثوب: کپڑا۔

یجامع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا فرمائے۔

قالت: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔

۱۔تاریخ ابن عساکر، ج ۱۶، ص ۳۷۷، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ص ۳۰۷۔۳۲۶

نعم: ہاں۔

اذالم یر: جب آپ ﷺ نہ دیکھتے۔

اذی: تکلیف دہ چیز۔ یہاں منی مراد ہے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

تقدم: ۳۰۰

۸۔ خلاصہ:

ایضا

بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ — باب ۱۸۷: کپڑے سے منی دھونا

اس باب میں کپڑے پر اگر منی لگ جائے اور مقدار عفو سے زیادہ ہو تو اس کا زائل کرنا واجب ہے، البتہ اگر کم مقدار میں ہو تو دھونا مستحب ہے، کیونکہ منی ناپاک ہے، اس باب میں کپڑے پر لگنے اور دھونے کا بیان ہے، پچھلے باب میں کپڑے پر منی لگنے کا بیان تھا، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۲۹۴۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْجَزَرِيِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ لَفِي ثَوْبِهِ

حضرت عائشہ کا بیان:
میں آقا کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی دھودیتی تھی۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے، جن کے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پانی کے نشان نظر آرہے ہوتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:
میں آقا ﷺ کے کپڑوں سے منی دھوتی تھی۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲۔ صحیح مسلم: ۲۸۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۳، سنن ترمذی: ۱۱۷ سنن ابن ماجہ: ۵۳۶ مسند احمد، ج ۶ ص ۴۷

۲۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے دو چار کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت عمرو بن میمون کے حالات زندگی سپرد قلم کیے

جاتے ہیں۔

ا۔سوید بن نصر: راجع:۵۵ ۲۔عبداللہ: راجع:۲۲۹

۳۔عمرو بن میمون:

آپ کا نام عبداللہ عمرو بن میمون بن مہران جزری رقی (م:۱۴۷) ہے، بعض نے آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ذکر کی ہے، آپ حضرت سعید بن جبیر کے نواسے تھے آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، فاضل راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت میمون فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت عمرو بن میمون کی تعریف کرتے ہوئے سنا ہے۔قرآن اور علم نحو میں ان جیسا کوئی نہیں ہے، حضرت عمرو بن میمون نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، اگر مجھے پتا چلتا کہ مجھ سے حدیث وسنت کا کوئی علم باقی رہ گیا ہے، تو یمن میں ان کے پاس جاتا، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ راوی ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(ا)

۴۔سلیمان بن یسار: راجع:۱۵۶ ۵۔عائشۃ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ خصوصیات خماسیات نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوتین (۱۰۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، تیسرے جزری اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت عمرو میمون سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت سلیمان بن یسار فقہاء سبعہ مدنیہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کنت اغسل: میں دھوتی تھی۔میں دھو دیتی تھی۔

الجنابۃ: ناپاکی۔یہاں منی مراد ہے۔

ا۔ ا۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۶۸۲ اا۔تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۲۵۵

ثوب : کپڑا۔

یخرج : آپ ﷺ تشریف لے جاتے۔

الصلاۃ : نماز

بقع : اثرات: نشانات

الماء : پانی

۷۔ مسائل ونصائح:

تقدم: ۳۰۰

۸۔ خلاصہ:

ایضاً

بَابُ فَرْكِ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ — باب ۱۸۸: کپڑے سے منی کھرچنا

منی اگر گاڑھی اور تہہ بنانے والی ہو، ایسی منی کو اگر کھرچ دیا جائے، تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے، البتہ پتلی منی دھونے سے ہی کپڑا پاک ہوگا، اس باب میں گاڑھی منی کو کھرچنے کا بیان ہے، امام نسائی نے اس باب میں چھ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں منی دھونے کا بیان تھا۔ اور اس باب میں کپڑا سے منی کھرچنے کا بیان ہے۔

۲۹۵۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَفْرُكُ الْجَنَابَةَ - وَقَالَتْ مَرَّةً أُخْرَى - الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان ہے میں ناپاکی کھرچ دیتی تھی، آپ نے دوبارہ فرمایا آقا کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیتی تھی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے،

۲۔ اطراف:

احمد: ۲۴۹۹۰، السنن الکبریٰ: ۲۸۹، تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۷،

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی تین کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں۔

۱۔قتیبۃ بن سعید: راجع:۱۱۸ ۲۔حماد: راجع:۳

۳۔ابوھاشم:

آپ کا نام ابوھاشم یحیٰ بن دینار قانی واسطی ہے (م:۱۲۲ھ) بعض نے والد کا نام اسود اور نافع بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح ابن منجوتہ نے تاریخ وفات (۱۴۵ھ) لکھی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ فقیہ صدوق راوی ہیں سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ راوی ہیں آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔ابومجلز:

آپ کا نام ابومجلز لاحق بن حمید بن سعید اعور سدرسی بقری (م ۱۰۰) ہے، آپ غالباً رواۃ کے تیسرے طبقہ کبار، تابعی راوی ہیں، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں آپ کی ثقاہت سب کے نزدیک مسلم ہے سنن نسائی میں آپ سے تیرہ (۱۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔الحارث بن نوفل:

نام ونسب: رحمۃ اللہ علیہ

حارث نام، باپ کا نام نوفل تھا سلسلہ نسب یہ ہے حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی ہاشمی ان کے والد نوفل آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھتیجے تھے اس رشتہ سے حارث آپ کے پوتے ہوئے۔

اسلام:

حضرت نوفل غزوہ خندق سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے تھے۔حارث بھی باپ کے ساتھ اسلام لائے۔(۳) نوفل شرف ہجرت سے بھی سرفراز ہوئے۔لیکن حارث اس سے محروم رہے۔

امارت جدہ:

آنحضرت ﷺ نے حارث کو جدہ کی امارت پر سرفراز فرمایا تھا اس لیے وہ جنگ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔واقدی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کی امارت پر مقرر فرمایا تھا۔لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، عہد صدیقی میں بروایت صحیح مکہ کی امارت پر عتاب بن اسید مامور تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں پھر انہیں ان کے سابق عہدہ پر بحال کر دیا۔

وفات:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں وفات پا گئے تھے لیکن ابن سعد صاحب طبقات کے بیان کے مطابق عہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں انہوں نے وفات پائی، بصرہ میں گھر بنا لیا تھا، یہیں پیوند خاک ہوئے انتقال کے وقت ستر سال

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۹ص۱۴۰ ii۔تہذیب الکمال، ج۳۴، رقم ۳۲۳

۲۔ i۔تہذیب الکمال، ج۱۱،ص۱۷۱۔۱۷۲ ii۔ذخیرہ العقبیٰ، ج۵ص۶۱۔۶۲ ۳۔طبقات ابن سعد، ج۴ص۳۹

کی عمر تھی۔(۱)

ازواج واولاد:

وفات کے وقت حسب ذیل بیویاں اور اولادیں چھوڑیں۔ بیویوں میں رملہ ام زبیر، ریطہ اور ام حارثہ تھیں لڑکوں میں سعید، محمد الاکبر، ربیعہ عبدالرحمٰن، عیینہ، محمد الاصغر حارث ابن حارث تھے۔

۶۔عائشہ: راجع: ۱۱۲

۱۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۱۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوستانویں (۱۹۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، تیسرے واسطی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت حارث بن نوفل سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ حضرت حارث بن نوفل سے صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی نے ہی روایت کی ہے، آپ کا شمار طبقہ صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔

☆ حضرت ابوھاشم اور حضرت ابومجلز سے بھی پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ صحابی کی صحابیہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶: لغات:

كنت الحرك : میں کھرچ دیتی تھی۔

الجنابة : ناپاکی۔ یہاں منی مراد ہے

مرة اخرى : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

المنى : وہ گاڑھا مادہ جو شدت شہوت کے وقت شرمگاہ سے نکلے

ثوب رسول الله ﷺ: آقا کریم ﷺ کے کپڑے

۱۔طبقات ابن سعد: ج ۴، ص ۳۶

۲۹۶۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَزِيدَ قَالَ :حَدَّثَنَا بَهْزٌ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ :الْحَكَمُ أَخْبَرَنِي، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ :لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَمَا أَزِيدُ عَلَى أَنْ أَفْرُكَهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی، اوراس سے زیادہ کچھ نہ کرتی تھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی۔

۲۔اطراف:

تقدم:۲۹۷، ۲۹۸، مسلم:۲۸۸، ابوداؤد:۳۷۱، ابن ماجہ:۵۳۷؛ احمد:۲۴۱۱۹، تحفۃ الاشراف:۱۷۶۷۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات روای ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔عمر بن یزید:	راجع:۱۳۰	۲۔بھز:	راجع:۲۸
۳۔شعبۃ:	راجع ۱۱۰	۴۔الحکم:	راجع ۱۰۴
۵۔ابراہیم:	راجع ۱۷۰	۶۔ھمام:	راجع ۱۱۸
۷۔عائشہ:	راجع ۱۱۲		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے
☆ سباعیات کے اعتبار سے ترپن ویں (۵۳) حدیث مبارکہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، اگلے تین کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں، تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے، جن میں پہلی خماسی اور دوسری ثلاثی اور یہ سباعی ہے۔
☆ حضرت عمر بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں باقی اصحاب ستہ ان سے روایات نہیں لیتے۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار عنعنہ دو دفعہ اور صیغہ قول ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

قالت : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

لقدر رائیتنی : میں دیکھتی ہوں۔ مجھے یاد ہے۔

ما ازید : میں زیادہ نہیں کرتی تھی۔

افرکہ: میں اسے کھرچ دیتی تھی، یعنی منی کو۔

۲۹۷۔أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

٢۔اطراف:

راجع:۲۹٦

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات زندگی لکھے جا چکے ہیں۔

ا۔الحسین بن حریث:	راجع:۴۵	۲۔سفیان:	راجع:۱۲۵
۳۔منصور:	راجع ۲	۴۔ابراہیم:	راجع:۱۷۰
۵۔ہمام:	راجع ۱۱۸	٦۔عائشہ:	راجع ۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھائیسوں (۱۲۸) حدیث مبارکہ ہے:

☆ سند کے تمام روای ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، باقی سارے کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۲۹۶

۲۹۸۔أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَرَاهُ فِي ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحُكُّهُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں منی دیکھتی تو اسے کھرچ دیتی تھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت بالکل واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۹۶

۳۔تعارف رجال:

اس میں روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کی سرگزشت حیات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۱۔شعیب بن یوسف:	راجع:۴۹	۲۔یحییٰ بن سعید:	راجع:۱۳۳
۳۔الاعمش:	راجع:۱۱۸	۴۔ابراہیم:	راجع:۱۷۰
۵۔ہمام:	راجع ۱۱۸	۶۔عائشہ:	راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوانتیسویں (۱۲۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نسائی، دوسرے بصری اگلے تین کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ امام نسائی کے شیخ شعیب بن یوسف یعنی آپ کے ہم وطن اور باب کے ہم نام ہیں

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ مروی ہے

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا یک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

كنت اراه : میں نے منی دیکھی تھی،

ثوب رسول الله ﷺ: رسول اللہ ﷺ کا کپڑا

افركه: میں اسے کھرچ دیتی تھی۔

۲۹۹۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَفْرُكُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارک کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

میں حضور انور ﷺ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھی۔

۲۔اطراف:

راجع:۱۹۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع:۱۱۸ ۲۔حماد بن زید: راجع:۳

۳۔ھشام بن حسان:

آپ کا نام ابوعبداللہ ہشام بن حسان ازدی فردوسی بصری (م:۱۴۷۔۱۴۸ھ) ہے آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق، کثیر الحدیث، مرسل راوی ہیں۔آپ امام ابن سرین کے شاگردوں میں سب سے قابل اعتماد ہیں۔البتہ حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء سے مرسل روایات کرتے ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے اکتیس (۳۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔ابومعشر:

آپ کا نام ابومحشر زیاد بن کلیب تمیمی حنظلی کوفی (م:۱۲۰ھ) آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، قلیل الحدیث راوی ہیں، آپ سے سنن نسائی میں پانچ (۵) احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔ابراہیم: راجع:۱۷۵　　۶۔الاسود: راجع:۲۳۴

۷۔عائشہ: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چون ویں (۵۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت ھشام مرسل روایات کرتے ہیں۔
☆ حضرت ہشام اور اور حضرت ابومحشر سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، اگلے دو بصری، باقی سارے کوفی اور سیدہ عائشہ صدیقہ مدنیہ ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے،
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔i۔تاریخ الثقات، ص۴۵۷　　ii۔الجرح التعدیل، ج۹، ص۵۴

۲۔i۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۳۳۰　　ii۔تہذیب الکمال، ج۹، رقم ۵۰۵

٦۔لغات:

راجع:۲۹٦

۳۰۰۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَامِلٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَجِدُهُ فِي ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحُتُّهُ عَنْهُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں آقا کریم ﷺ کے کپڑوں پر منی دیکھتی تو اسے کھرچ دیتی تھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حصہ میں ہے:
میں آقا کریم ﷺ کے کپڑوں پر منی دیکھتی، تو اسے کھرچ دیتی تھی۔

۲۔اطراف:

راجع:۲۹٦

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو راویوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن کامل المروزی:

آپ کا نام محمد بن کامل مروزی ہے۔ بعض کے مطابق ان کا اصل وطن بغداد تھا۔ آپ رواۃ کے دسویں طبقہ صغار سے ثقہ راوی ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں ائمہ صحاح ستہ میں سے امام ترمذی اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔ھشیم: راجع:۱۰۹

۳۔مغیرہ:

آپ کا نام ابوہشام مغیرہ بن مقسم ضبی کوفی (م:۱۳٦ھ) ہے، آپ پیدائشی نابینا تھے اور غلام تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، متقن مرسل و مدلس راوی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔ابراہیم: راجع ۷۰ ۵۔الاسود: راجع:۲۳۴

٦۔عائشہ: راجع:۱۱۲

۱۔i۔المعجم المشتمل، ص ۹۴۴ ii۔الثقات، ج۹، ص ۱۴٦

۲۔i۔تاریخ الثقات، ص ۴۳۷ ii۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص ۲۲۸

۴۔ حکم راویت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت ثلاسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ ثلاسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوتیسویں (۱۳۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ خود مغیرہ مدلس و مرسل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے واسطی، باقی سارے کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل ساتویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دوہزار دوسودس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت صدبن کاحل اور حضرت مغیرہ بن مقسم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

لقد رائیتنی: میں دیکھ ہی رہی ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

اجدہ: میں نے منی کو دیکھا۔ میں نے اس کو پایا

فاحتہ: میں نے اس کھرچ دیا۔

۷۔ مسائل ونصائح:

منی کے پاک وناپاک ہونے میں مذہب اربعہ:

پروفیسر ڈاکٹر وھبہ ذحیلی کہتے ہیں:

منی (مادہ منویہ)۔۔۔یعنی ہم بستری وغیرہ کے وقت شہوت سے نکلنے والا مادہ، انسان کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں دو رائے پائی جاتی ہے۔ انسان کے علاوہ مخلوقات کی منی احناف اور مالکیہ کے ہاں پاک ہے اور حنابلہ کے ہاں جانوروں میں سے حلال گوشت جانوروں کی منی پاک ہے۔ اور شوافع کے صحیح ترین قول کے مطابق کتے سور اور ان کے ملاپ سے پیدا شدہ جانوروں کے علاوہ سب کی منی پاک ہے۔ انسان کی منی کے بارے میں احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں: (۱)

۱۔ الدر المختار، ج ۱ ص ۲۸۷، اللباب شرح الکتاب، ج ۱ ص ۵۵، مراقی الفلاح، ص ۲۶، بدایۃ المجتہد، ج ۷۹۱، الشرح الصغیر، ج ۱ ص ۵۴، الشرح الکبیر، ج ۱ ص ۵۶

کہ منی ناپاک ہے اس سے پڑنے والے نشان کو دھونا واجب ہے، تاہم احناف کے ہاں دھونا صرف گیلی منی کو ضروری ہے، اگر وہ خشک ہو جائے تو صرف کھرچ لینا کافی ہوگا۔

مالکیہ منی کو مطلقاً ناپاک قرار دیتے ہیں خواہ وہ حلال گوشت جانور کی ہی کیوں نہ ہو، یہ ناپاک قرار دینا گھن اور اس کو ماہیت کے فاسد چیز میں بدل جانے کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اصلاً خون ہوتی ہے، اور اصل مقدار معاف ہونے سے فرع کی مقدار کا معاف ہونا ضروری نہیں۔ یعنی قلیل مقدار میں خون کا قابل معافی ہونا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ منی، جو اصلاً خون کی بدلی ہوئی شکل ہے وہ بھی کچھ مقدار معاف ہو، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے ہے کہ فرع کے لئے وہ حکم ہوتا ہے جو اصل کے لئے نہیں ہوتا ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ: کنت افرك المنى من ثوب رسول ﷺ اذا كان يا بسا و اغسله اذا كا ن طبا (یہ حدیث دار قطنی نے اپنی اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنداس کو عبداللہ بن زبیر نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث اغسلیہ ان کان رطبا وافر کیہ ان کان یابسا تو یہ روایت غریب ہے نامعلوم اور غیر معروف حدیث ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے بعض میں غسل (دھونے) کا ذکر ہے اور بعض میں فیصلی فیہ (اس کپڑے میں نماز ادا کرتے ہیں) کے الفاظ ہیں۔

(میں نبی کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوتی اور اس کو دھویا کرتی تھی اگر وہ گیلی ہوتی) بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی دھویا کرتی تھیں اور آپ تشریف لے جاتے اور نماز ادا کرتے اور فرماتیں کہ میں پانی کی تری آپ کے کپڑے پر دیکھ رہی ہوتی اور دوسری طرف یہ کہ بدن سے نکلنے والی چیزوں سے مشابہ ہے کہ جو کہ ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔

شوافع ظاہر قول کے مطابق اور حنابلہ فرماتے ہیں۔ (۲)

کہ منی پاک اور اس کا دھونا یا کھرچنا اس وقت مستحب ہے اگر آدمی کی منی ہو دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں اور آپ ان میں نماز ادا کرتے تھے (صحاح ستہ کے حضرات نے یہ حدیث ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کنت افرك المنى من ثوب رسول ﷺ ثم يذهب فيصلى فيه (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ کنت احكه من ثو به وهو يصلى فيه (ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حدیث ذکر کی ہے) (میں آپ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اور آپ اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

امسحه عنك با ذخر ته او خر قهته فانما هو بمنز لته المخا ط و البصا ق (سعید منصور نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور دار قطنی نے اس کو مرفوعا کیا ہے) منی کو اپنے اوپر گھاس سے یا کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ لیا کرو یہ تھوک اور رینٹ کی طرح ہوتی ہے۔

۱۔ نصب الرایہ، ج ۱ ص ۲۰۹　　۲۔ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۷۹۔۸۰، کشف القناع، ج ۱ ص ۲۲۴، المہذب ج ۱ ص ۴۸

۳۔ نیل الاوطار، ج ۱ ص ۵۳

اور یہ پیشاب اور منی کی نجاست کو راجح قرار دیا اور فرمایا یہ ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور اس کو ان چیزوں سے پاک کر لینا درست ہے (۱)

یعنی دھونے سے پونچھنے سے یا کھرچ دینے سے۔ میں منی کے پاک ہونے کو قول کے راجح قرار دیتا ہوں کہ انسان کی بنیاد کے ناپاک ہونے کو قول لازم نہ آجائے دوسری پر سہولت و آسانی مقصود ہے، تاہم منی سے پڑ جانے والا نشان اتباع سنت کی غرض سے دھو دینا مستحب ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ منی کے پاک ہونے کا حکم اس بات کو مشروط ہے کہ اس سے پہلے مذی نہ نکلی ہو جو کہ عام طور پر شہوت ہونے کی صورت میں نکلتی ہے اور یہ شرط ہے کہ عضو تناسل کو پانی سے دھویا ہوا ہو اور اگر اس کو صرف کاغذ سے پونچھے جانے کے سبب پیشاب کا اثر باقی ہو جیسا کہ آج کا عام طور پر ہوتا ہے تو نکلنے والی پیشاب سے مل جانے کے سبب ناپاک ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی لباس جماع وغیرہ کے لئے خاص کر دینا چاہیے جو اس وقت پہنا جائے تا کہ اختلافی حدود سے باہر رہا جاسکے۔ (۲)

منی کی طہارت یا عدم طہارت میں مذاہب فقہاء:

علامہ یحیی بن شرف نووی لکھتے ہیں:

آدمی کی منی کی طہارت میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک، اور امام حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ آدمی کی منی نجس ہے، البتہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر منی خشک ہو تو اس کی تطہیر کے لیے اس کو کھرچنا کافی ہے، امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ منی خشک ہو یا تر منی آلودہ کپڑے کو دھونا واجب ہے، اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، داؤد ظاہری اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ منی پاک ہے، امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

جو فقہاء منی کی نجاست کے قائل ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں منی آلودہ کپڑوں کے دھونے کا بیان ہے اور جو فقہاء منی کی طہارت کے قائل ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں، جن میں منی کو کھرچنے کا ذکر ہے، اگر منی نجس ہوتی تو اس کو صرف کھرچنا کافی نہ ہوتا جس طرح جمے ہوئے خون کو صرف کھرچنا کافی نہیں ہے، اور جن احادیث میں منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کا ذکر ہے اور یہ استحباب اور تنیزہ اور نظافت کو اختیار کرنے پر محمول ہیں، یہ آدمی کی منی کا حکم ہے اور ایک شاذ قول یہ ہے کہ عورت کی منی نجس ہے اور مرد کی منی نجس نہیں ہے اور اس سے زیادہ شاذ قول یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی منی نجس ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں کی منی طاہر ہے اور کیا پاک منی کا کھانا جائز ہے؟ اس میں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حلال نہیں ہے کیونکہ یہ گھناؤنی چیز ہے اور ان خبائث میں داخل لیے جو حرام ہیں۔

آدمی کے علاوہ باقی جانداروں کی منی میں یہ تفصیل ہے: کتے اور خنزیر کی منی بالاتفاق نجس ہے اور باقی حیوانات کی منی میں تین قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ تمام جانداروں کی منی پاک ہے خواہ ان کا گوشت حلال ہو یا نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تمام حیوانات کی منی نجس ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی منی پاک ہے اور جن کا گوشت حرام ہے ان کی منی ناپاک ہے۔ (۳)

۱۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۵۵　　۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵　　۲۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۴۰

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

منی طہارت کے قائلین کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے منی کھرچنے کی احادیث کو منی کی طہارت پر اور منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کی احادیث کو اختیار نظافت پر محلول کیا ہے، اس وقت صحیح ہوتا جب ان احادیث میں تعارض ہوتا، حالانکہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے، منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کی احادیث سے صراحۃً ثابت ہے کہ منی نجس ہے اور منی کھرچنے کی احادیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند ہے، شریعت میں منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور امر میں اصل وجوب ہے الا یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ صارفہ ہو، اور یہاں اس کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ اس کا وجوب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے اور اسی طرح صحابہ نے کبھی اپنے کپڑوں پر منی نہیں لگے رہنے دی، اور بطور عبادت نبی ﷺ کا کسی فعل کو ہمشہ کرنا اور کبھی ترک نہ کرنا اس کا وجوب کے موید ہے۔

☆ بعض علماء نے کہا جس چیز کو خشک حالت میں دھونا واجب نہیں اس کو تر حالت میں دھونا بھی واجب نہیں جیسے رینٹ (ناک) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ رینٹ نکلنے سے بالکل حدث (وضوٹوٹنا) لازم نہیں ہوتا جبکہ اگر منی شہوت اور تیزی سے نکلے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے ورنہ وضو، اسی طرح بعض علماء نے کہا اگر منی نجس ہوتی تو اس کو کھرچنا کافی نہ ہوتا جس طرح جمے ہوئے خون کو کھرچنا کافی نہیں ہے، یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جمے ہوئے خون کو کھرچنے کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے، جب کہ خشک منی کو کھرچنے کے متعلق بہ کثرت احادیث ہیں اور یہ احادیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند ہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ منی انبیاء علیہم اسلام کی ولادت کی اصل ہے اس لیے پاک ہونی چاہیے اس کو جواب یہ ہے کہ منی دشمنان خدا، مثلاً فرعون، ہامان اور ابوجہل کی ولادت کی بھی اصل ہے، اس لیے نجس ہونی چاہیے، نیز علقہ (جما ہوا خون) انسان کی ولادت کے زیادہ قریب ہے اور وہ اس کی اصل ہے پھر خون کو بھی پاک ہونا چاہیے۔ (۱)

منی کے طاہر یا نجس ہونے میں مذاہب فقہاء:

علامہ ابوالحسن علی بن عبدالملک ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا منی طاہر ہے یا نجس ہے، امام مالک، اوزاعی، ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے کہ منی نجس ہے، مگر امام مالک کے نزدیک منی تر ہو یا خشک اس کو دھونا ضروری ہے اور ان کی نزدیک خشک منی کو کھرچنا کافی نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تر منی کو دھویا جائے گا اور خشک منی کو کھرچ دینا کافی ہے امام شافعی، امام اسحاق اور ابوثور نے یہ کہا کہ منی طاہر ہے، اس کو کپڑے سے کھرچ دیا جائے اور اگر نہ کھرچے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، صحابہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک منی کھرچنا جائز ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: تم منی کسی کپڑے سے یا کسی تنکے سے کھرچ دو اور اگر اس کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲)

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۴۵۔۱۴۴، شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۷۰۔۹۷۱　　۲۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۵۰۔۳۴۹

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

منی طاہر ہے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ خون کی مثل نجس ہے اور مذہب میں پہلی روایت مشہور ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔(۱)

فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا استدلال باب مذکورہ کی حدیث سے ہے اور فقہاء شافعیہ اور فقہ حنبلیہ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے۔

منی کی طہارت پر امام شافعی اور امام احمد کے دلائل:

ھمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بہ طور مہمان ٹھہرے، ان کو احتلام ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے سے منی دھو رہے تھے یا اس کپڑے کو دھو رہے تھے، اس باندی نے حضرت عائشہ کو اس کی خبر دی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے یاد ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتی تھی (یعنی دھوتی نہیں تھی)۔(۲)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے منی کھرچ دیتی تھی اور ہمارے پاس ان دنوں اونی چادر تھی۔(۳)

منی کے پاک وناپاک ہونے کے بارے میں امام طحاوی کے دلائل ونظائر:

امام ابوجعفر الدین محمد طحاوی حنفی مصری لکھتے ہیں:

منی کی تعریف:

جسم انسانی سے نکلنے والا سفید مائل گاڑھا پانی جو شہوت کے ساتھ جوش سے نکلے مرد وعورت دونوں میں منی کا مادہ پایا جاتا ہے بس رنگتوں میں تھوڑا بہت فرق ہے، احناف و مالکیہ کے ہاں تمام حیوانات کی منی ناپاک ہے شوافع وحنابلہ کے ہاں غیر انسان میں پاک وناپاک کے دونوں قول ملتے ہیں۔

زیر بحث باب میں انسانی منی کے متعلق گفتگو ہو گی اس میں دو معروف مسالک ہیں شوافع وحنابلہ اس کو رینٹھ کی طرح قرار دے کر پاک کہتے ہیں، اسی وجہ سے اس کے پانی میں پڑ جانے سے اس کی ناپاکی کے قائل نہیں۔

مسلک ۲: احناف مالکیہ اور دیگر علماء کا ہے ناپاک ہے اس کا دھونا واجب ہے البتہ امام مالک کے ہاں چھینٹا مارنا بھی کافی ہے، خشک منی کو احناف کھرچ دینے سے کپڑے کو پاک قرار دیتے ہیں۔

۱۔ المغنی، ج ۱، ص ۲۸۷ ۲۔ صحیح مسلم: ۱۰۶۔۱۰۵ سنن ابوداؤد: ۳۷۱، سنن ترمذی: ۱۱۷، سنن ابن ماجہ: ۵۳۲، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۳۵۔۹۷، سنن دار قطنی، ج ۱، ص ۱۲۵) ۳۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۲۶۳، نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۸۲

دلائل: مسلک نمبرا جن کی تعداد چودہ ہے:

ا: ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بہ طور مہمان ٹھہرے، ان کو احتلام ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے سے منی دھو رہے تھے یا اس کپڑے کو دھو رہے تھے، اس باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر دی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے یاد ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتی تھی (یعنی دھوتی نہیں تھی)۔(۱)

ا: شعبہ نے حکم سے روایت کی اور پھر حکم نے اپنی سند سے اسی طرح روایات نقل کی۔(۲)

۳: زید بن ابی انیسہ نے حکم سے اور حکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۴: اعمش نے ابراہیم سے اور ابراہیم نے ہمام سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔(۳)

۵: زید نے اعمش سے اور اعمش نے اپنی سند کے ساتھ اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۶: ابراہیم نے اسود بن یزید اور ہمام سے اور انہوں نے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت نقل کی (۴)۔

۷: منصور نے ابراہیم سے اور ابراہیم نے ہمام سے اور ہمام نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۸: ہمام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کی البتہ اس روایت میں اس سے زیادہ کچھ نہ کرتی کہ اس کو کپڑے سے چھیل دیتی اور جب وہ خشک ہو جاتا تو اس کو مل دیتی۔(۵)

۹: اسود کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ اپنے کپڑے سے جنابت دھو رہا ہوں تو ارشاد فرمایا مجھے تو یہ معلوم ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو جنابت پہنچ جاتی تو اس طرح کرتے اور بس ان کی مراد یہ تھی کہ ہم فقط اس کو خوب مل دیتے۔ کسی چیز کو اس قدر ملنا کہ چھلکے سے نکل آئے۔(۶)

۱۰: عطاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اس (منی) کو چھیل دیا کرتی تھی۔

۱۱: حارث بن نوفل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی روایت نقل کرتے ہیں۔(۷)

۱۲: عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے منی کو چھیل دیا کرتی تھی ہماری چادر اس وقت اون کی ہوتی تھی۔(۸)

۱۳: عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی چھیل دیتی تھی جبکہ وہ خشک ہو جاتی اور جب وہ تر ہوتی تو اس کو دھو ڈالتی یا پونچھ دیتی یہ حمیدی کو شک ہے کہ کون سے لفظ بشر نے فرمائے۔(۹)

ا۔مسلم ۱۰۵، ابوداؤد ۳۶۱، نسائی ۱۸۶، مسند احمد، ج ۶ ص ۳۵۱　۲۔ابوداؤد: ۳۵۱۱　۳۔ترمذی، ۳۱۱　۴۔مسلم: ۱۳۰۱

۵۔ابوداؤد طیالسی: ۶۲۹۹۱، مسند احمد: ۱۰۱　۷۔نسائی: ۵۶　۸۔مسند احمد: ۲۶۳۶　۹۔دار قطنی: ۱۳۱۱

۱۴: ابوشقالہ نخعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ وہ فرماتی تھیں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو چھیل دیا کرتی تھی (جبکہ وہ خشک ہو جاتی) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ منی پاک ہے اور یہ پانی کو ناپاک نہیں کرتی جب پانی میں گر جائے اور اس کا حکم رینٹھ والا ہے۔ مندرجہ ذیل بالا آثار کو انہوں نے دلیل بنایا۔ دیگر علماء نے ان سے اس سلسلے میں اختلاف کیا اور انہوں نے اس کو نجس قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ان آثار میں تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ روایات نیند والے کپڑوں کے سلسلے میں وارد ہیں، نماز کی ادائیگی والے کپڑوں میں نماز کی ادائیگی والے کپڑوں کے متعلق نہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ پیشاب، پاخانے اور خون سے ملوث کپڑوں میں نیند کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان میں نماز درست نہیں۔ منی کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ احادیث ہمارے خلاف تب دلیل بن سکتی ہیں اگر ہم یہ کہتے کہ نجس کپڑوں میں سونا درست نہیں ہے۔ جب ہم اس کو مباح قرار دیتے ہیں اور جو تم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات نقل کی ہیں ان کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے خلاف یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے کپڑوں میں نماز درست نہیں تو ہم اس سلسلے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کی مخالفت کرنے والے نہیں ٹھہرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے کا وہ عمل مروی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز والے کپڑوں کو جب منی پہنچ جاتی تو وہ اختیار فرماتی تھیں۔

حاصل روایت:

ان روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ منی خشک ہونے کی صورت میں کپڑے سے چھیل دی جاتی اور تر ہوتی تو دھو دی جاتی ہے یا پونچھ دی جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ دھونا لازمی نہیں تو منی پاک ہے پس اگر پانی میں پڑ جائے تو وہ پلید نہ ہوگا یہ رینٹھ کی طرح ہے یہ فریق اول کے دلائل کا حاصل ہے۔

جواب:

امام طحاوی فرماتے ہیں فریق ثانی منی کو ناپاک کہتے ہیں اور تر ہونے کی صورت میں دھونے اور خشک ہونے کی صورت میں چھیلنے کو بھی درست قرار دیتا ہے ان کے قول کو اختیار کرنے کی صورت میں ان روایات کا جواب یہ کہ ان میں ہمارے خلاف دلیل بالکل نہیں کیونکہ ان میں جن کپڑوں کا تذکرہ وارد ہے وہ ثیاب نیند ہیں نہ کہ ثیاب صلاۃ۔ ثیاب نوم میں خشک منی کو کھرچ ڈالنے کے بعد اسی میں سو جانے میں کوئی حرج نہیں نماز والے کپڑوں کے سلسلہ میں یہ چیز وارد نہیں ہوئی بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ پاخانہ پیشاب وخون والے کپڑوں میں سونا ممنوع نہیں البتہ ان میں نماز کے جواز کا کوئی قائل نہیں پس نماز والے کپڑوں میں منی کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے یہ روایات ہمارے خلاف دلیل نہیں بن سکتیں یہ اس وقت ہمارے خلاف ہوتیں جب ہم کہتے کہ نجس کپڑوں کے ساتھ نیند کرنا درست نہیں۔

جب ہم اس کے قائل ہیں تو ہم بھی ان روایات کے عامل ہیں البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کپڑوں میں نماز درست نہیں نماز والے کپڑوں کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل کیا تھا وہ ملاحظہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل روایات زیر غور ہیں۔

فریق نمبر ثانی کے مسلک کی تائیدی روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت سلیمان بن یسار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی تھیں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھوتی تھی پس آپ نماز کے لئے نکلتے اور پانی کے اثرات کپڑے میں ظاہر ہوتے تھے۔(۱)

۲۔ ابومعاویہ نے عمرو سے اور عمرو بن میمون نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔(۲)

۳۔ یدیز بن ہارون نے عمرو بن میمون سے اپنی اسناد سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کپڑے کو دھو ڈالتیں جب نماز والے کپڑے کو منی پہنچ جاتی اور جس کپڑے میں نماز ادا نہ فرماتے اس سے منی کھرچ ڈالتیں اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کے مواقف کی روایت وارد ہے۔(۳)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان روایات ثلاثہ سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نماز والے کپڑے کو دھو ڈالتیں اور سونے والے کپڑے سے منی کو چھیل دیتی بات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے بھی ثابت ہورہی ہے۔

۴۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کیا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے جس میں تمہارے ساتھ آرام فرماتے وہ کہنے لگیں جی ہاں اسی میں نماز پڑھ لیتے اگر اس میں کوئی گندگی (منی وغیرہ) نہ پہنچی ہوتی۔(۴)

۵۔ حضرت عمرو بن میمون اور ابن الہیعہ اور لیث نے یزید بن ابی حبیب سے اپنی سند کے ساتھ اسی طرح روایت نقل کی ہے۔(۵)

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کے موافق روایت وارد ہے جو ذیل میں ملاحظہ ہو۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن شقیق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی لپیٹنے والی بڑی چادروں میں نماز نہ پڑھتے تھے۔(۶)

لحف ولحاف، لپٹنے والی بڑی چادر:

۷۔ شعبہ نے اشعث سے اور انہوں نے اپنی اسناد سے اسی طرح روایت نقل کی ہے مگر لحف کی بجائے لحفنا کا لفظ ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: ہیں ان مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑے میں نماز نہ ادا فرماتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند کرتے جبکہ جنابت میں سے کوئی چیز اس کپڑے کو لگ جاتی اور اسود وہمام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی وہ نیند والے کپڑے ہیں نماز والے کپڑے نہیں۔ پہلے قول والوں کی دوسرے قول والے لوگوں کے خلاف دلیل مندرجہ ذیل روایات ہیں۔

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے میں ان روایات سے بھی اس بات کی تائید مل گئی کہ آپ اس کپڑے میں جس میں آرام فرماتے اگر جنابت وغیرہ سے کوئی چیز اس کو لگ جاتی تو آپ اس میں نماز والے کپڑوں سے متعلق نہیں ہے۔

۱۔ بخاری ۶۳، مسلم ۲۰۸، ابوداؤد: ۳۳، ۱۳، ترمذی ۸۶، نسائی: ۱۸۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۲۔ بیہقی فی السنن الکبری: ۳۱۸۲ ۲۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۸

۳۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۱۳۲ ۴۔ ابوداؤد: ۱۳۱، نسائی: ۱۷۸، ابن ماجہ: ۸۳، دارمی: ۱۰۶ ۵۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳ ص ۲۲۰، ۶۔ ابوداؤد: ۱۳۲

روایت نمبر ۲۷۰ سے خاص طور پر اور دیگر روایات سے منی کا ناپاک ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کو حیض کی طرح اذی سے تعبیر فرمایا ہے
فریق اول کی طرف سے مندرجہ پانچ روایات اپنے مستدل کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔

۸۔ حضرت ابراہیم نے علقمہ اور اسود سے اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ میں خشک منی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے انگلیوں سے چھیل دیا کرتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھتے اور اس کپڑے کو دھوتے نہ تھے۔(۱)

۹۔ حضرت ابراہیم نے ہمام سے اور انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح نقل کی ہے۔

۱۰۔ حضرت براہیم نے اسود سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ میں (خشک) منی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے چھیل دیا کرتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

۱۱۔ مجاہد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔(۲)

۱۲۔ حضرت قاسم بن محمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آثار ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز والے کپڑوں سے بھی منی کو اسی طرح کھرچ دیا کرتی تھیں جیسا کہ نیند والے لباس سے۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں ہمارے نزدیک کوئی ایک روایت بھی منی کی طہارت کو ثابت نہیں کرتی، اس لیے کہ یہ عین ممکن ہے کہ وہ اس طرح کھرچ دیتی ہوں کہ جس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہو۔رہی منی تو وہ نجس ہے جیسا کہ جوتے کو نجاست لگنے کے سلسلہ میں مروی ہے۔(۳)

خلاصہ روایت خمسہ:

ان روایات بالا سے معلوم ہوا کہ خشک منی کو کپڑے سے کھرچ دیا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔جیسا کہ نیند والے کپڑے کو منی لگ کر خشک ہو جائے تو اس کو بھی چھیل دینے سے کپڑا پاک ہو جائے گا اور نماز پڑھی جا سکے گی۔

اشکال: فریق اول کے علماء کہتے ہیں جب صرف کھرچنے پر اکتفا کر کے بغیر دھوئے آپ نماز پڑھ لیا کرتے تھے تو ثابت ہوا کہ منی پاک ہے۔

حل اشکال:

ان روایات میں تو منی کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے منی ناپاک ہے اسے پاک کرنے کے دو طریقے ہیں۔نمبر ایک دھوڈالیں نمبر دو رگڑ کر آثار کو دور کر دیا جائے اس کی نظیر جوتا ہے جس کو اذی پہنچ جائے تو زمین پر رگڑنے سے وہ پاک ہو جائے گا۔پس روایات میں رگڑنے کا تذکرہ اس کا ثبوت نہیں کہ وہ منی پاک ہے جیسے کہ رگڑ کر جوتے کے پاک ہو جانے سے کوئی بھی گندگی پاک پاک نہیں کہتا۔اسی طرح ہم منی کے سلسلے میں عرض کریں گے کہ وہ فی نفسہ نجس ہو اور کپڑے سے اس کا ازالہ رگڑنے سے ہو جائے اور کپڑا پاک شمار ہو۔

مس اذیٰ والی روایت اس طرح ہے:

☆ سعید مقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو موزہ یا جوتا ایذاء

۱۔ابوداؤد: ۳۳۴، مسند احمد، ج ۶ ص ۱۲۵، ۳۲۱　۲۔ ابوعوانہ، ج ۱ ص ۱۷۳　۳۔ ابوداؤد الطیالسی، ج ۱ ص ۲۰۲

(پاخانہ وغیرہ) سے ملوث ہو جائے تو مٹی ان کے لیے طہارت کا باعث ہے (مٹی کے رگڑ جانے کے بعد پاک ہو جائیں گے) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مٹی ان دونوں کو دھونے کے بجائے خود پاک کرتی ہے۔ اس میں بذات خود نجس کے پاک ہونے کی تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح جو کچھ ہم نے منی کے متعلق نقل کیا ہے' ممکن ہے کہ ان کے ہاں اس کا حکم بھی اسی طرح ہو کہ اسے کھرچ کر دور کر دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن بذات خود وہ ناپاک ہے جس طرح جوتے سے نجاست کا ازالہ کر دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے حالانکہ نجاست بذات نجس و ناپاک ہی ہو۔' ہمیں ان آثار مرویہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ منی اگر کپڑے کو لگ جائے تو کپڑے کو اس سے پاک کرنے کا ایک طریقہ کھرچنا بھی ہے جبکہ منی خشک ہو جائے اور یہ چیز اس کے دھونے کی بجائے کفایت کر جائے گی۔ ان میں سے کسی بھی روایت میں ذاتی لحاظ سے منی کا حکم موجود نہیں کہ وہ پاک ہے یا ناپاک۔ چنانچہ اس کی نجاست کی طرف جانے والے علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی روایت بیان کی ہے جو ان کے ہاں اس کے نجس ہونے کو ثابت کرتی ہے۔' (۱)

مٹی سے موزے وغیرہ کا بغیر دھوئے پاک ہو جانا پاخانہ کی طہارت کی دلیل نہیں، اس طرح منی سے بغیر دھوئے صرف رگڑ سے کپڑے کا پاک ہونا اس کی طہارت کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ روایات بالا سے منی کے طاہر یا نجس ہونے کا کوئی حکم بھی معلوم نہیں ہوتا۔

مالکیہ کا ایک کمزور استدلال اور اس کی تردید:

فذھب' ذاھب سے امام طحاوی نے مالکیہ کے استدلال کی طرف اشارہ فرمایا ان کی مستدل روایت یہ ہے۔

۱۔ قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے منی کے متعلق فرمایا جبکہ وہ کپڑے کو لگ جائے تو فرمایا جب تم دیکھو اس کو خوب دھوڈالو اگر نظر آئے اور جب نظر نہ آئے تو دھولو۔

لغات: فانضحہ۔ نضح دھونے کے معنی میں آتا ہے چھڑکنا نہیں۔

۲۔ اسی طرح شعبہ نے اپنی سند کے ساتھ اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

۳۔ شعبہ نے اپنی اسناد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس سے منی کے نجس ہونے کی دلالت مل گئی' اسے کہا جائے گا کہ جو کچھ آپ ذکر کر رہے ہیں اس میں اس کی دلیل نہیں ہے کیونکہ بقول آپ کے اگر ان کے ہاں اس کا حکم پیشاب' پاخانہ خون والا ہے تو وہ ضرور تمام کپڑے کو دھونے کا حکم کرتیں اس لیے کہ اس کی جگہ نامعلوم تھی۔ ذرا آپ خود غور فرمائیں کہ اگر اس کے کپڑے کو پیشاب کے قطرات پہنچ جائیں اور وہ جگہ مخفی ہو اس پر فقط پانی بہا دینا اس کو پاک نہیں کر سکتا بلکہ پورے کپڑے کو دھونا ضروری ہے۔

تاکہ نجاست سے اس کا پاک ہونا ظاہر ہو جائے۔ جب منی کا حکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں فقط پانی بہا دینا ہے جبکہ کپڑے میں اس کی جگہ معلوم نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کے ہاں اس کا حکم تمام نجاستوں سے مختلف ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا بھی اس میں اختلاف روایات میں آیا ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فی نفسہ منی ان کے ہاں ناپاک ہے۔

۱۔ ابوداؤد: ۳۸۵

جواب: ان روایات میں تو نجاست منی کی دلیل نہیں پائی جاتی اس کی دلیل یہ کہ اگر منی کا حکم بھی ان کے ہاں دیگر نجاست بول و براز اور خون کی طرح ہوتا تو وہ نجاست کا مقام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تمام کپڑے کو دھونے کا حکم فرماتیں کیونکہ جب کسی کپڑے کو پیشاب لگ جائے اور اس کی جگہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو تو اس سارے حصے یا کپڑے کو دھونا لازم ہے تاکہ نجاست سے اس کے پاک ہونے کا یقین ہو جائے۔ مگر یہاں منی لگنے کا مقام نا معلوم ہونے کی صورت میں انہوں نے نضح کا حکم دیا ہے پس اس سے امر واضح ہو گیا کہ اس کا حکم ان کے ہاں دیگر نجاست کی طرح نہیں ہے۔

آسان توضیح:

یہ کہ کپڑا اپنے اصل کے لحاظ سے پاک ہے اور اس پر یقین ہے اور نجاست کا معاملہ مشکوک ہے اور شک سے یقین بدل نہیں سکتا اس لیے انہوں نے پانی چھڑکنے کا حکم رفع وساوس کے لیے کیا ہے۔

ایک وضاحت:

منی کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے مندرجہ روایات اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

☆ حضرت مصعب اپنے والد سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے کپڑے سے جنابت کو کھرچ دیتے تھے۔ اس عمل میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اپنے کپڑے سے اس کو اس لیے کھرچتے تھے اور وہ ان کے ہاں طاہر ہے اور ان کے فعل میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ جوتے سے لگے ہوئے گوبر کو زمین پر رگڑ دینے کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اس بناء پر نہیں کہ وہ ان کے ہاں پاک ہے۔ (۱)

امام طحاوی فرماتے ہیں:

اس روایت میں دو احتمال ہیں نمبر ا منی کو وہ کھرچ ڈالتے دھونے کی ضرورت نہ خیال کرتے تھے۔ کیونکہ کہ وہ ان کے ہاں پاک تھی۔ نمبر ۲۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نجس خیال کرتے ہوں مگر جس طرح گوبر جوتے پر لگ جائے تو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو اس طرح منی سے کپڑا بھی کھرچنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

ا۔ حضرت یحییٰ بن عبدالرحمان بن حاطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ کیا اس قافلے میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پانی کے قریب رات کے پچھلے حصہ قیام فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا۔ صبح قریب ہو گئی قافلے میں پانی موجود نہ تھا پس آپ سوار ہو کر پانی کے پاس آئے پس احتلام کے اثر کو اپنے کپڑے سے دھونے لگے یہاں تک کہ سپیدا ہو گیا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ نے صبح کر دی ہمارے پاس کپڑے ہیں (وہ لے لیں) اور اپنے کپڑے کو (فی الحال) رہنے دیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں احتلام کو جو اثر نظر آتا ہے اس کو دھوتا ہوں اور جو نظر نہیں آتا (محض شبہ پڑتا ہے) وہاں پانی چھڑکتا ہوں (تاکہ وسوسہ نہ ہو)۔ (۲)

ا۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطھارۃ، ج ا ص ۸۴　　۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الطھارۃ، ج ا ص ۸۳ عبدالرزاق ج ا ص ۳۷۰

۲۔حضرت زید بن الصلت کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جرف کی طرف گیا آپ نے اپنے کپڑے کو دیکھا تو احتلام کا اثر نظر آیا حالانکہ آپ نے غسل نہ کیا تھا آپ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے احتلام ہو گیا ہے اور مجھے معلوم بھی نہیں ہوا اور میں نے نماز پڑھ لی حالانکہ میں نے غسل نہ کیا تھا پس آپ نے غسل کیا اور کپڑے پر جہاں احتلام کا اثر نظر آیا اس کو دھو ڈالا اور جہاں نظر نہ آیا وہاں پانی چھڑک دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس عمل میں یہ احتمال ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ میں اس مقام پر پانی چھڑک لیتا ہوں جہاں کوئی نجاست کا اثر نظر تو نہیں آتا لیکن وہم ہے تاکہ یہ شک جو ہے منقطع ہو جائے اور دوبارہ لوٹانے کو وہم ہو تو یہ سمجھیں کہ یہ پانی کی تری ہے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے منی کا ناپاک ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور دیگر حضرات کا انکار نہ کرنا بھی تائید کی دلیل ہے البتہ نضح کا معاملہ تو وہ دفع وسوسہ کے لیے تھا تاکہ جہاں اثر جنابت یقینی معلوم ہو تو اس کو دھو لیا جائے اور جہاں اثر نہ ہو اور پھر وسوسہ اندازی کے خطرہ سے بچنے کے لیے وہاں پانی چھڑک دیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ تو پانی کا اثر ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ وہ منی کو نجس سمجھتے تھے۔

۳۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب منی کپڑے کو لگ جائے تو اسی مقام کو دھو ڈالو ورنہ تمام کپڑے کو دھو ڈالو۔(۲)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسے نجس خیال کرتے ہیں۔

۴۔ سعید بن جبیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں (کہ وہ منی کے متعلق فرمانے لگے) اس کو اذخر کے ساتھ پونچھ دو۔ اس میں یہ دلالت ہے کہ وہ اس کو پاک قرار دیتے تھے۔(۳)

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ منی ان کے ہاں پاک ہے۔

:۵ حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

:۶ حضرت جبلہ بن سحیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی منی کے متعلق سوال کیا جو کپڑے کو لگ جائے تو فرمایا اس کو پانی سے دھو ڈال۔ اس میں یہ بھی جائز ہے کہ نضح کا معنی غسل (دھونا) ہو کیونکہ نضح کا غسل پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (انی اعرف مدینہ یضح البحر بجا نبھا) یعنی میں ایک ایسا شہر کو جانتا ہوں جس کے ایک کنارے کو سمندر ٹکراتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور کچھ مراد لی ہو۔(۴)

☆ اس روایت میں دو احتمال ہیں نمبر ا: نضح سے دھونا مراد لیا جائے کیونکہ نضح اس معنی میں مستعمل ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اس روایت کو (۵) میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے (۶)''میں عمان کے اضافے کے ساتھ مذکور ہے معنی یہ ہے میں ایک ایسے شہر کو جانتا ہوں جس کے پہلو میں سمندر لہریں مارتا ہے۔

ا۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ا، ج ۸۲ ۲۔ ایضاً ص ۸۲ ۳۔ ایضاً ص ۸۵

۴۔ ایضاً ص ۳۸ ۵۔ مسند احمد، ج ا، ص ۴۴ ۶۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۳۰

دوسرا احتمال:

ممکن ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد چھڑکنا ہو۔

۱۔ حضرت عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت سوال کیا گیا جبکہ میں ان کے پاس تھا کیا کوئی مرد اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے جس کپڑے میں لپٹ کر وہ اپنے گھر والوں سے جماع کرتا ہے انہوں نے فرمایا اس میں اگر کوئی گندگی کا نشان نہ پائے تو نماز پڑھ لے اور اگر کوئی نشان پائے تو اسے دھو ڈالے اور اس پر پانی نہ چھڑکے کہ چھڑکنے سے گندگی میں اضافہ کرے (یعنی پھیلاؤ ہو جائے) گا۔(۱)

۲۔ حضرت عبدالکریم بن رشید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس چادر کے متعلق دریافت کیا گیا جس کو جنابت لگ جائے مگر جگہ معلوم نہ ہو تو فرمایا اس چادر کو دھو ڈالے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس مسئلہ میں یہ اختلاف ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات میں کوئی دلیل بھی اس حکم کو ثابت نہیں کرتی کہ وہ کیا ہے؟ تو اب ہم نے غور و فکر سے اس کو جانچا تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ منی کا نکلنا سخت قسم کے احداث میں سے ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی طہارت کا استعمال لازم ہو جاتا ہے۔ اب ہمیں ان اشیاء کو دیکھنا چاہیے جن کا نکلنا باعث حدث ہے کہ ان کا حکم ذاتی لحاظ سے گندگی ہے، اسی طرح حیض و استحاضہ بھی حدث ہیں اور وہ ذاتی لحاظ سے پلید ہیں اور غور کرنے سے رگوں کا خون بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ پس جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ جس چیز کا نکلنا حدث ہو وہ ذاتی لحاظ سے نجس ہے اور یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ منی کا نکلنا حدث ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ذاتی طور پر نجس ہے۔ غور و فکر کا یہ تقاضا ہے' البتہ ہم نے اس کے رگڑنے کو جب کہ وہ خشک وہ مباح قرار دیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے اتباع کے پیش نظر ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے ارشادات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک رہے س کا دھونا ضروری ہے۔

حاصل روایات یہ ہے:

کہ حضرت ابن عباس کے فتویٰ سے منی کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ جات سے اس کا ناپاک ہونا ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال میں ہر دو قول کی گنجائش ہے جب صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کے مابین یہ اختلاف پایا گیا اور کوئی صریح قولی روایت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد نہیں تو اب کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لیے ہمیں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

طحاوی کی نظری دلیل:

جسم سے نکلنے والی ان چیزوں کا جائزہ لیا جو کہ حدث کا باعث بنتی ہیں چنانچہ پاخانہ' پیشاب حیض کا' نفاس کا خون' رگوں سے نکلنے والا خون

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطہارۃ: ج ۱ ص ۸۳ ۲۔ ایضاً ص ۸۳

یہ تمام خود بھی نجس ہیں اور یہ حدث ہیں تو یہ بات نظری طور پر ثابت ہوگئی کہ جس چیز کا خروج باعث حدث ہو وہ نجس ہے اور یہ بات تو مسلم ہے کہ منی کا خروج حدث کا قوی باعث ہے تو یہ بات خود ثابت ہوگئی کہ وہ بذات خود بھی نجس ہے اس امت کے لیے احکام کے سلسلہ میں آسانی کی گئی اس لیے جب وہ خشک ہو جائے تو اس کے کھرچ دینے سے سہولت کے لیے کپڑے کو پاک قرار دیا گیا اور وہ روایات میں موجود ہے اس کی اتباع ضروری ہے۔ یہی ہمارے ائمہ امام ابوحنیفہ ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔(۱)

منی کے ناپاک ہونے میں احناف کا موقف: اور باقی کے جوابات:

منی کے طاہر یا نجس ہونے میں مذاہب فقہاء:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی لکھتے ہیں۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا منی طاہر ہے یا نجس ہے امام مالک لیث اوزاعی ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ منی نجس ہے مگر امام مالک کے نزدیک منی تر یا خشک اس کو دھونا ضروری ہے اور ان کے نزدیک خشک منی کو کھرچنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدک تر منی کو دھویا جائے اور خشک منی کو کھرچ دینا کافی ہے اور امام شافعی امام احمد اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ نے یہ کہا کہ منی طاہر ہے اس کو کپڑے سے کھرچ دیا جائے اور اگر نہ کھرچے تب بھی کوئی خرج نہیں ہے صحابہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک منی کو کھرچنا جائز ہے حضرت ابن عباس فرماتے تھے: تم منی کو کسی کپڑے سے یا کسی تنکے سے کھرچ دو اور اگر اس کو نہ دھوؤ تو کوئی حرج نہیں (۲)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: منی طاہر ہے اور امام احمد سے دوسری روایت ہے کہ یہ خون کی مثل نجس ہے اور مذہب میں پہلی روایت مشہور ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔(۳) فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا استدلال باب مذکور کی حدیث سے ہے اور فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے۔

منی کی طہارت پر امام شافعی اور امام احمد کے دلائل:

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بہ طور مہمان ٹھہرے ان کو احتلام ہو گیا حضرت عائشہ کی باندی نے دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے سے منی دھو رہے تھے یا اس کپڑے کو دھو رہے تھے اس باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر دی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتی تھی (یعنی دھوتی نہیں) تھی۔(۴)

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۱۳۵۔ ۱۵۱ ۲۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۵۰۔ ۳۴۹ ۳۔ المغنی، ج ۲، ص ۲۸۷

۴۔ صحیح مسلم: ۱۰۶۔ ۱۰۵، ۶۶۷ سنن ابوداؤد: ۳۷۱ سنن نسائی: ۲۹۴ سنن ترمذی: ۱۱۷ سنن ابن ماجہ: ۵۳۶، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۳۵۔ ۹۷۔ ۳۵ سنن دار قطنی ج ۱، ص ۱۲۵

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے منی کھرچ دیتی تھی اور ہمارے پاس ان دنوں اونی چادر تھی (۱)

علماء احناف کی طرف سے مذکورہ دلائل کے جوابات

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی فرماتے ہیں

منی نجس ہے اور آثار سے امام شافعی اور امام احمد استدلال درست نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس چادر اور جس کپڑے سے منی کھرچنے کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے سونے کے کپڑے تھے، نماز پڑھنے کے کپڑے نہیں تھے نماز پڑھنے کے کپڑوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دھوتی تھیں۔ (جیسا کہ اس باب کی حدیث ہے) اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن کپڑوں میں پاخانہ اور پیشاب کی نجاست ہو، ان کو پہن کر سونے میں بھی خرج نہیں ہے، تو منی آلودہ کپڑوں کو پہن کر سونے میں بھی کوئی خرج نہیں ہے۔ (۲)

علامہ غلام رسول سعیدی کا موقف:

مصنف کے نزدیک یہ آثار امام ابوحنیفہ کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: میں ان کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھی اور گیلی منی کو نہیں کھرچا جاتا' خشک منی کو ہی کھرچا جاسکتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک منی کو کپڑے سے کھرچ دینا کافی ہے سو یہ آثار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہیں البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہیں' کیونکہ وہ خشک منی کو کھرچنے کے قائل نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہتے ہیں کہ منی پاک ہے ان کا مدعا تب ثابت ہوگا، جب یہ ثابت ہو کہ کپڑے سے منی کو دھوئے یا کھرچے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منی آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی ہو اور یہ ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا خلاف ثابت ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے جن کپڑوں کے ساتھ تیمم سے مجامعت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! جب ان کپڑوں پر نجاست نہ لگی ہو۔ (۳)

حضرت ام حبیبہ نے فرمایا: ہاں جب ان کپڑوں پر نجاست نہ لگی ہو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک منی نجس ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منی آلودہ کپڑے کو دھونا یا اس سے منی کھرچنا۔

بہ کثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ منی آلودہ کپڑوں سے منی کو دھوتے تھے اور اگر منی خشک ہو تو اس کو کھرچتے تھے:

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے کپڑے میں جنبی ہو جائے پھر وہ اس میں (منی کا) نشان دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو دھولے اور اگر اس کو اس کپڑے پر نشان نہ دکھائی دے تو وہ اس کپڑے کو بھگو کر دھوئے۔ (۴)

۱۔ مسند احمد، ج۶، ص۲۶۳　　۲۔ شرح معانی الآثار، ج۱، ص۶۲

۳۔ سنن ابوداؤد: ۳۶۶، سنن نسائی: ۲۹۳، سنن ابن ماجہ: ۵۴۰　　۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۹۷

حضرت عبداللہ بن عوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنابت سے آلودہ کپڑوں سے متعلق کہتے تھے: اگر تم منی کا نشان دیکھو تو اس کو دھو لو اور اگر تم کو معلوم ہو کہ اس پر منی لگی ہے پھر تم کو نظر نہیں آئی تو پورے کپڑے کو دھو لو اور اگر تم کو شک ہو کہ کپڑے پر منی لگی ہے یا نہیں تو اس کپڑے کو پانی میں بھگو لو۔(۱)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: اگر تم سے منی لگنے کی جگہ چھپ جائے اور تم کو یقین ہو کہ منی لگی تھی تو تم پورے کپڑے کو دھوؤ۔(۲)

عبدالکریم بن رشید بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے کپڑے میں جنبی ہو گیا اور اس کو منی کا نشان نظر نہیں آیا اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ پورے کپڑے کو دھوئے گا۔(۳)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مین نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے کپڑے میں منی لگی ہو تو میں اس کو کس طرح (پاک) کروں؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہاتھ سے پانی لے کر اس جگہ کو دھوؤ جہاں تم دیکھو کہ (منی) لگی تھی۔(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کو دھونے کا حکم دیا ہے اور اس سے حافظ ابن حجر کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ حدیث میں منی کو دھونے کا فعل ہے اور اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔(۵) کیونکہ اس حدیث میں منی کو دھونے کا حکم ہے اور اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے

الحکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے سے احتلام کے نشان کو دھوتے تھے۔(۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی۔(۷)

ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق بہ کثرت احادیث اور آثار ذکر کیے ہیں کہ منی آلودہ کپڑے کو دھویا جاتا تھا یا خشک منی کو اس سے کھرچ دیا جاتا تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منی نجس ہے اور جو لوگ منی کو طاہر کہتے ہیں، وہ کوئی ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تر منی کو دھوئے بغیر یا خشک منی کو کھرچے بغیر اس منی آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔

منی کے نجس ہونے پر عقلی دلیل:

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی مصری فرماتے ہیں:

جو چیز وضو توڑنے کا سبب ہوتی ہے وہ نجس ہوتی ہے، جیسے پیشاب، پاخانہ اور خون اور منی کا خروج بھی وضو توڑنے کا سبب ہے، اس لیے ضروری ہے کہ منی کا خروج بھی فی نفسہ نجس ہو۔(۸)

منی کے طاہر ہونے پر فقہاء شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

علامہ ابو الحسن بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۹۹　۲۔ ایضا: ۹۰۰　۳۔ ایضا: ۹۰۲
۴۔ ایضا: ۹۰۹　۵۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۶۰　۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۹۱۴
۷۔ ایضا: ۹۱۷　۸۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۶۷

وہ کہتے ہیں کہ منی سے طاہر جان دار پیدا ہوتا اس لیے اس کو طاہر ہونا چاہیے ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات طاہر چیز نجس چیز سے پیدا ہوتی ہے جیسے دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ منی انبیاء علیہم السلام کا مبدء ولادت ہے اس لیے اس کو طاہر ہونا چاہیے ہم کہتے ہیں کہ پھر علقہ (جما ہوا خون) کو بھی طاہر کہیں، کیونکہ وہ اقرب مبدأ ولادت ہے کیونکہ منی جما ہوا خون بنتی ہے، پھر وہ گوشت بنتی ہے اور پھر اس میں ہڈیاں بنتی ہیں پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے نیز جس طرح منی انبیاء علیہم السلام کا مبدء ولادت ہے اسی طرح وہ کافروں، مشرکوں، منافقوں اور اللہ کے دشمنوں فرعون اور ابوجہل وغیرہ کا بھی مبدء ولادت ہے لہٰذا اس کو نجس کہنا واجب ہے نیز شہوت سے منی کا خروج ہوتا ہے، جس کے بعد غسل واجب ہوتا ہے اس لحاظ سے بھی منی کو نجس ہونا چاہیے۔

وہ کہتے ہیں کہ انڈا مرغ کا مادہ منویہ ہے اور وہ پاک ہے اس لیے منی کو پاک ہونا چاہیے ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ انڈا حلال ہے اور کھایا جاتا ہے تو کیا یہ لوگ منی کو بھی حلال سمجھ کر کھائیں گے، نیز ہم کہتے ہیں کہ کبھی پاک چیز متغیر ہو کر نجس ہو جاتی ہے جیسے غذا اور پانی پیٹ میں جا کر جب پاخانہ اور پیشاب کی صورت میں متغیر ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتی اور کبھی نجس چیز متغیر ہو کر پاک ہو جاتی ہے جیسے خون متغیر ہو کر دودھ بن جاتا ہے اور مرغا کا مادہ منویہ متغیر ہو کر انڈا بن جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے اور مٹی اور پانی طاہر ہیں لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام بھی طاہر ہیں ہم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کون نجس کہتا ہے لیکن عام انسان مٹی اور پانی سے نہیں پیدا ہوتے۔ اور انسان بھی پاک ہے لیکن اس سے کچھ پاک چیزیں نکلتی ہیں جن سے وضوء نہیں ٹوٹتا جیسے دودھ پسینہ، آنسو تھوک، رینٹھ اور بلغم اور کچھ ناپاک چیزیں نکلتی ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے پیشاب پاخانہ حیض کا خون مذی اور منی ہے اور اس سے واضح ہوا کہ منی ناپاک اور نجس ہے۔(۱)

قرآن مجید میں منی کو "ماء مھین" (۲) فرمایا یعنی انسان کو حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا کیا اور منی کو حقیر فرمانا بھی اس کی نجاست کی طرف اشارہ ہے۔(۳)

رطوبت فرج کی طہارت یا عدم طہارت کی تحقیق:

اس باب کی احادیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے خشک منی کھرچ دیا کرتی تھیں۔

علامہ نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت کی فرج کی رطوبت کی طہارت میں علماء کا اختلاف ہے، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ عورت کی فرج کی رطوبت طاہر ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے عورت کی فرج کی رطوبت پر استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں احتلام محال ہے کیونکہ وہ شیطانی خواب کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر جو منی تھی وہ جماع کے سبب سے تھی، اس وجہ سے وہ منی رطوبت فرج سے مل کر گذری اب اگر یہ رطوبت نجس ہوتی تو اس سے احتلام کی وجہ سے منی بھی نجس ہو جاتی اور اس کو کھرچنا کافی نہ ہوتا

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۵۱　۲۔ السجدہ ۸:۴۱　۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ٦۸۲

بلکہ دھونا پڑتا۔ اور جو علماء رطوبت فرج نجاست کے قائل ہیں وہ اس کے دو جواب دیتے ہیں، ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احتلام محال نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شیطانی خواب کی وجہ سے ہو بلکہ بعض اوقات بغیر کسی خواب کے منی زیادہ ہونے کی وجہ سے خارج ہو جاتی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ منی مقدمات جماع کی وجہ سے خارج ہوئی ہو اور رطوبت فرج سے مخلوط نہ ہوئی ہو۔ (۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی بن کعب انه قال یا رسول الله! اذا جامع الرجل المرأته فلم یغسل من مس المراته منه ثم یتوضا و یصلی قال ابو عبدالله الغسل احوط و ذاك الا خر :(۲)

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب کوئی مرد کسی عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: عورت کے ساتھ جماع کرنے سے اس کے عضو پر جو کچھ لگا ہے اس کو دھو لے اور وضو کر کے نماز پڑھے، امام بخاری نے کہا غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی آخری حکم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

عورت کے جسم سے اس کے عضو پر جو کچھ لگا ہے، اس سے مراد رطوبت فرج ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک رطوبت نجس ہے، علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کی فرج داخل کی رطوبت نجس ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ادخال کرے اور انزال سے پہلے عضو کو دھونا فرض ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرج در اصل بدن کی باقی رطوبتوں کی طرح ہے۔ (۳)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں فرج خارج کی رطوبت بالاتفاق طاہر ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے زیادہ صحیح (علامہ نووی نے زیادہ طاہر لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہ) یہ ہے کہ فرج کی رطوبت نجس نہیں ہے، علامہ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ سفید پانی ہے جو مذی اور پسینہ سے ملتا جلتا ہے اور یہ فرج کے باطن سے نکلتا ہے جس کا دھونا واجب نہیں ہے اور جو پانی فرج سے نکلے وہ قطعاً طاہر ہے اور باطن فرج کے ماوراء سے جو چیز نکلے اور قطعاً نجس ہے اور ہم باب الاستنجاء کے آخر میں ذکر کریں گے کہ بچے کی رطوبت، بکری کے بچہ کہ رطوبت طاہر ہے۔ (۴)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

فرج کی رطوبت نجس ہے، کیونکہ یہ فرج کے اندر ہوتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا، یہ مذی کے مشابہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طاہر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچتی تھیں اور وہ منی جماع سے تھی کیونکہ آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا

۱۔ شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۰　　۲۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳　　۳۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۸

۴۔ ردالمحتار، ج ۱ ص ۲۸۸،　　شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۹۷۶۔۹۷۷

اور وہ منی فرج کی رطوبت سے ملی ہوئی ہوتی تھی، پس اگر ہم رطوبت فرج کو نجس کہیں تو منی کو بھی نجس کہنا پڑے گا کیونکہ وہ منی عورت کی فرج سے نکلی تھی، پھر رطوبت سے مل کر وہ منی نجس ہو جائے گی۔(۱)

ظاہر ہے علامہ ابن قدامہ نے منی کا یہ حکم اپنے مذہب پر بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک منی طاہر ہے، اس لیے انہوں نے رطوبت فرج کو بھی طاہر قرار دیا ہے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ منی نجس ہے اس لیے رطوبت فرج بھی نجس ہوگی۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فرج خارج کی رطوبت طاہر ہوتی ہے، کیونکہ وضوء میں فرج خارج کو دھونا سنت ہے، اگر وہ نجس ہوتی تو اس کو دھونا فرض ہوتا، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ فرج خارج، خارج بدن کے حکم میں ہے، پس فرج خارج کی رطوبت اس طرح ہے، جس طرح منہ اور ناک کی رطوبت ہوتی ہے اور جس طرح بدن سے نکلنے والے پسینہ کی رطوبت ہوتی ہے۔(۲)

علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرج داخل کی رطوبت پاک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک فرج داخل کی رطوبت نجس ہے، لیکن جب جماع کے وقت مرد کے انزال کے بعد فرج سے رطوبت نکلے گی تو وہ منی سے مختلط ہوگی اور منی نجس ہے اس لیے وہ رطوبت بھی نجس ہو جائے گی اور اس صورت میں وہ رطوبت بالاتفاق نجس ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کی منی اور تمام فضلات امت کے حق میں طاہر ہیں لیکن آپ کے حق میں موجب حدث ہیں، اس لیے آپ پیشاب اور پاخانہ کے بعد استنجا کرتے تھے اور آپ کی منی آلودہ کپڑے تر ہوں تو ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دھوتی تھیں اور اگر خشک ہوں تو ان کو ناخنوں سے کھرچ دیتی تھیں۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

☆ حدیث نمبر ۲۹۳: اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ جماع کے وقت پہنا ہوا، ایسا کپڑا جس پر منی نہ لگی ہو، اس سے نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ آقا کریم ﷺ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے، جنھیں پہن کر پہلے جماع کرتے تھے، پھر اگر اس پر منی نہ لگی ہوتی تھی، تو اس سے نماز پڑھ لیتے تھے۔

☆ حدیث نمبر ۲۹۴: اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استنباط یہ ہے کہ کپڑوں پر اگر منی لگ جائے، تو اسے دھو لینا چاہیے، یہ غالباً تری کے بارے میں ہے۔

☆ حدیث نمبر ۲۹۵۔۳۰۰: ان چھ احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ کپڑے پر لگی منی کو اگر کھرچ لیا جائے تو وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ یہ غالباً خشک منی کے بارے میں ہے۔

۱۔ المغنی، ج ۲، ص ۲۸۴۔۲۸۳ ۲۔ رد المحتار، ج ۱، ص ۲۷۳ ۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۸۵

☆ منی کے بارے میں قرآن وحدیث میں نص صریح نہیں ہے اس لیے منی کے پاک وناپاک ہونے کے بارے میں علماء سلف وخلف کے دو مشہور موقف ہیں:

ا۔ منی کے پاک ہونے کے قائلین:

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سعد (احتمالاً)، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم (احتمالاً)، حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، حضرت ابوثور اور علامہ داؤد رحمہم اللہ ظاہری منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

۲۔ منی کے نجس ہونے کے قائل:

حضرت عمر فاروق، حضرت ابوھریرہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام لیث، امام اوزاعی، امام ثوری اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ (غیر متعلقہ) منی کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔

☆ علماء احناف کے نزدیک منی اگر تر ہو تو اس کو دھونا لازمی ہے، اگر خشک ہو تو اسے کھرچنا کافی ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں ہر حال میں دھونا لازم ہے۔

☆ منی کا حکم جسم سے نکلنے والی دوسری نجس پاخانہ، پیشاب، حیض، اور نفاس کے خون کی طرح ناپاکی کا ہے۔

☆ بیوی کو خاوند کے کپڑوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

☆ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں کو دھوتی اور صاف کرتی تھیں، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیویوں کو خاوندوں کے کپڑے وغیرہ دھونے چاہیے، اس سے باہمی پیار ومحبت بڑھتی ہے، البتہ بیویوں پر خاوند کے کپڑے دھونا شرعاً لازم نہیں ہے۔

☆ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کا امت محمدیہ پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے یہ مسائل بیان کرنے میں آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔

بَابُ بَوْلِ الصَّبِيِّ الَّذِي لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ — باب ۱۸۹: ایسا بچہ جو کھانا نہیں کھاتا، اس کے پیشاب کا حکم

جو بچہ دودھ پیتا ہو، اور اس نے ابھی کھانا شروع نہیں کیا، ایسے بچے کا پیشاب امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پاک ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ناپاک ہے، پھر ایسا بچہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب کردے، تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر صرف پانی چھڑکنا کافی ہے، اس سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ایسے کپڑے کو دھونا ضروری ہے، البتہ مل کر دھونا ضروری نہیں، صرف پانی ایک دفعہ بہا دینا بھی کفایت کر جائے گا۔

اس باب میں امام نسائی رحمہ اللہ پیشاب کے احکامات کا بیان شروع کر رہے ہیں، پچھلے باب میں منی کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں

پیشاب کا حکم بیان ہو رہا ہے، دونوں کا تعلق شرمگاہ سے نکلنے والی نجاستوں سے ہے۔

۳۰۱۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ :أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجْرِهِ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، دَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

حضرت ام قیس بنت محصن کا بیان ہے: وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر حضور کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اس بچے نے ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا، آقا کریم ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بیٹھالیا، اس لڑکے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے کپڑوں پر بہا دیا اور اسے (مل مل کر) دھویا نہیں۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری حصہ میں ہے:
آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اسے کپڑوں پر بہادیا، اور اسے (مل مل کر) نہیں دھویا۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۲۳، ۵۶۹۳، صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴، سنن ترمذی: ۷۱، سنن ابن ماجہ: ۵۲۴، مسند الحمیدی: ۳۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۱۲۰، الآحاد والمثانی: ۳۲۵۳، المنتقی: ۱۳۹، صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۵، مسند ابوعوانہ، ج ۱، ص ۲۰۲، شرح معانی الآثار: ۵۷۰، صحیح ابن حبان: ۱۳۷۳، المعجم الکبیر، ج ۵، ص ۴۳۶، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۱۴۱۴، شرح السنۃ: ۲۹۴، موطا امام مالک: ۱۱۰، مسند احمد: ۲۶۹۹۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲: مالک: راجع: ۱۱۷
۳۔ابن شہاب: راجع: ۱۱۶ ۴: عبیداللہ بن عبداللہ عتبہ: راجع: ۱۸۷
۵: ام قیس بنت محصن: راجع: ۲۹۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چوتھی (۱۰۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ حضرت ام قیس مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عکاشہ کی بہن ہیں۔
☆ حضرت عبداللہ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بھائی عتبہ بن مسعود کے پوتے ہیں۔
☆ امام محمد بن حلم شہاب زہری وہ عظیم ہستی ہیں۔
☆ جنہوں نے اولین احادیث مبارکہ کی تدوین پر کام شروع کیا تھا۔
☆ امام مالک امام دارالہجرہ اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔
☆ شیخ قتیبہ بن سعید بغلانی آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں، یہ تمام ان سے براہ راست روایات لیتے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

انھا اتت: بے شک وہ آئیں۔وہ حاضر خدمت ہوئیں
صغیر: چھوٹا
لم یا کل: نہیں کھاتا تھا
الطعام: کھانا
فا جلسہ: آپ ﷺ نے اسے بٹھالیا
حجرہ: اپنی گود
بال: اس نے پیشاب کر دیا
دعا بماء: آپ ﷺ نے پانی منگوایا
نضح: آپ ﷺ نے بہایا، چھڑکا، دھویا
لم یغسلہ: آپ ﷺ نے اسے دھویا نہیں

۳۰۲۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بچہ پیش کیا گیا، اس بچے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، اور اس پر بہا دیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ میں اگر چہ کھانا نہ کھانے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن بچہ سے مراد وہی بچہ ہے، جو کھانا نہیں کھاتا تھا، اس کے پیشاب کرنے کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب والے کپڑے پر پانی بہا دیا یہی باب کے ساتھ نسبت ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۰۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔ مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ ھشام بن عروۃ: راجع: ۱۴٦ ۴: عروۃ: ایضاً

۵: عائشہ: راجع: ۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایات خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو پانچویں (۱۰۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ یہ بیٹے (ھشام) کی باپ (عروہ) سے روایت ہے، اسی طرح یہ بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (عائشہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

اتی: لایا گیا، حاضر کیا گیا۔

فاتبعه اياه: آپ ﷺ نے پانی کو پیشاب پر بہایا

۷۔مسائل ونصائح:

تقدم:۳۰۳

۸۔خلاصہ:

ایضاً

بَابُ بَوْلِ الْجَارِيَةِ — باب ۱۹۰: بچی کے پیشاب کا حکم

یہاں پر مطلقاً بچی مراد ہے، وہ چاہے چھوٹی ہو یا بڑی۔ اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ بچی چھوٹی ہو یا بڑی عمر کی۔ اس کا پیشاب ناپاک ہے، اوراس سے آلودہ کپڑے کو دھونا واجب ہے، پچھلے باب میں مطلقاً بچی کے پیشاب کا حکم بیان ہو رہا ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے:

۳۰۳۔أَخْبَرَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ :حَدَّثَنِي مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو السَّمْحِ قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ

حضرت ابو سمح سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بچی کے پیشاب کی وجہ سے کپڑا دھویا جائے، اور بچے کے پیشاب کی وجہ سے پانی بہایا جائے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

بچی کے پیشاب کی وجہ سے کپڑا دھویا جائے۔

۲۔اطراف:

ابوداود:۳۷٦، ترمذی ٦۱۰، ابن ماجہ:۵۲٦، ابن خزیمہ:۲۸۳، السنن الکبریٰ:۲۹۳، دارقطنی:۲۲۳، حاکم:٦۰۴، ابن حبان:۱۳۷۵، بزار: ۷۷٦، تحفۃ الاشراف:۱۲۰۵۲۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔ مجاھد بن موسی: راجع: ۱۰۲ ۲۔ عبدالرحمن بن مھدی: راجع: ۱۱۹
۳۔ یحیی بن الولید: راجع ۲۲۴ ۴۔ محل بن خلیفۃ: ایضاً
۵۔ ابوالسمح رحمۃ اللہ علیہ ایضاً

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعات وشواھد کی بنا پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوچھٹی (۱۰٦) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ خماسیات میں سے ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت یحیی بن ولید کو امام نسائی اور ابن حجر عسقلانی نے لاباس کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
☆ حضرت ابوسمح صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ، مروی ہے، اس سے پہلے حدیث نمبر ۲۲۴ پر اس کا ایک حصہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، اور صیغہ تحدیث چار دفعہ استعمال ہوا ہے، سند میں سارے الفاظ روایت اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

٦۔ لغویات:

یغسل: دھویا جائے گا
بول: پیشاب
الجاریتہ: بچی۔ لڑکی
یرش: بہایا جائے گا۔ چھڑکا جائے گا
الغلام: لڑکا۔ مراد ہے دودھ پیتا بچہ

مسائل ونصائح:

شیرخوار بچے کا پیشاب سے آلودہ کپڑے کو دھونے کے بارے میں مذاہب فقہاء:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں (۱) کہ وہ بچہ جو دوسال سے کم کا ہو اور دودھ کے علاوہ کچھ نہ لیتا ہو اس کے پیشاب اور قے سے ناپاک شدہ

۱۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۸۴، کشف القناع ج ۱، ص ۲۱۷ المھذب، ج ۱، ص ۴۹

چیز پر صرف پانی کا چھڑکاؤ کافی ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ دودھ کے علاوہ کچھ اور نہ کھا لینے کی شرط میں تحنیک کے لئے تالو میں لگائی کھجور داخل نہیں (یعنی بچے کی پیدائش کے فوری بعد جو کھجور وغیرہ کو بالکل باریک مسل کر بچے کے تالو میں لگانے کا عمل اصول سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس عمل تحنیک مقصد بچے کو کھلانا نہیں ہوتا۔ صرف حصول برکت مقصد ہوتا ہے) بچی اور ہیجڑہ بچے کا پیشاب اس حکم میں داخل نہیں، البتہ دونوں کا پیشاب ہونے کی صورت میں اس کو دھولینا ضروری ہوگا کہ اس پر پانی بہادیا جائے، تاکہ اس اصول کے مطابق طہارت کا حصول ہو سکے جو تمام نجاستوں کے بارے میں نافذ ہے بچے کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دینے کی وجہ اس کو بہت زیادہ ہاتھوں پر اٹھایا جانا ہے جو کہ شیخین کی اس بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ام قیس بنت محصن فرماتی ہیں کہ وہ اپنا بچہ جو ابھی کچھ کھانا شروع نہیں ہوا تھا لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بچے کو گود میں بٹھایا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اس کو دھویا نہیں ایک روایت امام ترمذی سے بھی منقول ہے جس کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے کہ **یغسل من بول الجاریۃ ویرش من بول الغلام**(۱)

بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر صرف چھڑکاؤ ہوگا) اور ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ بچے کا اٹھایا جانا بچی کے مقابلے زیادہ ہوتا ہے تو اس کے پیشاب کے بارے میں تخفیف برتی گئی اور دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بچے کا پیشاب بچی کے مقابلے پتلا ہوتا ہے تو وہ اس جگہ پر ایسے نہیں چپک جاتا ہے اور بچی کے ساتھ ہیجڑے کو بھی گردان لیا گیا ہے۔ یہ رائے زیادہ راجح ہے کیونکہ وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے وہ صحیح ہے اور خاص ہے تو اس کی فوقیت حاصل ہوگی اس حدیث پر جس میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے اور وہ عام ہے۔ احناف اور مالکیہ یہ فرماتے ہیں: (۲)

کہ بچی اور بچے دونوں کا پیشاب اور قے ناپاک ہے اور ان کو دھونا واجب ہے، ان حضرات کی دلیل وہ عمومی احادیث ہیں جن میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے جیسے **استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ**(۳)

(پیشاب سے بچو، کہ قبر کا عذاب عام طور پر اس کی وجہ سے ہوتا ہے) تاہم مالکیہ نے یہ تخفیف فرمائی ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے کپڑوں اور جسم پر لگ جانے والا پیشاب پاخانہ معاف ہے خواہ وہ عورت ماں ہو یہ کوئی اور ہو بچ یہ ہے کہ وہ نجاست کے دور کرنے کی کوشش کرتی ہو بے احتیاطی کرنے والی عورت کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور اگر پیشاب پاخانہ زیادہ لگ جائے تو اس صورت میں اس نجاست کو دھونا مستحب ہے۔ (۴)

۱۔ نصب الرایہ، ج ۱، ص ۱۲۶۔۱۲۷

۲۔ بدایۃ المجتھد، ج ۱، ص ۷۷، ۸۲ الشرح الصغیر، ج ۱، ص ۳۷، مراقی الفلاح ص ۲۵، اللباب شرح الکتاب، ج ۱، ص ۵۵، فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۴۰، در المختار، ج ۱، ص ۲۰۳

۳۔ نصب الرایہ، ج ۱، ص ۱۲۸　　۴۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۲۱۔۲۲۲

دودھ پیتے بچے اور بچی کے پیشاب کا حکم اور اس سے طہارت میں ائمہ فقہاء کے دو گروہ ہیں:

علامہ ابوجعفر ابن محمد طحاوی حنفی لکھتے ہیں:

فریق اول:

جس میں امام شافعی ؒحنبل و مالک شامل ہیں جو بچے کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں اور کپڑے پر لگ جانے کی صورت میں اس پر پانی کے چھینٹے مارنا کافی قرار دیتے ہیں جبکہ بچی کے پیشاب کو ناپاک اور اس کے لئے کپڑوں کو دھونا لازم ہے۔

فریق دوم:

میں امام ابوحنیفہ، جمہور فقہاء محدثین ہیں وہ دونوں کے پیشاب کو یکساں قرار دیتے ہیں اور بہر صورت کپڑا دھونے کو لازم قرار دیتے ہیں۔

فریق اول کی مستند روایات:

۱: ابوالاسود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کے متعلق فرمایا کہ لڑکی کے پیشاب کو خوب دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب پر معمولی پانی ڈالا جائے گا۔(۱)

۲: قابوس بن المخارق نقل کرتے ہیں لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو میں نے کہاں آپ اپنا کپڑا مجھے دیں تا کہ میں اسے دھو ڈالوں آپ نے فرمایا مؤنث کے پیشاب والا کپڑا خوب دھویا جاتا ہے اور مذکر بچے کے پیشاب پر پانی ڈال دیا جاتا ہے۔(لبابہ یہ ام فضل زوجہ عباس رضی اللہ عنہا کا نام ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں ہیں)۔(۲)

۳: عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے نقل کیا کہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا اپنے ایک دودھ پیتے بچے کو خدمت نبوت میں لے کر آئیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں اٹھالیا اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا اور مل کر نہ دھویا۔(۳)

۴: عروہ نے بتلایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ تحنیک کے لیے اور دعا کے لیے لایا گیا اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہایا اس کو مل کر نہ دھویا۔ تحنیک کوئی چیز چبا کر بچے کے منہ میں ڈالنا یہ مسنون ہے) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ علماء کا خیال یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب کا حکم مختلف ہے اور یہ فرق کھانا کھانے سے پہلے تک ہے۔ چنانچہ ان کا قول یہ ہے کہ لڑکے کا پیشاب پاک اور اور لڑکی کا پیشاب نجس ہے۔ علماء کرام کی دوسری جماعت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے دونوں کا حکم برابر قرار دیا اور دونوں کو نجس قرار دیا اور پہلے قول والوں کے جواب میں یہ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (بول الغلام ینضح) میں احتمال ہے۔ نضح کا معنی بہانا ہے،

۱۔ ابوداؤد ۳۷۷، ترمذی ۶۱۰، ابن ماجہ ۵۲۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۶-۹۷ ۲۔ ابوداؤد ۳۷۵، ابن ماجہ ۵۲۲، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۳۹

۳۔ بخاری ۵۹، مسلم ۱۰۴، ابوداؤد ۳۷۴، ترمذی ۵۴، نسائی ۱۸۸، دارمی: ۶۳، مالک: ۱۱۰، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۵۶، معجم کبیر للطبرانی، ج ۲۵، ص ۴۴۵ مصنف عبدالرزاق، ۱۴۸۵، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲، ص ۴۱۴

عرب کے ہاں اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے بہنا مراد ہے یہاں چھڑکنا معنی نہیں ہوسکتا البتہ اس لحاظ سے فرق ہے کہ لڑکے کا پیشاب ایک دہانے سے خارج ہوتا ہے کیونکہ نکلنے کا مقام چھوٹا ہوتا ہے اور لڑکی کا پیشاب وسیع مخرج سے نکلتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے لڑکے کے پیشاب میں پانی کے فقط بہا دینے کا حکم فرمایا اور لڑکی کے پیشاب کے سلسلہ میں پے در پے پانی ڈالنے کا حکم فرمایا کیونکہ وہ الگ الگ مقام پر پڑتا ہے۔ اور ہمارا مذکورہ احتمال بعض تابعین سے منقول ہے جو اسی معنی کو ثابت کرتا ہے۔(۱)

حاصل روایت:

ان روایات ستہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی ڈالنے میں مبالغہ نہ کیا جائے گا بلکہ بہا دیا یا چھڑک دیا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب میں خوب دھویا جائے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کے پیشاب میں نجاست نہیں لڑکی کے پیشاب میں نجاست ہے اسی وجہ سے اس سے طہارت بھی اچھے انداز سے حاصل، ہوگی اور ان روایات میں لڑکے کے لیے نضح کا حکم ہے غسل کا حکم صرف لڑکی کے لیے فرمایا ہے۔ دونوں کے حکم میں فرق دونوں کے نجاست و طہارت کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ ان تمام روایات میں نضح کا لفظ وارد ہے اس پر تمام روایات کا مدار ہے اگر اس کے معنی کی تحقیق ہو جائے تو توافق روایات کا آسان حل نکل آئے گا۔

لفظ نضح کی تحقیق:

۱۔　نضح کا معنی بہانا ہے پس بول الغلام ینضح کا معنی یہ ہے لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جائے،

۲۔　اہل عرب بہانے کو نضح کہتے ہیں جیسا اس ارشاد نبوی میں ہے (ترجمہ) میں ایک ایسا شہر کو جانتا ہوں جس کے ایک جانب پانی بہہ رہا ہے اور لہریں مارتا ہے۔

۳۔　چھڑکنا بھی آتا ہے۔

۴۔　غسل خفیف جیسا کہ بخاری میں دم حیض کے متعلق نضح کا لفظ آیا ہے۔

سوال: اگر اس کا معنی بھی دھونا ہے تو الگ لفظ لانے کی ضرورت کیا تھی۔

جواب: الگ لفظ لانے میں حکمت یہ کہ ان کی نوعیت میں فرق ہے لڑکے کا پیشاب مخرج تنگ ہونے کی وجہ سے ایک جگہ گرے گا نیز اس میں تعفن بھی کم ہے اور لڑکی کا پیشاب مخرج کی وسعت کی وجہ سے کئی جگہ پڑے گا اور اس میں غلاظت و تعفن بھی زیادہ ہے اس لیے لڑکے کے لیے فقط پانی بہا دینے والا لفظ لایا گیا کہ مبالغہ غسل کی ضرورت نہیں اور لڑکی کے لیے مسلسل مل کر دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم نے کوئی نیا مفہوم نہیں لیا بلکہ تابعین سے یہ بات ثابت ہے ہم دو ثبوت پیش کرتے ہیں۔

۱۔　بخاری:۵۹، مسلم:۱۰۱، نسائی ۱۸۸، مالک:۱۱۰، بیہقی سنن کبری، ج۲،ص۴۱۴ مصنف عبدالرزاق:۱۴۸۹

ثبوت اول:

۱: قتادہ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا ابوال کے سلسلہ میں اگر معمولی چھینٹ پڑ جائے تو اس پر پانی کا چھینٹا دیا جائے اور اگر پیشاب بہہ جائے تو اس پر پانی بہا دیا جائے۔

ثبوت نمبر ۲:

۲: حضرت حسن نے فرمایا: لڑکی کے پیشاب کو خوب مل کر دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جائے۔ ان دونوں آثار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پیشابوں کے حکم برابر ہے خواہ بچہ ہو یا بچی البتہ معمولی چھینٹے پر پانی کے چھینٹے کافی ہیں اور پیشاب کے بہہ جانے پر پانی بہایا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھونے میں مبالغہ کیا جائے گا معلوم ہوا کہ ان میں وجہ فرق تنگی مخرج ہے نہ کہ طہارت ونجاست۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے تمام بچوں کے پیشاب کو برابر قرار دیا۔ پھر انہوں نے جو چھینٹوں کی صورت میں گرتا ہے اس کے لیے پانی چھڑکنے کو کافی قرار دیا اور جو زور سے بہنے والے ہیں ان کو پانی بہا دینے سے پاک قرار دیا۔ ایسا نہیں کہ بعض کو انہوں نے پاک کہا ہو اور دوسروں کو ناپاک قرار دیا ہو بلکہ ان کے ہاں تمام پلید اور گندگی ہیں، صرف ان کی نجاست کے ازالہ میں ان کے ہاں فرق ہے۔ اس کا سبب مخرج کی تنگی اور وسعت ہے۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ منقولہ آثار پر نگاہ ڈالیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی چیز ایسی منقول ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ پس تلاش پر یہ آثار سامنے آئے۔

فریق ثانی کی مستند روایات:

حضرت ہشام بن عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعا کے لیے بچوں کو لایا جاتا تو آپ ان کے لیے دعا فرماتے ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبوا علیه الماء صبا اس پر اچھی طرح پانی بہا دو۔ (۱)

۱: حدثنا عبدہ بن سلیمان عن هشام عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ نے اس پر پانی بہا دیا اور اس کو مل کر نہیں دھویا۔

۲: مالک نے ہشام سے بیان کیا اور ہشام نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی البتہ اس میں لم یغسله'' کا لفظ نہیں ہے اور پے در پے پانی بہانے کا حکم دھونے کا ہے کیا تم غور نہیں کرتے کہ اگر کسی آدمی کے کپڑے کو گندگی لگ جائے اور اس پر وہ پے در پے پانی ڈال لے جس سے وہ گندگی دور ہو جائے تو اس کا کپڑا پاک ہو گیا۔ اس روایت کو زائدہ نے ہشام سے نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ (فدعا بماء فنضحه) ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہشام سے جو روایت ہے اس میں (فصبه علیه) کے الفاظ ہیں۔ اس سے ثبوت مہیا ہو گیا کہ ان کے نزدیک نضح کو صب کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ اس روایت کو زاہدہ نے ہشام بن عروہ سے بھی نقل کیا اس میں یہ لفظ ہیں (فدعا بما فنضحه علیه'') اور مالک عبدہ ابو معاویہ بن عروہ میں یہ لفظ ہیں (فدعا بماء فنضحه علیه'')

۱۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۴۶

قابل غور حقیقت:

روایت عائشہ رضی اللہ عنہا میں ''اتبعہ الماء'' کے الفاظ ہیں پے در پے پانی ڈالنے کا حکم غسل ہی ہے اگر کسی آدمی کے کپڑوں کو گوبر یا پاخانہ لگ جائے تو اس پر مسلسل پانی بہانے سے گندگی ڈھل جائے گی اور کپڑا پاک ہو جائے گا اور ان روایات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نضح کا معنی صب کا آتا ہے۔

مزید تائیدی روایات:

۳: عن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لایا گیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جلدی سے اسے پکڑنا چاہا تو آپ نے فرمایا میرے بیٹے کو رہنے دو جب پیشاب کر لیا تو اس پر پانی بہا دیا گیا۔ (یہاں صب کا لفظ ہے)

۴: حضرت وکیع نے ابن ابی لیلیٰ سے پھر انہوں نے اپنی سند سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

۵: حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ اپنے والد ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا آپ کے پیٹ یا سینے پر حسن یا حسین رضی اللہ عنہما تھے تو انہوں نے آپ کے اوپر پیشاب کر دیا یہاں تک کہ میں نے سینے پر پیشاب کے چلنے کو دیکھا ہم اس کو اٹھانے کے لیے اٹھے تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو پھر پانی منگوایا اور سینہ پر بہا دیا۔ (یہاں بھی صبہ اور علیہ کا لفظ ہے)

۶: قابوس بیان کرتے ہیں ام الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مجھے دیں یا میرے حوالے کریں میں اس کی کفالت کروں گی یا پانی دودھ پلاؤں گی آپ نے میرے سپرد کر دیا ایک دن میں ان کو لے کر آئی تو آپ نے اسے اپنے سینے پر رکھا تو اس نے پیشاب کر دیا جو آپ کے ازار کو پہنچا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنا ازار عنایت فرمائیں تا کہ میں اسے دھو ڈالوں آپ نے فرمایا لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جاتا ہے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ام الفضل کی روایت میں کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے اور انہی سے فصل اول میں مذکورہ روایت میں ((ینضح)) کا لفظ ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے۔ جب بات اسی طرح ہے جو ہم نے عرض کر دی تو اس سے ثابت ہو گیا کہ حدیث اول میں (نضح) کا معنی بہانا ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہے تا کہ دونوں آثار کا تضاد ختم ہو اور یہ ابو لیلیٰ بھی ان سے موافق بات کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب پر پانی کو بہایا۔ پس ان آثار سے ثابت ہوا کہ لڑکے کے پیشاب کا حکم بھی دھونا ہے مگر اس دھونے سے صرف اس پر پانی بہانا کافی ہو جائے گا اور لڑکی کے پیشاب پر (مل کر) دھونا ہوگا۔ ان دونوں الفاظ میں تو فرق ہے مگر معنی میں دونوں یکساں ہیں اور اس کی علت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ایک کا مخرج تنگ اور دوسرے کا وسیع ہے۔ آثار کے پیش نظر تو اس بات کا یہی حکم ہے۔ اب غور وفکر کے انداز سے ملاحظہ ہو۔ ہم نے لڑکے اور لڑکی کے معاملے میں غور کیا ان کے پیشاب کا حکم برابر ہے جبکہ یہ کھانا کھانے لگے جائیں۔ پس منظر کا تقاضا یہی ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے بھی حکم برابر ہونا چاہیے جب لڑکی کا پیشاب پلید ہے تو لڑکے کا پیشاب بھی پلید ہے اور یہی امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ

کا قول ہے۔(۱)

حاصل روایات:

ان آٹھ روایات میں ینضح کی جگہ یصب کا لفظ استعمال ہو رہا ہے جو واضح دلیل ہے کہ اس سے پانی بہانا مراد ہے نہ چھڑکنا۔

جواب نمبر ۱: جو کہ حضرت ام الفضل کی روایت ہے، اس کا جواب بھی ان روایات سے ہو گیا، کہ انہی کی روایت میں ینضح کی جگہ یصب کا لفظ واضح طور پر آ رہا ہے جو ان روایات کے معنی کو متعین کر رہا ہے، ورنہ روایات میں تضاد لازم آئے گا

جواب نمبر ۲: اور یہ ابولیلیٰ ہیں انہوں نے بھی جناب نبی اکرم ﷺ سے مختلف بات نقل نہیں بلکہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پیشاب پر پانی بہایا ہے۔

نتیجہ: ان آثار سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لڑکے کا حکم بھی دھونا ہے، البتہ وہ دھونا، بہا دینا ہے، اور لڑکی کے پیشاب کا حکم بھی دھونا ہے۔

حکمت خاصہ:

اگر دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور معنی بھی برابر ہیں مگر ذرا سے فرق کی وجہ سے دونوں کے لیے الگ الگ لائے گئے وہ فرق مخرج کا تنگ اور وسیع ہونا ہے جیسا پہلے ہم اشارہ کر چکے آثار کے ذریعہ تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ بچے اور بچی کے پیشاب کی نجاست میں فرق نہیں دونوں نجس ہیں البتہ دھونے کی کیفیت میں فرق ہے اور نضح کا لفظ جہاں آیا وہ صب کے معنی میں ہے۔

آخر میں دلیل عقلی وفکری پیش کی جاتی ہے

نظر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ:

کھانا کھانے کے بعد سب کے ہاں حکم دونوں کے پیشاب کا یکساں ہے ذرا بھی فرق نہیں پس عقلی لحاظ سے یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کھانا کھانے سے پہلے بھی دونوں کا حکم یکساں ہو اگر لڑکی کا پیشاب ناپاک ہے تو لڑکے کا بھی ناپاک ہو اور دھونے میں بھی ایک جیسا ہو۔

یہی امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔(۲)

شیر خوار بچے کے پیشاب آلودہ کپڑے کو دھونے کے حکم میں مذاہب فقہاء اور دیگر مسائل:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی اس حدیث سے استنباط شدہ مسائل کے بیان میں لکھتے ہیں:

۱۔ نومولود بچے کو نیک اور بزرگ لوگوں کی گود میں حصول برکت کے لیے دینا چاہیے۔

۲۔ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور دعا دینا۔

۳۔ صالحین اور اہل فضل سے برکت حاصل کرنا۔

۴۔ تواضع اور انکسار سے کام لینا اور لوگوں سے مل جل کر رہنا۔

۱۔ ابوداؤد: ۳۷۵، ابن ماجہ: ۵۲۲

۲۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۲۶۱۔۲۶۹

۵۔ کھجور یا اس جیسی کسی چیز کو چبا کر بچہ کے منہ میں بہ طور گھٹی کے دینا۔

۶۔ شیر خوار بچہ کا پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور داؤد ظاہری کے سوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

۷۔ فقہاء شافعیہ نے شیر خوار بچہ اور بچی کے پیشاب آلود کپڑے میں فرق کیا ہے اور ان کا محتاط قول یہ ہے کہ بچے کے پیشاب آلود کپڑے پر پانی چھڑکنا کافی ہے اور بچی کے پیشاب آلود کپڑے کو دھونا واجب ہے، حضرت علی ابی طالب رضی اللہ عنہ عطا بن ابی رباح، حسن بصری، امام احمد بن حنبل، اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے، متقدمین، اصحاب الحدیث ابن وہب مالکی امام ابوحنیفہ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہ امام مالک اور فقہاء رحمہم اللہ کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ شیر خوار بچہ ہو یا بچی دونوں کے پیشاب آلود کپڑوں کو دھونا واجب ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں بچہ کے پیشاب آلود کپڑے کو دھونے کے لیے ''نضح'' کا لفظ آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نضح کا معنی پانی چھڑکنا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ان احادیث میں ''نضح'' کا معنی دھونا ہے اور نضح کے دھونے کے معنی میں مستعمل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے مذی بہت آتی تھی، میں نے اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں حیاء محسوس کی کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں میں نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا وہ سوال کریں انھوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے ذکر کو دھوئے اور وضو کرے۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں کہ ایک شخص اپنی اہلیہ کے قریب جائے اور اس کی مذی نکل آئے تو اس کے لیے کیا شرعی حکم ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس آپ کی صاحبزادی ہیں اسی لیے مجھے آپ سے یہ سوال کرنے میں حیاء آتی ہے، تب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: جب تم سے کوئی شخص اس چیز کو پائے تو اپنی فرج کو ''نضح'' کرے اور جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اس طرح وضو کرے۔ ان دونوں حدیثوں میں ایک ہی واقعہ کا بیان ہے، ایک حدیث میں ہے ذکر کو دھوئے اور دوسری میں ہے ذکر کو نضح کرے، اس سے معلوم ہوا کہ نضح کا معنی بھی دھونا ہے نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب ذکر پر مذی لگی ہو تو اس پر پانی چھڑکنا کافی نہیں ہے بلکہ دھونا ضروری ہے۔ فقہاء احناف کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں نجاست اور پیشاب سے آلودہ چیزوں کو دھونے کا بالعموم حکم دیا گیا ہے۔

امام نسائی کی ذکر کردہ احادیث میں علماء احناف اور مالکیہ کے موقف کی بھی تائید ہوتی ہے۔ (۱)

پیشاب سے آلودہ کپڑے پر پانی چھڑکنے کے متعلق احادیث:

امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے اور جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا ہو، اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، اس پر صرف پانی کو چھڑک لینا کافی ہے، ان کا استدلال ان احادیث سے ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچوں کے متعلق فرمایا:

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۶۷۔ ۹۶۸

لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا ور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے۔ (اس حدیث میں ینضح کا لفظ ہے جس کے معنی انہوں نے پانی چھڑکنا کیا ہے، اور ان کے نزدیک اس کا معنی پانی بہانا ہے)۔ (۱)

حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا، میں نے عرض کیا: آپ مجھے کپڑا دیں، میں اس کو دھو دوں۔ آپ نے فرمایا: لڑکیوں کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور لڑکوں کے پیشاب سے صرف پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔ (۲)

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بچہ کو لائیں جو طعام نہیں کھاتا تھا۔ (یعنی دودھ پیتا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا، پس اس پر چھڑکا اس کو دھویا نہیں (اس میں بھی "نضح" کا لفظ ہے، تحقیق یہ ہے کہ اس کا معنی پانی بہانا ہے، باب مذکور کی حدیث بھی اس پر قرینہ ہے۔ (۳)

"نضح" کا معنی پانی بہانا ہے، نہ کہ چھڑکنا، اس کی ایک حدیث سے وضاحت:

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ پیتے لڑکے اور دودھ پیتی لڑکی دونوں کے پیشاب میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کا پیشاب نجس ہے، امام طحاوی نے کہا ہے کہ جن احادیث سے امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے، ان میں "نضح" کا لفظ ہے اور نضح کا معنی پانی چھرکنا بھی ہے اور پانی بہانا اور دھونا بھی ہے، سو درج ذیل حدیث میں "نضح کا لفظ ہے اور اس کا معنی پانی بہانا ہے، یہاں پر پانی چھڑکنے کا معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ (۴)

وہ حدیث یہ ہے:

ابولبیدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی قبیلہ طاحیہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا، اس کو بیرح بن اسد کہا جاتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ایام بعد آیا، اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پہچان لیا کہ کوئی مسافر ہے، انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اہل عمان سے ہوں، حضرت عمر نے کہا: اہل عمان سے؟ اس نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا: یہ شخص اس زمین کی طرف سے آیا ہے، جس کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: بے شک میں ایک زمین کو جانتا ہوں، جس کو عمان کہا جاتا ہے، جس کی طرف سے سمندر بہتا ہے، (یہاں حدیث میں سمندر کے بہنے کے لیے "ینضح" کا لفظ

۱۔ سنن ابوداؤد: ۳۷۸۔۳۷۷، سنن ترمذی: ۶۱۰، سنن ابن ماجہ: ۵۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۷۔۹۷۔۷۶

۲۔ سنن ابوداؤد: ۳۷۵، سنن ابن ماجہ: ۵۲۲، مسند احمد، ج ۶ ص ۳۳۹، شرح معانی الآثار: ۵۶۸

۳۔ صحیح البخاری: ۲۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۷، سنن ترمذی: ۷۱، سنن نسائی: ۳۰۱ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۵۶، المعجم الکبیر، ج ۲۵ ص ۴۳۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۴۸۵، سنن بیہقی، ج ۲ ص ۴۱۴، موطاء امام مالک: ۱۴۵، طہارت: ۱۱۰، سنن دارمی: ۷۴۵

۴۔ نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح فی الآثار، ج ۱ ص ۵۶۶

ہے) وہاں عرب کا ایک قبیلہ ہے، اگر ان کے پاس میرا سفیر جائے تو وہ اس کو تیر ماریں گے نہ پتھر۔(۱)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(۲)

ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ "النضح" کا معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھڑکنا، کیونکہ پانی چھڑکنے سے تو نجاست اور پھیلتی ہے اور کبھی "نضح" کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دھونا ہوتا ہے اور اسی طرح "الرش" کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دھونا ہوتا ہے۔(۳)

باب مذکورہ کی حدیث: ۳۰۲ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگایا اور اس کو اس پیشاب آلودہ کپڑے کے تابع کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: (ترجمہ) یعنی رسول اللہ ﷺ نے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا۔(۴) اور یہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے موقف پر دلیل ہے کہ لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا جاتا ہے، چھڑکا نہیں جاتا۔

علامہ سیوطی نے بھی اس حدیث کی شرح کے بارے میں لکھا ہے: "ای صبہ علیہ" اس کپڑے پر پانی بہایا(۵) دیگر احادیث سے

اس کی تائید کہ "نضح" کا معنی دھونا اور پانی بہانا ہے نہ کہ پانی چھڑکنا:

حضرت ابن مقداد بن اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ معلوم کروں کہ ایک شخص جب اپنی بیوی کے قریب ہوتا ہے تو اس کی مذی نکل آتی ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیونکہ میرے نکاح میں آپ کی صاحبزادی ہے، اس لیے میں آپ سے خود سوال کرنے سے حیاء کرتا ہوں، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب تم اس حالت کو پاؤ تو اپنی شرم گاہ کو دھولو (یہاں پر بھی "نضح" کا لفظ ہے اور ایسی صورت میں شرم گاہ کو دھویا جاتا، اس پر پانی نہیں چھڑکا جاتا) اور تم اس طرح وضوء کرو، جس طرح نماز کے لیے کرتے ہیں۔(۶)

اس حدیث میں "نضح" کا معنی دھونا ہے، اس پر دلیل یہ کہ اس قصہ میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت مقداد سے فرمایا:

"**یغسل ذکرہ ویتوضو**" وہ اپنا آلہ دھوئے اور وضو کرے۔(۷)

ایک اور حدیث میں بھی "نضح" بہ معنی دھونا ہے:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مذی سے بہت تکلیف اور مشقت اٹھاتا تھا اور اس کی وجہ سے اکثر غسل کرتا تھا، سو میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا اور آپ سے اس کے متعلق پوچھا، آپ نے فرمایا تمہیں اس سے وضوء کافی ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے کپڑے پر جو مذی لگ جائے۔

۱۔ مسند ابویعلی: ۱۰۶، مسند احمد: ۳۰۸، ج ا ص ۳۹۸　۲۔ نخب الافکار ج ا ص ۵۶۶　۳۔ ایضاً ص ۵۶۷

۴۔ فتح الباری، ج ا، ص ۵۴۷　۵ تنویر الحوالک، ص ۸۲

۶۔ سنن ابوداؤد: ۲۰۷، سنن نسائی: ۱۵۶، سنن ابن ماجہ: ۵۰۵

۷۔ صحیح البخاری: ۱۳۴، صحیح مسلم: ۳۰۳، سنن نسائی: ۱۵۲

اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم اپنی ہتھیلی میں پانی لے کر "نضح ثوبك" اس سے اپنے کپڑے کو دھوؤ جہاں پر مذی لگی ہو۔(۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ جن احادیث پر لڑکے کے پیشاب کے لیے "نضح" کا لفظ آیا، اس کا معنی دھونا ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ ایک حدیث میں ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تو آپ ان کو برکت دیتے اور ان کو گھٹی دیتے، ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ پر پیشاب کر دیا، تو آپ نے اس کے بعد اس پر پانی ڈالا اور دھویا نہیں۔(۲)

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ دھونے کی نفی کی گئی ہے، اس کا جواب یہ کہ آپ نے اس کو خوب مل مل کر نہیں دھویا، اور اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ آپ نے اس پر پانی چھڑ کا نہیں بلکہ پانی بہایا، جیسا کہ (۳) میں اس کی تصریح ہے، جس کو ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح (۴) اور علامہ سیوطی کی شرح (۵) سے نقل کر چکے ہیں۔

دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانے کے متعلق احادیث اور آثار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے آپ ان کے لیے دعائے خیر کرتے، آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس نے آپ پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر خوب پانی بہاؤ۔(۶)

حضرت حسن بصری اپنی والدہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لڑکا طعام نہ کھاتا ہو تو اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور جب لڑکی ہو تو اس کے کپڑے کو دھویا جائے گا۔(۷)

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ لڑکا جب تک طعام نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔(۸) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی میں فرق یہ ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا باریک سوراخ ہوتا ہے، اس کا پیشاب تنگ جگہ سے نکلتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کی جگہ فراخ ہوتی ہے اور وہ پھیل کر نکلتا ہے اور کپڑے پر پھیل جاتا ہے، اس لیے اس کو مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم دیا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی بہانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ وہ پھیل کر نہیں نکلتا۔(۹)

امام الحسین بن مسعود البغوی روایت کرتے ہیں:

ایک جماعت کا مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کو دھونا واجب ہے، جس طرح باقی پیشاب کا حکم ہے اور یہ ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور فقہاء احناف کا مذہب ہے (اور فقہاء مالکیہ کا بھی): (۱۰)

۱۔ سنن ترمذی: ۱۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۰، سنن ابن ماجہ: ۵۰۶ ۲۔ صحیح مسلم: ۲۸۶ ۳۔ صحیح البخاری: ۲۲۲

۴۔ فتح الباری، ج ۱ ص ۵۴۷ ۵۔ تنویر الحوالک، ص ۸۲ ۶۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۴۶

۷۔ المعجم الاوسط: ۲۷۴۲، الاستذکار: ۳۷۴۶ ۸۔ مسند ابویعلیٰ: ۶۸۸۷ ۹۔ نخب الافکار، ج ۱ ص ۵۶۸

۱۰ شرح السنۃ، ج ۲ ص ۸۷

حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، لوگوں نے ارادہ کیا، ان کو جلدی سے روکیں تو آپ نے فرمایا: میرا بیٹا ہے، یہ میرا بیٹا ہے، جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس کے اوپر پانی بہادیا۔ (۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے پیٹ یا آپ کے سینہ پر حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، حتیٰ کہ میں نے تیزی کے ساتھ ان کو پیشاب کرتے دیکھا، ہم ان (کو اٹھانے کے لیے) ان کی طرف کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو پھر آپ نے پانی منگوا کر اس پیشاب پر بہادیا۔ (۲)

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مجھے عطا کیجئے یا ان کو مجھے دیجئے، میں ان کی کفالت کروں گی یا میں ان کو دودھ پلاؤں گی، سو آپ نے ایسا کر دیا، پھر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس لے آئی اور انہیں آپ کے سینہ پر بٹھا دیا، انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، جو آپ کے تہبند پر پہنچ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند مجھے دیجئے میں اس کو دھو دوں، آپ نے فرمایا: لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جاتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔ (۳)

ہم نے حدیث: ۵۶۸ روایت کی تھی، اس میں ''نضح'' کا لفظ تھا اور اس حدیث میں صب کا لفظ ہے، جس کا معنی پانی بہانا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی نضح کا معنی پانی بہانا ہے، پانی چھڑکنا نہیں ہے، تاکہ ان احادیث میں تضاد نہ ہو۔ (۴)

حضرت حسن بصری کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا، جو لڑکا کھانا نہ کھاتا ہو (صرف دودھ پیتا ہو) وہ اس کے پیشاب پر پانی بہاتی تھیں اور جب وہ کھانا کھاتا تھا تو اس کے پیشاب کو دھوتی تھیں اور وہ لڑکی کے پیشاب کو بھی دھوتی تھی۔ (۵)

اور باب مذکورہ کی حدیث: ۲۲۲ میں بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا، سو صحیح بخاری کی یہ حدیث اور باقی محولۃ الصدر احادیث فقہاء احناف کے موقف پر قوی دلیل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (۶)

اس حدیث کا عموم اور اطلاق بھی یہ خبر دیتا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں میں فرق نہ کیا جائے اور ان کپڑوں پر پانی بہا کر ان کو دھویا جائے اور ان پر صرف پانی چھڑک کر گندگی کو مزید پھیلایا نہ جائے۔

☆ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۱۲۰، شرح معانی الآثار: ۵۷۹　　۲۔ شرح معانی الاثار: ۵۸۱

۳۔ ایضاً: ۵۸۲　　۴۔ ایضاً ص ۱۲۲

۵۔ سنن ابوداؤد: ۳۷۹　　۶۔ سنن دار قطنی: ۴۵۷

شہاب از عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ از ام قیس بنت محصن، بے شک وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے چھوٹے بچے کو لے کر آئیں جس نے ابھی طعام کھانا نہیں شروع کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھالیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس کپڑے پر بہایا (اس کو دھویا) اور اس کو (زیادہ رگڑ کر) نہیں دھویا۔(۱)

حدیث کے معنی کی وضاحت:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نضح کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ہم حدیث: ۲۲۲ میں تفصیل سے تحقیق کر چکے ہیں کہ اس کا معنی یہاں پر پانی بہانا اور دھونا ہے اور حدیث میں جو مذکورہ ہے: اور اس کو نہیں دھویا، اس کا معنی ہے: اس کو رگڑ کر اور مل مل کر نہیں دھویا کیونکہ شیر خوار لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانا بہ کثرت احادیث سے ثابت ہوا ہے، جس کو ہم حدیث: ۲۲۲ کی شرح میں تفصیل سے بحوالہ بیان کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر کا حدیث مذکورہ سے استنباط کردہ مسائل اور ان پر حافظ عینی کا تعاقب:

۱۔ اس حدیث سے نبی ﷺ کی بچوں پر شفقت کا پتا چلتا ہے کہ بچے آپ کی گود میں بٹھایا جاتا، وہ آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے اور اس سے نبی ﷺ کے چہرے پر ناگواری اور ناراضگی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

۲۔ اس حدیث میں حسن معاشرت اور تواضع کا بیان ہے اور اہل فضل کی برکت حاصل کرنے کے لیے بچوں کو ان کے پاس لے جانا چاہیے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بچوں کی حالت ولادت میں اور اس کے بعد اٹھا کر لے جانا ہے۔(۲) علامہ بدرالدین عینی نے اس بات کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ عبارت انہوں نے بغیر غور و فکر کے لکھی ہے ورنہ بچوں کو حالت ولادت میں کب اٹھا کر لایا جا سکتا ہے۔(۳) نیز حافظ عسقلانی نے اس حدیث کے فوائد میں یہ بھی لکھا ہے: مولود کو گھٹی دینے کا بھی تذکرہ ہے (جیسا کہ (۴) اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام قیس اپنے بچے کو نبی ﷺ کے پاس حصول برکت اور طلب دعا کے لیے لائی تھی۔ کیونکہ جس کے لیے نبی اکرم ﷺ دعا فرما دیں، وہ دنیا اور آخرت میں مسعود ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بچہ کو گھٹی دلوانے کے لیے لائی ہوں، مگر اس کا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔(۵)

۱۔ صحیح مسلم: ۲۸۷ سنن ابوداؤد: ۳۷۴، سنن ترمذی: ۷۱ سنن نسائی: ۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۵۲۴، مسند الحمیدی مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰، الاحاد والثانی: ۳۲۵۳، المنتقی: ۱۳۹، صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۵، مسند ابوعوانہ، ج ۱، ص ۲۰۲، شرح معانی الآثار: ۵۷۰۔ صحیح ابن حبان: ۱۳۷۳، المعجم الکبیر، ج ۲۵، ص ۴۳۶، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۴۱۴، شرح السنۃ: ۲۹۴، موطا امام مالک: ۱۱۰، مسند احمد ۲۶۹۹۶

۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۵۵ ۳۔ عمدہ القاری، ج ۳، ص ۱۹۹

۴۔ صحیح مسلم: ۲۸۶ ۵۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ۱۹۹

حافظ ابن حجر کے فقہاء احناف کے مذہب پر اعتراضات:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں کے متعلق تین مذہب ہیں؛

۱۔ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ پیشاب میں پانی چھڑکنا کافی نہیں ہے۔

۲۔ دونوں کے پیشاب میں پانی چھڑکنا کافی ہے، یہ اوزاعی کا مذہب ہے اور امام شافعی کا بھی قول ہے اور امام مالک سے بھی مروی ہے۔

۳۔ فقہاء احناف اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کے پیشاب آلودہ کپڑوں کو دھونا واجب ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے: انہوں نے قیاس کی پیروی کی ہے اور احادیث میں جو مذکورہ ہے: آپ نے اس کپڑے کو نہیں دھویا، انہوں نے اس کی جو تاویل کی ہے وہ خلاف ظاہر ہے اور دوسری احادیث سے بعید ہے، لڑکے اور لڑکی کے پیشاب کے حکم میں فرق اس لیے ہے تا کہ مشقت کم ہو۔

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حافظ ابن حجر کے جوابات:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا کہ فقہاء احناف نے اپنے مذہب میں قیاس کی پیروی کی ہے، قطعاً باطل اور مردود ہے، ہم حدیث :۲۲۲ کی شرح میں ان احادیث کا تفصیل سے باحوالہ ذکر کر چکے ہیں، جن کی پیروی میں فقہاء احناف نے کہا ہے کہ شیر خوار لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑوں کو بھی دھونا واجب ہے اور اس حدیث میں درج مذکورہ ہے: آپ نے اس کپڑے کو نہیں دھویا اس کی تاویل یہ ہے کہ اس کو زیادہ مل مل کر نہیں دھویا، یہ تاویل اس لیے ہے کہ دوسری احادیث میں اس کپڑے کو دھونے کا تذکرہ ہے، جن کو ہم حدیث :۲۲۲ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں، اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو احادیث میں تعارض اور تضاد لازم آئے گا۔ سو یہ تاویل خلاف ظاہر نہیں بلکہ احادیث میں توافق اور تطبیق پیدا کرنے کے لیے، نیز حافظ ابن حجر کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ اپنے مذہب میں قیاس کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا یہ قیاس صریح اور صحیح احادیث کے خلاف ہے، اس لیے باطل اور مردود ہے، نیز اسلام تو طہارت اور صفائی کی تعلیم دیتا ہے اور شیر خوار بچے کے پیشاب کو طاہر قرار دینا، اسلام کے اس اصول کے کلیۃً خلاف ہے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

مذکورہ تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال غالباً ذیل ہے:

۱۔ شیر خوار بچے کے پیشاب پر پانی کے چھڑکنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

۲۔ شیر خوار بچی کے پیشاب سے آلودہ کپڑوں کو دھونا ضروری ہے۔ اگرچہ امام نسائی کی مذکورہ احادیث میں علماء احناف اور مالکیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی مذکورہ بالا ہے۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱: ص: ۶۶۶ـ۶۷۱۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیشاب بچے کا ہو یا بچی کا اس طرح شیر خوار کا ہو یا بڑے کا ہر حال میں ناپاک ہے، اور اس کو دھویا جانا ضروری ہے، البتہ شیر خوار بچے کے پیشاب سے آلودہ کپڑا وغیرہ معمولی دھونے یا پانی بہانے سے پاک ہو جائے گا، جبکہ بچی یا بڑے کے پیشاب کو اچھی طرح مل کر دھونا واجب ہے۔

☆ علماء احناف اور مالکیہ کے نزدیک جن احادیث میں لفظ نضح آیا ہے، وہاں اس سے مراد پانی بہانا ہے، نہ کہ چھڑکنا، کیونکہ بعض احادیث میں لفظ یصب آیا ہے جس کا معنی پانی بہانا ہے، اسی طرح خود احادیث میں لفظ نضح بہنے اور دھونے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، اس لیے اگرچہ اس کا ایک معنی چھڑکنا بھی ہے، لیکن چونکہ یہ مشترک لفظ ہے، اس لیے اگرچہ تطبیق احادیث کے لیے اس کا معنی: پانی بہانا اور ملنا زیادہ بہتر ہے۔

☆ احناف کے موقف کی تائید نسائی کی ذکر کردہ حدیث نمبر: ۳۰۲ سے بھی ہوتا ہے، جس میں فاتبعہ ایاہ کے الفاظ ہیں، جس کے معنی کسی طور پر بھی چھڑکنا کے نہیں ہیں، جبکہ پانی بہانے کے بھی ہیں۔

علماء احناف اور مالکیہ کے مؤقف کے مؤید دلائل:

دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانے کے متعلق حدیث اور آثار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے، آپ ان کے لیے دعائے خیر کرتے، آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس نے آپ پر پیشاب کر دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر خوب پانی بہاؤ۔ (۱)

حسن بصری اپنی والدہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لڑکا طعام نہ کھاتا ہو تو اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور جب لڑکی ہو تو اس کے کپڑے کو دھویا جائے گا۔ (۲)

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ لڑکا جب تک طعام نہ کھاتا ہو، اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ (۳)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی میں یہ فرق ہے کہ پیشاب کا باریک سوراخ ہوتا ہے اس کا پیشاب تنگ جگہ سے نکلتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کی جگہ فراخ ہوتی ہے اور پھیل کر نکلتا ہے اور کپڑے پر پھیل جاتا ہے، اس لیے اس کو مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم دیا ہے اور لڑکے کا پیشاب پر صرف پانی بہانے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ پھیل کر نہیں نکلتا۔ (۴)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لڑکے کے پیشاب کے اوپر خوب پانی بہایا جائے، جب تک طعام نہ کھاتا ہو اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے، خواہ کھانا کھاتی ہو یا نہ کھاتی ہو۔ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کو دھونا واجب ہے جس طرح باقی پیشاب کا حکم ہے اور یہ ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور فقہاء احناف کا مذہب ہے (اور فقہاء مالکیہ کا بھی)۔ (۵)

۱۔ مسند احمد ج ۲، ص ۴۲ ۲۔ المعجم الاوسط: ۲۷۵۲، الاستذکار: ۳۷۸۶ ۳۔ مسند ابو یعلیٰ: ۶۸۸۷
۴۔ نخب الافکار، ج ۱، ص ۵۶۸ ۵۔ شرح السنۃ، ج ۲، ص ۸۷

حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، لوگوں نے ارادہ کیا، ان کو جلدی سے روکیں تو آپ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس کے اوپر پانی بہادیا۔(۱)

حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے پیٹ یا آپ کے سینہ پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، حتیٰ کہ میں نے تیزی کے ساتھ ان کو پیشاب کرتے دیکھا، ہم ان (کو اٹھانے کے لیے) ان کی طرف کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو پھر آپ نے پانی منگا کر اس پیشاب پر بہادیا۔(۲)

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مجھے عطا کیجیے ان کو مجھے دے دیجیے میں ان کی کفالت کروں گی یا میں ان کو دودھ پلاؤں گی، سو آپ نے ایسا کر دیا پھر میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس لے آئی اور انہیں آپ کے سینہ پر بٹھادیا، انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا، جو کے تہمند پر پہنچ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند مجھے دیجیے میں اس کو دھو دوں، آپ نے فرمایا: لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جاتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔(۳)

حدیث: ۵۶۸، اس میں نضح کا لفظ تھا اور اس حدیث میں صب کا لفظ ہے جس کا معنی پانی بہانا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی نضح کا معنی پانی بہانا ہے، پانی چھڑکنا نہیں ہے تا کہ ان احادیث میں تضاد نہ ہو۔(۴)

حضرت حسن بصری کی والدہ بیان کرتی ہیں انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا، جو لڑکا کھانا نہ کھاتا ہو (صرف دودھ پیتا ہو) وہ اس کے پیشاب پر پانی بہاتی تھیں اور جب وہ کھانا کھاتا تھا تو اس کے پیشاب کو دھوتی تھیں، اور وہ لڑکی کے پیشاب کو بھی دھوتی تھیں۔(۵) اور باب مذکورہ کو حدیث: ۲۲۲ میں بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا، سو صحیح بخاری کی یہ حدیث اور باقی محولۃ الصدر احادیث فقہاء احناف کے موقف پر قوی دلیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔(۶) اس حدیث کا عموم اور اطلاق بھی خبر دیتا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں میں فرق نہ کیا جائے اور ان کپڑوں پر پانی بہا کر دھو دیا جائے اور ان پر صرف پانی چھڑک کر گندگی کو مزید نہ پھیلایا جائے۔(۷)

علماء احناف اور مالکیہ کے موقف زیادہ قرین قیاس اور پاکیزگی کے قریب ہے، کیونکہ شیر خور بچے اور بچی کے پیشاب کے حکم میں کھانا کھانے کے بعد کوئی فرق نہیں، اس لیے پہلے بھی نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح پیشاب پر پانی چھڑکنے سے اس کے مزید پھیلنے کا اندیشہ ہے، جبکہ دھو لینے میں پاکیزگی ہے۔ احناف اور مالکیہ کا موقف قیاس پر مبنی نہیں ہے، بلکہ احادیث و آثار پر مشتمل ہے۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۱۲۰، شرح معانی الآثار: ۵۷۹
۲۔ شرح معانی الآثار: ۵۸۱
۳۔ شرح معانی الآثار: ۵۸۲
۴۔ شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۱۲۲
۵۔ سنن ابوداؤد: ۳۷۹
۶۔ سنن دار قطنی: ۴۵۷
۷۔ نعمۃ الباری، ج ۱ ص ۶۶۸۔۶۶۹

بَابُ بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ

باب ۱۹۱: حلال جانوروں کے پیشاب کا حکم

وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے پیشاب کے بارے میں فقہاء کرام کی دو آراء ہیں: امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان کا پیشاب پاک ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک باقی جانوروں کی طرح ان کا پیشاب بھی ناپاک ہے امام نسائی کا رجحان پہلے مؤقف کی جانب ہے، اس باب سے امام صاحب جانوروں کے پیشاب کا حکم بیان فرما رہے ہیں، پچھلے ابواب میں انسانوں کے پیشاب کا حکم بیان ہوا ہے، اس باب میں آپ نے دو احادیث مبارکہ کو اپنا مستدل بنایا ہے۔

۳۰۴۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ :أَنَّ أُنَاسًا أَوْ رِجَالًا مِنْ عُكْلٍ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوا بِالْإِسْلَامِ فَقَالُوا :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا أَهْلُ ضَرْعٍ، وَلَمْ نَكُنْ أَهْلَ رِيفٍ، وَاسْتَوْخَمُوا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَوْدٍ وَرَاعٍ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَخْرُجُوا فِيهَا فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَلَمَّا صَحُّوا -وَكَانُوا بِنَاحِيَةِ الْحَرَّةِ -كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَقَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي آثَارِهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ فَسَمَرُوا أَعْيُنَهُمْ وَقَطَعُوا أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، ثُمَّ تُرِكُوا فِي الْحَرَّةِ عَلَى حَالِهِمْ حَتَّى مَاتُوا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے بظاہر اسلام قبول کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جانوروں والے لوگ ہیں، کھیتی باڑی والے نہیں ہیں، انہیں مدینہ منورہ کی ہوا موافق نہ آئی۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اونٹوں اور چرواہے کا بندوبست کیا، اور انہیں کہا: کہ وہ مدینہ منورہ سے باہر چلے جائیں، وہاں ان اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں، وہ مقام حرہ کی ایک جانب رہتے تھے، کچھ دنوں بعد وہ تندرست ہو گئے، تو اسلام سے مرتد ہو گئے، انہوں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑنے کے لیے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا، انہوں نے ان کو گرفتار کر کے حاضر خدمت کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے، پھر انہیں اسی حالت میں مقام حرہ چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

وہ مدینہ منورہ سے باہر چلے جائیں، وہاں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵۔ صحیح مسلم: ۱۶۷۱۔ سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، ۴۳۶۵، ۴۳۶۶۔ سنن نسائی: ۴۰۲۹، ۴۰۳۱، ۴۰۳۴۔ سنن کبریٰ نسائی: ۳۴۹۵۔ مسند ابویعلیٰ: ۲۸۱۶، ۲۸۷۰، ۴۴۷۔ مصنف ابن ابی

شیبہ ج۱۴،ص۱۹۷،سنن بیہقی، ج۳،ص۷۶، مسند احمد:۱۲۹۳۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے، البتہ حضرت یزید بن زریع کے حالات تفصیل سے دوبارہ قلم بند کیے جارہے ہیں:

ا۔محمد بن عبدالاعلی: راجع: ۵

۲۔ یزید بن زریع:

نام ونسب:

حضرت یزید نام، ابو معاویہ کنیت اور والد کا اسم گرامی زریع تھا۔(ا) بصرہ کے مشہور خاندان بنو عائش سے نسبت رکھنے کے باعث عیشی کہلاتے ہیں۔اس خاندان کو ائمہ سلف کی ایک بڑی جماعت کے انتساب کا شرف حاصل ہے۔(۲)

ولادت اور باطن:

۱۰۱ہجری میں بمقام بصرہ میں پیدا ہوئے (۳)

فضل وکمال:

علم وفضل اور مہارت فنی کے اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز تبع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ تثبت واتقان، ثقاہت وعدالت، زہدواتقاء، استغناء، تواضع اور عبادت وریاضت کی بھی ایک اعلی مثال تھے۔

حضرت ابوعوانہ ان کی صحبت فیض اثر سے چالیس سال تک مسلسل مستفید ہوتے رہے، وہ اس طویل ترین رفاقت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یزید کے چراغ سے ہر سال میرے علم ودانش کو جلا اور روشنی ملتی تھی۔(۴)

امام احمد کا بیان ہے:

کان یزید ریحانہ البصرتہ ما اتقنہ وما احفظ

یزید بصرہ کے ناز بو تھے، وہ بڑے متقن اور حافظ تھے۔(۵)

حضرت ابن عماد حنبلی انہیں الحافظ الثبت المتقن محدث اھل البصرۃ علامہ خزرجی الحافظ احد العلام اور امام یافعی الحافظ اللبیب کہتے ہیں۔(۶)

حدیث:

ان کا خاص فن حدیث تھا، اس میں انہیں مہارت اور قدرت حاصل تھی کہ زبان خلق نے نقارہ خدا بن کر محدث البصرہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا

ا۔ تہذیب التہذیب، ج۱۱،ص۳۲۵ ۲۔ اللباب فی الانساب ج۳،صفحہ ۱۶۲

۳۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال،ص۴۳۱ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۳۳

۵۔ العبر فی خبر من غبر، ج۱،ص۲۷۴) ۶۔ شذرات، ج۱،ص۲۹۸ وخلاصہ،ص۴۳۱ ومراۃ الجنان، ج۱،ص۳۸۲

،انہوں نے ایوب السختیانی ،سعید بن ابی عروجہ ،حمید الطویل ،شعبہ اور سفیان ثوری جیسے نادرۂ من محدثین کے خزانہ علم سے بہرۂ وافر پایا تھا۔ان کے بعض دوسرے ممتاز شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں ۔سلیمان التیمی سعید بن زیدی ،عمرو بن میمون ،سعید بن ایاس الجریری ،ہشام بن حسان ،یونس بن عبید ،ابن عون ،معمر بن راشد ،روح بن القاسم۔

خودان کے آفتاب علم سے مستفید ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔کیونکہ شیخ یزید کی پوری زندگی تدریس وروایت حدیث میں گزری تھی ،ان کے تلامذہ کی طویل فہرست میں عبداللہ بن مبارک ،عبدالرحمٰن بن مہدی ،زکریا بن عدی ،عبدالاعلی بن حماد ،یحیی النیشاپوری ، علی بن المدینی ،عباس الولید ،عمر بن عبدالوہاب الریاحی ،محمد بن عبداللہ بن دار ،قتیبہ اور معلی بن اسد وغیرہ کا نام نمایاں ہیں ۔(۱)

ثقاہت واتقان:

طویل العمر مشغلہ درس کی وجہ سے انہیں حدیث کی صحت وسقم کو پرکھنے کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا تھا ،اس میں ان کا تثبت واتفاق باتفاق علماء مسلم تھا ،بشر الحافی فرماتے ہیں:

کان یزید حافظامتقناً ماا علم انی رایت مثلہ و مثل صحتہ حدیثتہ

شیخ یزید حافظ متقن تھے ،میں نے ان جیسا صحیح الحدیث نہیں دیکھا۔(۲)

یحیٰی بن سعید القطان کا بیان ہے کہ:

لم یکن ھھنا احد اثبت منہ

ان سے زیادہ ثبت رکھنے والا بصرہ میں کوئی نہیں دیکھا۔(۳)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقتہ کثیر الحدیث حجتہ

وہ ثقہ ،کثیر الحدیث اور حجت تھے ۔(۴)

امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ:

ما اتقنہ و ما احفظہ صدوق متقن

وہ بہت متقن ،حافظ اور صدوق تھے ۔(۵)

علاوہ ازیں ابن معین ،ابوحاتم اور دوسرے بہت سے علماء ان کی ثقاہت کا بصراحت اعتراف کرتے ہیں۔

زہدواتقاء:

ان کے والدزریع بصرہ کے والی تھے ،اس لئے انہیں راحت وآسائش کے ہر قسم کے سامان فراہم تھے

ا۔ تہذیب التہذیب ،ج ۱۱،ص ۳۲۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ،ج ۱،ص ۲۳۳ ۳۔ العبر ،ج ۱،ص ۲۸۴

۴۔ طبقات ابن سعد ،ج ۷،ص ۴۴ ۵۔ صفوۃ الصفوۃ ،ج ۳،ص ۲۷۷

لیکن یزید مال و زر اور ثروت عزت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور غایت تقویٰ کی بنا پر اپنے باپ کے مال میں سے ایک حبہ بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ کھجور کے پتوں کا کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔ ابوسلیمان الاشقر بیان کرتے ہیں کہ زریع نے وفات کے وقت پانچ لاکھ درہم وراثت میں چھوڑے تھے، مگر یزید نے اس میں سے ایک درہم بھی نہ لیا۔(۱)

ابن حبان کا قول ہے:

كان من اورع اهل زمانه

وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے متقی تھے۔(۲)

مناقب:

علمی فضائل و کمالات کے ساتھ ان کی دنیائے عمل بھی آراستہ تھی۔ خاص طور پر نماز کا بہت اہتمام رکھتے اور نوافل کثرت سے پڑھتے تھے۔ اسی بناء پر عالم بالا میں خداوند قدوس نے ان کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا۔ جیسا کہ نصر بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات یزید بن زریع کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کیا، کن اعمال کی بنا پر؟ فرمایا: کثرت نماز کی وجہ سے۔(۳)

وفات:

۸ شوال ۱۸۲ ہجری بروز چہار شنبہ بصرہ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔(۴)

۳۔ سعید: راجع: ۳۸　　۴۔ قتادہ: راجع: ۱۳۹

۵۔ انس بن مالک: راجع: ۱۳۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارک صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایات خماسیات امام نسائی میں سے ہیں۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو ساتویں (۱۰۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ خماسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ایک ہی شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۱ ص ۳۲۷　　۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۳ ص ۲۷۷　　۳۔ مرآۃ الجنان، ج ۱ ص ۲۸۲

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۴۴، العبر، ج ۱ ص ۵۴، تہذیب الکمال، ج ۱۱ ص ۳۲۷، سیر الصحابہ، ج ۹ ص ۳۵۴۔۳۵۶

☆ آپ مکثرین سبعہ مروی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے دوہزار دوسو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
آپ کو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت مال واولاد کی دعا دی تھی۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور صیغہ تحدیث چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔ یہ سند اس لحاظ سے بھی جید ہے کہ سارے الفاظ روایت ثقاہت کے صیغے ہیں۔

لغوی تحقیق:

اناسا اور جالا: لوگ یا مرد　　عکل: قبیلہ کا نام

قد موا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

تکلمو ابا لاسلام: انہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا۔

اهل ضرع: جانوروں والے　　اهل ریف: کھیتی باڑی والے

استو خموا المدنیة: مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی

ذود: اونٹوں　　راع: چرواہا

البان: دودھ　　ابوال: پیشاب

لما اصحوا: جب وہ صحت مند ہو گئے　　نا حیته الحرة: حرہ کی ایک جانب

قتلوا راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا

استاقوا: وہ ہانک کر لے گئے، چورا لے گئے

بعث الطلب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کے لیے بھیجا

اثارهم: ان کے نشانات　　اتی بهم: وہ لائے گئے گرفتار کر کے

سمر وا اعینهم: صحابہ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں

قطعوا اید ایدیهم وارجلهم: صحابہ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے

ترکوا: انہیں چھوڑ دیا گیا　　حتیٰ ماتوا: یہاں تک کہ وہ مر گئے

۳۰۵۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ :حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :قَدِمَ أَعْرَابٌ مِنْ عُرَيْنَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوا، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ حَتَّى اصْفَرَّتْ أَلْوَانُهُمْ وَعَظُمَتْ بُطُونُهُمْ، فَبَعَثَ بِهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى لِقَاحٍ لَهُ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا حَتَّى صَحُّوا، فَقَتَلُوا رَاعِيَهَا وَاسْتَاقُوا الْإِبِلَ، فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَلَبِهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ "قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَبْدُ الْمَلِكِ لِأَنَسٍ وَهُوَ يُحَدِّثُهُ هَذَا الْحَدِيثَ :بِكُفْرٍ أَمْ بِذَنْبٍ؟ قَالَ :بِكُفْرٍ .قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ :لَا نَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَنَسٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ طَلْحَةَ، وَالصَّوَابُ عِنْدِي -وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ -يَحْيَى، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ کے کچھ دیہاتی لوگ حاضر ہوئے ،اور اسلام قبول کیا، انہیں مدینہ منورہ کی آب وہوا راس نہ آئی، چنانچہ ان کی رنگت زرد ہوگئی اور پیٹ پھول گیا، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی دودھ والی اونٹنیوں کی جگہ بھیج دیا اور انہیں اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا، وہ سب تندرست ہو گئے۔ انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تلاش کرنے کے لیے صحابہ کرام کو بھیجا، وہ (گرفتار کر کے) لائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں۔ حضرت انس بن مالک جب یہ حدیث مبارکہ بیان کر رہے تھے ،تو خلیفہ عبدالمالک نے آپ سے پوچھا: ان کی یہ سزا کفر کی وجہ سے تھی یا گناہ کی وجہ سے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کفر کی وجہ سے۔

حدیث مذکورہ پر امام نسائی کا مرسل ہونے کا حکم:

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق اس روایت کی سند میں حضرت طلحہ کے علاوہ کسی راوی نے بھی عن یحیی عن انس نہیں کہا۔ میرے نزدیک صحیح سند اس طرح ہے:

یحیی عن سعید بن المسیب مرسل۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ:

یعنی امام نسائی کے نزدیک یہ حدیث مبارکہ اگر حضرت یحییٰ کی سند سے ہو تو یہ مرسل ہے۔ مرفوع نہیں ہے، اور نہ ہی اس سند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی حصہ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا

حکم دیا۔

۲۔اطراف:

راجع:۳۱۰۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات گزر چکے ہیں باقی پانچ کا تعارف لکھا جا رہا ہے۔

۱۔محمد بن وھب:

آپ کا نام ابو المعافی محمد بن وھب بن عمرو بن ابی کریمہ حرانی (م:۲۴۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے مصدوق صالح راوی ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے تیرہ احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔محمد بن سلمۃ:

آپ کا نام ابو عبداللہ حسر بن مسلمہ بن عبداللہ باھلی حرانی (م:۱۹۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارویں طبقہ سے ثقہ، علام، فاضل، مفتی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت، مفاہت اور فضلیت وتقوٰی پر متفق ہیں، آپ سے سنن نسائی میں اٹھارہ (۱۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں اور صحیح مسلم میں بارہ (۱۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے جزء القرائۃ میں روایت کی ہے۔(۲)

۳۔ابو عبدالرحیم:

آپ کا نام ابو عبدالرحیم ﷺ یزید بن سماک بن رستم اموی حرانی (م:۱۴۴ھ) ہے، آپ کا طبقہ غلامان سے تعلق رکھتے تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، بعض نے آپ کے والد باپ کا نام یزید اور دادا کا نام سمال ذکر کیا ہے، آپ سے سنن نسائی میں گیارہ احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام بخاری (ادب المفرد)، امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۴۔زید بن ابی انیسۃ:

آپ کا نام ابو اسامہ زید بن ابی انیسہ جذری (م:۱۱۹ھ ۱۲۵) ہے، آپ کا اصلی وطن کوفہ تھا، بعد میں رہا میں سکونت اختیار فرمائی تھی، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، کثیر الحدیث راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں آپ نے صرف چھتیس (۳۶) سال کی عمر میں وفات پائی، آپ سے سنن نسائی میں اکیس (۲۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۱۔ i۔المعجم المشتمل، ص۹۸۴ — ii۔الثقات، ج۹، ص۱۰۵

۲۔ i۔تھذیب الکمال، ج۲۵، رقم۲۹۰ — ii۔تاریخ الثقات، ص۴۰۴

۳۔ i۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۲۱۸ — ii۔الجرح والتعدیل، ج۳، ص۳۶۱

۴۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۴۸۱ — ii۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۱۸۲

۵۔طلحہ بن مصرف:

آپ کا پورا نام محمد طلحہ بن مصرف بن عمر بن کعب بن جحذب ہمدانی یمامی کوفی (م۱۱۲ھ) ہے، بعض نے کنیت ابوعبداللہ ذکر کی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ ہیں، فاضل، قاری، صالح، تابعی راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پندرہ (۱۵) احادیث مبارکہ مروی ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔یحییٰ بن سعید: راجع ۲۳ **۷۔انس بن مالک:** راجع ۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ حضرت طلحہ کے طریق سے مرسل ہے باقی فقہاء کے نزدیک ثقات کی مرسل قابل محبت ہے، اور باقی طرق سے مرفوع صحیح اس کی مکمل بحث (فیوض الرزاحی فی شرح سنن نسائی، ج۲، ص۶۱۰۔۶۳۹ پر ملاحظہ ہو)

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعات کے اعتبار سے یہ پچپن ویں (۵۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ محمد بن وھب صدوق صالح ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین روای حرانی، چوتھے ایاوی، حضرت طلحہ کوفی اور آخری دو مدنی ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مدنی بصری ہیں

☆ سند کے پہلے پانچ راوی ایسے ہیں، جن سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے،

☆ سند میں دو تابعی (طلحہ، ویحییٰ) راوی ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً دس سال مسلسل خدمت کی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ صیغہ حدتحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے

۶۔لغات:

قدم اعراب من عرينة :	دیہاتی قبیلہ عرینہ کے لوگ حاضر خدمت ہوئے۔
فاسلموا :	انہوں نے اسلام قبول کیا۔
اجتووا :	انہیں موافق نہ ہوئی آب وہوا۔
اصفرت الوانهم :	ان کے رنگ زرد ہوگئے۔

۱۔ i۔تاریخ الثقات، ص۲۳۵ ii۔الثقات، ج۴، ص۳۹۳

عظمت بطونهم : ان کے پیٹ پھول گئے

لقاح : دودھ دینے والی اونٹیناں

ان يشربوا : وہ پئیں

راعی : چرواہا

استاقوا الابل : وہ اونٹ ہانک لے گئے

قطع ايدهما وارجلهما : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ہے

سمراعينهم : آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں پر گرم سلائی پھیری

بکفر ام ذنب : کفر کے سبب یا گناہ کے

۷۔ مسائل ونصائح :

تقدم: ۳۰۶

۸۔ خلاصہ:

ایضاً

بَابُ فَرْثِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ يُصِيبُ الثَّوْبَ

باب ۱۹۲: حلال جانوروں کے فضلات کا کپڑوں پر لگنے کا حکم

حلال جانوروں کے پیشاب کی طرح فضلات اور گوبر میں بھی فقہاء کے دو مذہب ہیں، امام مالک اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک پاک ہیں، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ناپاک ہیں، امام نسائی کا مسلک پاک ہونے کا ہے۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں حلال جانوروں کے فضلات کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

۳۰۶۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ مَخْلَدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَلِيٌّ وَهُوَ ابْنُ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ فِي بَيْتِ الْمَالِ قَالَ " :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَمَلَأٌ مِنْ قُرَيْشٍ جُلُوسٌ وَقَدْ نَحَرُوا جَزُورًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ :أَيُّكُمْ يَأْخُذُ هَذَا الْفَرْثَ بِدَمِهِ، ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتَّى يَضَعَ وَجْهَهُ سَاجِدًا فَيَضَعُهُ؟ -يَعْنِي عَلَى ظَهْرِهِ -قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَانْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَأَخَذَ الْفَرْثَ فَذَهَبَ بِهِ، ثُمَّ أَمْهَلَهُ، فَلَمَّا خَرَّ سَاجِدًا وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ، فَأُخْبِرَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ جَارِيَةٌ، فَجَاءَتْ تَسْعَى فَأَخَذَتْهُ مِنْ ظَهْرِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ :اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ -ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَةً مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ :فَوَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى يَوْمَ بَدْرٍ فِي قَلِيبٍ وَاحِدٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، اور قریشی سردار بھی ادھر بیٹھے ہوئے تھے، اس دن انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا، ان میں کسی (ابوجہل) نے کہا: تم میں سے کون ہے؟ جو اس گوبر اور خون کو اٹھائے پھر انتظار کرے، یہاں تک جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر سجدہ میں رکھیں، تو وہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر رکھ دے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: چنانچہ ایک بدبخت اٹھا، وہ گوبر اٹھا کر لایا، پھر انتظار کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے وہ گوبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر رکھ دیا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب ان کو خبر دی گئی، آپ رضی اللہ عنہا اس وقت چھوٹی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی تشریف لائیں، اور وہ ناپاکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک سے اتاری، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ دعائے ضرر کی۔ اے اللہ تعالیٰ تو قریش کی پکڑ کر، اے اللہ تعالیٰ تو ابوجہل بن ھشام، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک فرما، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قریشیوں کے نام لے کر دعائے ضرر فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا، میں نے ان سب کو غزوہ بدر کے دن کنویں میں مردہ پایا اوندھے منہ گرے ہوئے۔

۱۔ مطابقت:

گوبر اور خون پیٹھ پر رکھے جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جاری رکھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر اور خون آلودہ کپڑوں میں نماز کو مکمل کیا۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۴۵، :۵۲۰، ۲۹۳۴، ۳۱۸۵، ۳۸۵۴، ۳۹۶۰، صحیح مسلم :۱۷۹۴، السنن الکبریٰ نسائی :۸۶۶۹، صحیح ابن خزیمہ :۷۸۵، صحیح ابن حبان: ۶۵۷۰، مسند ابو داؤد الطیالسی :۳۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج ۲، ص ۶۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۴، ص ۲۹۸، مسند ابو یعلیٰ : ۵۳۱۲، مسند البزار: ۲۳۹۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج ۱، ص ۳۵۰۔۳۴۹، مسند احمد: ۳۷۲۲، ج ۶، ص ۲۶۵

۳:تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ روای ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کے حالات سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سرگزشت حیات دوبارہ تفصیل سے بیان کی جا رہی ہے:

۱۔احمد بن عثمان بن حکیم: راجع: ۲۵۲

۲۔خالد بن مخلد:

آپ کا نام ابوالھیثم خالد بن مخلد قطوانی بجلی (م ۲۱۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے ہیں صدوق، ثقہ راوی ہیں، آپ متکلم فیہ راوی ہیں سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ابوداؤد نے مسند مالک میں روایت کی ہے۔(۱)

۳۔علی بن صالح:

آپ کا نام ابومحمد علی بن صالح بن صالح بن حی ھمدانی کوفی (م ۱۵۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ ثقہ، عابد، ماھون، تبع تابعی راوی ہیں آپ سے سنن نسائی سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔ابواسحاق: راجع: ۲۳۰

۵۔عمر بن میمون:

آپ کا نام ابوعبداللہ عمر بن میمون اودی کوفی (م: ۷۴ھ) ہے بعض نے آپ کی کنیت ابو یحییٰ لکھی ہے، انہوں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی ایمان بھی لے آئے تھے لیکن آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے۔سنن نسائی میں آپ سے تیرہ (۱۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۱۔ i۔تاریخ الثقات، ص ۱۴۱ ii۔الثقات، ج ۸ ص ۲۲۸ iii۔الکامل (ابن عربی)، ج ۳، ص ۳۴
iv۔تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۲۱۶ v۔احوال الرجال، ص ۱۱۴ vi۔تاریخ الدارمی، ص ۳۰۱

۲۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۱۹۰ ii۔تھذیب الکمال، ج ۲، ص ۴۶۶

۳۔ i۔الثقات، ج ۵، ص ۱۶۶ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۸۵

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا شجرہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر حضرت عبداللہ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے حلیف تھے۔ (۱)

ابتدائی حالات:

ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء امراء کے بچے اس سے مستثنیٰ نہ تھے گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔ (۲)

اسلام:

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ" بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں عرض کی ہاں اور ایک بکری پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا: (۳) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا "خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔ اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی "مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے" اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلاواسطہ خود مہبط وحی الہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نہ تھا۔۴۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا آگے ایک خاص باب میں خدمت گذاریوں کی تفصیل آئے گی۔

جوش ایمان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی

۱۔ اسد الغابہ، ج۲، ص۲۵۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرات نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا'' خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا''، لیکن پھر سوال یہ پیدا کہ اس خطرناک فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرے میں پڑنا مناسب نہیں۔ اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جسکا خاندان وسیع ہو، اور اس کی حمایت میں مشرکین کے دست سیم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جوش ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا'' مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے'' غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر ساز توحید پر ضرب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علم قرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا کہ مشرکین نے تعجب اور غور سے سن کر پوچھا ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے۔'' کسی نے کہا کہ محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شعلہ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین [illegible] رتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی وشکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے'' خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں، لوگوں نے کہا'' بس جانے دو'' اس قدر کافی ہے کہ جس کو سننا وہ پسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا''(۱)

ہجرت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جوش وغیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل وپیہم ایذارسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرانوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔(۲)

غزوات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام مشہور واہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے۔(۳)

۱۔ اسد الغابۃ، ج۳، ص۲۵۳　　۲۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۱۱　　۳۔ بخاری، ج۲، ص۵۶۵

غزوہ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا، اس جنگ میں بھی مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان جان نثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ سوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں ایک دفعہ زمین پر جھکے، میں نے پکار کر کہا'' آپ سر بلند رہیں، خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے'' فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو، میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ ﷺ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلودہ ہو گئیں۔ پھر ارشاد ہوا مہاجرین اور انصار کہاں ہیں؟ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ (۱)

جنگ یرموک:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں ہیجان پیدا کیا، (۱۵ھ) میں گوشہ خلوت کے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ (۲)

عہدہ قضاء:

(۲۰ھ) میں کوفہ کے قاضی مقرر کیے گئے، عہد قضاء کے علاوہ خزانے کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے چنانچہ فرمان تقرری کے الفاظ یہ ہیں:

(ترجمہ) ''میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی، یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکہ بدر میں شریک تھے اس لیے ان کو سماً وطاعۃ کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں بساط میں سیاست پر گوناگوں انقلاب ہوئے خلیفہ دوم نے وفات پائی، خلیفہ ثالث نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت واحتجاج کیے بعد دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔ فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو ودرگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی

۱۔ مسند احمد، ج ۱ ص ۴۵۳ ۲۔ اسد الغابہ، ج ۳ ص ۲۵۷

جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و اساطین کی متزلزلہ کر دینا ہے۔ اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانون معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو شراب خوری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے۔ جواب ممکن نہیں اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری ہوگئی تھی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہیے کیا تم اس پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرا دیا اور سب کو توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے آنحضرت نے ان سے پوچھا کہ تم مسلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا تو رسول اللہ ﷺ کی خواہش کو پورا کرنا ضروری تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہوگیا تو عہدہ قضا کے لحاظ سے قدرۃً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی، اس لیے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دوبارہ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا'' صاحبو! صرف شک و شبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔ (۱) اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ میں شراب پیتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ دری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا مفسدین کو ایسا جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون سا کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص کے لئے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو'' غرض اسی سوال و

۱۔ تاریخ طبری، ص ۲۸۴۵

جواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے۔(۱)

خزانہ کی افسری:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ عظمت، وسعت وکثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا اس سے لاکھوں روپے وظائف جاری تھے فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراساں، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کیے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر اُدھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زہد و بے نیازی اور اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب، افسر اور والی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی سے ان کے ساتھ تقاضا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ''اے آسمانوں و زمین کے پیدا کرنے والے'' چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لیے حضرت عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر کہا'' دیکھو میرے لیے بددعا نہ کرنا بولے خدا کی قسم! اگر خوف نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے سخت بددعا کرتا حضرت عبداللہ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ کی رپورٹ دربار خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی گو اس ناراضگی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔(۲)

معزولی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش ومفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا اور یکا یک معزول کر دیے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اور اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے حاضر ہیں۔ بولے امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا

۱۔ تاریخ طبری ۲۸۴۵ ۲۔ ایضاً ص:۲۸۱۱۔

ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین:

جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے۔کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے پوچھا کون؟ کہا ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فدیتہ بابی وامی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و مشفق صحابی تھے۔، وہ دارالخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لیے اپنا آغوش شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپسیں تھا، اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا۔(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر امیر المومنین کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع دی اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی میں بسر ہوں۔

علالت:

(۳۲ھ): میں جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔ یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چند ہی دنوں بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقرر کردہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا اس لیے وہ اس آخری لمحہ حیات میں عفو خواہی و عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: اپنے گناہوں کی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: خدا کی رحمت۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کے لیے طبیب بلاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟

۱۔ الاصابہ، ج۲:۴۹۵۴　　۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج۱ص۲۲۵

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟

میں نے انہیں حکم دیا کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کر، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو و خواہی کے صیقل نے دونوں کے آئینہ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔(۱)

وفات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد و نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر (۳۲ھ) میں داعی اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون O (۲)

علم و فضل:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں۔ آپ نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقہ درس میں داخل کر لیا اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منبر بنا کر چمکایا۔

علم کا شوق:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے۔ بشارت ملی (انک غلام معلم) تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔ اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سر چشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبداللہ رضی اللہ عنہا کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کی معلومات بہم پہنچائیں۔(۳)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۳　　۲۔ ایضاً　　۳۔ مسند امام اعظم، ص ۱۸۴

رسالت مآب ﷺ کی خدمت وصحبت کا اثر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ کے خادم خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہمدم وہمراز بھی تھے، (۱) مخصوص صحبتوں میں شریک کیے جاتے تھے بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو حضور کے بستر مسواک اور وضو کے پانی والے معزز خطاب دے رکھا تھا۔ (۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے۔ (۳) غرض اس خدمت گزاری اور ہروقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃ سب سے زیادہ وہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن:

قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی اور الہام کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں (۴) ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔ حضرت ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے" ابوموسیٰ نے کہا "کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو، اور سب سے پہلے ابن ام عبد رضی اللہ عنہ کا نام لیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو کہا: کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے، جبکہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ (۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ حکم کی تکمیل کی۔

۱۔ مستدرک، ج۳، ۳۱۶ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۱۰۹ ۳۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۴۳

۴۔ بخاری، ج۲، ص۷۴۸۔ ۵۔ مسلم: ۶۳۲۹

چونکہ اس مصحف کے نقل وترتیب کی خدمت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت لڑکے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے۔(۱)

ان سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہوسکتی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا: کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھنا، عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔

تفسیر:

قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلاً أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ○(۲)

بے شک وہ لوگ جو خدا کی عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرمارہے تھے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ شرک پھر قتل اولاد، پھر آپ نے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا، اس حدیث کو بیان کر کے انہوں نے برجستہ آیت سے اس کی تصدیق فرمادی۔(۳)

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً ○(۴)

جو لوگ خدا کے ساتھ، کسی دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کریگا ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کتابوں میں بکثرت منقول ہے، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار کی جاسکتی ہے

تفسیر بالرائے سے احتراز:

اپنی رائے وقیاس سے آیت قرآنی کی تشریح وتفسیر کرنا علماء امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم تاتی السماء بدخان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کررہا ہے، وہ کہتا ہے کہ ایک بیماری میں مبتلا ہوجائیں گے، بولے دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہوجائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی۔

۱۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۲۵۹، ۳۲۵۹، ج۱، ص۳۷۷　۲۔ ال عمران ۳:۷۷　۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۸۰　۴۔ الفرقان ۲۵:۶۸

جب قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی دعا ضرر کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھے، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام آنے والا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے (۱)

قرآت:

قرآت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن کا ماحاصل یہ ہے کہ قرآت میں ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے۔

ایک مرتبہ وہ نماز میں سورۂ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الانام ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا:

اسئل تعطه اسئل تعطه

(جو کچھ) سوال کرو، پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ نازل ہوا تو اس کو قرأت ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیے۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے اور پوچھا کہ رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟ بولے میں نے کہا اے خدا مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے کہ کبھی ختم نہ ہو، اور خلد بریں میں (حضرت محمد ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب ہو۔ (۲)

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے تھے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورت پڑھ کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی رسول اللہ ﷺ آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں ارشاد ہوا کیوں نہیں لیکن میں دوسرے کی زبان سے ''کل امة بشهيد و جئنابك على هو لا شهيد'' جب پڑھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے۔ (۳)

روایت میں خوف اور احتیاط:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں حدود درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں ایک کامل سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا، اور کہنے لگے، آپ نے اسی طرح فرمایا: اس کے قریب قریب

۱۔ مسند احمد، ج ۱ ص ۳۱۸، بخاری ج ۲ ص ۱۰۷　　۲۔ مسند، ج ۱ ص ۴۵۴　　۳۔ ایضاً ص ۴۷۴، بخاری، ج ۲ ص ۵۹

یا اس کے مشابہ حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرتھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق پسینہ پسینہ ہو گئے۔ (۱)

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت:

شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ جب کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔ (۲)

کثرت روایات کی وجہ:

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے ہر جملۂ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔ (۳)

مذاکرہ حدیث کا شوق:

بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذاکرہ رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک ایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما تھے، میں نے کہا ابو عبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے آج بعض مشاغل ایسے آ گئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی، تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یادیں تازہ کر لوں غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک لطف صحبت رہی۔ (۴)

آداب روایت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مودب متین اور سنجیدہ بن جاتے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنسے؟ اس لئے کہ اس

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۴　۲۔ مسند احمد، ج۱، ص۴۷۵　۳۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۱۱۰

۴۔ تہذیب الکمال، رقم ۲۳۴

موقع پر رسول ﷺ نے اس طرح تبسم فرمایا تھا۔(۱)

فقہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان فاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرتہ ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح عراق فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیرو ہو گیا۔ اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا۔

حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاوی کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، اس سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ اب اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ:

قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں، ان میں سے دونوں موخر الذکر کی ضرورت رسول ﷺ کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی والہام ﷺ کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اجماع:

اجماع کو علمی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خاص طرۂ امتیاز ہے تاہم اصولی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا:

ما راه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن و ماراهوا سيئا فهو عندالله سيء(۲)

جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس:

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع اور نئے نئے مسائل

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص ۴۴۸ ۲۔ مسند ایضاً، ص ۳۷۹

کی گھتیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات غیر منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی موقع ہے، جہاں اس کو قوت اجتہاد تفریع مسائل واستنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عملاً قیاس سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیے جو آج ہمارے علم واصول فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہیں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کر دیتے ہیں جن سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔ حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے راہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے، اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنا ارادہ پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجبوری کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی بولے تم صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو (۱)

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں: (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے۔ (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیر پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اس کو وراثت میں ترجیح دی جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے برخلاف اس کے دونوں موخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس صورت میں زیادہ قرابت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے (۲)

اجتہاد:

مذکورہ بالا قیاس مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گھتیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام وتفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ، موقت وموئید کی تصریح کر کے صحیح استنباط حکم کی راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو عدت کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورۂ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔ **والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعتہ اشھرو عشرا** (۳)

تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں۔

اور سورۂ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔

۱۔ موطا امام محمد، ص ۲۳۲　　۲۔ السراجی فی المیراث، ص ۱۴　　۳۔ البقرہ ۲:۲۳۴

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۱)

اور جوعورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں۔

اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانہ عدت قرار دیا تا کہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے ،لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقرہ کی آیت کوسورۂ نساء کی (آیات سے منسوخ دے کروضع حمل عدت قراردی) اورفرمایا کہ میں اس کے لئے مباہلہ کرسکتا ہوں کہ سورۂ بقرہ سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔(۲) یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کوسراًفاتحہ پڑھنا چاہیے یانہیں؟ آج احناف اور دیگر فرقہ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکتہ الآرا مبحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا،حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی ،چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کوان کے سامنے پیش کیاانہوں نے جواب دیا۔ انصت فان فی الصلوتہ شغلا سیکفیك ذاك الامام

خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی ،امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے۔(۳)

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے جوآج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

(۱) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا (۴)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کوسنواور خاموش رہو۔

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "من کان لہ امام فقراہ الامام لہ قراۃ" یعنی جوامام کے پیچھے ہواس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ایک مرتبہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے،اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی،انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم ہے ابوموسی رضی اللہ عنہ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا انھوں نے فرمایا اگر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسی رضی اللہ عنہ کے قول کوترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی لیکن دوثلث پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کوبھی ملے گا،اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے۔(۵) یہ جواب حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا: جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ آج یہی فتوی تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔

معاصرین فضل وکمال کے معترف تھے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی وملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معترف تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کودیکھتے تو چہرہ بشاش ہوجاتا اور فرماتے۔

۱۔ الطلاق ۶۵:۴　　۲۔ التوضیح والتلویح،ص ۱۲۰　　۳۔ موطا امام محمد،ج ۱،ص ۹۶

۴۔ الاعراف ۷:۲۰۴　　۵۔ مسند احمد بن حنبل،ج ۳،ص ۴۲۸

کیف ملی علما (۱)۔ ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند کوفیوں نے ان کے تقوی، حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انہوں نے پوچھا، کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟ بولے ہاں فرمایا تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعود کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا: کہ اگر کسی شخص کے حلق میں اس کی بیوی کا دودھ فرد ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال ہے، حضرت ابُوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اعتراف لہجہ میں لوگوں سے کہا جب تک یہ حبر (یعنی معتبر عالم متجر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جو تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا تہبند ذرا اوپر کر کے باندھو، اس نے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ تم بھی تہبند اوپر کرو، بولے میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ردوقدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے شخص سے منہ زوری کی۔ (۴)

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز:

ایک طرف تو ان کی قوت اجتہاد و جلالت شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے کہ بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔ (۵) حضرت مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر مسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے قیاس کریں گے۔ (۶) ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کا شوہر انتقال کر گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے۔ یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کی ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ خاموش رہے لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق رہے، اور اس کو عدت میں بٹھانا چاہیے، پھر فرمایا اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہے، اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سنان رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ مؤطا امام مالک، ص ۲۲۳

۴۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۱۳۰ ۵۔ اعلام الموقعین، ص ۴۴ ۶۔ ایضاً

فتویٰ سے رجوع کرنا:

اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد میں اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا تمام صورتوں میں ناجائز ہے چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے تنسیخ نکاح کا حکم دیا (۱)

معاصرین سے استفادہ:

نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خریدی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ۔ (۲)

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں، اور وہ باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علی، ابی کعب اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ایک ساتھ اور عمر، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ایک ساتھ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر، زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے تھے۔

ارباب علم کی قدر شناسی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارباب علم وفضل کی نہایت عزت کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کا قول تھا کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ بہترین ترجمان قرآن ہیں اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن (عمر، زمانہ) پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ (۳) حضرت علقمہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرت معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی نسبت فرماتے تھے کہ علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں۔

کثرت وعظ سے احتراز:

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کی ضد اور اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے

۱۔ موطا امام مالک، ص ۱۹۳ ۲۔ موطا امام محمد، ص ۲۴۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۵

گھبرانہ اٹھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے بعد شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا صاحبو مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرت بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے'' ۔(۱) یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبان علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوع آفتاب کے بعد وقت مسئلہ مسائل کے لیے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے، طلوع آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل سورتیں پڑھیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتیں آل عمران پڑھتے تھے، (۲) اس حدیث میں اور واقعات بھی ہیں، مگر ان کی تعلیم نہیں ہے اس لیے ہم نے حذف کر دیے۔

اخلاق:

سنت نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اخلاق وطرز معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق وہدایت میں آنحضرت محمد ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں'' بولے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ آنحضرت محمد ﷺ کی ہدایت حسن خلق اور طور طریقے کے پابند ہیں اور محمد ﷺ کے دوستوں میں جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے''۔(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کیے سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا امیر المومنین ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی پرہیزگار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہم نشیں نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' بے شک میرا بھی یہی خیال ہے بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لینے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، اور عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ بن مسعود سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے اور دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے'' خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس پر لعنت بھیجی جاتی

۱۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۳۷۷ ۲۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۰۴ ۳۔ ترمذی: ۳۸۰۷

۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۰

ہے اگر وہ بے قصور ہو تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔(۱) ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہو گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آ جائے تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا۔(۲)۔حضرت تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے۔لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔(۳) حضرت عثمان نے دو برس تک کا وظیفہ بند کر دیا تھا وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا بولے ''کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان خاص طور [illegible]انوں کے لیے خالی کر دیا تھا۔(۵)

خانگی زندگی:

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے تعویز پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے ان کے پلنگ کے نیچے چھپا دیا عبداللہ رضی اللہ عنہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا ''یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے کہا تعویذ ہے'' انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا ''عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں'' میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتیں تھی تو میں فلاں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا۔بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمہارے لیے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کافی ہے۔(۶) **اذھب الباس رب الناس اشف و اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاء لا یغادر سقما** ''خوف دور کر! اے میرے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی''۔پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی۔(۷) جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلیف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال کرتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا ''خدا آپ پر رحم کرے آپ تمام امت کے مقتداء اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۴۰۸　۲۔ بخاری، ج۲، ص۷۹۷　۳۔ ایضاً　۴۔ اسد الغابہ، ج۱، ص۲۵۹

۵۔ تاریخ طبری، ص۲۸۴۲　۶۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۸، ابوداؤد، ج۲، ص۱۸۶　۷۔ طبقات، ج۳، ص۱۴۴

اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو نہ استعمال کرتا''۔(۱)

وظیفہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جوان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لیے واگزار کرا دیا، اس طرح ان کے پسماندگان کو ایک مشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے۔(۲)

حلیہ:

حلیہ یہ تھا جسم لاغر، قد چھوٹا، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم خوب صورت زلف، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہ پاتا تھا۔ ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے، تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی''۔(۳) (۴)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیات سند:

☆ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکتیسویں (۱۳۱) حدیث مبارکہ ہے،

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں جبکہ حضرت خالد بن مخلد متکلم فیہ راوی ہیں، البتہ اکثر آئمہ نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔

☆ سند میں دو تابعی راوی ہیں، جو کہ حضرت ابو اسحاق سبیعی اور حضرت عمرو بن میمون ہیں۔ حضرت عمرو بن میمون نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس پایا ہے۔ لیکن زیارت سے مشرف نہیں ہوئے۔

☆ حضرت خالد بن مخلد، حضرت علی بن صالح رحمہ اللہ حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے،

☆ سند میں عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ آئمہ رجال کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جب مطلقاً عبداللہ مذکور ہو تو

۱۔ مسند اعظم، ص ۲۰۱ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۳ ۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۴۔ سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۲۰۲۔۲۲۶

اس سے مراد شہروں کی نسبت سے ہوتا ہے، جس کی تفصیل درج ہے۔

ا۔اہل مدینہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۲۔اہل مکہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۳۔اہل کوفہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۴۔اہل مصروشام: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں، جن میں سے چونسٹھ (۶۴) متفق علیہ ہیں، اکیس (۲۱) میں امام بخاری اور پینتیس (۳۵) میں امام مسلم منفرد ہیں

☆ آپ سابقون الاولون میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات

كان رسول الله ﷺ ليصلي : رسول اللہ نماز پڑھ رہے تھے۔

عندالبيت :	خانہ کعبہ کے پاس	**ملاء من قريش :**	قریشی سردار
جلوس :	جلس کی جمع بیٹھنا	**قدنحروا جزروا:**	انہوں نے اونٹ ذبح کیا تھا۔
ايكم ياخذ:	تم میں سے کون لائے گا۔	**الفرث :**	گوبر۔فضلہ
يمحل :	وہ کھڑا رہے یا انتظار کرے۔	**حتى يضع و جهه:**	یہاں تک کہ آپ ﷺ چہرہ رکھیں
ساجدا :	سجدہ کی حالت۔	**ظهره:**	آپ کی پیٹھ
انبعث :	وہ ایک شخص اٹھا	**اشقا :**	سب سے بڑا بد بخت
ذهب :	وہ گیا۔وہ آیا۔	**لماخر :**	جب آپ ﷺ جھکے
اخبر ت:	اس ایک عورت کو خبر دی گئی	**جارية :**	چھوٹی بچی
جاء ت تسعى :	حضرت فاطمہ جلد جلد آتیں۔	**اللهم عليك قريش:**	اے اللہ تعالیٰ! تو قریش کی پکڑ کر
ثلاث مرات :	تین دفعہ۔	**سبعة من قريش :**	سات قریشوں کے نام لیے
انزل :	اس نے نازل کی۔	**الكتاب:**	قرآن مجید
لقدرايت :	بے شک میں نے دیکھا۔	**صرعىٰ :**	اوندھے منہ پڑا ہوا
يوم بدر :	غزوہ بدر کے دن	**قليب واحد:**	ایک کنواں

۷۔ مسائل ونصائح:

احادیث مذکورہ میں جو دو واقعات بیان ہوئے ہیں، سیرت نگاروں نے ان واقعات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے، ان دونوں واقعات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں

ا۔ واقعہ عرینیین کی پوری تفصیل:

امام محمد بن یوسف صالحی شامی لکھتے ہیں:

امام احمد، امام مسلم، امام بخاری، ابن عوانہ، ابویعلی، الاسماعیلی، بیہقی، الطبرانی، ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے حضرت انس، جابر، ابن عمر، جریر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے غزوہ میں ایک غلام پایا جسے یسار کہا جاتا تھا۔ آپ نے اس غلام کو دیکھا وہ اچھے طریقہ سے نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ اسے اپنی اونٹنیوں میں بھیج دیا جو چراگاہ کے ایک کونے میں چرتی تھیں۔ آپ کی خدمت میں ایک وفد حاضر ہوا۔ یہ عکل اور عرینہ کے آٹھ افراد تھے، بنو عرینہ میں سے چار بنو عکل میں سے تین افراد تھے ایک شخص کا تعلق ان دونوں قبائل میں سے کسی کے ساتھ نہ تھا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اسلام کے بارے گفتگو کی۔ آپ نے اسلام پر انہیں بیعت کر لیا۔ یہ مرض میں مبتلاء تھے۔ ان میں کمزوری اور شدید زردی پائی جاتی تھی۔ ان کے پیٹ پھول گئے تھے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں پناہ دیں اور کھانا کھلائیں یہ صفہ میں تھے۔ انہیں مدینہ کی ہوا موافق نہ آئی۔ یہ کمزور اور ناتواں ہو گئے۔ انہیں سینے کے ورم نے آلیا۔ انہوں نے کہا: ''یہ درد واقع ہو گیا ہے۔ مدینہ طیبہ وباء زدہ ہے۔ ہم جانوروں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ ہم شہروں میں رہنے والے نہیں۔ آپ ہمارے لیے دودھ کا انتظام کریں'' آپ نے فرمایا ''میں صرف یہ سبیل پاتا ہوں کہ تم اونٹنیوں کے پاس چلے جاؤ۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں رخصت دی کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جائیں ان کے دودھ اور پیشاب پئیں۔ وہ باہر نکلے انہوں نے اونٹوں کا بول اور دودھ پیا''۔ جب وہ صحت مند ہو گئے ان کے اجسام درست ہو گئے۔ ان کے پیٹ درست ہو گئے تو انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا۔ اونٹوں پر حملہ کیا اور انہیں ہانک کر لے گئے۔ انہوں نے آپ کے غلام یسار کو پایا۔ ان کے ہمراہ کچھ اور افراد بھی تھے۔ انہوں نے ان کے ساتھ لڑائی کی۔ حضرت یسار کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹ دیں۔ ان کی آنکھوں اور زبان پر کانٹے چبھوئے حتیٰ کہ وہ انتقال کر گئے۔ امام مسلم کی روایت ہے۔'' پھر انہوں نے چرواہوں پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا'' ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا: ''وہ لوگ میرے ساتھیوں کو قتل کر گئے ہیں۔ اونٹ لے گئے ہیں'' محمد بن عمر نے روایت کیا ہے کہ بنو عمرو بن عوف کی ایک عورت اپنے گدھے پر آئی۔ وہ حضرت یسار کے پاس سے گزری۔ وہ درخت کے نیچے پڑے تھے۔ وہ اپنی قوم کے پاس آئی اور اسے یہ واقعہ بتایا۔ وہ گئے اور حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قباء لے آئے۔ وہ وصال فرما چکے تھے۔ امام مسلم نے لکھا ہے: ''آپ کے پاس انصار کے بیس جوان حاضر تھے۔ آپ نے انہیں بھیجا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے دشمن کے تعاقب میں بیس شہ سوار بھیجے۔ ان میں حضرات سلمہ بن الاکوع، ابورھم اور ابوذر غفاری، بریدہ بن حصیب، رافع بن مکیث، ان

کے بھائی جندب، بلال بن حارث، عبداللہ بن عمرو، جعال بن سراقہ اور سوید بن صخر جہنی رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ شاید جن حضرات کے نام حضرت ابن عمر نے نہیں لکھے ان کا تعلق انصار سے ہو اور اغلب کا گمان کرتے ہوئے انہیں انصار کہہ دیا گیا ہو یا سب کو اعم معنی کے اعتبار سے انصار کہہ دیا گیا ہو۔ آپ نے حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ امام طبرانی نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دشمن کے تعاقب میں بھیجا۔ مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت جریر اس واقعہ کے تقریباً چار سال بعد آئے آپ نے ان دشمنوں کے لیے صحابہ کرام کے ہمراہ ایک قیافہ شناس بھی بھیجا۔ ان کے لیے بددعا کی۔ آپ نے دعا مانگی: ''مولا انہیں راستے سے اندھا بنا دے۔ اسے ان کے لیے اونٹ کی کھال سے بھی تنگ بنا دے۔ رب تعالیٰ نے ان کو راستوں سے اندھا بنا دیا۔ وہ اسی روز پکڑ لیے گئے۔ جب دن ذرا بلند ہوا تو انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ محمد عمر نے لکھا ہے ''حضرت کرز اور ان کے ساتھی دشمن کے تعاقب میں نکلے۔ رات کے وقت انہیں جا پایا، انہوں نے الحرہ کے مقام پر رات بسر کی پھر انہیں علم نہ تھا کہ وہ کس طرف جائیں۔ ایک عورت آئی جو اونٹ کا کندھا اٹھائے ہوئے تھی۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ پوچھا: ''یہ کیا ہے۔ اس نے کہا میں ایک قوم کے پاس سے گزری انہوں نے اونٹ ذبح کر رکھا تھا انہوں نے مجھے بھی یہ کندھا دیا وہ اس میدان میں ہیں جب تم وہاں جاؤ گے تو تمہیں ان کا دھواں نظر آ جائے گا۔ صحابہ کرام آگے بڑھے۔ جب ان لوگوں کے پاس پہنچے تو وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ ایک شخص بھی بھاگ نہ سکا۔ انہوں نے انہیں باندھا، گھوڑے پر سوار کیا، مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الرغابتہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ انہیں آپ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا۔ میرے ہمراہ بچے بھی تھے الرغابتہ کے مقام پر آپ نے ان سے ملاقات کی۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں گئیں۔ امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا: ''آپ نے ان لوگوں کی آنکھوں میں سلائیاں اس لیے پھیریں کیونکہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں تھیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہیں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان کے ہاتھ اور ٹانگیں مختلف اطراف سے کاٹ دی گئیں۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ انہیں الحرہ میں پھینک دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ وہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا جاتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جو شدت پیاس سے اپنے منہ سے زمین کاٹ رہا تھا۔ تاکہ گرمی اور سختی سے اسے کچھ ٹھنڈک ملے حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ ان کے خون کو نہ روکا گیا۔ ابو قلابہ نے فرمایا ان بدبختوں نے قتل کیا تھا چوری کی تھی۔ اسلام لانے کے بعد کفر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ابن سیرین نے لکھا ہے: عرینین کا یہ قصہ حدود کے نزول سے پہلے ہوا تھا حضرت انس سے روایت ہے کہ ان میں سے دو کو پھانسی دی گئی۔ دو کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ الحافظ لکھتے ہیں اس طرح انہوں نے چھ کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر یہ روایت محفوظ ہو تو پھر ان کی سزا متفرق نوع ہو گی۔ ارشاد ربانی ہے: بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن) قتل کیا جائے سولی دیا جائے کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا اور ان کے لیے

آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔اس کے بعد آپ نے کسی کی آنکھ میں سلائی نہ پھیری۔کسی کی زبان نہ کاٹی۔ہاتھ اور ٹانگ کاٹنے میں اضافہ نہ کیا۔لشکر کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔اس کے بعد آپ صدقہ پر ابھارتے تھے۔مثلہ سے منع کرتے تھے۔ابن عمر اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ اونٹنیوں کی تعداد پندرہ تھی۔وہ انہیں الحناء تک لے گئے۔

تنبیہات:

۱۔ ان لوگوں کا تعلق عکل اور عرینہ کے قبائل سے تھا۔ان دونوں اسموں کے مابین واؤ ہے۔الحافظ نے لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ امام بخاری نے المغازی میں اسی طرح لکھا ہے۔ بعض دیگر کتب میں یہ 'او' سے مروی ہے اس لیے ابن التین نے داودی کی تبع میں لکھا ہے کہ عرینہ ہی عکل ہے۔الحافظ لکھتے ہیں ''یہ غلط ہے یہ دونوں جداگانہ قبیلے تھے۔عکل کا تعلق تیم الرباب کے ساتھ تھا۔جبکہ عرینہ کا تعلق قحطان کے ساتھ تھا۔امام عبدالرزاق نے ساقط سند سے روایت کیا ہے کہ عکل اور عرینہ کا تعلق بنوفزارہ کے ساتھ تھا۔مگر یہ غلط ہے کیونکہ بنوفزارہ کا تعلق مصر کے ساتھ تھا۔یہ عکل اور عرینہ کے ساتھ اصلاً جمع ہی نہیں ہو سکتے۔

۲۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے غزوہ قرد کے بعد حملہ کیا تھا اس وقت ماہ جمادی الآخر (۶ ھ) تھا۔امام بخاری نے اس کا تذکرہ حدیبیہ کے بعد کیا۔یہ ذوالقعدہ میں رونما ہوا تھا۔ابن عمر نے لکھا ہے کہ یہ شوال میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ابن حبان اور ابن سعد نے ان کی اتباع کی ہے۔

۳۔ اس سریہ کے امیر میں اختلاف ہے۔ابن اسحاق اور اکثر سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ اس کے امیر حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ابن عقبہ نے اس کا امیر حضرت سعید بن زید انصاری کو لکھا ہے۔الحافظ لکھتے ہیں ''احتمال ہے کہ یہ انصار کے رئیس ہوں۔جبکہ حضرت کرز پوری جماعت کے امیر ہوں۔بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سریہ کے امیر حضرت جریر بن عبداللہ البجلی تھے۔لیکن اس موقف کی یوں گرفت کی گئی ہے کہ وہ اس واقعہ کے چار سال بعد مشرف باسلام ہوئے۔

۴۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اونٹنیاں حضور ﷺ کی تھیں جیسے کہ امام بخاری کی روایت میں یہ صراحت سے ہے: مگر یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے اونٹوں سے جاملو۔ایک اور روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جائیں۔

ان روایتوں کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ صدقہ کے اونٹ مدینہ طیبہ سے باہر چرتے تھے۔انہوں نے ان اونٹوں کو چراگاہ میں پایا لیکن انہوں نے تقاضا کیا کہ وہ پیشاب پینے کے لیے صحرا کی طرف نکلیں۔آپ نے حکم دیا کہ وہ آپ کے چرواہے کے ساتھ چلے جائیں وہ اس کے ساتھ گئے۔انہوں نے جو کیا وہ کیا، آپ کا یہ پیغام سچ ثابت ہو گیا کہ مدینہ منورہ اپنی خبث کو باہر نکال پھینکتا ہے۔

۵۔ بعض لوگوں نے اس واقعہ سے ان جانوروں کے پیشاب کا قول کیا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کیونکہ آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔یہ امام مالک، امام احمد، شوافع میں سے ابن خزیمہ، ابن منذر، ابن حبان، اصطخری اور رویانی کا قول ہے جبکہ امام شافعی اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ سارے جانوروں کے پیشاب ناپاک ہوتے ہیں خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ابن منذر نے اس فرمان سے استدلال کیا ہے اشیاء کی طہارت پر رکھا جائے گا حتی کہ کسی کی نجاست ثابت ہو جائے۔انہوں

نے کہا ہے کہ جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ اس قوم کا خاصا تھا تو اس کا موقف درست نہیں ہے کیونکہ خصائل دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔ نیز یہ اہل علم نے لوگوں کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ بازار میں بھیڑوں کی مینگنیاں فروخت کرتے ہیں اور بغیر کسی انکار کے پرانے اور نئے زمانے میں اونٹوں کے پیشاب دواؤں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں یہ اس امر کی ظاہری دلیل ہے۔

لیکن الحافظ لکھتے ہیں: یہ کمزور استدلال ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہونا اس کے انکار کو واجب نہیں کرتا۔ انکار کو ترک کرنا اس کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ وہ اس کی طہارت پر دلالت کرے۔ پیشاب کے نجس ہونے پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تنگیاں پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

قاضی ابن عربی نے لکھا ہے کہ انہیں بطور دوا یہ پیشاب پینے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان کی گرفت یوں کی گئی ہے کہ دو ایسی ضروری حالت نہیں جو ایسی دلیل کے ساتھ ہو کہ واجب نہیں۔ ان امور کے ساتھ حرام مباح کیسے ہو سکتا ہے واجب نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ضروری حالت نہ تھی۔ یہ اس وقت ضروری حالت بنی جب اس کے بارے اس شخص کو بتایا گیا جس کی خبر پر اعتماد ہو سکتا تھا۔ جو چیز ضرورت کے وقت مباح ہو اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تاویل کی ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (۱)

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لیے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف۔ انسان جس چیز کو حالت اضطراری میں کھانے پر مجبور ہوا۔ وہ اس کے لیے حرام نہ رہی جیسے مجبور کے لیے مردار۔

الحافظ لکھتے ہیں: ان کا کلام جو امر ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ حرام مباح نہیں ہوتا اور امر وجوب کے لیے نہیں یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ جیسے رمضان المبارک میں روزہ رکھنا حرام ہے مگر یہ کسی مباح امر کے لیے جائز ہو جاتا ہے۔ جیسے مسافر کے لیے۔ ان کے علاوہ کسی اور کا قول ہے، اگر پیشاب پاک ہوتا تو اس کو بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز ہوتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تعالیٰ نے میری امت کے لیے شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جسے اس پر حرام کر دیا گیا۔ (ابو داؤد عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس روایت کو علت اختیار پر محمول کیا جائے گا حالت ضرورت میں یہ حرام نہ ہوگا۔ جیسے مجبور کے لیے مردود۔ حدیث پاک میں آپ کا فرمان رد نہیں کرتا کہ یہ دوا نہیں ہے۔ یہ اس شخص کے لیے دواء ہے جس نے اس کے ساتھ علاج کرنے کے لیے اس کو بطور دواء استعمال کرنے کی التجا کی۔ جیسے کہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ شراب کے ساتھ خاص ہے اس کے ساتھ نشہ اور بھی نشہ آور اشیاء ملا دی جائیں گی۔ نشہ آور دیگر ناپاک اشیاء میں فرق یہ ہے کہ حدیث پاک حالت اختیار میں اس کے استعمال کے متعلق ہے اس کے علاوہ نہیں۔ کیونکہ اس کا پینا کئی مفاسد کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھا جاتا تھا کہ شراب میں شفاء ہے۔ شریعت مطہرہ کا فیصلہ ان کے اعتقاد کے خلاف ہے۔ امام طحاوی نے اس طرح کا قول کیا ہے۔

۱۔ الانعام ۶:۱۱۹

شیخ تقی الدین سبکی لکھتے ہیں، شراب میں ایک فائدہ یہ تھا کہ اس کو بطور دواء استعمال کیا جاتا تھا۔ جب اسے حرام کیا گیا رب تعالیٰ نے اس سے دوا کی خاصیت چھین لی۔ جہاں تک اونٹ کے پیشاب میں ان کے معدہ کی خرابی کی دوا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں دوا ثابت ہو اسے اس چیز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جس سے دوا کی نفی کی گئی ہو۔ اس طرح سارے دلائل اور ان کے مقتضیٰ پر عمل کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ امام بخاری کی روایات میں اتفاق ہے کہ شہید ہونے والے صرف آپ کے چرواہے حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے پھر دشمن چرواہوں کی طرف گئے اور انہیں قتل کر دیا، یعنی جمع کے صیغہ کے ساتھ۔ ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ احتمال یہ ہے کہ صدقے کے اونٹوں کے چرواہے ہوں۔ بعض کو انہوں نے ان اونٹنیوں کے چرواہے کے ساتھ شہید کر دیا ہو۔ بعض راویوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا ہو۔ دوسروں نے دیگر افراد کا ذکر بھی کیا ہو۔ بعض راویوں نے انہیں بالمعنی ذکر کر دیا ہو۔ لہٰذا انہوں نے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہو۔ الحافظ لکھتے ہیں، راجح قول یہی ہے کیونکہ اہل مغازی میں سے کسی نے بھی تاکید کے ساتھ نہیں لکھا کہ انہوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو قتل کیا ہو۔

۷۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جن حضرات قدسیہ کو آپ نے عرینین کے تعاقب میں بھیجا وہ سارے انصار تھے غالب اکثریت ہونے کی وجہ سے ان پر انصار کا اطلاق کیا گیا۔ یا اعم معنی میں سب کو انصار کہا گیا۔

۸۔ علامہ قاضی صاحب نے اس امر کو مشکل گمان کیا ہے کہ انہیں پانی نہ پلایا گیا کیونکہ ان کا قتل ہو جانا لازمی تھا۔ لہٰذا انہیں پانی سے روکا نہیں جاسکتا۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ نہ ہی آپ نے روکا تھا۔ الحافظ لکھتے ہیں: یہ ضعیف جواب ہے کیونکہ حضور ﷺ اس سے آگاہ ہو گئے تھے۔ آپ کا سکوت حکم کے ثبوت میں ہے۔ امام نووی نے یہ جواب دیا ہے محارب مرتد کو پانی پلانے یا کسی اور کو پانی پلانے میں کوئی حرمت نہیں۔ اس سے یہی دلیل ملتی ہے کہ جس کے پاس صرف وضو کے لیے پانی ہو تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ اس مرتد کو پلا دے اور خود تیمم کر لے۔ بلکہ وہ اسے خود استعمال کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ انہیں پیاسا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ انہوں نے اونٹوں کے اس دودھ کی نعمت کا انکار نہیں کیا تھا جس سے انہیں شفاء حاصل ہوئی تھی بھوک مٹی تھی۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کے لیے پیاس کی بددعا کی جس نے آپ کے اہل بیت میں سے کسی کو پیاسا رکھا۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ شاید انہوں نے اس رات کا شانہ نبوی میں اس دودھ کا بھیجنا روک دیا ہو جو ہر رات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ (۱)

واقعہ عرینہ کی تاریخ:

عکل یا عرینہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آنے، بیمار پڑنے بعد ازاں اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب سے علاج کرانے اور اس کے بعد قتل و غارت گری کرنے اور اس کی سزا پانے کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا ہے۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: حضرت کرز بن جابر فہری کا لشکر شوال چھ ہجری میں عرینیوں کی جانب روانہ ہوا۔

۱۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۶، ص ۵۲۱۔۵۲۷

اس کے بعد امام ابن سعد نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ انہیں مدینہ سے چھ میل دور قباء کی جانب ایک جگہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ پندرہ اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے تھے، اور ان میں سے ایک اونٹنی کو ذبح کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام یسار نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تھا اور ان سے جنگ کی، انھوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالے، ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے گاڑ دیے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی، تو آپ نے ان کے تعاقب میں بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا اور حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا امیر مقرر کیا وہ ان کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد کی کوشش کرتے ہیں (ڈاکہ ڈالتے ہیں) ان کی یہی سزا ہے کہ وہ چن چن کر قتل کیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ان کی (فقط) دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے البتہ جو لوگ تمہارے قابو کرنے سے پہلے توبہ کر لیں تو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے آنکھوں میں گرم سلائیاں نہیں پھیریں۔

علامہ سہیلی نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ ذی قرد سے واپس آنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا (غزوہ قرد چھ ہجری میں ہوا تھا۔ (۲) (۳)

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک پر اونٹ کا فضلہ رکھنے کی تفصیل:

حضرت امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے اصحاب وہاں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم میں سے کون ایسا کر سکتا ہے کہ بنو فلاں کے ہاں جو اونٹنی ذبح ہوئی ہے اس کے بچہ دان کو لے کر آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کریں تو وہ ان کی پشت پر رکھ دے؟ تو قوم کا سب سے بد بخت شخص اٹھا وہ اس بچہ دان کو لے کر آیا پھر انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اس نے اس بچہ دان کو آپ کی پشت کے اوپر آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں یہ منظر دیکھ رہا تھا

۱۔ مائدۃ: ۵: ۳۳۔۳۴ ۲۔ طبقات کبریٰ، ج ۲، ص ۹۳ ۳۔ شرح صحیح مسلم، ج ۴، ص ۶۴۰۔۶۴۱

اور آپ سے کسی چیز کو دور نہیں کر سکتا تھا، کاش میں مددگار ہوتا، حضرت ابن مسعود نے کہا: مشرکین ہنس رہے تھے اور ایک دوسرے کی طرف اس کام کی نسبت کر رہے تھے اور رسول ﷺ سجدہ میں تھے، اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، پس انہوں نے اس بچہ دان کو آپ کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیا پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اقدس اٹھایا، پھر آپ نے تین مرتبہ ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔ ان پر یہ دعا ناگوار گزری راوی بیان کرتا ہے: وہ جانتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے پھر آپ نے نام لے کر ان کے خلاف بددعا کی: اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے اور آپ نے ساتویں کا نام بھی لیا، جس کو راوی نے یاد نہیں رکھا، حضرت ابن مسعود نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ نے جن کا نام لے لے کر ان کے خلاف بددعا کی تھی میں نے ان سب کو دیکھا وہ بدر کے کنویں میں اوندھے گرے ہوئے تھے۔ (۱)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک روز کفار کا مجمع حرم میں لگا ہوا تھا۔ دو تین روز پہلے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر لوگوں نے اونٹ ذبح کیے تھے ان کی اوجڑیاں وغیرہ وہاں پڑی تھیں ان میں سے ایک بدبخت کہنے لگا تم میں سے کون ایسا بہادر ہے جو ان بدبودار اوجڑیوں کو اٹھا لائے اور جب یہ سجدہ میں گرے ہوں تو ان گندی اوجڑیوں کو ان کی گردن اور پشت پر ڈال دے تو مزہ آ جائے۔ عقبہ بن ابی معیط بولا! یہ کارنامہ انجام دینے کے لیے میں تیار ہوں وہ گیا اور ان گندی اور بدبودار اوجڑیوں کو اٹھا لایا۔ جب نظافت ولطافت کا یہ پیکر دلربا اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوا تو وہ بدبخت اٹھا اور ان غلیظ اوجڑیوں کو حضور ﷺ کی مبارک گردن پر ڈال دیا۔ کفار یہ منظر دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ ہنستے ہنستے قہقہے لگاتے تھے اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے اس حالت میں حضور ﷺ کو اس سجدہ میں کیا لطف اور سرور حاصل ہوا ہوگا۔ ذوق وشوق کے دریا میں موجیں اٹھنے لگی ہوں گی، کیف وسرور کی جو کیفیت طاری ہوئی ہوگی اس قلب طیب وطاہر کا بغیر کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ خیال کہ حضور ان کے بوجھ کی وجہ سے سر مبارک اٹھا نہ سکے ہرگز قابل قبول نہیں دس بیس سیر زیادہ سے زیادہ من سوا من ان کا وزن ہوگا۔ یہ کون سا ایسا بوجھ تھا جسے بآسانی حضور ﷺ پرے نہ پھینک سکتے حقیقت یہ ہے کہ جو سرور اس سجدہ میں آیا اس کی کیفیت ہی نرالی تھی دل چاہتا تھا اس حالت میں یہ سر اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں سیر ہوتا رہے آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ان اوجڑیوں کو ہٹایا۔ حضور ﷺ نے سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے۔ یہ دعا کیا تھی اس کے بارے میں نہ پوچھئے اس کے اثر نے کفر و باطل کی بنیادوں کو لرزا کر رکھ دیا، ان کی شوکت و جبروت کے محلوں کو مسمار کر کے رکھ دیا، کفار مکہ کی ذلت و بربادی اور شکست کے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس دعا کا انجام یہ ہوا کہ صرف مکہ ہی نہیں بلکہ سارا جزیرہ عرب جو بتوں کی پرستش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو گیا۔ اس ملک کے دشت وجبل، اس کے شہروں کے در و بام، نور توحید سے جگمگا اٹھے۔ اور جن بدبختوں نے اللہ کے حبیب کی اذیت کے لئے یہ اہتمام کیا تھا ان کی رسوا کن موت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس دعا کے الفاظ یہ تھے:

اللهم عليك بهذا الملاء من قريش اللهم عليك بعتبة بن ربيعة اللهم عليك بشيبة بن ربيعة اللهم عليك با بي جهل

۱۔ بخاری، ج ۲، ص ۲۴۰

بن هشام اللهم عليك بعقبة بن ابی معیط اللهم عليك با بی بن خلف او امية بن خلف۔

الٰہی! ان دشمنانِ حق کو ہلاک کردے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام لے کر حضور ﷺ نے دعا ضرر فرمائی وہ تمام بدر کے میدان میں موت کے گھاٹ اتارے گئے پھر ان کو ان کے مقتلوں سے گھسیٹ کر لایا گیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا سوائے ابی بن خلف یا امیہ بن خلف کے کہ اس کا جسم بھاری تھا اور وہ باہر ہی پھول کر پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ (۱) (۲)

عکل یا عرینہ حرۃ اور لقاح کے معانی:

اس حدیث میں عکل یا عرینہ کا ذکر ہے: پانچ قبیلوں کا نام ہے انہوں نے بنو تمیم کے ساتھ حلف اٹھایا تھا اور عرینۃ سے مراد عرینہ بن عزیز بن نذیر ہے۔ بعض روایات میں ہے: یہ سات افراد تھے اور بعض میں ہے: یہ آٹھ افراد تھے۔

اس حدیث میں اجتووا الالفظ ہے اس کے معنی ہے: کسی شہر کی آب و ہوا کا ناموافق ہونا اور اس کا معنی ہے: پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوا۔

حرۃ سیاہ پتھروں والی زمین کو حرۃ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں مدینہ منورہ میں سیاہ پتھر بہت تھے، یزید بن معاویہ کے ایام میں اس جگہ مشہور واقعہ ہوا تھا۔ اس حدیث میں لقاح کا لفظ ہے اس کے معنی ہے: اونٹ۔ نبی ﷺ کے پاس اونٹ تھے جو آپ کا مال غنیمت سے حصہ تھا اور آپ ان اونٹنیوں کا دودھ پیتے تھے ان اونٹ اور اونٹنیوں کو صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ رکھا گیا تھا عکل یا عرینہ کے ان افراد کو ان اونٹنیوں کے باڑہ میں بھیج دیا گیا، تاکہ یہ وہاں ان اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے: انہوں نے اونٹنیوں کو ذبح کر دیا۔ (۳)

خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سرگشت حیات اور فضائل:

حدیث نمبر ۳۰۶ میں سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی آیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات زندگی کو تفصیل سے لکھا جائے، امام محمد بن یوسف صالح شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولادت اور اسم مبارک:

ابوعمرو نے عبید اللہ بن محمد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی تو آپ کی عمر اکتالیس سال تھی لیکن یہ اس کے مخالف ہے جس کا تذکرہ ابن اسحاق نے کیا ہے کہ آپ کی ساری اولاد سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بعثت سے قبل ہوئی تھی۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ امام واقدی سے روایت ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو خانہ کعبہ تعمیر ہو رہا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۳ سال تھی۔ المدائنی نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کی ولادت بعثت سے ایک سال قبل ہوئی۔ وہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ ان کی والدہ ماجدہ کی کنیت پر ان کی کنیت تھی۔ جس نے اس کے علاوہ اور کچھ کہا ہے۔ اس نے خطا کی ہے۔

۱۔ السیرۃ النبوۃ ابن کثیر، ج۱، ص ۴۲۸ ۲۔ ضیاء النبی، ج۲، ص ۳۱۰۔۳۱۱ ۳۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص ۶۹۲

نکاح، حق مہر اور جہیز:

ان کا نکاح حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ اس وقت عمر مبارک ۱۵ سال اور پانچ یا چھ ماہ تھی۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ رمضان المبارک میں نکاح ہوا تھا۔ رخصتی ذوالحجہ میں ہوئی تھی۔ یا رجب یا صفر میں نکاح ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس برس اور چھ ماہ تھی۔ ان کی حیات طیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہ کی۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے آپ سے نکاح ۲ھ کو ماہ صفر میں کیا تھا جبکہ رخصتی ذوالحجہ میں ہوئی تھی جبکہ ہجرت کو ۲۲ ماہ گزر چکے تھے۔ ابوعمر نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد۔ دوسرے مورخین نے لکھا ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے چار ماہ پندرہ دن بعد۔ نکاح سے سات ماہ بعد ان کی رخصتی ہوئی تھے۔

ابن مسعود نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے کوفہ میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے سماعت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا: میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کے لیے بارگاہ رسالت مآب میں جانا چاہتا تھا، پھر مجھے یاد آجاتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، پھر مجھے آپ کی شفقت اور صلہ رحمی یاد آجاتی۔ میں نے آپ سے رشتہ طلب کر لیا۔ آپ نے فرمایا مجھے وہ حطیمہ قمیض دکھاؤ جو میں نے تمہیں فلاں روز دی تھی۔ میں نے عرض کی: وہ میرے پاس ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ ہی سیدہ کو دے دو۔ پھر فرمایا: کچھ نہ کرنا حتی کہ میں تمہارے پاس آجاؤں۔ آپ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم پر ایک چادر تھی۔ جب ہمیں دیکھا تو آہٹ پیدا کی آپ نے برتن منگوایا جس میں پانی تھا۔ اس میں دعا مانگی پھر ہم پر چھڑک دیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کس کو آپ زیادہ پیار کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تم سے زیادہ مجھے پیاری ہے اور تم میرے ہاں ان سے زیادہ معزز ہو۔ الطبرانی نے حضرت حجر بن عنبس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام نکاح دیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! یہ تمہارے لیے ہیں۔ اس روایت کو بزاز نے لکھا ہے۔ ان کے راوی ثقہ ہیں لیکن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نہیں۔ انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ انہوں نے کہا: میں دجال نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم دجال نہیں ہو۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا: رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔

بیہقی اور خطیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: انہوں نے فرمایا: میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھا۔ آپ پر وحی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا: انس! کیا جانتے ہو کہ حضرت جبرائیل امین عرش کے مالک سے ابھی ابھی کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ میں نے عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردوں۔

اسحاق نے ضعیف سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ کا نکاح حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عام حق مہر میں خوشبو رکھ لو۔ ابویعلی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ میں نے اپنی زرہ کو بیچا۔ کچھ گھریلو سامان بیچا۔ یہ کل ۴۸۰ درہم بنے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کو دو ثلث خوشبو میں اور ایک ثلث کپڑوں میں صرف کردو۔ آپ نے پانی کے گھڑے میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: اس سے غسل کر لو۔ فرمایا: ...

کو دودھ پلانے میں جلدی نہ کرنا۔ انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو جلدی دودھ پلایا جبکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے وہ عمل کیا جو کسی کو معلوم نہیں۔ وہ ان دونوں میں سے زیادہ عالم تھے۔ ابن ابی خیثمہ اور ابن سعد نے عباء بن احمر ایشکری سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ سے نکاح ۴۸۰ دراہم پر کیا۔ آپ نے فرمایا: دو ثلث خوشبو کے لیے اور ایک ثلث کپڑوں کے لیے صرف کر دو۔ ابن سعد نے ان سے روایت کیا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ فروخت کر دیا۔ اس کو ۴۸۰ دراہم میں فروخت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے دو ثلث خوشبو میں اور ایک ثلث کپڑوں میں فروخت کر دو۔ الطبرانی، ابن ابی خیثمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں یحییٰ بن یعلی سے اور البزار نے محمد بن ثابت (دونوں ضعیف ہیں) کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسی روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے ابن ثابت نے کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا: تم سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ انہوں نے فرمایا: آپ ان کا نکاح مجھ سے نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ان کا نکاح نہ کریں گے تو پھر کس سے کریں گے؟ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے زیادہ معزز ہو۔ اسلام میں سب سے زیادہ قدیم ہو۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گئے۔ فرمایا: عائشہ جب آپ کا مزاج مبارک خوشگوار ہو اور آپ متوجہ ہوں تو عرض کرنا کہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کر رہا تھا۔ شاید رب تعالیٰ انہیں میرے لیے آسان بنا دے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ انہوں نے آپ کو خوشگوار اور متوجہ دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو یاد کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کروں۔ آپ نے فرمایا حتیٰ کہ فیصلہ نازل ہو جائے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: والد گرامی! میری تمنا تھی کہ میں اس امر کا تذکرہ نہ کرتی جس کا آپ نے تذکرہ کیا تھا۔ یحییٰ نے کہا: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری رفاقت اور اسلام میں میری قدامت کو جانتے ہیں۔ فرمایا: کس لیے؟ عرض کی: سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے لیے۔ آپ لمحہ بھر خاموش رہے یا ان سے اعراض فرمایا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا کہ میں برباد ہو گیا: میں نے خود کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ انہوں نے فرمایا میں نے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا رشتہ آپ سے طلب کیا۔ آپ نے مجھ سے اعراض فرمایا۔ ابن ثابت نے کہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ کے پاس گئے۔ انہوں کہا جب تم دیکھو کہ آپ خوشگوار حالت میں ہیں اور تمہاری طرف متوجہ ہو تو آپ ان کے ہاں تذکرہ کرنا کہ میں سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو یاد کر رہا تھا۔ شاید رب تعالیٰ انہیں میرے لیے آسان فرما دے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی حالت خوشگوار تھی۔ آپ متوجہ تھے۔ انہوں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر دیا۔ آپ نے فرمایا حتیٰ کہ فیصلہ نازل ہو جائے۔ ابن ثابت نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے۔ آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری رفاقت، اور اسلام میں قدامت کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کس لیے: عرض کی سیدہ کے رشتہ کے لیے۔ آپ نے ان سے اعراض کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا: آپ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بارے امر الٰہی کے منتظر رہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ یحییٰ نے کہا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں نے فرمایا: آؤ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں۔ انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ دونوں حضرات میرے پاس آئے میں اس وقت راستے میں تھا۔ انہوں نے کہا: اپنی چچازاد کا رشتہ طلب کرو۔ انہوں نے اہم مسئلہ کی طرف میری توجہ مبذول کرائی تھی۔ میں اٹھا میری چادر کندھے پر تھی دوسرا کنارہ زمین پر تھا۔ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ ابن ثابت نے کہا ہے: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مانند کوئی نہ تھا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر لی۔ عرض کی: سیدہ کے رشتہ کے لیے حاضر ہوا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور۔ میرے پاس حطمیہ قمیص ہی تھی۔ ابن عباس سے الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا جاتا جو بھی تذکرہ کرتا آپ اس سے اعراض فرماتے حتیٰ کہ سب مایوس ہو گئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ کہا: بخدا! میری رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ صرف آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ تمہاری رائے ہے؟ میں دو افراد میں سے ایک بھی نہیں ہوں۔ میں صاحب دنیا نہیں کہ مجھ سے کچھ طلب کیا جائے میرے پاس سونا اور چاندی بھی نہیں ہے۔ کسی کافر کے ساتھ تعلق نہیں جس کے پاس سے کچھ لے لیتا۔ میں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت سعد نے فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اس سے میری مدد لینا۔ مجھے آسائش حاصل ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا کہوں؟ انہوں نے کہا یوں کہنا میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سیدہ کے رشتہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں مرحبا کہا، پھر وہ حضرت سعد کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا: میں نے اسی طرح کہا تھا جس طرح تم نے کہا تھا لیکن آپ نے مجھے مرحبا کہنے سے زائد کچھ نہ فرمایا۔ حضرت سعد نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا نکاح کر دیں گے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے نہ ہی آپ جھوٹ بولتے ہیں میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں ضرور جاؤ اور عرض کرو۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اپنی فرزندی میں کب لیں گے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امر تو مجھے پہلے سے بھی دشوار نظر آتا ہے کہا میں اس طرح کہوں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری حاجت؟ انہوں نے کہا اسی طرح کہو۔ جیسے کہہ رہا ہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی فرزندی میں کب قبول کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات ۔ ان شاء اللہ۔ امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت بریرہ سے روایت کیا ہے الرویانی نے اپنی مسند میں البزار اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے جن میں سے اکثر راوی صحیح ہیں، روایت کیا ہے کہ انصار کے کچھ افراد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش آپ سیدہ خاتون جنت کو پیغام نکاح دیں، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں ہے: کاش آپ کے شانہ اقدس میں سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا جلوہ افروز ہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ابو طالب کے نور نظر کی کیا حاجت ہے؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سیدہ کے رشتہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا اھلا۔ اس سے زائد کچھ نہ فرمایا۔ وہ انصار کے اس گروہ کے پاس چلے گئے۔ وہ ان کے منتظر تھے۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہوا۔ فرمایا: مجھے علم نہیں سوائے اس کے کہ آپ نے مجھے مرحبا اھلا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ہی کافی ہے، آپ نے تو تمہیں الاھل اور ا

الرحب بھی عطا فرما دیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت سعد نے کہا: علی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نور نظر کا نکاح تم سے کر دیں گے۔ بخدا! آپ جھوٹ نہیں بولتے وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ آپ نے پوچھا: علی تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس میرا گھوڑا اور حطمیہ زرہ ہے۔ آپ نے فرمایا گھوڑا تمہارے لیے ضروری ہے۔ زرہ بیچ دو میں نے اسے ۴۸۰ درہم میں فروخت کر دیا۔ درہم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہیں آپ کی گود میں رکھ دیا آپ نے ان میں سے مٹھی بھر لیا۔ فرمایا: بلال! ان سے خوشبو لے کر آؤ۔ ابن ثابت نے کہا کہ آپ نے تین مٹھیاں بھریں، انہیں حضرت ام ایمن کو عطا فرمایا۔ فرمایا: ان سے خوشبو خرید لو۔ بقیہ افراد نے کہا ہے کہ وہ اشیاء بھی خرید لاؤ جو عورت کے لیے مناسب ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا۔ جب میں جہیز سے فارغ ہوا تو میں نے انہیں گھر میں داخل کر دیا۔ حضرت بریدہ کی روایت میں ہے کہ نکاح کے بعد آپ نے فرمایا: علی! ولیمہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ حضرت سعد نے فرمایا: میرے پاس بکرا ہے۔ انصار نے کچھ مکئی جمع کر دی ہے اس روایت کو امام احمد نے لکھا ہے عبدالکریم کے علاوہ ان کے راوی صحیح ہیں وہ مستور ہے یحییٰ کی روایت میں ہے: آپ نے سیدہ کے لیے جہیز تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے لیے ایک چارپائی جسے رسی سے بنایا گیا تھا۔ چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے کمرے میں ریت ڈالی۔ فرمایا: جب تک میں نہ آؤں کچھ نہ کرنا۔ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ آ گئیں۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں، دوسرے کونے میں، میں بیٹھ گیا۔ امام احمد نے جید سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی شادی کی تو آپ کے ہمراہ چادر، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے پتے تھے۔ ایک بیل ایک مشکیزہ اور دو گھوڑے بھیجے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا۔ ان کے بستر اور تکیہ میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ امام احمد نے مناقب علی المرتضیٰ میں لکھا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کے لیے ایک چادر، مشکیزہ اور ایک تکیہ بھیجا جس میں کھجور کے پتے تھے۔ بلاذری نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس صرف بکرے کا چمڑا تھا۔ ہم کونے میں اسی پر سوتے تھے۔ اسی پر سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا آٹا گوندھتی تھیں۔ ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق مہر سے مٹھی بھر درہم لیے۔ حضرت بلال سے فرمایا: ان سے ہمارے لیے خوشبو خرید و۔ آپ نے انہیں جہیز تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک چارپائی بنائی جو رسی سے بنی ہوئی تھی۔ ایک تکیہ بنایا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ابوبکر فارس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جس بستر پر رات بسر کی تھی وہ بکرے کا چمڑا تھا۔ حضرت ضمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے فیصلہ فرمایا کہ وہ گھر کے امور سرانجام دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فیصلہ کیا کہ وہ گھر سے باہر کے امور سرانجام دیں۔ مسدد نے مرسل حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ کے سپرد گھریلو امور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد باہر کے امور کیے تھے۔ احمد بن منیع نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نکاح قمیص، تولیہ، سفید نصف چادر ایک پیالے پر ہوا تھا۔

ان کے لیے دوپٹہ نہ تھا۔ آپ نے مجھے کچھ کھجوریں اور جو عطا کیے اور فرمایا: جب تمہارے پاس انصار کی خواتین آئیں تو انہیں ان میں سے کھلانا۔ الطبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی کے وقت حاضر تھے۔ ہم نے اتنی عمدہ شادی کسی کی نہ دیکھی تھی۔ آپ نے ہمارے لیے کشمش اور کھجوریں تیار کیں۔ ہم نے اس میں سے کھایا۔ اس رات ان کا بستر مینڈھے کی جلد کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا تو ان کے ہمراہ ایک چادر ایک کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تکیہ، اذخر، دو مشکیزے بھیجے وہ چادر کو نیچے بچھا لیتے تھے۔ آدھی کو اپنے اوپر اوڑھ لیتے تھے۔ حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب تمہاری نانی جان تمہارے نانا جان کے گھر گئیں تو ان کے بستر اور تکیہ میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ولیمہ کیا۔ اس وقت کا کوئی ولیمہ بھی ان کے ولیمہ سے افضل نہ تھا۔ ان کی زرہ ایک یہودی کے پاس ایک شطر جو کے عوض پڑی تھی۔ دولابی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا یہ ولیمہ جو اور کھجوروں سے کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ فرمایا بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کی شادی اپنے چچازاد سے کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کے میری امت کے لیے نکاح کے وقت کھانا کھلانا سنت بن جائے۔ ایک بکری اور چار یا پانچ مدلو۔ اسے کسی پیالے میں ڈالو۔ مہاجرین وانصار کو بلالو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو اسے میرے لیے لے آنا۔ انہوں نے اسی طرح کیا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ پھر انہوں نے وہ پیالہ آپ کو پیش کر دیا۔ آپ نے اس کو اپنے سامنے رکھ دیا۔ اس کی چوٹی پر مبارک انگلیاں ماریں، فرمایا: لوگوں کو گروہ درگروہ داخل کرو۔ جو گروہ پہلے آجاتے اس کو دوبارہ نہ آنے دینا۔ لوگ آنے لگے۔ جب بھی ایک گروہ کھا جاتا تو دوسرا آجاتا حتیٰ کہ لوگ فارغ ہو گئے پھر بقیہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ فرمایا: بلال! انہیں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس لے جاؤ انہیں عرض کرو کہ خود بھی اس میں سے کھائیں اور جو خواتین آئی ہیں انہیں بھی کھلائیں۔ پھر فرمایا: علی! اپنی اہلیہ محترمہ سے کچھ نہ کرنا۔ حضرت اسماء سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب سیدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا تو ہم نے ان کے کمرہ میں پھیلی ہوئی ریت ایک تکیہ، جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، گھڑا اور کوزے کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ آپ نے انہیں فرمایا: اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس نہ جانا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آجاؤں۔ آپ تشریف لائے۔ فرمایا: کیا میرا بھائی ہے؟ آپ نے انہیں بلایا: ان پر پڑھا جو رب تعالیٰ نے چاہا پھر ان کے سینے اور چہرے پر دست اقدس پھیرا پھر حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ حیاء کی وجہ سے چادر میں لڑکھڑاتی ہوئی آئیں اسی پانی میں سے کچھ ان پر چھڑکا۔ پھر وہ کچھ پڑھا جو رب تعالیٰ نے چاہا، پھر فرمایا: میں نے اپنے اہل میں سے اپنی محبوب ترین ذات کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے پانی منگوایا۔ وضو کیا پھر بقیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا۔ یہ دعا مانگی: مولا! ان دونوں میں برکت فرما۔ ان کے بچوں میں برکت فرما۔ ضیاء القدس نے المختارہ میں حضرت اسماء سے روایت کیا ہے: پھر آپ نے پردے کے پیچھے یا دروازے کے پیچھے سایہ دیکھا، پوچھا: کون؟ عرض کی میں اسماء ہوں میں آپ کی عزت اور

توقیر کے لیے آئی ہوں۔ آج رات حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہے۔ آج رات ان کے پاس کسی عورت کا ہونا ضروری ہے تاکہ اگرانہیں کوئی ضرورت ہوتو وہ عورت ان کی ضرورت پوری کردیں آپ نے میرے لیے دعا کی۔ یہ دعا میرا سب سے بڑا سہارا ہے پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہلیہ کے پاس جاؤ۔ آپ باہر تشریف لے گئے آپ برابران کے لیئے دعا کرتے جارہے تھے۔ حتیٰ کے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا میں نے اپنی نور نظر کا نکاح اپنے چچازاد سے کردیا ہے تم جانتی ہو کہ یہ نور نظر مجھے کتنی پیاری ہے۔ میں انہیں ان کے ہاں بھیجنے لگا ہوں۔ اٹھو۔ وہ خواتین اٹھیں انہوں نے خوشبو لگائی۔ کپڑے پہنے زیورات پہنے، پھر آپ تشریف لائے۔ جب خواتین نے آپ کو دیکھا تو وہ چلی گئیں۔ آپ کے سامنے پردہ تھا۔ ان کے پاس حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے انہیں کہا: ٹھہرو۔ وہیں ٹھہرو: تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی: میں وہی ہوں جو آپ کی نور نظر کی نگہبانی کررہی ہوں آج ان کی رخصتی کی رات ہے آج ان کے پاس ایسی عورت کا ہونا ضروری ہے جو ضرورت کے وقت ان کے کام آسکے۔ میں اس مقصد کے لئے ہوں۔ پھر آپ نے [illegible]رت سیدہ کو بلایا۔ فرمایا: پانی لے آؤ۔ وہ گھر میں موجود پیالے کی طرف گئیں اس میں پانی ڈالا اور پیش کردیا۔ آپ نے اس میں کلی کی۔ فرمایا: اٹھو آپ نے ان کے سر اور سینے پر چھڑکا یہ دعا مانگی: مولا میں تجھ سے اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے شیطان ملعون سے پناہ مانگتا ہوں، پھر فرمایا: پانی لے کر آؤ۔ میں جان گئی کہ آپ کیا کرنا چاہتے تھے۔ میں نے پیالہ بھرا۔ آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ نے اس پانی کو منہ مبارک میں ڈالا۔ اس میں کلی کی، پھر اسے میرے سر پر اور میرے سینے پر پھینکا۔ پھر دعا مانگی: مولا! میں تجھ سے اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں پھر مجھے فرمایا: کمر دوسری طرف کرلو۔ میں نے کمر دوسری طرف کردی۔ آپ نے وہ پانی میرے کندھوں کے مابین چھڑکا اور یہ دعا مانگی: مولا! میں تجھ سے اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں، پھر مجھے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور برکت کے ساتھ اپنی اہلیہ کے پاس چلے جاؤ۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سارے لوگوں سے پیاری تھیں:

الطبرانی نے صحیح راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ بیٹھے ہنس رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو وہ خاموش ہوگئے۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم کیوں ہنس رہے تھے۔ جب تم نے مجھ دیکھا تو تم خاموش ہوگئے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جلدی سے عرض کرنے لگیں. انہوں نے فرمایا میرے والدین آپ پر فدا! انہوں نے کہا کہ میں تم سے زیادہ آپ کو پیارا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں تم سے زیادہ آپ کو پیاری ہوں۔ یہ سن کر آپ مسکرانے لگے۔ فرمایا: نور نظر! تمہارے لیے والد (گرامی) کی رفاقت ہے اور وہ مجھے تم سے زیادہ معزز ہیں

ابوداؤد۔ طیالسی، الطبرانی، حاکم، ترمذی اور بغوی نے معجم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بیت میں سے مجھے سب سے پیاری فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ الطبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو پیارا ہوں یا فاطمہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے فاطمہ تم سے پیاری ہے اور تم مجھے ان سے زیادہ معزز ہو۔

۴۔ رب تعالیٰ ان کی رضا سے راضی اور ان کی ناراضگی سے ناراض ہو جاتا ہے:

الطبرانی نے حسن سند سے اور ابن انس سے معجم میں ابوسعد نیشاپوری نے الشرف میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: رب تعالیٰ تمہاری ناراضگی سے ناراض اور تمہاری رضا سے راضی ہو۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بوسہ لیتے تھے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو گفتگو اور کلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر مشابہت رکھتا ہو جتنی مشابہت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ سے تھی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ اٹھ کر استقبال کرتے۔ ان کا بوسہ لیتے۔ انہیں خوش آمدید کہتے۔ ان کا ہاتھ پکڑ لیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔ جب آپ ان کے ہاں جلوہ افروز ہوتے تو اٹھ کر آپ کا استقبال کرتیں۔ آپ کا بوسہ لیتیں۔ اور آپ کا دست کرم تھام لیتیں۔

سفر کرتے وقت سب سے آخر میں اور واپسی پر سب سے پہلے آپ سے ملتے۔

امام احمد بیہقی نے الشعب میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو ملتے۔ جب آپ واپس آتے تو سب سے پہلے ان سے ملتے۔ ابوعمر نے حضرت ابوثعلبہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: اور جب آپ سفر یا غزوہ سے واپس تشریف لاتے تو مسجد سے ابتداء دو رکعتیں پڑھتے پھر سیدہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھر تشریف لے جاتے۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے لیے غیرت:

الطبرانی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا۔ یہ بات سیدہ خاتون جنت تک پہنچ گئی۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ عرض کی: اسماء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ آپ نے انہیں فرمایا: ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیں۔ الطبرانی نے المعاجم الثلاثہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام نکاح دیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: اگر تم نے اس سے نکاح کرنا ہے تو ہماری نور نظر ہمارے گھر بھیج دو۔ بخدا! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے ہاں جمع نہیں ہو سکتیں۔ البزار نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا: عورت کے لیے کون سی چیز بہتر ہے؟ سارے صحابہ کرام خاموش رہے میں واپس آیا تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: عورت کے لیے کون سی چیز بہتر ہے؟ انہوں نے فرمایا: مرد اسے نہ دیکھے۔ میں نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا۔ آپ نے فرمایا:

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے

۸۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وقار میں، ہدایت میں، حسن سلوک میں، چلنے میں اور گفتگو میں آپ کے مشابہ تھیں:

جب وہ آتیں تو آپ انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔ آپ نے فرمایا کہ میری نور نظر اس امت کی عورتوں کی اور اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی چال آپ کی چال سے ساتھ مشابہ تھی۔ آپ نے فرمایا: میری نور نظر کو خوش آمدید! انہیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا۔ ان سے سرگوشی فرمائی جسے سن کر وہ رونے لگیں، پھر دوسری بار سرگوشی فرمائی تو وہ مسکرا اٹھی۔ (حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے انہیں کہا: آپ کیوں روئیں؟ انہوں نے کہا: میں آپ کا راز افشانہ کروں گی۔ انہوں نے فرمایا: میں نے آج جتنا قریب خوشی کو غم کے دیکھا۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ رونے لگیں تو میں نے کہا: ہمیں چھوڑ کر آپ نے تمہیں کسی بات کے لیے مختص کیا ہے پھر بھی تم رو رہی ہو؟ میں نے اس راز کے متعلق پوچھا تو کہا: میں آپ کا راز افشانہ کروں گی۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو میں نے یہی بات حضرت سیدہ سے پوچھی۔ انہوں نے فرمایا: آپ نے مجھے فرمایا تھا کہ حضرت جبرائیل امین ہر سال آپ کے ساتھ قرآن کا دور ایک بار کرتے تھے۔ اس سال انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے۔ اس کا سبب فقط یہ ہے کہ میرے وصال کا وقت آ گیا ہے۔ تم سب سے پہلے مجھے ملوگی میں تمہارے لیے بہترین سلف ہوں۔ میں اس وجہ سے رونے لگی تھی، پھر آپ نے مجھے سرگوشی کی۔ فرمایا: کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم اہل ایمان کی عورتوں کی سردار ہو یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اسی وجہ سے میں مسکرا پڑی۔

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے حسن روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو وقار ہدایت اور گفتگو میں جو قیام اور قعود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو سوائے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابن حبان نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: میں نے کسی کو کلام اور گفتگو میں حضور اکرم کے اتنا مشابہ نہ دیکھا جتنی مشابہت سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی اپنے والد گرامی کے مشابہ تھیں۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آتیں تو اٹھ کر ان کا استقبال کرتے ان کا بوسہ لیتے خوش ہوتے۔ آپ ان کا ہاتھ تھام لیتے۔ انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے ان کی بھی عادت کریمہ یہ تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں جلوہ افروز ہوتے تھے تو وہ اٹھ کر آپ کا استقبال کرتی تھیں۔ آپ کا بوسہ لیتیں۔ آپ کا دست ہدایت بخش تھام لیتیں۔ اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ وہ اس مرض میں آپ کی خدمت میں آئیں جس میں آپ کا وصال ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سرگوشی کی وہ رونے لگی۔ پھر ان سے سرگوشی فرمائی تو وہ مسکرانے لگی۔ میں سمجھی سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہماری خواتین پر ہے یہ انہی میں سے ایک خاتون ہیں یہ ابھی رو رہی تھیں کہ ابھی مسکرانے لگیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو میں نے سیدہ سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: پہلے آپ نے سرگوشی کی تھی کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں رونے لگی، پھر آپ نے سرگوشی فرمائی کہ اپنے اہل میں سب سے پہلے میں آپ سے ملوں گی۔ میں خوش ہو گئی۔

امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے صحیح کے راویوں سے اور ترمذی نے حضرت ابوسعید سے راویت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان خواتین کی سردار ہیں سوا حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کے۔

الطبرانی نے الاوسط اور الکبیر نے صحیح راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی

عورتوں کی سردار حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور خدیجہ الکبریٰ پھر حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا ہیں۔

الطبرانی نے صحیح کے راویوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان کے ایک فرشتے نے کبھی بھی میری زیارت نہ کی۔ اس نے رب تعالیٰ سے اذن لیا کہ وہ میری زیارت کرے اللہ تعالیٰ نے اسے اذن دے دیا۔ اس نے مجھے بشارت دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میری امت کی خواتین کی سردار ہیں۔

۹۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور اقارب کی فضیلت:

الطبرانی نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام میں سے بہترین ہیں۔ وہ تمہارے والد گرامی ہیں ہمارے شہید شہداء میں سے بہترین ہیں وہ آپ کے والد گرامی کے چچا ہیں۔

الطبرانی نے صحیح کے راویوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کسی کو نہیں دیکھا سوائے ان کے والد گرامی کے۔

۱۰۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سارے لوگوں سے زیادہ راست گو تھیں:

ابویعلیٰ نے صحیح کے راویوں سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے کسی کو اتنا راست گو نہیں دیکھا جتنی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔ سوائے ان کے والد گرامی کے۔ ابوعمر نے ان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو سچا نہیں دیکھا۔ سوائے ان کے والد گرامی۔

۱۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک:

ابویعلیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دنوں سے کچھ نہ کھایا حتیٰ کہ آپ پر یہ گراں گزرا۔ آپ ازواج کے حجرات میں گئے۔ کسی سے کچھ نہ ملا۔ آپ سیدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ فرمایا: نور نظر! کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟ مجھے بھوک لگی ہے۔ انہوں نے عرض کی: نہیں! بخدا! جب آپ واپس تشریف لے آئے تو ان کی ہمسائی نے روٹیاں اور گوشت کا ٹکڑا بھیجا۔ انہوں نے اسے لیا اسے پیالے میں رکھا اوپر سے ڈھانپا۔ فرمایا آج میں خود پر اور اپنی اولاد پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دوں گی۔ وہ سب ہی کھانے کے ضرورت مند تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجا۔ آپ تشریف لائے تو عرض کی: میرے پاس کچھ آیا ہے۔ میں نے اسے آپ کے لیے چھپا رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: نور نظر! لے آؤ۔ انہوں نے پیالے سے پردہ اٹھایا تو وہ روٹی اور گوشت سے لبریز تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ وہ جان گئیں یہ رب تعالیٰ کی برکت ہے انہوں نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ اس کے نبی دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ اسے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے بھی [illegible] اور رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ فرمایا: نور نظر! یہ کہاں سے آیا؟ انہوں نے عرض کی: والد محترم! اللہ تعالیٰ کی جناب سے ہے۔ رب تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا کر دیتا ہے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ پھر آپ نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ الزاھراء رضی اللہ عنہا، امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، ساری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کھایا سارے اہل بیت نے جی بھر کر کھایا۔ ابھی پیالہ پہلے کی طرح تھا۔ بقیہ کو پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔ رب تعالیٰ نے اس میں برکت اور خیر کثیر رکھ دی تھی۔

۱۲۔ تنگی، اپنی خدمت، صبر جمیل کے ساتھ:

دولابی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ الزھراء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ ابویعلیٰ صحیح کے راویوں سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: میں نے اپنی امی جان سے عرض کی: انہوں نے فرمایا: تم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پانی لے کر آیا کرو۔ میں ضروری کام کے لیے باہر جاتا وہ گھر کے اندر آپ کی خدمت کرتیں مثلاً چکی پیسنا آٹا گوندھنا۔

الطبرانی نے صحیح کے راویوں سے سوائے عتبہ بن حمید کے ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے ایک جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا بارگاہ رسالت مآب مین حاضر تھا۔ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا آئیں۔ وہ آپ کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے قریب آجاؤ۔ آپ قریب ہوگئیں حتیٰ کہ بالکل سامنے کھڑی ہوگئیں آپ نے زردی دیکھی جوان کے چہرہ انور پر تھی۔ خون ختم ہوگیا تھا۔ آپ نے انگلیوں کو کھولا۔ اپنا دست اقدس ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ سر اقدس اوپر اٹھالیا۔ عرض کی: مولا! اے بھوکے کو سیر کرنے والے! ضرورت پوری کرنے، گمنام کو بلند کرنے والے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابیہا وعلیہا کو بھوکا نہ رکھ۔ میں نے دیکھا بھوک کی زردی ان کے چہرے سے ختم ہوگئی تھی۔ خون ظاہر ہوگیا تھا۔ میں نے ان سے عرض کی تو انہوں نے مجھے فرمایا: اس کے بعد مجھے بھوک نہیں لگی۔ امام احمد نے جید سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک روز سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: بخدا! میں اتنا پانی لایا ہوں کہ اب میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے تمہارے والد گرامی کے پاس قیدی آئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں۔ عرض کریں: بخدا! میں نے اتنی چکی چلائی ہے حتیٰ کہ میرے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: نور نظر کس لیے آئی ہو؟ سلام عرض کرنے آئی ہوں وہ سوال کرنے سے شرما گئیں۔ واپس آگئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے حیاء آگئی تھی کہ میں آپ سے سوال کروں پھر دونوں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا پانی لایا ہوں کہ اب میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔

حضرت سیدہ نے عرض کی: میں نے اتنی چکی چلائی ہے کہ اب میرے ہاتھ پر آبلے نکل آئے ہیں۔ آپ کے پاس قیدی اور آسائش آگئی ہے۔ آپ کچھ خادم عطا فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! بخدا! میں تمہیں عطا نہ کروں گا کہ میں اہل صفہ کو چھوڑ دوں جن کے پیٹ بھوک سے بل کھا رہے ہیں۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ میں ان پر خرچ کروں، لیکن میں ان قیدیوں کو فروخت کروں گا۔ ان کی قیمت ان پر خرچ کروں گا۔ وہ واپس آگئے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ وہ اس وقت اپنی چادر میں داخل ہو چکے تھے۔ جب وہ اپنے سر ڈھانپتے تو پاؤں عریاں ہوجاتے۔ جب قدم ڈھانپتے تو سر ننگے ہوجاتے۔ آپ وہیں تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا: اپنی جگہ پر ہی

رہو پھر فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ بتاؤں جو تم نے مجھ سے مانگا ہے۔ انہوں نے عرض کی: ضرور! آپ نے فرمایا: یہ ایسے کلمات ہیں جنہیں مجھے حضرت جبرائیل نے سکھایا ہے۔ تم ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہا کرو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب سے میں نے یہ کلمات آپ سے سنے ہیں۔ میں نے انہیں ترک نہیں کیا۔ ابن الکواء نے پوچھا: صفین کی رات کو بھی ترک نہ کیے تھے؟ آپ نے فرمایا: اے اہل عراق! رب تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ نہ ہی شب صفین کو بھولا تھا۔

الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ فرمایا: میرے بیٹے کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کی: ہم نے اس حال میں صبح کی ہے کہ ہمارے گھر میں ایسی کوئی چیز نہ تھی جسے کھانے والا کھا سکے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں انہیں لے جاتا ہوں مجھے خدشہ ہے کہ یہ تمہارے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ فلاں یہودی کے پاس گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے۔ آپ نے انہیں پایا کہ وہ اپنے سامنے کھجوریں رکھ کے کھیل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: علی! کیا آپ سخت گرمی ہو جانے سے پہلے میرے بیٹوں کو گھر نہیں لے جائیں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وقت صبح ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ کچھ دیر بیٹھ جائیں تاکہ میں سیدہ کے لیے کھجوریں جمع کر لوں۔ آپ بیٹھ گئے۔ انہوں نے سیدہ کے لیے کچھ کھجوریں جمع کیں۔ انہیں تھیلے میں ڈالا پھر آ گئے۔ آپ نے ایک شہزادے کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے شہزادے کو اٹھایا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ انہیں لے کر گھر آ گئے۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نماز صبح میں دیر سے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہیں کس نے روکے رکھا؟ انہوں نے عرض کی: میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرا۔ آپ چکی پیس رہی تھیں۔ بچے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اگر آپ پسند کریں تو میں چکی میں کفایت کرتا ہوں۔ آپ میرے لیے بچوں کی کفایت کریں۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ چکی چلالیں میں بچے کو اٹھالیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: میں اپنے بچوں پر تم سے زیادہ شفیق ہوں۔ اس امر نے مجھے روک رکھا۔ آپ نے فرمایا: رب تعالیٰ ان پر رحم اور تم پر رحم کرے۔

۱۳۔ وصال اور وصیت:

الطبرانی نے کئی اسانید سے جن میں سے ایک سند صحیح کی ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور امام بخاری نے بھی ان سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے: اس دن منگل تھا۔ رمضان المبارک کے تین ایام گزر چکے تھے۔ ۱۱ھ تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں رات کے وقت دفن کر دیا تھا۔ الطبرانی نے صحیح کے راویوں سے سوائے حضرت امام جعفر الصادق کے۔ انہوں نے یہ واقعہ نہیں پایا۔ اس میں حضرت جعفر بن محمد کی طرف سے انقطاع ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تین ماہ تک زندہ رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں ہنستا ہوا نہ دیکھا گیا تھا۔ سوائے اس کے کہ ان کے پوروں کی طرف کو حرکت دی جاتی۔ اصل ۶ ماہ تک زندہ رہیں۔

الطبرانی نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کیا ہے کیونکہ عبداللہ نے یہ واقعہ نہ پایا تھا۔ جب حضرت سیدہ خاتون جنت

ؓ کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے کہا: ان کے لیے غسل کا پانی رکھیں۔ پاکیزگی حاصل کی۔ کفن کے کپڑے منگوائے۔ ان کے لیے سخت کھردرے کپڑے لائے گئے۔ انہوں نے وہ پہنے خوشبو لگائی، پھر حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے فرمایا: ان کے وصال کے بعد انہیں عریاں نہ کیا جائے۔ انہی کپڑوں میں انہیں دفن کر دیا جائے میں نے انہیں کہا: کیا علم ہے کہ یہ کس نے اور کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! کثیر بن عباس نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنے کفن کی اطراف میں لکھا تھا کہ کثیر گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ امام احمد نے ایسی سند سے جس میں ایک غیر معروف شخص ہے حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: سیدہ خاتون جنت ؓ علیل ہوگئیں۔ اسی مرض میں ان کا وصال ہوگیا تھا۔ میں ان کی تیمارداری کر رہی تھی۔ جب صبح میں نے دیکھا کہ وہ اس مرض میں سب سے بہتر نظر آ رہی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کسی ضروری کام کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے مجھے فرمایا: امی جان! میرے غسل کے لیے پانی انڈیلیں۔ میں نے پانی ڈالا۔ انہوں نے بہت عمدہ انداز سے غسل کیا، پھر مجھے فرمایا: امی! مجھے نئے کپڑے دیں۔ میں نے کپڑے پیش کیے۔ انہوں نے انہیں پہنا پھر فرمایا: میری چارپائی گھر کے وسط میں لے جائیں۔ میں نے کپڑے پیش کیے۔ انہوں اپنے رخسار کے نیچے رکھا۔ فرمایا: امی! ابھی میرا وصال کا وقت ہے میں نے پاکیزگی حاصل کر لی ہے۔ مجھے عریاں نہ کریں۔ اسی جگہ ان کا وصال ہوگیا۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ آئے تو میں نے انہیں بتایا۔

ابونعیم نے حضرت فاطمۃ الزہرا سے روایت کیا ہے۔ انہوں حضرت اسماء سے فرمایا: اسماء جس طرح عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے مجھے بڑا قبیح لگتا ہے۔ عورت پر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے جو اسے عیاں کرتا ہے۔ حضرت اسماء نے عرض کی: حضور اکرم ﷺ کی نور نظر! کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھاؤں جسے میں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انہوں نے تر شاخیں منگوائیں انہیں پتوں سے صاف کیا پھر اس پر کپڑا ڈالا۔ حضرت سیدہ ؓ نے فرمایا: یہ انداز کتنا حسین و جمیل ہے۔ اس سے مرد اور عورت کی پہچان ہو سکتی ہے۔ جب میرا وصال ہو جائے تو تم نے اور علی المرتضیٰ نے مجھے غسل دینا ہے۔ میرے پاس کوئی نہ آئے پھر میرے ساتھ اس طرح کرنا۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت اسماء اور علی المرتضیٰ ؓ نے انہیں غسل دیا پھر ان کے ساتھ اس طرح کیا گیا جیسے انہوں نے حکم دیا تھا۔

۱۶۔ رب تعالیٰ نے ان پر اور ان کی اولاد اطہار پر آگ کو حرام فرمایا ہے:

بزار نے تمام نے فوائد میں الطبرانی، ابن عدی، عقیلی اور حکم نے حضرت ابن مسعود ؓ سے ابن شاہین نے مسند الزھر میں ابن عساکر اور الطبرانی نے الکبیر میں ثقہ راویوں سے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ نے گوہر عصمت کی حفاظت فرمائی تھی رب تعالیٰ نے ان پر اور ان کی اولاد پر آگ حرام فرما دی ہے۔ ابن کریب نے لکھا ہے: یہ مژدہ حضرات حسنین کریمین ؓ کے لیے اور ان میں سے اس کے لیے جس نے اطاعت الہیہ کی۔ دوسری روایت میں ہے: رب تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو عذاب نہیں دے گا۔ خطیب نے لکھا ہے کہ امام علی بن موسیٰ المدینی سے اس روایت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں فرمایا: یہ امام حسن و امام حسین ؓ کے ساتھ خاص ہیں۔

تنبیہ:

صحیح موقف یہ ہے کہ اس روایت کی سند حسن کے قریب ہے۔ اسے موضوع ہونے کا حکم لگانا لغزش ہے۔ کتاب الفوائد المجموعۃ فی الا حادیث میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

۱۵۔ روز حشر آپ کی کیفیت:

تمام نے اپنے فوائد میں حاکم، الطبرانی نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ابوبکر الشافعی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تمام نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے ابوالحسین بن بشران اور خطیب نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے الازدی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان کی انساد ضعیف ہیں جب یہ باہم مل جائیں تو قبول کا فائدہ دیتی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روز حشر عرش کے وسط سے ایک منادی ندا دے گا کہ اے لوگو! اپنی نگاہیں جھکالو۔ سر نیچے کرو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد علی ابیہا وعلیہا الصلوۃ والسلام جنت کی طرف چلی جائیں یا پل صراط عبور کر لیں وہ گزریں گی۔ انہوں نے دو سبز چادریں پہن رکھی ہوں گی۔

۱۶۔ اولاد پاک:

ابن سعد نے کہا ہے کہ شیر خدا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی کی، تو ان کے ہاں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ صاحبزادیوں میں حضرت زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہن شامل ہیں۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہ کا وصال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کا ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ ابو عمر نے لکھا ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے قبل بچہ پیدا ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان کا وصال انہی کے ہاں ہوا۔ ان سے ان کے ہاں حضرات علی، عون محمد، جعفر عباس اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ الشیخ نے کہا ہے: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ اولاد کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ انہوں نے اس اعتبار پر ان سے گفتگو کی ہے۔

۱۔ وہ بالا جماع آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت ہیں، کیونکہ آپ کی آل بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے اہل ایمان ہیں۔

۲۔ یہ بالا جماع آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

۳۔ کیا ان کا شمار حضرات امام حسن رضی اللہ عنہ و امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوگا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔
اس کا جواب ہے: نہیں، کیونکہ جو کسی شخص کی اولاد ہو اور جو اس کی طرف منسوب ہو ان میں فرق ہے۔

۴۔ کیا ان پر اشراف کا اطلاق ہوسکتا ہے؟

جواب:

اہل مصر کی اصلاح میں شرف کی کئی انواع ہیں۔ (۱) عام۔ سارے اہل بیت کے لیے۔ (۲) خاص اولاد کے لیے۔ اس میں زینب بھی شامل ہیں۔ ان میں شرف النسبۃ اخص ہے۔ یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ خاص ہے۔

۵۔　بالا جماع ان پر صدقہ حرام ہے، کیونکہ بنو جعفر آل میں سے ہیں۔

۶۔　یہ بالا جماع برکتہ الحبیش کے وقف کے مستحق ہیں، کیونکہ اس کا نصف اشراف کے لیے وقف ہے۔اس سے مراد امام حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد ہے۔اس کا نصف طالبین کے لیے ہے۔ان سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی آل ہے یعنی محمد بن حنیفہ اور ان کے بھائی، اولاد جعفر بن ابی طالب اور اولاد عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی میں شامل ہیں۔اس اعتبار سے یہ وقف چیف جسٹس بدرالدین بن یوسف السنجاوی کے فیصلے کے مطابق ہے، جو انہوں نے ۱۲ ربیع الاول ۶۴۰ھ میں کیا تھا، پھر اسی کے ثبوت شیخ السلام عز الدین بن عبدالسلام کو اسی سال ۱۹ ربیع الآخر کو ملے، پھر اس کے ثبوت چیف جسٹس بدرالدین بن جماعت کو ملے۔اس کو تذکرہ ابن المتوخ نے اپنی کتاب ایقاظ المتعفل واتعاظ المتوسل میں کیا ہے۔

۸۔　کیا یہ سبز علامت پہن سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہے کہ شریف وغیرہ میں سے جو بھی اس کا ارادہ کرے اسے نہ تو منع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شریف وغیرہ میں سے اسے ترک کرنے والے کو اس کا حکم دیا جا سکتا ہے کیونکہ اسے ۷۷۲ھ میں بادشاہ شعبان بن حسین کے حکم سے بنایا گیا تھا۔زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے اس لیے بنایا گیا تاکہ اس کے ذریعے ان میں اور دیگر لوگوں میں امتیاز ہو سکے۔انہوں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل لی تھی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (۱)

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ ڈال لیا کریں اپنے اوپر چادر کے پلو اس طرح وہ با آسانی پہچان لی جائیں پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔

اس سے بعض علماء کرام اہل علم نے لباس کی تخصیص کی ہے جو طویل آستینوں والا لباس اور چادر اوڑھنا وغیرہ تاکہ ان کی پہچان ہو سکے اور علم کی وجہ سے ان کی تکریم ہو سکے۔یہ مروجہ ہے۔واللہ اعلم!

۹۔　کیا وہ اشراف کے لیے وصیت میں شامل ہوں گے یا نہیں؟

۱۰۔　کیا اشراف کے لیے وقف میں شامل ہوں گے۔ان کا جواب یہ ہے کہ اگر موصی اور واقف کے کلام میں ایسی نص پائی گئی جو ان کے دخول یا خروج کا تقاضا کرتی ہو تو اس کی اتباع کی جائے گی۔اگر اس میں کچھ بھی نہ ہو تو پھر فقہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وصیت اور وقف شہر کے عرف کے مطابق ہوگا اور اس طرف پر ہوگا جو خلفاء الفاطمین کے عہد سے آج تک ہے۔شریف کا لفظ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد کے لیے خاص ہے۔وہ اس عرف کے مقتضی کے مطابق داخل نہ ہوں گے۔وہ برکتہ الحبیش کے وقف میں داخل ہوں گے کیونکہ اس کے واقف نے یہ نص بیان کر دی تھی کہ ان کا نصف اشراف کے لیے اور نصف طالبین کے لیے ہے۔

۱۔　الاحزاب ۳۳: ۵۹

تنبیہات:

۱۔ فاطمہ نام کا مادہ اشتقاق الفطم سے ہے۔ اس کا معنی القطق ہے اس سے فطم الصبی ہے جب وہ دودھ چھوڑ دے۔ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے: واللہ لا فطمنك عن كذا نخد! میں تجھے اس سے روک دوں گا۔ اسے خطیب نے روایت کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس میں مجہول راوی ہیں۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں لکھا ہے۔ لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ اس پر موضوع کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تعالیٰ نے ان کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں آگ سے بچالیا۔

۲۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زرہ حق مہر دی۔ انہوں نے وہ زرہ بیچی کچھ گھریلو سامان بیچا اور چار سو درہم ان کا حق مہر تھا۔ محب الطبری نے لکھا ہے کہ شاید عقد نکاح زرہ پر ہوا ہو۔ جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت دلالت کرتی تھی۔ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت لے آئے ہوں۔ دو حدیثوں میں تضاد نہ رہے۔ قائل ان دونوں کے مدلول کی طرف جا سکے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر زرہ تھا۔ وہاں سونا چاندی نہ تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ درہم چار سو اسی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ثلث سے خوشبو خریدنے کا حکم دیا۔

۳۔ حضرات ابن عباس، علی المرتضیٰ اور انس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ مختلف افراد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس نکاح پر ابھارا تھا۔ یہ متضاد روایت لگتی ہے لیکن ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ ان کی موالات پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں ترغیب دی ہو۔ یا اس کے برعکس ہو، پھر جب وہ اس مقصد کے لیے عازم سفر ہوئے ہوں تو انہیں انصار ملے ہوں۔ انہوں نے انہیں اس کی ترغیب دی ہو۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کا علم نہ ہو۔

۴۔ شاید اس روایت میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس ولیمہ کا تذکرہ کیا ہو جو انہوں نے خود کیا تھا یہ اس ولیمہ کے علاوہ تھا جو انصار بکرا اور مکئی لے آئے تھے تاکہ دونوں روایتوں کو جمع کیا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کھجوروں اور جو کے کئی صاع دیے ہوں۔ جو کچھ انصار لے کر آئے ہوں۔ وہ مردوں کے لیے ولیمہ ہو اور جو کچھ آپ نے عطا کیا ہو وہ عورتوں کے لیے ولیمہ ہو جیسے ان سے روایت اسی پر دلالت کر رہی ہے۔

۵۔ آپ نے پانی کیسے چھڑکا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مختص کرنے میں وہ روایت مخالف ہے جسے ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ محب الطبری نے کہا ہے کہ شاید آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کیفیت کے ساتھ مختص کیا ہو جیسے کہ روایت میں ہے۔ اس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہیں ہے اور اس کیفیت میں ان دونوں حضرات قدسی پر پانی چھڑکا ہو حضرت ابن حبان کی روایت میں ہے۔

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو کچھ کہا تو وہ رونے لگیں۔ دوسری بار ایک امر کے بارے میں بتایا کہ وہ اہل ایمان کی عورتوں کی سردار ہیں یا اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ یہ سن کر وہ

مسکرانے لگیں۔ دولابی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ پہلے آپ نے اپنے وصال کے بارے بتایا جسے سن کر وہ رونے لگیں، پھر یہ بتایا کہ وہ اہل ایمان کی عورتوں کی سردار ہیں اور وہ سب سے پہلے آپ سے ملاقات کریں گی۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ پہلے آپ نے انہیں اپنے وصال کے بارے بتایا وہ رونے لگیں پھر یہ فرمایا کہ وہ سب سے پہلے آپ سے ملیں گی۔ یہ سن کر وہ مسکرانے لگیں۔ شاید یہ مختلف محافل میں ہوا ہو۔ اس طرح یہ روایات جمع ہوسکتی ہیں کیونکہ ان کا رونا جیسے کہ امام مسلم کی روایت ہے دو خبروں کے مجموعہ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کے وصال کی وجہ سے ہے۔ روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے وصال اور ان کی پہلے ملاقات کے بارے میں علیحدہ علیحدہ بتایا تھا جیسے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ اس اعتبار سے وہ پہلے روئیں اور پھر مسکرائیں۔ اگر ان کا رونا ان دونوں کا مجموعہ کے اعتبار سے ہوتو پھر یہ ان میں سے کسی ایک کے لیے یا ان میں سے ہر ایک کے لیے نہ ہو جیسے کہ وہ دوسری بار مسکرائیں تھیں۔ دولابی کی روایت میں ان کا مسکرانا ایک کے لیے مستقل نہیں ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مستقل ہے جیسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ ہر امر کے لیے علیحدہ علیحدہ مسکرانا اور رونا تھا۔ (۱)

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے خصوصی فضائل ومناقب:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چھ (۶) ماہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ جب نماز فجر کے لئے نکلتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اے اہل بیت! نماز قائم کرو۔ (اور پھر یہ آیت مبارکہ پڑھتے:)۔۔۔اے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کردے اور تم کو پاک وصاف کردے۔ (۲)

بخاری نے الکنی میں ابوالحمراء سے حدیث روایت کی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی مدت نو (۹) ماہ بیان کی گئی ہے۔ (۳)

۱۔ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱۱، ص ۷۲۔۹۰

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۳۵۲، رقم: ۳۲۰۶ | احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۹، ۲۸۵ | احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۱، رقم: ۱۳۴۰، ۱۳۴۱
ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۷۲ | شیبانی، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۰، رقم: ۲۹۵۳ | عبد بن حمید، المسند: ۳۶۷، رقم: ۱۲۲۳
حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۲، رقم: ۴۷۴۸ | طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۵۶، رقم: ۲۶۷۱ | بخاری: ۲۰۵، طبقات المحدثین، ج ۲، ص ۱۴۸
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۷، ص ۲۱۸ | سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۸ | تہذیب الکمال، ۳۵: ۲۵۰، ۲۵۱
تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۸۳ | الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۵: ص ۶۱۳
الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۶۰۷ | فتح القدیر، ۴: ۲۸۰

۳۔ الکنی (بخاری)، ص ۲۰۵

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک ۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے ۔ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ پانچ ہستیوں ۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ۔کے بارے میں نازل ہوئی۔ (۲)

۳۔ ''صفیہ بنت شیبہ روایت کرتی ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے درآں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سادہ اُون سے کجاوں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ پس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اس چادر میں لے لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں بھی اس چادر میں لے لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں بھی اس چادر میں لے لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ''اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے۔ (۳)

۴۔ پروردہ نبی حضرت عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ ۔۔۔ اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک صاف کر دے ۔۔ نازل ہوئی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک وصاف کر دے''۔ (۴) ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۷۰، رقم ۳۶۱۰۲

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۳: ۳۸۰، رقم: ۳۴۵۶ ؛ طبرانی، المعجم الصغیرہ، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۷۵ ؛ تاریخ بغداد، ۱۰: ۲۷۸
جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۲: ۶

۳۔ مسلم الصحیح، ۴: ۱۸۸۳، رقم: ۲۴۲۴ ؛ ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۷۰، رقم ۳۶۱۰۲ ؛ فضائل الصحابہ، ۲: ۶۷۲، رقم: ۱۴۹
ابن راہویہ المسند، ۳: ۶۷۸، رقم: ۱۲۷۱ ؛ المستدرک، ۳: ۶۷۸، رقم: ۴۷۰۵ ؛ بیہقی السنن الکبریٰ، ۲: ۱۴۹
جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۲: ۶، ۷ ؛ معالم التنزیل، ۳: ۵۲۹ ؛ تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۸۵
الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۶۰۵

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۳۵۱، ۶۶۳، رقم ۳۲۰۵، ۳۷۸۷ ؛ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۹۲ ؛ فضائل الصحابہ، ۲: ۵۸۷، رقم: ۹۹۴
السنن الکبریٰ، ۲: ۱۵۰ ؛ المستدرک، ۲، رقم: ۳۵۵۸ ؛ المعجم الکبیر، ۳: ۵۴، رقم: ۲۶۶۲، ۸۲۹۵ ؛ المعجم الاوسط، ۴، رقم: ۳۷۹۹
الاعتقاد: ۳۲۷ ؛ تاریخ بغداد، ۹: ۱۲۶ ؛ موضح اوہام الجمع والتفریق، ۲: ۳۱۳ ؛ الذریت الطاہرہ: ۱۰۷، ۱۰۸، ۲۰۱
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۸ ؛ فتح الباری، ۷: ۱۳۸ ؛ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۳: ۴۰۵ ؛ جامع البیان فی القرآن، ۲۲: ۷
الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۶۰۴ ؛ فتح القدیر، ۴: ۲۷۹

۵۔ ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تو نہیں چاہتی کہ تو تمام جہانوں کی عورتوں، میری اس امت کی تمام عورتوں اور مومنین کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ (۵)

۶۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا آئیں اور ان کا چلنا ہو بہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے جیسا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو خوش آمدید کہا اور اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا، پھر چپکے چپکے ان سے کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں، پس میں نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کوئی بات چپکے چپکے سے کہی تو وہ ہنس پڑیں، پس میں کہا کہ آج کی طرح میں نے خوشی کو غم کے اتنے نزدیک کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو فاش نہیں کرسکتی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے ان سے (اس بارے میں) پھر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے سرگوشی کی کہ جبرائیل ہر سال میرے ساتھ قرآن کریم کا ایک بار دور کیا کرتے تھے۔ لیکن اس سال دو مرتبہ کیا، مجھے یقین ہے کہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے اور بے شک میرے گھر والوں میں سے تم ہو جو سب سے پہلے مجھ سے آملوگی۔ اس بات نے مجھے رلایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو یا تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو! پس اس بات پر میں ہنس پڑی۔ (۶)

(۷)

حضرت مسروق روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں کی سردار ہو، میری اس امت کی عورتوں کی سردار ہو!'' (۷)

۵۔ المستدرک، ۳: ۱۷۰، رقم: ۴۷۴۰
نسائی السنن الکبریٰ، ۵: ۱۴۶، ۸۵۱۷
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۸
نسائی السنن الکبریٰ، ۴: رقم: ۸۵۱۷
الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲۴۷، ۲۴۸، ۸: ۲۶، ۲۷

۶۔ بخاری الصحیح، ۳: ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، رقم ۳۴۲۶، ۳۴۲۷
احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۸۲
مسلم الصحیح، ۴: ۱۹۰۴، رقم ۲۴۵۰

۷۔ بخاری الصحیح، ۵: ۲۳۱۷، رقم: ۵۹۲۸
نسائی فضائل الصحابہ: ۷۷، رقم: ۲۶۳
طیالسی، المسند: ۱۹۶، رقم: ۱۳۷۳
دولابی، الذریۃ الطاہرۃ: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۱۸۸
سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۳۰۲
مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۵، رقم: ۲۴۵۰
احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۲، رقم: ۱۳۴۲
ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲۴۷
حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۳۹، ۴۰

(۸)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان کے ایک فرشتے نے میری زیارت نہیں کی تھی، پس اس نے اللہ تعالیٰ سے میری زیارت کی اجازت لی اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی (یا) مجھے خبر دی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری امت کی سب عورتوں کی سردار ہیں''(۸)

(۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فرشتہ جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہ اترا تھا، اس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرنے حاضر ہوا اور مجھے یہ خوشخبری دی: فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں''۔(۹)

(۱۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہیں کہ اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو اور تیرے دونوں بیٹے جنت کے تمام جوانوں کے۔(۱۰)

۸۔ بخاری الصحیح، ۳: ۱۳۲۶-۱۳۲۷، رقم: ۳۴۲۶-۳۴۲۷
التاریخ الکبیر، ۱: ۲۳۲، رقم ۷۲۸
المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۳، رقم: ۱۰۰۶

۹۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۶۰ رقم ۳۷۸۱
نسائی، فضائل الصحابہ: ۵۸، ۷۶، رقم: ۱۹۳، ۲۶۰
احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۷۱
المستدرک، ۳: ۱۶۴، رقم: ۴۷۲۱، ۴۷۲۲
اعتقاد: ۳۲۸
ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۲۲۴
فتح الباری، ۶: ۴۷۱
الخصائص الکبری، ۲: ۱۵۶، ۴۶۴
نسائی السنن الکبریٰ، ۵: ۸۰، ۹۵، رقم: ۸۲۹۸، ۸۳۲۵
احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۹۱
ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۸۸، رقم ۳۲۲۷۱
المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۲ رقم: ۱۰۰۵
حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴: ۱۹۰
سیر اعلام النبلاء، ۳: ۱۲۳، ۲۵۲
تدریب الراوی، ۲: ۲۲۵
بخاری الصحیح ۳: ۱۳۲۰، ۳: ۱۳۷۴

۱۰۔ مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۱، المسند: ۳، ۱۰۲، رقم: ۸۵

(۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار (۴) لکیریں کھینچیں، اور فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی تمام عورتوں میں سے افضل ترین (چار) ہیں: خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران علیہن السلام۔ (۱۱)

(۱۲)

حضرت صالح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں! (وہ یہ کہ) میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اہل جنت کی عورتوں کی سردار صرف چار خواتین ہیں: مریم بنت عمران، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد اور فرعون کی بیوی آسیہ سلام اللہ علیہن۔ (۱۲)

(۱۳)

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو آگ کا عذاب نہیں دے گا۔ (۱۳)

(۱۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عصمت و پاک دامنی کی ایسی حفاظت کی کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ سے محفوظ فرما دیا ہے۔ (۱۴)

۱۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۳، ۳۱۲، نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۹۳، ۹۴، رقم: ۸۳۵۵، ۸۳۶۴، نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۴، ۷۶، رقم: ۲۵۰، ۲۵۹
ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۷۰، رقم، ۷۰۱۰، المستدرک، ۲: ۵۳۹، رقم: ۳۸۳۶، المستدرک، ۳: ۱۷۴، ۲۰۵، رقم: ۴۷۵۴، ۴۸۵۲
احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۰، ۷۶۱، رقم: ۱۳۳۹، المسند، ۵: ۲۷۲۲، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۴، رقم: ۲۹۶۲
المسند، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۹۷، المعجم الکبیر، ۱۱: ۳۳۲، رقم ۱۱۹۲۸، المعجم الکبیر ۲۲: ۴۰۷، رقم: ۱۰۱۹، المعجم الکبیر، ۲۳: ۷، رقم: ۲۰۱
الاعتقاد: ۳۲۹، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۴: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، تہذیب الاسماء واللغات، ۲: ۶۰۸، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۲۴
مجمع الزوائد ۹: ۲۲۳، فتح الباری، ۶: ۴۴۷، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸: ۵۵، حسینی البیان والتعریف، ۱۲۳۱، رقم: ۳۱۲
فیض القدیر، ۲: ۵۳، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۸۳، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۳۹۴

۱۲۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۰، رقم: ۱۳۳۶

۱۳۔ المعجم الکبیر، ۱۱: ۲۱۰، رقم: ۱۱۶۸۵ — مجمع الزوائد ۹: ۲۰۲ — ذوی الشرف: ۱۱۷

۱۴۔ المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۷، رقم: ۱۰۱۸ — المسند، ۵: ۲۲۳، رقم: ۱۸۲۹ — المستدرک، ۳: ۱۲۵، رقم: ۴۷۲۶
حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴: ۱۸۸ — ذوی الشرف: ۱۱۵، ۱۱۶

(۱۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری بیٹی کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد سے محبت رکھنے والوں کو دوزخ سے الگ تھلگ کر دیا ہے۔" (۱۵)

(۱۶)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرمار ہے تھے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا (اپنے زمانہ کی عورتوں میں) سب سے افضل خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہیں، اور (اپنے زمانہ کی عورتوں میں) سب سے افضل مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا ہیں۔ (۱۶)

(۱۷)

"حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا: مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد زمین و آسمان میں سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ (۱۷)

وضاحت:

ان احادیث کا متذکرہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی فضیلت والی احادیث سے کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان کی فضیلت زمانی ہے یعنی اُن کے اپنے اپنے زمانوں میں خواتین عالم میں سے کوئی اُن کے ہم پلہ نہ تھی۔ مگر سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی فضیلت عموی اور مطلق ہے، جو سب جہانوں اور زمانوں کو محیط ہے۔

۱۵۔ الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۳۴۶، رقم: ۱۳۸۵! کنز العمال ۱۲: ۱۰۹ ارقم: ۳۴۲۲۷، وذوی الشرف، ص: ۹۲

۱۶۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۷۰۲، رقم: ۳۸۷۷، احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲، ۱۲۳، المسند، ۱: ۴۵۵، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۸۵۲، رقم: ۱۵۸۰، الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب، ۴: ۱۸۲۳، سیر اعلام النبلاء ۲: ۱۱۳، فتح الباری، ۶: ۴۴۷، ایضاً، ۷: ۱۰۷، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷: ۶۰۲

۱۷۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۸۲، رقم: ۲۴۳۰ — بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۶۵، رقم: ۳۲۴۹، ۳۶۰۴ — نسائی السنن الکبریٰ، ۵: ۹۳، رقم: ۸۳۵۴

احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۴۳۸۴ — المصنف، ۷: ۴۹۲، رقم ۱۴۰۰۶ — ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۹۰، رقم: ۳۲۲۸۹

المسند، ۶: ۱۱۵، رقم: ۴۶۸، ۱: ۳۹۹، رقم: ۵۲۲ — نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۴، رقم: ۲۴۹

احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۸۴۷، رقم: ۱۵۶۳، ۱۵۷۹، ۱۵۸۳ — الآحاد والمثانی، ۵: ۳۸۰، رقم: ۲۹۸۵

المستدرک، ۲: ۵۳۹، رقم: ۳۸۴۷، ۳: ۲۰۳، ۶۵۷، رقم: ۴۸۴۷_۶۴۱۹ — السنن الکبریٰ، ۶: ۳۶۷

معجم الکبیر: ۲۳، ۱۸، رقم: ۴ — الامالی: ۱۸۸، رقم: ۱۶۴

الذریۃ الطاہرہ: رقم: ۲۸ — الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب، ۴: ۱۸۲۴

صفوۃ الصفوۃ، ۲: ۳

علامہ اقبال کا ہدیہ عقیدت:

مریم از یک نسبت عیسی عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین
آں امام اوّلین و آخرین
بانوی آں تاجدار ھل اتٰی
مرتضی\ مشکل کشا شیر خدا
مادر آن مرکز پرکار عشق
مادر آن کاروان، سالار عشق
در نوائے زندگی سوز از حسین
مادراں را اسوہ کامل بتول
اہل حق حریت اموز از حسین
مزرع تلیم را حاصل بتول

(۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل وعیال میں سے سب کے بعد جس سے گفتگو کر کے سفر پر روانہ ہوتے وہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہوتیں، اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے جس کے پاس تشریف لاتے وہ بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی ہوتیں، اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرماتے: (فاطمہ!) میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔(۱۸)

(۱۹)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے: (فاطمہ!) میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اسے حاکم نے 'المستدرک' میں روایت کیا ہے۔(۱۹)

۱۸۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۰، رقم: ۴۷۴۰ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۴۷۰، ۴۷۱، رقم: ۶۹۶
موارد الظمآن: ۶۳۱، رقم: ۲۵۴۰،

۱۹ در السحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابۃ، ص: ۲۷۹

(۲۰)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، پس جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

آئمہ محدثین نے بہت سارے مقامات پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کیا ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بضعة منی فرما کر اپنی جان کا حصہ قرار دیا ہے۔ (۲۰)

۲۰۔ بخاری، الصحیح، ۳۔: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۰، بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۷۴، رقم: ۳۵۵۶، مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۳، رقم: ۲۴۴۹، ابن ابی شیبہ المصنف (۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۶۹)، المسند، ۳: ۷۰، رقم: ۴۲۳۳، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۱، رقم: ۲۹۵۴، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۴، رقم: ۱۰۱۳، المستدرک، ۳: ۱۷۲، رقم: ۴۷۴۷، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۰۱، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۱۴۵، رقم: ۴۳۸۹، صفۃ الصفوہ، ۲: ۷، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۸۰، غوامض الاسماء المبہمہ، ۱: ۳۴۱، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸: ۵۶، حسینی البیان التعرف، ۱: ۲۷۰، فیض القدیر، ۴: ۴۲۱، عجلوی کشف الخفاء و مزیل الالباس، ۲: ۱۱۲، رقم ۱۸۳۱، بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۳۵۲۳، بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۰۳، رقم ۴۹۳۲، ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۹۸، رقم ۳۸۶۷، ابوداؤد السنن، ۲: ۲۲۶، رقم: ۲۰۷۱، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۶۴۳، ۶۴۴، رقم: ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۴۸، رقم: ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۸، رقم: ۲۶۵، احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵، ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۸، احمد بن حنبل فضائل الصحابہ، ۲: ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۸، رقم: ۱۳۲۴، ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۰۶، ۴۰۸، ۵۳۵، رقم: ۴۹۵۵، ۷۰۶۰، المصنف، ۷: ۳۰۱، ۳۰۲، رقم: ۱۳۲۶۸، ۱۳۲۶۹، ابوعوانہ، المسند، ۳: ۷۱ رقم: ۴۲۳۱، ۴۲۳۴، المسند، ۶: ۱۶۰۔ رقم: ۵۲۶، المسند، ۶: ۱۵۰، رقم: ۱۹۳، المسند، ۱۳: ۱۳۴، رقم ۷۱۸۱، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۱، ۳۶۲، رقم: ۲۹۵۴، ۲۹۵۷، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۸، ۱۹، رقم: ۱۸، ۲۱، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۵، رقم ۱۰۱۰، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ۳: ۱۸۲، ۱۸۴، المستدرک، ۳: ۱۷۳، رقم: ۴۷۵۱، السنن الکبریٰ، ۷: ۳۰۷، ۳۰۸، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۸۸، مقدسی الاحادیث المختارہ، ۹: ۳۱۵، رقم ۴۷، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۲۳۲، رقم ۸۸۷، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۱۴۵، رقم: ۴۳۸۹، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۵، مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۳، زوائد الحارث، ۲: ۹۱۰، رقم: ۹۹۱، الذریۃ الطاہرہ: ۴۷، ۴۸، رقم: ۵۵۔ ۵۶، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ۸: ۲۶۲، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۴۰، ۴۱، ۱۷۵، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۳: ۲۰۶، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷: ۳۲۵، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۲۵۷، ابن قانع، معجم الصحابہ ۳: ۱۱۰، رقم: ۱۰۷۶، شرح صحیح مسلم، ۱۶: ۲، تذکرۃ الحفاظ، ۲: ۷۳۵، تذکرۃ المحتاج ۴: ۱۲۶۵، فیض القدیر، ۳: ۱۵، سیر اعلام النبلاء، ۶: ۱۱۹، ۱۳۳، سیر اعلام النبلاء، ۳: ۳۹۳، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۹۰، سیر اعلام النبلاء، ۱۹: ۴۸۸، معجم المحدثین: ۹، تہذیب الکمال، ۲۲: ۵۹۹، تہذیب الکمال، ۳۵: ۲۵۰، دارقطنی، سوالات حمزہ: ۸۰، رقم: ۴۰۹، تذکرۃ المحتاج: ۹: ۲۷۹۔ استجلاب رتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذوی الشرف: ۹۷

(۲۱)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، پس جس نے اُسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ (۲۱)

(۲۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: عورت کے لیے کونسی شے بہتر ہے؟ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ جب میں گھر لوٹا تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بتاؤ عورت کے لیے کونسی شے بہتر ہے۔؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: عورت کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اُسے غیر مرد نہ دیکھے۔ میں نے اس چیز کا تذکرہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمد فاطمہ رضی اللہ عنہا پر محبتاً کھڑے ہوجاتے ہاتھ چومتے اور اپنی نشست پر بٹھالیتے۔ (۲۲)

(۲۳)

''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آتے ہوئے دیکھتے تو خوش آمدید کہتے۔ پھر ان کی خاطر کھڑے ہوجاتے، اُنہیں بوسہ دیتے، اُن کا ہاتھ پکڑ لاتے اور اُنہیں اپنی نشست پر بٹھالیتے، اور جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھتیں تو خوش آمدید کہتیں، پھر کھڑی ہوجاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیتیں۔ (۲۳)

(۲۴)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ سلام اللہ علیہا کو خوش آمدید کہتے، کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بوسہ دیتے اور اُنہیں اپنی نشست پر بٹھالیتے۔ (۲۴)

---

(۲۱)۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۶۹، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ۔ ۲: ۷۵۵، ۷۵۶: رقم ۱۳۲۶، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی: ۸۰، ۱۸

۲۲۔ بزار، المسند، ۲: ۱۶۰، رقم: ۵۲۶، مجمع الزوائد ۴: ۲۵۵، مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۲، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۲: ۴۰، ۴۱، ۱۷۵

دار قطنی، سوالات حمزہ: ۲۸۰، رقم: ۴۰۹

۲۳۔ نسائی سنن الکبری، ۵: ۳۹۱، ۳۹۲، رقم: ۹۲۳۶، ۹۲۳۷، ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۰۳، رقم: ۹۲۵۳، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۷، رقم ۲۹۶۷، المعجم الاوسط، ۴: ۲۴۲، رقم: ۴۰۸۹، المستدرک ۴: ۳۰۳، رقم: ۷۷۱۵، بخاری، الادب المفرد: ۳۲۶، رقم: ۹۴۷، الذریۃ الطاہرہ: ۱۰۰، رقم: ۱۸۴

۲۴۔ حاکم، المستدرک ۳: ۱۶۷، رقم: ۴۷۳۲، نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۸، رقم: ۲۶۴، ابن راہویہ، المسند، ۱: ۸، رقم: ۶، بیہقی السنن الکبریٰ، ۷: ۱۰۱، شعب الایمان، ۶: ۴۶۷، رقم: ۸۹۲۷، مقری تقبیل الید: ۹۱، فتح الباری، ۱۱: ۵۰

(۲۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے، انہیں بوسہ دیتے، خوش آمدید کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی نشست پر بٹھا لیتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں رونق افروز ہوتے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو بوسہ دیتیں۔ (۲۵)

(۲۶)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے درآں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر بچھائی ہوئی تھی۔ پس اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کے کنارے پکڑے اور ان پر ڈال کر اس میں گرہ لگا دی۔ پھر فرمایا: اے اللہ! تو بھی ان سے راضی ہو جا، جس طرح میں ان سے راضی ہوں''۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۶۹:۹) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں، سوائے عبید بن طفیل کے اور ثقہ ہے، اُس کی کنیت ابو سیدان ہے۔ (۲۶)

(۲۷)۔ ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل و عیال میں سے سب کے بعد جس سے گفتگو فرما کر سفر پر روانہ ہوتے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں۔ اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے جس کے پاس تشریف لاتے وہ بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہوتیں۔ (۲۷)

(۲۸)۔ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل و عیال میں سے سب کے بعد جس سے گفتگو فرما کر سفر پر روانہ ہوتے وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں، اور پھر سفر سے واپسی پر سب سے پہلے جس کے پاس تشریف لاتے وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں۔ اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے: (فاطمہ!) میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں'' حاکم نے، المستدرک (۱۶۹:۳، رقم: ۴۷۳۷) میں اسے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے بھی ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق الکبیر (۴۳:۱۴۱) میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے۔ (۲۸)

۲۵۔ حاکم، المستدرک م۳:۴:۱۷، رقم: ۴۷۵۳، محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۸۵، موارد الظمآن: ۵۴۹، رقم: ۲۲۲۳، فتح الباری، ۱۱: ۵۰، درالسحابہ فی مناقب القربتہ والصحابہ: ۲۷۹

۲۶۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۳۴۸، رقم: ۵۵۱۴، مجمع الزوائد ۹: ۱۶۹

۲۷۔ ابوداؤد السنن، ۴: ۸۷، رقم: ۴۲۱۳، احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۵، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۶، زید بغدادی، ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷

۲۸۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۹، ۱۷۰، رقم: ۴۷۳۹، ۴۷۴۰، ایضاً، ۱: ۶۶۴، رقم: ۱۷۹۸، المستدرک، ۳: ۱۶۹، رقم: ۴۷۳۷، ابن حبان، الصحیح، ۲: ۴۷۰، ۴۷۱، رقم: ۶۹۶، ہیثمی موارد الظمآن: ۶۳۱، رقم: ۲۵۴۰، تاریخ دمشق الکبیر ۴۳: ۱۴۱

(۲۹)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیتے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ طبرانی نے اسے الاوسط میں روایت کیا اور اس کے راوی ہیں۔ (۲۹)

(۳۰) ''حضرت جمیع بن عمیر تیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون زیادہ محبوب تھا؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ سلام اللہ علیہا عرض کیا گیا: مردوں میں سے (کون زیادہ محبوب تھا؟) ان کے شوہر، جہاں تک میں جانتی ہوں وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو عبادت کے لیے بہت قیام کرنے والے تھے۔ (۳۰)

(۳۱)

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھی اور مردوں میں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ محبوب تھے۔ (۳۱)

(۳۲)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا: میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے کہا: اسامہ! ہمارے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حاضری کی) اجازت مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں انہیں آنے دو۔ چنانچہ دونوں حضرات اندر داخل ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ بات جاننے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اہل بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۳۲)

۲۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۴۸، رقم: ۴۱۰۵، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۹، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۸۹، رقم: ۳۰۳، فیض القدیر، ۵: ۱۵۵

۳۰۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۷۰۱، رقم: ۳۸۷۴، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۳، ۴۰۴، رقم: ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، المستدرک، ۳: ۱۷۱، رقم: ۴۷۴۴، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۷، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۹، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۵، تہذیب الکمال، ۴: ۵۱۲، درالسحابہ فی مناقب القرابتہ والصحابہ: ۲۷۳

۳۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۹۸، رقم: ۳۸۶۸، نسائی السنن الکبریٰ (۵: ۱۴۰، رقم: ۸۴۹۸)، المعجم الاوسط، ۷: ۱۹۹، رقم: ۷۲۶۲، المستدرک، ۳: ۱۶۸، رقم ۴۷۳۵، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۱، درالسحابہ فی مناقب القرابتہ والصحابہ: ۲۷۴

۳۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۷۸، رقم: ۳۸۱۹، المسند، ۷: ۱۷، رقم ۲۶۲۰، طیالسی، المسند: ۸۸، رقم ۶۳۳، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۳، رقم ۱۰۰۷، المستدرک، ۲: ۴۵۲، رقم: ۳۵۲۶، الاحادیث المختارہ، ۴: ۱۶۰، ۱۶۲، رقم: ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۸۹، ۴۹۰۔

(۳۳)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو میرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کون محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے تم سے زیادہ پیاری ہے، اور تم مجھے اس سے زیادہ عزیز ہو۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سلمیٰ بن عقبہ کو میں نہیں جانتا جبکہ بقیہ رجال ثقہ ہیں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ حسینی نے البیان والتعرف میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے، اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح ہیں۔ مناوی نے، فیض القدیر میں کہا کہ ہیثمی نے اس کے رجال کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۳۳)

(۳۴)

'' ابن ابی نجیح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ مجھے اُس شخص نے بتایا جس نے منبر کوفہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے سرہانے بیٹھ کر پانی کا برتن منگوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا فرمائی اور ہم پر اس کے چھینٹے مارے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے؟ فرمایا: مجھے یہ تم سے زیادہ پیاری ہے اور تم مجھے اس سے زیادہ عزیز ہو۔ نسائی نے السنن الکبریٰ میں یہ حدیث مبارکہ مختصراً بیان کی ہے۔ شیبانی نے الآحاد والمثانی (۵:۳۶۰، رقم: ۲۹۵۱) میں اسے مختصراً بیان کیا ہے۔ (۳۴)

(۳۵)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بڑھ کر کسی کی عادات و اطوار، سیرت و کردار اور نشست و برخاست میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہیں دیکھا۔ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (۳۵)

۳۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۱۴۲، رقم: ۷۶۷۵ — مجمع الزوائد ۹: ۱۷۳ — مجمع الزوائد ۹: ۲۰۲
البیان والتعرف ۲: ۱۲۳۸ — فیض القدیر ۴: ۴۲۲

۳۴۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ ۲: ۶۳۱، ۶۳۲، رقم: ۱۰۷۶ — السنن الکبریٰ ۵: ۱۵۰، رقم: ۸۵۳۱ — المسند، ۱: ۲۲، رقم: ۸۳
الآحاد والمثانی ۵: ۳۶۰، رقم: ۲۹۵۱ — تذکرہ الخواص: ۲۷۵، ۲۷۶ — اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۷: ۲۱۹

۳۵۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۷۰۰، رقم: ۳۸۷۲ — ابوداود، السنن، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۷ — فضائل الصحابہ: ۷۷، ۷۸، رقم: ۲۶۴
المستدرک، ۴: ۳۰۳، رقم: ۷۷۱۵ — السنن الکبریٰ، ۵: ۹۶، الطبقات الکبریٰ ۲: ۲۴۸ — ابن جوزی، صفۃ الصفوہ، ۲: ۶، ۷
ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۸۴۔۸۵

(۳۶)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اندازِ گفتگو میں کسی کو بھی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہیں دیکھا۔ (۳۶)

(۳۷)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی بھی شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہیں تھا۔ (۳۷)

(۳۸)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج جمع تھیں اور کوئی بھی غیر حاضر نہیں تھی۔ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں جن کی چال ہو بہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کے مشابہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرحبا، (خوش آمدید) میری بیٹی! پھر اُنہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (۳۸)

(۳۹)

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع تھیں اور کوئی ایک بھی ہم میں سے غیر حاضر نہ تھی، اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وہاں آ گئیں، پس اللہ کی قسم اُن کا چلنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے سے ذرہ بھر مختلف نہ تھا۔ (۳۹)

۳۶۔ بخاری، الادب المفرد: ۳۲۲، ۳۳۷، رقم: ۹۴۷، ۹۷۱، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۹۱، رقم: ۹۲۳۶، الصحیح، ۱۵: ۴۰۳، رقم: ۶۹۵۳، المستدرک، ۳: ۱۶۷، ۱۷۴، رقم: ۴۷۳۲، ۴۷۵۳، المعجم الاوسط، ۴: ۲۴۲، رقم: ۴۰۸۹، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۰۱، المسند، ۱: ۸، رقم: ۶، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۴: ۱۸۹۶، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۷،

۳۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۶۴

۳۸۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، رقم: ۲۴۵۰، بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۱۷، رقم: ۵۹۲۸، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۵۱۸، رقم: ۱۶۲۰، نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۵۱، رقم ۷۰۷۸، نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۹۶، ۱۴۶، رقم: ۸۳۶۸، ۸۵۱۶، ۸۵۱۷، نسائی، فضائل الصحابہ، ۷۷، رقم: ۲۶۳، نسائی، کتاب الوفاۃ: ۲۰، رقم: ۲، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۲، ۷۶۳، رقم ۱۳۴۳، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۸، رقم: ۲۹۶۸، ابن راہویہ، المسند، ۱: ۶، ۷ رقم: ۵، المعجم الکبیر ۲۲: ۴۱۶، رقم: ۱۰۳۰، ایضاً، ۲۲: ۴۱۹، رقم: ۱۳۰۳، صفۃ الصفوہ، ۲: ۶، ۷، تذکرۃ الخواص: ۲۷۸، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۸ سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۰

۳۹۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۱۷، رقم: ۵۹۲۸، مسلم الصحیح، ۴: ۱۹۰۵، رقم: ۲۴۵۰، نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۷ رقم: ۱۳۴۲، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ: ۷۶۲، رقم: ۱۳۴۲، طیالسی، المسند: ۱۹۶، رقم: ۱۳۷۳، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲۴۷، الذریۃ الطاہرہ: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۱۸۸، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۳۹، ۴۰، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۰

(۴۰)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ میری شاخ ثمر بار ہے، جس چیز سے اسے خوشی ہوتی ہے اس چیز سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور جس چیز سے اُسے تکلیف پہنچتی ہے اس چیز سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔ (۴۰)

(۴۱)

سعد بن ابان قرشی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم جو کہ ابھی نوعمر تھے، اپنے ایک کام کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے۔ پس (ان کے آنے پر) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس برخاست کردی اوران کا استقبال کیا اوران کی ضرورت پوری کی۔ پھران کے پیٹ کے بل کواس قدر دبایا کہ انہیں درد محسوس ہوئی اور فرمایا: یہ بات (قیامت کے دن) شفاعت کے وقت یاد رکھنا۔ جب وہ سید چلے گئے تو لوگوں نے انہیں ملامت کی اور کہا: آپ نے ایک نوعمر لڑکے کی اتنی آؤ بھگت کی؟ اس پر آپ نے فرمایا: میں نے ایک ثقہ راوی سے حدیث مبارکہ اس طرح سنی ہے کہ گویا میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہوں (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں:) ''بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، جو اسے خوش کرتا ہے وہ مجھے خوش کرتا ہے، (پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میں جانتا ہوں کہ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات ہوتیں تو وہ اس عمل سے ضرور خوش ہوتیں جو میں نے ان کے بیٹے کے ساتھ کیا۔ لوگوں نے پوچھا: آپ کا ان کے پیٹ میں کچوکے لگانے کا کیا مطلب ہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اس سے کیا مراد ہے؟ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنی ہاشم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے شفاعت کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ پس میں نے چاہا کہ اس لڑکے کی شفاعت کا حق دار بنوں''۔ سخاوی نے اس کتاب صفحہ: ۱۵۰ پر اسی طرح کا ایک واقعہ خود عبداللہ بن حسن سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں ایک کام کے سلسلے میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے کہا: جب آپ کو کوئی حاجت پیش آئے تو کوئی آدمی بھیج دیا کریں یا خط لکھ بھیجیں، مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ یوں آپ کو اپنے دروازے پر دیکھوں۔ (۴۱)

(۴۲) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (۴۲)

۴۰۔ المستدرک، ۳: ۱۶۸، رقم: ۴۷۳۴، احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۲، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۵، رقم: ۱۳۴۷۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۲، رقم: ۲۹۵۶، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۵، رقم: ۳۰، مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۳، حلیۃ الاولیاء، وطبقات الاصفیاء، ۳: ۲۰۶، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۲، فتح الباری، ۹: ۳۲۹، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۲۵۷

۴۱۔ استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وذوی الشرف: ۹۶، ۹۷

۴۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۰، ایضاً، ۳: ۱۳۷۴، رقم: ۲۵۵۶، مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۳، رقم: ۲۴۴۹، ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۶۹، المسند، ۳: ۷۰، رقم: ۴۲۳۳، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۱، رقم: ۲۹۵۴، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۴، رقم: ۴۷، المستدرک: ۳: ۱۷۲، رقم: ۴۷۴۷، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۱۴۵، رقم: ۴۳۸۹، صفۃ الخطاب، ۲: ۷، غوامض الاسماء، ۱: ۳۴۱، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸: ۵۶، البیان والتعریف، ۱: ۲۷۰، فیض القدیر، ۴: ۴۲۱، کشف الخفاء مزیل الالباس، ۲: ۱۱۲، رقم: ۱۸۳۱

(۴۳)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: بیشک! اللہ تعالیٰ تیری ناراضگی پر ناراض اور تیری رضا پر راضی ہوتا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۴۳)

(۴۴)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے اسے تکلیف دینے والی چیز مجھے تکلیف دیتی ہے۔ (۴۴)

(۴۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، اسے تکلیف دینے والی چیز مجھے تکلیف دیتی ہے، اور اسے مشقت میں ڈالنا مجھے مشقت میں ڈالتا ہے۔ ترمذی نے یہ حسن صحیح حدیث، الجامع الصحیح میں روایت کی ہے۔ (۴۵)

(۴٦)

حضرت ابوحنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے، جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا۔ احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ (۴٦)

۴۳۔ المستدرک، ۳:۱٦۷، رقم: ۴۷۳۰، المعجم: ۱۹۰، رقم: ۲۲۰، الآحاد والمثانی، ۵:۳٦۳، رقم: ۲۹۵۹، المعجم الکبیر، ۱:۱۰۸، رقم: ۱۸۲، ایضا، ۲۲:۴۰۱، رقم ۱۰۰۱ الذریۃ الطاہرہ: ۱۲۰، رقم: ۲۳۵، التدوین فی اخبار قزوین ۳:۱۱، مجمع الزوائد ۹:۲۰۳، تذکرۃ الخواص: ۲۷۹، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷:۲۱۹ تہذیب التہذیب، ۱۲:۴٦۸، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۸:۵٦، ۵۷، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ: ۸۲

۴۴۔ مسلم، الصحیح، ۴:۱۹۰۳، رقم: ۲۴۴۹، نسائی السنن الکبریٰ، ۵:۹۷، رقم: ۸۳۷۰، السنن الکبریٰ، ۱۰:۲۰۱، الآحاد والمثانی، ۵:۳٦۱، رقم: ۲۹۵۵ المعجم الکبیر، ۲۲:۴۰۴، رقم ۱۰۱۰، حلیۃ الاولیا، وطبقات الاصفیاء، ۲:۴۰ تحفۃ المحتاج، ۲:۵۸۵، رقم: ۱۷۹۵، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۸:۵٦ تذکرۃ الخواص: ۲۷۹

۴۵۔ الجامع الصحیح ۵:٦۹۸، رقم: ۳۸٦۹، احمد بن حنبل، المسند ۴:۵، احمد، فضائل الصحابہ، ۲:۱۳۳۷، المستدرک، ۳:۱۷۳، رقم: ۴۷۵۱ الاحادیث المختارہ، ۹:۳۱۴، ۳۱۵، رقم: ۲۷۴، فتح الباری، ۹:۳۲۹، درالسحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ: ۲۷۴

۴٦۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲:۷۵۵، رقم: ۱۳۲۴، فضائل الصحابہ ۲:۷۵٦، رقم: ۱۳۲۷، المسند ۴:۵، المستدرک ۳:۱۷۳، رقم: ۴۷۵۰ الآحاد والمثانی، ۵:۳٦۲، رقم: ۲۹۵۷، المعجم الکبیر، ۲۲:۴۰۵، رقم: ۱۰۱۳، السنن الکبریٰ، ۱۰:۲۰۱

(۴۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں اس سے لڑوں گا جس سے تم لڑو گے، اور جس سے تم صلح کرو گے میں اس سے صلح کروں گا۔ (۴۷)

(۴۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا: جو تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا اور جو تم سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ (۴۸)

(۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی طرف نظر التفات کی اور ارشاد فرمایا: جو تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا، جو تم سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا'' (یعنی جو تمہارا دشمن وہ میرا دشمن اور جو تمہارا دوست ہے وہ میرا دوست ہے، حاکم نے المستدرک میں ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے جبکہ ذہبی نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی تلید بن سلیمان کے بارے میں اختلاف ہے، جبکہ اس کی بقیہ حدیث صحیح کے رجال ہیں۔ (۴۹)

(۵۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہم اہل بیت سے بغض رکھا تو وہ منافق ہے۔ (۵۰)

۴۷۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۹۹، رقم: ۳۸۷۰، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۵۲، رقم: ۱۴۵، المستدرک، ۳: ۱۶۱، رقم: ۴۷۱۴، المعجم الکبیر، ۳: ۴۰، رقم: ۲۶۱۹، ۲۶۲۰ ایضاً، ۵: ۱۸۴، رقم ۵۰۳۰، ۵۰۳۱، المعجم الاوسط، ۵: ۱۸۲، رقم: ۵۰۱۵، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۶۲، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۵ النبلاء، ۱۰: ۴۳۲، تہذیب الکمال، ۱۳: ۱۱۲

۴۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۳۴، رقم: ۶۹۷۷، المعجم الاوسط، ۳: ۱۷۹، رقم: ۲۸۵۴، المعجم الصغیر، ۲: ۵۳، رقم: ۷۶۷، مجمع الزوائد ۹: ۱۶۹ موارد الظمآن: ۵۵۵، رقم: ۲۲۴۴، الامالی: ۴۴۷، رقم: ۵۳۲، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۲۰

۴۹۔ احمد، المسند، ۲: ۴۴۲، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۷، رقم: ۱۳۵۰، المستدرک ۳: ۱۶۱، رقم: ۴۷۱۳، المعجم الکبیر، ۳: ۴۰، رقم: ۱۳۵۰ تاریخ بغداد، ۷: ۱۳۷، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۲، سیر ایضاً، ۳: ۲۵۷، ۲۵۸، مجمع الزوائد ۹: ۱۶۹ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۶۱، رقم: ۱۱۲۶، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ۱: ۳۶۲، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۵۱ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۷: ۳۴۹

(۵۱)

حضرت ابی ذر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: منافق شخص کبھی بھی ہمارے ساتھ محبت نہیں کرتا اور مومن شخص کبھی بھی ہمارے ساتھ بغض نہیں رکھتا۔ (۵۱)

(۵۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: جس نے ہم اہل بیت کے ساتھ بغض رکھا روز قیامت اس کا حشر یہودیوں کے ساتھ ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز (بھی) پڑھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز (بھی) پڑھے (اس کے باوجود دشمن اہل بیت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو رد فرما کر اسے یہودیوں کے ساتھ اٹھائے گا) (۵۲)

(۵۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ہم اہل بیت سے بغض رکھنے والا کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ جہنم میں نہ ڈالے۔ حکم روایت کے نزدیک یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں: (۵۳)

(۵۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص کعبۃ اللہ کے پاس رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور روزہ (بھی) رکھے اور پھر وہ اس حال میں مرے کہ اہل بیت سے بغض رکھتا ہو تو وہ شخص جہنم میں جائے گا۔ (۵۴)

(۵۵)

حضرت معاویہ بن حدیج نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے معاویہ بن حدیج! ہمارے ساتھ بغض رکھنے سے بچے رہنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے: ہمارے ساتھ بغض و حسد رکھنے والا کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جسے قیامت کے دن حوض کوثر سے آگ کے درے سے دھتکارا نہ جائے۔ (۵۵)

۵۱۔ ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۷۲، رقم: ۳۲۱۱۶

۵۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط: ۴: ۲۱۲، رقم: ۴۰۰۲، مجمع الزوائد، ۹: ۱۷۲، تاریخ جرجان: ۳۶۹، المستدرک، ۳: ۱۶۲، رقم: ۴۷۱۷، الصحیح، ۱۵: ۴۳۵، رقم: ۶۹۷۸، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۲۳

۵۴۔ محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی: ۵۱، المعرفۃ والتاریخ: ۱: ۵۰۵

۵۵۔ طبرانی المعجم الاوسط، ۳: ۳۹، رقم: ۲۴۰۵، المعجم الکبیر، ۳: ۸۱: ۲۷۲۶

(۵۶)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج جمع تھیں اور کوئی بھی غیر حاضر نہ تھی۔ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وہاں آ گئیں جن کی چال بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کے مشابہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا (خوش آمدید) میری بیٹی! پھر انہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بیٹھالیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چپکے سے کوئی بات کہی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، پھر چپکے سے کوئی بات کہی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ میں نے کہا: میں نے آج کی طرح کوئی خوشی، غم سے اتنی قریب نہیں دیکھی۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بغیر خصوصیات کے ساتھ آپ سے کوئی بات کی ہے، پھر بھی آپ رو رہی ہیں، اور میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ تو انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاں نہیں کروں گی حتی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہو گیا تو میں نے پھر پوچھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی بار) یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل مجھ سے ہر سال ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو (۲) بار قرآن مجید کا دورہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب میرا وصال کا وقت آ گیا ہے اور میرے بعد میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھے ملو گی اور میں تمہارے لئے بہترین پیش رو ہوں۔ تب میں رونے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کی اور فرمایا: کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو یا میری اس امت کی عورتوں کی سردار ہو! تو میں اس وجہ سے ہنس پڑی۔ طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (۵۶)

(۵۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور پھر ان سے سرگوشی فرمائی تو وہ رونے لگیں۔ پھر انہیں قریب بلا کر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس بارے میں سیدہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے بتایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کان میں فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی مرض سے وصال ہو جائے گا۔ پس میں رونے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم میرے بعد آؤ گی۔ اس پر میں ہنس پڑی۔ ذہبی نے معجم المحدثین میں اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متفق حدیث قرار دیا ہے۔ (۵۷)

۵۶۔ مسلم الصحیح، ۴: ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، رقم: ۲۴۵۰، بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۱۷، رقم: ۵۹۲۸، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۵۱۸، رقم: ۱۶۲۰، نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۵۱، رقم: ۷۰۷۸، نسائی، ایضاً، ۵: ۹۶، ۱۴۶، رقم: ۸۳۶۸، ۸۵۱۶، ۸۵۱۷، فضائل الصحابہ، ۷۷، رقم: ۲۶۳، کتاب الوفا: ۲۰، رقم: ۲، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۲، رقم: ۱۳۴۳، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۸، رقم: ۲۹۶۸، المسند، ۱: ۶، ۷، رقم: ۵، معجم الکبیر ۲۲: ۴۱۶، رقم ۱۰۳۰، ایضاً، ۲۲: ۴۱۹، رقم ۱۰۳۰، صفوۃ الصفوۃ، ۲: ۶، ۷، تذکرۃ الخواص: ۲۷۸، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۸، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۰

۵۷۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۱، بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۲۷، رقم: ۳۴۲۷، ایضاً ۴: ۱۶۱۲، رقم: ۴۱۷۰، مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۴، رقم: ۲۴۵۰، فضائل الصحابہ: ۷۷، رقم: ۲۹۶، احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۷۷، ایضاً، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۵۴، رقم: ۱۳۲۲، ا الصحیح، ۱۵: ۴۰۴، رقم: ۶۹۵۴، المسند، ۱۲: ۱۲۲، رقم: ۶۷۵۵، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۲۰، رقم: ۱۰۳۶، الذریۃ الطاہرۃ: ۱۰۰، رقم: ۱۰۳۲، تہذیب الکمال، ۳۵: ۲۵۳، دلائل النبوۃ: ۹۸، معجم المحدثین، ص: ۱۳، ۱۴

(۵۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر میں تھی، ہم آپس میں مزاح کر رہے تھے۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ہاتھ پکڑا، اور اپنے پیچھے بٹھالیا اور کچھ سرگوشی فرمائی۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ کیا سرگوشی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے، مجھ سے بات چیت کی۔ پھر اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے مزاح فرمایا اور سرگوشی کی۔ میں نے دیکھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنس رہی ہیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر باہر تشریف لے گئے تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سرگوشی فرمائی؟ وہ بولیں: جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چپکے سے بتائی، میں آپ کو نہیں بتاؤں گی۔ میں نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کا واسطہ دیتی ہوں۔ وہ بولیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی وفات کا بتایا کہ آپ کا وقت آپہنچا ہے۔ پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی رو پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے چپکے سے بتایا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گی۔ تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی (آس میں) ہنس پڑی۔ (۵۸)

(۵۹)

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میری شاخ ثمر بار ہے، اس کی خوشی مجھے خوش کرتی ہے اور اس کی پریشانی مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور ام بکر بنت مسور پر جرح کی گئی نہ کسی نے اُسے ثقہ قرار دیا، جبکہ اس کے بقیہ رجال کو ثقہ قرار دیا گیا ہے۔ (۵۹)

(۶۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً حدیث مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں درخت ہوں، فاطمہ رضی اللہ عنہا اُس کی ٹہنی ہے، علی رضی اللہ عنہ اُس کا شگوفہ ہے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما اُس کا پھل ہیں اور اہل بیت سے محبت کرنے والے اُس کے پتے ہیں، یہ سب جنت میں ہوں گے، یہ حق ہے حق ہے (۶۱)

(۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عصمت اور پاک دامنی کی ایک حفاظت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی اولاد پر آگ حرام کر دی۔ ذہبی نے اسے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (۲۶۱:۵) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موضوع قرار دیا ہے۔ (۶۱)

۵۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۲۰، رقم: ۱۰۳۵

۵۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۲، ایضاً، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۵، رقم: ۱۳۴۷، حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۸، رقم: ۴۷۳۴، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۲، رقم: ۲۹۵۶، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۵، رقم: ۳۰، ایضاً، ۲۲: ۴۰۵، رقم: ۱۰۱۴، مجمع الزوائد ۹: ۲۰۳، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۲

۶۰۔ دیلمی الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۵۲، رقم: ۱۳۵، سخاوی، استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و ذوی الشرف: ۹۹

۶۱۔ بزار، المسند، ۵: ۲۲۳، رقم: ۱۸۲۹، المستدرک ۳: ۱۶۵، رقم: ۴۷۲۶، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴: ۱۸۸، میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۵: ۲۶۱، فیض القدیر، ۲: ۴۶۲

(۶۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عصمت اور پاک دامنی کی ایسی حفاظت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی عصمت مطہرہ کے طفیل اُسے اور اُس کی اولاد کو جنت میں داخل فرما دیا۔ (۶۲)

(۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حسینی نے البیان والتعریف (۱:۱۷۴، رقم ۴۵۵) میں کہا ہے کہ اسے ابن عساکر اور خطیب بغدادی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (۶۳)

(۶۴)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس رضی اللہ عنہ! کیا تم جانتے ہو کہ جبرائیل میرے پاس صاحب عرش کا کیا پیغام لائے ہیں؟ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی سے کر دوں، حسینی نے البیان والتعریف میں کہا ہے کہا اسے قزوینی خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۶۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ جبرائیل ہے جو مجھے یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تمہاری شادی کر دی ہے اور تمہارے نکاح پر چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور پر مجلس نکاح میں شریک کیا گیا، اور شجر ہائے طوبیٰ سے فرمایا: ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کرو۔ پھر دلکش آنکھوں والی حوریں ان موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں، جنھیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطور تحفہ دیں گے۔ محب طبری نے الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں کہا ہے کہ اسے ملاء نے السیرۃ میں روایت کیا ہے۔ (۶۵)

(۶۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: میں نے آپ کی بیٹی کا نکاح ملاء اعلیٰ میں علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے کر دیا ہے۔ پس آپ زمین پر بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ (۶۶)

۶۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۴۱، رقم: ۲۶۲۵، مجمع الزوائد، ۹:۲۰۲، فیض القدیر، ۲:۴۶۳

۶۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰:۱۵۶، رقم: ۱۰۳۰۵، ایضاً، ۲۲:۴۰۷، رقم ۱۰۲۰، مجمع الزوائد ۹:۲۰۴، الکشف الحثیث، ۱:۱۷۴، کنز العمال، رقم: ۳۲۸۹۱، ۳۲۹۲۹، ایضاً ۱۳:۶۸۱، ۶۸۲، رقم: ۳۷۷۵۳، تذکرۃ الخواص، ص: ۲۷۶، البیان والتعریف ۱:۱۷۴، رقم، ۴۵۵، فیض القدیر، ۲:۲۱۵

۶۴۔ البیان والتعریف ۲:۱۸۰۳، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۱

۶۵ النضرۃ فی مناقب العشرۃ (۳:۱۴۶، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۲　　۶۶۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۲

(۶۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خصوصی دعا فرمائی: باری تعالیٰ! میں (اپنی) اس (بیٹی) اوراس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں یہ حدیث حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں مختصراً روایت کیا ہے (۶۷)

(۶۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے ملے بغیر کوئی عمل نہ کرنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، اُس سے وضو کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پانی ڈال کر فرمایا: اے اللہ! ان دونوں کے حق میں برکت اوران دونوں پر برکت نازل فرما اوران دونوں کے لئے ان کی اولاد میں برکت عطا فرما۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ان دونوں کے لئے ان کی نسل میں بھی برکت مقدر فرما دے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اوران کا رجال عبدالکریم بن سلیط کے رجال ہیں جنھیں ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، عسقلانی نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں کہا ہے کہ اسے دولابی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مزی نے تہذیب الکمال میں یہ روایت ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے نسائی نے الیوم واللیلہ میں روایت کیا ہے۔ (۶۸)

(۶۹)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنائی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا: بنی ہشام بن مغیرہ نے اپنی بیٹی کا علی رضی اللہ عنہ سے رشتہ کرنے کی مجھ سے اجازت مانگی، میں ان کو اجازت نہیں دیتا، پھر میں ان کو اجازت نہیں دیتا، پھر ان کو اجازت نہیں دیتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: میری بیٹی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) میری جان کا حصہ ہے، اس کو پریشانی مجھے پریشان کرتی ہے اوراس کی تکلیف مجھے تکلیف دیتی ہے۔ (۶۹)

۶۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۹۴، ۳۹۵، رقم: ۶۹۴۴، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۹۔ ۱۰۲۱، فضائل الصحابہ ۲: ۷۶۲، رقم: ۱۳۴۲، موارد الظمآن: ۵۴۹۔ ۵۵۱، رقم: ۲۲۲۵، تذکرۃ الخواص ص: ۲۷۷، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۶۷

۶۸۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۷۶، رقم: ۱۰۰۸۸، عمل الیوم: ۲۵۳، رقم: ۲۵۸، المسند، ۱: ۷۷، رقم: ۳۵، المعجم الکبیر ۲: ۲۰، رقم: ۱۱۵۳، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۲۱، مجمع الزوائد ۹: ۲۰۹، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۸: ۵۶، الذریۃ الطاہرہ للدولابی رقم: ۹۴، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۴، تہذیب الکمال ۱۷: ۷۶

۶۹۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۲، رقم: ۲۴۴۹، ایضاً، ۵: ۶۹۸، رقم: ۳۸۶۷، ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۲۶، رقم: ۲۰۷۱، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۶۴۳، رقم: ۱۹۹۸، نسائی السنن الکبریٰ، ۵: ۱۴۷، رقم: ۸۵۱۸، احمد بن حنبل، المسند ۴: ۳۲۸، ۳: ۵۶، رقم: ۱۳۲۸، ۳: ۶۹، ۷۰، رقم: ۴۲۳۱، بیہقی السنن الکبریٰ، ۷: ۳۰۷، ایضاً، ۱۰: ۲۸۸، نوادر الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ۳: ۱۸۴، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷: ۳۲۵، صفۃ الصفوہ، ۲: ۷، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۹، ۸۰، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۱۷، در السحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ: ۲۷۴

(۷۰)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جان کا حصہ ہے اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اسے ناراض کرے۔ خدا کی قسم کسی شخص کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشمن خدا کی بیٹیاں جمع نہیں ہوسکتیں۔ (۷۰)

(۷۱)

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتی ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وصال میں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئی، اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، اور انہیں کسی چیز کا وارث بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن رضی اللہ عنہ کے لیے میری ہیبت (سرداری) ہے، جبکہ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے میری جرات اور سخاوت ہے، طبرانی، المعجم الاوسط، میں اس حدیث کو حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد، میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، جبکہ میں اس کے راویوں کو نہیں جانتا (۷۱)

(۷۲)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے، سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے۔ پس میں ہی ان کا ولی ہوں اور میں ہی ان کا نسب ہوں، خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد (۱۱:۲۸۵) میں بیان کردہ روایت میں ولیھم کی بجائے ابوھم (ان کا باپ) کے الفاظ ہیں۔ (۷۲)

(۷۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ہر عورت کی اولاد کا نسب اپنے ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے سوائے اولاد فاطمہ کے، کہ میں ہی ان کا نسب ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔'' سخاوی نے استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وذوی الشرف (ص ۱۲۷) میں طبرانی کی بیان کردہ روایت نقل کی ہے، اور اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۷۳)

۷۰۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۳۵۲۳، مسلم الصحیح، ۴: ۱۹۰۳، رقم ۲۴۴۸، ابن ماجہ، السنن، ۱: ۶۴۴، رقم ۱۹۹۹، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۹، رقم: ۱۳۳۵، الصحیح، ۱۵: ۴۰۷، ۴۰۸، ۵۳۵، رقم: ۶۹۵۶، ۶۹۵۷، ۷۰۶۰، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۸، ۱۹، رقم: ۱۸، ۱۹، ایضاً، ۲۲: ۴۰۵، رقم: ۱۰۱۳، المعجم الصغیر، ۲: ۷۳، رقم: ۸۰۴، مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۳، الذریۃ الطاہرہ، ۴۷، ۴۸، رقم: ۵۶

۷۱۔ طبرانی، المعجم، الکبیر، ۲۲: ۴۲۳، رقم: ۱۰۴۱، المعجم، الاوسط ۶: ۲۲۲، ۲۲۳، رقم: ۶۲۴۵، الآحاد والمثانی، ۱: ۲۹۹، رقم: ۴۰۸، ایضاً، ۵: ۳۷۰، رقم: ۲۹۷۱، مجمع الزوائد ۹: ۱۸۵، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷: ۶۷۴، تہذیب التہذیب، ۲: ۲۹۹، تہذیب الکمال، ۶: ۴۰۰، کنز العمال، ۱۲: ۱۱۷، رقم: ۳۴۲۷۲

۷۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۴، رقم: ۲۶۳۲، ایضاً، ۲۲: ۴۲۳، رقم: ۱۰۴۲، المسند، ۱۲: ۱۰۹، رقم: ۶۷۴۱، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۲۶۴، رقم: ۴۷۸۷، تاریخ بغداد ۱۱: ۲۸۵، مجمع الزوائد، ۴: ۲۲۴، ایضاً، ۹: ۱۷۲، ۱۷۳، تہذیب الکمال، ۱۹: ۴۸۳، کنز العمال، ۱۲: ۱۱۶، رقم: ۳۴۲۶۶، استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وذوی الشرف: ۱۲۹، سبل السلام، ۴: ۹۹، فیض القدیر، ۵: ۱۷، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۲: ۱۵۷، رقم: ۱۹۶۸

۷۳۔ المعجم الکبیر، ۳: ۴۴، رقم: ۲۶۳۱، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۲۶، رقم: ۱۰۷۰، مجمع الزوائد، ۴: ۲۲۴، ایضاً، ۶: ۳۰۱، ذوی الشرف، ص ۱۲۷، البیان والتعریف، ۲: ۱۴۴، رقم: ۱۳۱۴، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، ۶: ۱۳۹، فیض القدیر، ۵: ۱۷

(۷۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد کا عصبہ (باپ) ہوتا ہے، جس کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے، سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کے، کہ میں ہی ان کا ولی اور میں ہی ان کا نسب ہوں۔ (۷۴)

(۷۵)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''میرے نسب اور رشتہ کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ میں یہ حدیث مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (۷۵)

(۷۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نسب و تعلق منقطع ہو جائے گا سوائے میرے نسب اور تعلق کے، طبرانی، المعجم الکبیر میں اس مفہوم کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لی ہے، طبرانی نے المعجم الکبیر میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی بیان کی ہے، خلال نے السنہ میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (۷۶)

(۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رشتہ اور نسب کے سوا قیامت کے دن ہر رشتہ اور نسب منقطع ہو جائے گا ہیثمی نے، مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (۷۷)

۷۴۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۹، استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وذوی الشرف: ۱۳۰

۷۵۔ المستدرک، ۳: ۱۵۳، رقم ۴۶۸۴، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۲۵، ۶۲۶، رقم: ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ایضاً الصحابہ ۲: ۷۵۸، رقم ۱۳۳۳، المسند، ۱: ۳۹۷، رقم: ۲۷۴، المعجم الکبیر، ۳: ۴۴، ۴۵، رقم: ۲۶۳۳، ۲۶۳۴، ایضاً، الاوسط، ۵: ۳۷۶، رقم ۵۶۰۶، المعجم الاوسط، ۶: ۳۵۷، رقم: ۶۶۰۹، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۲۵۵، رقم: ۴۷۵۵، الاحادیث المختارہ، ۱: ۱۹۸، رقم: ۱۰۲، مجمع الزوائد ۹: ۱۷۳، المصنف، ۶: ۱۶۳، ۱۶۴، رقم: ۱۰۳۴۵، السنن الکبریٰ، ۷: ۶۳، ۶۴، ۱۱۴، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۴۶۳، الذریۃ الطاہرہ: ۱۱۵، ۱۱۶، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷: ۳۱۴، تاریخ بغداد، ۶: ۱۸۲، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۲۵۶، استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذوی الشرف: ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، البیان التعریف، ۱: ۲۰۵، رقم: ۱۳۱۶

۷۶۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۵۷، رقم ۴۱۳۲، المعجم الکبیر ۱۱: ۲۴۳، رقم: ۱۱۶۲۱، ایضاً ۲۰: ۲۷، رقم: ۳۳، المعجم الکبیر ۲۰: ۲۷، رقم: ۳۳، السنۃ ۲: ۴۳۳، ۶۵۵، تاریخ بغداد، ۱۰: ۲۷۱، مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۷، تلخیص الحبیر ۳: ۱۴۳، رقم: ۱۴۷۷

۷۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۲۴۳، رقم: ۱۱۶۲۱، مجمع الزوائد ۹: ۱۷۳، تاریخ بغداد، ۱۰: ۲۷۱، استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذوی الشرف: ۱۳۳

(۷۸)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض وصال میں بلایا ،پھر سرگوشی کے انداز میں اس سے کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں، پھر نزدیک بلا کر سرگوشی کی تو وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ اس مرض میں میری وفات ہو جائے گی تو میں رونے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ان کے گھر والوں میں سب سے پہلی میں ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں گی، تو میں ہنس پڑی، احمد بن حنبل، نے المسند میں یہی حدیث جعفر بن عمرو بن اُمیہ سے بھی روایت کی ہے۔ (۷۸)

(۷۹)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں فرمایا: میری اہل بیت میں سے (میرے وصال کے بعد) تم سب سے پہلے مجھے ملو گی، تو میں اس خوشی پر ہنس پڑی۔ (۷۹)

(۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تو مجھ سے ملے گی، احمد بن حنبل نے العلل و معرفۃ الرجال میں جعفر بن عمر بن اُمیہ سے بھی روایت کی ہے (۸۰)

(۸۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے ۔۔۔ نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: میری وفات کی خبر آ گئی ہے۔ وہ رو پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مت رو، بے شک تو میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے مجھ سے آملے گی، تو وہ ہنس پڑیں، اس بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے بھی دیکھا، انہوں نے کہا: فاطمہ رضی اللہ عنہا کیا ماجرا ہے ہم نے تجھے پہلے روتے اور پھر ہنستے ہوئے دیکھا؟ وہ بولیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا: میری وفات کا وقت آ پہنچا ہے۔ (اس پر) میں رو پڑی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مت رو، تو میرے خاندان میں سے، سب سے پہلے مجھے ملنے والی ہے، تو میں ہنس پڑی۔ (۸۱)

۷۸۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۲۷، ۱۳۶۱، رقم: ۳۴۲۷، ۳۵۱۱، ایضاً، ۴: ۱۶۱۲، رقم: ۴۱۷۰، مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۴، رقم: ۲۴۵۰، نسائی السنن الکبریٰ، ۵: ۹۵، رقم: ۸۳۶۶، فضائل الصحابہ، ۷۷: رقم ۲۶۲، احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۴۰، ۲۸۲، ۶: ۲۸۳، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۵۴، رقم: ۱۳۲۲، الصحیح، ۱۵: ۴۰۴، رقم: ۶۹۵۴، ابن ابی شیبہ المصنف، ۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۷۰، المسند، ۱۲: ۱۲۲، رقم: ۶۷۵۵، نوادر الاصول فی احادیث الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۳: ۱۸۲، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۲۱، رقم ۱۰۳۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲۴۷، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۳۱

۷۹۔ ابن ابی شیبہ المصنف، ۷: ۲۶۹، رقم: ۳۵۹۸۰، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۵۷، ۳۵۸، رقم: ۲۹۴۲۔۲۹۴۵

۸۰۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۴، رقم: ۱۳۴۵، العلل و معرفۃ الرجال ۲: ۴۰۸، رقم: ۲۸۲۸، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۴۰

۸۱۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۱، رقم: ۷۸، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۶۱

(۸۲)

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی مرض موت میں مبتلا ہوئیں تو ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ مرض کے اس پورے عرصہ کے دوران جہاں تک میں نے دیکھا ایک صبح ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے۔ سیدہ نے کہا: اماں! میرے غسل کرنے کے لیے پانی لائیں۔ میں پانی لائی، آپ نے جہاں تک میں نے دیکھا، بہتر غسل کیا، پھر بولیں: اماں جی! مجھے نیا لباس دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں۔ ہاتھ مبارک رخسار مبارک کے نیچے کرلیا۔ پھر فرمایا: اماں جی اب میری وفات ہوگی، میں پاک ہوچکی ہوں، لہذا کوئی مجھے عریاں نہ کرے۔ پس اُسی جگہ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی۔

''ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے اُنہیں سیدہ کے وِصال کی اطلاع دی۔ (۸۲)

(۸۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: قیامت کے دن ایک نداء دینے والا، پردے کے پیچھے سے آواز دے گا۔ اے اہل محشر اپنی نگاہیں جھکالو تاکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گزر جائیں۔ (۸۳)

(۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو کہا جائے گا: اے اہل محشر اپنی نگاہیں جھکالو۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا گزر جائیں۔ پس وہ دو سبز چادروں میں لپٹی ہوئی گزر جائیں گی۔

ابو مسلم نے کہا: مجھے قلابہ نے کہا اور ہمارے ساتھ عبدالحمید بھی تھا، کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: (سیدہ سلام اللہ علیہا) دو، سرخ چادروں (میں لپٹی ہوئی گزر جائیں گی)۔ (۸۴)

(۸۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت ایک نداء دینے والا آواز دے گا: اپنی نگاہیں جھکالو، تاکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گزر جائیں۔ (۸۵)

۸۲۔ احمد بن حنبل، ۶: ۴۶۱، رقم ۴۶۲۴، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۲۹، ۷۲۵، رقم: ۴، ۱۰۷۴، ۱۲۴۳، الذریۃ الطاہرہ، ۱۱۳، مجمع الزوائد، ۹: ۲۱۱، نصب الرایہ، ۲: ۲۵۰، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۳، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۲۱

۸۳۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۶، رقم: ۴۷۲۸، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۹۴، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۲۰، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۱: ۱۰۱، رقم ۲۶۳

۸۴۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۵۷، رقم: ۴۷۵۷، احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۳، رقم: ۱۳۴۴، المعجم الکبیر، ۱: ۱۰۸، رقم: ۱۸۰، ایضاً، ۲۲: ۴۰۰، رقم: ۹۹۹، المعجم الاوسط، ۳: ۳۵، رقم: ۲۳۸۶، مجمع الزوائد، ۹: ۲۱۲

۸۵۔ تاریخ بغداد، ۸: ۱۴۲، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۹۴۔

(۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ روز قیامت عرش کی گہرائیوں سے ایک ندا دینے والا آواز دے گا: اے محشر والو! سروں کو جھکا لو اور اپنی نگاہیں نیچی کر لو تا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی طرف گزر جائیں، ہندی نے کنز العمال میں کہا ہے کہ اسے ابو بکر نے الغیلانیات میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، خطیب بغدادی نے، تاریخ بغداد میں ان الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، ہیثمی نے الصواعق المحرقہ میں کہا ہے کہ اسے ابو بکر نے الغیلانیات میں روایت کیا ہے۔ (۸۶)

(۸۷)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: روزِ قیامت عرش کی گہرئیوں سے ایک ندا دینے والا آواز دے گا: اے محشر والو! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی نگاہیں نیچی کر لو تا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط سے گزر جائیں۔ پس آپ گزر جائیں گی اور آپ کے ساتھ حور عین میں سے چمکتی بجلیوں کی طرح ستر ہزار خادمائیں ہوں گی۔ محب طبری نے ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ میں کہا ہے کہ اسے حافظ ابوسعید نقاش نے فوائد العرقبین میں روایت کیا ہے، ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ہیثمی نے الصواعق المحرقہ میں کہا ہے کہ اسے ابو بکر نے الغیلانیات میں روایت کیا ہے۔ (۸۷)

(۸۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا قیامت کے دن اس طرح اٹھے گی کہ اس پر عزت کا جوڑا ہوگا۔ جسے آبِ حیات سے دھویا گیا۔ ساری مخلوق اسے دیکھ کر دنگ رہ جائے گی پھر اُسے جنت کا لباس پہنایا جائے گا۔ جس کا ہر حلہ ہزار حلوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر ایک پر سبز خط سے لکھا ہوگا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو احسن صورت اکمل ہیبت، تمام تر کرامت اور وافر تر عزت کے ساتھ جنت میں لے جاؤ پس آپ کو دلہن کی طرح سجا کر ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں جنت کی طرف لایا جائے گا۔ (۸۷)

(۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے براق پر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میری سواری عضباء پر بٹھایا جائے گا۔'' (۸۹)

۸۷۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ص ۹۴، کنز العمال، ۱۲: ۱۰۵، ۱۰۶، رقم: ۳۴۲۰۹، ۳۴۲۱۰، تذکرۃ الخواص، ص: ۲۷۹، الصواعق المحرقہ ۲: ۵۵۷، فیض القدیر، ۱: ۴۲۰، ۴۲۹

۸۶۔ کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۱: ۱۰۱، رقم: ۲۶۳، کنز العمال، ۱۲: ۱۰۶، رقم: ۳۴۲۱۱، کنز العمال ۱۲: ۱۰۶، رقم: ۳۴۲۱۰، تاریخ بغداد ۸: ۱۴۱، الصواعق المحرقہ ۲: ۵۵۷

۸۸۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۹۵۔

۸۹۔ تاریخ دمشق الکبیر، ۱۰: ۳۵۳

(۹۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام قیامت کے دن اپنی اپنی سواری کے جانوروں پر سوار ہوکر اپنی قوم میں سے ایمان والوں کے ساتھ میدان محشر میں تشریف لائیں گے، اور صالح (علیہ السلام) اپنی اونٹنی پر لائے جائیں گے اور مجھے (مخصوص سواری) براق پر لایا جائے گا، جس کا قدم اس کی انتہائے نگاہ پر پڑے گا اور میرے آگے فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوگی، حاکم نے المستدرک میں کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔(۹۰)

(۹۱) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ روزِ قیامت اپنی اونٹنی عضباء پر سوار ہوکر گزریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس براق پر سوار ہوں گا، جو نبیوں میں خصوصی طور پر صرف مجھے عطا ہوگا، (مگر) میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا میری سواری عضباء پر ہوگی، ہندی نے کنز العمال میں کہا ہے کہ اسے ابونعیم اور ابن عسا کر نے روایت کیا ہے۔(۹۱)

(۹۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں علم کا ترازو ہوں، علی رضی اللہ عنہ اس کا پلڑا ہے، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہما اس کی رسیاں ہیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کا دستہ ہے، اور میرے بعد آئمہ اطہار (اس ترازو) عمودی سلاخ ہیں، جس کے ذریعے ہمارے ساتھ محبت کرنے والوں اور بغض رکھنے والوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ عجلونی نے، کشف الخفاء ومزیل الالباس میں کہا ہے کہ دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت بیان کرتے ہیں۔(۹۲)

(۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا: (میرے ساتھ) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں، میں، فاطمہ، حسن حسین رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے محبت کرنے والے کہاں ہوں گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: تمہارے پیچھے ہونگے۔ ہیثمی نے الصواعق المحرقہ میں کہا ہے اسے ابن سعد نے روایت کیا ہے(۹۳)

(۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی ہستی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوگی، ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال میں کہا ہے کہ اسے ابوصالح موذن نے مناقب فاطمہ رضی اللہ عنہا میں روایت کیا ہے۔(۹۴)

۹۰۔ المستدرک ۳:۱۶۶، رقم: ۴۷۲۷

۹۱۔ تاریخ دمشق الکبیر، ۱۰:۳۵۲، ۳۵۳، کنز العمال ۱۱:۴۹۹، رقم: ۳۲۳۴۰

۹۲۔ الفردوس بماثور الخطاب، ۱:۴۴ رقم: ۱۰۷، کشف الخفاء ومزیل الالباس ۱:۲۳۶

۹۳۔ حاکم، المستدرک، ۳:۱۶۴، رقم: ۴۷۲۳، تاریخ دمشق الکبیر ۱۴:۱۷۳، کنز العمال، ۱۲:۹۸، رقم: ۳۴۱۶۶، الصواعق المحرقۃ ۲:۴۴۸، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۲۱۴

۹۴۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۴:۳۵۱، لسان المیزان ۴:۱۶

(۹۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک آخرت میں فاطمہ، علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم (جنت) الفردوس میں سفید گنبد میں مقیم ہونگے، جس کی چھت عرش خداوندی ہوگا۔(۹۶)

(۹۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: روزِ قیامت، میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم عرش کے نیچے گنبد میں قیام پذیر ہونگے۔(۹۷)

(۹۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: (اے فاطمہ!) میں، اور تو اور یہ دونوں (حسن، حسین رضی اللہ عنہما) اور یہ سونے والا (حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکہ اس وقت آپ سو کر اٹھے ہی تھے) روزِ قیامت ایک ہی جگہ ہوں گے، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے احمد بن حنبل کی روایت کردہ حدیث کی سند میں قیس بن ربیع کے بارے اختلاف ہے، جبکہ بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔(۹۸)

(۹۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں، علی، فاطمہ، حسن حسین رضی اللہ عنہم، اور ہمارے محبین سب روزِ قیامت ایک ہی جگہ اکٹھے ہونگے۔ قیامت کے دن ہمارا کھانا پینا بھی اکٹھا ہوگا، یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلے کردیے جائیں گے، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور میں اس کے راویوں کو نہیں جانتا ہوں۔(۹۹)

(۱۰۰) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ان کے بابا ﷺ کے علاوہ کسی شخص کو نہیں پایا: ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اسکے رجال صحیح ہیں۔(۱۰۰)

(۱۰۱)

عمر بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بابا ﷺ کے سوا میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کائنات میں کوئی نہیں دیکھا۔(۱۰۱)

۹۶۔ تاریخ دمشق الکبیر، ۱۴: ۲۱، کنز العمال، ۱۲: ۹۸، رقم: ۳۴۱۶۷

۹۷۔ شرح لموطا، ۴: ۴۴۳، لسان المیز ان، ۲: ۹۴

۹۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۰۱، المسند، ۳: ۲۹، ۳۰، رقم: ۷۷۹، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۹۲، رقم: ۱۱۸۳، مجمع الزوائد ۹: ۱۶۹، ۱۷۰، السنۃ، ۲: ۵۹۸، رقم: ۱۳۲۲، ابن اثیر اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۲۰

۹۹۔ مجمع الزوائد ۹: ۱۷۴، المعجم الکبیر، ۳: ۴۱، رقم ۲۶۲۳

۱۰۰۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۳: ۱۳۷، رقم: ۲۷۲۱، مجمع الزوائد، ۹: ۲۰۱، درالسحابہ فی مناقب القربۃ اولصحابہ: ۲۷۷، رقم: ۲۴

۱۰۱۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۴۱، ۴۲

(۱۰۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے اور کہا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! خدا کی قسم! میں نے آپ کے سوا کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب نہیں دیکھا۔ اور خدا کی قسم! لوگوں میں سے مجھے بھی کوئی اور آپ سے زیادہ محبوب نہیں، سوائے آپ کے بابا صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ (۱۰۲)

حدیث میں مذکور بعض معین اشخاص کے اسماء کا تعارف:

حدیث مذکور میں بعض کفار کا ذکر ہے، ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ:

اس کا نام عمرو بن ہشام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ابوجہل فرمایا تو اب سب اس کو اسی نام سے پہچانتے ہیں۔ اس کو معاذ بن عمر بن الجموح اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے قتل کیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو یہ اوندھا پڑا تھا وہ اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے تجھے، اے اللہ کے دشمن رسوا کر دیا، یہ شخص اس امت کا فرعون تھا اور یہ شخص آئمہ کفر کا سردار تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر گئے، (یہ سجدہ شکر کا ثبوت ہے)

عتبہ بن ربیعہ کو سیدنا حمزہ نے قتل کیا تھا۔ ایک قول ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل کرنے میں شریک تھے۔

شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس یہ عتبہ بن ربیعہ کا بھائی ہے اس کو بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ الولید بن عتبہ اس کو حضرت عبید اللہ بن الحارث نے قتل کیا تھا۔ ایک قول ہے: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایک قول ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ امیہ بن حلف: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چند انصار کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر اس کو قتل کیا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط: اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ایک قول ہے: حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرق الظبیہ میں قتل کیا تھا۔ عمارہ بن الولید بن المغیرہ: یہ وہی ساتواں شخص ہے، جس کا نام لینا راوی بھول گیا تھا، یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سرزمین حبشہ میں فوت ہوا (۲) (۳) حلال جانوروں کے کے پیشاب کی نجاست مس مذاہب اور نجس چیزوں سے علاج کا بیان:

علامہ ابوعبداللہ ابی دشتانی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں فقہاء مالکیہ کی دلیل ہے حلال جانوروں کے فضلات پاک ہوتے ہیں اور جو فقہاء ان کے فضلات کو نجس کہتے ہیں وہ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں سے علاج کرنا جائز ہے۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حلال جانوروں کے فضلات نجس ہیں۔

۱۰۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۸، رقم: ۴۷۳۶، ابن ابی شیبہ المصنف، ۷: ۴۳۲، رقم: ۳۷۰۴۵، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۰، رقم: ۲۹۵۲
احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۱: ۳۶۴، رقم: ۵۳۲، تاریخ بغداد، ۴: ۴۰۱، الدرۃ البیضاء فی مناقب فاطمۃ الزہراء ص ۱۵۔ ۱۱۱

۲۔ عمدۃ القاری ج ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۴ ۳۔ نعمۃ الباری ج ۱، ص ۷۰۴

اور ہمارے فقہاء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پلانا علاج کی ضرورت سے تھا، اور ہمارے نزدیک خمر (انگور کی شراب) اور دیگر نشہ آور چیزوں کے سوا ہر نجس چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں اس حدیث میں دوا اور علاج کا ثبوت ہے اور یہ کہ ہر انسان کا علاج اس کی عادات کے مطابق کرنا چاہیے کیونکہ وہ لوگ گنوار اور جنگلی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پی لیتے تھے۔ اور وہ جنگلوں میں رہنے والے تھے، جب وہ شہر میں داخل ہوئے اور اپنی مانوس آب وہوا اور غذاؤں کو چھوڑ آئے تو بیمار پڑ گئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو مانوس اور مزاج کے مطابق غذا کی ہدایت دی اور جب انہوں نے اپنی مانوس اور مالوف غذا کھائی تو صحت منداور فربہ ہو گئے۔ (۱)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام مالک نے اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے: امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے اور محمد بن حسن اصطخری شافعی اور رویانی شافعی کا بھی یہی موقف ہے، شعبی، عطاء نخعی زہری، ابن سیرین، حکم اور ثوری کا بھی یہی قول ہے، اور ابوداؤد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ انسان کے سوا ہر جاندار کا پیشاب پاک ہے، خواہ وہ حیوان حرام ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، ابوثور اور دوسرے کثیر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ تمام پیشاب نجس ہیں (ماسوائے اس مقدار کے جو معاف ہے) اور حدیث عرینین کا یہ جواب دیا کہ یہ ضرورت کی وجہ سے تھا۔ اور اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے پیشاب پینا مباح ہے، کیونکہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہیں۔ اور بغیر ضرورت کے مباح نہیں ہوتی۔ مثلاً مردوں کے لیے ریشم پہننا حرام ہے، لیکن جنگ، خارش اور شدید سردی میں جب اور کسی جائز چیز سے تدارک نہ ہو سکے تو مردوں کے لیے ریشم پہننا مباح ہے اور شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور اس کا تسلی بخش جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا ان کی شفاء اس سے ہوگی اور جب شفاء کا یقین ہو تو حرام چیز سے علاج جائز ہے۔ جیسا کہ شدید بھوک اور پیاس میں مردار کھانا اور شراب پینا جائز ہے۔ ہاں اس وقت حرام چیز سے علاج جائز نہیں جب حرام چیز سے شفا کا حصول یقینی نہ ہو شیخ ابن حزم نے کہا ہے یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیشاب پینے کا حکم بطور دوا دیا تھا۔

اور وہ اس علاج سے صحیح ہو گئے۔ اور علاج ضرورت کے قائم مقام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) ''(اور انسان جس چیز کو کھانے پینے پر مجبور ہو جائے وہ حرام نہیں ہوتی۔) شمس الائمہ نے کہا کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں اونٹنیوں کے دودھ پینے کا ذکر ہے پیشاب پینے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا ذکر حمید کی روایت میں ہے اور جب اسی میں دو احتمال نکل آئے تو یہ پیشاب کی طہارت پر حجت نہ رہی۔ دوسرا جواب یہ کہ نبی ﷺ نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کو شفاء پیشاب پینے سے حاصل ہوگی۔ اور ہمارے لیے یہ علم ممکن نہیں ہے، یا جس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خارش یا جوؤں کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی اور یہ اجازت ان کے لیے خاص تھی، یا رسول اللہ ﷺ نے وحی سے جان لیا تھا کہ یہ لوگ اللہ کے علم میں کافر ہیں، اور یہ مرتد ہو کر مریں گے۔ اور کافر کی شفاء کا نجس چیز سے حاصل ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ (علامہ عینی لکھتے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کی شفاء پیشاب پینے

۱۔ اکمال اکمال المعلم، ج۴، ص۴۰۹

سے حاصل ہوگی اور یہ چیز ہمارے زمانہ میں نہیں پی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ جب ہم یہ فرض کریں کہ کسی طبیب نے کسی شخص کے مرض کو اپنی قوت علم سے سمجھ لیا اور اس نے یہ جان لیا کہ اس کا مرض حرام چیز کھانے سے زائل ہوگا تو اس مریض کے لیے اس چیز کو کھانا جائز ہے جیسا کہ شدید پیاس کے وقت خمر (انگور کی شراب) کا پینا جائز ہے اور شدید بھوک کے وقت مردار کا کھانا جائز ہے، نیز نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرنا زیادہ اولیٰ ہے: ''استنزھو امن البول فان عامته عذاب القبر منه۔

''پیشاب سے اجتناب کرو کیونکہ عموماً عذاب قبر اس کے سبب ہوتا ہے''۔ یہ حدیث امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور امام خزیمہ اور دیگر آئمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس حدیث کی وعید کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے پیشاب سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ (۱)

شمس الائمہ سرخسی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام چیزوں کے ساتھ علاج جائز نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ (۲)

علامہ ابن ہمام نے یہی لکھا ہے۔ (۳)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری لکھتے ہیں۔ ہمارے مشائخ میں حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنے میں اختلاف ہے۔ نہایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے، حرام چیز سے علاج کرنا اس وقت جائز ہے جب یہ علم ہو کہ اسی میں شفاء ہے اور اس کے علاوہ دوسری دوا کا علم نہ ہو، اور قاضی خان نے نصر بن سلام سے نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث (ان الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم) اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو تم پر حرام کردی ہے۔ ان چیزوں پر محمول ہے جن میں شفاء نہیں ہے، لیکن جس چیز میں شفاء ہو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ پیاسے آدمی کے لیے ضرورت کی وجہ سے خمر (انگوری شراب) پینا جائز ہے صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (۴)

امام یوسف کے قول اور متاخرین مشائخ حنفیہ کے اقوال کی بنا پر تمام ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال کرنا جائز ہے۔

عرینیین کو آگ کا عذاب دینے اور پانی نہ دینے کی توجیہات:

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم دیا اور یہ آگ سے عذاب دینا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت محاربہ اور حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور مثلہ کرنے سے ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہوئی اور نبی ﷺ کا یہ فعل بطور قصاص تھا، کیونکہ انھوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور برائی کا بدلہ اسی قسم کی برائی کے ساتھ دیا جاتا ہے

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۵۵۔۱۵۴ ۲۔ المبسوط، ج ۱، ص ۵۴ ۳۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۴۱

۴۔ البحر الرائق، ج ۱، ص ۱۱۶

اور ایک قول یہ ہے کہ مثلہ سے ممانعت تنزیہی ہے اور تحریمی نہیں ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو قتل کرنا واجب ہو اور وہ پانی مانگے تو اس کو پانی سے روکا نہیں جائے گا تاکہ اس پر دو عذاب جمع نہ ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ انھوں نے پانی مانگا تو ان کو پانی نہیں دیا گیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ان کو ان کے جرم کی سزا کے طور پر پانی نہیں دیا گیا کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی تھی۔ جنہوں نے آج رات آل محمد ﷺ کو پیاسا رکھا ہے اللہ ان کو پیاسا رکھے۔ (سنن نسائی) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اس کا سبب امام ابن سعد نے یہ روایت کیا ہے کہ ان اونٹنیوں کا دودھ ہر رات نبی ﷺ کے گھر پہنچا دیا جاتا تھا۔ جس رات وہ اونٹنیوں کو چرا کر لے گئے اس رات آپ کے گھر دودھ نہیں پہنچ سکا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور مرتد کا کوئی احترام نہیں ہے اور قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں پانی پلانے سے نہیں روکا تھا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ ان کے پانی مانگنے پر مطلع ہو گئے تھے اور آپ کا سکوت فرمانا ممانعت کی دلیل ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ ڈاکوؤں کو پانی پلانے یا ان کے کسی اور تقاضے کو پورا کرنے کا کوئی احترام نہیں ہے، اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف وضو کے لیے پانی ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مرتد کو پانی پلا کر تیمم کرے خواہ مرتد پیاسا مر جائے۔ علامہ خطابی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا تھا کہ آپ نے اس فعل سے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا اس جواب کا ضعف ظاہر ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ ان کو پیاسا مارنے میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اونٹنیوں کے دودھ کی جو نعمت عطا کی تھی جس سے ان کو شفاء حاصل ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کا کفران نعمت کیا لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ (۱)

کیا عرینیین کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی گئی؟

بعض ملاحدہ نبی ﷺ کی اس سزا پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے العیاذ باللہ بہت۔۔۔ سزا دی ہے لیکن اگر عرینیین کے جرم کو دیکھا جائے تو اس کے مقابلہ میں یہ کوئی بڑی سزا نہیں ہے۔ عرینیین نبی ﷺ کے پاس بھوک، پیاس اور بیماری کی حالت میں آئے، نبی ﷺ نے انھیں رہنے کی جگہ دی۔ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا ان کی بیماری کا شافی علاج کیا، انھوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اسلام سے مرتد ہو گئے، نبی ﷺ کی اونٹنیوں کو لے کر بھاگ گئے۔ اونٹنیوں کے محافظوں کو قتل کر دیا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے، بلاشبہ یہ لوگ اس بات کے مستحق تھے ان کو بڑے سے بڑا اور بھاری عذاب دیا جاتا۔ ہمیں ان لوگوں کی فکر پر حیرت ہوتی ہے جو مجرموں کے بڑے سے بڑے جرم کو ہلکا اور معمولی خیال کرتے اور جرم کی سزا کو بڑا گمان کرتے ہیں۔

کیا عرینیین کو سزا دینا حضور ﷺ کی رحمت کے منافی تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی رحمت للعالمینی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ انھیں معاف فرما دیتے کیونکہ آپ کا یہ خلق مشہور تھا کہ آپ کافروں سے بھی درگزر فرماتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیتے تھے، لیکن اسلامی حدود کو جاری کرنے

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۵۶

میں آپ سے بڑھ کر سخت کوئی نہ تھا۔ ان کے پانچ جرم تھے انھوں نے اسلام کے بعد کفر کیا اور مرتد ہو گئے، انھوں نے ڈاکہ ڈالا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے محافظوں کو قتل کیا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اس لیے نبی ﷺ نے ان مسلمانوں کا قصاص لیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حدود کو جاری کر دیا۔

آیات محاربہ کا شان نزول:

ڈاکوؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

"إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے پھرتے ہیں اور زمین پر فساد کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں (یعنی ڈاکہ ڈالتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ چن چن کر قتل کیے جائیں۔ یا سولی دیے جائیں، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا وہ شہر بدر کر دیے جائیں، یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے ان لوگوں کے جو تمہارے گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کر لیں سو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

امام رازی شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عرینیین کے بارے میں نازل ہوئی دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابو برزہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا، لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں۔

ا۔ مرتد کو قتل کرنا زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے میں موقوف نہیں ہے جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے اس کو قتل کیا جائے گا۔

ب۔ مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہر بدر کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے، جبکہ اس آیت کی رُو سے یہ جائز ہے۔

ج۔ مرتد کو سُولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

د۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں ان کو یہ سزائیں دی جائیں خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔ (۲)

۱۔ مائدہ ۵: ۳۳، ۳۴　　　۲۔ تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۹۶

حرابہ (ڈاکہ) لغوی معنی:

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حرب کا معنی ہے جنگ، صلح کی ضد اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔ (۱)

ڈاکہ کی اصلاحی تعریف:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور، محافظ، امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو علانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو۔ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (۲)

ڈاکہ کا رکن:

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کو مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت، جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت، جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ یا پتھر ہوں کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے، خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔ (۳)

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکہ اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جن کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔

ڈاکہ کی شرائط:

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ ڈاکو مرد ہو اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں۔

۱۔ تاج العروس شرح القاموس، ج ۱، ص ۲۰۶　　۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶، ص ۱۲۹۔۱۲۸　　۳۔ بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۰

اور دونوں پر حد ہوگی، روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا عادتاً عورتوں سے متصور نہیں ہے۔ اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

۳۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ مسلمان یا ذمی ہوں، اگر ان غیر مسلمانوں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں آئے ہوں تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)

۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ قیمت والا مال اور محفوظ ہو، اس میں کسی اور کا حق نہ ہو، نہ اس میں لینے کی کوئی تحویل ہو اور نہ تاویل کو کوئی شبہ ہو، نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو، نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲۵ء۲ تولہ چاندی جو ۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متعدد ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کا مال ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مال نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ دارالاسلام ہو اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی، کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے (علامہ کاسانی نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جا کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریقہ سے کفار کا مال لینا بہرحال گناہ ہے خواہ ان کا مال سود کے ذریعے لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔

۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ شہر نہ ہو، اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعے ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے یہ استحسان ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کے سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطریق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں شہر والے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

شہر میں لوٹ مار کے ڈاکہ ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء:

☆ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ شرح الطحاوی میں مذکور ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے پھر علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ شہر میں ڈاکہ کی نفی پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ قطع الطریق جنگل میں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ شہر میں ڈاکہ پڑنے سے راستے بند نہیں ہوتے، یہ استدلال اس لیے غلط ہے کہ ڈاکہ کا نام قطع الطریق (راستہ منقطع کرنا) بعد میں پڑا ہے۔ اصل میں ڈاکہ اللہ کے بندوں سے جنگ کرنے کا نام ہے خواہ یہ شہر میں ہو یا جنگل میں۔ (۱)

☆ علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: شہر میں ڈاکہ پر حد نہیں ہے خرقی کا ظاہر کلام یہی ہے تجرید العنایہ میں ہے کہ یہی مشہور ہے۔ وجیز، منور اور منتخب الآدمی میں بھی یہی مذکور ہے محرر، نظم، رعایتین، حاوی صغیر اور ادراک العنایہ میں بھی اسی قول کو مقدم قرار دیا ہے۔ اور ابو بکر نے کہا کہ شہر کے اور جنگل کے ڈاکہ میں حکم واحد ہے اور یہی مذہب ہے اکثر اصحاب کا یہی مختار ہے، مصنف اور شارح نے کہا ہے یہ ابو بکر کے قول ہے شیخ تقی الدین نے کہا کہ یہ اکثرین کا قول ہے، فروع میں ہے کہ یہ اکثرین کا مختار ہے۔ علامہ مرداوی کہتے ہیں کہ ابو بکر، قاضی، شریف، ابو الخطاب اور شیرازی کا یہی قول ہے۔ خلاصہ میں اسی کو صحیح قرار دیا۔ فروع میں اسی کو مقدم قرار دیا، اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جب امام احمد سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اس میں توقف کیا۔ (۲)

☆ علامہ عبدری مالکی لکھتے ہیں: ابن شاسی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو مکان میں داخل ہو اور غلبہ سے مال لوٹ لے اور وہاں مدد نہ پہنچ سکے تو وہ ڈاکو ہے۔ اور علامہ ابن حاجب نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو یا دن میں کسی مکان یا گلی میں داخل ہو کر اس طرح غلبہ سے مال لے تو وہ محارب (ڈاکو) ہے۔ (۳)

☆ علامہ خطاب مالکی ڈاکو کی تعریف میں لکھتے ہیں: محارب (ڈاکو) وہ شخص ہے جو راستہ منقطع کرے، مسلم یا غیر مسلم (ذمی) کا مال اس طرح لے کر وہاں مدد کو پہنچنا مشکل ہو۔ (۴)

☆ علامہ خطاب مالکی نے جو ڈاکو کی تعریف میں عموم کو اختیار کیا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ڈاکہ میں عموم ہے شہر میں ہو یا جنگل میں۔

☆ علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: اگر کوئی جماعت شہر میں جا کر ڈاکہ ڈالے یا کوئی لشکر کسی شہر میں یا بستی میں جا کر لوٹ مار کرے یا شہر کی ایک طرف سے دوسری طرف پر حملہ کرے اور شہر والے اگر مدد طلب کریں تو ان کو مدد نہ پہنچ سکتی ہو تو یہ ڈاکو (قطاع الطریق) ہیں اور اگر ان کی مدد پہنچ سکتی ہو تو یہ لٹیرے ہیں ڈاکو نہیں ہیں اور مدد کا نہ پہنچ سکنا یہ حاکم کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے یا حاکم اور اس کے مددگار کے بعد کی وجہ سے اور اسی قسم کے حالات میں فساد غالب آجاتے ہیں اور ان سے شریف لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے، اور ان کی مدد کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی جماعت رات کو کسی گھر میں داخل ہو اور ان پر غلبہ حاصل کرے۔

۱۔ فتح القدیر، ج۵ ص۱۸۵　۲۔ الانصاف، ج۱۰ ص۲۹۲۔۲۹۱　۳۔ التاج والاکلیل، ج۶ ص۳۱۴

۴۔ مواہب الجلیل، ج۶ ص۳۱۴

اور حاکم کی قوت اور اس کے موجود ہونے کے باوجود گھر والوں کو مدد نہ پہنچ سکے تو زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ ڈاکو ہیں۔ قفال اور بغوی کی حتمی رائے یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چور ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اچکے ہیں۔ (۱)

☆ شیخ ابن حزم ظاہری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے جس امتی نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور یا میری امت کے اچھوں اور بُروں کو مارا مومنوں سے درگزر نہیں کیا، اور ذمی کے عہد کا پاس نہیں کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرب کا عموماً ذکر کیا ہے اور اس کو ہتھیار وغیرہ سے مقید نہیں فرمایا پس حرابہ ہتھیاروں کے ساتھ ہو یا بغیر ہتھیاروں کے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور محارب (ڈاکو) وہ ہے جو راستہ پر چلنے والوں کو غلبہ سے ڈرائے اور زمین میں فساد کرے، خواہ اس کے پاس ہتھیار ہو یا نہ ہو یا دن ہو یا جنگل ہو یا خلیفہ کا محل ہو، وہ صحرا میں راستہ روکیں یا بستی کے گھروں میں رہنے والوں پر ڈاکہ ڈالیں اور خواہ شہر چھوٹا ہو یا بڑا۔ (۲)

☆ فقہاء اسلام کے ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ ڈاکہ جنگل یا صحرا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جنگل ہو یا شہر رات ہو یا دن جب بھی کسی مسلمان یا ذمی کے مال کو کوئی فرد یا جماعت علانیہ ڈرا دھمکا کر یا مار دھاڑ اور غلبہ سے لوٹ کر لے جائیں تو وہ ڈاکو ہیں اور ان پر حد جاری کی جائے گی۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل:

ڈاکو کی سزاؤں میں آئمہ کا اختلاف ہے آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں۔ ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا)۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈرانا اور دھمکانا، کسی کو قتل کرنا، نہ مال لوٹنا۔

(ب)۔ صرف مال لوٹنا۔

(ج)۔ صرف قتل کرنا۔

(د)۔ مال لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی آئمہ کے نزدیک الگ الگ سزا ہے، امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزا میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے، اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے، ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔ فقہاء کے اس اختلاف کا سبب یہ کہ اس آیت میں لفظ او آیا بیان اور تفصیل کے لیے ہے یا تخییر کے لیے؟ بعض فقہاء کے نزدیک یہ بیان اور تفصیل کے لیے ہے یعنی مختلف جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف سزاؤں کا بیان ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک لفظ او تخییر کے لیے ہے

ا۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، ج ۱۰، ص ۱۵۵　　۲۔ المحلی، ج ۱۱، ص ۳۰۸۔۳۰۷

یعنی امام اور قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دیں۔

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا:

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے نہ مال لوٹے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شہر بدر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا: (ترجمہ) ''یا ان کو شہر بدر کر دیا جائے۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب ڈاکو راستہ میں ڈرائیں اور نہ دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ (مائدہ: ۳۶) اس حالت میں جلاوطن کرنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی نخعی، قتادہ اور عطا خراسانی کا قول ہے اور زمین سے نکالنے کا معنی یہ ہے ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکال دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانا ہو اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے جس طرح زانی کو شہر بدر کیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے اس میں اس کو قید کر دیا جائے جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے، امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں یہ امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام اس پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے، ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر بھیجیں گئے تو وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذاء پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی دلیل ''او ینفوا من الارض (۱) ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے۔ باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شہر بدر کیا جائے تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شہر بدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے۔ (۲)

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی نے بھی من وعن یہی لکھا ہے۔ (۳)

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: زمین سے نکالنے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا ہو وہاں سے نکال دیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دار الاسلام نکال

۱۔ مائدہ ۵: ۳۶ ۲۔ المغنی مع الشرح الکبیر، ج ۱۰، ص ۳۰۸-۳۰۷ ۳۔ الشرح الکبیر، ج ۱۰، ص ۳۰۹-۳۰۸

دیا جائے پہلی صورت سے مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکال دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے۔اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آ چکا ہے۔دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکے ڈالے گا اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا۔تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمان کو دار الحرب میں بھیجنا صحیح نہیں ہے۔پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکال کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا فساد کرنا متصور نہ ہو۔(۱)

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ: جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں، نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے قول اور (او ینفوا من الارض) سے بھی یہی مراد ہے یعنی ان کو قید کر لیا جائے گا،اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل یا مال لوٹا،صرف ڈرایا اور دھمکایا اس نے معصیت کا ارادہ کیا،قتل کرنا اور ہاتھ پیر کاٹنا انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے صرف معصیت کا ارادہ کیا ہو اس شخص کو یہ سزا نہیں دی جائے گی۔جس طرح چوری میں چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا،اس طرح یہاں بھی صرف ڈرانے سے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹیں جائیں گے۔(۲)

اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔یعنی ان کو طلب کرنا تا کہ ان کو ہر جگہ سے بھگایا جائے" کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے،اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔(۳)

امام شافعی کا مذہب بیان کرنے میں علامہ سرخسی کو تسامح ہوا ہے اور بعد کے فقہا نے بھی فقہا شافعیہ کی اصل کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی، کیونکہ میں نے دیکھا علامہ ابوالحسن مرغینانی، علامہ ابن ہمام، علامہ بابرتی اور علامہ خوازری وغیرہ فقہاء احناف نے بھی علامہ سرخسی کی اتباع میں امام شافعی کا مسلک اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ امام شافعی بھی اس صورت میں یہی فرماتے ہیں کہ ڈاکو کو تعزیر لگائی جائے اور اس کو قید کر لیا جائے۔امام شافعی لکھتے ہیں۔"اگر ڈاکو ڈرائیں، نہ قتل کریں نہ مال لیں تو ان کو تعزیر لگائی جائے۔

محرر مذہب شافعی علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

جب امام کو یہ علم ہو جائے کہ کوئی شخص یا گروہ مسافروں کی گھات لگا کر بیٹھتا اور راستہ میں ڈراتا ہے لیکن ابھی تک انہوں نے کسی کا مال لیا ہے نہ قتل کیا ہے تو ان کو پکڑوا کر قید وغیرہ کی سزا دے۔ابن سریج نے کہا اس صورت میں ان کو کسی اور جگہ قید کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ڈاکوؤں کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ زیادہ موثر تدبیر ہے۔(۴)

امام شافعی اور علامہ نووی شافعی کے حوالوں سے واضح ہو گیا ہے کہ اس صورت میں امام شافعی کا نظریہ امام ابوحنیفہ سے مختلف ہے۔اس بحث کے شروع میں ہم نے علامہ ابن قدامہ کی جو عبارت نقل کی تھی اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس صورت میں امام مالک کا بھی مذہب یہی ہے کہ جب ڈاکو صرف ڈرائیں تو ان کو قید کر لیا جائے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں امام کو یہ اختیار ہے

۱۔ احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۱۲　۲۔ مبسوط السرخسی، ج ۹، ص ۱۹۵　۳۔ ایضاً، ص ۱۹۹　۴۔ کتاب الام، ج ۶، ص ۱۵۲

خواہ ڈاکو کو قتل کرے، سولی دے، اس کے ہاتھ پیر کاٹ دے یا اس کو قید کرے، امام اپنے صوابدید سے ڈاکو کو اس صورت میں ان سزاؤں میں سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔ علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں: میں نے امام ابن قاسم مالکی سے کہا یہ بتلایئے کہ اہل ذمہ یا اہل اسلام جب ڈاکہ ڈالیں اور ڈرائیں اور مال نہ لیں نہ قتل کریں اور پھر پکڑے جائیں تو امام مالک کے قول کے مطابق امام ان کو کیا سزا دیں؟ امام ابن قاسم نے کہا امام مالک یہ کہتے ہیں کہ جب وہ راستے میں ڈرائیں تو امام کو اختیار ہے اگر امام چاہے تو قتل کر دے اور چاہے تو ان کے ہاتھ پیر کاٹ دے۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ بسا اوقات ڈاکو قتل نہیں کرتا۔ لیکن قتل کرنے والوں کی بہ نسبت اس کا ڈر اور خوف زیادہ ہوتا ہے۔ علامہ سحنون کہتے ہیں کہ میں نے کہا جب امام، ڈاکو کو پکڑے درآں حالیکہ صرف اس نے ڈرایا ہو نہ مال لیا ہو اور نہ قتل کیا ہو تو کیا امام کو اس کا اختیار ہے کہ خواہ وہ اس کے ہاتھ یا پیر کاٹ دے خواہ قتل کر دے اور خواہ اس کو سولی پر چڑھا دے؟ امام بن قاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا کہ جب ڈاکو کھڑا ہو کر لوگوں کو ڈرائے اور لڑے خواہ اس نے قتل نہ کیا ہو تو امام کو اختیار ہے اور امام مالک نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جس شخص نے بغیر قصاص یا بغیر فساد کی سزا کے ناحق قتل کیا تو گویا اس نے سب انسانیت کو قتل کیا'' (۱) (ہمارے مصحف میں یہ آیت اسی طرح ہے لیکن مدونہ میں فساد لکھا ہے اور اس صورت میں معنی ہوگا ''جس نے قتل کیا یا فساد کی وجہ سے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ امام مالک فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فساد کو بھی قتل کی مثل قرار دیا ہے (ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فساد کو قتل نہیں قرار دیا بلکہ فساد کی وجہ سے قتل کرنے کو تمام انسانوں کا قتل کہا ہے۔ اس لیے امام مالک کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ علامہ سحنون کہتے ہیں کہ اگر ڈاکو صرف ڈرائے اور مال نہ لے پھر بھی یہ حکم ہے؟ امام ابن قاسم نے کہا اگر وہ راستہ میں کھڑا ہو کر ڈرائے اور مال نہ لے پھر بھی امام کو اختیار ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ تمام ڈاکو ایک جیسے نہیں ہوتے بعض صرف لاٹھی یا معمولی چیز لے کر نکلتے ہیں اگر وہ اس حال میں پکڑے جائیں درآں حالیکہ نہ انہوں نے ڈرایا ہو اور نہ مال لیا ہو اور نہ قتل کیا ہو تو ان کی سزا کم ہوگی علامہ سحنون کہتے ہیں میں نے پوچھا ان کی سزا کیا ہوگی؟ علامہ ابن قاسم نے کہا امام مالک نے فرمایا ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائیں جائیں اور ان کو شہر بدر کیا جائے اور جس شہر کو بھیجا جائے اس پر ان کو قید کر دیا جائے۔ (۲)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا:

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پاؤں، اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کر دے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے البتہ اس صورت میں اس کو شہر بدر کرنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائیگا۔ قاضی ابن رشید مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شہر بدر کرنے کا اختیار نہیں ہے البتہ اس کو

۱۔ مائدہ ۵: ۳۲ ۲۔ المدونۃ الکبریٰ ج ۴، ص ۴۲۹۔۴۲۸

یہ اختیار ہے کہ وہ اسے قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔(۱)

☆ علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا امام مالک نے فرمایا کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹا جا چکا ہے اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔(۲)

☆ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے۔(۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: کہ اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال نہ لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اگر نصاب سے کم مال لیا ہو تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا۔(۴) علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو صرف مال لے تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (من خلاف)(۵) ہم نے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ مخالفت متحقق ہو اور فوراً بعد پیر کاٹ دیا جائے اور ہاتھ کے ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ دونوں کو ساتھ کاٹا جائے گا۔ پہلے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر داغا جائے پھر پیر کو کاٹ دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے ابتدا فرمائی ہے۔ یہ اس کا حکم ہے جس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں موجود ہوں اور صحیح ہوں اور اگر اس کے ہاتھ اور پیر نہ ہوں یا اس کا ہاتھ اور پیر چوری یا قصاص یا بیماری کی وجہ سے کٹ چکا ہو تو خرقی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پھر اس سے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ خواہ اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کٹا ہوا ہو یا اس کے برعکس، کیونکہ ایک ہاتھ سے زیادہ کاٹ دینے سے اس کے چلنے پھرنے اور کام کرنے کی صلاحیت بالکل ختم ہو جائے گی، امام ابو حنیفہ یا یہی مذہب ہے۔(۶)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف قتل کرنے کی سزا:

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ (علامہ ابوبکر مسعود کاسانی حنفی (۷) قاضی ابوالولید ابن رشید لکھتے ہیں: اگر ڈاکو نے قتل کیا ہو تو اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اور امام کو اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں۔ (۸) اگر ڈاکو نے قتل کیا ہو تو اس کو قتل کرنا ضروری ہے اور یہ قصاص کی طرح نہیں ہے۔(۹) علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ اگر ڈاکو نے قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو سولی دی جائے گی کیونکہ وہ محارب ہیں جن کا قتل کرنا واجب ہے، پس ان کو ان کی طرح سولی دی جائے گی۔ جنہوں نے مال لیا ہو اور امام احمد کا پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ہے"۔ جس نے قتل کیا ہوا اور مال نہ لیا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا" اس حدیث میں سولی کا ذکر نہیں ہے اور مال لوٹنے اور قتل کرنے کی بہ نسبت صرف قتل کرنا کم جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی پہلے جرم کی بہ نسبت کم ہونی چاہیے،

۱۔ بدایۃ المجتہد، ج ۲ ص ۳۴۱　۲۔ المدونۃ الکبریٰ، ج ۴ ص ۴۳۱۔۴۳۰　۳۔ بدائع الصنائع، ج ۷ ص ۹۳
۴۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، ج ۱۰ ص ۱۵۶　۵۔ مائدہ ۵:۳۶　۶۔ المغنی مع الشرح الکبیر، ج ۱۰ ص ۳۰۶
۷۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۱　۸۔ بدایۃ المجتہد، ج ۲ ص ۴۴۱　۹۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، ج ۱۰ ص ۱۵۶

اور اگر دونوں جرموں کی سزا ایک ہوگی تو یہ دونوں جرم برابر ہو جائیں گے۔ (۱)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا:

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس کو قتل کر دے یا پھر سولی دے دے اور اگر چاہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے اور سولی دے دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (۲)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ ایک جرم ہے اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ حد سرقہ حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے، کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے وہ امن میں خلل ڈالتا ہے یہی وجہ ہے ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کو کاٹنا ایک حد ہے جب کہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں اور امام محمد نے جو حد رجم اور جو حد سرقہ کی مثال دی ہے وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے۔ اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے اس کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس کی سزا کو شہرت دی جائے تا کہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابوحنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصلی شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے لہذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (۳) علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں: میں نے امام ابن قاسم سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے اور اس کو قتل کیا جائے گا یا صرف اس کو قتل کی جائے گا اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام بن قاسم نے فرمایا: اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو۔ (۴) علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی جائے گی اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے ابن سلمہ کا یہ قول ہے اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی۔ جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (۵)

علامہ ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور سولی دی جائے گی

۱۔ المغنی مع الشرح، ج ۱۰، ص ۳۰۴　۲۔ بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۳　۳۔ ہدایہ اولین، ص ۵۳۶

۴۔ المدونۃ الکبریٰ، ج ۴، ص ۴۲۹　۵۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، ج ۱۰، ص ۱۵۷۔۱۵۶

حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور لاش ان کے وارثوں کے حوالے کر دی جائے۔(۱)

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈاکوں کے یہ احکام نازل کیے۔ جس شخص نے قتل کیا اور مال لیا اس کا قتل کیا جائے اور سولی دی جائے گی اور جس نے قتل کیا اور مال نہیں لیا اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے مال لیا اور قتل نہیں کیا اس کے ہاتھ اور پیر کو مخالف جانب سے کاٹا جائے گا اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(۲)

اس باب کی احادیث میں عرینیین کے ڈاکہ ڈالنے ان کے مرتد ہو جانے اور بعدازاں ان پر اسلامی حدود جاری کرنے کا بیان ہے، اس مناسبت سے ہم نے ڈاکہ کے تفصیلی احکام بیان کیے، اب ہم عرینیین کے ارتداد کی مناسبت سے مرتد کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہیں۔

مرتد کا لغوی معنیٰ:

رواۃ کا لغت میں معنیٰ ہے کہ کسی چیز کا دوسری چیز کی طرف لوٹنا، یہ کفر کی بدترین قسم ہے اور اس کا حکم سب سے زیادہ سخت ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں ردت ارتداد کا اسم ہے ارتد کا معنیٰ ہے تحول یعنی پھر گیا، اسی لفظ سے اسلام سے مرتد ہونا بنا ہے، کسی کو مرتد اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے۔(۳)

مرتد کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح شرح میں مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرے خواہ اس کا کفر کو اختیار کرنا نیت سے یا کسی کفریہ قول سے ہو اور عام ازیں کہ اس کا یہ قول استہزاً ہو یا عناداً ہو یا اعتقاداً۔ اس تعریف کے اعتبار سے جو شخص وجود باری کا انکار کرے یا رسولوں کی نفی کرے یا کسی رسول کی تکذیب کرے مثلاً محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور اصلی ظلی حقیقی یا امتی نبی کی پیدائش کو جائز اور واقع مان کر آپ کی ختم نبوت کا انکار کرے یا آپ کے بعد کسی مدعی نبوت کو مسلمان مانے ایسے تمام اشخاص مرتد ہیں۔ اس طرح جو شخص حرام قطعی مثلاً زنا، شراب (خمر) نوشی، قتل، چوری اور ڈاکے وغیرہ کو حلال جانے وہ مرتد ہے۔ جو چیز اجماعاً حلال ہے اس کا انکار بھی ارتداد ہے، مثلاً کوئی شخص بیع اور نکاح کے حلال ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح بغیر دلیل شرعی کے محض اپنی رائے سے کسی چیز کو فرض قطعی قرار دینا بھی ارتداد ہے، مثلاً کوئی شخص نماز میں کسی رکعت کا اضافہ کر کے اس کو فرض قرار دے یا کہے کہ دن میں چھ نمازیں فرض ہیں یا کہے کہ شوال کے روزے فرض ہیں۔ اس بحث کو وسیع تناظر میں جاننے کے لیے حسب ذیل اصطلاحات کو سمجھ لینا چاہیے۔

مرتد:

وہ مکلف شخص ہے جو اپنے اختیار سے اسلام سے رجوع کرے یا وہ کفر کی تصریح کرے یا کوئی ایسا لفظ بولے جو کفر کو مستلزم ہو اور اس پر مطلع ہونیت کے بعد اس پر ڈٹ جائے یا کوئی کفریہ فعل کرے، کفریہ فعل کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث نبوی کو (العیاذ باللہ) گندگی میں پھینک دے یا مثلاً بت یا سورج کو سجدہ کرے۔

۱۔ مقنع مع المغنی والشرح، ج ۱۰ ص ۲۹۹　۲۔ المغنی مع الشرح، ج ۱۰ ص ۳۰۱　۳۔ تاج العروس شرح القاموس، ج ۲ ص ۳۵۱

زندیق:

وہ شخص ہے جو کسی دین کو نہ مانتا ہو یعنی سیکولر ہو۔(۱)

منافق:

جو شخص بظاہر مسلمان اور بباطن کافر ہو اس کا پتا اس طرح چلے گا کہ وہ اپنے کفر پر اپنے کسی معتمد کو مطلع کر دے۔

ساحر:

جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ شیاطین اس کے تابع ہیں اور وہ ان سے جو کام چاہے لے سکتا ہے، سحر کا اجسام پر اثر ہوتا ہے۔ البتہ نظر بندی کرنا، لوگوں کے ذہنوں میں خیال آفرینی کرنا اور ہپناٹائز کرنا سحر نہیں ہے۔

کاہن:

جو شخص جنات کا کلام سن کر اس میں کچھ اپنے سے باتیں ملا کر اٹکل پچو سے لوگوں کو غیب کی باتیں بتائے۔

گستاخ:

جو شخص اللہ تعالیٰ، محمد رسول اللہ ﷺ یا کسی اور نبی اور رسول یا رسل ملائکہ میں سے کسی رسول کی گستاخی کرے بایں طور کہ ان کی شان میں دانستہ کوئی ایسا کلمہ بولے جو لغت اور عرف میں گستاخی گردانا جاتا ہو۔

☆ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے: کہ ساحر اور زندیق کی توبہ مقبول نہیں ہے۔ اسی طرح منافق کی بھی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور ساحر کافر ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت ہے، اور حضرت جندب بن عبداللہ، حبیب بن کعب، قیس بن سعد اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم نے ساحر سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا اور حضرت جندب نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ساحر کی حد اس کو تلوار سے مار دینا ہے اور کاہن میں اختلاف ہے، امام شافعی نے فرمایا: اگر وہ کفر یہ اعتقاد رکھتا ہو اور کواکب کی عبادت کرتا ہو وہ کافر ہے اور امام احمد کے نزدیک وہ ساحر کے حکم میں ہے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہر ساحر اور کاہن کو قتل کر دو اور ایک روایت ہے کہ اگر وہ توبہ کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس میں امام شافعی کے قول پر اعتماد کرنا واجب ہے۔(۲)

☆ اگر کوئی مسلمان گستاخی کرے تو اس کو بالاتفاق قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے توبہ طلب کرنے میں اختلاف ہے امام مالک کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سے توبہ طلب کی جائے گی۔

مرتد سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی فبہا ورنہ دنیا میں اس کی سزا قتل اور نیک اعمال کا ضائع ہونا ہے۔ اور آخرت میں ضیاع اعمال کے علاوہ اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۔ فتح القدیر ج ۵: ص ۳۳۲ ۲۔ ایضاً، ج ۴: ص ۳۳۳

وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ(۱)

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور پھر وہ حالت کفر میں ہی مر جائے تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہ لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ارتداد کی شرائط:

ارتداد کے متعلق تحقق کے لیے پہلی اتفاقی شرط عقل ہے اس لیے پاگل اور نا سمجھ بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، اور جو شخص نشہ میں از خود رفتہ ہو فقہاء کے نزدیک اس پر بھی ارتداد کا حکم استحسانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ارتداد کا تعلق قصد اور اعتقاد کے ساتھ ہے۔ اور جس شخص کی نشہ کی وجہ سے عقل زائل ہو چکی ہو اس پر اس حال میں ارتداد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو نیند میں ہو اور نیز وہ غیر مکلف ہے پس مجنون کی طرح اس پر بھی مرتد کا حکم عائد کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۲) فقہاء شافعیہ کا ظاہر مذہب اور فقہاء حنابلہ کی امام احمد سے ظاہر روایت ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو اس کا اسلام لانا صحیح ہے۔ اور اس کا مرتد ہونا بھی صحیح ہے۔ جس طرح اس کا طلاق دینا اور اس کے باقی تصرفات صحیح ہیں۔ (۳)، (۴) امام ابوحنیفہ، امام محمد فقہاء، مالکیہ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک بالغ ہونا مرتد کے لیے شرط نہیں ہے۔ سو سمجھ دار بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کو نہ قتل کیا جائے گا۔ نہ مارا جائے گا بلکہ اس پر جبراً اسلام پیش کیا جائے گا۔ اور بالغ ہونے تک اس کو قید میں رکھا جائے گا اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی لیکن باقی سزائیں اس پر نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے (۵)۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک ارتداد کے لیے بلوغ شرط ہے اس لیے سمجھ دار بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے تین شخصوں کے قلم (تکلیف) اٹھا لیا گیا سونے والے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ اس کی عقل کام کرنے لگے۔ (۶)، (۷)۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ابن ابی مالک نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ (۸)۔ ارتداد کی دوسری اتفاقی شرط اختیار ہے اس لیے اگر کسی شخص کو جبراً مرتد کیا گیا تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ بشرطیکہ اس کا قلب اسلام پر مطمئن ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اس کی تصدیق قائم ہو۔

مرتد کے حکم میں فقہاء اسلام کے مذاہب:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''من بدل دینہ فاقتلوہ'' ''جو شخص اپنا دین اسلام تبدیل کر

۱۔ البقرہ ۲: ۲۱۷ ۲۔ بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۳۴، الدر المختار، ج ۳، ص ۳۱۰ ۳۔ مغنی المحتاج، ج ۴، ص ۱۳۷

۴۔ المغنی ابن قدامہ مع الشرح، ج ۱۰، ص ۷۳ ۵۔ الدر المختار ورد المحتار، ج ۳، ص ۳۳۵ ۶۔ جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۶

۷۔ سنن ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۴۸ ۸۔ فتح القدیر ج ۵، ص ۳۲۸

لے اس کو قتل کر دو" اور تمام اہل علم کا قتل مرتد کے وجوب پر اجماع ہے، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاذ، حضرت ابو موسی، حضرت ابن عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مرتد کو قتل کرنے کا حکم مروی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا پس اس پر اجماع ہو گیا۔ علامہ ابو القاسم خرقی حنبلی متوفی لکھتے ہیں: جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ بالغ اور عاقل ہو۔ اس کو تین دن تک سلام کی دعوت دی جائے گی اور اس پر تنگی کی جائے گی اگر اس نے رجوع کر لیا تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: مرتد کو قتل کرنے کے وجوب میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے، حسن زہری نخعی، م، مکحول، حماد، مالک، لیث، اوزاعی امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے، حضرت علی، حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے ایک روایت یہ ہے کہ عورت کو غلام بنا لیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنو حنیفہ کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں سے ایک باندی عطا کی تھی جس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے اور یہ واقعہ صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا پس اس پر اجماع ہو گا، اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا عورت کو قید کر کے اور مار پیٹ کے ذریعے قبول اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتقتلوا امراءة" (عورت کا قتل نہ کرو) نیز عورت کو کفر اصلی (یعنی ابتداً کافر ہونے) کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا سو اس کو کفر طاری (بعد کے کفر) کی وجہ سے بھی قتل کیا جائے گا، پس اس کا حکم بچوں کی طرح ہے۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین (اسلام) تبدیل کرے اس کو قتل کر دو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا خون صرف تین اسباب میں سے کسی ایک سبب سے حلال ہے، شادی شدہ زانی ہو یا جان کا بدلہ جان ہو اور یا وہ اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہونے والا ہو۔ اور سند دار قطنی میں روایت ہے: کہ ایک عورت کا نام ام مروان تھا وہ اسلام سے مرتد ہو گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ نیز عورت ایک مکلف شخص ہے، جس نے اپنے دین حق کو باطل سے تبدیل کر دیا۔ سو اس کو مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا قتل کرنے سے منع کر فرمایا ہے۔ تو اس سے وہ عورت مراد ہے جو ابتداً کافر ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس موقع پر فرمایا تھا، جب آپ نے ایک کافر عورت کا مقتول دیکھا اور وہ کافرہ اصلیہ تھی یعنی ابتداً کافر تھی یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کو ابن ابی حقیق کی طرف بھیجا تھا ان کو آپ نے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ حالانکہ ان میں کوئی مرتد نہ تھا۔ اور کفر اصلی اور ارتداد کے احکام میں فرق ہے۔ کیونکہ کفر اصلی پر برقرار رکھا جاتا ہے اور گرجے والوں، بوڑھوں اور جنگ سے رکنے والوں کو قتل نہیں کیا جاتا اور عورت کو کفر کے ترک پر مجبور نہیں کیا جاتا، ضرب سے نہ قید سے اور کفر طاری یعنی ارتداد کے احکام اس کے برخلاف ہیں اور بچہ کے برخلاف عورت مکلف ہے، اور بنو حنیفہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہوا کہ ان کے جن لوگوں کو غلام بنایا گیا تھا۔ وہ پہلے اسلام لا چکے تھے کیونکہ بنو حنیفہ کا پورا قبیلہ پہلے مسلمان نہیں ہوا تھا۔ صرف ان کے بعض لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ اور ظاہر یہ کہ ان کے مرد مسلمان ہوئے تھے پس ان میں سے بعض اسلام پر ثابت رہے، مثلاً حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ اور

بعض ان میں سے مرتد ہو گئے جن میں سے ایک بنو حنیفہ کا دجال تھا۔(۱) علامہ ابن قدامہ حنبلی کا مطلب یہ ہے کہ بنو حنیفہ کی عورت کو قید کرنے سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ مرتد عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ بنو حنیفہ کی عورتوں کا ارتداد ثابت نہیں ہے۔

مرتد کو علی الفور قتل کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل:

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان ہو گیا تو فبہا ورنہ اسی جگہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ الا یہ کہ وہ مہلت طلب کرے، اگر یہ کہ وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے۔ مرتدین کے قتل کے وجوب پر اس آیت سے استدلال ہے ''او یسلمون'' یہ آیت مرتد کے بارے میں ہے (اس کی وضاحت عنقریب آئے گی) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو'' اور حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے کہ مرتدین کو قتل کرنا واجب ہے۔

مرتدین کا قتل اس لیے واجب ہے کہ مرتدین کا جرم مشرکین عرب کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ ہے، مشرکین عرب رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار تھے، قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا، اس کے باوجود انہوں نے اس حق کی پاسداری نہیں کی اور شرک کیا۔ اسی طرح مرتد رسول اللہ ﷺ کے دین پر تھا اور آپ کی شریعت کی خوبیوں کو جانتا تھا، اس کے باوجود اس نے اسلام کی پاسداری نہیں کی اور مرتد ہو گیا۔ پس جس طرح مشرکین عرب کے لیے صرف دو حکم ہیں اسلام یا تلوار، اسی طرح مرتدین کے لیے بھی صرف دو حکم ہیں اسلام یا تلوار۔ الا یہ کہ اگر مرتد مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے وہ کسی شبہ کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہو پس ہم پر اس کے شبہ کو زائل کرنا لازم ہے۔ یا خود اس کو غور و فکر کی ضرورت ہے تا کہ اس پر حق ظاہر ہو جائے اور ازالہ شبہ کے لیے مہلت ضروری ہے، اور اگر وہ مہلت طلب کرے تو امام پر اس کو مہلت دینا لازمی ہے اور شریعت میں یہ مہلت تین دن مقرر کی گئی ہے۔ جیسا کہ بیع خیار میں ہے اس لیے اس کو تین دن مہلت دے اور اس سے زیادہ مہلت نہ دے۔ اور اگر وہ مہلت طلب نہ کرے تو ظاہر الروایہ کے مطابق اس کو فی الفور قتل کر دیا جائے اور نوادر میں امام ابوحنیفہ، امام یوسف سے یہ روایت ہے کہ امام کے لیے یہ مستحب ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دے۔ خواہ وہ مہلت طلب کرے یا نہ کرے۔ اور امام شافعی نے یہ فرمایا ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دینا امام پر واجب ہے اور مہلت دینے سے پہلے قتل کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مغرب سے ایک شخص آیا آپ نے اس سے پوچھا کہ مغرب کی کوئی خبر ہے؟ اس نے کہا ہاں ایک شخص ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ آپ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا ہم اس کے پاس گئے اور اس کو قتل کر دیا آپ نے فرمایا: تم نے اس کو تین دن کی مہلت کیوں نہیں دی۔ شاید وہ توبہ کر کے حق کو قبول کر لیتا۔ پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے کہا اے اللہ میں اس موقع پر حاضر نہیں تھا اور جب یہ خبر میرے پاس پہنچی تو میں راضی نہیں تھا۔ اور یہ روایت اس پر دلیل ہے کہ مہلت دینا مستحب ہے اور الروایہ کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کا شروع شروع۔ ظہور ہوا تھا اور بسا اوقات کسی شخص کو کوئی شبہ لاحق ہو جاتا تھا ظہور ہوا تھا اور بسا اوقات کسی شخص کو کوئی شبہ لاحق ہو جاتا تھا اور شبہ زائل ہونے کے بعد وہ رجوع کر لیتا۔

۱۔ المغنی مع الشرح، ج ۱۰، ص ۷۲-۷۳

اس سبب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہلت نہ دینے کو مکروہ جانا۔ لیکن اب ہمارے زمانے میں دین کی جڑیں راسخ ہو چکی ہیں اور حق پوری طرح ظاہر ہو چکا ہے۔، اس لیے اب اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرنا محض سرکشی ہے۔ ہاں اس کو شبہ لاحق ہو سکتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ مہلت طلب کرے اور جب وہ مہلت طلب نہیں کرتا تو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ سرکش ہے۔ عناداً اسلام کو ترک کر رہا ہے لہٰذا اس کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس سے توبہ طلب کرنا مستحب ہے۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھے اور اسلام کے ماسوا تمام مذاہب سے براءت کا اظہار کرے یا اس نظریہ سے بیزاری کا اظہار کرے جس کی طرف وہ منتقل ہوا تھا۔ (۱)

مرتدہ عورت کو قتل نہ کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل:

مرتدہ عورت کو قتل نہ کرنے پر دلائل دیتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اس بارے میں دو حدیثیں ہیں ایک وہ حدیث ہے جس کو رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد میں دیکھا کہ لوگ کسی چیز کے گرد جمع ہیں آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ لوگ ایک مقتولہ عورت کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے کسی شخص سے فرمایا کہ خالد کو تلاش کرو اور اس سے کہو کہ مزدور کو اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کریں،'' یہ حدیث اصل میں اس طرح ہے: حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے اور مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن ولید مامور تھے۔ وہاں راستہ میں ایک عورت مقتولہ ملی جس کو مقدمۃ الجیش نے قتل کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا ''یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی'' الحدیث۔ (۲)

فقہاء احناف کے استدلال کا مرکزی نقطہ اس حدیث کا یہ جملہ ہے جو علامہ سرخسی سے غالباً سہواً رہ گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت جنگ نہ کرے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ اور دوسری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول عورت دیکھی، آپ نے پوچھا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نیا اس کو اپنے پیچھے سوار کیا تھا اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے میری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا آپ نے فرمایا: عورتوں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی لاش کو دفن کر دو۔ اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اور فتح مکہ کے دن جب آپ نے ایک عورت کو مقتولہ دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ عورت تو جنگ نہیں کرتی؟ اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ کوئی شخص قتل کا اس وجہ سے مستحق ہوتا ہے جب وہ جنگ کرے اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جنگ نہیں کرتیں۔ اور جب عورتوں کو قتل کرنے کی علت ان کا جنگ نہ کرنا ہے تو اس علت میں کفر اصلی اور کفر طاری (ارتداد) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو'' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے عورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اور اس حدیث سے صرف مرد مراد ہیں۔ اور تخصیص کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سنن دار قطنی میں جو یہ روایت ہے کہ ''ام مروان نام کی ایک عورت مرتد ہو گئی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر

۱　۔المبسوط، ج ۱۰، ص ۹۹۔۹۸　　۲۔　مسند ابو یعلی الموصلی، ج ۳، ص ۱۱۶۔۱۱۵

پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس سے توبہ طلب کرو۔ اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ قتل کر دو'' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ وہ جنگ کرنے والی تھی۔ کیونکہ ام مروان خود بھی جنگ کر رہی تھی۔ اور مردوں کو جنگ پر برانگیختہ کر رہی تھی۔ اور وہ اس کی سردار تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے انہوں نے ام فرقہ نامی ایک مرتدہ کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ام فرقہ کے تیس بیٹے تھے جن کو وہ جنگ پر ابھار رہی تھی اور اس کو قتل کر کے کفار کی شوکت کو ختم کرنا مقصود تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو مصلحت اور سیاست سے قتل کیا ہو جس طرح آپ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر اظہار خوشی کے لیے دف بجایا تھا۔ (۱)

مرتدہ کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا اسلام قبول کر لو۔ اور اگر وہ توبہ قبول نہ کرے تو اس کی گردن مار دو۔ جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے اس کو دعوت دو اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لو اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے پھر توبہ طلب کرو۔ حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے اور مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن ولید مامور تھے راستہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پڑی تھی۔ لوگ اس کی خلقت پر اظہار تعجب کر رہے تھے۔ اس کو مقدمۃ الجیش نے قتل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی۔ پھر ایک شخص سے فرمایا خالد سے کہو وہ بچے اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرے۔ علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت جنگ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے (۲) اور علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت جنگ نہ کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے خواہ کافرہ ہو یا مرتدہ (۳)، (۴) امام ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے، ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ (۵)۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں۔ (۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عورتیں (العیاذ باللہ) اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو ہرگز نہ قتل کیا جائے، البتہ ان کو قید کر لیا جائے اور ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ لیث بیان کرتے ہیں عطاء نے مرتدہ کے بارے میں کہا ہے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ (۷) حسن بصری نے کہا: جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ (۸)۔

۱۔ المبسوط، ج ۱۰، ص ۱۱۰۔۱۰۹　　۲۔ معالم السنن، ج ۲، ص ۲۸۰　　۳۔ مسند ابویعلی الموصلی، ج ۳، ص ۱۱۶۔۱۱۵

۴۔ مبسوط، ج ۱۰، ص ۱۰۹　　۵۔ کتاب الآثار، ص ۱۲۸　　۶۔ سنن دارقطنی، ج ۳، ص ۱۱۸

۷۔ المصنف، ج ۱۰، ص ۱۴۰　　۸۔ ایضاً ص ۱۴۰

قتل مرتد کا قرآن مجید سے ثبوت:

قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا(۱)

''ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے آپ فرما دیجئے عنقریب ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت جنگجو ہو گی تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اس آیت میں جس قوم کی طرف جنگ کی دعوت دی جانے کی خبر دی گی ہے، علامہ آلوسی اس کے متعلق لکھتے ہیں۔: ابن منذر طبرانی اور زہری کی روایت کے مطابق یہ مسیلمہ کذاب کی قوم اہل یمامہ اور بنو حنیفہ ہیں۔ اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے اگر چہ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس جنگجو قوم سے تم قتال کرتے رہو یا وہ مسلمان ہو جائیں اس کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ایک قوم کے لیے صرف دو راستے ہیں رکھے ہیں قتل یا قبول اسلام اور وہ قوم جس کے لیے یہ سخت حکم نازل ہوا ہے۔ عقلاً اور نقلاً مرتد ہی ہو سکتی ہے۔ عقلاً اس لیے کہ مرتد سے زیادہ سنگین جرم اور کسی فرد یا قوم کا نہیں ہے اس لیے یہ سخت حکم بھی اسی کا ہونا چاہیے جیسا کہ ہم مرتد کو علی الفور قتل کرنے کے حکم پر احناف کے دلائل کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ اور نقلاً اس لیے کہ علامہ آلوسی کی نقل کردہ روایات سے ثابت ہے کہ اس قوم سے مراد بنو حنیفہ کے مرتدین ہیں۔

قتل مرتد کے ثبوت میں احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو (۲)''
حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کی گردن اڑا دو۔ (۳)۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (۴) (۵) اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (۶)۔ حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس گئے ان کے پاس ایک یہودی شخص تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ ایک یہودی شخص تھا، مسلمان ہوا پھر مرتد ہو گیا: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دو ماہ تک اس کو توبہ کی مہلت دی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا

۱۔ فتح ۱۶:۴۸ ۲۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۲۳ ۳۔ موطاء امام مالک، ص ۶۴۱
۴۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۶۱ ۵۔ المصنف، ج ۱۰، ص ۱۳۹ ۶۔ ایضاً ص ۱۶۸

میں جب تک اس کی گردن نہ اڑا دوں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔(۱)

اس حدیث کو امام بیہقی نے اور امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عراق کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب لکھا کہ ان پر دین حق اور کلمہ شہادت پیش کرو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو اور اگر اسلام قبول نہ کریں تو قتل کر دو۔ سو ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا اور بعض نے اسلام قبول نہ کیا تو ان کو قتل کر دیا۔(۲)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مرتد سے توبہ کے لیے تین بار کہا جائے اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔(۳) ابن شہاب کہتے ہیں کہ (مرتد کو) تین بار اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔(۴)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ جو انسان اسلام کے بعد کفر کرے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔(۵)

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادی فکر اور حریت کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا۔ مثلاً اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور مسلمان کے اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہار چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟ تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انقلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔ پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادی فکر کے اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے۔

۱۔ سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۰۵، المصنف، ج ۱۰، ص ۶۸　　۲۔ المصنف، ج ۱۰، ص ۱۶۹۔۱۶۸　　۳۔ ایضاً ص ۱۳۸

۴۔ ایضاً ص ۱۳۸　　۵۔ ایضاً ص ۱۳۹

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا، ورنہ کسی کی جان، مال، عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا۔ یا وحی الٰہی سے، اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی، خطاء ظلم اور جور کا امکان ہے۔ اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الٰہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید، احادیث صریحہ اور آثار صحابہ تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔ بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: لا اکرا فی الدین (۱) ''دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے یعنی جو ابتداً کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا (۲)

دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی دعائے ضرر کو بددعاء کہنے کا عدم جواز:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ان کافروں کا نام لے کر ان کے خلاف دعا فرمائی، بعض اردو کے سیرت نگاروں نے اس حدیث میں ''دَعَا عَلَيْهِم'' کا ترجمہ کیا ہے: ان پر بددعا کی۔ دیوبندی شارح سید احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے: ان سرکش کفار پر یہ بات بڑی شاق گزری کہ آپ ﷺ نے ان پر بددعا کی۔ (۳) شیخ تقی عثمانی نے لکھا ہے: جب آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی تو یہ بات ان پر بہت گراں گزری (۴)۔ نبی اکرم ﷺ کا کوئی فعل بد نہیں ہے، اس لیے آپ نے جو دعائے ضرر کی اس کو بددعا کہنا ناجائز اور گناہ ہے آپ کا ہر فعل حسن اور واجب الاتباع ہے ہم اس سے پہلے بھی اس پر تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ ان اشکال کا جواب کہ آپ کی پشت پر نجاست ڈال دی گئی تو پھر آپ کیوں نماز پڑھتے رہے؟ اس حدیث میں ہے: آپ کی پشت پر سلی'' رکھی گئی تھی یعنی وہ غلاف جس میں اونٹنی کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے، شرح صحیح مسلم میں میں نے (۵) کے حوالے سے سلی کا یہی معنی لکھا تھا اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے لیکن میں نے لکھا تھا کہ اس سے مجازاً اوجھڑی مراد ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے: اس میں خون اور گوبر بھی تھا اور گوبر اوجھڑ میں ہوتا ہے تاہم اب میر رائے بدل گئی ہے

۱۔ بقرہ۲:۲۵۶ ۲۔ بقرہ۲:۲۵۶ ۳۔ شرح صحیح مسلم، ج۴، ص۶۶۱۔۶۶۲

۴۔ انوار الباری، ج۸، ص۱۴۶ ۵۔ تاج العروس، ج۱۰، ص۱۸۳ ۶۔ انعام الباری، ج۲، ص۳۹۳

کہ بلاوجہ اس کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور "سلی سے مراد اس کا حقیقی معنی ہی ہے اور اونٹنی کے پیٹ میں سلی کے اندر کچھ خون اور گوبر منتقل ہو گیا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ اب یہاں یہ سوال ہے کہ جب سلی میں گوبر اور خون وغیرہ تھا اور وہ نجس ہیں نیز مشرکین کا ذبیحہ ہونے کی وجہ سے بھی نجس تھی تو اس نجاست کے ڈال دینے کے بعد آپ نماز کس طرح پڑھتے رہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت آپ سجدہ میں تھے اور آپ کو پتا نہیں تھا کہ آپ کی پشت پر کیا ڈالا گیا ہے۔

اوجھڑی کھانے کا شرعی حکم:

بعض دلائل اوجھڑی کھانے کی تحریم کا تقاضا کرتے ہیں، کیونکہ اوجھڑی گوبر کا محل ہے تو جس طرح مثانہ پیشاب کا محل ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح گوبر محل ہونے کی وجہ سے اوجھڑی کو مکروہ تحریمی ہونا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس دلیل کی وجہ سے اوجھڑی اور آنتوں کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔(۱) اور بعض دلائل اوجھڑی کی حلت کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حلال جانوروں کی صرف سات چیزوں کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ باقی چیزیں بلا کراہت حلال ہیں چونکہ اوجھڑی ان سات چیزوں میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ بلا کراہت حلال ہے، سات چیزوں کے مکروہ تحریمی ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بکری کی سات چیزوں کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے تھے۔ (۱) خون (۲) فرج (۳) خصیتین (۴) غدود (۵) ذکر (۶) مثانہ (۷) پتہ (۲)

☆ اور جب کسی چیز کی حلت اور حرمت میں دلائل متعارض ہوں تو وہ مکروہ تنزیہی ہوتی ہے، نیز ایک حدیث میں ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بکری کے معدہ کا ایک ٹکڑا کھایا وہ حدیث یہ ہے:

☆ حضرت نسیکہ ام عمر بن جلاس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، انہوں نے ایک بکری ذبح کی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھری تھی، آپ نے اس چھری کو رکھ دیا اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ بستر کی طرف گئے اور اس پر لیٹ گئے، پھر آپ پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے ہم آپ کے پاس ایک پیالہ لائے جس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں بکری کے معدہ کا ٹکڑا تھا اور اس میں بکری کی دستی تھی، حضرت نسیکہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معدہ کا ٹکڑا لے کر اس کو دانتوں سے کھانے لگیں، اس وقت انہوں نے کہا: ہم نے آج بکری ذبح کی تھی، اس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں باقی رہا، آپ نے فرمایا: نہیں! وہ سب باقی ہے جو اس کے سوا ہے۔ اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف راوی ہے۔ (۴)

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۳۲۶

۲۔ مصنف عبدالرزاق، ج ۴، ص ۵۳۵، سنن بیہقی، ج ۱۰، ص ۷، مراسیل ابوداؤد، ص ۱۹، المعجم اوسط، ۶، ۷، ۹۴، الجامع الصغیر، ۱۶، ۷۱۲، الکامل لابن عدی، ۵، ص ۱۲۔

۳۔ المعجم الکبیر، ج ۲۵، ص ۴۴

۴۔ مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۳۶

اسی طرح ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے انتڑیاں کھائیں۔

امام طحاوی نے کہا:

ابن خزیمہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی کسی زوجہ کے پاس گیا جن کا انہوں نے نام لیا تھا اور بھول گیا (وہ حضرت ام اسلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔) وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میرے پاس بکری کا پیٹ لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا اگر تم اس پیٹ سے میرے لیے فلاح فلاح چیز پکا دو، وہ کہتی ہیں: ہم نے آپ کے لیے وہ چیزیں پکا دیں، آپ نے ان کو کھایا اور وضو نہیں کیا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس حدیث میں پیٹ سے مراد انتڑیاں ہیں۔(۱)

نبی اکرم ﷺ کے دعائے ضرر کرنے کی توجیہ:

ایک اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو زیادتی کی جائے آپ اس پر صبر کرتے تھے اور اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے تو اس موقع پر آپ نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ذات پر جو ظلم اور زیادتی کی جاتی تھی اس کو آپ برداشت کر لیتے تھے لیکن دین کے معاملہ میں آپ کسی زیادتی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کافروں نے نماز کی حالت میں آپ کی پیٹھ پر نجاست ڈال کر آپ کی نماز اور آپ کی عبادت میں خلل ڈالا اس لیے آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی۔

علامہ ابوالحسن لکھتے ہیں: رحمۃ اللہ علیہ

المھلب نے کہا: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جس کو ایذا پہنچائی جائے وہ ایذاء پہنچانے والے کے خلاف دعائے ضرر کر سکتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کی تھی۔ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب کافر نے ایذاء پہنچائی ہو اور اگر مسلمان ایذاء پہنچائے تو زیادہ بہتر ہے کہ اس کے خلاف دعا نہ کی جائے، کیونکہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا لحاف چوری ہو گیا تھا تو انہوں نے چور کے خلاف دعا کی تو آپ نے فرمایا: تم اس کے خلاف دعا کر کے اس سے تخفیف نہ کرو۔(۲)

المھلب نے کہا:

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کی دعا کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے جن کے خلاف دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بدر کے کنویں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے دیکھا۔(۳)

ہر جاندار کے پیشاب کا حرام ہونا، ضرورت کے وقت حرام سے علاج، عرینیین کی آنکھوں میں گرم۔۔سلائیاں پھیرنے اور ان کو پانی نہ دینے کی توجیہ۔

(۱)۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پلایا جائے اس حدیث سے امام مالک اور امام احمد نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اور ابوداؤد بن علیہ نے کہا

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱ص ۳۸۸　۲ سنن ابوداؤد: ۱۴۹۷　۳۔ شرح ابن بطال، ج۱ص: ۳۶۳، نعمۃ الباری، ج۱ص: ۷۰۵-۷۰۶

کہ آدمی کے سوا ہر حیوان کا پیشاب پاک ہے خواہ اس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابو یوسف نے کہا کہ ہر پیشاب نجس ہے اور عرینیین کو ان کے مرض کی ضرورت کی وجہ سے اونٹنیوں کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی جیسے خارش کی وجہ سے آپ نے ریشم پہننے کی اجازت دی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کی شفاء اس میں ہے۔ اور حرام چیز سے شفاء طلب کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس شفاء کے حصول کا یقین ہے جیسے اضطرار کے وقت مردار کھانا اور شدید پیاس کے وقت خمر کو پینا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور دوا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔ ان کے اجسام اس سے تندرست ہو گئے۔

علامہ بدرالدین عینی کا موقف:

اگر ہمارے زمانے میں یہ فرض کیا جائے کہ کوئی شخص اپنی قوت علم سے یہ جان لے کہ فلاں مرض کا علاج کسی حرام چیز کو کھانے سے ہو سکتا ہے تو اس کے لیے اس حرام چیز کو کھانا جائز ہے (۱) تاہم ہر قسم کا پیشاب نجس اور حرام ہے کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکثر عذاب قبر پیشاب کے سبب سے ہوتا ہے　نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکثر عذاب قبر پیشاب کے باعث ہوتا ہے۔ (۲) اس حدیث کا عموم اور اطلاق ہر قسم کے پیشاب کو شامل ہے لہذا اس وعید سے بچنے کے لیے ہر قسم کے پیشاب سے احتراز واجب ہے۔

(۲)　امام کو چاہئے کہ جو قبائل اور مسافرین اس کی طرف آئیں ان کی ضروریات اور مصالح میں غور و فکر کرے۔

(۳)　اس حدیث میں علاج کرنے کا ثبوت ہے۔ خواہ حرام چیز سے کرنا پڑے،

(۴)　جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ عرینیین آپ کے اونٹوں اور صدقہ کے اونٹوں کے محافظوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے ہیں تو آپ نے ان کے پیچھے ان کو گرفتار کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ پھر ان پر حدود قائم کی گئیں اس سے معلوم ہوا کہ صحراء میں حدود قائم کرنا جائز ہے۔

(۵)　حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہاری شفاء نہیں رکھی، جس کو تم پر حرام کر دیا ہے۔ (۳) پس جب پیشاب حرام ہے تو اس سے شفاء کیسے حاصل ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حالت اختیار میں اس سے شفاء نہیں ہوگی اور حالت اضطرار میں ہوگی اور حالت اضطرار وہ ہے جب حرام چیز کے علاوہ اور کوئی ذریعہ علاج نہ ہو۔

(۶)　ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور یہ مثلہ کرنا ہے اور مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں، اس لیے ان کے ساتھ قصاصاً ایسا کیا گیا۔

۱۔　عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۳۱

۲۔　سنن دار قطنی: ۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸، مسند احمد، ج ۲ ص: ۳۸۹۔ ۳۸۸۔ ۳۲۶ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص: ۱۲۱۔ المستدرک، ج ۱، ص: ۱۸۳، سنن بیہقی، ج ۲ ص: ۴۱۲

۳۔　سنن بیہقی، ج ۱۰، ص: ۵، کنز العمال: ۲۸۳۲۷۔ شرح معانی الآثار: ۶۲۸ صحیح ابن حبان: ۱۳۹۱، المعجم الکبیر: ۹۷۱۴۔ ۷۴۹۔ ج ۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۷، ص ۲۳، المستدرک، ج ۴ ص: ۲۱۸

(۷)　اس پر اجماع ہے کہ جس کو قتل کرنا واجب ہو اگر وہ پانی مانگے تو اس کو پانی پلا دیا جائے، اور اس حدیث میں ہے کہ وہ پانی مانگ رہے تھے اور ان کو پانی نہیں دیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ اونٹنیوں کے محافظوں کو قتل کر کے اونٹنیاں ہنکا کر لے گئے تھے، اس لیے اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر دودھ نہیں پہنچ سکا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے پیاسے رہے، اور آپ نے ان کے خلاف یہ دعا کی: اے اللہ! ان کو پیاسا رکھ، جنہوں نے آل محمد کو آج رات پیاسا رکھا۔(۱)

جانوروں کے پیشاب اور گوبر کی طہارت اور نجاست میں مذاہب فقہاء:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے پیشاب کی طہارت میں علماء کا اختلاف ہے۔

عطاء نخعی زہری، ابن سیرین کا حکم اور شعبی کا مذہب یہ ہے کہ ان کا پیشاب طاہر ہے امام مالک، ثوری محمد بن الحسن، زفر حسن بن صالح، امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی اور ابوثور کا یہ مذہب ہے کہ تمام قسم کے پیشاب نجس ہیں۔

امام مالک اور امام احمد وغیرہ کی دلیل ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیین کے لیے اونٹنیوں کے پیشاب اور ان کے دودھ کو پینا جائز قرار دیا تھا، اگر اونٹوں کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ انہیں اس کے پینے کی اجازت نہ دیتے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آپ نے اونٹوں کے پیشاب پینے کی عام اجازت نہیں دی تھی، بلکہ صرف عرینیین کو ان کے خاص مرض کی وجہ سے اجازت دی تھی۔ اور آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم تھا کہ ان کا علاج اسی طرح ہوسکتا ہے۔

ابن علیہ اور اہل ظاہر (مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے علاوہ ہر حیوان کا پیشاب پاک ہے اور تمام فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تمام گوبر نجس ہیں، امام مالک، ثوری اور زفر کا مذہب یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا گوبر ان کے پیشاب کی طرح ہوتا ہے۔(۲)

گوبر پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

گوبر پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں یہ حدیث صریح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات جگہوں پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے: (۱) بیت اللہ کی چھت پر، (۲) مقبرہ میں، (۳) گوبر اور لید پر، (۴) مذبح میں، (۵) حمام میں، (۶) اونٹوں کے باڑوں میں، (۷) شارع عام میں۔(۳)

عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نجس جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہے اور حضرت ابوموسیٰ کا گوبر پر نماز پڑھنا

۱۔　سنن نسائی: ۴۰۴۲، عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۲۳۰، ۱۴۲۱، نعمۃ الباری ج ۱، ص: ۶۹۲۔۶۹۳

۲۔　شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۵۶

۳۔　سنن ترمذی: ۳۴۷۔۳۴۶ سنن ابن ماجہ: ۷۴۷۔۷۴۶، مسند احمد: ج ۲: ص ۴۵۱

اس پرمحمول ہے کہ اگر بالفرض انہوں نے گوبر پر ہی نماز پڑھی تھی تو یہ صرف ان کا فعل ہے اور کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔(۱)

بکریوں کے قرب میں پاک جگہ پر نماز پڑھنے کی اجازت اور اونٹوں کے قرب میں نماز پڑھنے کی ممانعت:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھوں:؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس نے پوچھا: کیا میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں (۲)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کا وقت پاؤ اور تم بکریوں کے باڑے میں ہو تو وہاں نماز پڑھ لو کیونکہ وہاں سکون اور برکت ہے اور جب تم نماز کا وقت پاؤ اور تم اونٹوں کے حوض کے پاس ہو تو وہاں سے نکل کر نماز پڑھو کیونکہ اونٹ جن ہیں جن سے پیدا کیے گئے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب وہ بھاگتے ہیں تو کیسے ناک چڑھاتے ہیں (یعنی ان کے مزاج میں شر اور سرکشی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور حقیقت جن اور شیاطین میں سے ہیں۔(۳) اس حدیث میں جن سے مراد شیطان ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے حوض کے قریب نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیاطین سے پیدا کیے گئے ہیں۔(۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لو اور اونٹوں کے حوض کے قریب نماز نہ پڑھو۔(۵)

بکریوں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب ائمہ اور اونٹوں کو شیطان فرمانے کی توجیہ:

علامہ ابو سلیمان احمد بن محمد خطابی المتوفی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل اور اسحاق رھویہ کہتے ہیں کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مباح ہے۔ اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد یہ کہتے تھے کہ جس جگہ اونٹوں کا پیشاب ہو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اونٹوں کے حوض کے پاس یا ان کے بیٹھنے کی جگہ کے پاس نماز پڑھنے سے حدیث میں ممانعت ہے اور ان فقہاء کے نزدیک گایوں کی جگہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب اونٹوں کے حوض کے پاس یا اس کی سمت میں ان کا پیشاب یا ان کی مینگنیاں نہ ہوں، وہاں نماز ہو جائے گی۔

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۳۵۹، عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۲۲۵، فتح الباری، ج ۱، ص ۶۳۷، نعمۃ الباری ج ۱، ص: ۶۹۰۔۶۹۱

۲۔ معرفۃ السنن والآثار، ج ۲، ص ۲۵۸، سنن بیہقی، ج، ص ۴۴۸

۳۔ معرفۃ السنن والآثار: ۱۲۹۰، السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۴۹، کنز العمال: ۱۹۱۷۶

۴۔ سنن نسائی: ۷۳۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۹۱۳، مسند احمد، ۱۶۷۹۹۔ ج ۲۷ مسند احمد: ص ۸۵۳

۵۔ سنن ترمذی: ۳۴۸، مسند احمد ج ۲: ص ۴۵۱

لیکن اپنے اختیار میں اس جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں ان کے نزدیک بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی بھی جانور کے پیشاب، مینگنیوں اور گوبر میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور یہ سب ان کے نزدیک نجس ہیں۔(میں کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے متعلق فرمایا: یہ شیاطین سے ہیں اس سے آپ کی مراد یہ کہ ان میں توحش اور تنفر ہے اور ان میں شر اور فساد ہے اور بعض اوقات یہ نمازی کی نماز کو فاسد کر دیں گے اور عرب ہر سرکش کو شیطان کہتے ہیں۔گویا کہ جب نمازی اونٹوں کے قرب میں نماز پڑھے گا تو وہ اپنی نماز میں اس سے ڈرتا رہے گا۔کیونکہ وہ نماز میں ان کے شر اور فساد سے مامون نہیں ہوگا۔یہ خطرہ رہے گا کہ وہ بھاگتے ہوئے نمازی کو روند ڈالیں گے اور بکریوں کے پاس نماز پڑھنے میں یہ خطرہ نہیں۔(۱)

بعض معاصرین کی کفر و گمراہی پر مبنی عبارت:

عصرِ حاضر کے بعض شارحین نے حدیث نمبر ۳۰۸ کے فوائد و مسائل لکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اگرچہ جرم ہے، مگر کم از کم یہ ہدایت کا راستہ بند نہیں کرتی، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور توہین مستقل طور پر ہدایت کا راستہ بند کر دیتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے وہ سب کے سب کفر پر مرے، مگر محض مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرما دی۔(۱) (العیاذ باللہ تعالیٰ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہی کفر و گمراہی ہے، اور اس سے ہی ہدایت کا راستہ بند ہوتا ہے:

مذکورہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باوجود ہدایت کا راستہ کھلا رہتا ہے۔(نعوذ باللہ من ذلک) یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور ہدایت دو جدا جدا چیزیں ہیں، یہ صریح آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کے خلاف ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور ہدایت لازم و ملزوم ہیں۔اس بارے میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ اور اقوال سلف و خلف حسب ذیل ہیں:

۱۔ معالم السنن مع مختصر المنذری، ج ۱، ص ۲۶۹، نعمۃ الباری ج ۱، ص ۶۹۴۔۶۹۵

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور ہدایت لازم وملزوم ہونے کے بارے میں آیاتِ قرآنی:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۱)

وہی قادر وقیوم ہے جس نے اپنا رسول (محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کردے اگر چہ مشرکین (غلبۂ اسلام کو) ناپسند ہی کریں۔

۲۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۲)

وہی ہے جس نے اپنے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اگر چہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں۔

۳۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳)

اے حبیب! آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوں گے جب تک آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے ہر جھگڑے میں منصف (جج) نہ مان لیں، پھر آپ کے کسی فیصلے کے سبب اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے دل وجان سے تسلیم کرلیں۔

۴۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (۴)

اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کا یہ حق نہیں بنتا کہ ان (مسلمانوں) کا اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوا۔

۵۔ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (۵)

میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں ہی تیرے ذمہ لگیں، اس طرح تو دوزخیوں میں سے ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

۶۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ (۶)

بیشک آپ سے پہلے جلیل القدر رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، میں نے کفار کو کچھ عرصہ تو مہلت دی پھر انہیں عذاب میں مبتلا کردیا (یاد کیجئے) کہ میرا عذاب کتنا خوفناک تھا؟

۷۔ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (۷)

جو شخص راہ راست پر چلتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راہ راست پر چلتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو وہ گمراہ ہو کر اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم جب تک رسول نہ بھیجیں عذاب نہیں دیا کرتے۔

۸۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ (۸)

ہاں انہیں زندہ کرے گا تاکہ ان پر حق واضح کر دے جس میں وہ مسلمانوں کے ساتھ جھگڑے تھے، نیز اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

۹۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۹)

بخدا ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے (جنہیں انہوں نے جھٹلا دیا) پس ہم نے مجرموں سے بدلہ لیا اور مسلمانوں کی امداد ہمارے ذمۂ کرم پر لازم ہے۔

۱۰۔ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ○ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ (۱۰)

ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈر سنانے والا نبی بھیجا تو وہاں کے سرمایہ داروں، نے یہی کہا: ''آپ کو جو دعوت دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔'' اور جو لوگ بمقابلہ کرتے ہوئے ہماری آیتوں کا رد کرنے میں (ناکام) کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں۔

۱۱۔ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۱)

اللہ سچا فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کے سوا اہل مکہ جن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، بیشک اللہ بہت سننے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تاکہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے (رسولوں کو جھٹلانے والے) لوگوں کا انجام کیسا خوفناک ہوا؟ وہ ان سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور زمین میں ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں بھی (اہل مکہ سے) زیادہ تھیں پھر اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔

۱۲۔ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ○ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ (۱۲)

قریش سے پہلے نوح کی قوم، رس نامی کنوئیں والوں اور قوم ثمود نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا۔ جنگل والوں (شعیب کی قوم) اور تبع کی قوم نے (بھی پیغمبروں کو جھٹلایا) ان میں سے ہرایک نے رسولوں کو جھٹلایا پس ان پر میرے عذاب کی وعید نافذ ہوکر رہی۔

۱۳۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۱۳)

بیشک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے گئے جیسے ان سے پہلے ذلیل کئے گئے۔ اور بیشک ہم نے روشن آیتیں نازل کیں اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ جس دن اللہ ان سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں ان کے سب کاموں کی خبر دے گا، اللہ نے وہ سب کچھ محفوظ کر دیا ہے اور وہ اسے بھلا بیٹھے اور اللہ کے سامنے سب کچھ ہے۔

۱۴۔ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَاباً شَدِيداً وَعَذَّبْنَاهَا عَذَاباً نُّكْراً ○ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَاباً شَدِيداً فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً (۱۴)

اور کتنے ہی شہر تھے جن کے باشندوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بہت برے عذاب میں مبتلا کیا۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تو اے عقل والے مومنو! اللہ سے ڈرو بیشک اللہ نے تمہاری طرف قرآن نازل فرمایا ہے۔

ان تمام آیات سے یہ واضح ہے کہ انبیاء اکرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور ہدایت و ایمان لازم وملزوم ہیں۔ حضرات انبیاء اکرام علیہم السلام آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہی کفر وگمراہی اور ہدایت سے دوری کا راستہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخالفت باعث گمراہی وکفر ہے، نہ کہ ہدایت کا راستہ ہے، اس بارے میں مزید وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ التوبہ ۹: ۳۳ ۲۔ الصف ۶۱: ۹ ۳۔ النساء: ۶۵
۴۔ الاحزاب ۳۳: ۳۶ ۵۔ المائدہ ۵: ۹۲ ۶۔ الرعد ۱۳: ۳۲
۷۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵ ۸۔ النحل ۱۶: ۳۹ ۹۔ الروم ۳۰: ۴۷
۱۰۔ صبا ۳۴: ۳۴۔۳۸ ۱۱۔ المومن ۴۰: ۲۱۔۲۲ ۱۲۔ ق ۵۰: ۱۲۔۱۴
۱۳۔ المجادلۃ ۵۸: ۵۔۶ ۱۴۔ الطلاق ۶۵: ۸۔۱۰

اختلاف اور مخالفت میں فرق:

اس ضمن میں اس امر کا جاننا اشد ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختلاف کا دائرہ کیا ہے اور اختلاف کرنے کا حق ہے یا نہیں اور مخالفت کیا ہے، یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ان اشکال (Confusion) کو رفع کیا جاتا ہے۔ کہ شریعت اسلامی اور اختلاف اور مخالفت میں بنیادی فرق کیا ہے بایں طور کہ اختلاف حسد و کینہ بغض وعناد، ارادہ اہانت، نیت تحقیر، توہین وتنقیص اور استحقاف و گستاخی جیسے رذائل اخلاق نہیں ہوتے لیکن مخالفت میں یہ عناصر موجود ہوتے ہیں اس لیے حضور ﷺ سے جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے وہ سراسر کفر اور ارتداد ہے سو اس مفہوم کے اعتبار سے آپ کی مخالفت کرنے والا شخص واجب القتل ہے۔

اختلاف کا دائرہ کار:

اختلاف کے بارے میں شریعت کا واضح اور دوٹوک موقف ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات وفرمودات جن کا تعلق کار نبوت اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے ان سے اختلاف کرنا نہ صرف نا جائز بلکہ کفر ہے اس لیے ان امور میں اختلاف کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: ﷫

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار باقی رہ جائے (اور جس نے اس بات کو نہ سمجھا) اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوا، یعنی جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ فرما دیں تو پھر کسی مومن کا احکام شرعیہ میں اپنی رائے وخیال کے اظہار اور اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس کے بعد رہے وہ احکام اور معاملات جن کا تعلق تجربات (Secular Observatiuons) ان دنیاوی مسائل کے ساتھ جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مثبت طور پر (positively) کوئی حکم ارشاد نہیں فرمایا: یا انہیں اباحت (Discretion) کے دائرے میں رکھا ہے ان میں اگر کوئی اختلاف کرتا ہے اور وہ کفر اور نا جائز نہیں ہے۔ جو مثالیں اختلاف کی ملتی ہیں وہ اس نوعیت کی ہیں جبکہ دوسرے اختلاف کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی اب رہ گئے غیر مسلم تو صاف ظاہر ہے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اختلاف کیا تبھی وہ غیر مسلم ہوئے لہذا غیر مسلم کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہی بات ذہن نشین رہے کہ اہانت رسول اللہ ﷺ کے باب میں صرف مخالفت ہی مراد ہے محض مجرد اختلاف مراد نہیں ہے۔

مخالفتِ رسول اللہ ﷺ باعث اذیت ہے:

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات وفرامین کی اطاعت نہ کر کے مخالفت ومعصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف واذیت دیتے ہیں آپ پر الزام تراشی وزبان درازی کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ کی شان اقدس میں گستاخی واہانت کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کے یہ سبھی اعمال رسول اللہ کو اذیت ورنج دینے کا سبب ہیں۔

چونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ومشاقت کرتے ہیں اس لیے وہ جرم گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن نے مخالفت رسول کرنے والوں کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ آبَاءكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاء إَنِ اسْتَحَبُّواْ الْكُفْرَ عَلَى الإِيمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۱)

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا یہ تو بڑی رسوائی ہے۔

اس آیت کی نقل کرنے کے بعد علامہ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کو ایذا دیتا ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کو اس آیت کے بعد ارشاد فرمایا ﷺ جو یہ ہے اور ان میں بعض نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں (بدگوئی کرتے ہیں) اور کہتے ہیں ہر کسی کی بات کان دھر کر سن لیتا ہے۔ (۲)

امام زمخشری نے آیت ۲۳ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے۔ (۲)

تو گویا وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کو اپنا وطیرہ حیات بنالیا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف بر سر عام زبان درازی اپنا شعار بنایا ہے غرور وتکبر، رعونت ونخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو آگاہ ہو جانا چاہیے کہ ان پر رب کی گرفت آنے والی ہے۔ انہیں کچھ عرصے کے لیے ڈھیل دے دی گئی۔ اگر پھر یہ نہ سنورے تو ان کو ایسی سزا دی جائے گی جس کا یہ تصور بھی نہیں کر سکتے، دنیا و آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی گستاخی واہانت کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو گئے، ضلالت وگمراہی ان کا مقدر بن جائے گی۔ یہ درحقیقت ان کی بہت بڑی بدبختی ہے۔

مخالفت رسول ﷺ سے ضلالت ورسوائی:

انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ومخاصمت، عداوت ودشمنی اور معصیت ونافرمانی کی وجہ سے ذلت ورسوائی کے عمیق گڑھوں میں گر جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ اصول ہے کہ فریقین میں سے کسی کی ذلت ورسوائی فریق ثانی کی عزت و عظمت کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ومشاقت کرنے والے خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و حرمت عظمت وناموس غیر متناہی و بے حساب ہے اس بنا پر جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اس کی ذلت ورسوائی بھی بے انتہا ہو گئی۔ اس جیسا ذلیل وخوار شخص پوری مخلوق میں نہ ہو گا۔ اور نہ ہی کوئی آنکھ اس جیسا ذلیل اور بدبخت فرد دیکھ سکے گی۔ گویا یہ بات واضح ہوئی کہ مخالفت رسول ﷺ کے ارتکاب سے انسان خود طبقہ اذلین میں شامل کرتا ہے۔

۱۔ توبہ ۹:۲۳ ۲۔ الصارم المسلول، ص ۴۱

۳۔ الکشاف، ج ۲، ص ۲۸۵

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ○ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (۱)

درحقیقت جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ذلیل لوگ ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوت والا اور غلبے والا ہے۔

كانت ذلة من يحاده كذالك و ذالك بالسبى و القتل فى الدنيا و عذاب النار فى الاخرة (۲)

علامہ اسماعیل حقی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و عداوت کرنے والوں کے لیے دینا و آخرت میں ذلت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے، اس کے لئے ذلت اور رسوائی ہے اور یہ دنیا میں قید اور قتل اور آخرت میں عذاب دوزخ کی صورت میں ہوگی۔

اسی آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں لفظ اذل آیا ہے جس کے معنی و مفہوم میں زیادتی لفظ ذیل بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ مزید برآں اطلاق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جب تک انسان کا خون و مال محفوظ رہتا ہے وہ اس وقت تک مباح الدم نہیں ہوتا، مگر جوں ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بے ادبی و گستاخی اور مخالفت و مخاصمت کا کوئی اقدام کرتا ہے تو مباح الدم ہو جاتا ہے اور اپنی جان و مال اور خون کے بارے میں عدم تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے اور عجیب قسم کے خوف و وحشت میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا یہ خوف اس کو طبقہ اذلین میں شامل کر دیتا ہے پھر وہ معصوم الدم نہیں رہتا بلکہ اس کا قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے جان و مال کی مخالفت کا عہدو پیمان گستاخی و اہانت رسول ﷺ کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے والے کا کوئی ایسا عہدو پیمان باقی نہیں رہتا جو اس کے خون کو محفوظ کرے۔ (۳)

اذیت رسول ﷺ کے ارتکاب کے لمحے سے ہی وہ مباح الدم ہوتا ہے۔ اور اسے قتل کرنا امت مسلمہ پر واجب ہو جاتا ہے۔

گستاخی و اہانت رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کی ذلت و رسوائی بیان کرنے کے بعد اللہ رب العزت اہل ایمان کی عزو عظمت بیان کرتا ہے کہ اللہ نے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ وہ ہمیشہ دین اسلام کے پیروں کاروں اور رسول مکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو غالب کرے گا۔ مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے غلبے کی دو صورتیں تھیں بعض انبیاء علیہم السلام کی بعثت ''غلبہ بالحرب'' کے ساتھ ہوئی اور انہوں نے کفار و مشرکین کو ایمان لانے کی دعوت دی، جب انہوں نے تسلیم و رضا سے انکار کیا تو ان کے ساتھ جہاد کیا اللہ رب لعزت نے فتح و نصرت

۱۔ المجادلہ ۵۸: ۱۹۔۲۰　　۲۔ روح البیان، ج ۹، ص ۴۱۰　　۳۔ الصارم المسلول، ص ۲۲

سے نوازا۔ بعض انبیاءؑ کی بعثت ''غلبہ بالحجہ'' کے ساتھ ہوئی انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت اور وحدانیت و معبودیت کو دلائل و براہین کے ساتھ واضح کیا یوں کفار و مشرکین پر غالب و فائق رہے درحقیقت اللہ رب العزت ہی اپنے انبیاء و صالحین کو دشمنان اسلام پر غالب و برتر کرنے کی قوت وقدرت رکھتا ہے۔

مخالفت مصطفیٰ ﷺ ہلاکت کا باعث ہے:

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و مخاصمت کو اپنا طرز عمل اور اشعار حیات بنایا اور جب وہ اس روش پر چل پڑے تو ہر دور میں ذلیل و خوار ہوئے تباہی و بربادی اور ہلاکت ان کا مقدر ٹھہری۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ (۱)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ایسے ہی ذلیل (وخوار) ہوں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے صاف صاف آیتیں اتاری ہیں اور (واضح رہے کہ) کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

مذکوہ آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عداوت و مخالفت و مخاصمت، دشمنی وعناد رکھتے ہیں، سرکشی و بغاوت کی راہ اختیار کرتے ہیں مخالفت و مشاقت کا طرز عمل اپناتے ہیں تو ایسے لوگ اللہ رب العزت کے دستور کے مطابق ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوں گے جیسے امم سابقہ میں لوگوں نے اللہ کے برگزیدہ و مقرب رسولوں کی مخالفت و مخاصمت کر کے گمراہی و ضلالت و ذلت و رسوائی کو اپنا مقدر بنایا باوجود اس کے پروردگار عالم نے اپنے رسولوں کی سچائی و صداقت پر ان کے سامنے واضح اور بین نشانیاں رکھیں انبیاءؑ سے بے شمار معجزات رونما ہوئے، لیکن وہ سب کچھ کھلی آنکھ سے دیکھنے کے باوجود انکاری رہے اور ان کی تکذیب واہانت کرتے رہے اس لیے کافر و مشرک رہے قرآن نے ان ہی لوگوں کے لیے کہا۔

کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ گویا یہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔

آیت کریمہ میں لفظ ''کبتوا'' استعمال ہوا ہے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ: ''وہ ہلاک و تباہ، ذلیل، و رسوا مغموم و پریشان کیے گئے۔ (۲)

اس مقام پر بجائے صیغہ مضارع کے صیغہ ماضی ''کبتوا'' ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جو اپنی خاصیت کے اعتبار سے کسی بات کے تحقق و ثبوت اور اس کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب بھی کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مخالفت و مخاصمت، عداوت و دشمنی اور گستاخی واہانت کا ارتکاب کیا تو اسی لمحے اس کی دولت ایمان لٹ جائے گی وہ یقیناً تباہی و ہلاکت کے گڑھوں میں گر جائے گا۔

۱۔ المجادلہ ۵:۵۸　　۲۔ الصارم المسلول، ص ۲۳

علامہ ابن تیمیہ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ منافقین چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و مخاصمت کرتے تھے نتیجۃً وہ تباہ اور ہلاک و فنا ہوئے حالانکہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ اگر انہوں نے کھلم کھلا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دشمنی و عداوت و اہانت و گستاخی کا ارتکاب کیا تو وہ از روئے شرع قتل کر دیے جائیں گے۔

(انہیں منافقین کو اس بات کا خدشہ تھا کہ) اگر انہوں نے اپنے دلوں میں پوشیدہ اہانت و گستاخی رسول ﷺ کو ظاہر کیا تو وہ قتل کر دیے جائیں گے، پس (اس سے یہ بات معلوم ہوئی) ہر مخالف و گستاخ رسول کو قتل کرنا واجب ہے۔

دشمن رسول اللہ ﷺ کی دنیا و آخرت میں سزا:

انسان ہر دور میں اپنے مقصد تخلیق کو بھول کر احکام الٰہی سے بغاوت اور سرکشی کا مظاہرہ کرتا رہا ہے اور اپنی عاقبت اور انجام سے غافل ہو کر خواہشات نفس کی تکمیل میں کھویا رہا ہے اور تزکیہ نفس کو نظر انداز کیے رہا جس کے سبب ہدایت ربانی سے مسلسل منحرف رہا اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب و توہین کا کھلم کھلا اور اعلانیہ ارتکاب کرتا رہا اور ان کی مخالفت و مخاصمت کو اپنا مقصد حیات بھی بنائے رکھا جب ہم سابقہ امم کے احوال کا مطالعہ کرتے ہیں تو اہل یہود میں مذکورہ طرز عمل کی عملی تصویر کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے اس طرز عمل وفکر پر انہیں عذاب شدید کی وعید بھی سنائی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْلَآ أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱)

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان (یہود) کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو سخت سزا دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لیے آگ کا عذاب (تیار ہی) ہے یہ (عذاب ان کو) اس لیے (ہوگا) کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے رہے۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ کا عذاب ایسے لوگوں کے لیے بڑا سخت ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اہانت رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اس دنیا اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و دشمنی کو اختیار کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو تکلیف و اذیت رنج و دکھ دینا ہی مخالفت و عداوت رسول ﷺ ہے۔ علامہ تیمیہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے عذاب دنیا کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔

دنیا میں انہیں عذاب دینے سے مراد قتل ہے:

اس لیے جب کوئی جرم اہانت و گستاخی رسول ﷺ سے نچلے و پست درجے کا ہو تو ایسی صورت میں جلاوطنی اور مال غصب کر لینے کا عذاب ہے مگر جب مسئلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عداوت و دشمنی اور گستاخی و اہانت، استخفاف و تحقیر، تنقیص و تشنیع کا ہو تو اس صورت میں قتل

۱۔ الحشر ۵۹: ۳۔۴

کرنا ہی ضروری ہے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہے جبکہ آخرت میں بھی ان کے لئے انتہائی ذلت آمیز اور دردناک عذاب ہوگا۔ یوں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ومخاصمت کر کے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ (۱)

سورہ انفال میں ارشاد فرمایا:

فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۲)

پس (اے مسلمانو!) تم ان (کافروں) کی گردنوں پر مار واور ان کے پور پور پر مارو (گردنیں اڑا دو کہ فنا ہی ہو جائیں یا جوڑوں پر مارو کہ قیام وقرار جاتا رہے) یہ (کافروں کو مارنا) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ (اس کے لیے) سخت عذاب کرنے والا ہے۔

اس آیت مقدسہ کے پہلے حصے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے کفار اور گستاخان رسول ﷺ کے دلوں میں رعب ودبدبہ، حزن وملال اور خوف ڈالنے اور پھر آیت مذکورہ کے ان الفاظ (فاضرِ بوا فوق الا عناق) میں ان کے قتل کرنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے چونکہ دشمنی وعداوت، بغض وعناد رکھتے ہیں اس بنا پر اس چیز کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں اور انہیں ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کر دیا جائے، صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان بھی مٹا دیا جائے۔ قیامت تک ہر دور میں جو بھی رسول اللہ ﷺ کا مخالف، موذی اور دشمن ہے اس کی یہی سزا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کے گستاخوں کو مخالفت ومشاقت کی وجہ سے قتل کرنے کا حکم دیا پس ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے تو اسے اس علت کے پائے جانے کی وجہ سے قتل کرنا واجب ہے۔ (۳)

۱۔ الصارم المسلول، ص ۲۴ ۲۔ الانفال ۸: ۱۲۔۱۳

۳۔ تحفظ ناموس رسالت، ص ۱۳۱، ۱۴۳

ثبوتِ علمِ غیب میں احادیث مبارکہ:

(ا)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دن کے قیام فرما ہونے سے لے کر قیامت تک کی کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرما دیا ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔ اس واقعہ کو میرے دوست احباب جانتے ہیں، بعض چیزوں کو میں بھول گیا تھا لیکن جب میں انہیں رونما ہوتے دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہیں جس طرح کوئی شخص کسی شخص کا چہرہ بھول جاتا ہے اور جب وہ سامنے آتا ہے تو اسے پہچان لیتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔(۱)

(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کی ابتدا سے لے کر جنتوں کے جنت میں داخل ہو جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہو جانے تک ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا، یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا، سو وہ بھول گیا، اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔(۲)

(۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر ایک بات بتا دی تھی، اور کوئی ایسی بات نہ رہی جسے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہ ہو، البتہ میں نے یہ نہ پوچھا کہ اہل مدینہ کو کون سی چیز مدینہ سے نکالے گی؟ اسے امام مسلم، احمد، بزار، حاکم، ابن مندہ اور طیالسی نے روایت کیا ہے۔ ابن مندہ نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے(۳)

(۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں ہماری امامت فرمائی، اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور ہم سے خطاب فرمایا: یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے نیچے تشریف لے آئے نماز ظہر پڑھائی۔ بعد ازاں پھر منبر تشریف فرما ہوئے، اور ہم سے خطاب فرمایا حتیٰ کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور نمازِ عصر پڑھائی، اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر اس بات کی خبر دی جو آج تک وقوع پذیر ہو چکی تھی جو قیامت تک رونما ہونے والی تھی۔ حضرت عمرو بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے (ان حقائق کو) زیادہ جاننے والا وہی تھا جو ہم میں سے سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔ اسے امام مسلم، ترمذی،

۱۔ بخاری:۶۲۳، مسلم:۲۸۹۱، مسند:۲۳۳۲۲، ابوداؤد:۴۲۴، ترمذی:۲۱۹۱، والبزار:۲۸۰۶

۲۔ بخاری:۳۰۲

۳۔ مسلم:۲۸۹۱، مسنداحمد:۲۳۳۲۹، بزار:۲۷۹۵، حاکم:۸۳۱۱، طیالسی:۴۳۳ کتاب الایمان:۱۹۹۶ السنن الواردۃ،۴۰۸

ابو یعلی، حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے: مذکورہ حدیث کے باب میں حضرت حذیفہ، ابو مریم، ابو زید بن اخطب اور مغیرہ بن شعبہ سے بھی روایات منقول ہے۔ ان تمام صحابہ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا تھا جو قیامت تک ہونے والا ہے: اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۱)

(۵۔۹)

حضرت (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (معراج کی رات) میرا رب (اپنی شان کے لائق) نہایت حسین صورت میں میرے سامنے آیا اور فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا: میرے پروردگار! میں حاضر ہوں اور سب سعادت تیری (طرف سے) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عالمِ بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں نہیں جانتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں وہ سب کچھ جان گیا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔

اسے امام احمد نے، ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جان گیا جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور اسی طرح ہم ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھا رہے ہیں۔ اور (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہو جائے۔

اسے امام احمد اور ترمذی نے اور دارمی نے مذکور الفاظ سے روایت کیا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت (اپنی شان کے مطابق) میرے شانوں کے درمیان رکھا، تو میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ اور مجھ پر ہر ایک شے کی حقیقت ظاہر کر دی گئی جس سے میں نے (کائنات کی ہر شے کی حقیقت کو) جان لیا۔ اسے امام احمد، ترمذی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ مذکورہ الفاظ امام ترمذی کے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (نیز یہ بھی فرمایا:) میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری (صاحب الصحیح) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا و آخرت میں مجھ سے کیے جانے والے جملہ سوالات کے جوابات کو میں نے اسی مقام پر جان لیا۔

اسے امام طبرانی اور رویانی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دنیا و آخرت کی ہر شے کی حقیقت جان بھی لی اور دیکھ بھی لی۔

۱۔ مسلم: ۲۸۹۲ ترمذی: ۲۱۹۱ ابو یعلی: ۲۸۴۴ حاکم: ۸۴۹۸
ابن حبان: ۲۲۳۸ طبرانی: ۴۶ الاحاد والمثانی: ۲۱۸۳

اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر (اس کے بعد) کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھ سے کسی شے کے متعلق سوال کیا گیا ہو اور میں اسے جانتا نہ ہوں۔ اسے امام ابن ابی شیبہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن اور رجال ثقہ ہیں۔ (۱)

(۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسریٰ ہلاک ہو گیا، اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا، اور عنقریب قیصر بھی ہلاک ہو جائے گا پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا۔ اور تم ضرور بالضرور ان کے خزانوں کو راہِ خدا میں تقسیم کرو گے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲)

(۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا۔ اور جب قیصرہ تباہ ہو گیا تو اس کے بعد قیصر بھی کوئی نہیں ہو گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور دونوں کے خزانوں کو راہِ خدا میں خرچ کرو گے۔ (۳)

(۱۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ ایک شخص نے فاقے کی شکایت کی، پھر دوسرا شخص آیا اور ڈاکہ زنی کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: دیکھا تو نہیں لیکن سنا ضرور ہے فرمایا: اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم ضرور دیکھو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی لیکن اسے خدا کے سوا کسی دوسرے کا خوف نہیں ہو گا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت قبیلہ طے کے ڈاکوؤں کو کیا ہو جائے گا۔ جنہوں نے آج شہروں میں آگ لگا رکھی ہے۔ پھر فرمایا: اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم ضرور کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہو جاؤ گے۔ میں عرض گزار ہوا: کیا کسریٰ بن ہرمز کے؟ فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے۔ پھر فرمایا: اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم ضرور دیکھو گے کہ آدمی ہتھیلی کے برابر سونا لے کر نکلے گا یا چاندی لے کر تلاش کرے گا کہ کوئی اسے (بطور صدقہ) قبول کرے لیکن اسے لینے والا کوئی نہیں ملے گا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھ لیا کہ ایک بڑھیا نے حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اسے خدا کے سوا اور کسی کا خوف نہ تھا، میں

۱۔ المسند: ۳۴۸۴، ۲۲۱۶۲، ۲۳۲۵۸، ۳۲۳۵، ۳۲۲۳، ترمذی: ۳۲۲۳، الدارمی: ۲۱۴۹، ابویعلی: ۲۶۰۸، ابن ابی شیبۃ فی المصنف: ۳۱۸۰۶، طبرانی: ۸۱۱۷، ایضاً: ۲۱۶۔۶۹۰، الرویانی فی المسند: ۶۰۶، ایضاً: ۱۲۴۱، وابن ابی عاصم فی السنۃ: ۴۶۵، الاحاد والمثانی: ۲۵۸۵، عبد بن حمید فی المسند: ۶۸۲، عبداللہ بن احمد: ۱۱۲۱، التمہید: ۲۴/ ۳۲۳، نوادر الاصول: ۳/ ۱۲۰، الترغیب والترھیب: ۱۵۹۱ الزوائد: ۷/ ۱۷۶۔۱۷۸!

۲۔ بخاری: ۲۸۶۴۔۳۴۲۲۔۳۴۲۳، مسلم: ۲۹۱۸

۳۔ بخاری: ۲۸۶۴۔۳۴۲۲۔۳۴۲۳، مسلم: ۲۹۱۸

ان حضرات میں خود شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور میری عمر نے اگر وفا کی تو حضور نبی اکرم ﷺ ابوالقاسم رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا، کہ ایک آدمی ہتھیلی پھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا، ضرور اسے بھی دیکھ لوں گا۔ اسے امام بخاری اور اصبہانی روایت کیا ہے۔(۱)

(۱۳)

حضرت جابر بن سمرہ ا بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کی یا مومنوں کی ایک جماعت ضرور آلِ کسریٰ کے اس خزانے کو فتح کرے گی جو قصرِ ابیض میں ہے۔(۲)

(۱۴)

امام شافعی بیان کرتے ہیں: ہمیں بعض اہل علم نے بتایا، کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ مال و متاع جو عراق میں (لشکر اسلام کو) حاصل ہوا، پیش کیا گیا تو بیت المال کے نگران نے کہا: میں اس مال کو بیت المال میں جمع نہ کر دوں؟ انہوں نے فرمایا: نہیں رب کعبہ کی قسم! اس وقت تک (مجھ سے) گھر نہیں جایا جائے گا جب تک میں اسے تقسیم نہ کرلوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس مال کے بارے میں حکم دیا تو اسے مسجد میں رکھ دیا گیا اور اس کے اوپر چمڑے کے غلاف ڈال دیے گئے اور مہاجرین و انصار کے لوگوں نے اس کی حفاظت کی۔ پھر اگلے روز آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ (اس حال میں) صبح کی کہ آپ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ پکڑا یا ان دونوں میں سے ایک نے آپ کے ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور اس مال کی طرف چلے جا رہے تھے، سو جب مال کے محافظوں نے آپ کو دیکھا تو چمڑے کے غلاف ہٹا دیے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا منظر دیکھا جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے اس مال میں سونا، یاقوت، زبرجد اور نہایت چمکتے ہوئے موتی دیکھے، تو آپ رو پڑے۔ ان دونوں میں سے کسی نے کہا: اے عمر! یہ رونے کا نہیں بلکہ شکر اور خوشی کا دن ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس طرف نہیں گیا جس طرف تو گیا ہے۔ (یعنی مجھے یہ سوچ کر رونا آ گیا) کہ بخدا! جس قوم میں یہ مال کثیر ہو جاتا ہے، ان کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کیا: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ڈھیل دیا ہوا بنوں، بے شک میں تجھے یہ فرماتے سنتا ہوں: ﴿سنستدرجھم من حیث لا یعلمون﴾ ہم عنقریب ان کو آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جائیں گے ایسے طریقے سے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہو گی۔

پھر فرمایا: سراقہ بن جعشم کہاں ہے؟ انہیں لایا گیا اور وہ بہت زیادہ بالوں والے اور باریک بازوؤں والے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کسریٰ کے کنگن دیے اور فرمایا: انہیں پہن لو۔ انہوں نے وہ (سونے کے) کنگن پہن لیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر۔ پھر فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ کنگن کسریٰ بن ہرمز سے لیے اور سراقہ بن جعشم کو۔ جو کہ بنو مدلج کا ایک دیہاتی ہے۔ (حضور

۱۔ بخاری: ۳۴۰۰، دلائل النبوۃ: ۹۱، السنن الکبریٰ: ۹۹۱۱ ۲۔ مسلم: ۲۹۱۹، المسند: ۲۰۹۸۳،۰۸۵۴، ابو یعلی: ۷۴۴۴

ﷺ کی غلامی کے صدقے) پہنا دیے۔ پھر آپ اس سامان کو الٹ پلٹ کرنے لگے اور فرمایا: جس نے یہ سامان آگے پہنچایا وہ یقیناً امانت دار ہے۔ ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں، وہ لوگ آپ کو یہ امانتیں اس وقت تک سونپتے رہیں گے جب تک آپ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے رہیں گے، اور جب آپ خوشحال ہوں گے تو وہ بھی خوشحال ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس مال کو تقسیم کر دیا۔ (۱)

(۱۵)

امام ابن عبد البر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن مالک کو فرمایا: اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟ راوی بیان کرتے ہیں پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن اور اس کا کمر بند اور اس کا تاج لایا گیا تو آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور انہیں وہ کنگن پہنا دیے۔ اور حضرت سراقہ بہت زیادہ بالوں والے تھے، آپ نے انہیں فرمایا: اپنے ہاتھ کو بلند کرو پھر آپ نے فرمایا: اللہ اکبر، تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کسریٰ بن ہرمز سے جو خود کو لوگوں کا رب کہتا تھا یہ کنگن اتراوے اور سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنائے جو کہ بنو مدلج کا ایک دیہاتی شخص ہے، پھر اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (۲)

(۱۷)

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں استراحت فرما تھے، پھر آپ ﷺ تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ) آپ کو کس چیز نے ہنسا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ میری امت کے کچھ لوگ پیش کیے گئے جو اس سبز سمندر پر اس طرح سوار ہوں گے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر سوار ہوتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیجیے، کہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر لے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور پھر استراحت فرما ہو گئے۔ اس دفعہ بھی پچھلے واقعہ کی طرح ہوا (یعنی آپ ﷺ تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا،) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پہلے کی طرح سوال کیا اور آپ ﷺ نے بھی پہلے کی طرح جواب ارشاد فرمایا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا پھر عرض گزار ہوئیں: (یا رسول اللہ ﷺ) بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ مجھے بھی اس گروہ میں شامل فرما دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم پہلے گروہ میں شامل ہو۔ پھر وہ اپنے خاوند حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں نے پہلی دفعہ سمندری سفر کیا، جب وہ اپنے جہاد سے فارغ ہو کر قافلوں کی صورت میں واپس لوٹے، تو ملک شام میں اترے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی سواری کے لیے ایک جانور لایا گیا اور ان کے سوار ہونے کے لیے اسے قریب کیا گیا مگر اس نے انہیں گرا دیا، جس سے (زخمی ہو کر) ان کی وفات ہو گئی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۳)

۱۔ کتاب الام: ۴/۱۰۷، السنن الکبریٰ: ۱۲۸۱۲ ۲۔ الاستیعاب: ۹۱۶

۳۔ بخاری: ۲۶۴۶، ۲۷۲۲، ۲۷۳۷، ۲۷۳۲ مسلم: ۱۹۱۲ المسند: ۱۳۸۱۶ ابوداؤد: ۲۴۹۰ ترمذی: ۱۶۴۵

(۱۸)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میری امت میں سے جو گروہ سب سے پہلے بحری جہاد کرے گا، انہوں نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ہاں تم بھی ان میں ہو۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر روم کے پایہ تخت میں جنگ کرے گا، اس کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں ان میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (۱)

(۱۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا: خبردار ہو جاؤ! فتنہ ادھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہیں سے شیطان کا گروہ ظاہر ہوگا، (بعد ازاں خوارج کا گروہ اسی سمت سے نکلا تھا) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲)

(۲۰)

حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما اور ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور ہمارے مشرق میں (بھی برکت کے لے دعا فرمائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہاں سے تو شیطان کا گروہ نکلے گا اور وہاں دس میں سے نو حصوں کے برابر شر ہوگا۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے فرمایا: امام احمد کی سند کے رجال عبد الرحمٰن بن عطاء کے رجال ہیں جو کہ ثقہ ہے۔ (۳)

(۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے یا نکلیں گے جو نوعمر اور عقل سے کورے ہوں گے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کریں گے، لیکن ایمان ان کے اپنے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے وہ یوں خارج ہوگے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ تم انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر دینا کیوں کہ ان کو قتل کرنے والوں کو قیامت کے دن ثواب ملے گا۔ (۴)

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: یہ روایت حضرت علی، حضرت ابو سعید اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم

۱۔ بخاری: ۲۷۶۶، المعجم الکبیر: ۳۲۳، المعجم الاوسط: ۶۸۱۲، ۴۴۴۔۴۴۵، ابن ابی عاصم فی الجهاد: ۲۸۴ الاحاد والمثانی: ۳۳۱۳

۲۔ بخاری: ۳۱۰۵، ۳۳۲۰، مسلم: ۲۹۰۵، المسند: ۵۴۲۸ الموطا: ۱۷۰۷ ابن حبان: ۶۶۴۹

۳۔ المسند: ۵۶۴۲، المعجم الاوسط: ۱۸۸۹، ۱۴۳۳، مجمع الزوئد: ۱۰/۵۷

۴۔ بخاری: ۶۰۳۱، مسلم: ۱۰۶۶، المسند: ۶۱۶، ۹۱۲، ۱۰۸۶، ترمذی: ۲۱۸۸، النسائی: ۴۱۰۲، ابن ماجہ: ۱۶۸

سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کے علاوہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے اترے گا وہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہوں گے لیکن جس طرح تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ بے شک وہ خوارج احروریہ ہوں گے اور اس کے علاوہ خوارج میں سے (دیگرہ فرقوں پر مشتمل) لوگ بھی ہوں گے۔ (۱)

(۲۲)

حضرت ابوسلمہ ار حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ دونوں سے مروی ہے کہ وہ دونوں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے احروریہ کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ حروریہ کیا ہے؟ ہاں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں سے کچھ ایسے لوگ نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ایک ایسی قوم نکلے گی (بلکہ لوگ فرمایا) جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں حقیر جانو گے، وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے۔ لیکن یہ (قرآن) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یا یہ فرمایا کہ ان کے نرخرے سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲)

(۲۳)

حضرت زید بن وہب الجہنی بیان کرتے ہیں، کہ وہ اس لشکر میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوارج سے جنگ کے لیے گیا تھا حضرت علی نے فرمایا: اے لوگو میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: میری امت میں سے ایک قوم ظاہر ہوگی وہ ایسا (خوب صورت) قرآن پڑھیں گے کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، نہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت ہوگی۔ وہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے، کہ وہ ان کے لیے مفید ہے لیکن درحقیقت وہ ان کے لیے مضر ہوگا نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اتر سکے گی اور وہ اسلام سے ایسے نکلے جائیں گے، جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔ اسے امام مسلم، احمد، ابوداؤد، نسائی، اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ (۳)

(۲۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کا ذکر کیا، جو آپ ﷺ کی امت میں پیدا ہوگا، اس کا ظہور اس وقت ہوگا، جب لوگوں میں فرقہ بندی ہو جائے گی۔ ان کی علامت سر منڈانا ہوگی، اور وہ مخلوق میں سب سے بدتر (یا بدترین) ہوں گے، اور انہیں دو جماعتوں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی، پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کی ایک مثال بیان کی، اور انہیں دو جماعتوں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہو گی ، پھر آپ ﷺ نے نے ان لوگوں کی ایک مثال بیان

۱۔ ترمذی: ۲۱۸۸　　۲۔ بخاری: ۶۵۳۲، ۱۷۷/۴، مسلم: ۱۰۶۴، المسند: ۱۱۰۹۶، الموطا: ۴۷۸/۸، السنن الکبری: ۸۰۸۹

۳۔ مسلم: ۱۰۶۶، المسند: ۸۰۶، ابوداؤد: ۴۷۶۸، السنن الکبری: ۸۵۷۱، المصنف: ۱۴۷/۱۰، بزار: ۵۸۱

فرمائی کہ جب آدمی کسی شکار یا نشانہ کو تیر مارتا ہے تو پر کو دیکھتا ہے اس میں کچھ اثر نہیں ہوتا اور تیر کی لکڑی کو دیکھتا ہے اور وہاں بھی اثر نہیں ہوتا، پھر اس حصہ کو دیکھتا ہے جو تیر انداز کی چٹکی میں ہوتا ہے تو وہاں بھی کچھ اثر نہیں پاتا۔ (یعنی تیر شکار پر اپنا کام کر جاتا ہے مگر اس پر خون کے آثار نہیں ہوتے (۱)

(۲۵)

حضرت ابو سعد خدری اور حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب امت میں اختلاف اور تفرقہ بازی ہوگی، ایک قوم ایسی ہوگی کہ وہ لوگ گفتار کے اچھے اور کردار کے برے ہوگے۔ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے (پار) نکل ہو جاتا ہے اور واپس نہیں آئیں گے جیسا کہ تیر کمان میں واپس نہیں آتا وہ ساری مخلوق میں سب سے برے ہوں گے خوشخبری ہو اسے جو انہیں قتل کرے اور جسے وہ قتل کریں، (بہ ظاہر وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ (در حقیقت) ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ان کا قاتل ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی نشانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سر منڈانا، ایک روایت میں حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی نشانی سر منڈانا اور اکثر منڈائے رکھنا ہے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نے مذکور الفاظ میں، ابن ماجہ نے اختصار سے اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ (۲)

(۲۶)

حضرت ابو غالب نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا، کہ انہوں نے مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر (خارجیوں) سر نصب کیے ہوئے دیکھے تو فرمایا (یہ) جہنم کے کتے، آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہیں۔ اور وہ شخص بہترین مقتول ہے جسے انہوں نے قتل کیا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ﴾ جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوگے۔ ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامام عرض کیا: کیا آپ نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے ایک، دو، تین، چار۔ یہاں تک کہ سات بار تک گنا۔ سنا ہوتا تو تم سے بیان نہ کرتا (یعنی بار ہا سنا ہے۔)۔ اسے امام احمد، ترمذی، نے مذکورہ الفاظ میں، حاکم طبرانی، اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ (۳)

(۲۷)

حضرت شریک بن شہاب نے بیان کیا ہے کہ مجھے اس بات کی شدید خواہش ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی سے ملوں اور ان سے خوارج کے متعلق دریافت کروں۔ اتفاقاً میں نے عید کے روز حضرت ابو برزہ کو ان کے کئی دوستوں کے ساتھ دیکھا میں

۱۔ مسلم: ۱۰۶۴، المسند: ۱۱۰۳۱، السنۃ: ۱۴۸۲ ۲۔ المسند: ۱۳۳۶۲، ابوداؤد: ۴۷۶۵، ابن ماجہ: ۱۶۹، حاکم: ۲۶۵۰

۳۔ المسند: ۲۲۲۶۲ ترمذی: ۳۰۰۰ حاکم: ۲۶۵۴، ۲۶۵۵ مسند الشامیین: ۱۲۷۹ المعجم الکبیر: ۸۰۴۴

السنن الکبیر: ۱۶۵۵۹

نے ان سے سے دریافت کیا: کیا آپ نے خارجیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں میں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کچھ مال پیش کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو تقسیم فرما دیا، جو دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور جو لوگ پیچھے بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ عنایت نہ فرمایا چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے نے کہا اے محمد! آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ شخص سیاہ رنگ، سر منڈا اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ (امام احمد بن حنبل نے اضافہ کیا اس کی دونوں آنکھ کے درمیان (یعنی پیشانی پر) سجدوں کا اثر نمایاں تھا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! تم میرے بعد مجھ سے بڑھ کر کسی شخص کو انصاف کرنے والا نہ پاؤ گے پھر فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ۔ (۱)

(۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور میں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم میں ایسے لوگ ہوں گے، جو عبادت کریں گے اور اپنی عبادت میں تندہی کا م لیں گے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کو بھلے لگیں گے، اور وہ خود بھی اپنے آپ (اور اپنی نمازوں) پر اتریں گے، حالانکہ وہ دین سے اس طرح خارج ہو گے، جس طرح کہ تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام ہیثمی نے فرمایا: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (۲)

(۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ کے کچھ لوگ پیدا ہو گے جو دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے۔ لوگوں کے سامنے بھیڑ کی کھالوں کا نرم لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شریں ہو گی (ایک روایت میں ہے کہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوں گی) اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح (خونخوار) ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا یہ لوگ مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا مجھ پر جسارت کرتے ہیں؟ (کہ مجھ سے نہیں ڈرتے؟) مجھے اپنی (ذات) کی قسم! جو لوگ ان میں سے ہوں گے، میں ضرور ان پر ایسے فتنے بھیجوں گا، جو ان میں سے بردبار لوگوں کو بھی حیران کر دیں گے۔ اسے امام ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن مبارک، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مجھے جس چیز کا تم پر خدشہ ہے وہ ایک ایسا آدمی ہے جس نے قرآن پڑھا یہاں تک کہ اس پر اس قرآن کا جمال دیکھا گیا اور وہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اس وقت اسلام کی خاطر دوسروں کی پشت پناہی بھی کرتا تھا۔ پس وہ اس قرآن سے دور ہو گیا، اور اس کی اپنی پشت پیچھے پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر نے قرآن پڑھا یہاں تک کہ اس پر اس قرآن کا جمال دیکھا گیا اور وہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اس وقت اسلام کی خاطر دوسروں کی پشت پناہی بھی کرتا

۱۔ المسند: ۹۷۹۸، النسائی: ۴۱۰۳، السنن الکبیر: ۳۵۶۶، بزار: ۳۸۴۶، حاکم: ۲۶۴۷، ابن ابی شیبہ: ۳۷۹۱۷، السنۃ: ۹۲۷، الطیالسی: ۹۲۳، مجمع الزوائد: ۲۲۹/۶

۲۔ المسند: ۱۲۹۰۹، الزوائد: ۲۲۹/۶

۳۔ ترمذی: ۲۴۰۴، ابن ابی شیبۃ: ۳۵۶۲۴، الزھد: ۵۰، المعجم الاوسط: ۸۹۱۳، شعب الایمان: ۶۹۵۶، مسند الفردوس: ۸۹۱۹، الزھد ۸۶۰، الترغیب والترھیب: ۴۱

تھا۔ پس وہ اس قرآن سے دور ہو گیا، اور اس کی اپنی پشت پیچھے پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا، اور اس پر شرک کا الزام لگایا، راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں سے کون زیادہ شرک کے قریب ہو گا، شرک کا الزام لگانے والا یا جس پر شرک کا الزام لگایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شرک کا الزام لگانے والا۔ اسے امام ابن حبان، بزار اور بخاری نے التاریخ الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہیں۔ (۱)

(۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں ایک قمیض (یعنی قمیض خلافت) پہنائے گا، اگر لوگ اسے اتارنا چاہیں تو تم ان کی خاطر اسے مت اتارنا۔ اسے امام احمد، ترمذی نے مذکورہ الفاظ میں، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (۲)

(۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی دن امر خلافت پر فائز کرے اور منافقین یہ ارادہ کریں کہ قبائے خلافت، جو اللہ تعالیٰ نے پہنائی ہے اسے تم اتار دو تو اسے ہرگز نہ اتارنا آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا: اسے امام احمد نے، ابن ماجہ، نے مذکورہ الفاظ میں اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد صحیح اور بلند درجہ ہے۔ (۳)

(۳۲)

حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کا ذکر کیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: اس میں یہ مظلوماً شہید کر دیے جائیں گے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (۴)

(۳۳)

حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! تمہیں شہید کیا جائے گا اس وقت تم سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے ہوگے اور تمہارا خون اس آیت: ﴿فسيكفيكهم الله و هو السميع لعليم﴾ پس اب اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہوگا، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ پر گرے گا قیامت کے روز تم ہر طرح سے ستائے ہوئے پر حاکم بنا کر اُٹھائے جاؤ گے۔ تمہارے اس مقام و مرتبہ پر مشرق و مغرب والے رشک کریں گے اور تم قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں (کی تعداد)

۱۔ ابن حبان: ۸۱، بزار: ۲۷۹۳، التاریخ الکبیر: ۲۹۰۷، المعجم الکبیر: ۱۶۹، مسند الشامیین: ۱۲۹۱، السنۃ: ۴۳، مجمع الزوائد: ۱/۱۸۷۔۱۸۸

۲۔ المسند: ۲۵۲۰۳، ترمذی: ۳۷۰۵، ابن ماجہ: ۱۱۲، ابن ابی شیبہ: ۳۸۶۵۵، ابن حبان: ۶۹۱۵

۳۔ المسند: ۲۴۵۱۰، ابی ابن ماجہ: ۱۱۲، حاکم: ۴۵۴۴، السنۃ: ۱۱۷۹، مسند الفردوس: ۸۲۸۹ ۴۔ ترمذی: ۳۷۰۸

کے برابر افراد کی شفاعت کرو گے۔ اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ (۱)

(۳۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا تذکر کرتے ہوئے فرمایا، کہ ہم ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا: وائے عمار! اسے ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تجھے ایک باغی جماعت شہید کرے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمار! (تمہیں مرتبہ شہادت پانے کی) خوشخبری ہو تمہیں ایک باغی جماعت شہید کرے گی۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۲)

(۳۵)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو (بڑے) گروہوں میں صلح کروادے گا۔ اسے امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (۳)

(۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریش کا ایک قبیلہ عام لوگوں کو ہلاک کر دے گا۔ لوگوں نے عرض کیا: (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر آپ ہمارے لیے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش! لوگ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۴)

(۳۷)

حضرت عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے دادا (سعید بن عمرو بن سعید العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھے بتایا: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور مروان بھی ہمارے ساتھ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے (اپنے آقا) صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت قریش کے (نوعمر) ہاتھ میں ہے۔ مروان نے کہا ایسے لڑکوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

۱۔ حاکم: ۴۵۵۵ ۲۔ بخاری: ۴۳۶، مسلم: ۲۹۱۵۔۲۹۱۶، ترمذی: ۳۸۰۰، السنن الکبری: ۸۲۷۵، ایضا: ۸۵۴۳۔۸۵۴۵

۳۔ بخاری: ۳۴۳۰، ۲۶۹۲، ابوداؤد: ۴۶۶۲، ترمذی: ۳۷۷۳، النسائی: ۱۴۱۰

۴۔ بخاری: ۳۴۰۹، مسلم: ۲۹۱۷، المسند: ۷۹۹۲، ابویعلی: ۶۰۹۳

میں اگر یہ بتانا چاہوں کہ وہ فلاں کا لڑکا اور فلاں کا لڑکا ہے تو ایسا بھی کر سکتا ہوں۔ (راوی کہتے ہیں) پھر میں اپنے دادا کے ہمراہ بنی مروان کی طرف گیا جب وہ شام پر حکمران بن گئے۔ انہوں نے جب ان نوعمر لڑکوں کو دیکھا، تو ہم سے فرمایا کہ شاید یہ ان لڑکوں میں سے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ اسے امام بخاری اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (۱)

(۳۸)

بخاری کی ایک اور روایت میں انہی (حضرت سعید بن عمرو بن سعید العاص رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے میں، مروان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو میں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: میں نے (اپنے آقا) صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کی بربادی قریش کے چند (نوعمر) لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔ مروان نے کہا: لڑکوں کے ہاتھوں پر: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (ہاں لڑکوں کے ہاتھوں) اگر تم چاہو تو میں ان میں سے ہر ایک کا نام ونسب تک بتا سکتا ہوں۔ (۲)

(۳۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نوعمروں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا: نوعمروں کی امارت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم ان کی اطاعت کرو تو تم اپنے دین میں ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو تو وہ تمہیں ہلاک کر دیں یعنی تمہاری دنیا میں تمہیں قتل کر کے اور تمہارے مال برباد کر کے یا دونوں یعنی جان و مال کو ختم کر کے۔

امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں چلتے ہوئے کہتے تھے: اے اللہ! مجھے سن ساٹھ ہجری کا زمانہ نہ ملے اور نہ چھوکروں کی حکمرانی کا زمانہ ملے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سب سے پہلا لونڈا ان ساٹھ میں تھا، جس نے امارت سنبھالی، یقیناً وہ یزید بن معاویہ تھا، جس نے اس سال حلف اٹھایا اور اس کی حکومت سن چونسٹھ تک باقی رہی پھر وہ مر گیا تو اس کے بیٹے معاویہ نے حکومت سنبھالی، اور وہ بھی چند مہینوں بعد فوت ہو گیا۔ ان کا قول کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا: (میں اگر یہ بتانا چاہوں کہ وہ فلاں فلاں کے بیٹے ہیں تو ایسا بھی کر سکتا ہوں) اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ اگر میں چاہتا تو کہتا: بنو فلاں میں سے بنو فلاں میں سے، گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے نام تک جانتے تھے اور یہ ایسا جواب تھا جو آپ نے بیان نہیں کیا تھا، اور کتاب العلم میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور یہاں آپ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ (اگر میں نے اس کو بیان کر دیا تو یقیناً تم میرا گلا کاٹ دو گے)۔

اس کا قول۔ انہوں نے جب ان نوعمر لڑکوں کو دیکھا۔ ماضی کے احتمال کو تقویت دیتا ہے۔ بے شک اس سے مروان میں سے ان لوگوں کی اولاد ہے جنہیں حکمرانی ملی۔ رہا آپ کا تردد اس بات میں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان میں سے کون مراد ہے؟ تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے نام کی صراحت نہیں فرمائی اور جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ بے شک وہ تمام کے تمام ان مذکورین میں سے ہیں اور بے شک ان میں سب سے پہلا شخص یزید ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول اس پر دلالت کرتا

۱۔ بخاری: ۶۶۴۹، المسند: ۸۲۸۷ ۲۔ بخاری: ۳۶۱۰

ہے سن ساٹھ ہجری کا اختتام اور نوعمر لڑکوں کی امارت۔ بے شک یزید عام طور پر بڑے بڑے شہروں کی امارت سے بوڑھوں کو ہٹا دیتا تھا اور ان جگہ اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے کم عمروں کو حکمران بنا دیتا تھا۔(۱)

(۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب حضور ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا بگاڑ قریش کے (چند) بے وقوف لڑکوں کے ہاتھوں (پیدا) ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث الاسناد ہے۔(۲)

(۴۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور سب سے فرما دیا: ابھی میرے پاس کوئی نہ آئے۔ اس لیے میں نے نظر رکھی (مگر میری لاعلمی میں) حضرت حسین رضی اللہ عنہ حجرہ مبارک میں داخل ہو گئے۔ پھر اچانک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہچکی بندھ کر رونے کی آواز سنی۔ میں نے حجرہ مبارک میں جھانکا تو دیکھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی مبارک پونچھ رہے ہیں اور ساتھ ہی رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ کب داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام ہم دونوں کے ساتھ گھر میں موجود تھے تو مجھے کہا: آپ اس (حسین رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں ساری دنیا سے بڑھ کر (اس سے محبت کرتا ہوں)۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ کی امت اسے ایسی سرزمین پر شہید کرے گی جسے کربلا کہا جاتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اس سرزمین کی مٹی بھی لائے ہیں۔ پھر آپ نے وہ مٹی انہیں دکھائی۔ پھر جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت کے وقت گھیرے میں لیا گیا تو انہوں نے پوچھا: یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا: کربلا انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یہ (واقعی) کرو بلا (دکھ اور آزمائش) کی سرزمین ہے۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے مذکور الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے فرمایا امام طبرانی نے اسے بہت سے اسانید سے روایت کیا ہے۔ ایک سند کے رجال ثقہ ہیں۔(۳)

(۴۲)

امام مناوی نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی کہ بے شک حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہما کو دریائے فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا، یعنی کوفہ کے عظیم اور مشہور دریا کے کنارے، اور یہ دریا روم کی آخری حدوں سے نکلتا ہے اور شام کے اطراف سے ہوتا ہوا طف کی زمین میں سے گزرتا ہے، یہ زمین کربلاء کے علاقوں میں سے ہے، اس خبر اور طبرانی کی بیان کردہ خبر (جس میں انہوں نے طف کی سرزمین اور کربلا کے بارے میں بتایا ہے) میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ نبوت کی علامات اور معجزات میں سے ہے

۱۔ فتح الباری: ۱۳/۱۰ ۲۔ المسند: ۷۸۵۸، ۸۰۲۰، ۸۲۸۷، ۱۰۲۹۷، حاکم: ۸۴۵۰، ۸۶۰۵، ۸۶۰۶

۳۔ فضائل الصحابہ: ۱۳۹۱، المعجم الکبیر: ۲۸۱۹، ایضاً: ۲۳۷، کتاب الشریعہ: ۱۶۶۲، مجمع الزوائد: ۱۸۹/۹، تاریخ حلب: ۲۵۹۸/۶

یہ اس لیے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ (یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کے پاس مدینہ میں اہل عراق کے خطوط آئے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا تو انہوں نے آپ کی بیعت کر لی، حضرت مسلم بن عقیل نے (کوفہ والوں کی ظاہری وفاداری سے متاثر ہو کر) امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ مگر جب آپ (امام حسین رضی اللہ عنہ) اہل کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو وہ (بے وفائی کرتے ہوئے) آپ (کی بیعت) سے الگ ہو گئے اور آپ کو کوفہ میں جمعہ کے روز دس محرم سن ۶۱ھ کو شہید کر دیا، آپ کی شہادت پر سورج کی اس قدر گرہن لگا کہ دن کے وقت ستارے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے، اور اس دن جنات کو آپ کا نوحہ کرتے ہوئے سنا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خواب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکھرے ہوئے غبار آلودہ بالوں کے ساتھ دیکھا اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں بوتل تھی جس میں خون تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بوتل کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے، میں نے صبح سے اس کو جمع کر رہا ہوں۔ (۱)

(۴۳)

حضرت عبداللہ بن وہب بن زمعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وہ امام حسین رضی اللہ عنہ جست لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر چڑھ گئے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارکہ پر کھیلنے لگے۔ حضرت جبرائیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا محمد! کیا آپ اس بیٹے حسین سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل میں اپنے بیٹے سے کیوں محبت نہ کروں! جبرائیل نے عرض کیا بے شک آپ کی امت اسے آپ کے بعد شہید کر دے گی۔ جبرائیل نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید مٹی پکڑائی اور کہا: یا محمد! اس (مٹی والی) زمین میں آپ کا بیٹا (حسین) شہید کیا جائے گا۔ اور اس زمین کا نام طف ہے۔ جب جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے جبکہ وہ مٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے: میرا بیٹا حسین ارض طف (کربلا) میں شہید کیا جائے گا اور میری امت میرے بعد آزمائش میں ڈالی جائے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کی طرف تشریف لے گئے جن میں حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت حذیفہ، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی رو رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز نے آپ کو اس (قدر) رلا دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے: میرا بیٹا حسین میرے بعد ارض طف (یعنی کربلا) میں شہید کر دیا جائے گا۔ وہ میرے لیے وہاں سے یہ مٹی لائے ہیں اور مجھے بتایا کہ اس مٹی والی زمین میں حسین کی شہادت گاہ ہے اسے طبرانی اور ماوردی نے روایت کیا ہے۔ (۲)

۱۔ فیض القدیر: ۱/۲۰۴۔۲۰۵، الجامع الصغیر: ۱/۴۸

۲۔ المعجم الکبیر: ۲۸۱۴، اعلام النبوۃ: ۱۸۲، الصواعق المحرقۃ: ۲/۵۶۴، مجمع الزوائد: ۹/۱۸۸، کنز العمال: ۳۴۲۹۹

(۴۴)

حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہما حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا: امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: یا محمد! آپ کے بعد آپ کی امت آپ کے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ اور انہیں اپنے سینہ مبارک سے چپکا لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے ام سلمہ! شہادت گاہ حسین کی) یہ مٹی تمہارے پاس امانت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سونگھا اور فرمایا: کربلا (میں میرے اہل بیت پر ظلم ڈھانے والوں) کا ناس ہو۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو جان لینا کہ میرا بیٹا شہید کر دیا گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس مٹی کو بوتل میں ڈال دیا اور اسے ہر روز دیکھا کرتیں اور فرماتیں (اے مٹی! جس دن تو خون میں تبدیل ہوگی وہ بڑا بھاری دن ہوگا اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (۱)

(۴۵)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو میری ہجرت کے ساٹھویں سال کے سرے پر شہید کیا جائے گا۔ اسے امام طبرانی اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔ امام دیلمی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: جب ایک اوباش نوجوان ان پر چڑھائی کرے گا۔ (۲)

(۴۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب خراسان کی طرف سے آتے ہوئے کالے جھنڈے (اٹھائے ہوئے لوگوں کو) کو دیکھو تو ان میں شامل ہو جانا کیوں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی علیہ السلام ہوں گے۔

اسے امام احمد، ابن ماجہ، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔ امام کنانی بھی فرمایا ہے: اس حدیث کی سند میں صحیح اور رجال ثقہ ہیں۔ (۳)

(۴۸)

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگئی۔ چوتھی ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگئی جو آل ہرقل سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک برابر قائم رہے گی۔ عبد آلاف میں سے ایک شخص نے جسے مستورد بن خیلان کہا جاتا تھا عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی

۱۔ المعجم الکبیر: ۲۸۱۷ مجمع الزوائد: ۱۸۹/۹ تہذیب التہذیب: ۳۰۰/۲۔۳۰۱ تہذیب الکمال، ۴۰۹/۶

۲۔ المعجم الکبیر: ۲۸۰۷ مسند الفردوس: ۹۰۲۰ تاریخ بغداد: ۱۴۲/۱ مجمع الزوائد: ۱۹۰/۹

۳۔ المسند: ۲۲۴۴۱ ابن ماجہ: ۴۰۸۴ بزار: ۱۳۹۱ حاکم: ۸۵۳۱ مصباح الزجاجۃ: ۲۴۴۱

عمر چالیس سال کی ہوگی۔اس کا چہرہ ستارے کی طرح چمکدار اور اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا، وہ دو قطوانی عبائیں پہنے ہوئے ہوگا، بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسے بنی اسرائیل کا کوئی شخص ہے، وہ بیس سال تک حکومت کرے گا، (زمین سے خزانے نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔) اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔(۱)

ثبوتِ علمِ غیب میں علماء سلف وخلف کے اقوال وتشریحات:

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیبیہ جزئیہ (بعض علم غیب) ثابت ہونے میں آج تک کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا حتیٰ کہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب بھی تغیر العنوان میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ "یہاں اس پر کلام ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔" معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض علوم غیبیہ ماننا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ البتہ اہل سنت اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے اولیاء اللہ کو علوم غیب میں سے کچھ حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ اس کے منکر ہیں اور اہل سنت قائل ہیں اہل سنت اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں خصوصاً المحبوبین آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب خمسہ میں سے بہت سے جزئیات کا علم عطا فرمایا جو شخص یہ کہے کہ کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا وہ ہمارے نزدیک بد مذہب خائب وخاسر ہے۔اب اس مسلک کو لیجئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمسہ کا علم (جس میں تعین وقت قیامت کا علم بھی شامل ہے) اور روز اول سے آخر تک "ماکان ومایکون" مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زیادہ کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اہل سنت کے درمیان مختلف فیہ ہے لیکن جو لوگ محض عناد کی وجہ سے اس وسعت علم کا انکار کرتے ہیں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعوذ باللہ گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔یا گستاخوں کی گستاخیوں سے مطلع ہو کر ان میں ناپاک تاویلیں کر کے ان توہینوں پر راضی ہوتے ہیں وہ اہل سنت کجا مسلمان بھی نہیں۔اس لیے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے العیاذ باللہ بغض وعناد رکھنا یا ان کی شان مقدس میں توہین کرنا کفر خالص ہے۔"اعاذنا اللہ تعالیٰ عنہ" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اقدس کے بارے میں ہمارا مسلک یہ کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ ازل سے روزِ آخر تک کا علم دیا اور تمام علوم مندرجہ لوح محفوظ نیز اپنی ذات وصفات کی معرفت سے متعلق بہت اور بے شمار علوم عطا فرمائے جمیع جزئیات خمسہ کا علم دیا جس میں خاص وقت قیامت کا علم بھی شامل ہے۔احوال جمیع مخلوقات تمام "ماکان ومایکون" کا علم عطا فرمایا لیکن باایں ہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی ہونے کی وجہ سے حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی وقدیم۔سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہرگز اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم متناہی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) غیب پر بخیل نہیں۔" نیز فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مسلط نہیں فرماتا اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)!

۱۔　المعجم الکبیر: ۷۴۹۵

ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر شے کو بیان کرنے والی ہے اور سکھایا تجھے اے محبوب ﷺ جو تو نہیں جانتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا فضل ہے۔

اور نہیں ہے اللہ کہ اے لوگو! تمہیں غیب پر مطلع فرمائے، لیکن اللہ تعالیٰ برگزیدہ کر لیتا (غیب کی اطلاع دینے کے لیے) اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے۔

بخاری کی حدیث میں ہے:

عن طارق بن شهاب قال سمعت عمر رضی الله تعالیٰ عنه يقول فينا النبی ﷺ مقاما فاخبر نا عن بدءِ الخلق حتیٰ دخل اهل الجنة منازِ لهم و اهل النار منازلهم حفظ ذالك حفظه و نسيه من نسيه (۱)

طارق ابن شہاب نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا فرمایا حضور نبی اکرم ﷺ ممبر اقدس پر ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے افرینش عالم سے خبر دینی شروع فرمائی یہاں تک کہ جنتی جنت میں داخل ہو گئے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو گئے۔ اس بیان مبارک کو جس نے (جتنا) یاد رکھا یاد رکھا اور اسے جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اس حدیث کی شرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (۲) فرماتے ہیں "والغرض انه خبر عن المبداء و المعاش و المعاد جميعا" غرض یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مخلوقات کے مبداور معاش اور معاد سب کی خبر دی۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:

وفيه دلالة علیٰ انه اخبر فی المجلس الواحد بجميع احوال المخلوقات من ابتداء ها الیٰ انتها ئها و فی ايراد ذلك كله فی مجلس واحد امر عظيم من خوارق العادة و كيف وقد اعطی جو امع الكلمة مع ذلك انتهی

اور اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے تمام احوال کی خبر دی۔ ابتدا سے انتہا تک اور ایک ہی مجلس میں اس کا وارد فرمانا خوارق عادت سے امر عظیم ہے اور کیوں نہ ہو؟ اس کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کو جوامع الکلم بھی دیئے گئے ہیں۔

ایسی ایک (۳) حدیث پر حضرت عمرو بن الاخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے نماز فجر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک تمام گزشتہ اور آئندہ کے حالات بیان فرما دیئے۔ (۴) پر بروایت دارمی و ترمذی) دو حدیثیں مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں پائی۔ پس میں نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ میرے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔ حدیث مبارک "فعلمت ما فی السموت و الارض" کے تحت حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ المعات مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں پس دانستم ہر چہ در آسماں ہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں اور

۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۵۳ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۲۱۴۔۲۱۵ ۳۔ مسلم ۲، ص ۳۳۳ ۴۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۷۰۔۷۲

زمینوں میں تھا۔ یہ عبارت ہے تمام علوم جزوی وکلی کے حاصل ہونے اور اس کے احاطہ سے پھر یہی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں رقم فرماتے ہیں، ہر چہ در دنیا است از زمان آدم تا اوان نفخہ اولیٰ بروے صلی اللہ علیہ وسلم منکشف ساختند، تا ہم احوال او از اول تا آخر معلوم گردید یاران خود را نیز بعضے ازاں احوال خبر دار، (۱) جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانے سے نفخہ اولیٰ کے وقت تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب منکشف فرما دیا۔ یہاں تک کہ تمام احوال اول سے آخر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گئے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی حضور علیہ السلام نے ان میں بعض احوال کی خبر دی۔ نیز فرماتے ہیں۔ و وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بر ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمود و مصدق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوت افضلھا و من التحیات اتمھا و اکملھا '' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاننے والے ہیں تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی شانوں سے اور احکام صفات حق و اسماء افعال اور آثار سے اور تمام علوم ظاہر و باطن، اول آخر سب کا حضور نے احاطہ کر لیا اور '' فوق کل ذی علم علیم '' کا مصداق ہو گئے۔ ان پر افضل ترین صلوات اور اتم و اکمل ترین تحیات ہوں۔ آیہ کریمہ کے تحت تفسیر نیشا پوری میں مرقوم ہے یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس کی وجہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انور تمام عالم میں ہر ایک کی روح ہر ایک کے دل ہر ایک کے نفس کا مشاہد فرماتی ہے۔ (کوئی روح، کوئی دل، کوئی نفس، ان کی نظر اقدس سے مخفی نہیں ہے۔ اسی لیے تو یہ سب پر گواہ بنا کر لائے جائیں گے کہ شاہد کے لیے مشاہد ضروری ہو۔) اس مشاہدے کا سبب یہ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے روح اقدس کو پیدا فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے پیدا ہوئے تو باقی جو کچھ ہوا وہ سب حضور کے روبرو ہوا۔ لہٰذا ان سب سے کسی چیز کا پوشیدہ ہو رہنا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔ (حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم، جو سید العارفین ہیں، کی شان اقدس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جبکہ) عارف کا یہ حال ہے کہ جب وہ بارگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کھنچ جاتا ہے اور مقرب بارگاہ ایزدی قرار پاتا ہے تو اس کے لئے ہر شے روشن ہو جاتی ہے۔ (۲) امام قسطلانی فرماتے ہیں۔ اور بعض علماء اعلام نے فرمایا: آیت کریمہ '' یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی '' میں اس بات پر دلالت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا ہو اور آپ کو اس بات کا امر نہ فرمایا ہو کہ آپ دوسروں کو مطلع فرمائیں اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو وقت قیامت کا علم دے کر اس کے بتانے کا حکم صادر نہ فرمایا ہو، امام قرطبی شارح مسلم اور امام قسطلانی شارح بخاری اور ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے اپنی شروح میں رقم اور امام قرطبی کی عبارت امام بدر الدین عینی شارح صحیح بخاری نے (۳) نقل فرمائی۔

یعنی مغیبات خمس میں سے جو کوئی کسی شے کے علم کا دعویٰ کرے اور اس علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔ اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں غیب جانتے ہیں اور اذنِ الٰہی سے اپنے جس

۱۔ مدارج النبوۃ، ج ص ۱۴۴　۲۔ مواہب اللدنیہ، ج ا ص ۵۰　۳۔ عمدۃ القاری، ج ا، ص ۳۳۷

غلام کو چاہیں بتا سکتے ہیں۔ جب ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم سے ان کے علم کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہونے سے بچے گا، حافظ الحدیث سید احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا ملفوظ شریف روایت کرتے ہیں۔ یعنی آیت کریمہ میں جو مغیبات خمس مذکور ہیں ان میں سے کوئی شے حضور نبی اکرم ﷺ پر مخفی نہیں اور یہ چیزیں حضور نبی ﷺ پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی امت شریف کے ساتھ قطب ان مغیبات خمس کو جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ غوث سے مرتبہ میں نیچے ہیں۔ پھر غوث کا کیا کہنا۔ پھر حضور سید عالم ﷺ کا کیا پوچھنا جو تمام اولین وآخرین سارے جہاں کے سردار ہیں اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر چیز انہی سے ہے۔ علامہ شیخ احمد صادری مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر (۱) پر لکھتے ہیں آیت کریمہ حضور ﷺ کو وقت قیامت کا علم دینے سے پہلے ہے، لہٰذا آیت کریمہ کا مضمون اس مسلک کے خلاف ہرگز نہیں کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا اور آخرت کے تمام مغیبات نہ بتادیے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم حضور کو دیا گیا تھا۔

علامہ عشاری کتاب مستطاب عجب العجاب شرح صلوٰۃ حضرت سید احمد بدوی کبیر رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں ''کہا گیا کہ نبی ﷺ کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہوگیا مگر ان کے چھپانے کا حکم تھا اور یہی قول صحیح ہے۔ قرآن وحدیث وارشادات علمائے مفسرین و محدثین وحضرات عارفین سے ہم نے اپنا مسلک ثابت کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تمام مخلوقات اور ساری کائنات کے لیے جمیع احوال کا علم عطا فرمایا اور تصریحات علمائے اسلام سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ قرآن وحدیث کے نصوص میں جو عموم ہے اس میں مغیبات خمس شامل ہیں اور صحیح مسلک یہی ہے۔ اب ان آیات کو سامنے رکھ لیجئے جس میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اپنے بیان میں ہم اس امر کی وضاحت کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیبیہ غیر متناہی ہیں اور حضور سرور عالم ﷺ کے علوم متناہی۔ ظاہر ہے کہ متناہی غیر متناہی کا بعض ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کے تمام علوم جمیع علوم غیر متناہی کا بعض ہیں یاد رکھئے جب آپ ہمارے کلام میں حضور ﷺ کے علم اقدس کے متعلق لفظ کل دیکھیں تو اس سے کل غیر متناہی نہ سمجھیں بلکہ کل مخلوقات (جو متناہی ہے) اور اس کے علاوہ معرفت ذات وصفات کا علم وہ بھی بالفضل متناہی ہے ہماری مراد ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی کی بہ نسبت ہم حضور ﷺ کے علم کو کل نہیں کہتے کیونکہ علم الٰہی محیط الکل اور غیر متناہی ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور سید عالم ﷺ کے علوم کل غیر متناہی کا بعض ہیں تو بعض علم غیب کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کرنے میں ہمارا اور دیوبندیوں کا اختلاف نہ رہا۔ کیونکہ وہ بھی بعض علوم غیبیہ حضور ﷺ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا بعض بہت ہی کم ہے اور ہمارا بعض ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ لیکن مطلق بعض علوم غیبیہ حضور ﷺ کے لیے ماننے میں ہم اور وہ دونوں شریک ہیں۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی عبارت تغییر العنون سے ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد گزارش ہے کہ آیات نفی علم غیب جس طرح ہمارے مسلک کے خلاف ہیں۔ بالکل اسی طرح دیو بندیوں کے بھی خلاف ہیں۔ اب مذہب کو صحیح کرنے کے لیے جو جواب دیوبندی دیں گے ہماری طرف سے بھی وہی جواب سمجھ لیں۔ اب اس جواب کی تفصیل سن لیجئے۔ آیات نفی علم غیب نفی علم بالاستقلال یا علم محیط غیر متناہی پر محمول ہیں۔ ورنہ آیات قرآنیہ میں تعارض ہوگا

۱۔ تفسیر صاوی، ج ۴، ص ۲۴۵

کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ (محمد ﷺ) غیب پر بخیل نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اپنے غیب خاص پر مطلع فرماتا ہے اور تمہیں غیب پر اطلاع نہیں دیتا لیکن اطلاع علی الغیب کے لیے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے اور دوسری جگہ یہ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان میں کوئی غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیب کا علم بھی کسی کو نہیں۔ یہ صاف تعارض اور تناقض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسے اختلاف اور تعارض وتناقض سے پاک ہے بلکہ قرآن مجید کے کلام الہٰی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف وتناقض نہیں پایا جاتا۔ اگر قرآن مجید غیر اللہ کی طرف ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ اب ہم اپنے دعوے پر کہ آیات نفی میں علم استقلالی اور علم محیط الکل حقیقی کی نفی غیر اللہ سے کی گئی ہے۔ مفسرین وعلماء راسخین کی تصریحات پیش کرتے ہیں تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو علم غیب بالاستقلال (بذات خود) ہو وہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

تفسیر انموذج جلیل میں ہے:

''آیت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو بلا دلیل وبلا تعلیم یا جمیع غیب غیر متناہی کے محیط ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی آیات نفی علم عن غیر اللہ تعالیٰ وآیات ثبوت علم غیب بغیر اللہ تعالیٰ میں اس طرح توفیق ممکن ہے کہ آیات نفی علم بالاستقلال یعنی علم ذاتی پر محمول ہیں۔ ان کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کسی کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا یا وہ علم جس کے ساتھ جزم کی جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جو ظنی ہو وہ بغیر وحی والہام کے غیر اللہ کو بھی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ظن سے پاک ہے اور غیب کا یقینی علم اس کی طرف وحی والہام کے بغیر ناممکن ہے۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ شفاء شریف میں علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔ یعنی حضور ﷺ کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس کے ثبوت میں احادیث کثیرہ وارد ہوئیں اور ان سے سب سے بالاتفاق حضور ﷺ کا علم غیب ثابت ہے اور ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ آیت کریمہ کہ اللہ کے رسول کہہ دو اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔ اس قسم کی تمام آیتیں حضور ﷺ کے معجزہ علم غیب کے اس لیے منافی نہیں کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی اکرم ﷺ کو علم غیب ملنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ ردالمختار میں صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل سے منقول ہے۔ اگر کوئی شخص بذات خود علم حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔

بعض لوگ حضور ﷺ کے علم غیب کی نفی میں فتاویٰ قاضی خان کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ اس نے حضور ﷺ کے لیے علم غیب مانا اس کا جواب شامی میں اس طرح مذکور ہے۔ (۱) یعنی فتاویٰ تتارخانیہ اور حجت میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو نکاح میں گواہ بنانے والا کافر نہ ہوگا۔ اس کے لیے اشیاء حضور کی بارگاہ اقدس میں پیش کی جاتی ہیں۔ اور بے شک رسولوں کو (علوم الہٰیہ غیر متناہی کا) بعض علم (متناہی) حاصل ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ (علامہ شامی

۱۔　ردالمختار علی درالمختار، ج ۲، ص ۳۸۰

فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ائمہ اہل سنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ بعض علم غیب کا ہونا اولیاء اللہ کی کرامت سے ہے۔ (اور معتزلہ نے اس آیت سے اولیاء کے علم غیب کا انکار کیا) ائمہ اہل سنت نے ان کا رد فرمایا کہ آیت کریمہ میں غیب خاص ذکر ہے جو غیر رسول کو نہیں دیا جاتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ بواسطہ رسول کسی کو علم غیب حاصل ہونے کی نفی آیہ کریمہ میں نہیں ہے۔ تفسیر جمل شرح جلالین اور تفسیر خازن میں ہے۔ یعنی آیہ کریمہ میں جو ارشاد ہوا کہ فرما دو میں غیب نہیں جانتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بغیر خدا کے بتائے نہیں جانتا۔ یہاں تک ہم نے ائمہ تفاسیر اور علماء راسخین معتمد علماء کی تصریحات نقل کر کے ثابت کر دیا کہ نفی علم غیب کی آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کسی کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ کل علم غیر متناہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ کسی کے لیے ثابت نہیں اور آیات ثبوتِ علم غیب کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اللہ کے رسولوں کو علم غیب حاصل ہے۔ نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا خواہ وہ کائنات کا ذرہ ذرہ اور مخلوقات کے جمیع احوال کو محیط ہو۔ (جیسا حضور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے۔) لیکن اس کے باوجود بھی وہ متناہی بالفعل ہے اور محدود ہے علم الٰہی کے مساوی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب جب عوام کی طرف ہوتا ہے تو ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عقول کے مطابق ہی کلام فرماتے ہیں۔ اس لیے اس کو ظاہر پر محمول کرنے اور دوسرے دلائل سے قطع نظر کر لینا مرد عاقل کے شایان شان نہیں ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ قل لا قول لکم لم یقل لیس عندی خزائن اللہ یعلم ان خزائن اللہ وھی العلم بحقائق الاشیاء و ماھیاتھا عندہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ اونا الا شیاء کماھی ولکنہ یکلم الناس علیٰ عقولھم (ولااعلم الغیب) ای لا اقول لکم ھذا مع انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم علمت ما کان ومایکون مختصرا" یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرماتا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں۔ (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں۔) تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس کے پاس ہیں۔ (مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں بیان فرماتے ہیں۔) اور وہ خزانے کیا ہیں۔ "تمام اشیاء کی ماہیت وحقیقت کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا۔ یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے۔ ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ما کان و مایکون کا علم ملا یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

علامہ نیشاپوری کے اس نورانی بیان سے منکرین کے وہی شکوک وابہام کا اچھی طرح قلع قمع ہو گیا۔" والحمد اللہ علی احسانہ" اس مضمون کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ منکرین کے بعض شبہات جو اس مسئلہ میں پیش کرتے ہیں خوب تفصیل سے زائل کیے جاتے۔ لیکن قصداً اختصار کے باوجود مضمون طویل ہو گیا۔ اس لیے بسط وتفصیل کی گنجائش نہیں۔ مگر اجمالاً ان کے تمام شکوک کا ازالہ مختصر عبارت سے کرتا ہوں۔ اگر غور سے کام لیا گیا تو انشاء اللہ العزیز یہ اجمال ہی تفصیل کا کام دے گا۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کے جمیع احوال کا علم تھا بعض حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی کا اظہار کیوں فرمایا۔ ایسے کام کیوں کیے جن سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ یا حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا واقعہ عدم علم کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح خیبر میں ایک یہودیہ کا بکری کے شانہ میں زہر ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دینا اور حضور کا اس میں سے کچھ کھالینا، اسی طرح ستر قاریوں کا کفار کے ساتھ بھیجنا اور ان کی شہادت کا واقعہ وغیرہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں نہیں۔

علم غیب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضوں کے جوابات:

۱۔ اول یہ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو ما کان و مایکون کا علم ثابت کرتے ہیں۔ وہ تدریجاً ہے۔ اس لیے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ فلاں بات کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری عمر شریف تک نہ دیا گیا اس وقت تک ہمارا دعویٰ باطل نہیں ہوسکتا۔ رہا قیامت کا واقعہ جس میں مذکور ہے کہ جماعت مرتدین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصیحابی اصیحابی فرما کر بلائیں گے اور اس وقت یہ کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور کو قیامت کے دن بھی بعض باتوں کا علم نہ ہوگا۔ یہ عجیب قسم کا شبہ ہے جو دلیل مثبت علم ہو اس کی نفی میں پیش کیا جارہا ہے۔ غور فرمایئے یہ واقعہ قیامت کے دن ہوگا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہلے بیان فرمارہے ہیں۔ ''علم نہ تھا تو بیان کیسے فرمایا۔'' رہی یہ بات کہ پھر حضور سے یہ کیوں کہاں جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اس کا جواب یہ کہ مسلم شریف (۱) میں منکرین کی یہی پیش کردہ حدیث بایں الفاظ موجود ہے۔

فیقال اماشعرت ماعملوا بعدك

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کام کیے ''ماشعرت'' جملہ منفیہ پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہوا۔ نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہوا چونکہ واقعہ ایک ہے۔ صرف ان روایتوں میں تعدد ہے اس لیے جب ایک روایت میں ہمزہ استفہام مذکور نہیں تو وہاں محذوف ماننا پڑے گا۔ مثلاً انك لا تدری والی آیت میں ہمزہ مذکور نہیں تو یہاں محذوف مانیں گے۔ اور اصل عبارت یوں ہوئی کہ'' انك لا تدری '' کیا آپ جانتے؟۔۔ ورنہ حدیثوں میں تعارض ہوگا کیونکہ ہمزہ استفہام کا محذوف ہونا تو صحیح ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں محذوف ہے۔ حضرت ابراہیم کا مقولہ ''ھذا ربی'' میں مفسرین نے ''ھذا ربی'' فرمایا: یعنی کیا یہ میرا رب ہے لیکن اس کا زائد ہونا صحیح نہیں۔ اگر ''انك لا تدری'' والی روایت میں ہمزہ استفہام محذوف نہ مانیں تو'' اماشعرت '' والی روایت میں ہمزہ کو محذوف ماننا پڑے گا جو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علمی کی نفی ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے تمام اچھے اور برے اعمال کا علم ہے ترمذی شریف میں حدیث وارد ہے۔'' عرضت علی اعمال امتی حسنھا وقبیحھا'' میری امت کے تمام اچھے اور برے اعمال مجھ پر پیش کیے گئے۔ اب غور فرمایئے کہ مرتدین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل تھے۔ ان کا مرتد ہونا عمل قبیح ہے۔ اعاذنا اللہ فی تعالیٰ منہ۔ جب امت کے تمام اعمال حسنہ وقبیحہ حضور کے سامنے پیش کیے گئے تو ان کا ارتداد جو عمل قبیح ہے وہ بھی ضرور پیش ہوا۔ پھر حضور علیہا لصلوٰۃ والسلام کو ان کے عملوں کا علم نہ ہونا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے یہی معنی صحیح ہیں،

۱۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۴۹

کہ اے حبیب ﷺ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا عمل کیے آپ کو معلوم تو ہے پھر بھی آپ غلبہ رحمت کے حال میں ان کو اپنی طرف لے جارہے ہیں۔'' یہ حقیقت ہے کہ جب کریم کو سخاوت کرنے کے لیے بٹھا دیا جائے تو اس وقت اس کے دریائے سخا میں ایسا جوش ہوتا ہے کہ دشمن کی دشمنی کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی اور وہ بے اختیار اپنے کرم کا دامن اس کی طرف پھیلا دیتا ہے۔ جب اسے توجہ دلائی جائے تو اس وقت متوجہ ہوتا ہے۔ یہاں بالکل یہی معاملہ ہے۔ ساقی کوثر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حوض کوثر پر رونق افروز ہیں۔ اپنے غلاموں کو چھلکتے ہوئے جام پلا رہے ہیں۔ مرتدین کی جماعت ادھر سے گزرتی ہے، حضور کو ان کے عملوں کا پورا پورا علم ہے۔ مگر اس وقت دریائے جودو سخا موجزن اور شانِ رحمت کا ظہور اتم ہے اس لیے ان کی بداعمالیوں کی طرف خیال مبارک جاتا ہی نہیں اور اپنے لطف عمیم اور کرم جسیم کے غلبہ حال میں بے اختیار فرمادیتے ہیں۔ ''اُصیحابی'' ''اُصیحابی'' لیکن جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ اماَ شعرت ماَ احد تو ابعد كَ پیارے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کہا۔ پس فوراً توجہ ان کی بداعمالیوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں ''سحقا سحقا'' انہیں دور لے جاؤ انہیں دور لے جاؤ۔ طالب حق کے لیے اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے یہ بیان کافی ہے۔

منکرین حق کا ایک شبہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روز قیامت شفاعت کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دوں گا اور طویل سجدہ کروں گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے چند محامد مجھے تعلیم فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو تمام ماکان و مایکون کا علم نہ تھا۔ اس کا جواب یہ کہ اول تو حدیث پاک میں حضور ﷺ نے حقیقت علم کی نفی نہیں فرمائی۔ ارشاد فرمایا لاتحضرنی الاٰ ن وہ محامد اس وقت میرے ذہن اقدس میں حاضر نہیں۔ کسی بات کا ذہن میں حاضر نہ ہونا عدم علم کو مستلزم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کا علم ہو مگر کسی وقت اس کا استحضار نہ ہوا اور اگر لاتحضرنی الاٰن کے یہی معنی کیے جائیں کہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تو اس سے یہ کب لازم آیا کہ وقت وصال تک ان کا علم نہ ہوگا۔ بہرنوع اس حدیث سے بھی ہمارے مسلک پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا؟ رہا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے علم کا تو بخاری شریف میں اسی حدیث افک میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ واللہ ماعلمت علی اھلی الاخیرا خدا کی قسم میں نے اپنے اہل مقدس پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرمارہے ہیں مگر منکرین کو حضور ﷺ کی قسم پر بھی یقین نہیں آتا۔

اس واقعہ میں حضور ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے توجہ کو کم کردینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس تہمت کے بعد غیرت محمدیہ ﷺ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ کی طرف سے صاف نہ ہو۔ اس وقت تک سرکار ﷺ توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کو موقع نہ ملے کہ حضور ﷺ کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔ حضور ﷺ کا غمگین ہونا بھی اس وجہ سے تھا کہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں صدمہ ضرور ہوگا اور اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کی تفتیش خود علم حاصل کرنے کے لیے نہیں فرمائی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کو ان مسلمانوں کے ذہن میں قائم کرنے کے لیے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود

تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے۔ جب ان کے دلوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرت بشریہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بذات خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی بدگمان ہو جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے۔ اس لیے اس طرح فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر وارتداد تک پہنچ جائیں۔ یہاں شبہ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول: واللہ ماعلمت علیٰ اھلی الاخیرا، ان اصحاب نے بھی سنا ہوگا۔ پھر بھی یہ اپنی بدگمانی پر قائم رہے اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اول تو یہ ثابت نہیں کہ بدگمانی کرنے والے صحابہ نے یہی جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور اگر بالفرض سنا بھی ہو تو اپنے قیاس سے اس کو محض حسن ظن پر محمول کیا ہوگا۔ بہر حال اس تحقیق و تفتیش کی حکمت صرف یہ تھی کہ اسباب عادیہ مالوفہ طبائع بشریہ کے ذریعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پوزیشن کی بدگمانی کرنے والے مسلمانوں کے ذہن میں بھی واضح اور صاف کر دیا جائے اور منافقین پر بھی حجت قائم کر دی جائے۔ کہ دیکھو اتنی تحقیق کے بعد بھی کوئی برائی ظاہر نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی برائی پائی نہیں جاتی۔ ایک مہینہ یا اس سے زائد تک اس معاملہ کو طول دینے کی حکمت بھی یہی تھی کہ اگر جلدی سے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات رہ جاتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی کے مطابق معاملہ کو طول دیا کہ جس طرح چاہو اس طویل عرصہ میں واقعات کی چھان بین کر لو جب کوئی برائی موجود ہی نہیں تو ظاہر کہاں سے ہوگی۔ دیکھیے اگر کسی پر تہمت لگائی جائے کہ تم نے ہمارے سو روپے چرا لئے ہیں اور وہ شخص متہم کو اپنے کپڑوں کی تلاشی دینے لگے اور اپنے گھر اور سامان کی ایک ایک چیز لا کر دکھائے اور لوگوں سے دریافت کرائے کہ بھائی تم نے میرے پاس سو روپے دیکھے ہیں۔ تمہیں علم ہے بھائی بتاؤ میں نے کبھی چوری کی ہے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس تحقیق کرنے والے کو اپنا حال معلوم نہیں؟ کیا یہ خود اپنے علم حاصل کرنے کے لیے معاملہ کو طول دے کر اس کی تحقیق کر رہا ہے۔ نہیں! نہیں! بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اچھی طرح اس معاملہ کی تحقیق نہ کرائی گئی تو بے گناہی واضح نہ ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں میری طرف سے بدگمانی باقی رہے گی۔ بالکل یہ معاملہ یہاں تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی کا یقین تھا مگر ان حکمتوں کے پیش نظر بے توجہی اور تحقیق و تفتیش کرائی گئی اور معاملہ کو طول دیا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ہر طریقہ سے ظاہر ہو جائے۔ اس حکمت کے تحت ان کی براءت قرآن مجید میں تاخیر سے نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر تم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو تم توبہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود علم حاصل کرنے کے لیے یہ بات نہیں فرما رہے کہ بلکہ دوسروں کے اذہان کو میرے حق میں بدگمانی سے پاک فرمانے کے لیے یہ کلمات طیبات ارشاد ہو رہے ہیں۔ لہٰذا جواب میں جمع کے صیغے بولتی ہیں اور ایسے الفاظ فرماتی ہیں جن کے مخاطب حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو نہیں سکتے۔ فرماتی ہیں۔

انی واللہ لقد علمت سمعتم ھذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم و صدقتم بہ فلئن قلت لکم انی بریئۃ لا تصدقونی ولئن اعترفت لکم بامر واللہ یعلم انی منہ بریئۃ لتصدقنی فو اللہ لا اجدلی و لکم مثلا الا ابا یوسف حین قال فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون (۱)

۱۔ بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۶

خدا کی قسم! مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے اور اگر تمہارے سامنے کسی ایسے کام کا قرار کرلوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو مجھے سچا مان لو گے! خدا کی قسم جب میرے اور تمہارے لیے سوائے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور مثل نہیں جب انہوں نے یہ فرمایا۔ ''فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون ۔'' خدا کے لیے ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ کیا اس کلام کے مخاطب حضور ﷺ ہو سکتے ہیں؟ کیا سرور عالم ﷺ کے قلب اطہر میں نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برائی بیٹھ چکی تھی؟ کیا حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرما دی تھی؟ جو لوگ اس معاملہ میں حضور ﷺ کے علم کے منکر ہیں وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ حضور ﷺ نے تو قسم کھا کر ارشاد فرمایا تھا کہ '' والله ماعلمت على اهلى الاخيرا''۔ اس کلام کو اگر حسن ظن پر بھی محمول کر دیا جائے تب بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور ﷺ کا حسن ظن ثابت ہو گا۔ حسن ظن کے ساتھ ان کی برائی کا دل میں بیٹھ جانا اور اس کی تصدیق کر دینا کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ بظاہر حضور ﷺ کو مخاطب بنایا مگر اپنے خطاب کا رخ ان ہی لوگوں کی طرف رکھا جو منافقین کے بہکانے میں آ کر مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور ان کے دل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے برائی بیٹھ گئی تھی۔ اور انہوں نے تہمت لگا کر اس بات کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ اگر اس کلام کے مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں تو نعوذ باللہ حضور ﷺ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوں گے کیونکہ کسی پر برائی کی تصدیق کرنا ہی تہمت ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اس سے پاک ہیں۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ ''مارفث امراة نبى قط'' کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسی بات جو عقل سے وراء الوراء ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ یقیناً حضور ﷺ سے سن کر فرما رہے ہیں۔ لہٰذا حدیث حکماً مرفوع ہوئی۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے ایک ایسے امر کا بیان فرمایا جو لوازمات نبوت سے ہے اور وہ یہ کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی بدکار ہو وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے اور اس کی بات بالکل حقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں ایسے شخص کی بات کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ اگر اس میں ذرا بھی حیا کا مادہ ہے تو وہ لوگوں کے سامنے منہ نہیں دکھا سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہدایت خلق اور پیغامات ربانی پہنچانے کے لیے دنیا میں معبوث ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ وہ ذلیل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ذلت کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان کی بات حقیر نہیں ہو سکتی۔ اگر نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ ایسی صورت میں احکام الٰہی کی تبلیغ کس طرح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے بے حیائی متصور نہیں۔ بعض انبیاء کی بیویاں کافرہ ہوئیں لیکن بے حیاء نہیں ہوئیں۔ کفر تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ مگر اس میں فحش اور بے حیائی نہیں ہے۔۔ جب آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ خود نبی ﷺ نے ازواج انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی اور عفت کا لازمہ نبوت ہونا بیان فرمایا ہے تو اب اس امر پر غور فرمایئے کہ حضور سرور عالم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کی پاکی میں کس طرح شک فرما سکتے ہیں۔ اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یقینی نہ ہو تو پھر اپنی نبوت بھی نعوذ باللہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یقینی نہ رہے گی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوت پر ایمان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی کی بیوی پاک ہوتی ہے تو ان دونوں کو ملانے سے نتیجہ واضح ہو جاتا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا۔ کیونکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رسالت میں شک کو مستلزم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت میں شک کرنے سے بالکل پاک ہیں۔ لہذا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں شک کرنے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً پاک اور مبرا ہیں اس کے بعد دوسرے شبہات کو لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زہر آمیز گوشت کیوں کھایا ستر قاریوں کو دھوکا دے کر شہید کر دیا گیا تھا کیوں بھیجا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا حال کیوں نہ معلوم ہوا وغیرہ وغیرہ۔

ایک شبہ کا ازالہ:

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اس قسم کے تمام وقائع کو لاعلمی پر محمول کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ جب "کل" اور "ما" وغیرہ الفاظ عموم قرآن وحدیث وارد ہو چکے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی تخصیص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے نہیں ہوئی تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ان واقعات کو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی پر محمول کریں۔ کیا یہ جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی حکمت ومصلحت کی بنا پر کسی امر خاص کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹا دے یا کوئی خاص بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلا دے۔ کسی حکمت کی بناء پر۔ (خواہ اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ذہول ونسیان کا طاری ہونا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ ذہول ونسیان وعدم توجہ وغیرہ سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ایک یہ فرق بھی ہے۔ علم الٰہی میں کسی قسم کا تغیر جائز نہیں اور حضور کے علم میں زیادتی ذہول ونسیان جائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہول میں یہ حکمت تھی کہ صحابہ جن کے پاس اس سفر میں پانی نہ تھا اور اس وقت تک تیمم کا حکم بھی نہ آیا تھا۔ ہار کی گمشدگی کے باعث بے وضو نماز پڑھنے کے مرحلہ پر پہنچ جائیں اور ان کے لیے مجبوری کی وہ حالت پیدا ہو جائے جو تیمم جائز ہونے کی شرط ہے اور پھر اللہ تعالیٰ تیمم کا حکم نازل فرمائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا تو اس کے ساتھ جن احکام شرعیہ کا تعلق تھا وہ کیسے مرتب ہوتے۔ ستر قاریوں کی شہادت جو ان کے حق میں عظیم الشان کمال تھا کیونکر ظاہر ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان کے واقعات شہادت سے نہ ہٹا دیتا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر ذہول طاری ہوتا تو زہر کے اثر سے شہادت کا جو کمال حاصل ہوا وہ اسباب ظاہری میں کیسے حاصل ہوتا۔

ہمارے اس بیان سے آپ کے سوال پر بھی روشنی پڑ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم ہر وقت ہے یا نہیں؟ ہر چیز سے مراد تو وہی جمیع مخلوقات از ابتدا تا دخول جنت ونار سے ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ غیر متناہی اشیاء ہرگز مراد نہیں اور ہر وقت علم ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ ہر چیز کی طرف توجہ بھی ہر وقت رہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ذہول ونسیان جائز ہے اور یہ امر بالکل محتاج بیان نہیں کہ ذہول ونسیان علم کے منافی نہیں بلکہ یہ امور مثبت علم ہیں کیونکہ جو چیز معلوم ہی ہو اس کی طرف سے توجہ کا ہٹنا یا اسے بھولنا متصور ہی نہیں۔

امر کہ عدم توجہ اور نسیان کے بعد لاعلمی ہوگی۔ لہذا حضور ﷺ کے لیے عدم علم ثابت ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ نہ رہنا یا اس کا بھول جانا لاعلمی کو مستلزم نہیں اگر ایسا ہو تو ایک دفعہ بھولی ہوئی چیز کبھی یاد ہی آئے لیکن بیشمار بھولی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں اگر بھول کی وجہ سے علم زائل ہو جاتا تو وہ بات کبھی یاد نہ آتی۔ اسی طرح ایک امر معلوم کی طرف سے توجہ ہٹنے کے بعد جب اس کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے تو وہ امر معلوم اجنبی نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کی حیثیت معلومیہ وہی ہوتی ہے جو پہلے تھی۔ یہ بقائے علم کی دلیل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برے علم جیسے جادو وغیرہ حضور ﷺ کے لائق نہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علم فی نفسہ مذموم نہیں۔ البتہ اس میں علم کی طرف سے برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر علوم فی نفسہ برے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہے۔ نعوذ باللہ اس کی ذات پاک کی طرف برائی منسوب ہوگی۔ یہاں ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضور کا علم غیب وحی کے ذریعہ تھا۔ جو بات جبرائیل علیہ السلام نے بتادی وہ حضور ﷺ کو معلوم ہوگئی اس علم کو غیب کیونکر کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حضور ﷺ کو وحی الٰہی اور علم ایزدی کے ذریعہ حاصل ہوا لیکن وحی الٰہی کو صرف جبرائیل علیہ السلام کے پیغام میں منحصر سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ وحی الٰہی حضور ﷺ کو خواب میں بھی باقی ہوتی تھی۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ ''رویا الانبیاء وحی'' (انبیاء علیہم السلام کی خواب وحی ہے) وحی القاء کے ساتھ بھی ہوتی تھی۔ یعنی قلب اطہر میں کسی بات کا ڈال دینا اور حقیقت یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن کریم ضرور لائے لیکن علم قرآن حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ کا محتاج نہیں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب اللدنیہ شریف میں ایک طویل حدیث نقل فرمائی۔ جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

وعلمنی القرآن فكان جبرائيل عليه الصلوٰة والسلام يذكرني به (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے (شب معراج) مجھے تمام قرآن مجید تعلیم فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام مجھے وہ قرآن یاد دلاتے تھے۔

یہ بات قرآن وحدیث کی روشنی میں بالکل غلط ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے جو بات حضور ﷺ کو بتادی معلوم ہوگئی ورنہ نہیں۔

دیکھیے بخاری شریف مسلم شریف مسند امام احمد وغیرہ کتب احادیث باسانید متعددہ یہ حدیث مروی ہے کہ ''انی لا راكم من خلفی كما را كم من بين يدی'' میں تمہیں اپنے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے دیکھتا ہوں اور محدثین نے تخصیص کو رد فرما کر عموم کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو نور نبوت عطا فرمایا: اس کے ذریعے علم کا حاصل ہونا یہ بھی تو تعلیم ایزدی میں شامل ہے۔ جس کے ادراک کا حدیث سابق میں آپ نے پڑھا۔ نیز شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں و يكون الرسول عليكم شهيدًا۔ کی تفسیر میں لکھتے یعنی و باشد رسول شمار بر شما گواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ کدام است۔ پس اومی شناسد۔ گناہان شمار او درجات ایمان شمار او اعمال نیک و بد شمار او اخلاص ونفاق شمار لہذا اشہادت اور در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔ (۲)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ''ورابعها ان له صفة يدرك بها ماسيكون فی الغيب۔'' یعنی نبی میں چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسا نور (یعنی نور نبوت) ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان باتوں کا ادراک کرتا ہے جو غیب میں آئندہ آنے والی ہیں۔ (۳)

۱۔ مواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۹ ۲۔ تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۵۱۸ ۳۔ شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۲۰

مواہب اللدنیہ اور شفاء قاضی عیاض میں ہے النبوۃ ھی الا طلاع علی الغیب۔ یعنی نبوت کے معنی یہ ہیں غیب کا جاننا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف حضرت شیخ ابوعبداللہ سے نقل فرماتے ہیں۔ ''نعتقد ان العبد ینقل فی الا حوال حتیٰ یصیر الی نعت الرو حائیة فیعلم الغیب۔' ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ بندہ ترقی مقامات پا کر روحانی صفت تک پہنچتا ہے۔ اس وقت وہ غیب جانتا ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر میں حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں۔

'الفراسة مکاشفة النفس و معائنة الغیب۔'

فراست نفس کے مکاشفہ اور غیب کے معائنہ کو کہتے ہیں۔

الیواقیت والجواہر میں امام شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

للمجتھدین القدم الراسخ فی علوم الغیب

مجتہدین کے لیے علوم غیبیہ مضبوط قدم ہے۔

ان عبارات سے ایک تو یہ امر واضح ہو گیا کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حصول علوم میں جبرائیل علیہ السلام کا محتاج بتاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع علوم بعطائے الٰہی ہیں اور عطائے الٰہی جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نبوت بھی عطیہ الٰہی ہے۔ جس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور غیبیہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور نبوت کا فیض ایسا عام ہے کہ اولیاء امت بھی اس فیض سے بہرہ اندوز ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم پر لفظ غیب کا اطلاق ناجائز سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ دیکھئے عبارت منقولہ بالا میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر بھی علم غیب کا اطلاق موجود ہے اور میری حیرت کی کوئی انتہاء نہیں رہتی جبکہ دیو بندیوں کی عبارات میں اس اطلاق کے ناجائز ہونے کا حکم دیکھتا ہوں حالانکہ مولوی اشرف علی صاحب تغییر العنوان کے ص ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں۔ اس کا انکار کون کرتا ہے اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو علوم غیبیہ کہہ کر مولوی اشرف علی تھانوی نے تصریح کر دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو علم غیب کہنا جائز ہے۔ و ما علینا الا البلاغ۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ تینوں احادیث مبارکہ میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ حلال جانوروں کے پیشاب اور فضلہ ناپاک ہے۔ ان کے لگنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حلال جانوروں کا پیشاب اور فضلہ پاک ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ احادیث مبارکہ ہیں۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام انسانوں اور تمام حلال جانوروں کا پیشاب اور فضلات ناپاک ہیں اور ان کے لگنے سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔

۱۔ مقالات کاظمی، ج ۲، ص ۱۱۸۔۱۴۲

احناف کا موقف و دلائل علامہ ابو علاء الدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وہ نجاستیں جو دیگر جانوروں کے بدن سے خارج ہوتی ہیں۔ مثلاً پیشاب اور گوبر وغیرہ تو وہ بھی بعض ائمہ کے اتفاق اور بعض کے اختلاف کے ساتھ ناپاک ہیں۔

جہاں تک جانوروں کے پیشاب کا تعلق ہے، تو اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا پیشاب ناپاک ہوتا ہے۔ اور حلال جانوروں کا پیشاب امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ناپاک اور امام محمد کے نزدیک پاک ہے۔ چنانچہ امام محمد کے مسلک کے مطابق اگر ان کا پیشاب قلیل پانی میں بھی گر جائے۔ تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہو جائے۔ امام محمد کی دلیل وہ روایت ہے کہ جس میں بیان کیا گیا کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کے لیے صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ (بطور دوا) پینا جائز قرار دیا تھا۔

(بنو عرینہ (بنو عقل کی ایک شاخ) عرب کا ایک بدو قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ آئے تو آپ نے ان کی خوب آؤ بھگت کی ان کے لیے عام چندہ کیا۔ روایات کے مطابق یہ لوگ ایک پیٹ کی مرض میں مبتلا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب (بطور دوا) پینے کا حکم دیا، چند ہی دنوں میں یہ لوگ ٹھیک ہو گئے، مگر انہوں نے بدعہدی کی جس کی انہیں سزا بھی ملی) حالانکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد مبارک ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے کسی حرام شیء میں کوئی شفا نہیں رکھی'' اس طرح فرمان نبوی ہے! لیس فی الرجس شفاء (کسی ناپاک شئی میں شفا نہیں) تو اس سے واضح ہوا کہ وہ پاک ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا استدلال حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اشیاء سے کپڑا دھونے کا حکم دیا۔ جن میں سے ایک شئی علی الاطلاق پیشاب بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب میں کوئی فرق نہیں کیا: اسی طرح فرمان نبوی ہے:

استنز ھوا عن بول فان عامة عذاب القبر منه (پیشاب سے بچو، اس لیے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی کی بنا پر ہوتا ہے۔)

یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب میں کوئی تخصیص نہیں کی۔ اور فرمان باری تعالیٰ ''ویحرم علیھم الخبئث''(۱)

(اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گندی چیزوں کو حرام کریں گے) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ ازیں فطرت سلیمہ عام طور پر اس کی گندگی سے کراہت محسوس کرتی ہے۔ اور اگر کسی شئی کی حرمت بوجہ احترام نہ ہو تو وہ شرعاً اس کی نجاست کی دلیل ہوتی ہے۔ مزید براں اس لیے بھی پیشاب میں نجاست کا مفہوم یعنی طبعاً اس سے کراہت کا ہونا پایا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بگڑ کر بدبودار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حلال جانوروں کے پیشاب کا حکم بھی ان کے گوبر اور حرام جانوروں کے پیشاب کی مانند ہوگا۔ جہاں تک مذکور بالا حدیث کا تعلق ہے، تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عرینہ کو محض دودھ پینے کا حکم دیا تھا، ان کے پیشاب نہیں، لہٰذا اس سے دلیل قائم کرنا درست نہیں؛ علاوہ ازیں اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا ہو کہ ان کی بیماری کی شفاء اس میں ہے۔ اور بطور دوا کسی حرام شئی کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ شفا حاصل ہونے کا یقین ہو

ا۔ الاعراف۔۱۵۷

جیسے کہ سخت بھوک کے وقت مردار کھانا اور سخت پیاس کے وقت شراب پینا یا کسی دوسرے کو کھلانا لیکن اُس وقت حرام شئی کا بطور دوا استعمال ناجائز ہوتا ہے کہ اس سے شفاء حاصل ہونے کا یقین نہ ہو پھر امام ابو یوسف کے نزدیک بطور دوا حلال جانوروں کے پیشاب کا پینا مذکورہ حدیث عرینین کی بنا پر جائز ہے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام ہے۔ کیونکہ ایسی حرام شئی بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے کہ جس سے حصول شفا کا یقین نہ ہو اور اطبا کے ہاں پیشاب میں کوئی شفاء نہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ ان لوگوں کی شفا خاص طور پر اسی میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور جانوروں کے گوبر اور لید اکثر علما کے نزدیک نجس ہیں، مگر امام زفر فرماتے ہیں کہ حلال جانوروں کا گوبر پاک ہے، یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔ ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں اور سفر میں کھیلتے ہوئے الجلہ یعنی خشک مینگنی کو ایک دوسرے کی جانب پھینکتے تھے'' اگر وہ ناپاک ہوتیں تو وہ ان کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے۔ امام مالک نے اس کی ایک اور دلیل یہ بیان کی ہے اہل مدینہ اسے اپنے ایندھن کے طور پر لکڑی کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ ہمارا استدلال اس روایت سے ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے استنجا کے لیے پتھر طلب فرمائے۔ تو انہوں نے دو پتھر اور ایک لید کا ٹکڑا لا دیا۔ آپ نے پتھر تو لے لیے مگر لید کو پھینک دیا اور فرمایا یہ رجس، یعنی ناپاک ہے؛ علاوہ ازیں اس میں نجاست کا مفہوم یعنی طبائع سلیمہ کے ہاں اس کا قابل کراہت ہونا پایا جاتا ہے۔ اس لیے وہ بدبو اور گندگی سے عبارت ہے اور اس سے بچاؤ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا وہ ناپاک ہوگا۔ (۱)

☆ واقعہ عرینہ چھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد چھ سے آٹھ کے درمیان ہے۔

☆ یہ پندرہ اونٹنیاں بھگا کر لے گئے تھے، ایک اونٹنی کو انہوں نے ذبح کر دیا تھا۔

☆ اونٹنیوں کے چرواہے حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھے جو آقا کریم ﷺ کے غلام تھے، اہل عرینہ نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے تھے، اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ دیے تھے۔ جس سے وہ شہید ہو گئے تھے۔

☆ آقا کریم ﷺ کا اہل عرینہ کو اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا حکم ضرورت کی وجہ سے تھا، جو کہ عام حالات میں جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا تھا کہ ان کی شفاء اسی میں ہے۔

☆ امام ابو یوسف کے نزدیک حرام چیزوں کا بطور دوا استعمال جائز ہے۔ جبکہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

☆ عرینوں کو سزا قصاص کے طور پر دی گئی تھی، کیونکہ انہوں نے بھی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی شہید کیا تھا۔

مرتد کی تعریف:

وہ شخص جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرے، خواہ اس کا کفر کو اختیار کرنا نیت سے ہو، یا کفر یہ فعل وقول سے ہو اور عام ازیں کہ اس کا یہ قول مذاق کے طور پر ہو، دشمنی طور پر ہو یا اعتقاد کے طور پر ہو۔ (۲)

۱۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص: ۲۴۷-۲۴۸　　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۴، ص ۶۵۵

مرتد کی سزا:

☆ قرآن وسنت، اجماع امت کے مطابق مرتد کی سزا قتل ہے۔

☆ اوجھڑی کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کرنے والے مشرکین کے نام حسب ذیل ہیں، یہ سب قریشی تھے:

۱۔ ابوجہل عمرو بن ہشام　۲۔ عتبہ بن ربیعہ　۳۔ شیبہ بن ربیعہ　۴۔ ولید بن عتبہ

۵۔ امیہ بن خلف　۶۔ عقبہ بن ابی معیط　۷۔ ولید بن مغیرہ

یہ ساتوں غزوہ بدر والے دن قتل ہوئے اور واصل جہنم ہوئے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کی دعائے ضرر کو بددعا کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا کوئی فعل، قول اور دعا بد نہیں ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ اپنی ذات کے حوالے سے ظلم وزیادتی برداشت کرتے تھے، لیکن مذکورہ صورت میں نماز اور عبادت میں خلل تھا، اس لیے آپ ﷺ نے دعائے ضرر کی ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اور ہدایت لازم وملزوم ہیں، آپ کی مخالفت کفر وگمراہی ہے آپ ﷺ کی مخالفت کرنے والا ہدایت سے دور چلا جاتا ہے۔ آپ کی مخالفت کرنے والے کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

بَابُ الْبُزَاقِ يُصِيبُ الثَّوْبَ　　باب نمبر۱۹۳: کپڑے پر تھوک لگنے کا حکم

انسان کا تھوک اور لعاب بالاتفاق پاک ہے، اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا پاک ہی رہے گا، البتہ تھوکنے کے آداب یہ ہیں: کہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکا جائے، یا اگر مجلس میں بیٹھا ہے تو کپڑا یا ٹشو پیپر پر تھوک دیا جائے۔ اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حلال جانوروں کے فضلہ کا کپڑوں پر لگ جانے کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں انسان کے تھوک کا کپڑے پر لگنے کا حکم بیان ہوا ہے۔

۳۰۷۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ فَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر کا پلو پکڑا، اس پر تھوکا، اور اسے مل دیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم ﷺ نے تھوک مبارک کو کپڑے کے پلو میں رکھ کر مل دیا، جس کا مطلب ہے کہ تھوک پاک ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۴۰۵،ابوداود: ۳۸۹،داری:۱۴۰۳،حمیدی:۱۲۱۹، احمد: ج۳،ص۱۸۸،السنن الکبریٰ:۲۹۷،تحفۃ الاشراف:۵۹۱،

۳۔تعارف رجال:

ا۔علی بن حجر:	راجع:۱۳	۲۔اسماعیل:	راجع:۲۷
۳۔حمید:	راجع:۱۰۸	۴۔انس:	راجع:۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارک صحیح ہے۔امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت رباعیات امام نسائی میں سے ہے۔رباعی امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔رباعیات کے اعتبار سے یہ تیرویں (۱۳) حدیث مبارکہ ہے۔سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔سند کے پہلے راوی مروی بغدادی، دوسرے مدنی بغدادی اور آخروی دو بصری ہیں حضرت انس بن مالک مدنی بصری ہیں۔آپ مکثرین سبعہ وراۃ میں سے ہیں۔آپ سے دو ہزار دوسو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آپ بصرہ شہر میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی رسول ہیں۔سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اخذ:	آپ ﷺ نے پکڑا۔
طرف:	پلو۔کنارہ۔
ردائه:	اپنی چادر مبارک۔
بصق:	آپ ﷺ نے تھوکا۔
رد بعضه علی بعض:	آپ ﷺ سے اسے مل دیا۔

۳۰۸۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ :سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مِهْرَانَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ وَإِلَّا فَبَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا فِي ثَوْبِهِ وَدَلَكَهُ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنے آگے اور دائیں نہ تھوکے، بلکہ وہ بائیں یا پاؤں کے نیچے تھوکے۔ البتہ آقا کریم ﷺ نے تو اس طرح اپنے کپڑے میں تھوک کر اسے مل دیا تھا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے، آقا کریم ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوک کر اسے مل دیا تھا۔

۲۔اطراف:

مسلم:۵۵۰،ابن ماجہ:۱۰۲۲،احمد:۸۲۴۱،السنن الکبریٰ:۲۹۸،تحفۃ الاشراف:۱۴۶۶۹

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت قاسم بن مہران کے حالات سپرد قلم کیے جا رہے ہیں:

ا۔محمد بن بشار: راجع:۲۷ ۲۔ محمد: راجع:۲۳۹

۳۔شعبۃ: راجع:۱۱۰

۴۔القاسم بن مہران:

آپ کا نام قاسم بن مہران قیسی ہے، آپ حضرت ھشیم کے ماموں اور بنوقیس بن ثعلبہ سے تعلق ولاء رکھتے ہیں، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق، صالح راوی ہیں، امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۵۔ ابورافع: راجع:۱۹۱ ۶۔ابوہریرۃ: راجع:۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے،

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے، سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو بتیس (۱۳۲) حدیث مبارکہ ہے۔

سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سند کے چوتھے راوی قیسی، حضرت ابو ہریرہ مدنی اور باقی سارے بصری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ مکثرین سبعہ رواۃ میں بھی سب سے زیادہ روایت کرنے والے راوی ہیں، آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں، سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذاصلی احدکم: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے۔

لایبزق:	وہ نہ تھوکے۔	**بین یدی:**	سامنے۔
یمین:	دائیں۔	**یسار:**	بائیں۔
ثوب:	کپڑا۔	**دلک:**	آپ ﷺ نے اسے مل دیا۔

۷۔مسائل ونصائح:

قبلہ کا احترام کرنا اور حدیث مذکور کے دیگر مسائل:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قبلہ کی تکریم اور اس کی تنزیہ کا ثبوت ہے، کیونکہ نمازی اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، اس لیے اس پر واجب ہے کہ جب وہ دنیا کے لوگوں کے چہروں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو جن چیزوں سے ان لوگوں کی تکریم کرتا ہے، قبلہ کی بھی ان چیزوں سے تکریم کرے بلکہ ان سے زیادہ تکریم کرے اور جب وہ مخلوق کے منہ کے سامنے تھوکنا ان کے ادب واحترام کے خلاف سمجھتا ہے تو خالق کے سامنے تھوکنا اس سے زیادہ خلاف سمجھے۔

طاؤس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ کے قبلہ کی تکریم کرو اور قبلہ کی جانب نہ تھوکو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تھوک اور بلغم پاک ہوتا ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے اس کو کپڑے میں ملنے کا حکم دیا ہے، تاہم طبعاً یہ مکروہ ہے اور اس سے گھن آتی ہے۔(۱)

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت حاصل ہے، اسی لیے آپ نے بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا حکم دیا ہے، یعنی اگر شدید کھانسی کے ساتھ بلغم آئے اور اس کو تھوکے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو دائیں جانب کے بجائے بائیں جانب تھوکے، یہ حکم اس وقت تھا جب مسجد کا کچا فرش ہوتا تھا، نمازی اپنی بائیں جانب تھوک کر اسی مٹی کے نیچے دبا دے، لیکن اب جب کہ مسجد میں دریاں اور قالین بچھے ہوئے ہوتے ہیں تو نمازی دریوں یا قالین کے اوپر تھوک کر دریوں اور قالینوں کو خراب نہ کرے بلکہ اگر مجبوراً اس کو تھوکنا پڑے تو اپنے کپڑے کے پلو میں تھوک لے۔

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۸۱

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی جانب بلغم دیکھا تو آپ کو ناگوار گزرا اور آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ امت کے ناشائستہ کاموں سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے۔

نبی ﷺ کی تواضع، انکسار اور اپنے ہاتھوں سے دیوار قبلہ کو صاف کرنا:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کسی کے جمے ہوئے بلغم کو نبی ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کھرچ کر صاف کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے دل میں مسجد کی کتنی عزت اور قبلہ کا کتنا احترام تھا۔ آج اگر ہماری مساجد میں کسی مسجد کے قبلہ میں یا دیوار میں کسی بلغم کو یا رینٹ ہو تو کسی نمازی کو اسے خود صاف کرنے کا خیال نہیں آئے گا بلکہ وہ خادم یا مؤذن کو بلا کر ڈانٹے گا اور اسے صاف کرنے کے لیے کہے گا اور اسے خود کسی کو بلغم صاف کرتے ہوئے عار آئے گا یا گھن آئے گا اور وہ اس کو اپنے وقار اور مرتبہ کے خلاف سمجھے گا۔

سوچیے! ہم کیا ہیں اور ہمارا مقام کیا ہے! یہ دو عالم کے سردار، عرش کے شہ سوار اور محبوب کردگار ہیں، ان کو دیوار قبلہ سے کسی کا بلغم یا رینٹ صاف کرتے ہوئے کوئی کراہت نہیں آرہی، کوئی گھن نہیں آرہی، یہ اپنے ہاتھ سے بلغم صاف کر رہے ہیں، یہ وہ ہاتھ ہیں جو اپنے ہاتھوں سے کفار کی طرف کنکریاں ماریں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى۔(۱) اے رسول معظم!) تم نے کنکریاں نہیں ماریں جب تم نے کنکریاں ماری تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے ماری تھیں۔

جب ان کا ہاتھ صحابہ کے ہاتھوں پر ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (۲) اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔

جو ان کے ہاتھ پر بیعت کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ۔(۳) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

یہ وہ ہاتھ ہیں کہ وہ ان سے اشارہ کریں تو چاند شق ہو جائے، سورج پلٹ جائے یہ وہ ہاتھ ہیں کہ دعا کے لیے اٹھیں تو اجابت آگے بڑھ کر استقبال کرے۔

وہ ان ہاتھوں سے کسی کے بلغم اور رینٹ کی گندگی کھرچ رہے ہیں اور دیوار قبلہ کو صاف کر رہے ہیں۔(۴)

اگر مسجد کچے فرش کی ہو جیسے کسی چھوٹے گاؤں میں ہوتی ہیں اور وہاں بلغم کو مٹی کے نیچے دبا دیا جائے تو وہ اس حدیث کے مطابق ہے اور جہاں مسجد کا پختہ سیمنٹ یا مزائک یا ٹائلز کا فرش ہو اور اس پر دریاں اور قالین بچھے ہوئے ہوں تو وہاں پر اگر بے اختیار بلغم آجائے تو اس کو رومال یا کپڑے کے پلو میں لپیٹ کر رکھ لے اور بعد میں اس کپڑے کو صاف کر کے دھو لے۔(۵)

۱۔ الانفال ۸: ۱۷ ۲۔ الفتح ۴۸: ۱۰ ۳۔ ایضاً: ۱۰ ۴۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۵۸۔۱۵۹

۵۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۶۳

مسجد کی حفاظت کا مستحب ہونا اور دیگر مسائل:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ گندگی کو زائل کرنا اور مسجد کو اس سے پاک رکھنا مستحب ہے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ امام اور سربراہ کو مسجد کے احوال کی دیکھ بھال کرنی چاہیے اور مسجد کی تکریم اور اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ اگر نمازی کو بے اختیار بلغم آجائے تو وہ اس کو اپنے رومال یا کپڑے میں تھوک لے اور نماز کو فاسد نہ کرے اور اس کا ثبوت ہے کہ تھوک، بلغم اور رینٹ پاک ہیں، اگر وہ کپڑے پر لگے ہوں تو نماز جائز ہے، لیکن ان سے گھن آتی ہے اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر شرف حاصل ہے۔ (۱)

مسجد کو گندگی اور ہر گھن کی چیز سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے:

مسجد کو ہر قسم کی گندگی اور گھن کی چیز جیسے بدن کا میل کچیل، تھوک، رینٹ، کھنگار وغیرہ سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے۔

☆ مسجد کی خبر گیری متولی یا منتظم یا امام کے فرائض میں سے ہے۔

☆ آدمی کے فضلات پسینہ، تھوک، رینٹ وغیرہ پاک ہیں۔ اور مکالت نماز کپڑے میں بضرورت لے لینے میں حرج نہیں۔

☆ مسجد میں وضو کرنا یا کلی کرنا مسجد کی دیواروں، چٹائیوں پر یا ان کے نیچے تھوکنا اور ناک سنکنا ممنوع ہے۔ اور چٹائیوں کے نیچے ڈالنا اوپر ڈالنے سے برا ہے۔ اور اگر ناک سنکنے یا تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑے میں لے لے۔

☆ جب تھوکے تو قبلہ کی طرف نہ تھوکے ابوداؤد کی حدیث میں حضور نے فرمایا۔ جو قبلہ کی جانب تھوکے قیامت کے دن اس طرح آئے گا۔ کہ اس کا تھوک دونوں آنکھوں کے درمیان ہوگا۔ اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔

اور اس سلسلہ کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ رخ تھوکنا کم از کم مکروہ تحریمہ ضرور ہے۔ کیونکہ اس فعل پر وعید آئی ہے۔ اور ابوداؤد وابن حبان میں سائب ابن خلاد کی حدیث میں ہے۔ کہ ایک امام کو حضور نے قبلہ رخ تھوکنے کی وجہ سے امامت سے معزول کردیا۔ اور فرمایا انك اذيت الله ورسوله (تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے) اور یہ ممانعت کا حکم مسجد وخارج مسجد دونوں میں شامل ہے علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ مسجد میں بضرورت بھی تھوکنا خطاء ہے۔ تھوکنا پڑ جائے تو کپڑے میں لے لے۔ (۲)

قبلہ کی طرف پاؤں کرنا منع ہے:

قبلہ کی طرف قصداً پاؤں پھیلانے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے خواہ سوتے میں پھیلائے یا جاگتے میں غالباً اس مسئلہ کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے۔ مگر جب قبلہ کی جانب تھوکنا منع ہے تو پاؤں کرنا بھی منع ہونا چاہیے۔

☆ اور یہ فرمایا کہ قبلہ کی طرف نہ تھوکو کیونکہ نمازی اور قبلہ کے درمیان خدا ہے۔ اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ لہذا معلوم ہوا جہت رب کے وقت کوئی ناشائستہ حرکت نہ کی جائے۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۶۴　　۲۔ عینی ج ۲، ص ۱۳۲۶

☆ معتزلہ نے حدیث کے اس ٹکڑے فان اللہ قبل وجہہ سے یہ استدلال کیا ہے کے معاذ اللہ اللہ عز وجل ہر جگہ وہر مکان میں بعینہ موجود ہے۔لیکن ان کا یہ استدلال متعدد وجود سے باطل ومردود ہے۔

(اولاً) اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر مکان میں بعینہ موجود ہے تو بائیں طرف اور پاؤں کے نیچے تھوکنا بھی منع ہونا چاہیے (ثانیاً) مسند احمد ترمذی کی حدیث میں اس کی تفسیر موجود ہے فان الرحمته تراجه (اللہ کی رحمت نمازی کے سامنے ہوتی ہے) نہ یہ کہ خود اللہ عز وجل موجود ہوتا ہے (ثالثاً) اس نوع کے الفاظ اور اصل تشابہات میں سے ہیں۔جیسے قرآن پاک میں ہاتھ اور پنڈلی کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اور فاستوی علی العرش بھی فرمایا گیا اور متشابہات پر بلا کیف وکم ایمان لانا ضروری ہے اور ان کی گہرائی میں جانے کا ہمیں مکلف نہیں کیا گیا۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ عنوان مذکورہ سے امام بخاری نے اس امر کی طرف شارہ کیا ہے۔قبلہ رخ دیوار پر تھوکنے کی ممانعت کی اصل علت احترام قبلہ ہے۔محض تاذی نہیں ہے یعنی ایذا میں علت ہے لیکن احترام قبلہ آکد ہے۔اسی لئے امام بخاری نے تھوک کے تریا خشک ہونے میں فرق نہیں کیا۔

☆ دہنی طرف تھوکنا بھی اچھا نہیں کیونکہ دہنی طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے امام نووی نے فرمایا کہ دہنی طرف تھوکنے کی ممانعت مطلق ہے خواہ نماز میں مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز کے علاوہ بھی دہنی طرف تھوکنے کو ناجائز قرار دیتے تھے۔معاذ ابن جبل فرماتے ہیں جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی دہنی طرف نہیں تھوکا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔کہ وہ اپنی اولاد کو دہنی طرف تھوکنے سے مطلقاً منع فرماتے تھے۔

☆ علامہ خطابی نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنا چاہیے لیکن بائیں طرف کوئی اور نمازی ہو۔تو پھر دہنی طرف تھوکے نہ بائیں طرف بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے یا کپڑے میں لے لے (۱)

☆ نسائی کی حدیث میں ہے کہ مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھ کر حضور کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ایک انصاری عورت نے اس کو کھرچ دیا۔اور وہاں خوشبو لگا دی۔حضور نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

☆ صحیح مسلم میں بروایت ابوذر مرفوعاً آیا ہے کہ میں نے اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے یہ بھی پایا ہے۔کہ مسجد میں تھوک ہو اور اسے مٹایا نہ جائے۔

☆ مسند احمد میں بروایت سعد بن ابی وقاص مرفوعاً آیا ہے جس شخص کو مسجد میں کھنگار آجائے۔تو چاہیے کہ اسے دفن کر دے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کے بدن یا کپڑے پر لگنے کے باعث اسے ایذا ہو۔

☆ مسند احمد طبرانی میں بروایت ابوامامہ مرفوعاً آیا ہے۔کہ مسجد میں تھوک کو دفن نہ کرنا گناہ ہے۔اور دفن کرنا نیکی ہے۔

☆ سعید بن منصور کی روایت ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح ایک رات مسجد میں تھوک کر اسے صاف کرنا بھول گئے۔گھر جا کر یاد آیا تو

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۳۳۹-۳۳۰

آگ کا ایک شعلہ لے کر آئے اس کی روشنی میں تھوک تلاش کر کے مٹی میں دبا دیا۔ اور فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ کے لیے تعریف ہے جس نے آج کی رات مجھے گناہ سے بچا لیا۔

☆ مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر بضرورت مسجد میں تھوک دیا یا غلطی سے تھوک دیا اور مسجد کی زمین کچی ہے تو تھوک کو مٹی وغیرہ سے دبا دے۔ اور اگر فرش پختہ ہو تو پھر اس کو صاف کرنا ضروری ہے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ مسجد کو ہر گھن کی چیز سے پاک وصاف رکھنا اور اس کے احترام میں فرق نہ آنے دینا نہایت ضروری ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: نمازی کو چاہیے کہ قبلہ جانب نہ تھوکے۔ البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے۔ فی زمانہ چونکہ مسجدیں پختہ ہوتی ہیں اور فرش وفروش سے مزین۔ لہٰذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب تھوک کا غلبہ ہو تو ''اخذ طرف ردائه فبزق فيه'' پر عمل کرے یعنی کپڑے میں لے لے۔(۱)

منہ اور ناک کی رطوبت کے پاک ہونے پر اجماع ہے:

امام بخاری نے اس پر استدلال کیا ہے کہ منہ اور ناک کی رطوبت طاہر ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ ماسوا اس کے کہ حضرت سلمان فارسی اور ابراہیم النخعی نے یہ کہا ہے کہ جب لعاب دہن منہ سے نکلے تو وہ نجس ہے۔ لیکن اس قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے کہ نمازی اپنے بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک دے۔ اور شارع علیہ السلام خود اپنی چادر کے ایک پلو میں تھوک کر اس کو کپڑے میں مل لیتے تھے اور آپ نے فرمایا: اس طرح کرے (یعنی آدمی تھوک کو اپنے کپڑے میں اس طرح مل لے)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ منہ کی رطوبت طاہر ہے۔ اور نبی پاک ﷺ کا لعاب دہن ہر پاک اور طیب چیز سے زیادہ پاک اور طیب ہے۔ اور اس تعلق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور توقیر کے لیے آپ کے بلغم کو بطور تبرک حاصل کیا جاتا تھا۔ اور صحابہ کرام اس کو اپنے جسم پر اور اپنی جلد پر ملتے تھے۔ اور اس سے ان کی آپ ﷺ کے ساتھ غایت محبت کا پتا چلتا ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کا بلغم انتہائی پاکیزہ اور خوشبودار ہوتا تھا اور بے مثل تھا۔ ورنہ دوسروں کا بلغم دیکھ کر انسان کو کراہت آتی ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کے بلغم کے حصول کے لیے صحابہ کرام ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتے تھے۔(۲)

خلاصہ:

☆ ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ آدمی کا تھوک پاک ہے۔ اور کپڑے پر ملنا جائز ہے۔

☆ اس بات پر اجماع ہے کہ تھوک پاک ہے۔ اسی طرح منہ کی رطوبت اور ناک کی رطوبت بھی پاک ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ تھوک پاک ہے۔

☆ قبلہ کی طرف یا دائیں طرف تھوکنا منع ہے۔ البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکنا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں ہے یا

۱۔ فیوض الباری، ج ۲، ص ۱۵۶۔۱۵۹　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۷۰۷

مجلس وغیرہ میں ہے، تو کپڑے کے پلو میں تھوکنا چاہیے۔ عصر حاضر میں ٹشو کا استعمال پسندیدہ ہے۔

☆ قبلہ کی طرف تھوک کی ممانعت کعبۃ اللہ کی حرمت کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے قبلہ کی طرف پاؤں کرنا بھی منع ہے۔ اور ان دونوں کا حکم مکروہ تحریمی کا ہے۔

☆ نماز کی حالت میں تھوکنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

☆ آقا کریم ﷺ کا لعاب دہن، تھوک اور دیگر رطوبتیں پاکیزہ اور خوشبودار تھیں۔ صحابہ کرام ان اشیاء کو بطور تبرک حاصل کرتے اور پھر اپنے کپڑوں اور جسموں پر مل لیتے تھے۔

قبلہ کی طرف تھوکنا حرام ہے:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قبلہ کی طرف تھوکنا منع ہے۔ اور اس کی علت قبلہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کا متوجہ ہونا ہے۔ یہ علت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکنا حرام ہے۔ اگرچہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں۔ اگرچہ نماز کی حالت میں ہو۔ اس کے خلاف جانا جائز نہیں۔ اس سے امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت حذیفہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے:

حدیث نمبر ۱:

جو قبلہ کی طرف تھوکے گا۔ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ وہ تھوک اس کی آنکھوں کے درمیان ہوگا۔

حدیث نمبر ۲:

امام ابن خذیمہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں:

قبلہ کی طرف بلغم پھینکنے والا، اس حال میں اٹھایا جائے گا، کہ بلغم اس کے چہرے پر ہوگی۔

حدیث نمبر ۳:

امام ابوداؤد اور امام ابن حبان حضرت سائب بن خلاد سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص لوگوں کا امام تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آقا کریم ﷺ نے فرمایا: تو نے آئندہ لوگوں کو نماز نہیں پڑھانی۔ کیونکہ تو نے (قبلہ کی طرف تھوک کر) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔

☆ عصر حاضر میں ان ادبی امور کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کے گھروں، دفتروں، کارخانوں، پارکوں میں لیٹرینوں اور ہاتھ دھونے کی جگہوں کا رخ ایسا ہی ہوتا ہے کہ پیشاب کرتے ہوئے یا تھوکتے ہوئے چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆ آقا کریم ﷺ نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھی تو خود اپنے ہاتھ سے اسے صاف کر دیا۔ جبکہ ہمارے ہاں مساجد میں کوئی

ناپسندیدہ چیز موجود ہو تو ہم خود صاف کرنے کی بجائے خادم یا مؤذن کو ڈھونڈتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو خود ادا کرنا توہین سمجھتے ہیں۔

بَابُ بَدْءِ التَّيَمُّمِ　　باب ۱۹۴۔ تیمّم کی ابتداء کیسے ہوئی؟

تیمّم کا لغوی معنیٰ: ''ارادہ کرنا'' ہے۔ اصطلاح شرح میں اس سے مراد ہے: مٹی کے ساتھ چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔

جب کسی مسلمان کو وضو یا غسل کرنے کے لیے پانی کی قدرت حاصل نہ ہو تو شرعاً وہ پاکی کی نیت سے تیمّم کرے گا۔ تیمّم قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کی مشروعیت پر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس باب سے امام نسائی تیمّم کی ابحاث شروع کر رہے ہیں۔ پچھلے باب میں تھوک کا بیان تھا۔ اور اس باب میں تیمّم کے شروع ہونے کا بیان ہے۔ دونوں کا تعلق طہارت سے ہے۔ تھوک پاک ہے اور تیمّم پاکی حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔

۳۰۹۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ ذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَتَى النَّاسُ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالُوا: أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَمَا مَنَعَنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں:

ہم آقا کریم ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں نکلے، جب ہم بیداء یا ذات جیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ہار گر گیا۔ آقا کریم ﷺ اسے تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔ اور باقی لوگ بھی ٹھہر گئے۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا۔ صحابہ کرام کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور انہیں کہا: کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے آقا کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو روک لیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے۔ اور آقا کریم ﷺ میری گود میں سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: تم نے حضور اکرم ﷺ اور تمام لوگوں کو روکا ہے۔ حالانکہ یہاں پر پانی نہیں ہے۔ اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے خوب ڈانٹا۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہ کہتے رہے۔ اور ہاتھ سے میری کوکھ میں چٹکی لیتے رہے۔ میں حرکت اس لیے نہیں کر سکتی تھی،

فَخِذِی، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی أَصْبَحَ عَلٰی غَیْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ آیَۃَ التَّیَمُّمِ فَقَالَ أُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ :مَا ھِیَ بِأَوَّلِ بَرَکَتِکُمْ یَا آلَ أَبِی بَکْرٍ .قَالَتْ :فَبَعَثْنَا الْبَعِیرَ الَّذِی کُنْتُ عَلَیْہِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَہُ

کیونکہ آقا کریم ﷺ میری گود میں سو رہے تھے۔حضور نبی کریم ﷺ سوئے رہے۔یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم والی آیت نازل فرمائی۔

حضرت اسید بن حضیر نے کہا: اے آل ابوبکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت تو نہیں ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا، جو میری سواری تھا۔تو ہمیں وہ ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ میں بیان سارا واقعہ حکم تیمم کا شان نزول ہے۔یہی باب کے عنوان سے حدیث مبارکہ کی مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۳۳۴، صحیح البخاری: ۶۵۰۲، صحیح ابن حبان: ۳۴۷، کتاب الاسماء والصفات: ۴۹۱، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۵۶، مسند ابویعلیٰ: ۲۰۸۷، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۳۴۶، المعجم الاوسط: ۶۱۳، حلیۃ الاولیاء، ج ا، ص ۱۵، صفوۃ الصفوۃ، ج ا، ص ۱۵، مشکوٰۃ: ۲۲۶۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں۔ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

ا۔قتیبہ:	راجع: ۱۱۸	۲۔مالک:	راجع: ۱۱۷
۳۔عبدالرحمٰن بن القاسم:	راجع: ۱۶۶	۴۔القاسم:	ایضاً
۵۔عائشہ:	راجع: ۱۱۲		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو آٹھویں (۱۰۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (عبدالرحمٰن) کی اپنے باپ (قاسم) سے روایت ہے۔اور بھانجے (قاسم) کی اپنی پھوپھی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

سے روایت ہے۔

☆ حضرت قاسم خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے، حضرت عبدالرحمٰن کے پڑپوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی صاحبزادی ہیں۔اس طرح اس سند میں تین راوی آل ابوبکر سے ہیں۔

☆ حضرت قاسم فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
خرجنا:	ہم سب نکلے۔	بعض اسفاره:	آپ کے ایک سفر میں۔
بيداء ذات الجيش:	مکہ اور مدینہ کے درمیان مقامات کے نام۔		
انقطع:	وہ ٹوٹ گیا۔گم ہوگیا۔	عقدلي:	میرا ہار۔
اقام:	آپ ٹھہر گئے۔	التماس:	تلاش کرنا، ڈھونڈنا
ليسوا على ماء:	وہ پانی والی جگہ پر نہ تھے۔		
ليس معهم ماء:	ان کے پاس پانی نہ تھا۔		
اتى الناس:	لوگ آئے۔	الاترى:	کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟
ماصنعت:	عائشہ نے کیا کیا؟	جاء ابوبكر:	حضرت ابوبکر آئے۔
واضع:	وہ ایک مرد رکھنے والا۔	رأس:	سر۔
فخزي:	میری ران، میری گود۔	حبست:	اس نے روکا۔
عاتبني:	حضرت ابوبکر نے مجھے ڈانٹا۔		
ماشاء الله:	جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔	يطعن:	انہوں نے چٹکی کاٹی۔
خاصرتي:	میری کھوکھ۔	مامنعني:	مجھے نہیں روکا۔
التحرك:	حرکت کرنا۔	نام رسول:	آقا کریم سوئے۔
حتى الصبح:	یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔	غير ماء:	پانی کے بغیر۔
انزل الله:	اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔	آية التيمم:	تیمم کی آیت۔
ماهي باول بركتكم:	یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔		
بعثنا البعير:	ہم نے اونٹ اٹھایا۔	وجدنا:	اس کے نیچے پاتا۔

العقد: ہار۔ **تحته:** اس کے نیچے۔

۷۔مسائل ونصائح:

حدیث مبارکہ میں جس آیت مبارکہ کا شان نزول بیان ہوا ہے، وہ قرآن مجید میں اس مضمون کی دو آیات مبارکہ ہیں:

ا۔آیت تیمم:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى حَتَّىَ تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ وَلاَ جُنُباً إِلاَّ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتَّىَ تَغْتَسِلُواْ وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّن الْغَآئِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَفُوّاً غَفُوراً (۱)

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم اس بات کو سمجھو جو تم کہہ رہے ہو، اور نہ ہی جنابت کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ یہاں تک کہ غسل کرلو مگر یہ کہ تم سفر کررہے ہو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کرو، پھر اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

۲۔آیت تیمم:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَينِ وَإِن كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُواْ وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مَّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۲)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہو اور وضو نہ ہو تو تم اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھولو اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کرکے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے عمل زوجیت ادا کیا ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاکیزہ مٹی کا ارادہ کرو، اور اس سے مسح کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی واقع کرے ہاں وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے تاکہ تم شکر کرو۔

تیمم کا مفہوم:

اس کا اصل ''ا م م'' ہے اور اس کا معنی قصد کرنا ہے۔ کیونکہ تیمم میں مٹی کا قصد کرکے اس سے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اس لیے اسے تیمم کہتے ہیں۔

ا۔ النساء۴:۴۳ ۲۔ المائدۃ ۵:۶

اصطلاحی معنی:

نماز یا کسی دوسری عبادت کے لیے پاک مٹی کا قصد کر کے چہرہ اور ہاتھوں پر ملنا۔ علامہ ابو بکر علاؤالدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں۔

تیمّم کا لغوی وشرعی مفہوم:

لغوی طور پر تیمّم کے معنی قصد وارادہ کے ہیں، کہا جاتا ہے تیمم و تیمم یعنی اس نے قصد کیا۔ اسی سے شاعر کے یہ اشعار ہیں۔

وما ادری اذا یممت ارضاً اريد الخير اينهما يلينی

االخير الذی انا ابتغيه ام الشر الذی هو يبتغينی

جب میں بھلائی کے ارادے سے کسی جگہ جانے کا مقصد کرتا ہوں تو مجھے علم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کونسی شی ملے گی۔

آیا وہ بھلائی جس کا میں طلب گار رہوں یا وہ شر جو میری تلاش میں ہے۔

اس میں شاعر کے قول یممت سے مراد قصدت (میں نے ارادہ کیا) ہے جبکہ اصطلاح شریعت میں تیمّم سے مراد چند مخصوص اعضا پر ارادہ طہارت اور مخصوص شرائط کے ساتھ مٹی سے مسح کرنا ہے۔ (۱)

تیمّم کا ثبوت:

تیمّم کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت طیبہ سے ہے:

فَتَيَمَّمُواْ صَعِيْداً طَيِّباً (۲) پس تم مٹی کا قصد کرو۔

تیمّم کا جواز:

علامہ ابو بکر علاؤالدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''حدیث'' سے تیمّم جائز ہے، ہمیں اس کے جواز کا علم قرآن وسنت اور اجماع امت کے تینوں ذرائع سے ہوا ہے۔ قرآن مجید سے اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّن الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيْداً طَيِّباً (۳)

اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا کوئی تم میں سے بیت الخلا سے آئے، یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے، تو تم پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

ایک قول کے مطابق یہ آیت غزوہ ذات الرقاع میں اس وقت نازل ہوئی، جب آپ شب بسری کیلئے ایک مقام پر قیام پذیر ہو۔ تھے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا ہار جو حضرت اسماء کی ملکیت تھا گم ہو گیا تھا۔ جب قافلہ یہاں سے روانہ ہوا، تو ام المومنین نے یہ

۱۔ بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۰۱۔۲۰۲ ۲۔ النساء ۴:۴۳، المائدۃ ۵:۶ ۳۔ النساء ۴:۴۳

بات آنحضور ﷺ کو بتلائی، جس پر آپ نے دو افراد ہار کی تلاش کے لیے روانہ فرما دیئے اور آپ خود کھڑے ہو کر ان کا انتظار فرمانے لگے۔ وہاں پانی موجود نہ تھا۔ ادھر نماز فجر کا وقت ہو گیا، تو حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ پر سخت خفا ہوئے۔ اور فرمایا کہ تو نے سارے مسلمانوں کو روک رکھا ہے، اس موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس پر حضرت اسید بن حضیر نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ تم رحمت نازل فرمائے۔ تمہیں جب کوئی ایسا معاملہ پیش آیا ہے، جو تمہیں ناپسند تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے صدقے میں مسلمانوں کے لیے کشادگی فرما دی ہے۔

اور جہاں تک سنت نبوی سے اثبات تیمم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمیں متعدد احادیث مبارکہ ملتی ہیں مثلاً آپ نے فرمایا:

التیمم وضوء المسلم ولو الی عشر حجج مالم یجد الماء اولم یحدث۔

مسلمانوں کو جب تک پانی نہ ملے یا اسے حدث طاری نہ ہو تو تیمّم ہی اس کا وضو ہے، خواہ اسے دس برس تک ایسا کرنا پڑے۔

تیمّم کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ:

جعلت لی الارض مسجدًا و طهوراً اینما ادر کتنی الصلوٰۃ تیممت و صلیت۔

ساری زمین میرے لیے مسجد اور ذریعہ حصول طہارت بنا دی گئی ہے مجھے جہاں بھی نماز کا وقت ہو گا تو میں تیمّم کر کے نماز ادا کر لونگا۔

نیز فرمایا:

التراب طهورا لمسلم مالم یجد الماء۔

مسلمان کو جب تک پانی نہ ملے، تو مٹی ہی اس کے لیے ذریعہ طہارت ہے۔

اسی پر تمام امت کا اجماع ہے۔ البتہ صحابہ کرام کا جنابت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس حالت میں تیمّم کرنا جائز ہے، یا نہیں، حضرت علی اور عبداللہ بن عباس کے نزدیک جائز ہے، اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے ناجائز قرار دیا ہے ضحاک تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا تھا۔ صحابہ کرام کے اس اختلاف کی بنیاد قرآن مجید کی آیہ تیمّم کے الفاظ" اولـمستم النسـآء" کی تفسیر پر ہے کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس اس سے جماع مراد لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جماع کے لیے مسیس (چھونے) غشیان (چھا جانے) مباشرۃ (جسم سے جسم مس کرنے) افضا (پہنچانے) اور رفث (بے حجاب ہونے) وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے جماع کے لیے کنایہ (اشارہ) سے کام لیا ہے۔ جبکہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں حضرات اس سے محض ہاتھ لگانا مراد لیتے ہیں۔ لہذا اس صورت میں جنبی شخص اس اجازت کے تحت داخل نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر حسب ارشاد ربانی:

وان کنتم جنبانا طهر و۔

اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی کر لو۔

کے مطابق غسل کرنا لازم رہے گا۔ ہمارے ائمہ کرام نے اس باب میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس کی تفسیر کو قبول کیا ہے۔ اس

لیے کہ یہ تفسیر ان احادیث مبارکہ کے بھی موافق ہے کہ جن میں آنحضرت ﷺ نے جنبی شخص کو پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ریت میں رہنے والے لوگ ہیں اور ہمیں کبھی مہینہ مہینہ اور کبھی دو دو مہینوں تک پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ اور ہم میں جنبی بھی ہوتے ہیں، حائضہ اور نفساء عورتیں بھی تو ہم کیا کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا، تم پر لازم ہے کہ زمین سے اور دوسری روایت کے مطابق مٹی سے کام لے لو۔

اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے، جس کا ہم آئندہ تذکرہ کریں گے، اور حیض و نفاس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ جیسے کہ ہم نے اوپر حضرت ابو ہریرہ کی روایت نقل کی علاوہ ازیں یہ دونوں حالتیں ''جنابت'' ہی کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا اجنابت کے لئے جواز تیمم والی نص ان کے لیے بھی جواز تیمم پر دلالت کرتی ہے، مسافر کو اسی بناء پر اپنی بیوی سے جماع کرنے کی اجازت ہے، خواہ پانی دستیاب ہو یا نہ ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے لئے حالت سفر میں ایسا کرنا مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ جنبی شخص کے لئے جواز تیمم کے متعلق کبار صحابہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے لہٰذا اس حالت میں جماع کرنا جواز صلوۃ میں خواہ مخواہ کے لیے شک پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ لہٰذا یہ مکروہ ہے ہمارا استدلال اس روایت سے ہے۔ جو حضرت ابو مالک الغفاری سے مروی ہے کہ:

انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے پانی دستیاب نہ ہو تو کیا میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پانی کی عدم دستیابی کے باوجود اپنی بیوی سے جماع کر سکتے ہو، خواہ دس سال تک تمہیں پانی نہ ملے، اس لیے کہ اس حالت میں تمہارے لیے مٹی کافی ہے۔ (۱)

البیدا اور ذات الجیش کا تعین اور غزوہ بنو المصطلق اور غزوہ المریسیع کی تاریخ:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں البیداء اور ذات الجیش کا ذکر ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان دو مقام ہیں۔

کسی سفر میں علامہ ابن عبد البر نے ''التمہید'' ''الاستذکار'' میں لکھا ہے یہ سفر غزوہ بنو المصطلق کا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابن سعد اور امام ابن حبان نے لکھا ہے کہ غزوۃ المصطلق ہی غزوۃ المریسیع تھا، جس میں منافقین نے حضرت عائشہ پر حضرت صفوان بن المعطل کے ساتھ تہمت لگائی تھی، اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرا سیپیوں کا ہار ٹوٹ گیا تھا، تو رسول ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو ٹھہرا لیا، امام ابن سعد نے کہا: رسول اللہ پیر کے دن ۴ رمضان ۵ ھ کو غزوہ مریسیع کے لیے نکلے تھے امام بخاری نے امام ابن اسحاق سے ۶ ھ کو نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے ۴ ھ کو نقل کیا ہے، اور تہمت لگانے کا واقعہ غزوہ مریسیع یا غزوہ بنو المصطلق میں ہوا تھا اور آیت تیمم کے نزول کا واقعہ اس کے بعد کسی غزوہ کے سفر میں ہوا ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۱۹۹۔ ۲۰۱

ہار ملنے کے سلسلہ میں دو حدیثوں میں تعارض کا جواب:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبداللہ بن نمیر کی ہشام سے روایت ہے: آپ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس نے ہار کو پالیا، اور امام مالک کی روایت میں ہے: ہم نے اونٹ کو اٹھایا تو ہم نے ہار کو پالیا اور ان میں تضاد ہے، میں کہتا ہوں کہ المہلب نے کہا ہے کہ میں ان میں تناقص نہیں ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسید بن حضیر کو بھیجا ہو اور انہوں نے ہار کی تلاش سے لوٹنے کے بعد اس کو پالیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہار کی تلاش میں بھیجنے کے بعد آپ نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا ہو پس ان میں تعارض نہیں رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ دو الگ الگ واقعہ ہیں، کیونکہ ایک روایت میں ''عقد'' کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں ''قلادۃ'' کا لفظ ہے، لہذا ان دو روایتوں میں تعارض نہیں رہا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا، پس اس نے ہار کو پالیا، اس سے حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ آپ نے ہار کو پالیا، لہذا تعارض نہیں رہا۔

آیت تیمم کے نزول کا واقعہ، منافقوں کے تہمت لگانے کے واقعہ کے بعد کسی غزوہ کا ہے:

ہشام بن عروہ کی اس کے بعد جو روایت ہے، اس میں مذکور ہے: پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی ایسی مصیبت نازل ہوئی، جس کو آپ ناپسند کرتی ہوں تو اللہ نے اس میں مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی اور ''کتاب النکاح'' میں یہ الفاظ ہیں: مگر اللہ نے اس میں آپ کے لیے نجات کی راہ اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی اور اس میں یہ خبر ہے کہ تیمم کا واقعہ تہمت لگائے جانے کے بعد کا واقعہ ہے اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہ نے کہا: جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے پتہ نہیں چلا کہ میں اس کے ساتھ کیا کروں اور حضرت ابوہریرہ غزوہ بنو المصطلق کے بعد ۷ ھ میں اسلام لائے تھے اور ''کتاب المغازی'' میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ کہ غزوہ ذات الرقاع، حضرت ابوموسیٰ اشعری کے آنے کے بعد ہوا ہے اور وہ اس وقت آئے تھے، جب حضرت ابوہریرہ اسلام لائے تھے، نیز امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ منافقوں کی تہمت لگانے کا واقعہ آیت تیمم کے نزول کے واقعہ سے پہلے کا ہے، کیونکہ حضرت زبیر، حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا:

جب میرے ہار کے واقعہ میں جو کچھ ہوا سو ہوا اور تہمت لگانے والوں نے جو کہا سو کہا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اور غزوہ میں گئی اور اس میں بھی میرا ہار گر گیا، حتیٰ کہ لوگ اس کو ڈھونڈنے کے لیے ٹھہر گئے اور فجر طلوع ہوگئی، پھر حضرت ابوبکر سے مجھے عتاب کا سامنا ہوا اور انہوں نے کہا: اے بیٹی! ہر وہ سفر جس میں تم ہوتی ہو، اس میں کوئی پریشانی اور مصیبت ہوتی ہے، لوگوں کے پاس پانی نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمادی تو حضرت ابوبکر نے کہا: بے شک تمہارا عمل برکت والا تھا۔ (۱)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند جید حسن ہے۔ (۲)

۱۔ المعجم الکبیر: ۱۵۹۔ ج ۲۳ ص ۱۲۱　　۲۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۶، نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۸۴۲۔۸۴۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر ایک اعتراض کا جواب:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ فوراً بتا دیتے کہ فلاں جگہ ہار پڑا ہوا ہے اور جب آپ نے اس طرح نہیں بتایا تو معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب نہیں ہے۔اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔　کسی چیز کے علم کو یہ لازم نہیں ہے کہ اس کا اظہار بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ کو قیامت کے وقوع کا علم ہے اور کفار بار بار پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا۔

۲۔　اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوراً بتا دیتے کہ ہار کہاں پڑا ہوا ہے تو ہار کو تلاش نہ کیا جاتا،اس کو ڈھونڈنے میں دیر نہ ہوتی،لوگ حضرت عائشہ کو ملامت نہ کرتے،آیت تیمم کے نزول کا سبب متحقق نہ ہوتا،حضرت عائشہ کی فضیلت ظاہر نہ ہوتی اور وہ بیس مسائل معلوم نہ ہوتے،جن کا علامہ عینی نے اس حدیث سے استنباط اور استخراج کیا ہے۔

۳۔　نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں واقع ہونے والے ہر ہر جزئی امر کا علم نہیں دیا گیا اور نہ یہ نبوت کا تقاضا ہے بلکہ آپ کو گزشتہ امور اور مستقبل میں واقع ہونے والے امور کا علم تمام مخلوق سے زیادہ دیا گیا ہے اور یہ علم بھی تدریجی ہے اور قرآن کے ضمن میں مکمل ہوا ہے،اسی کے اعتبار سے آپ کو عالم مکان وما یکون کہا جاتا ہے،ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ کو ہر وقت تمام جزئیات کا علم محیط حاصل ہو،ایسا علم تو اللہ عز وجل کا خاصہ ہے،اللہ عز وجل کا علم غیر متناہی ہے اور آپ کا علم متناہی ہے،آپ کے علم کو اللہ کے علم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں ہے،جو قطرہ قطرہ کی نسبت سمندر کے مقابلہ میں ہوتی ہے کیونکہ قطرے کی سمندر کے ساتھ جو نسبت ہے،وہ متناہی کی متناہی کی طرف نسبت ہے اور آپ کے علم کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ہے،وہ متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے،اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے عطاء غیر ہے،ازلی ابدی ہے،واجب ہے اس کا سلب ممکن نہیں،اقصی غایت کمال پر ہے،معلوم کی ذات،ذاتیاں،اعراض،احوال لازمہ مفارقہ،ذاتیہ،اضافیہ،ماضیہ،مستقبلہ،موجودہ،ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ سے اس سے مخفی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی ہے،حادث ہے،ممکن ہے،اس کا سلب ممکن ہے اور معلوم کے تمام احوال کو محیط نہیں ہے۔(۱)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث طیبات سے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ امور اور مستقبل میں ہونے والے امور کا علم تمام مخلوق سے زیادہ دیا گیا،اور یہ علم تدریجاً قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ مکمل ہوا ہے،پھر آپ کا علم متناہی ہے،اور یہ رب تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے عطا فرمایا ہے،آپ کے علم غیب کے بارے میں آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ حسب ذیل ہیں:

ا۔آیات قرآنیہ:

جن آیات طیبات سے آپ کو علم غیب عطا کیے جانے کا ثبوت ہوتا ہے،وہ چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔　نعمۃ الباری،ج ۱،ص ۸۴۶۔

۱۔ آیات قرآنی:

۱۔مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَآمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُؤْمِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کیلئے) چن لیتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔''

۲۔ وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً (۲)

''اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

۳۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيْرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۳)

''اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول (ﷺ) تشریف لائے ہیں جو تمہارے لئے بہت سی ایسی باتیں (واضح طور پر) ظاہر فرماتے ہیں جو تم کتاب میں سے چھپائے رکھتے تھے اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے درگزر (بھی) فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے۔ اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔''

۴۔الَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ (۴)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبار غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

۵۔ ذَلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُواْ أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ (۵)

''اے حبیب مکرم یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں اور آپ (کوئی) ان کے پاس موجود نہ تھے جس وقت وہ (برادران یوسف) اپنی سازشی تدبیر پر جمع ہو رہے تھے اور وہ مکر و فریب کر رہے تھے۔''

۱۔ ال عمران ۳: ۱۷۹ ۲۔ النساء ۴: ۱۱۳ ۳۔ المائدۃ ۵: ۱۵
۴۔ الاعراف ۷: ۱۵۷ ۵۔ الاعراف ۷: ۱۵۷ ۶۔ یوسف ۱۲: ۱۰۲

۶۔وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (۱)

''اور (اے حبیب) اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور نہ ہی آپ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ورنہ اہل باطل اسی وقت ضرور شک میں پڑ جاتے۔o''

۷۔عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً o إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَداً (۲)

''(وہ) غیب کا جاننے والا ہے۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا o سوائے اپنے رسولوں کے (انہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہو۔ کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزۂ رسالت ہے) تو بے شک وہ اس (رسول ﷺ) کے آگے اور پیچھے (علم غیب کی حفاظت کے لیے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے o''

۸۔وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۳)

''اور (وہ) نبی کریم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں۔ (مالکِ عرش نے ان کے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑی)''

۹۔أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۴)(۵)

'' کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم و حکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا o''

۲۔احادیث طیبات:

آقا کریم ﷺ نے خود یہ تصریح فرمائی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے چند احادیث مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

عن انس بن مالك ان النبی ﷺ خرج حين ذاغت الشمس ، فصلى الظهر ، فلما سلم قام على المنبر، فذكر الساعة ، وذكر ان بين يديها امورا عظاما، ثم قال: من احب ان يسال عن شيءٍ فليسال عنه: فواللّٰه لا تسألونی عن شيءٍ الا اخبرتكم به مادمت فی مقامی هٰذا، قال انس: فاكثر الناس الكباء، واكثر رسول اللّٰه ﷺ ان يقول: سلونی۔ فقال انس: فقام اليه رجل فقال: اين مدخلی يارسول اللّٰه ﷺ؟ قال: النار۔ فقام عبداللّٰه بن حذافة فقال: من ابی يا رسول اللّٰه ﷺ؟ قال: ابوك حذافة۔ قال: ثم اكثر ان يقول: سلونی،

۱۔ العنکبوت ۴۸:۲۹ ۔ ۲۔ الجن ۲۶:۷۲۔۲۷ ۔ ۳۔ التکویر ۲۴:۸۱

۴۔ الم نشرح ۱:۹۴ ۔ ۵۔ ہدایۃ الامۃ علی منہاج القرآن والسنۃ، ص ۹۵۳۔۹۵۵

سلونی۔ فبرك عمر علی رکبتیه فقال: رضینا بالله ربا، وباالاسلام دینا، و بمحمد ﷺ رسولا۔ قال فسکت رسول الله ﷺ حین قال عمر زالك ثم قال رسول الله: والذی نفسی بیده، لقد عرضت علی الجنة والنار انفا فی عرض هذا الحائط، وانا اصلی، فلم ار کالیوم فی الخیر والشر۔ متفق علیه۔

وذکر الامام ابن کثیر فی قوله تعالیٰ: (یاایها الزین آمنوا لا تسالوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوموکم) (المائد) عن السدی انه قال: غضب رسول الله ﷺ یوما من الایام فقام خطیبا فقال: سلونی فانکم لا تسالونی عن شیء الا انبائکم به فقام الیه رجل من قریش من بنی سهم یقال له: عبدالله بن حذافة وکان یطعن فیه فقال: یارسول الله ﷺ: من ابی؟ فقال: ابوك فلان فدعاه لابیه فقام الیه عمر بن الخطاب فقبل رجله وقال: یا رسول الله ﷺ رضینا باالله ربا و بك نبیا وباالاسلام دینا وباالقرآن امام فاعف عنا عفا الله عنك فلم یزل به حتی رضی۔ (۱)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جب آفتاب ڈھلا تو حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرنے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: اس (قیامت) سے پہلے بڑے بڑے واقعات و حادثات ہیں، پھر فرمایا: جو شخص کسی بھی نوعیت کی کوئی بات پوچھنا چاہتا ہے تو وہ پوچھے۔ خدا کی قسم! میں جب تک یہاں کھڑا ہوں تم جو بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ لوگوں نے زاروقطار رونا شروع کر دیا حضور نبی کریم ﷺ جلال کے سبب بار بار یہ اعلان فرمار ہے تھے کہ کوئی سوال کرو۔ مجھ سے (جو چاہو) پوچھ لو۔ حضرت انس فرماتے ہیں پھر ایک شخص کھڑا ہوا، اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں۔ پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے مجھ سے سوال کرو مجھ سے سوال کرو، چنانچہ حضرت عمر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض گذار ہوئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد مصطفی ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں (اور ہمیں کچھ نہیں پوچھنا)۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے یہ گذارش کی تو حضور اکرم ﷺ خاموش ہو گئے پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ابھی ابھی اس دیوار کے سامنے مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں، جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آج کی طرح میں نے خیر اور شر کو کبھی نہیں دیکھا'' یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۱۔ البخاری فی الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب: ما یکرہ من کثرۃ السوال وتکلف مالا یعنیہ، ۲۶۶۰/۶، الرقم: ۶۸۶۴، وفی کتاب: مواقیت الصلاۃ، باب: وقت الظہر عند الزوال، ۲۰۰/۱، الرقم: ۲۰۰۱، ۲۲۷۸، وفی کتاب: العلم، باب: حسن برک علی رکبتیہ عند الامام اوالمحدث، ۴۷/۱، الرقم: ۹۳، وفی الادب المفرد، ۴۰۴/۱، الرقم: ۱۱۸۴، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل، باب: توقیرہ ﷺ وترک اکثار سوال عما لا ضرورۃ الیہ، ۱۸۳۲/۴، الرقم: ۲۳۵۹، واحمد بن حنبل فی المسند، ۱۶۲/۳، الرقم: ۱۲۶۸۱، وابو یعلی فی المسند، ۲۸۶/۶، الرقم: ۳۲۰۱ و ۳۰۹/۱، الرقم: ۱۰۶، والطبرانی فی المعجم الاوسط ۷۹۲، الرقم: ۹۱۵۵، فی تفسیر القرآن العظیم ۱۰۶/۲

ابن کثیر اللہ تعالیٰ کے فرمان (اے ایمان والو!) تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں۔ (اور تمہیں بری لگیں) کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ امام سدی سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کسی بات پر خفا ہوکر) جلال میں آگئے اور آپ خطاب کے لیے قیام فرما ہوئے اور فرمایا: مجھ سے پوچھو! پس تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھو گے میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ بنو سہم میں سے قبیلہ قریش کے ایک آدمی جنہیں عبداللہ بن حذافہ کہا جاتا تھا اور جن کے نسب میں طعن زنی کی جاتی تھی (یعنی لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا باپ فلاں شخص (حذافہ) ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے اپنے باپ کے نام کے ساتھ پکارا۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک چوم کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اور آپ کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے پر، قرآن کے امام و رہنما ہونے پر راضی ہیں۔ ہمیں معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید راضی ہوگا۔ پس حضرت عمر مسلسل عرض کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوگئے۔

۲۔ حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوکر ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دن کھڑے ہونے سے لے کر قیامت تک کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی تھی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرما دیا ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔'' یہ حدیث متفق علیہ اور الفاظ مسلم کے ہیں۔ (۲)

۳۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہوجانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہوجانے تک ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔'' اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (۳)

۴۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہوجانے کے متعلق میدان جنگ سے خبر آنے سے پہلے ہی لوگوں کو بتا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میدان جنگ سے سینکڑوں میل دور مدینہ میں) فرمایا: اب جھنڈا زید نے سنبھالا ہوا ہے، لیکن وہ شہید ہوگئے۔ اب جعفر نے جھنڈا سنبھال لیا ہے اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ اب ابن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا ہے۔ اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک اشک بار تھیں۔ (پھر فرمایا) یہاں تک کہ اب اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے جھنڈا سنبھال لیا ہے۔ اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر فتح عطا فرمائی ہے۔''

۲۔ اخرجہ البخاری فی الصحیح، الرقم: ۶۲۳۰، ومسلم الرقم: ۲۸۹۱، والترمذی فی السنن، کتاب: الفتن، باب: ماجاء اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ بما ھو کائن الی یوم القیامۃ، ۴/۴۸۳، الرقم: ۲۱۹۱، وابوداود فی السنن، کتاب: الفتن والملاحم، باب: ذکر الفتن ودلائلھا، ۴/۹۴، الرقم: ۴۲۴۰۔

۳۔ اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: بدء الخلق، باب: ماجاء فی قول اللہ تعالی وھو الذی یبدأ الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ، ۳/۱۱۶۶، الرقم: ۳۰۲۰، وابن حجر العسقلانی فی تغلیق التعلیق، ۳/۴۸۶، الرقم: ۳۱۹۲۔

اس حدیث کو امام بخاری، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (۴)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تھا تو بارگاہ نبوت میں بکری کا بھنا ہوا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جتنے یہودی یہاں موجود ہیں انہیں میرے پاس لاؤ۔ انہیں بلایا گیا۔ تو آپ نے ان سے فرمایا: میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم صحیح جواب دو گے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے دریافت فرمایا: تمہارا جداعلیٰ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارے جداعلیٰ کا نام تو فلاں ہے۔ وہ کہنے لگے: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا تم صحیح جواب دو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اے ابوالقاسم! اگر ہم نے غلط بیانی سے بھی کام لیا تو آپ ہمارے جھوٹ سے اسی طرح آگاہ ہو جائیں گے جیسے ہمارے جداعلیٰ کے بارے میں آپ کو معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جہنمی کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تھوڑے سے دن تو ہم دوزخ میں رہیں گے۔ اور پھر ہمارے بعد آپ اس میں رہیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ہی اس میں ذلت اٹھاتے رہو گے۔ اور خدا کی قسم! ہم تو کبھی بھی اس میں تمہارے جانشیں نہیں بنیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو سچ سچ بتا دو گے؟ وہ کہنے لگے۔ جی ہاں ابوالقاسم! تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس بات پر کس چیز نے ابھارا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہماری آپ سے گلوخلاصی ہو جائے گی اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

اس حدیث کو امام بخاری، ابوداؤد، دارمی، احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ (۵)

۶۔ ''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حطیم کعبہ میں موجود تھا اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جنہیں میں نے (یادداشت میں) محفوظ نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق جو بھی چیز پوچھتے میں (اسے دیکھ دیکھ کر) انہیں بتا دیتا اور (دوران سفر معراج) میں نے خود کو گروہ انبیائے کرام علیہم السلام میں پایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کھڑے مصروف صلوٰۃ تھے، اور وہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح

۴۔ اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: المغازی، باب: غزوۃ موتۃ من ارض الشام، ۴/۱۵۵۴، الرقم: ۴۰۱۴، وفی کتاب: الجنائز، باب: الرجل ینعی الی اھل بنفسہ، ۱/۴۲۰، الرقم: ۱۱۸۹، وفی کتاب: الجہاد، باب: تمنی الشہادۃ، ۳/۱۰۳۰، الرقم: ۲۶۴۵، وفی باب: من تامر فی الحرب من غیر امرۃ اذا خاف العدو، ۳/۱۱۱۵، الرقم: ۲۸۹۸، وفی کتاب: المناقب، باب: علامات النبوۃ فی الاسلام، ۳/۱۳۲۸، الرقم: ۳۴۳۱، وفی کتاب: فضائل الصحابۃ، باب مناقب خالد بن الولید، ۳/۱۳۷۲، الرقم: ۳۵۴۷، النسائی فی السنن الکبری، ۵/۱۸۰، الرقم: ۸۶۰۴، احمد بن حنبل فی المسند، ۱/۲۰۴، الرقم: ۱۷۵۰، الحاکم فی المستدرک، ۳/۳۳۷، الرقم: ۵۲۹۵۔

۵۔ اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الجزیۃ، باب: اذا غدر المشرکون بالمسلمین ہل یعفی عنہم، ۳/۱۱۵۶، الرقم: ۲۹۹۸، وایضا فی کتاب: باب: ما یذکر فی النبی ﷺ، ۵/۲۱۷۸، وابوداود فی السنن، کتاب: الدیات، باب: فیمن سقی رجلا سما اواطعمہ فمات ایقاد منہ، ۴/۱۷۴، الرقم: ۴۵۱۲، وابن ابی شیبۃ فی المصنف، ۵/۴۱، الرقم: ۲۳۵۲۰، واحمد بن حنبل فی المسند، ۲/۴۵۱، الرقم: ۹۸۲۶، والدارمی فی السنن، ۱/۴۷، الرقم: ۶۹

گھنگریالے بالوں والے تھے اور پھر (دیکھا کہ) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کھڑے مصروف صلوٰۃ تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر دیکھا کہ حضرت ابراہیم کھڑے مصروف صلاۃ تھے اور تمہارے آقا (یعنی خود حضور نبی اکرم ﷺ) ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں، پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب انبیائے کرام علیہم کی امامت کرائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے ایک کہنے والے نے کہا: یہ مالک ہیں جو جہنم کا داروغہ ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ پس میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے پہلے بڑھ کر مجھے سلام کیا۔'' اس حدیث کو امام مسلم نسائی اور ابو عوانہ نے روایت کیا ہے۔ (٦)

۷۔ ''حضرت عمرو بن اخطب انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر میں ہماری امامت فرمائی، اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نیچے تشریف لے آئے، نماز پڑھائی بعد ازاں پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ عصر کا وقت ہو گیا پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس آپ ﷺ نے ہمیں ہر اس بات کی خبر دے دی جو آج کے دن تک وقوع پذیر ہو چکی تھی اور جو قیامت تک ہونے والی تھی۔ حضرت عمرو بن اخطب فرماتے ہیں: ہم میں زیادہ جاننے والا وہی ہے جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (۷)

۸۔ ''حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر ایک بات بتا دی اور کوئی ایسی بات نہ رہی جسے میں نے آپ ﷺ سے پوچھا نہ ہو البتہ میں یہ نہ پوچھ سکا کہ اہل مدینہ کو کون سی چیز مدینہ سے نکالے گی۔'' اس حدیث کو امام مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (۸)

۹۔ ''حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کو ابو سفیان کے (قافلہ کی شام سے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں گے۔ اگر آپ ہمیں برک غماد پہاڑ سے گھوڑوں کے سینے ٹکرانے کا حکم دیں تو ایسا بھی کریں گے۔ تب حضور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو بلایا۔ لوگ (آپ ﷺ کی معیت میں) چلے یہاں تک کہ وادی بدر میں اترے۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ زمین پر اس جگہ اور کبھی اس جگہ دست اقدس رکھتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر (دوسرے دن) کوئی کافر

٦۔ اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان، باب: ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، ۱/۱۵٦، الرقم: ۱۷۲، نسائی فی السنن الکبری، ٦/۴۵۵، الرقم: ۱۱۴۸۰، ابو عوانۃ فی المسند، ۱/۱۱٦، الرقم: ۳۵۰، ابو نعیم فی المسند المستخرج، ۱/۲۳۹، الرقم: ۴۳۳، العسقلانی فی فتح الباری، ٦/۴۸۷

۷۔ اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الفتن واشراط الساعۃ، باب: اخبار النبی ﷺ فی ما یکون الی قیام الساعۃ، ۴/۲۲۱۷، الرقم: ۲۸۹۲، الترمذی فی السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب: ماجاء ما اخبر النبی ﷺ اصحابہ بما ھو کائن الی یوم القیامۃ، ۴/۴۸۳، الرقم: ۲۱۹۱، ابن حبان فی الصحیح، ۱۵/۹، الرقم: ٦٦۳۸

۸۔ اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الفتن واشراط الساعۃ، باب: اخبار النبی ﷺ فی ما یکون الی قیام الساعۃ، ۴/۲۲۱۷، الرقم: ۲۸۹۱، واحمد بن حنبل فی المسند ۵/۳۸٦، الرقم: ۲۳۳۲۹، والحاکم فی المستدرک، ۴/۴۷۲، الرقم: ۸۳۱۱، والبزار فی المسند، ۷/۲۲۲، الرقم: ۲۷۹۵، والطیالسی فی المسند، ۱/۵۸، الرقم: ۴۳۳، وابن مندہ فی کتاب الایمان، ۲/۹۱۲، الرقم: ۹۹٦، وقال: اسنادہ صحیح، والمقری فی السنن الواردۃ فی الفتن، ۴/۸۸۹، الرقم: ۴۵۸

حضور نبی اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہیں مرا۔(۹)

۱۰۔ ''حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت احسن صورت میں آیا اور فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا: میرے رب! حاضر ہوں، بار بار حاضر ہوں۔ فرمایا: عالم بالا کے فرشتے کس بات پہ جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ میرے رب! میں نہیں جانتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں وہ سب جان گیا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔''

اس حدیث کو امام ترمذی، دارمی، احمد طبرانی نے روایت کیا ہے۔(۱۰)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی کا اس حدیث مبارکہ کو بیان کرنے کا مقصد تیمم کے شروع ہونے کی کیفیت و حالت کا بتلانا ہے۔

حدیث مذکور سے بیس مسائل کا استنباط:

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ پر قیام کرنا جائز ہے، جہاں پانی نہ ہو اور نہ اس وقت لوگوں کے ساتھ پانی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے پاس پینے کے لیے تو پانی ہو، مگر وضو کے لیے پانی نہ ہو۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شادی شدہ عورت کی شکایت اس کے والد سے کرنی جائز ہے کیونکہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس لیے شکایت نہیں کی آپ سوئے ہوئے تھے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کرنا آپ کی ناراضگی کا موجب تھا۔

۳۔ کسی فعل کی نسبت اس فعل کے سبب کی طرف کرنا جائز ہے، لوگوں نے ایسی جگہ ٹھہرانے کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس جگہ ٹھہرایا تھا۔ کیونکہ ٹھہرانے کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کو تلاش کرنا تھا۔

۴۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا جائز ہے، خواہ اس وقت اس کا شوہر اس کے زانو پر سر رکھ کر سو رہا ہوں۔

۵۔ کسی شخص کا اپنی شادی شدہ بیٹی کو ڈانٹنا جائز ہے، خواہ اس وقت وہ اپنے شوہر کے پاس ہو۔

۹۔ اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: باب: غذوۃ بدر، ۱۴۰۳/۳، الرقم: ۱۷۷۹، ونحوہ فی کتاب: الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب: عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، ۲۲۰۲/۴، الرقم: ۲۸۷۳، وابوداود فی السنن، کتاب: الجھاد، باب: فی الاسیر ینال منہ ویضرب ویقرن، ۵۸/۳، الرقم: ۲۶۸۱، والنسائی فی السنن، کتاب: الجنائز، باب: ارواح المومنین، ۱۰۸/۴، الرقم: ۲۰۷۴، وفی السنن الکبری، ۶۶۵/۱، الرقم: ۲۲۰۱۔

۱۰۔ الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ ص، ۳۶۶/۵۔۳۶۸، الرقم: ۳۲۳۳۔۳۲۳۵، والدارمی فی السنن، کتاب: الرویا، باب: فی رویۃ الرب تعالی فی النوم، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۱۴۹، واحمد بن حنبل فی المسند، ۳۶۸/۱، الرقم: ۳۴۸۴، ۶۶/۴، ۲۴۳/۵، الرقم: ۲۲۱۶۲۔۲۳۲۵۸، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۹۰/۸، الرقم: ۸۱۱۷، ۱۰۹/۲۰، الرقم: ۲۱۶، ۶۹۰۔ ہدایۃ الامۃ علی منہاج القرآن والسنۃ، ص ۹۵۵۔۹۶۴

۶۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوکھ میں چٹکیاں لے رہے تھے، اس سے انسان کا جسم مضطرب ہو جاتا ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہلی بھی نہیں، مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جائے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا احترام تھا اور آپ سے کس قدر محبت تھی۔

۷۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے تہجد کی نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر تہجد کی نماز فرض نہیں تھی اور کبھی کبھی آپ تہجد کو ترک بھی کر دیتے تھے۔

۸۔ اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ نماز کا وقت آیا تو پانی کو تلاش کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے وضوء کے لیے پانی کو تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔

۹۔ اس واقعہ کے بعد المائدہ:۶ نازل ہوئی ہے، جس میں وضوء کرنے کا حکم ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کرنے کا حکم ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ آیت وضوء نازل ہونے سے پہلے بھی مسلمانوں پر وضوء کرنا فرض تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایسی جگہ ٹھہرے، جہاں پانی نہیں تھا وہ پریشان اور مضطرب ہوئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی جگہ ٹھہرا لیا، جہاں پانی نہیں ہے اور انہوں نے اس بات کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا اور ان کی کوکھ میں چٹکیاں لیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تمام اہل مغازی کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی ہے، آپ نے کوئی نماز بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بھی وحی خفی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کا علم ہوتا تھا، اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب آپ کو پہلے علم تھا کہ نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے تو پھر بعد یہ آیت کس لیے نازل ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے تاکہ وضو کی فرضیت کا علم وحی جلی سے بھی حاصل ہو، جس طرح اس کا علم پہلے وحی خفی سے ہوا تھا اور اس میں منکرین حدیث کا بھی رد ہے، جو وحی خفی اور حجیت حدیث کے قائل نہیں ہیں، ورنہ وہ بتائیں کہ المائدہ:۶ کے نزول سے پہلے وضوء کی فرضیت کس دلیل سے ثابت تھی۔

۱۰۔ اس میں دلیل ہے کہ تیمّم میں طہارت کی نیت کرنا واجب ہے، کیونکہ تیمّم کا معنی قصد کرنا ہے۔

۱۱۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تیمّم کے حکم میں تندرست اور مریض، بے وضو اور جنبی سب مساوی ہیں، حجاز، عراق، شام اور مشرق اور مغرب کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے کہ جنبی کے لیے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی طہارت صرف غسل سے ہو سکتی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں یہ حکم ہے:

وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (۱) — اور اگر تم جنبی ہو تو غسل کرو۔

وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا (۲) — اور تم حالت جنابت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

اور جمہور صحابہ، فقہاء تابعین اور بعد کے علماء نے جنبی کے لیے تیمّم کے جواز پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

۱۔ المائدہ ۶:۵ ۲۔ النساء ۴۳:۴

وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا(۱)

اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے جماع کیا ہو، پھر تم کو پانی میسر نہ ہو تو پھر تم پاک مٹی سے تیمّم کرو۔

۱۲۔ اس حدیث میں سفر میں تیمّم کرنے کے جواز پر دلیل ہے، اور اس پر اجماع ہے، جب کہ شہر میں تیمّم کرنے میں کوئی اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ شہر میں اور سفر میں تیمّم کرنا برابر ہے، جب پانی نہ ہو یا مرض یا شدید خوف ہو یا وقت نکلنے کی وجہ سے پانی کا استعمال مشکل ہوا، ابو عمر نے کہا: امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی نے کہا: شہر میں تندرست آدمی کے لیے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، سوا اس کے کہ اس کو پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو اور امام ابو یوسف اور امام زفر نے کہا: شہر میں تیمّم کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے ؒ کی وجہ سے، نہ وقت نکلنے کے خوف کی وجہ سے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، اور لیث اور طبری نے کہا ہے: جب شہر میں پانی نہ ہو اور وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو تندرست اور بیمار دونوں تیمّم کر سکتے ہیں، وہ نماز پڑھ کر دہرائیں گے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقت نکلنے خوف کی وجہ سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ جب امن کا زمانہ ہو تو عورتوں کے ساتھ غزوات، وغیرہ کا سفر کرنا جائز ہے اور اگر ایک شخص کے نکاح میں کئی ازواج ہوں تو وہ جس کو چاہے، ساتھ لے کر سفر پر جا سکتا ہے اور اگر ان کے درمیان قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے اور جس کے نام قرعہ نکل آئے، اس کو ساتھ لے کر سفر میں چلا جائے۔

۱۴۔ اس حدیث میں مال حلال کی عزت و حرمت دلیل ہے، اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، خواہ وہ چیز کم قیمت کی ہو، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ ہار بارہ درہم کا تھا۔

۱۵۔ مال کی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر وہ گم ہو جائے تو اس کو تلاش کرنا چاہیے، خواہ اس کی تلاش میں نماز کا وقت آ جائے اور گم شدہ چیز کو تلاش کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ ایک فرد کا نقصان پوری قوم کا نقصان ہے کیونکہ اس ہار کو سب نے مل کر تلاش کیا تھا۔

۱۶۔ اس میں کسی چیز کو عاریۃً لینا اور اس کو لے کر اس کی اجازت سے سفر کرنے کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ ہار حضرت اسماء سے عاریۃً لیا تھا۔

۱۷۔ عورتوں کے زیورات پہننے کا جواز، کیونکہ ہار زینت کے لیے پہنا جاتا ہے۔

۱۸۔ اس میں مرد کا اپنی بیوی کے زانو پر سر رکھنا جائز ہے۔

۱۹۔ رسول اللہ کی محبت میں مشقت برداشت کرنے کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میری چٹکیاں لے رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیند میں خلل پڑنے کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو ہلنے سے بھی روکا ہوا تھا۔

۲۰۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ جب غزوہ بنو مصطلق کے سفر میں آپ کا ہار گم ہوا اور آپ قافلے کے

۱۔ النساء ۴: ۴۳ المائدہ ۵: ۶

ساتھ نہ مل سکیں اور منافقین نے حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ آپ پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی اور براءت میں سورۂ نور کی دس آیات نازل فرمائیں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم نازل فرمایا اور مسلمان عورتوں کی عزت کی حفاظت کا قانون نازل ہوا اور اس کے بعد اس سفر میں جب آپ کے ہار کی تلاش میں نماز کا وقت نکل گیا اور مسلمانوں نے آپ پر طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تخفیف کے لیے تیمم کا حکم نازل کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کوئی تہمت اور کوئی طعن گوارا نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس طعن سے آپ کی خلاصی کی صورت بنا دی اور مسلمانوں پر آپ کی وجہ سے احسان کر دیا، تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ان کی نماز کا وقت نکل گیا، بلکہ یہ کہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برکت کی وجہ سے قیامت تک کے مسلمانوں کو تیمم کی رخصت اور سہولت حاصل ہوگئی اور یہ وہ رخصت ہے، جو اس سے پہلے کسی نبی کی امت کو حاصل نہیں ہوئی۔(۱)

☆　النساء:۴۳ اور المائدہ:۶ دونوں میں آیت تیمم ہے اور ہر چند کے سورہ النساء، سورہ مائدہ پر مقدم ہے، لیکن آیت تیمم خواہ سورۃ النساء کی ہو یا سورۃ المائدہ کی ہو، اس واقعہ سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی، اس وجہ سے تیمم کے حکم کی سہولت حضرت عائشہ k کی برکت سے حاصل ہوئی۔(۲)

بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ　　باب ۱۹۵: مقیم کا تیمم کرنا

مریض اور مسافر کے لیے پانی کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں قرآن وسنت نے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے، جو کہ طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ (وضو اور غسل) کا نعم البدل ہے، حالت اقامت میں نماز جنازہ اور عیدین کے لیے بھی تیمم کی اجازت ہے، جب کہ وضو کرنے کی صورت میں ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، اسی طرح اگر فرض نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، البتہ اکثر علماء کے نزدیک پھر وضو کر کے اسے دہرایا جائے گا۔ امام نسائی نے دو باب مقیم کے تیمم کرنے کے عنوان سے قائم کیے ہیں، اور تین احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں، پچھلے باب میں تیمم کی ابتداء ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں حالت اقامت میں تیمم کرنے کا بیان ہے۔

۳۱۰۔ أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ اللَّيْثِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ

۱۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۱۱۔۹　　۲۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۸۴۳

أَبُو جُهَيْمٍ " :أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ الْجَمَلِ، وَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

حضرت ابوجہیم بیان کرتے ہیں:
آقا کریم ﷺ جمل کنواں کی طرف سے تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک صحابی سے آمنا سامنا ہوا، اس نے آپ کو سلام عرض کیا: آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، پھر آپ دیوار کے پاس تشریف لائے، اور اپنے چہرہ مبارک اور ہاتھوں کا مسح کیا، پھر اسے سلام کا جواب دیا۔

ا۔مطابقت

اس حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ ﷺ دیوار کے پاس تشریف لائے، اپنے چہرہ مبارک اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۳۳۷۔صحیح مسلم: ۸۰۰،سنن ابوداؤد: ۳۲۹،السنن الکبریٰ النسائی: ۳۰۷،الآحاد والمثانی: ۲۱۷۵،صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۴،سنن دارقطنی: ج ا ص ۱۷۶،سنن کبریٰ، ج ا س ۲۰۵،شرح السنۃ: ۱۰،مسند احمد: ۱۷۵۴۴، ج ا ص ۲۹ ص ۸۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں۔جن میں چار کا تعارف گذر چکا ہے۔باقی تین کی سرگزشت لکھی جاتی ہے:

ا۔الربیع بن سلیمان:

آپ کا نام ابومحمد ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مراوی مصری ہے۔آپ موذن تھے۔اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔آپ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔امام شافعی کی کتب کے راوی ہیں۔آپ رواۃ کے گیارھوں طبقہ سے ثقہ،صدوق راوی ہیں۔اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔امام ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔آپ کی ولادت ۱۷۴ھ میں ہوئی اور وفات ۲۰ شوال المکرم ۲۷۰ھ بروز پیر ہے۔

آپ نے چھیانوے برس کی عمر پائی۔سنن نسائی میں آپ سے تیرہ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(ا)

۲۔شعیب بن اللیث:	راجع: ۱۶۶	**۳۔اللیث بن سعد:**	راجع: ۱۲۴
۴۔جعفر بن ربیعہ:	راجع: ۱۷۳	**۵۔عبدالرحمٰن بن ہرمز:**	راجع: ۷

ا۔ تھذیب التھذیب، ج ا ص ۲۴۶، تاریخ بغداد، ج ۸ ص ۲۳۳

۶۔عمیر مولی ابن عباس:

آپ کا نام ابوعبداللہ عمیر بن عبداللہ ہلالی مدنی (م:۱۰۴ھ) ہے۔آپ حضرت ام فضل اور حضرت عبداللہ بن عباس سے نسبت ولاء رکھتے تھے۔آپ غالباً رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں۔امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔(۱)

۷۔ابوجہیم بن الحارث بن الصمة:

آپ کا نام ابوجہیم بن حارث بن سمہ انصاری ہے۔آپ کا نام بعض نے عبداللہ، بعض نے حارث اور بعض نے اور بھی ذکر کیے ہیں۔ آپ معروف صحابی رسول ہیں۔اور مشہور صحابی رسول حضرت ابی بن کعب کے بھانجے ہیں۔آپ نے حضرت امیر معاویہ کی خلافت میں وفات پائی۔سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔سباعیات کے اعتبار سے یہ چھپن ویں حدیث مبارکہ ہے۔سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔سند کے پہلے چار راوی مصری اور باقی تین مدنی ہیں۔سند میں تین تابعین کرام (جعفر، عبدالرحمان، عمیر) راوی ہیں۔حضرت ربیع حضرت عمیر اور حضرت ابوجہیم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مروی ہے۔حضرت عمیر حضرت ام فضل اور حضرت عبداللہ بن عباس دونوں سے تعلق ولاء رکھتے تھے۔اخبرنا، حدثناء، قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اقبل رسول الله ﷺ: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔

نحو بئر الجمل: کنواں جمل کی طرف سے۔

لقيه رجل: آپ ﷺ کو ایک صحابی ملے۔

سلم عليه: صحابی نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔

لم يرد: آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔

الجدار: دیوار　　**مسح:** آپ ﷺ نے مسح فرمایا۔

وجه: چہرہ　　**يديه:** اپنے دونو ہاتھ۔

۱۔ تہذیب الکمال: ج ۲۲، رقم ۳۸۲، الثقات: ج ۵، ص ۲۵۶　　۲۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۴۱۲، عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۲۲

مسائل ونصائح:

حالت جنابت میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے پر دلیل:

آپ نے سلام کا جواب دینے کے لیے شہر میں تیمّم کیا جبکہ آپ ﷺ تیمّم کرنے سے پہلے بھی سلام کا جواب دے سکتے تھے۔

اس میں دلیل یہی ہے کہ جب شہر میں نماز فوت ہونے کا خوف ہوتو پھر بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ زیادہ موکدہ ہے۔ کیونکہ نماز بغیر وضو اور تیمّم کے جائز نہیں۔ اور سلام کا جواب دینا پسند نہیں کیا۔ کیونکہ سلام کے جواب میں لفظ سلام ذکر کیا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام بے وضو لینا پسند نہیں کیا۔ تو جب آپ ﷺ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے تو آپ ﷺ حالت جنابت میں قرآن مجید کی تلاوت کیسے کر سکتے تھے۔

سو اس حدیث میں امام بخاری کا رد ہے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ بے وضو قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اس حدیث میں بیر جمل کا ذکر ہے۔ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

باب مذکور کی مؤید دیگر احادیث سے:

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں:

نبی پاک ﷺ پیشاب کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تیمّم کر کے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔ (۱)

حضرت مہاجر بن قنفذ بیان کرتے ہیں:

وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حتی کہ آپ ﷺ نے وضو کیا، پھر آپ ﷺ نے اس سے اپنا عذر بیان کیا اور فرمایا: میں بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پسند نہیں کرتا۔ (۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نبی پاک ﷺ کے پاس سے گزرا، اس وقت آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے۔ اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

جب تم مجھے ایسی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو۔ اگر تم نے سلام کیا تو میں تمہیں جواب نہیں دوں گا۔ (۳)

۱۔ صحیح مسلم: ۳۷۰، سنن ابو داؤد: ۱۶، سنن ترمذی: ۹۰، سنن نسائی: ۳۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۳

۲۔ سنن ابو داؤد: ۱۷، سنن نسائی: ۳۸، سنن ابن ماجہ: ۳۵۰، مسند احمد ج ۴، ص ۳۴۵، سنن بیہقی ج ۱، ص ۱۴۶، صحیح ابن حبان: ۸۰۳، المستدرک ج ۱، ص ۲۷۲، شرح معانی الآثار: ۱۰۲، نخب الافکار: ج ۱، ص ۱۴۳

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳۵۳

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں:

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے۔ اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔(۱)

نافع، حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے، اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دے دیا۔ جب وہ گزر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

میں نے تمہارے سلام کا جواب صرف اس لیے دیا ہے کہ مجھے یہ خوف تھا کہ تم جا کر دل میں سوچو گے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ جب تم مجھے ایسی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو۔ اگر تم نے سلام کیا تو میں تمہیں جواب نہیں دوں گا۔ (اس حدیث کو امام بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے، اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ہاتھ مار کر تیمم کیا، پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔(۳)

شہر میں تیمم کرنے کے جواز کے متعلق مذاہب آئمہ:

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب شہر میں کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر وضوء کرنے میں مشغول ہوا تو نماز کا وقت نکل جائے گا تو آیا اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے، امام مالک نے کہا: وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اس نماز کو نہیں دہرائے گا، اوزاعی، ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (علامہ سعیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف نماز جنازہ اور نماز عیدین کے فوت ہونے کے خوف سے شہری کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور دیگر فرض نمازوں کے فوت ہونے کے خوف سے ان کے نزدیک تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔(۴)

☆ امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اس نماز کو دہرائے گا، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

☆ امام مالک سے تیسری روایت یہ ہے کہ وضوء کرے، خواہ سورج طلوع ہو جائے اور یہی امام ابو یوسف اور زفر کا قول ہے، (صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ وضو یا غسل کرے گا تو نماز قضا ہو جائے گی۔ تو چاہیے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ پھر وضو یا غسل کر کے اعادہ کرنا لازم ہے۔(۵) صدر الشریعہ کا بیان کردہ یہ مسئلہ امام زفر کے موقف کے مطابق ہے کیونکہ دیگر آئمہ احناف کے برخلاف امام زفر اس بات کے قائل ہیں کہ وقت تنگ ہو تو

۱۔ صحیح مسلم: ۳۷۰، سنن ابو داؤد: ۱۶، سنن ترمذی: ۹۰، سنن نسائی: ۳۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۳ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۲۳

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳۵۱ ۴۔ ہدایہ اولین ص ۵۴-۴۹ ۵۔ بہار شریعت: حصہ دوم، ص ۳۴

تیمم کر کے نماز ادا کرنی چاہیے۔ اور بعد میں وضو کر کے اس کو دہرایا جائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی امام زفر کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ اور ان کی تائید میں ایک رسالہ "الظفر لقول زفر" تحریر فرمایا ہے،) انہوں نے کہا ہے: وہ بالکل نماز نہ پڑھے اور نماز فرض اس کے ذمہ ہیں، حتیٰ کے وہ پانی سے وضوء کرنے پر قادر ہو جائے، کیونکہ ان کے نزدیک شہر میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت مریض اور مسافر کے لیے دی ہے اور تیمم کو صرف مرض اور سفر کی وجہ سے مباح کیا ہے، اس لیے شہری اور تندرست آدمی کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کی بھی یہی دلیل ہے۔

☆　المہلب نے کہا ہے: بیر جمل کی حدیث (۱) میں شہر میں تیمم کرنے کے جواز کی دلیل ہے، مگر اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اس تیمم کے ساتھ نبی ﷺ نے صرف سلام کا جواب دینے کا ارادہ کیا تھا، کیونکہ بغیر طہارت کے آپ اللہ کے ذکر کو ناپسند کرتے تھے۔

☆　علامہ ابن بطال ؒ کہتے ہیں: میں نے بعض اہل علم کو علامہ مہلب کی یہ دلیل سنائی تو انہوں نے کہا: اس حدیث سے شہر میں تیمم کرنے کا جواز مستنبط ہوتا ہے، جب شہر کے پانی تک پہنچنے میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو کیونکہ جب شہر میں سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کرنا جائز ہے، جب کہ آپ کے لیے تیمم سے پہلے بھی سلام کا جواب دینا تھا تو اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ جب شہر میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے بلکہ یہ زیادہ مؤکد ہے کیونکہ نماز بغیر وضوء اور تیمم کے جائز نہیں ہے اور سلام کا جواب دینا بغیر وضوء اور تیمم کے جائز ہے اور نیز تیمم صرف بیماروں اور مسافروں کے لیے مباح کیا گیا ہے تاکہ جب انہیں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھ لیں، لہذا ہر وہ شخص جس کو پانی میسر نہ ہو اور اسے نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ تیمم کرے، مسافر اور مریض کے لیے یہ نص سے ثابت ہے شہری اور تندرست کے لیے یہ قیاس سے ثابت ہے اور یہ دلیل قاطع ہے۔

☆　نیز فقہاء احناف نے نماز جنازہ اور نماز عیدین کے لیے شہری اور تندرست کے لیے تیمم کرنے کو جائز قرار دیا ہے، سو باقی نمازوں کے لیے بھی شہری اور تندرست کے لیے تیمم کو جائز قرار دینا چاہیے۔ (۲)

شہری تندرست کے تیمم کے جواز پر علامہ ابن بطال کے دلائل کے جوابات:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد المہلب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ صحیح البخاری: ۳۳۷ میں نبی کریم ﷺ کے جس تیمم کا ذکر ہے۔ وہ آپ نے صرف سلام کا جواب دینے کے لیے کیا تھا۔ اور تیمم شہر میں نماز کے جواز کے لیے نہیں تھا۔ اور علامہ ابن بطال نے دوسرے علماء سے پوچھ کر جو اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں جو مسافروں اور بیماروں کے لیے تیمم کو مباح کیا گیا ہے۔، اس کے ساتھ یہ شرط بھی ملحوظ ہے کہ پانی نہ ملے۔ اور ان کو وضو کرنے کی وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ انہوں نے اپنی رائے سے اس شرط کا اضافہ کیا ہے۔

۱۔　صحیح البخاری: ۳۳۷　　　۲۔　شرح ابن بطال، ج ۱ ص ۴۶۶

قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ پھر اس شرط پر انہوں نے شہری اور تندرست کو قیاس کیا کہ اس کو بھی اگر وضو کرنے کی وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ بھی تیمّم کر سکتے ہیں۔ اس طرح تیمّم کی بیمار اور مسافر کے ساتھ خصوصیت نہیں رہے گی۔ اور ہر شخص تیمّم کر سکے گا۔ علامہ ابن بطال نے اپنی اس دلیل کو دلیل قاطع کہا ہے اور درحقیقت یہ دلیل باطل ہے اور نص قرآن کے خلاف اور اس کے مزاحم ہے۔

نیز علامہ ابن ابطال نے اس کا معارضہ کیا ہے کہ فقہاء احناف نے کہا ہے جب شہری کو وضو کرنے کی وجہ سے نماز جنازہ یا عیدین کی نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے۔ لہٰذا دیگر فرائض کے لیے بھی شہری اس صورت میں تیمّم کر سکتا ہے۔

علامہ ابن بطال کا یہ معارضہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز کی قضا نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر یہ نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے شہری کو ان کے لیے تیمّم کی اجازت دی گئی۔ اور اگر باقی نمازیں وضو میں اشتغال کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء نماز سے تلافی ہو سکتی ہے۔ اس لیے دیگر فرائض کو نماز جنازہ اور نماز عیدین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

باب مذکور میں حدیث کو منسوخ قرار دینے کے جوابات:

بعض علماء نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینے کے لیے جو تیمّم یا وضو کیا تھا، وہ المائدہ:٦ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں نماز پڑھنے کے لیے وضو اور تیمّم کا حکم دیا ہے۔ اور ان کے منسوخ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے اٹھ کر سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھیں۔ پھر وضو کیا۔ (۱) اور جب بغیر وضو کے قرآن مجید کی آیات پڑھی جا سکتی ہیں تو بغیر وضو کے سلام کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں نماز پڑھنے کے لیے وضو اور تیمّم کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں حصر نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید کو چھونے اور طواف کعبہ کے لیے بھی وضو کیا جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے اٹھ کر جو آیات پڑھیں، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نیند سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، وہ حصول فضیلت کے لیے تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بے وضو تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے آیات پڑھیں اور باب مذکور کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کر کے سلام کا جواب دیا اور سنن ابوداؤد:١٦ میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجر بن قنفذ کو وضو کر کے سلام کا جواب دیا، تو ان دونوں صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب پر عمل کیا۔ لہٰذا صحیح بخاری کی حدیث مذکور کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا امام زفر کے قول کو راجح قرار دینا:

آئمہ احناف میں سے امام زفر کا مسلک یہ ہے کہ اگر وقت تنگ ہو تو اور نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو مقیم بھی تیمّم کر کے نماز پڑھے اور بعد میں وضو یا غسل کر کے اس کا اعادہ کرے۔ یہ مسلک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اس طریقہ سے تمام آئمہ کے اقوال پر

۱۔ صحیح البخاری:۱۸۳　　۲۔ نعمۃ الباری، ج۱ص۸۵۷۔۸۶۰

عمل بھی ہو جاتا ہے۔اس بارے میں اعلیٰ حضرت نے ایک رسالہ ''اظفر لقول زفر'' تحریر کیا ہے۔ پھر اسی اصول پر ایک سو پچھتر کا (۱۷۵) استنباط کیا ہے۔یہ رسالہ تحقیق واجتہاد کا نادر نمونہ ہے۔اس رسالہ میں امام زفر کے قول کی وجوہات ترجیح کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

وقت کی تنگی کے باعث جوازِ تیمم کے بارے میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تقویت:

واضح ہو کہ امام زفر ہمارے تینوں آئمہ کرام کے مذہب کے برخلاف وقت فوت ہو جانے کے اندیشہ سے تیمم کو جائز سمجھتے ہیں۔آئمہ ثلاثہ سے ایک روایت مذہب امام زفر کے موافق بھی آئی ہے۔متعدد جزئیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔کچھ بزرگوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔کچھ بزرگوں نے اسے اختیار کیا ہے۔اور کئی محققین نے ان کی دلیل کو تقویت دی ہے۔اس کی تفصیلی بیان جملہ کے عنوان سے چند جملوں میں رقم کیا جاتا ہے:

جملۂ اُولیٰ_ آئمہ ثلاثہ کی موافقت:

ہمارے تینوں آئمہ کی ایک روایت مذہب مام زفر کے موافق آئی ہے اس سے متعلق علامہ شامی لکھتے ہین: یہ امام زفر کا قول ہے اور قنیہ میں ہے کہ ہمارے مشائخ سے بھی روایت میں یہی منقول ہے۔ پھر شامی فرماتے ہیں اس سے پہلے قنیہ کی عبارت سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ہمارے تینوں مشائخ کی ایک روایت ہے''۔

اقول:

خدا اپنی رحمت سے علامہ کو نوازے تلاش مطلوب میں بہت دور نکل گئے اور نقل وہ پیش کی جو صریح نہیں۔اس لیے کہ لا الفوت الجمعۃ (فوت جمعہ کے اندیشہ سے جواز تیمم نہیں) کے تحت بحر کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم قنیہ کے حوالے سے پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ وقت نکل جانے کے اندیشہ سے جواز تیمم ہمارے مشائخ کی ایک روایت ہے'' اور اس سے پہلے جو ذکر کیا ہے وہ ان کی درج ذیل عبارت ہے جو لبعدہ میلا کے تحت کلۃ (مچھر دانی یا اسی قسم کا خیمہ) سے متعلق آنے والے جزئیہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھی ہے: ''پوشیدہ نہ رہے کہ یہ مسئلہ قول امام زفر سے مناسبت رکھتا ہے ہمارے ائمہ کے قول سے مناسبت نہیں رکھتا۔اس لیے کہ ان کے نزدیک فوت وقت کے اندیشہ کا اعتبار نہیں۔صرف دوری کا اعتبار ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔منیۃ المصلی کی شرح میں بھی ایسا ہی ہے۔لیکن مجھے یہ بیان بھی ملا کہ وقت نکل جانے کا اندیشہ سے جواز تیمم ہمارے مشائخ سے بھی ایک روایت میں آیا ہے رحمۃ اللہ علیہم قنیہ میں دو مصیبتوں میں مبتلا ہونے والے سے متعلق مسائل کے تحت بیان کیا۔''

یہ صریح اس لیے نہیں کہ معروف یہ ہے کہ مشائخ کا لفظ ان حضرات کے لیے استعمال ہوتا ہے جو آئمہ کے بعد آئے ہیں____ ہاں ان کے اس استدراک (لیکن مجھے یہ بیان بھی ملا سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ہمارے مشائخ کے لفظ سے وہ آئمہ ثلاثہ کو مراد لے رہے ہیں رحمۃ اللہ علیہم سند کے لحاظ سے زیادہ واضح اور اعتماد کے لحاظ سے زیادہ جلیل القدر عبارت وہ ہے جو حلیہ اور غنیۃ میں مجتبیٰ سے، اور اس میں امام شمس الآئمہ حلوانی سے منقول ہے'' مسافر کو جب پاک جگہ نہ ملے اس طرح کہ زمین پر نجاستیں پڑی ہوئی تھیں اور زمین بارش سے بھیگ کر نجاستوں

سے آلودہ ہوگئی۔ تو اگر وہ یہ کرسکتا ہو کہ تیز چل کر ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں وقت نکلنے سے پہلے اسے نماز پڑھنے کے لیے کوئی پاک جگہ مل جائے گی تو ایسا ہی کرے ورنہ اشارے سے نماز ادا کرلے اور اس کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں"

پھر حلوائی فرماتے ہیں جو اشارے کے لیے یہاں خروج وقت کا اعتبار فرمایا ہے اور وہاں جواز تیمم کے لیے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ امام زفر نے دونوں جگہ برابری رکھی۔ اور ہمارے مشائخ سے تیمم کے بارے میں فرمایا کہ وقت کا اعتبار ہوگا۔ اور اس (مسئلہ مسافر) میں روایت ہونا ہے کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور مسئلہ تیمم میں روایت کا ہونا اس (مسئلہ مسافر) میں بھی روایت ہونا ہے۔ حلوائی فرماتے ہیں: دونوں مسئلوں میں دو دو روایتیں ہوں گی۔

اقول:

ان کی عبارت اعتبر ھھنا ولم یعتبر ثم (یہاں اعتبار فرمایا اور وہاں اعتبار نہ کیا) میں ضمیر امام محمد کے لیے ہے۔ اور مسئلہ مسافر ہمارے ائمہ کا قول ہے تو اس مسئلہ میں ان سے روایت ہوتا تیمم کے بارے میں بھی ان سے روایت یہ ہونا ہے کہ وقت نکل جانے کے اندیشہ سے بھی جائز ہے۔

اور مسئلہ تیمم کے حفظ وقت کے پیش نظر تیمم جائز نہیں یہ بھی ہمارے ائمہ کا قول ہے تو اس میں روایت ہونا مسئلہ مسافر بھی یہ روایت ہونا کہ وہ اس جگہ سے چل کر نکل جائے اور وہاں نماز نہ پڑھے اگرچہ وقت جا تا رہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ دونوں مسئلوں میں ان کے دو قول ہیں، یہ بات الگ ہے کہ مسئلہ مسافر حکم اجازت سے مشہور ہوگیا ہے اور مسئلہ تیمم کے حکم ممانعت سے شہرت پا گیا۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ کی موافقت سے امام زفر کی قول کے تقویت پر دستیاب ہونے والی یہ سب سے زیادہ قوی سند ہے۔

جملہ ثانیہ ___ تائیدی جزئیات:

اور بزرگوں کے قول امام زفر اختیار کرنے سے متعلق ہے حالیہ میں قول امام زفر کے بیان میں ہے: "زاہدی نے اپنی شرح میں یہ حکم امام لیث بن سعد سے نقل کیا ہے۔ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ بعض تالیفات میں انہوں نے یہ دیکھا کہ امام لیث حنفی المذہب تھے صاحب الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی کتاب میں امام لیث کا ذکر کیا، اھ۔ شامی فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ یہ قول ابونصر بن سلام سے بھی منقول ہے جو بلاشبہ کبار ائمہ حنفیہ میں ہیں"۔

اقول:

جامع الرموز میں ہے: میل کی قید یہ بتاتی ہے کہ اس سے کم دوری ہو تو تیمم کی اجازت نہیں اگرچہ وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، جیسا کہ ارشاد میں ہے۔ لیکن نوازل میں ہے کہ ایسے وقت میں تیمم کرلے۔ اھ بلکہ خلاصہ میں کہ "اگر یہ پتا نہ ہو کہ اس کے اور پانی کے مابین ایک میل کا فاصلہ ہے یا کم وبیش ہے لیکن (جنگل سے) لکڑی لانے کے لیے نکلا اور اسے پانی نہ ملا اگر ایسی حالت ہو کہ پانی تک جائے تو وقت نکل جائیگا تو وہ آخر وقت میں تیمم کرلے، ایسا ہی نوازل میں ہے"۔

اور حلیہ میں ہے: فقیہ ابو اللیث نے خزانہ الفقہ میں اس صورت میں تیمم کو مطلقاً جائز کہا ہے جب اس کے اور پانی کے مابین اتنی مسافت ہو جسے وقت نماز کے اندر طے نہیں کر سکتا۔'' اور حلیہ میں بحوالہ مجتبیٰ وقنیہ ــــ اور ہندیہ میں بحوالہ زاہدی و کفایہ اور ان سب میں بحوالہ جمع العلوم یہ ہے: مچھر یا بارش یا سخت گرمی کا اندیشہ ہو تو کلہ (مچھر دانی جیسے چھوٹے خیمہ) میں تیمم کر سکتا ہے'' اھ۔ حلیہ اور بحر میں مبتغے (غین سے) کے حوالہ سے ہے: جو کسی مچھر دانی جیسے محفوظ چھوٹا خیمہ میں تو پھر یا بارش یا سخت گرمی کے اندیشہ سے اس کے لیے تیمم جائز ہے اگر وقت نکل جانے کا خطرہ ہو۔ اھ اور حلیہ بحوالہ قنیہ نجم الائمہ بخاری سے نقل ہے: اگر رات کو چھت پر ہو اور گھر کے اندر پانی ہے لیکن گھر کے اندر داخل نہیں ہوتا ہے تو تاریکی کا خطرہ درپیش ہے ایسی صورت میں اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو تیمم نہ کرے ــــ فرمایا اس میں اشارہ موجود ہے کہ اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے۔

بحر رائق میں قنیہ کے حوالے سے یہ الفاظ نقل ہیں: ''اگر وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے۔ بحر نے اسے نجم الائمہ کی طرف منسوب نہ کیا بلکہ اسے مشائخ مذہب کی روایت پر تفریع قرار دیا۔

حلیہ میں عبارات بالا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے'' بظاہر یہ سب امام زفر کے مذہب پر تفریع ہے اس لیے ان کے نزدیک دوری کا اعتبار نہیں وقت باقی رہنے اور نکل جانے کا اعتبار ہے''۔

فرمایا شاید ان مشائخ کے یہ اقوال اس بنیاد پر ہیں کہ انہوں نے امام زفر کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ سے متعلق امام زفر کی دلیل قوی ہے۔

بلکہ علامہ شامی نے تو یہ ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں فتوی امام زفر کے قول پر ہے اور یہ ان بیس مقامات میں سے ایک ہے جن میں امام زفر کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے، کتاب الطلاق باب النفقہ میں ذکر کیا ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ نظم میں یہ ہے (حمد و صلوۃ کے بعد) امام زفر کے قول پر فتوی نہ دیا جائیگا مگر صرف بیس صورتوں میں جن کی تقسیم روشن ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس کے لیے جسے وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تیمم جائز ہے لیکن احتیاطاً پانی سے طہارت کر کے اعادہ کرے۔''

جملہ ثالثہ ــــ دلیل امام زفر کی تقویت:

اس پر چند طرح استدلال کیا جاتا ہے:

دلیل اوّل:

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ تیمم اسی لیے تو مشروع ہوا ہے کہ نماز کی ادائیگی وقت کے اندر کی جاسکے۔ لہذا اس جواب سے ان پر الزام نہیں آتا کہ ''نماز کا نائب کی جانب فوت ہونا' فوت نہ ہونے کی طرح ہے۔

جواب ــــ اوّلاً:

جیسا کہ بحر نے اظہار کیا: مسافر کے لیے نص سے تیمم کا جواز فوت وقت کے اندیشہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے ذمہ

فوت شدہ نمازیں زیادہ نہ ہوں جنکی ادائیگی اور قضائیں سے زحمت نہ ہو"۔

اقول:

نص سے" جواز کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ نص تعبدی نہیں (بلکہ قیاسی اور معلل ہے) جیسا کہ ان کی آخری عبارت سے خود ہی مستفاد ہے۔ اگر یہ ایسا نہ ہوتا تو نماز جنازہ اور نماز عید کیلیے بھی تیمّم جائز نہ کہتے کیونکہ نص تو صرف مریض اور مسافر کے بارے میں آئی ہے۔

اب انہوں نے جو علت جواز بیان کی ہے اس پر کلام کیا جاتا ہے فاقول کیا آپ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں کہ پانی ایک میل کی دوسری پر ہو تو تیمّم جائز ہے؟ اگر چہ پانی اس کی سمت سیری میں ہو۔ اس میں فوت شدہ نمازوں کی زیادتی کہاں ہے؟ یہ بات بھی ہے کہ اگر زیادتی فوائت کا اندیشہ ہے تو دور دراز سفروں میں ہے مگر آیت کریمہ میں جو سفر مذکور ہے اس سے خاص سفر قصر مراد نہیں بلکہ یہ حکم ہر اس شخص کو شامل ہے جو شہر سے باہر ہو اگر چہ لکڑی کاٹنے یا گھاس لانے، یا سواری کا جانور ڈھونڈنے ہی کے لیے نکلا ہو، جیسا کہ خانیہ اور منیہ میں افادہ فرمایا ہے، اور ہدایہ وعنایہ میں ہے: تیمّم کا جواز ہر اس شخص کے لیے جو شہر کے باہر ہو اگر چہ مسافر نہ ہو بشرطیکہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو۔

خود آپ ہی نے خانیہ سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ: بیرون شہر تیمّم اور سواری پر ادائے نماز کے معاملہ میں قلیل وکثیر سفر سب برابر ہیں۔ قلیل وکثیر کے درمیان فرق صرف تین مسائل میں ہے: (۱) نماز میں قصر کرنا (۲) روزہ قضا کرنا (۳) موزوں پر مسح (کی مدت کم وبیش ہونا) اھ۔ جب یہ بات ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ تیمّم کی مشروعیت تحفظ وقت ہی کے لیے ہوئی ہے۔

ثانیاً:

تقصیر وکوتاہی خود اس کی جانب سے ہوئی تو یہ اس کے لیے موجب رخصت نہ ہو سکے گی۔

اقول:

اس جواب کی تقریر اس طرح ہوگی، ہمیں تسلیم ہے کہ تیمّم وقت کے تحفظ کی خاطر لیکن جو ایسا ہو کہ وقت کی تنگی خود اس کی طرف سے نہ پیدا ہوئی وہی اس کی رخصت کا مستحق ہوگا مثلاً وہ شخص جسے کسی دشمن یا مرض کا خطرہ ہو کہ وہ اگر انتظار کرتا ہے تو وقت نکل جائے گا اور خود اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں تو اس کے لیے شریعت نے تیمّم کی رخصت دی ہے تا کہ وہ وقت فوت نہ ہو لیکن اس شخص نے تو کوتاہی کی ہے اور خود ہی نماز یہاں تک مؤخر کردی کہ وقت میں طہارت کی نماز کی گنجائش نہ رہی تو ایسا شخص رخصت کی آسائش پانے کا حقدار نہیں۔

فتح القدیر میں اس جواب کو ان الفاظ سے رد کر دیا ہے "جواب اسی وقت تام ہوگا جب اس نے کسی عذر کے نماز مؤخر کردی ہو"۔

اقول:

مقصد یہ ہے کہ حکم تو (بلا عذر تاخیر کرنے والے اور عذر کی وجہ سے تاخیر کرنے والے) دونوں ہی فریقین کے نزدیک عام ہے (جس کے یہاں جواز ہے تو دونوں کے لیے جس کے یہاں عدم جواز ہے تو دونوں کے لیے) اب وہ شخص بیدار ہوا تو ایسے ہی وقت کہ پانی سے طہارت اور ادائے فرض

کی گنجائش نہیں اس کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ خود اسی کی جانب سے کوتاہی ہوئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

''نیند (کی صورت میں ہے)'' کوئی کوتاہی نہیں کرتا کوتاہی تو بیداری (کی صورت میں ہے) یہ حدیث امام مسلم نے ابوقتادہ سے روایت کی۔ ایسے ہی وہ شخص جسے نماز کا خیال نہ رہا یاد آئی تو وقت تنگ ہو چکا ہے۔ خطا و نسیان تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے اٹھا لیا گیا ہے تو نسیان والے کی جانب سے بھی کوتاہی نہیں۔

بلکہ اقول:

(دوسرے نمبر پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خدا کی دی ہوئی رخصتیں ہمارے نزدیک مطیع و عاصی دونوں ہی کے لیے عام ہیں۔ جو کسی معصیت کے لیے سفر کر رہا ہے اس کے لیے بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے بلکہ اس کے ذمہ نماز قصر کرنا واجب ہے۔ اور جسے زنا کی وجہ سے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) جنابت ہوئی اور پانی نہ پا سکا اس کے لیے بھی تیمم جائز بلکہ فرض ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ امام ابن الہمام کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں ان کی عبارت نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔ اور ''تاخیر بلا عذر'' سے متعلق بعینہ یہی بحث کی ہے جو میں نے کی ـــ وللہ الحمد ان کے الفاظ یہ ہیں: ''لیکن مذہب یہ ہے کہ رخصتوں کے معاملہ میں مطیع و عاصی یکساں ہیں۔

بلکہ انہوں نے ایک اور افادہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ اس حد تک تاخیر ایسا عذر ہے جو غیر صاحب حق کی جانب سے رونما ہوا۔ تو اس کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، پھر وضو کر کے اعادہ کرے جیسے وہ شخص جو بندوں کی جانب سے پیدا ہونے والے کسی عذر کی وجہ سے وضو پر قادر نہ ہو۔

☆ میں یہ کہتا ہوں فریقین میں سے کسی جانب سے بحث میں اس کلام کا کوئی دخل نہیں، اس لیے یہ کسی کا قول نہیں کہ پہلے تیمم کر لے، پھر پانی سے اعادہ کرے۔ ہمارے ائمہ کے نزدیک اس لیے کہ وہ یہاں جواز تیمم کے قائل ہی نہیں اور امام زفر کے نزدیک اس لیے کہ وہ اعادہ کے قائل نہیں۔ اس مقصد کی تقریر اس طرح ہونی چاہیے تاکہ فتح کی عبارت سے متعلق یہ تیسرا کلام ہو جائے کہ آپ نے جو فرمایا کہ کوتاہی خود اس کی جانب سے ہوئی تو اس پر زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے کہ آپ حکم دیں کہ وہ تیمم کر لے پھر اعادہ کرے جیسا کہ یہ ہر اس عذر کا حکم جو بندوں کی جانب سے رونما ہوا ہو۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اسے آپ تیمم سے بالکل ہی روک دیں۔

دلیل دوم:

یہ نماز خوف ہے جس کی مشروعیت تحفظ وقت کے لیے ہی ہوئی ہے۔

اس کا جواب:

بحر میں یہ دیا ہے کہ: نماز خوف تو خوف کی وجہ سے ہے، فوت وقت کے اندیشہ سے نہیں ہے'' اھ

اقول:

سبحان اللہ۔ خوف کی حیثیت اتنی بڑھی ہوئی نہیں کہ منافی نماز کے ارتکاب کے ساتھ وقت کے اندر نماز ادائیگی لازم کر دے بلکہ ان

کے لیے امن واطمینان ہونے تک تاخیر کی گنجائش تھی جیسا کہ بحر کے اندر متعدد جزئیات میں خود آپ ہی اس کے قائل ہیں۔ چند جزئیات درج ذیل ہیں:

جزئیہ ۱:

کسی کنویں پر ایک ہجوم جمع ہے اور باری باری پانی نکالنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں اس لیے کھڑے ہونے کی جگہ تنگ ہے یا ڈول رسی ایک ہی ہے یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ جب تک اس کی باری آئے گی وقت نکل جائیگا تو ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ انتظار کرے تا کہ وقت کے بعد وضو کر سکے اور امام زفر کے نزدیک یہ حکم ہے کہ تیمّم کرلے۔

جزئیہ ۲:

چند آدمی برہنہ ہیں جن کے پاس (ستر عورت کے قابل) ایک ہی کپڑا ہے جسے باری باری باندھ کر نماز ادا کرتے ہیں، ان میں سے کسی کو معلوم ہے کہ جب تک اس کی باری آئے گی وقت نکل جائے گا تو وہ انتظار کرے اور برہنہ نماز نہ پڑھے۔

جزئیہ ۳:

کسی کشتی یا تنگ کوٹھڑی میں لوگ جمع ہیں جہاں اتنی جگہ نہیں کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرے تو وہ بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ انتظار کرے اور وقت گزر جانے کے بعد کھڑے ہو کر نماز ادا کرے۔

جزئیہ ۴:

کسی کے پاس ایک ناپاک کپڑا ہے اور اس کے دھونے کے لیے پانی بھی موجود ہے لیکن اگر کپڑا دھونے میں لگتا ہے تو نماز کا وقت نکل جائیگا اس پر لازم ہے کہ کپڑا دھوئے (اور پاک کپڑے سے ہی نماز ادا کرے) اگرچہ وقت نکل جائے۔

جزئیہ ۵۔۶:

کوئی ایسا مریض ہے جو بروقت کھڑا ہونے پر قادر نہیں، یا ایسا بیمار ہے کہ ابھی وقت نماز میں پانی نہیں استعمال کر سکتا اور ظن غالب ہے کہ وقت نکل جانے کے بعد (کھڑے ہونے یا پانی استعمال کرنے پر قدرت ہو جائیگی، تو وہ حصول قدرت تک نماز مؤخر کرے اور وقت کے اندر (بلا قیام یا تیمّم سے) نماز نہ پڑھے۔

جزئیہ ۷:

کسی سے اس کے ساتھی نے برتن دینے کا وعدہ کیا۔ اس پر امام محمد نے یہ تفریح کی ہے کہ انتظار کرے اگرچہ وقت نکل جائے اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ وعدہ وفا کرے گا تو ظاہراً وہ استعمال پر قادر ہے۔

جزئیہ ۸:

اسی کپڑے والے نے برہنہ سے وعدہ کیا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر تجھے کپڑا دے دوں گا تو اسے برہنہ نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ جزئیہ (۷ و ۸) آپ نے بدائع سے نقل کیا، باقی تو شیخ سے۔ (ان جزئیات کی روشنی میں خوف والوں کا بھی

یہی حکم ہونا چاہئے تھا کہ وہ زوال خوف کا انتظار کریں اگرچہ وقت نکل جائے) لیکن مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لیے نماز فوت کرنا پسند نہ کیا اور نماز خوف مشروع فرمائی تو یہ نماز تحفظ وقت ہی کے لیے تو ہوئی۔

دلیل ۳۔ ہم ثم اقول:

(پھر میں کہتا ہوں) آخری دونوں جزیئے امام محمد سے منقول ہیں اور بدائع میں ان ہی کی طرف انہیں منسوب کیا ہے ہمارے امام اعظم کے نزدیک دونوں مسئلوں میں حکم دیا ہے کہ وہ وقت کے اندر تیمم سے یا برہنہ نماز پڑھ لے اس لیے ان کے نزدیک پانی کے علاوہ چیزوں پر اباحت سے قدرت ثابت نہیں ہوتی۔

اقول:

(میں یہ کہتا ہوں) اس سے بھی امام زفر کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اس لیے اگر تحفظ وقت ملحوظ نہ ہوتا تو تاخیر کا حکم ہوتا خصوصاً اس صورت میں جبکہ کسی نے وعدہ کرلیا ہے تو یہ ان کی تیسری اور چوتھی دلیل ہوئی۔ اب جزئیہ ۵، ۶ کو دیکھئے۔

فاقول:

میں نہیں سمجھتا کہ اس صورت عجز میں نماز فوت کرنے کا حکم ہمارے مذہب میں ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اطاعت بقدر استطاعت ہی لازم ہوتی ہے۔

ہمارے رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ''تو اللہ سے ڈر جہاں تک تمہیں استطاعت ہو'' اور استطاعت کے معاملہ میں موجود حالت پر ہی نظر کی جائیگی۔ دیکھیے اگر کسی کو آخر وقت میں پانی ملنے کی امید ہے تو اس پر لازم نہیں کہ نماز مؤخر کرے بلکہ وہ اسی وقت تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: آنکھ کا آپریشن کرنے اور پانی نکالنے کی وجہ سے طبیب نے بیمار کو حکم دیا کہ چت لیٹا رہے تو وہ اشارہ سے نماز پڑھے اس لیے کہ حرمت اعضاء بھی حرمت جان کی طرح ہے'' اھ یہ معلوم ہے کہ طبیب زیادہ زمانہ تک جو ایک شبانہ روز سے زیادہ نہیں ہوتی پرسکون رہنے کا حکم دیتا ہے اس کے باوجود فقہاء نے اسے اشارہ سے نماز پڑھ لینے کا حکم دیا یہ نہ فرمایا کہ (اجازت حرکت وقیام تک) نماز مؤخر کرے۔ تو ان چاروں جزئیات (۵ تا ۸) میں ہمارے امام اعظم کے مذہب پر حکم صحیح یہ ہوگا کہ جس طرح بھی اسے قدرت ہے ویسے ہی وہ وقت کے اندر نماز ادا کرے اور بعد وقت اس کا اعادہ بھی نہیں۔

اب رہے پہلے چار جزئیات فاقول ان میں بھی یہی حکم ہوگا فرق یہ ہے کہ ان صورتوں میں بعد وقت اعادہ بھی کرنا ہوگا۔ وقت کے اندر ادائے نماز کا حکم ہم نے اس قاعدہ اور جزئیہ سے اخذ کیا جو حلیہ وغنیۃ کے حوالہ سے شمس الائمہ سے ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کیا کہ ان جزئیات میں فرق نہیں اور ایک میں روایت دوسرے میں بھی روایت ہے۔ اور وہاں یعنی شمس الائمہ کے بیان کردہ جزئیہ میں یہ تھا کہ نجاست سے اتصال لازم آتا تھا اگرچہ صرف قدموں یا موزوں ہی میں، اور رکوع وسجود ترک ہوتا تھا۔ اور اس چوتھے جزئیہ میں بھی یہی نجس (کپڑے) سے اتصال لازم آ رہا ہے۔ اور اعادہ کا حکم اس لیے کہ اصل مذہب کی رعایت ہوجائے ساتھ ہی پہلے تین جزئیوں میں یہ

بات بھی ہے کہ بندوں کی جانب سے رکاوٹ کی صورت پائی جارہی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلیل پنجم:

بحر میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "(پنجگانہ نمازوں میں مقصود بالذات خود نماز ہے اور اس کے لیے قضا نہ ہونے) ادا ہونے اور وقت کے اندر ہونے کی فضیلت مودی ایک صفت ہے جو اس کے تابع ہے مقصود بالذات نہیں ہے۔ مگر نماز جنازہ وعید اصل ہیں تو ان کا فوت ہونا ایک اصل مقصود کا فوت ہونا ہے" اھ صاحب بحر کی تمام تر کاوش ہے خدا ان پر اور ان کے طفیل ہم پر رحم فرمائے۔ منحۃ الخلق میں علامہ شامی نے بھی ان سب کو برقرار رکھا ہے۔

اقول___ اولاً:

ایک شی کا دوسری شی کی صفت ہونا اس کے غیر مقصود بالذات ہونے کو لازم نہیں کرتا جیسے کفارقتل میں دیئے جانے والے غلام یا باندی میں صفت ایمان غیر مقصود بالذات نہیں بلکہ بعض اوقات خود وصف ہی مقصود ہوتا ہے جیسے مصرف زکوۃ میں صفت اسلام۔

ثانیاً:

ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے جس طرح ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح یہ بھی حکم دیا ہے نماز کو اسکے مقررہ وقت کے اندر ادا کریں اور بغیر کسی عذر کے اس وقت سے باہر لانا حرام فرمایا ہے تو یہ بھی مقصود بالذات ہے۔ ارشاد ہے "بے شک نماز ایمان والوں پر وقت باندھا ہوا فریضہ ہے"

اور ارشاد ہے نمازوں اور بیچ والی نماز کی حفاظت کرو اور فرمایا ہے: تو ویل (خرابی) ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں" یہ وہی لوگ ہیں جو نماز اس حد تک مؤخر کرتے ہیں کہ وقت نکل جاتا ہے۔ انہیں نمازی کہا، ساتھ ہی ان کے لیے ویل بھی قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ نماز وقت سے باہر ادا کرتے ہیں۔ تو خود وقت بھی مقصود بالذات ہوا۔

ثالثاً:

اگر آپ کی بات تسلیم کرلی جائے تو بھی یہ کہا جائے گا کہ وقت کا تحفظ فرض عین ہے اور جنازہ فرض کفایہ ہے اور نماز عید تو سرے سے فرض ہی نہیں (بلکہ واجب ہے) اور فرض اگر چہ مقصود بغیرہ ہو، اپنے نیچے والے سے خواہ مقصود بالذات ہو زیادہ عظمت واہمیت رکھتا ہے۔ دیکھیے اگر وقت اس قدر تنگ ہے کہ صرف فرائض ادا کرسکتا ہے واجبات کی گنجائش نہیں تو واجبات کو ساقط کردینا اور فرض پر اکتفا کرنا لازم ہے تا کہ ادائیگی وقت کے اندر ہوجائے۔ یہ معاملہ ہے تو جب فوت ادنیٰ کے اندیشہ سے تیمم جائز ہو تو اعلیٰ وجہ سے کیوں جائز نہ ہوگا جب کہ فرض جنازہ تو دوسرے کے پڑھ لینے سے ساقط ہوجاتا ہے۔

رابعاً:

آپ نے سنتیں فوت ہونے کے اندیشہ سے بھی تیمم جائز کہا ہے حالانکہ سنتیں اصل نہیں بلکہ یہ اصل کے متمم کی حیثیت سے مشروع ہوئی ہیں۔ اور اگر یہی مان لیا جائے کہ سنتیں خود مقصود اور اصل میں تو بھی کہاں وقت جیسے اہم فریضہ کا تحفظ اور کہاں سنت کا تحفظ (دونوں میں بڑا فرق ہے)

خامساً:

آپ کو یہ تسلیم ہے کہ اگر فوت ہونے والی چیز ایسی ہو کہ اس کا کوئی نائب و بدل نہیں تو اس کے لیے تیمّم جائز ہے۔اب اس میں کوئی شک نہیں خدا کا مطالبہ نماز کو اس کے وقت کے اندر ادا کرنے کا بھی اسی طرح ہے جیسے خود نماز پڑھنے کا ہے اور وقت کے اندر ادا کرنا ایسا امر ہے جس کا کوئی بدل نہیں اگر چہ نفس نماز کا بدل ہے۔دلیل پنجم کا مقصود یہی تھا جس سے جواب کو کوئی مس نہیں۔

دلیل ششم:

جیسا کہ میں کہتا ہوں ہمارے ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی جسے بیرون شہر سردی سے خطرہ ہے وہ تیمّم کرے۔جیسا کہ ہدایہ اور عامہ کتب میں ہے۔اور حلیہ، بدائع، بحر، تمر تاشی کے حوالے سے پہلے ذکر بھی ہو چکا۔یہ معلوم ہے کہ زیادہ تر صبح کو خوف ہوتا ہے جب کوئی سردی کی رات میں جنابت کی حالت میں اٹھے۔پھر سورج بلند ہونے کے بعد خوف نہیں رہ جاتا۔مگر ائمہ نے اسے یہ حکم دیا کہ آفتاب بلند ہونے تک نماز مؤخر کرے بلکہ اس کے لیے تیمّم جائز قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ تحفظ وقت ہی کے لیے ہے۔

دلیل ہفتم:

جیسا کہ میں کہتا ہوں: دشمن، چور، درندے، سانپ اور آگ کے خوف سے تیمّم جائز قرار دیا گیا ہے جب کہ معلوم ہے کہ ان میں سے زیادہ تر چیزیں ہیں جو تھوڑی ہی دیر رہتی ہے۔آگ بھی دو گھنٹے میں بجھ جاتی ہے یا گزر جاتی ہے مگر یہ حکم نہ ہوا کہ انتظار کرے اگر چہ وقت نکل جائے۔

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے۔جیسا کہ میرے دل میں خیال آیا۔کہ تیمّم تحفظ وقت کے لیے نہیں بلکہ ضرر و حرج دفع کرنے کے لیے ہے جہاں بھی ہو۔ٹھنڈک اور آگ جیسی چیزوں میں ضرر ہے اور ایک میل دور ہونے میں حرج ہے۔تو جو امر مدار جواز ہے وہ پالیا گیا۔اس سے کہ جب نماز کا وقت آگیا اور اس نے نماز پڑھنا چاہی تو اس سے اسے روکا نہ جائے گا اور اس کی موجودہ حالت ہی دیکھی جائے گی۔اس حالت میں وضو یا غسل سے واقعۃً اس کے لیے ضرر یا حرج ہے تو تیمّم اس کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔

اقول:

(میں یہ کہتا ہوں): کیا حرج یا ضرر اسی چیز سے خاص ہے جو اس کے بدن اور مال سے تعلق رکھتی ہو یا اسے بھی عام ہے جس سے اس کے دین میں نقصان و ضرر ہو؟ پہلی تقدیر پر یہ کلام ہے کہ پھر آپ نے فوت جنازہ و عید کے اندیشہ سے تیمّم کیوں جائز کہا؟۔اور دوسری تقدیر پر یہ کہ اگر اس کے دین کا نقصان اس میں ہے کہ ایک فرض کفایہ فوت ہو رہا ہے جبکہ دوسرے لوگوں سے اسکی ادائیگی عمل میں آچکی اور اس میں کہ ایک واجب فوت ہو رہا ہے۔بلکہ صرف ایک سنت بھی جس کا کوئی بدل نہیں۔(اس لیے آپ نے تیمّم کو جائز کہا) کیوں کہ بغیر تیمّم کے وہ اس شرعی مطالعہ سے عہدہ برآ نہیں سکتا۔تو اس سے زیادہ عظیم اور اس سے زیادہ شدید نقصان تو اس میں ہیں کہ ایک فرض عین اپنے وقت سے فوت ہو رہا ہے اور بغیر تیمّم کے اس عظیم تر شرعی مطالبہ ___ وقت ادائیگی ___ سے عہدہ برآمد نہیں ہوسکتا۔تو لازم ہے کہ اس کے لیے بھی تیمّم جائز ہو۔

ہذا ما عندی (میرے علم وفکر کی رو سے یہی ہے) اس تفصیل سے بحمد اللہ تعالیٰ وہ روشن ہو گیا، جس کی طرف محقق علی الاطلاق اور ان کے تابعین کا رجحان ہے کہ امام زفر کی دلیل ___ بلکہ روایت دیگر کے لحاظ سے ہمارے سبھی ائمہ کی دلیل ___ قوی ہے ___ اور جیسا بھی کم ازکم اتنا ضرور ہے کہ فریضۂ وقت کے تحفظ کے لیے اس قول کو لیا جائے پھر اعادہ کا حکم دیا جائے تا کہ مذہب کی روایت مشہورہ پر بھی عمل ہو جائے ___ شمس الائمہ کے حوالہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا اسے ذکر کرنے کے بعد غنیہ میں لکھا ہے: ''اسکی پیش نظر احتیاط یہی ہے کہ وقت کے اندر تیمّم سے نماز پڑھ لے، پھر وضو کر کے اعادہ کرے تا کہ دونوں ذمہ داریوں سے یقینی طور پر سبکدوش ہو جائے''

ان کا یہ کلام درمختار میں نقل کر کے برقرار رکھا اور درمختار کے چاروں محشی سید حلبی، سید طحطاوی، سید شامی اور سید ابوالسعود نے بھی برقرار رکھا۔ اور علامہ شامی نے فرمایا: یہ دونوں قولوں کے مابین ایک درمیانی قول ہے، اور اس میں یقینی طور پر ذمہ داری سے سبکدوشی ہے۔ اسی لیے شارح نے اسے برقرار رکھا۔ تو احتیاطاً اسی پر عمل ہونا چاہئے خصوصاً جبکہ امام ابن الہمام کا کلام امام زفر کے قول کی ترجیح کی جانب مائل نظر آتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ یہ تو ہمارے تینوں مشائخ سے ایک روایت ہے۔ اس کی نظر اس مہمان کا مسئلہ ہے جسے تہمت کا اندیشہ ہو۔ اس کے بارے میں فقہا نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے پھر اعادہ کرے'' اھ اس مقام پر ہم نے تفصیلی بحث اس لئے کی ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جب محفل میں اس پر میں نے فتویٰ دیا تو ایک عالم کو بڑا تعجب ہوا اور خدا کی جانب سے توفیق اور بلندیٔ تحقیق تک رسائی ہوتی ہے اور ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور اللہ تعالیٰ درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا و مولیٰ محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ آمین۔ (۱)

تیمّم کے لیے مٹی، جنس زمین اور ہم جنس زمین کا ہونا:

اس حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیوار سے تیمّم کیا، اسی طرح فقہاء احناف نے متفرع کیا ہے کہ تیمّم کے لیے مٹی، جنس زمین یا ہم جنس زمین سے اشیاء کا ہونا ضروری ہے، اس کی تفصیل علامہ ابوبکر علاؤالدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں۔

کون کون سی اشیاء کے ساتھ تیمّم جائز ہے؟

جن جن اشیاء کے ساتھ تیمّم جائز ہے۔ ان کی تفصیل میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہر اس چیز کے ساتھ تیمّم کرنا جائز ہے جو ''مٹی'' کی جنس سے ہو: امام ابویوسف سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت کے مطابق تیمّم فقط مٹی اور ریت کے ساتھ جائز ہے دوسری روایت کے مطابق تیمّم لفظ مٹی کے ساتھ جائز ہے، اسی دوسرے قول کا القدوری نے بھی ذکر کیا۔ اور یہی امام شافعی کا بھی مسلک ہے۔ اس سلسلے میں تمام بحث کی بنیاد مذکورہ آیت مبارکہ میں استعمال شدہ لفظ 'صعید' پر ہے کہ وہ کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد دونوں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد 'وجہ الارض' (زمین کا بالائی حصہ) ہے۔

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۴۴۱-۴۶۳

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ''التراب المنبت'' (زرخیز مٹی) ہے انکی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول ہے کہ انہوں نے ''صعید'' کی تشریح (خالص مٹی) کے ساتھ کی ہے، اور تفسیر کے باب میں انہی کی تقلید کی جاتی ہے: علاوہ ازیں اس لیے بھی قرآن مجید میں ''صعیداً طیبا'' کا ذکر ہے اور ''صعید طیب'' وہ مٹی ہے جو نباتات ''اگا سکتی ہو'' اور یہ خصوصیت صرف اور صرف مٹی کی ہے، نہ کہ نمکین اور دلدلی مٹی وغیرہ کی۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا استدلال یہ ہے کہ لفظ الصعید ''الصعود'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''بلندی'' کے ہیں۔ الاصمعی ''فرماتے ہیں'' فعیل بمعنی فاعل یعنی صعید بمعنی الصاعد (اوپر) آتا ہے، اسی طرح ایک اور امام لغت ابن الاعرابی کا قول ہے، کہ صعید اونچی جگہ کا نام ہے، حتی کہ ''قبر'' کو بھی اس کی اونچائی کے باعث ''صعید'' کہہ دیا جاتا ہے، لہذا یہ لفظ محض مٹی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ زمین کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔ بنا بریں زمین کی بعض انواع کے لیے اس لفظ کو مخصوص کر لینا، قرآنی حکم کو ''مقید'' کرنے کے مترادف ہے، جو کسی خبر واحد کے ساتھ جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ کہ کسی صحابی کے قول کے ساتھ اس کو ''مقید'' بنا دیا جائے اور اس بات کی دلیل کہ لفظ صعید زمین کی کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

علیکم بالارض ۔　　　تم زمین کو لازم پکڑو۔

کہ اس میں آپ ﷺ نے تیمم کے لیے کسی قسم کی زمین کا اختصاص نہیں فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔

میرے لیے زمین کو جائے نماز و مسجد اور ذریعہ طہارت بنا دیا گیا۔

اور لفظ الارض اپنی تمام اقسام کو حاوی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

اینما ادرکتنی الصلوة تیممت و صلیت :

مجھے جہاں کہیں بھی نماز کا وقت ہو جائے تو میں وہیں تیمم کر کے نماز ادا کر لیتا ہوں۔

اور بعض اوقات آپ کو نماز کا وقت ریتلے علاقے میں بھی آ جاتا تھا اور ایسے علاقے میں بھی زرخیز نہیں ہوتے تھے، تو ظاہر حدیث کے مطابق آپ کا اسی جگہ تیمم کرنا اور اس تیمم کے ساتھ نماز کو ادا کرنا لازم آتا ہے۔ جہاں تک امام ابویوسف کے اس قول کا تعلق ہے کہ قرآن مجید میں صعیداً کے ساتھ طیباً کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، تو یہ بات بجا ہے، لیکن الطیب'' کا لفظ بمعنی پاک و طاہر استعمال ہوتا ہے اور یہی مفہوم اس مقام کے زیادہ مناسب ہے، اسی لیے تیمم کی اجازت طہارت کے لیے دی گئی ہے، اور طہارت کسی پاک و طاہر شی کے ساتھ ممکن ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں یہاں اس کے مفہوم ''طاہر'' پر ایک طرح سے اجماع ہو چکا ہے، وہ اس طرح کہ ناپاک مٹی کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس مفہوم کے سوا کوئی اور مفہوم طیبا سے مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اس لیے مشترک لفظ میں عموم نہیں ہوتا۔

پھر زمین کی جنس'' کا جاننا ضروری ہے پس ہر وہ چیز جو آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے جیسے لکڑی، گھاس وغیرہ یا ہر وہ چیز جو آگ میں ڈالنے سے ڈھل جائے اور نرم ہو جائے جیسے مثلاً لوہا، پیتل، شیشہ، سونا اور چاندی وغیرہ، تو وہ زمین کی جنس سے نہ ہو گی اور جو چیزیں

اس کے برعکس ہیں اور آگ میں ڈالنے سے نہ جلتی اور نہ ڈھلتی ہیں تو وہی ''زمین کی جنس'' سے ہیں۔

پھر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے مابین زمین کی ہم جنس اشیاء سے تیمّم کرنے میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی ہر ہم جنس شی کے ساتھ تیمّم کرنا جائز ہے، مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ فقط انہیں ہم جنس اشیاء سے تیمّم کرنا جائز ہے، کہ جن کے اجزاء ہاتھ مارنے سے ہاتھ کے ساتھ چپک جائیں۔ اس لیے کہ امام محمد کے ہاں اصول یہ ہے کہ تیمّم میں مٹی اور اس کی ہم جنس اشیاء کے اجزاء کا استعمال ضروری ہے اور یہ بات اس وقت ممکن ہے کہ جب اس کے کچھ اجزاء ہاتھ کے ساتھ چپک جائیں، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بات شرط نہیں ہے۔ اور اصل شرط دونوں ہاتھوں کی ساتھ زمین کو مس کرنا اور پھر ان کو اپنے دوٗ اعضاء (ہاتھوں اور چہرے) پر پھیرنا ہے۔

(۱)

جن اشیاء سے تیمّم کرنا جائز ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے ایک سو اکیاسی (۱۸۱) اشیاء کا ذکر کیا ہے جن سے تیمّم کرنا جائز ہے، جن میں سے چوہتر (۷۴) منصوص ہیں، اور ایک سو سات (۱۰۷) کا اضافہ آپ نے اپنے اجتہاد سے کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ان ایک سو اکیاسی چیزوں کا بیان جن سے تیمّم جائز ہے) ان بعض اشیاء کا شمار جن سے ہمارے امام اعظم کے مذہب میں تیمم جائز ہے انھیں دو (۲) قسم کریں

منصوصات، جن کی تشریح کتابوں میں اس وقت پیش نظر ہے۔

مزیدات کہ فقیر نے اضافہ کیں و کان حقا علی افراز ھا کیلا یساق المعقول مساق المنقول (انھیں الگ کرنا میری ذمہ داری تھی تا کہ معقول کا ذکر منقول کی جگہ نہ ہو۔)

منصوصات:

نقل عبارات میں طول و تکرار ہے لہذا صرف شمار اسمائے بعض کتب پر قناعت کریں مگر خلاقیات یا خفیات کہ ان میں تکثیر اسما مناسب۔

(۱) خاک کہ اصل الاصول ہے اصل لمحرر المذھب متون عامة (یعنی خاک سے جواز تیمّم محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط اور فقہ کے عام متون میں مذکور ہے۔)

پھر اگر منبت یعنی نبات ہو تو اس سے جواز تیمّم پر اجماع امت اقول تو مستحب یہ ہے کہ اس کے ملتے اور کسی چیز سے تیمّم نہ کرے فان الخروج عن الخلاف مستحب بالاجماع (کیونکہ سرحد اختلاف سے نکل جانا بالاجماع مستحب ہے۔)

(۲) ہمارے نزدیک خاک شور بھی جس میں کوئی چیز اگنے کی صلاحیت نہ ہو خلاصة خزانة بزازیة مراقی الفلاح۔

(۳) ریتا اصل و متون عامة خلافا لابی یوسف فی قوله الاخر (امام ابو یوسف کے قول دوم کے برخلاف۔)

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵

(۴)　تھر مرعن ۳۳ کتابا (۳۳ کتابوں کے حوالہ سے اس کا بیان گزر چکا۔ت) اگر چہ صاف دھلا بے غبار ہو خانیة ۔ خلاصة ، مراقی در و کثیر۔

(۵)　باریک پیا ہوا یا سالم نوازل خانیة خلاصة بزازیة خزانة المفتین در هندیة و غیرها وقیده فی الشلبیة عن المجتبی با لمدقوق (نوازل، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانہ، المفتین، در ہندیہ وغیرہا ___ اور مجتبی کے حوالہ سے شبیہ میں اس کے ساتھ ''پسے ہوئے'' کی قید لگائی۔)

(میں کہتا ہوں) یہ امام محمد کے قول پر گئے ہیں کہ ہاتھ سے کچھ چپک جانا ضروری ہے اور امام اعظم کے مذہب میں یہ قید نہیں۔

(۶)　غبار متون وعامہ۔ اقول جبکہ نہ ناپاک خاک سے اٹھا ہو اگر چہ نجاست کا اثر زائل ہو جانے سے نماز کے لیے پاک ہو گئی ہو نہ کسی تر چیز ناپاک پر گرا ہو نہ ناپاک خشک چیز پر گر کر اسے تری پہنچی ہو اگر چہ پھر وہ تری خشک بھی ہو جائے وقدتقدم بعضه

(۷)　ناپاک خشک چیز پر گرا ہوا غبار جبکہ اسے تری نہ پہنچے تقدم فی الدروس السالفة عن الحلیة و النهایة و الهندیة و مثله فی الفتح

(۸)　تر زمین پر جس پر چھڑکاؤ ہوا کما یاتی ۔

(۹)　مقبرے کی زمین جبکہ اس کی نجاست مظنون نہ ہو،

اگر قبرستان کی مٹی سے تیمم کیا اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ مٹی نجس ہے تو تیمم جائز نہیں، ورنہ جائز ہے جیسا کہ سراج میں ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح۔

(۱۰)　گرد باد بگولا، اس سے تیمم کے دو طریقے اوپر گزرے خلاصة بزازیة ۔

(۱۱)　جلی ہوئی زمین قدمر ویاتی

(۱۲)　نمک زار زمین جس میں سے نمک نکلتا ہو اگر چہ خفیف تر بھی ہو جبکہ وہ نمک مٹی سے بنا ہو ویاتی ۔

(۱۳)　پیلی مٹی اصل ، نواز ل ، خلاصة ، خزاية ، هندية۔

(۱۴)　سرخ مٹی ھی والبدائع و الخانية۔

(۱۵)　گیرو ھی الا البدائع تبیین، فتح، بحر، نہر (بدائع کے سوا یہ سبھی یعنی اصل، نوازل، خلاصہ، خزانہ، ہندیہ، خانیہ، مزید برآں تبیین، فتح، بحر، نہر۔ اقول وہ سرخ مٹی کا غیر ہے،

اس لیے فقہا نے گیرو اور سرخ مٹی کو الگ الگ شمار کیا ہے۔ خانیہ میں فرمایا: گیرو، سرمہ اور سرخ مٹی سے تیمم جائز ہے اھ اور خلاصہ میں فرمایا: سرخ مٹی، زرد مٹی اور گیرو سے تیمم جائز ہے اھ۔ اسی کے مثل دونوں کے علاوہ میں بھی ہے ___ رہی قاموس کی یہ عبارت کہ ''گیرو ایک سرخ مٹی ہے'' تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ گیرو، سرخ مٹی ___ اور اہل لغت کا طریقہ یہ ہے کہ بیان معنی کے لیے جب وہ معرفہ بولیں تو غیر معین مراد لیتے ہیں اور جب نکرہ لائیں تو کسی معین چیز کو مراد لیتے ہیں۔

(۱۶) کالی مٹی (اور)

(۱۷) سپید مٹی بدائع هندیه۔

(۱۸) سبز مٹی نوازل خزانة تتار خانية هندیه۔

(۱۹) طفل مصری طحطاوية جس سے مصر میں کپڑے رنگتے ہیں تاج العروس۔ (علامہ طحطاوی نے ایک مسئلہ کے ضمن میں آتا ہے طفل بالفتح کو بتایا کہ جنس ارض سے ہے تذکرہ داؤد ومخزن میں طفل کو طین قمولیا نیز تذکرہ میں طین قمولیا کو طفل اور دونوں کو طلیطلی سے تفسیر کیا اور مخزن میں طین قمولیا کو کہا بہندی کھری مٹی نامند واطفال بر تہتہائے مشق میمالند (ہندی میں کھریا مٹی کہتے ہیں اور اسے بچے مشق کی تختیوں پر لگاتے ہیں۔) اقول مگر کتاب ویسقوریدوس وانواز الاسرار میں قیمولیا کے صرف دو رنگ لکھے سفید و بنفشی، اور ابن حسان نے ایک سیاہ رنگ کی لکھی اور کہا وہ علاج میں کچھ کام نہیں آتی کما فی ابن البیطار (جیسا کہ ابن بیطار میں ہے۔) اور طفل کا رنگ تاج العروس میں زرد بتایا کہ الطفل بالفتح هذا الطين الاصفر المعروف بمصرو تصبغ به الثياب (طفل بالفتح: یہی زرد مٹی جو مصر میں معروف ہے اور اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ت) ابن بیطار نے علی بن محمد سے طفل کا سبز رنگ نقل کیا کہ طین شیراز لونہ مشبع الخرۃ اکثر من خضرۃ الطفل اھ واللہ تعالیٰ اعلم (طین شیراز، اس کا رنگ طفل کی سبزی سے زیادہ گہرا سبز ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم) علامہ طحطاوی وصاحب تاج العروس دونوں سادات ساکنان مصر قریب العصر ہیں تو ان کی مراد وہی ہوگی جو شرح قاموس میں ہے۔

بحر مغرب میں ایک جزیرہ ملیون ہے وہاں ایک معبد ہے جس کی مجاور عورت ہوتی ہے بیرون شہر ایک ٹیلا ہے جسکی مٹی متبرک خیال کی جاتی ہے وہ عورت تعظیم کے ساتھ اس کی مٹی لاتی اور گوندکر ٹکیاں بنا کران پر مہر لگاتی ہے دلیسقوریدوس وغیرہ نے زعم کیا کہ اس میں بکری کا خون ملتا ہے جالینوس کہتا ہے میں اس کی تحقیق کے لیے انطاکیہ سے دو ہزار میل سفر کر کے اس جزیرہ میں پہنچا میرے سامنے اس عورت نے وہاں سے ایک گاڑی مٹی لی اور ٹکیاں بنائیں خون کا کچھ لگاؤ نہ تھا میں نے وہاں کے مؤدب لوگوں علما کی صحبت یافتوں سے پوچھا کیا پہلے کسی زمانہ میں اس میں خون ملایا جاتا تھا؟ جس نے میرا یہ سوال سنا مجھ پر ہنسنے لگا۔ ذكره ابن البيطار (اسے ابن البیطار نے ذکر کیا۔)

(۲۰) ڈھیلا اصل نوازل خلاصة خزانة منية۔

(۲۱) گل ازمنی گل مختوم عنية۔

اقول:

(میں یہ کہتا ہوں) اور حیرت ہے کہ انطا کی تذکرہ میں اس مٹی سے خون ملانے کا خیال جالینوس کی طرف منسوب کیا۔ اور تنکابنی نے تحفہ میں یہ خیال جالینوس اور دیسقوریدوس دونوں کی طرف منسوب کیا حالانکہ جالینوس ہی وہ شخص ہے جس نے اس قدر شدید مشقت جھیل کر اس خیال کے بے حقیقت ہونے کا انکشاف کیا۔

(۲۳) گوندے کی دیوار اصل خلاصة جوهرة نوازل خزانة۔

(۲۴) ڈھلیوں کی دیوار محيط خانية منية۔

(۲۵) کچی اینٹ کی دیوار غنیۃ۔

(۲۶) مٹی سے لسی ہوئی درمختار۔

(۲۷) کچی اینٹ فتح حلیہ بحر شلبیہ زاھدی۔

(۲۸) گارا (اور)

(۲۹) کیچڑ جس میں مٹی غالب ہو اور پانی مغلوب، اس کی تفصیل مقام چہارم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۳۰) جلی ہوئی خاک مختار ات النوازل نصاب حلیہ۔

(۳۱) مٹی کے ابخورے مٹکے محیط خانیہ منیہ خزانۃ کونڈے رکابیاں وغیر ہا ہر ظرف گلی جس پر روغن نہ ہو فتح شلبیۃ ازھری درمختار غیر جنس کی رنگت خزانۃ الفتاوی حلیۃ بحر ط۔

(۳۲) وہ ظرف گلی رنگین جن پر جنس ارض ہی مثلاً گیرو یا ملتانی وغیرہ کی رنگت ہو،

مٹی کے ایسے برتنوں سے تیمم جائز ہے جن پر پالش نہ کی گئی ہو ___ درمختار ___ یا پالش ہو تو جنس ارض ہی کی کسی چیز جیسے طفل اور گیرو کے رنگ سے ہو، طحاوی۔

(۳۳) سبز چمکتی چکنی صاف مٹی کے پیالے تشتریاں،

''غضارہ'' سے تیمم جائز ہے، منیہ، غضارہ چمکتی، عمدہ، سبز مٹی ہوتی ہے، حلیہ وغنیۃ بحوالہ قاموس، اس سے مراد وہ برتن ہے جو اس مٹی سے بنتا ہے جیسے رکابیاں غنیۃ اور مغرب میں لکھا ہے: غضارہ: بڑا پیالہ۔ حلیہ

جبکہ ان پر رانگ کی قلعی نہ ہو غنیۃ نہ کسی اور غیر جنس ارض قلعی یا رنگ حلیہ۔ وقد ذکرہ قبل ہذا استظہارا (اس سے پہلے اسے ''ظاہر'' کہتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اقول و ھو محل الجزم (میں کہتا ہوں حالانکہ یہ جزم کا موقع ہے۔)

(۳۴) قلعی دار ظرف گلی کا وہ رخ جس طرف قلعی نہیں خانیۃ خلاصہ غنیہ۔

اقول:

منیہ کی درج ذیل عبارت ''سبز مٹی کے ایسے پیالے سے تیمم جائز نہیں جس پر رانگ کی قلعی ہو، پیالے کا اندرونی اور بیرونی رخ دونوں برابر ہیں'' یہ وہم پیدا کر رہی تھی کہ جب صرف سامنے کا رخ قلعی کیا ہوا تو بھی مطلقاً ممانعت ہے اس لیے غنیۃ میں اس کی تاویل اس سے کی جو خانیہ میں مذکور ہے یعنی قلعی شدہ سے ممانعت میں اور غیر قلعی شدہ سے جواز میں دونوں رخ برابر ہیں۔ لیکن بزازیہ کی یہ عبارت ''جب سامنے کے رخ پر رنگ سے پالش کر دی گئی ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں اور اگر اس پر پالش نہ کی گئی ہو تو جائز ہے اھ۔ تو اس میں ''اس پر'' کا اشارہ سامنے کے رخ سے متعلق ہے۔

(۳۵) بھکیری ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ مختارات النوازل حلیہ اقول سالم ہویا

(۳۶) پسی ہوئی و قیدہ فی الخزانۃ عن النوازل و فی الجوھرۃ عن الخجندی بالمدقوق (خزانہ علیہ بحوالہ نوازل اور جوہرہ میں بحوالہ خجندی اس کے ساتھ ''پسی ہوئی'' ہونے کے قید لگائی۔)

اقول اور اس کی مثال پسے ہوئے پتھر کی ہے جس کا بیان گزرا۔ اور نوازل پھر خزانہ کے الفاظ یہ ہیں: ''تیمّم جائز ہے پسی ہوئی اینٹ پسی ہوئی ٹھیکری، زمین شور اور ایسے پتھر سے جس پر غبار ہو یا ایسے پتھر سے جس پر غبار نہ ہو اس طرح کہ دھلا ہوا ہو، یا صاف چکنا ہو، پسا ہوا ہو یا پسا ہوا نہ ہوا۔

یہ ایک ہی سطر میں دو مختلف قولوں پر چلنا ہے۔ اینٹ اور ٹھیکری سے جواز تیمّم کے لیے پسی ہوئی ہونے کی قید لگائی ہے اور پتھر سے جواز کے لیے قید نہیں تو آخر وجہ فرق کیا ہے؟ اگر کہے کہ معنی یہ ہے کہ اگر چہ پسی ہوئی ہو تو (اقول) میں یہ کہوں گا کہ ترقی اس معنی کی جانب کی جاتی ہے جس میں کوئی پوشیدہ یا کوئی اختلاف ہو۔ اس لیے کہ کلمہ وصلیہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے ماقبل کا حکم، مابعد کے حکم سے زیادہ ظاہر ہو۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا ماقبل، مابعد سے زیادہ مستحق حکم ہو۔ جیسا کہ بعض حضرات نے کہا۔ اس لیے کہ یہ با قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں ہو پاتا۔ الغرض اگر ترقی مقصود ہوتی تو کہا جاتا کہ اگر چہ پسی ہوئی نہ ہو اس لیے کہ امام محمد کا اختلاف اسی میں ہے۔

(۳۷) پکی اینٹ و یاتی

پسی ہوئی ہونے سے اس کو مقید کرنا جیسا کہ خزانہ میں بحوالہ نوازل اور اس کے مثل جوہرہ میں بحوالہ خجندی ہے۔ اس کی خامی کا بیان گزر چکا۔ اور کافی کے الفاظ یہ ہیں: ''اگر چہ پسی ہوئی نہ ہو۔''

(۳۸) روڑا

(۳۹) کتل

(۴۰) کنکریٹ

(۴۱) بجری یجوز بدقاق الاجر مختارات النوازل حلیۃ (پکی اینٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے تیمّم جائز ہے۔ مختارات النوازل، حلیہ وغیرہا۔)

(۴۲) سرخی۔ باریک کٹی ہوئی پکی اینٹ۔ وھو ما مر انفاعن النوازل و غیرھا (یہ وہی ہے جس کا بیان ابھی نوازل وغیرہا کے حوالہ سے گزرا۔)

(۴۳) کنکری۔ پتھر کے ریزے کہ زمین پر ہوتے ہیں، عربی حصاۃ۔ نوازل محیط خانیہ خزانہ خجندی جوہرہ اگر چہ باریک ریزے ریگ میں ملے ہوئے لم یخرج ای من الصعید ما یصعد علی وجھھا من دقاق الحصی حلیہ (زمین کے اوپر جو چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوتی ہیں وہ صعید سے خارج نہیں)

(۴۴) درزی کی بیٹا جس سے وہ کپڑے کو کوٹ کر سلائی دبا تا ہے لو تیمم بفھر الخیاط عند ھما یجوز و عن ابی یوسف روایتان خلاصۃ (اگر سنگ خیاط سے تیمّم کیا تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں۔ خلاصہ

اس لیے کہ اس تقلید امام محمد کے قول پر مٹی کی وجہ سے ہے کہ ہاتھ میں کچھ چپک جانا ضروری ہے۔ اور یہ اسی میں ہو سکے گا جسے آٹے کی طرح پیس دیا گیا ہو۔

اس عبارت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمد سے کوئی روایت اختلاف نہیں، حالاں کہ قول جواز یہ امام محمد سے ایک نادر روایت ہے اور روایت مشہورہ ــــ جیسا کہ خلیہ وغیرہا میں ہے ــــ یہ ہے کہ اس کے کسی جز کا ہاتھ سے چپکنا شرط ہے۔ اور وجیز کردری میں فرمایا ہے کہ '' سنگ خیاط یہ ایک پتھر ہوتا ہے جس سے کپڑے کو پیٹیا جاتا ہے اگر نگا ہوا نہ ہو، اس سے دونوں حضرات کے نزدیک تیمم جائز ہے اس بنیاد پر کہ چپکنا شرط نہیں۔

دونوں حضرات سے مراد (عندھما کی ضمیریں) شیخین ہیں۔ جیسا کہ ماسبق سے سمجھ میں آتا ہے اور جو بنیاد ذکر کی ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے وہ امام محمد کی روایت مشہورہ ان کی طرف منسوب کی ہے اس کے برخلاف جو خلاصہ میں ہے۔

(۴۵)　گچ۔ چونے کا پتھر جسے پھونک کر چونا بناتے ہیں کما سیاتی اصل قدوری ھدایة ملتقی و کثیر

(۴۶)　گچ کی ہوئی دیوار، درمختار۔

(۴۷)　کلس چونا رد المحتار۔ جاز و علیه الفتوی نصاب حلیه (جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ نصاب، حلیہ) اقول یعنی وہ کہ سنگ گچ یا سنگ مرمر کوئی پتھر پھونک کر بنا ہو۔

(۴۸)　پتھر کی راکھ اقول یعنی چونا کہ گزر گیا۔

(۴۹)　یا گھنگر کہ اس کا غیر اور اس سے سخت تر ہے۔

(۵۰)　یا کوئی پتھر پھونک کر پیس لیا جائے۔

(۵۱)　یا نرم پتھر پیس کر پھونکا جائے۔ یہ سب صورتیں پتھر کی راکھ ہیں اور سب سے تیمم جائز و المسالة مرت عن الحلیة و خزانة الفتاوی و جامع الرموز و الدروش و ط علی الدر و المراقی (اور یہ مسئلہ حلیہ، خزانہ الفتاوی، جامع الرموز، در مختار، شامی، طحطاوی علی الدر اور مراقی الفلاح میں ہے)

(۵۲)　نورہ بال اڑانے کا نسخہ ہڑتال چونا ملا ہوا۔ اصل، قدوری، ھدایة، ملتقی، کافی، تبیین، فتح، بحر، نھر، مسکین، مراقی، نوازل، خانیة، خلاصه، خزانة، سراجیة، منیة، ھندیه، ط ــــ والنوره طلاء مرکب من اخلاط یزال به الشعر نتائج شبیة (نورہ چند خلطوں سے ملا ہوا ایک طلا ہے جس سے بال اڑایا جاتا ہے۔)

اقول: نورہ کبھی خود کلس کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ تذکرہ وغیرہا میں ہے۔ اور یہ زیادہ مناسب ہے تا کہ اس لفظ سے ایک جدید فائدہ حاصل ہو۔ اور برجندی کے حوالہ سے گزرا کہ انہوں نے زاد الفقہا سے یہ سمجھا کہ نورہ سے تیمم جائز نہیں اس لیے کہ یہ رماد ہو جاتا ہے اقول یہ پتھر کے رماد کا ہوتا ہے ایسا نہیں کہ یہ رماد بن جاتا ہے۔

(۵۳) یاقوت زمرد زبرجد فیروزہ۔ تبیین، فتح، حلیہ، بحر، نہر، ہندیہ، ازھری، ط ــ وزعم بعض الناس ان الزمرد و الذبرجد واحد (اور بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ زمرد اور زبرجد ایک ہی ہے۔)

اقول: اس خیال کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ فقہانے ہر ایک کو الگ الگ شمار کیا ہے۔ تذکرہ انواع زمرد کے ذکر میں کہا ہے: کہا گیا ہے کہ اس کی ایک نوع کو صابونی کہا جاتا ہے جو سپیدی مائل ہوتا ہے اور فولس کا کہنا ہے کہ یہ زبرجد ہی سے ہے اھ۔ ہاں جامع میں ارسطو کے حوالہ سے ہے کہ زمرد اور زبرجد وہ پتھر ہے جن کے دو نام ہیں اور ان دونوں کی جنس ایک ہے اھ جنس میں اتحاد، نوع یا صنف میں اختلاف سے مانع نہیں جیسے لعل و قوت رمانی اور نیلم و بسراق۔ (اور اسی پر وہ محمول ہوگا جو تذکرہ کے اندر ان الفاظ میں ہے۔ اور معلم سے منقول ہے کہ یہ اور اسے تحفہ اور مخزن میں اس سے ــ یعنی ارسطو سے ــ یہ نقل کیا ہے کہ "ان دونوں کا معدن ایک ہے"

یہ بات زبرجد و زمرد دونوں کے ایک ہونے پر دلالت نہیں کرتی، اس لیے کہ بہت ایسی چیزیں ہیں جو کسی دوسری چیز کے معدن میں بنتی ہیں، ان ہی دونوں کو دیکھ لیجئے کہ یہ سونے کے معدن میں پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ارسطو کے کہا ــ رہا وہ جو تذکرہ میں ہے کہ "ہر مس نے کہا: ان دونوں میں سوا اس کے کوئی فرق نہیں کہ زبرجد متلون ہوتا ہے" تو اس عبارت میں تاویل کی گنجائش ہے یا یہ ایک ضعیف قول ہے ــ اب قاموس کی عبارت دیکھئے کہ "زمرد: زبرجد اس کا معرب ہے اھ" اس پر تاج العروس میں لکھا ہے: تیفاشی نے کتاب الاحجار میں رقم کیا ہے کہ فراء نے کہا کہ زبرجد، زمرد کی تعریب ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ زبرجد پتھر کی ایک نوع ہے۔ اور ابن ساعد انصاری کہتے ہیں: کہا گیا کہ اس کا معدن زمرد کے معدن کے قریب ہوتا ہے۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ اس بارے میں نص ہے کہ دونوں دو پتھر ہیں۔ انھوں نے کہا: کچھ دوسرے حضرات نے دونوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ زمرد، زبرجد سے زیادہ سبز ہوتا ہے ــ اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے اور اختیار کرتا ہے۔

(۵۷) بلخش تیمم البلخش قالہ الثانیۃ المذکورون (بلخش سے تیمم ہوسکتا ہے۔ مذکورہ آٹھوں کتابوں میں اسے بیان کیا گیا ہے۔

اقول کتب لغت حتی کہ قاموس محیط میں اس لفظ کا پتا نہیں، نہ تاج العروس نے اس سے استدراک کیا نہ جامع ابن بیطار و تذکرہ انطاکی و تحفہ و مخزن میں اس کا ذکر عجب کہ کتاب مغرب میں بھی اس سے غفلت کی حالانکہ وہ فقہ حنفی کا لغت ہے اور یہ لفظ کتب فقہ حنفیہ میں موجود پھر میں نے تاج العروس میں زیر لفظ بدخشاں دیکھا کہ اس کی کان بدخشان میں بتائی،

اس میں استدراک کے تحت لفظ باذش کے بعد یہ لکھا ہے: بدخشاں اور بذخش بھی کہا جاتا ہے۔ یہ طخارستان کے بالائی حصہ میں ایک شہر ہے اور عام لوگ اسے بلخشاں کہتے ہیں اس کے پہاڑوں بلخش، لازورد اور حجر الفتیلہ کی کانیں ہیں۔

اس سے مظنون ہوتا ہے کہ لعل کو کہتے ہوں کہ نسبت بدخشان سے لعل ہی مشہور ہے مگر انوار الاسرار میں اس کا تذکرہ نظر آیا اس میں لکھا: بلخش اطراف مشرق میں سونے کی کانوں میں ایک پتھر ہوتا ہے جو سرخ یاقوت کے رنگ کا، اور یاقوت سے زیادہ شفاف ہوتا ہے۔

اس میں اتنی بات کہ سرخ رنگ ہے اور یاقوت سے زیادہ شفاف لعل پر صادق ہے مگر سونے کی کان میں پیدا ہونا ظاہر اس کے

خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵۸)　عقیق الثمانية الا لتبيين خانية خلاصة خزانة غنية مراقی (آٹھوں کتابیں سوائے تبیین کے۔ خانیہ، خلاصہ، خزانہ، غنیۃ، مراقی۔

(۵۹)　مرجان یعنی مونگا علی مافی عامة الكتب ویاتی

(۶۰)　سرمه اصل قدروی هداية ملتقی و العامة۔ اقول مگر پسے ہوئے سے بےضرورت منع ہے اگر چہرے پر دھبا دے لانه من المثلة كما ياتی فی الطين (اس لیے کہ یہ مثلہ میں شمار ہے جیسا کہ مٹی کے بارے میں آرہا ہے)

(۶۱)　اثمد یعنی اصفہانی سرمہ سیاہ و سرخ ہوتا ہے، حدیث میں اس کی تعریف فرمائی۔ اصل، نوازل، خانیہ، خلاصہ، خزانہ۔

(۶۲)　کبریت گندھك مرعن ثمانية كتب (آٹھ کتابوں کے حوالے سے ذکر ہوا۔)

(۶۳)　زرنیخ پڑتال مرعن ستة و عشرين كتابا (چھبیس ۲۶ کتابوں کے حوالہ سے گزر چکا۔) زرد تو کثیر الوجود ہے نیز

(۶۴)　سرخ۔ حلیہ۔ غنیۃ۔

(۶۵)　سپید۔ حلیہ۔

(۶۶)　سیاہ۔ غنیۃ۔

(۶۷)　مردار سنگ معدنی ویاتی

(۶۸)　توتیا۔ نوازل، خزانہ اقول یعنی معدنی پتھر اگر ملے نہ جست کہ سونے چاندی تانبے کی طرح اجساد سبعہ میں کا ایک ہے کمایاتی (اگرچہ تحفہ ومخزن میں ناواقفانہ اسے معدنی توتیا کہا)

فرہنگ خاتمہ مخزن میں ہے:

روئے توتیا شبہ است ومشہور بروح توتیاست چہ آں توتیائے غیر مصنوع ومعدنی ست۔ روئے توتیا جست کو کہتے ہیں اور رُوح توتیا کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے کہ یہ غیر مصنوع اور معدنی توتیا ہے۔

تحفہ میں اتنا اور ہے:

بخلاف سائر اقسام توتیا کہ روئیدہ معدن نیند۔　　(بخلاف اور ساری اقسام توتیا کے کہ وہ معدن کی پیدا شدہ نہیں۔)

اقول: یہ صحیح نہیں بلکہ صفر کو کہ تانبے کی ایک قسم ہے فارسی میں رو کہتے ہیں تحفہ میں ہے: رو اسم فارسی طالیقون ست (رو، طالیقون کا فارسی نام ہے۔ ت) اسی میں ہے:

طالیقون بفارسی مس رست گویندہ صفر عربی۔　　طالیقون کو فارسی میں مس رست کہتے ہیں اور عربی میں صفر

اس سے امتیاز کے لیے جست کو روئے توتیا کہتے ہیں کہ توتیائے مصنوع جست کو رانگ سے بھی بنتا ہے، مخزن میں ہے۔

ہم چنیں از قلعی وشبہ یعنی روئے توتیا شنیدہ شد کہ بعمل آورند۔ اسی طرح سنا گیا کہ قلعی اور شبہ یعنی روئے توتیا سے بھی بناتے ہیں۔

اسی میں ہے:

شبہ بفارسی روئے تو تیا وبہندی جست۔　　شبہ، فارسی میں روئے تو تیا اور ہندی میں جست۔

جست ایک کثیر الوجود چیز ہے اور تو تیائے معدنی معدوم یا نادر الوجود۔ جامع ابن بیطار میں ہے:

فی کثیر من الاحایین قد یحتاج الی التوتیا و لاتوجد۔　بسااوقات تو تیا کی ضرورت پڑتی ہے اور ملتی نہیں۔

پھر وہ تو تیائے معدنی کیسے ہوسکتا ہے؟ بلکہ مخزن میں تو سرے سے معدنی تو تیا مانا ہی نہیں کہ انچہ بتحقیق پیوست آنست کہ غیر مصنوع نمی شد (جو کچھ تحقیق میں آیا وہ یہ ہے کہ غیر مصنوع نہیں ہوتا۔)

(۶۹)　معدنی شیشہ

(۷۰)　لاہوری نمک جسے سیدھا اور ملح اندرانی کہتے ہیں و یا تیان ان شاء اللہ تعالیٰ (دونوں کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ پھر آئے گا۔)

(۷۱)　وہ نمک کہ مٹی سے بنا ہو

اس کی دلیل زمین شور اور اس سے جواز تیمم کا مسئلہ ہے جب کہ اس کا نمک مٹی سے پیدا ہوا ہو جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس لیے کہ اگر اس نمک سے تیمم جائز نہ ہوتا جبکہ یہ اس زمین کی سطح پر پڑا رہتا ہے تو اس زمین سے تیمم جائز نہ ہوگا جیسے رانگ سے قلعی کیے ہوئے اور غیر جنس زمین سے رنگے ہوئے مٹی کے برتن سے تیمم جائز نہیں۔

(۷۲)　خاک جس میں اس سے کم راکھ ملی ہو۔ جوھرۃ فتح بحر و تقدم عن ثمانیۃ اخر فی النکات (جوہرہ، فتح، بحر اور مزید آٹھ کتابوں کے حوالہ سے نکات کے تحت اس کا بیان گزر چکا۔)

(۷۳)　یونہی اگر آٹا مل گیا اور خاک زائد ہے جوہرہ۔

(۷۴)　سونا کپڑا آدمی جانور جس چیز پر مٹی یا ایسا غبار ہو کہ ہاتھ پھیرنے سے انگلیوں کا نشان بن جائے فتح، بحر، درد و کثیر و فی التبیین یجوز بالنفتح سو اء کان الغبار علی ثوبہ اور علی ظھر حیوان (اور تبیین میں ہے کہ غبار سے تیمم جائز ہے چاہے وہ اس کے کپڑے پر ہو یا کسی جانور کی پشت پر ہو۔)

مزیدات (ایک سو سات ۱۰۷ چیزیں کہ مصنف نے زائد کیں)

(۷۵)　خاک شفا

(۷۶)　مسجد کی دیوار

(۷۷)　مسجد کا کچا خواہ پکا فرش

(۷۸)　زمین جس پر شبنم پڑی ہے

(۷۹)　سخت زمین جس پر مینہ برس کر پانی نکل گیا وھما نی معنی ما یاتی من ارض رش علیھا الماء و بقی نداہ (یہ دونوں اس زمین میں ہیں جس پر پانی کا چھڑکاؤ ہوا اور تری باقی رہ گئی)

(۸۰) گھڑا جس کے اندر پانی بھرا اوپر سے بھیگا ہوا۔
(۸۱) کھڑیا مٹی
(۸۲) ملتانی مٹی اور وہ پیلی مٹی کی غیر ہے جس کی بورے پیسے پیسے بکتے ہیں ان میں وہی فرق ہے جو گیرو اور سرخ مٹی ہیں۔
(۸۳) گل سرشوے سر دھونے کی مٹی سفیدی مائل بزردی خوشبو ہوتی ہے گل شیرازی وطین فارسی کہلاتی ہے۔
(۸۴) گل خوردنی خالص۔ سوندھی مٹی خوشبو خوش ذائقہ جسے طین خراسانی کہتے ہیں۔ بعض حاملہ عورت اور پست طبیعت لوگ اسے کھاتے ہیں۔ طباً مضر اور شرعاً حرام ہے مگر یہ تیمم جائز جبکہ اور دوائیں ملا کر اسے مغلوب نہ کر دیا ہو خالص سے ہماری یہی مراد ہے۔
(۸۵) پنڈول
(۸۶) پھوڑی مٹی کہ چکنی کے مقابل ہے لس نہیں رکھتی جلد بکھر جاتی ہے۔
(۸۷) کاٹھیاوار میں سنکر کی مٹی کہ سونے کی مثل ہوتی ہے۔
(۸۸) چولھے کی بھٹ
(۸۹) تنور کا پیٹ
(۹۰) دیوار کی لونی
(۹۱) ندی کنارے کا گیلا ریتا
(۹۲) بابو۔ بھاڑ کا ریتا
(۹۳) سراب کہ دور سے پانی نظر آتا ہے
(۹۴) ریگ روان کہ پانی کی طرح بہتا ہے۔
(۹۵) دیگچیوں کا تلا جس پر پاک لیوا چڑھا ہے اگرچہ آنچ کھا چکا۔
(۹۶) درختوں کا تنہ جس پر اکلے نے مٹی چڑھا خشک ہونے پر تیمم کیا جائے۔
(۹۷) سانپ کی بانبی۔
(۹۸) کنکر۔ مٹی ہے کہ متحجر ہو جاتی ہے، معدنی چیزوں کی طرح زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔
(۹۹) کھرنجا
(۱۰۰) پکی سڑک جبکہ نئے بنے ہوں ان پر لید، گوبر، پیشاب وغیرہ نجاست پہ پڑی یا پڑی اور زور کا مینہ برسا کہ پاک کر گیا یا دھو کر پاک کر لیے گئے۔
(۱۰۱) ریہ کہ ایک قسم کی نمکین خاک ہے۔
(۱۰۲) کچی چینی کے برتن جبکہ ان پر غیر جنس کا روغن نہ ہو۔

(۱۰۳) گندھک کے برتن پیالے وغیرہ۔

(۱۰۴) مٹی کے کھلونے جن پر غیر جنس کی رنگت نہ ہو۔

(۱۰۵) غلیل کے غلے اگر چہ ان میں روئی وغیرہ کا خلیط ہو جبکہ مٹی غالب ہو۔

(۱۰۶) پتھر کی بجری کی قدرتی پتھر دال کے برابر ہے۔

(۱۰۷) سیمنٹ ایک پتھر ہے پھنکا ہوا۔

(۱۰۸) ہرونجی دیواروں پر سرخ رنگت میں کام آتی ہے۔

(۱۰۹) سیل کھری اس سے دیوار پر سفید چمکدار چکنی قلعی ہوتی ہے اگر چہ تھوڑا دودھ ملاتے ہیں۔ مگر وہ قلیل ہے اور اعتبار غالب کا کما تقدم (جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔)

(۱۱۰) گٹی کہ عمارت کے کام کا چونا ہے۔

(۱۱۱) کالا چونا یہ بھی کار عمارت میں آتا ہے اور کوئلہ مغلوب۔

(۱۱۲) گٹا پکی اینٹ توڑ کر کالا چونا اور گٹی ملاتے ہیں۔

(۱۱۳) صندلہ گٹی اور سرخی ملا کر۔

(۱۱۴) قلعی کا سفید جس سے دیوار پر سفیدی ہوتی ہے معدنی پتھر ہے عربی اسفیداج الجصاصین۔

(۱۱۵) کہگل کی دیوار لان التبن قلیل مستھلک (اس لیے کہ اس میں بھس تھوڑا اور فنا ہوتا ہے۔)

(۱۱۶) یونہی جس درو دیوار یا چھت پر صندلہ یا (۱۱۷) سیمنٹ پھرا ہو۔

(۱۱۸) جس درو دیوار پر بالوتر ہو۔

(۱۱۹) جن پر بادامی،

(۱۲۰) لاکھی، (۱۲۱) سرخ، (۱۲۲) سبز، (۱۲۳) زرد، (۱۲۴) دھانی، (۱۲۵) آسمانی،

(۱۲۶) کھتئی، (۱۲۷) زنگاری، (۱۲۸) خاکی، (۱۲۹) فاختئی، (۱۳۰) پیازی،

(۱۳۱) فیروزی رنگتیں ہوں، کہ اگر چہ سرخ میں شنجرف، سبز میں مصنوع توتیا آم کی چھال بکائن کے پتے، زرد میں کبھی ملتانی کے سوا ٹیسو کے پھول، دھانی میں کبھی سبز گل کے سوا وہی توتیا چھال، آسمانی میں کوئلہ۔ مصنوع لاجورد، کھتئی میں ببول کی چھال، زنگاری میں سبز توتیا، خاکی میں کوئلہ، فاختئی میں لاجورد پیازی میں پیوڑی، فیروزی میں توتیا وغیرہ وغیرہ اشیائے غیر کی آمیزش ہے مگر بہر صورت اصل گٹی ہے اسی کا حصہ کثیر و غالب اور ان کا خلط اس میں رنگت لانے کے لیے ہوتا ہے۔

(۱۳۲) پکی قبر کہ وہاں ظن نجاست نہیں۔

(۱۳۳) سنگ مرمر (۱۳۴) سنگ موسیٰ (۱۳۵) سنگ سپید (۱۳۶) سنگ سرخ

(۱۳۷) چوکا۔ گہرا سبز

(۱۳۸) سنگ ستارہ سرخی مائل بہت چمکدار ذرے نمایاں۔

(۱۳۹) گئودنتی سپید نیلگوں جھلکدار، اس کے نگینے بھی بنتے ہیں۔

(۱۴۰) حجر الیہود و (۱۴۱) مقناطیس (۱۴۲) سنگ سماق جس کے کھرل مشہور ہیں۔

(۱۴۳) سان (۱۴۴) سلی (۱۴۵) کرنڈ (۱۴۶) کسولی

(۱۴۷) چقماق (۱۴۸) ریل کا کوئلہ کہ پتھر ہے

(۱۴۹) سلیٹ (۱۵۰) ترکستان کا وہ پتھر کہ لکڑی سے جلتا ہے۔

(۱۵۱) شام شریف کا وہ پتھر کہ آگ میں ڈالے سے لپٹ دیتا ہے۔

(۱۵۲) صقلیہ کا وہ پتھر کہ گرم پانی سے مشتعل ہوتا اور تیل سے بجھتا ہے۔

(۱۵۳) حجر الفتیلہ جس کی بتی بنا کر جلاتے ہیں ان چاروں پتھروں کا بیان اوپر گزرا۔

(۱۵۴) بلور معدنی پتھر ہے ولا ینافیہ ما مر من ظن ارسطو انه من انواع الزجاج المعدنی (اور ارسطو کا یہ خیال جو بیان ہوا کہ ''وہ معدنی زجاج کے اقسام سے ہے'' اس کے منافی نہیں۔)

(۱۵۵) سنگ جرات اور (۱۵۶) وہ لاجورد و (۱۵۷) زہر مہرہ و (۱۵۸) مہرۂ مار کہ معدنی ہوں۔

(۱۵۹) دریائی توتیا کہ پتھر ہے امین الدولہ نوشتہ کہ توتیا بحری نیز باشد و آں سنگہائے سفید مستدیر شبیہ بسنگریزہ است، مخزن (امین الدولہ نے لکھا ہے کہ توتیا بحری بھی ہوتا ہے، یہ سفید، گول سنگریزہ کے مشابہ پتھر ہوتے ہیں۔ مخزن۔)

(۱۶۰) الماس یعنی ہیرا (۱۶۱) لعل (۱۶۲) نیلم (۱۶۳) پکھراج (۱۶۴) یشب

(۱۶۵) گئوسیدک چمکدار جواہر سے ہے زرد سرخی مائل نورتن میں داخل۔

(۱۶۶) سنگ شجری۔ درخت کی سی جھلک نظر آتی ہے۔ زیور میں جڑا جاتا ہے۔

(۱۶۷) سنگ سنہرا مشابہ پکھراج مگر اس سے ہلکا۔ یہ بھی جڑائی کا کام آتا ہے۔

(۱۶۸) بسد کہ مستقل پتھر ہے یا بیخ مرجان۔ بہر حال قابل تیمم ہے۔

(۱۶۹) دہنج یعنی دہنہ فرنگی جسے لوگ دہن فرنگ بولتے ہیں۔

(۱۷۰) عین الہر یعنی لہسنیا۔

(۱۷۱) جزع یعنی مہرۂ یمانی۔

(۱۷۲) دانہ سلیمانی۔

(۱۷۳) سبز (۱۷۴) خاکی (۱۷۵) سنہری ہڑتال۔

زرنیخ سات قسم کی ہوتی ہے چار قسمیں حلیہ وغنیّۃ سے گزریں تکمیل کے لیے ہم نے انہیں اضافہ کیا ورنہ اس طرح اقسام گنی جائیں تو شمار بہت ہو مثلاً کبریت بھی زرد، سرخ، سیاہ، سفید، زرد مائل، سبزی مائل بکبودی، پچرنگی متعدد اقسام کی ہوتی ہے۔ اور درزی کی بیٹا شمار فرمائی۔

(۱۷۶) توسل　(۱۷۷) بٹا

(۱۷۸) چکی کے پاٹ　(۱۷۹) تولنے کے باٹ کہ پتھر کے ہوں۔

(۱۸۰) کھرل کیوں نہ معدود ہوں۔

(اس میں آٹھ پتھر ہیں، یاقوت، پنا یعنی زمرد، نیلم، پکھراج، لہنیا، مونگا، ہیرا، گئو سیندک اور نواں موتی)

شاید حلیہ وغنیّۃ نے ہڑتال کی سبز قسم اس لیے ترک فرمائی کہ کمیاب ہے، تذکرہ میں ہے:

ہڑتال کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) زرد۔ یہ ساری قسموں سے بہتر ہوتی ہے۔

(۲) سرخ۔ عمدگی میں اسی کے قریب ہوتی ہے۔

(۳) سفید۔ اسے زرنیخ، نورہ اور بال کی دوا بھی کہا جاتا ہے اور یہ سب سے زیادہ پامال قسم ہے۔

(۴) سبز۔ یہ سب سے کم یاب اور کم نفع ہے۔

(۵) سیاہ یہ حدت میں سب سے شدید اور کبرتیت میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

اقول:

سبز قسم کے بارے میں جو بتایا یہ معہود کے برخلاف ہے اس لیے کہ معہود یہ ہے کہ جو چیز زیادہ نفع بخش ہوتی ہے وہ کم یاب ہوتی ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔

مشہور یہی پانچ قسمیں ہیں۔ اور خاکی اور سنہری ابن البیطار نے کتاب الاحجار سے نقل کیں۔

اقول:

مگر یہاں ایک دقیقہ ہے جس کا ذکر کتب میں نظر سے نہ گزرا بعض پتھر پیدائشی یا ان میں دانت پیدا کرنے سے ایک سمت میں ایسے کھدڑے ناہموار ہوتے ہیں کہ ان پر کفدست کی ضرب سے ہتھیلی کی پوری سطح پتھر سے مس نہ کرے گی اس صورت میں اگر اکثر کف کو مس نہ ہوا تیمّم صحیح نہ ہوگا لہذا اقبال وادبار جن کا ذکر حواشی میں گزرا یعنی ہاتھ جنس ارض پر ملنا آگے لے جانا پیچھے لانا کہ سنت تھا یہاں فرض ہوگا کہ تمام کف یا کم از کم اکثر کو پتھر سے مس ہو جائے، یہی حکم کنکریلی ناہموار زمین وغیرہ میں ملحوظ رہنا لازم۔

ثم اقول:

کہ چہرہ وہر دو دست کو اکثر کف سے مسح کرنا ضرور ہے یہاں جنس ارض پر خود اکثر کف ہی کا مسح ہوا تو لازم ہوگا کہ یہ اکثر تمام وکمال یا اس کا اتنا حصہ جس پر اکثر صادق آئے چہرہ وہر دو دست سے مس کرے ورنہ اگر کف سے مسح کیا اور رہ اس حصے سے مل کر اکثر کف ہے

جس نے جنس ارض سے مس نہ کیا تھا تو تیمم نہ ہوگا۔

ثم اقول:

وہ جو گزرا کہ کف دست کے لیے جنس ارض پر ضرب ہی بس ہے انھیں دوبارہ مسح نہ کرے اس حالت میں ہے کہ پورے کف دست کا جنس ارض سے مس ہو گیا ورنہ اگر اکثر مس ہوا اور اسی اکثر سے چہرہ و ہر دو دست کو مسح کیا تو یہ مسح ان کے لیے کافی سہی خود کفدست کے جو بعض حصے باقی رہ گئے استیعاب نہ ہوا تیمم نہ ہوا لہذا اس صورت میں لازم ہے کہ ہتھیلیوں پر بھی ہاتھ پھیرے۔

یہ سب اگر چہ میری نظر سے نہ گزرا مگر ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح و واضح ہے تو اسے یاد رکھو محفوظ رہو گے اور خدائے تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

(۱۸۱)　ابرک بھی حسب تصریح اہل فن پتھر ہے تو ضرور کہ اس سے بھی تیمم جائز ہو۔ انوار الاسرار میں ہے:

(ابرک کا پتھر ایک چمکدار پتھر ہوتا ہے جو چند ورقوں سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

جامع ابن بیطار میں محمد بن عبدون سے ہے:

طلق (ابرک) ایک بہت چمکدار پتھر ہوتا ہے جب اسے کوٹا جاتا ہے تو چھوٹی چھوٹی باریک تہوں میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

طلق، قبرس میں شب یمانی کے مشابہ ایک پتھر ہوتا ہے جو تہوں میں چاک ہو جاتا ہے اور اس کی تہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اس ٹکڑے کو آگ میں ڈالا جاتا ہے اور بھڑک اٹھتا ہے اور روشن ہو کر نکلتا ہے مگر وہ جلتا نہیں ہے۔

وہ پارہ ہے جس سے زمینی اجزا مل گئے ہیں اور اس پر خشکی غالب کر کے ایسی تہوں میں جما دیا ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے بندھ گئی ہیں۔

اس کی ماہیت ایک معدنی جسم ہے۔ خالص پارہ اور تھوڑی کبریت سے بنتا ہے اس پر ارضیت اور خشکی غالب ہوتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک صفائحی جو ورق ورق ہو جاتا ہے دوسری قسم گچ کے پتھر کی طرح ہوتا ہے۔

بلکہ سنگ گچ اسی کی ایک قسم ہے۔ جامع میں زکریا رازی کی کتاب علل المعادن سے ہے:

ابرک کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ کہ چوڑی چوڑی ہوتی ہے جو گچ کے پتھروں سے بنتی ہے، اور جزیرہ قبرس میں پیدا ہوتی ہے۔

اسی قسم کا نام جبسین ہے اور یہی اندلسی ابرک ہے۔

جبسین گچ ہی ہے اور گچ یہی جبسین ہے اور یہ نرم، خوب چمکدار، سفید، سرخ اور دونوں کی آمیزش رکھنے والا ایک پتھر ہوتا ہے اور یہ سنگی زمینی اجسام سے ہے۔

جبسین وہی گچ ہے اور حقیقت میں وہ ابرک ہے جو ابھی پکی نہ ہو اور کہا گیا یہ پارہ ہے جس پر زمینی اجزا کا غلبہ ہوا تو پھر بن گیا۔

اور گچ سے جواز تیمم عامہ کتب متون و شروح و فتاوی میں منصوص اور خود محرر مذہب نے اس پر نص فرمایا تو ابرک سے بھی جواز لازم واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (۱)

۱۔　فتاوی رضویہ، ج ۳، ص ۶۴۸۔۶۴۹

وہ اشیاء جن سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے ایسی اشیاء جن سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے ان کی تعداد ایک سوتیس (۱۳۰) بیان کی ہے، ان میں سے اٹھاون (۵۸) علماء سے منقول ہیں، اور بہتر (۷۲) کا اضافہ امام اہل سنت نے اپنے اجتہاد و استنباط سے کیا ہے۔

اس تمام کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

وہ بعض اشیاء جن سے ہمارے ائمہ کے نزدیک تیمّم صحیح نہیں۔ ظاہر ہے کہ اشیائے معدودہ کہ جنس ارض ہیں ان کے سوا دنیا کی تمام چیزیں ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناقابل تیمّم ہیں تو ان کا شمار نامقدور مگر ہم یہاں بدستور ان کا ذکر کریں جن پر کتب میں نص اس وقت پیش نظر، عام ازیں کہ ان میں کوئی محل خفا ہو یا نہ ہو جیسے علما نے نص فرمایا ہے کہ گھاس لکڑی مہندی برف سے تیمّم باطل ہے اس پر بعض عوام کہیں گے علما نے ایسی چیزیں کیوں گنائیں ان سے تیمّم نہ ہوسکنا ہر شخص جانتا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے ہر شخص اگر جانتا بھی ہے تو یوں ہی کہ علمائے کرام افادہ فرما گئے ورنہ کیا اپنے گھر سے جان لیتا اقول بلکہ یہ اب تمہارے لیے ظاہر ہیں ورنہ ان میں نہ وہ خفا ہے کہ بعض ائمہ مجتہدین پر ان کا ناقابل ہونا ظاہر نہ ہوا مقدمہ عشمادیہ اور اس کی شرح لاحمد بن ترکی المالکی میں ہے:

تیمّم کے فرائض چار ہیں:

چوتھا فرض پاک صعید۔ اور یہ ہر وہ چیز ہے جو روئے زمین پر چڑھی ہوئی ہے۔ یعنی جنس زمین سے ہو جیسے برف یا خضخاص یا نقد (سونے چاندی) اور موتی کے علاوہ کوئی دھات مگر یہ کہ ان دونوں کے سوا کچھ نہ ملے۔ ان کی عبارت میں ''من ثلج''۔ برف، اسی کے مثل جما ہوا پانی اور پالا بھی ہے، اسی طرح نمک پر بھی تیمّم کرسکتا ہے اگرچہ حلفاء یا راک سے بنا ہوا ہو اور معتمد یہ ہے کہ لکڑی پر، کھیتی پر اور گھاس پر تین شرطوں سے تیمّم جائز ہے: (۱). جب دوسری چیز نہ ملے (۲) اور وقت تنگ ہو (۳) اور اسے اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو جو شخص کسی درخت یا سواری پر ہو اور اسے نہ پانی ملے مٹی تو وہ لکڑی پر تیمّم کرلے گا۔ یہی معتمد ہے۔

پھر مزیدات لکھیں اور ان میں غالباً محل خفا و شبہ و افادہ تازہ کا لحاظ رکھیں۔ وباللہ التوفیق۔

منصوصات:

(۱) جما ہوا پانی، جیسے کل کا برف اگرچہ سل کی سل ہو۔ تبیین، فتح، بحر،

(۲) کپڑا

(۳) نمدا۔ خانیہ۔

(۴) درخت، تحفہ، بدائع الصنائع، ہندیہ، فتح، حلیہ، بحر۔

(۵) گھاس اربعۃ اول و الحلیۃ (پہلی چاروں کتابیں (تحفہ، بدائع، الضاح، ہندیہ) (اور حلیہ)

(۶) لکڑی، بدائع، حلیہ، ہندیہ

(۷)　کھوراسراجیہ

(۸)　نباتات

(۹)　میوے، غنیۃ

(۱۰)　مہندی ظهيريه خزانه خزانة الفتاوی حليه

(۱۱)　وسمہ الاوکان (پہلی دونوں کتابیں یعنی ظہیریہ اور خزانہ)

(۱۲)　گیہوں۔ محيط جواهر اخلاطی منيه کافی خلاصه ظهيريه خزانه

(۱۳)　جو الخلاصه (پہلی دونوں (محیط، جواہراخلاطی، اور خلاصہ)

(۱۴)　ہرقسم کا غلہ لثلثة الاوّل (پہلی تینوں (محیط، جواہراخلاطی، منیہ)

(۱۵)　آٹا لثلثة الاخيرة خزانة الفتاوی حليه جوهره بحر (آخری تینوں (خلاصہ، ظہیریہ، خزانہ) خزانۃ الفتاوی، حلیہ، جوہرہ، بحر)

(۱۶)　ستو۔ خزانة الفتاوی حليه ظهيريه خزانه

(۱۷)　جملہ اقسام طعام منیہ

(۱۸)　سونا

(۱۹)　چاندی، دیاتیان

(۲۰)　لوہا خانية ظهيريه خزانه کافی منيه تحفه بدائع زاد الفقها جلابی برجندی خزانةالفتاوی جامع الرموز حليه الضاح هنديه۔

(۲۱)　رانگ

(۲۲)　سیسا الخمسۃ الاول خلاصہ سراجیہ اخلاطی مسکین (پہلی پانچوں (خانیہ، ظہیریہ، خزانہ، کافی، منیہ) خلاصہ، سراجیہ، اخلاطی، مسکین۔) (فقہانے ''رصاص'' کا ذکر کیا ہے۔ اور انوار میں لکھا ہے: رصاص یہ اسرب ہے۔ اور تذکرہ میں ہے: تو اسرب ہی مراد ہوگا جب یہ نام بولا جائے۔ اور قصدیر کے نام کے ساتھ قلعی مخصوص ہے اھ اور یہی جالینوس کے کلام کا بھی مدلول ہے جو جامع میں ''رصاص'' کے تحت منقول ہے۔ اور تحفہ و مخزن میں اس کے برعکس بتایا۔ دونوں میں یوں لکھا ہے: مطلق سے مراد قلعی ہے اور رصاص (ابیض کہتے ہیں اور فارسی میں ارز نیر کے کہتے ہیں اھ۔ مخزن میں مزید یہ بھی ہے: اور ہندی میں رانگا کہتے ہیں۔ اور اسود سے مقید ہو تو اسرب مراد ہوتا ہے جسے ہندی میں سیسا کہتے ہیں۔

اور غافقی نے لفظ رصاص میں دونوں (رانگا اور سیسا) کو شامل قرار دیا۔ لکھا ہے جیسا کہ جامع میں ہے اس کی دو قسمیں ہیں: سیاہ یہ اسرب اور آنک (رانگ اور سیسا) ہے، دوسری قسم رصاص قلعی، یہ قصدیر ہے اھ۔ اسی پر قاموس میں جزم کی اور تاج العروس میں بھی اسے

برقرار رکھا۔ اسی لیے ہم نے علما کے کلام کو اسی پر محمول کیا۔

تذکرہ میں ہے صفر: نجاس (تانبا) قاموس میں ہے: من النحاس اھ (تانبے کی ایک قسم) تاج العروس میں ہے: اور کہا گیا صفر تانبے کی وہ قسم ہے جو زرد ہو۔ اسی کو ہمارے شیخ نے مناسبت تسمیہ کے باعث ترجیح دی ہے اھ اور میں نے جو لکھا وتحفہ اور مخزن میں طالیقون کے تحت مذکور ہے۔ اور یہی اقرب ہے اور قاموس کی عبارت اس کے منافی نہیں۔

(۲۳)　تانبا بدائع خانیه ظهیریه خلاصه خزانه غنیه هندیه حلیه۔

(۲۴)　صفر کہ معدنی زرد تانبا پیتل کے مشابہ ہے آنچ سے سیاہ نہیں پڑتا السبعة الاول تحفه ایضاح معادن فتح بحر تنویر اس سے یہی سات جسم منطبع بالنار مراد ہیں جن کو اجساد سبعہ یا منطرقات ہفت فلزات، سات دھات کہتے ہیں، ان میں چھ یہی کہ گزرے صفر تانبے ہی میں داخل ہے اور ساتوں شبہہ معدنی جسے خارصینی اور روح توتیا یا روئے توتیا کہتے ہیں۔

(مخزن میں طالیقون کے تحت ہے۔ ساتوں اجسام سونا۔ چاندی، تانبا، لوہا، سیسا، رانگ، روح توتیا اھ اور اس کی فہرست میں ہے روئے توتیا شبہ ہے اور روح توتیا سے مشہور ہے اھ۔ اور شبہ کے تحت لکھا ہے: فارسی میں روئے توتیا اور ہندی میں جست۔ پانی اس میں سرد ہو جاتا ہے اور خالص جست کا برتن ٹوٹنے والا ہوتا ہے۔ اور تحفہ میں ہے: اس کی خاصیت یہ ہے کہ جست کا ایک برتن تنگ منہ والا لے کر اس میں پانی رکھیں اور ایک کشادہ منہ والا برتن لے کر اس میں تھوڑا شورہ ڈالیں پھر پانی والا برتن اس میں رکھ کر معتدل حرکت دیں پانی انتہائی سرد ہو جائے گا یہ طریقہ اہل ہند کے یہاں رائج ہے۔ تذکرہ میں شبۃ بالتانیث، اس مشہور دھات کو کہتے ہیں جواب روح توتیا سے مشہور ہے اور اسے خارصینی بھی کہا جاتا ہے۔

اقول:　صاحب تذکرہ کا اسے تائے تانیث کے ساتھ بتانا خطا ہے اس لیے کہ قاموس کے باب الہاء میں یہ بات درج ہے: شبہ و شبہان۔ دونوں لفظ (ش و ب پر) حرکت کے ساتھ) زرد تانبا اور اس پر کسرہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۲۵)　جست

(۲۶)　موتی

خانية خلاصه، ظهيريه، خزانه، فتح، خزانية الفتاوی، جامع الرموز ۔

(۲۷)　اگرچہ غبار سے پسے ہوئے ہوں ،محیط ،سرخسی، بدائع، مجمع، الانهار درخادمی هندیه۔

اقول:

شبیہ میں درایہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

لا یجوز باللولوا لمدقوق (پسے ہوئے موتی سے تیمم جائز نہیں)

اس عبارت میں پسے ہوئے، لفظ تقیید کے طور پر نہیں (جس سے یہ سمجھا جائے کہ پیا ہوا نہ ہو تو اس سے تیمم ہو سکتا ہے) بلکہ یہ اخفی کی تنصیص وتوضیح کے لئے ہے۔ اس لیے جنس زمین کی چیز پسی ہوئی ہو تو امام محمد اس سے تیمم جائز کہتے ہیں ورنہ نہیں۔ اس لیے (موتی کے ساتھ "پسے ہوئے" کا لفظ بڑھا کر) یہ افادہ فرمایا کہ موتی کو پیسنا بھی کارآمد نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد فرمایا: اس لیے کہ وہ حیوان

سے پیدا ہوتا ہے اور اجزائے زمین سے نہیں ہے۔

(۲۸)　مرجان فتح منح در خادمی۔ یعنی چھوٹے موتی کہ ان کو بھی مرجان کہتے ہیں مقدسی ش۔

(۲۹)　سانبھر

(۳۰)　ہر نمک کہ پانی سے بنا ہو ویاتی

(۳۱)　مشک

(۳۲)　عنبر

(۳۳)　کافور ظهيريه خزانه هنديه خزانة الفتاوی حليه

(۳۴)　زعفران

(۳۵)　سک کہ ایک قسم خوشبو ہے الاولان (پہلی دونوں۔ ظہیریہ، خزانہ۔)

(۳۶)　راج۔ کسیس پھٹکری کے سوا اور جنس ہے کسیس کہ زرد ہے اور (۳۷) ہیرا کسیس سبز اور (۳۸) سیاہ کسیس اسی کے اقسام ہیں۔ (اور جس نے پھٹکری کو زاج سمجھا جیسا کہ تحفہ ومخزن میں خود اپنے بیانوں کے خلاف لکھا یوں ہی زکریا رازی کا کلام اس میں مضطرب ہے اس نے غلطی کی جس کی تفصیل انوار الاسرار میں ہے۔

(۳۹)　مردار سنگ مصنوع الاخیران وجامع الرموز (آخر یدونوں خزانۃ الفتاوی، حلیہ وجامع الرموز)

(۴۰)　پارادرایہ شلبیہ

(۴۱)　مصنوع شیشہ کہ ریتے میں دوسری چیز ملا کر بناتے ہیں جسے کچی محيط تبيين فتح بحر مجمع الانہر۔ تقدم كلها

(۴۲)　راکھ یعنی لکڑی وغیرہ غیر جنس ارض کی جس کی تحقیق گزری۔

(۴۳)　نمک زار زمین جس کا نمک پانی سے بنا ہو۔ وستأتي الثلثة ان شاء عزوجل

(۴۴)　نمک زار جس کا نمک مٹی سے ہو مگر اس کے پانی میں ڈوبی ہوئی ذكر الا سبيجابی فی شرحه يجوز التيمم بالسبخة منية بناء على الغالب وهو عدم الغرق بالنذغنيه (اسبیجابی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے: نمک زار سے تیمم جائز ہے منیہ۔ اس بنیاد پر کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ زمین سے پھوٹنے والی تری سے مٹی ڈوب نہیں جاتی۔ غنیۃ۔)

(۴۵)　ظروف گلی کا وہ رخ جس پر رانگ وغیرہ غیر جنس کی قلعی ہے

(۴۶)　جس پر غیر جنس کی رنگت ہے

(۴۷)　روغنی ظروف وقد تقدمت

(۴۸)　وہ ٹھیکری جس میں دوائیں ڈال پکائی ہوں

(۴۹)　مٹی جس میں راکھ اور

(۵۰) جس میں آٹا برابر یا زائد ملے ہوں۔ جوھرہ، نیرہ۔

(۵۱) کیچڑ جس پر پانی غالب ہو

(۵۲) ناپاک زمین اگرچہ خشک ہونے سے اثر نجاست زائل ہو کر نماز کے لئے پاک مانی گئی ہو۔

(۵۳) غبار کہ ناپاک زمین سے اٹھا۔

(۵۴) غبار کہ تر چیز ناپاک پر اگرچہ پھر خشک ہو گیا۔

(۵۵) غبار کہ خشک چیز ناپاک پر گرا اور اس کو تری پہنچی۔

(۵۶) درزی کی بیٹا رنگین۔

(۵۷) قبرستان کی مٹی جہاں نجاست کا ظن ہو **وقد تقدم کلھا فی المقابلات**

مزیدات:

(۵۸) زمین یا پہاڑ جس پر دوب آ گئی ہے

(۵۹) جس پر برف جما ہوا ہے۔

(۶۰) جس کا برف پگھل کر بہہ رہا ہے۔

(۶۱) جس پر مینہ برس رہا ہے۔

(۶۲) جس پر مینہ برس کر کھل گیا مگر پانی جاری ہے۔

(۶۳) پکا فرش یا دیوار جس پر کاہی جمی ہے۔

(۶۴) باورچی خانے کی دیوار جس پر دھرتا چڑھا ہے۔

(۶۵) وہ زمین جس پر کسم کی لچھی پھری ہے۔

(۶۶) مٹی کا چراغ جس پر کانٹھ چڑھی ہے۔

(۶۷) گل حکمت کہ مرکب نسخہ ہے اور غیر جنس ارض کا حصہ زیادہ ہے۔ (اس کا نسخہ یہ ہے کہ: خالص مٹی، پسا ہوا کوئلہ، تراشا ہوا بال، چونا دار نمک، خطمی، لوہے کا میل، سفید چونا، انڈے کا چھلکا سب سے نصف حصہ الخ۔ از تذکرہ۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ اجزا کبھی کم بھی کر دیئے جاتے ہیں اور کبھی ان کے وزنوں میں تبدیلی بھی کر دی جاتی ہے مگر جتنے ہم نے ذکر کیے ان سے زیادہ نہیں ہوتے۔ تو اس سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

(۶۸) رامپوری چینی کہ مٹی پر مسالا ہے، ہاں جس طرف چینی نہ چڑھی ہو اس طرف روا ہے۔

(۶۹) تام چینی کہ ٹین اور مسالا ہے۔

(۷۰) وہ کچی چینی یا (۷۱) مٹی کے کھلونے جن پر غیر جنس کا روغن ہے۔

(۷۲) وہ نورہ اور (۷۳) گل خوردنی اور (۷۴) غلیل کے غلے جن میں غیر جنس مقدار میں کم نہیں۔

(۷۵) پارے کا کٹورا

(۷۶) پارے کا کشتہ

(۷۷) سونے، چاندی، رانگ کسی دھات کا کشتہ

(۷۸) شبہ مصنوع یعنی پیتل، یہ معدنی نہیں تانبا اور جست ملا کر بناتے ہیں اسے صفر سمجھنا غلط ہے۔

(۷۹) گانسا ہفت جوش ساتوں دھات کا مجموعہ۔

(۸۰) بھرت (۸۱) نکل (۸۲) جرمن سلور (۸۳) لکڑی وغیرہ کسی غیر جنس ارض کا کوئلہ

(۸۴) شورہ (۸۵) نوشادر (۸۶) سہاگا (۸۷) پھٹکڑی

(۸۸) زاج اخضیر ہندی یعنی نیلا تھوتھا

(۸۹) بورۂ ارمنی

(۹۰) کہربا جس کی تسبیح ہوتی ہے یہ پتھر گوندے تذکرہ ابن سینا۔

سندروس کی طرح ایک گوند ہے۔ عافقی گوکھل کے پتوں سے ٹپکنے والی ایک رطوبت ہے۔ ان دونوں کو ابن بیطار نے نقل کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اخروٹ کا گوند ہے یا اس کے علاوہ کسی اور درخت کا گوند ہے۔ انوار الاسرار۔

(۹۱) سفیدہ کاشغری کہ قلعی کا سپیدہ ہے یعنی رانگ اور جست سے بنتا اور دکھتی آنکھ میں بھرا جاتا ہے۔

(۹۲) کاجل کہ پارا جاتا ہے۔

(۹۳) طباشیر بانس کی رطوبت ہے کہ جم جاتی ہے۔

(۹۴) سیندور رانگ اور سفیدہ سے بنتا ہے۔

(۹۵) شنجرف مصری (۹۶) شنجرف شامی (۹۷) شنجرف مہوسان سب مصنوع چیزیں ہیں پارے اور گندھک سے مختلف ترکیبوں پر بناتے ہیں ہر ترکیب میں پارا غالب ہے۔

(۹۸) شنجرف ہندی اس میں دونوں مساوی بتائے جاتے ہیں بہر حال جنس ارض سے نہیں۔

(۹۹) شنجرف رمانی یہ سیماب و مس سوختہ سے بنتی ہے اس کے دونوں جز غیر جنس ہیں۔ ان کے نسخے انوار الاسرار و جامع ابن بیطار و تذکرہ و تحفہ و مخزن وغیرہا میں ہیں اور معدنی کبریت احمر کی طرح عنقا قالہ فی التذکرۃ (اسے تذکرہ میں بیان کیا گیا ہے۔)

(۱۰۰) رہی شنجرف رومی جس میں پارا بارہ

(۱۲) جز، گندھک آٹھ، ہڑتال پانچ ہے اس میں اگرچہ جنس ارض غالب ہے مگر باہم طبخ سے امتزاج شدید ہو کر سخت محل نظر ہے جس کا بیان مقام چہارو ذکر خلط میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ لہٰذا اس کا بھی ممنوعات ہی میں شمار رکھا و اللہ تعالیٰ اعلم باحکامہ (اور اللہ

تعالیٰ اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔)

(۱۰۱) لوبان (۱۰۲) اگر (۱۰۳) مولی کا نمک (۱۰۴) سجی کہ ایک گھاس کا کھار ہے۔

(۱۰۵) لیموں کا ست (۱۰۶) نباتات کے اڑائے ہوئے جوہر (۱۰۷) جلا کر نکالے ہوئے نمک۔

(۱۰۸) کانچ (۱۰۹) سیپ (۱۱۰) گھونگھا (۱۱۱) سنکھ (۱۱۲) خرمہرہ

(۱۱۳) سیپ کا چونا اوراس کا کھانا بھی حرام ہے۔

(۱۱۴) وہ لاجورد (۱۱۵) و توتیا (۱۱۶) و مہرہ مارکہ مصنوع ہوں اور اکثر مصنوع ہی ملتے ہیں۔

(۱۱۷) سنکھیا مشہور زہر یہ بھی پتھر نہیں عده فی التذکرۃ من المولدات التی لم تکمل صورھا (تذکرہ کے اندر اسے ان مولدات سے شمار کیا ہے جن کی صورتیں ناتمام رہ گئی ہیں۔) بعض نے کہا چاندی کا دھواں ہے قاله فی المخزن وغیرہ (اسے مخزن وغیرہ میں بیان کیا ہے۔)

(۱۱۸) وہ پتھر کی پہاڑی بکری۔

(۱۱۹) بندر۔

(۱۲۰) ساہی کے سرو جوف میں بنتے ہیں۔

(۱۲۱) سنگ ماہی پتھر چٹے کے سر میں کہ ایک مچھلی ہے۔

(۱۲۲) گئو رد ہن گائے کے بدن ہیں۔

(۱۲۳) مارمہرہ سانپ کے سر میں جسے من کہتے ہیں۔

(۱۲۴) سنگ قمر جبال مغرب میں چٹانوں پر اوس گر کر جم جاتی ہے تیرہ رنگ جب چودھویں کا چاند چمکتا ہے تو سفید تراق ہو جاتی ہے اس پر بھی تیمم جائز نہیں۔

(۱۲۵) جس چٹان پر وہ جمی ہوئی ہو اس پر بھی نہیں۔

(۱۲۶) سنگ گردہ (۱۲۷) سنگ مثانہ یہ دونوں آدمی کے بدن میں بنتے ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۱۲۸) سنگ بصری پتھر نہیں بلکہ سیسے کا دھواں ہے۔

(۱۲۹) سنگ راسخ جلا ہوا تانبا

(۱۳۰) سنگ سبویہ یہ ایک قسم کے بیج ہیں سختی کے سبب سنگ کہلاتے ہیں۔

یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمم جائز جن میں ۸۴ منصوص اور ۱۰۷ زیادات فقیر اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیادات۔ فقیر ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا، بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوعات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔

اور ساری خوبیاں اولاً و آخراً خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی سے باطناً و ظاہراً توفیق ارزانی بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا کثیر ووافر درود وسلام ہو، اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر۔ الٰہی قبول فرما۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مقیم بھی تیمم کرسکتا ہے۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وضو کے سلام کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ سلام رب تعالیٰ کا نام ہے، اسی سے بدرجہ اولیٰ یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں قرآن مجید نہ پڑھتے تھے، کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ اگر نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔

فقہاء کے مذاہب:

اگر کوئی شخص مقیم ہے اور وضو یا غسل کرنے کی صورت میں اسے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنے کے بارے میں فقہاء کے تین مذہب ہیں:

۱۔ امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ میں ایسا کرسکتا ہے۔

۲۔ امام شافعی، امام لیث، امام زفر، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (دوسری روایت) کے نزدیک ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اور بعد میں وضو یا غسل کر کے اس کو دہرائے گا۔

۳۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو یا غسل کر کے ہی نماز پڑھے گا، اگرچہ نماز قضاء ہوجائے۔

علماء احناف کا راجح مذہب:

وقت کی تنگی کے باعث جوازِ تیمم میں متقدمین آئمہ احناف کی مختلف آراء ہوئیں، البتہ متاخرین احناف نے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، یعنی ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور بعد میں وضو یا غسل کر کے اعادہ کرے، اس مؤقف کو اپنانے سے سارے علماء کی آراء پر عمل ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر تیمم کیے بھی سلام کا جواب دینا جائز تھا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا استحبابی طور پر کیا اس بحث میں۔

جنس زمین کی تعریف:

ہر وہ چیز جو آگ میں جل کر راکھ نہ ہو یا وہ آگ میں ڈھالنے سے جلتی ہو یا ڈھلتی ہو، وہ جنس زمین ہے۔

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے جن چیزوں سے تیمم کرنا جائز ہے، ان کی تعداد ایک سو اکیاسی (۱۸۱) بیان کی ہے، جن میں

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۶۴۹۔۶۵۸

سے بہتر علماء سلف سے منقول ہیں، اور ایک سوسات (۱۰۷) کا اضافہ اپنے اجتہاد و بصیرت سے کیا ہے، اسی طرح جن اشیاء سے تیمّم کرنا جائز ہے، ان کی تعداد ایک سوتیس (۱۳۰) ذکر کی ہے، جن میں سے اٹھاون (۵۸) منقول ہیں، اور بہتر (۷۲) کا استنباط خود کیا ہے، اس طرح کل تین سوگیارہ (۳۱۱) اشیاء کو بیان کیا ہے۔

بابُ التَّيَمُّمُ فِي الْحَضَرِ

باب۱۹۶: حالت اقامت میں تیمّم کرنا

اس باب میں بھی مقیم کے لیے تیمّم کے جواز کا بیان ہے، سنن نسائی کے بعض نسخوں کا اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا گیا، کیونکہ دونوں بابوں کا عنوان ایک ہی ہے۔

۳۱۱۔اخبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى عُمَرَ فَقَالَ :إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ .قَالَ عُمَرُ :لَا تُصَلِّ .فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَمَا تَذْكُرُ إِذْ أَنَا وَأَنْتَ فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا فَلَمْ نَجِدِ الْمَاءَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ فَصَلَّيْتُ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ :إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ -وَسَلَمَةُ شَكَّ لَا يَدْرِي فِيهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ أَوْ إِلَى الْكَفَّيْنِ- .فَقَالَ عُمَرُ: نُوَلِّيكَ مَا تَوَلَّيْتَ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
ایک شخص حضرت عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: میں جنبی ہو گیا ہوں اور میرے پاس پانی نہیں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نماز نہ پڑھو۔ حضرت عمار بن یاسر نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں، جب میں اور آپ ایک لشکر میں تھے: ہم دونوں جنبی ہو گئے تھے، اور ہمارے پاس پانی بھی نہیں تھا، آپ نے اس وقت نماز نہیں پڑھی تھی، مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا تھا، اور پھر نماز پڑھی تھی جب ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، تو اس صورت حال کو بیان کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا: تیرے لیے اتنا ہی کافی تھا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، پھر ان پر پھونک ماری، پھر ان دونوں کے ساتھ چہرہ مبارک اور ہاتھوں کا مسح کیا، (حضرت سلمہ کو شک ہے کہ انہیں یاد نہیں رہا مسح صرف کلائیوں تک کیا تھا یا کہنیوں تک) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہیں تمہارے ہی موقف پر قائم رہنے دیتے ہیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھنے والا اجنبی تھا، اور حالت اقامت میں پوچھ رہا تھا، حضرت عمر فاروق نے انکار کیا، جبکہ حضرت عمار بن یاسر کی وضاحت سے جواز معلوم ہورہا ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۳۳۸: ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷، صحیح مسلم: ۳۶۸، الرقم المسلسل: ۷۹۶، سنن ابو داؤد: ۳۲۱، سنن نسائی: ۳۲۰، سنن ابی ماجہ: ۵۶۹، سنن ابو داؤد: ۳۲۶، السنن الکبری للنسائی: ۳۰۵۔ ۳۰۳، صحیح ابن خزیمہ: ۲۶۸، صحیح ابن حبان: ۱۳۰۹۔ ۱۳۰۶، مسند البزار: ۱۳۸۵، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۸۳، سنن ابو داؤد الطیالسی: ۶۳۸، المنتقی: ۱۲۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۵ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۸۳۳۲۔ ج ۳۰ ص ۲۷۵، جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۶۶۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی پانچ کے حالات زندگی قلم بند کیے جارہے ہیں، البتہ حضرت عمر فاروق کے حالات دوبارہ تفصیلی لکھے جارہے ہیں:

۱۔ محمد بن بشار: راجع: ۲۷　　**۲۔ محمد:** راجع: ۲۲

۳۔ شعبۃ: راجع: ۱۱۰

۴۔ سلمۃ:

آپ کا نام ابو یحییٰ سلمہ بن کہیل بن حصین حضرمی تنعی کوفی ہے (م: ۱۲۱ھ) آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، کثیر الحدیث تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے سنن نسائی میں تیس (۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۵۔ ذرّ:

آپ کا نام ابو عمر ذر بن عبداللہ بن زرارہ مرہبی ہمدانی کوفی ہے (م: ۱۰۰ ھ ت) آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، عابد، صدوق راوی ہیں، بعض کے نزدیک مرجئہ عقائد کی طرف مائل تھے، آپ سے سنن نسائی میں چودہ (۱۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۶۔ ابن عبدالرحمٰن:

آپ کا نام سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی کوفی ہے آپ کا تعلق طبقہ غلاماں سے ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چوبیس (۲۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۳)

۱۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۱۹۷　　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۱۷۰

۲۔ i۔ التہذیب، ج ۲، ص ۲۹　　ii۔ العلل (ابن حنبل) ج ۱، ص ۱۰۷

۳۔ i۔ الثقات، ج ۴، ص ۲۸۸　　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۳۹

۷۔ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ:

آپ کا نام عبدالرحمٰن بن ابزیٰ خزاعی ہے، آپ حضرت نافع بن عبدالحارث سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ صحابی رسول ہیں علیہ السلام صحابہ صغار میں آپ مشہور ہے، آپ قرآن کے قاری اور علم وراثت کے بہت بڑے عالم تھے، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کو خراسان کا گورنر مقرر فرمایا تھا، آپ سے سنن نسائی میں انتیس (۲۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۸۔ حضرت عمار بن یاسر:

نام، نسب، خاندان:

عمار نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمار بن یاسر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔(۲)

حضرت عمار کے والد حضرت یاسر قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابوحذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے، ابوحذیفہ نے حضرت عمار کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔(۳)

اسلام:

ابوحذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمار اور حضرت صہیب ابن سنان ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا ''تم کس ارادہ سے آئے ہو؟'' بولے ''پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو'' میں نے کہا ''محمد سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں'' وہ بولے میرا بھی مقصد یہی ہے' غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمار کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۴)

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابوبکر کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔(۵)

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔(۶)

حضرت عمار کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت وطاقت بھی حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ

۱۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳　ii۔ الثقات، ج ۵ ص ۹۸　۲۔ اسد الغابہ، ج ۴ ص ۴۳

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۷۷　۴۔ ایضاً ص ۱۷۷　۵۔ بخاری: ۳۶۶۰　۶۔ فتح الباری، ج ۷ ص ۷، اسد الغابہ، ج ۴ ص ۴۴

حضرت سمیہ اس وقت تک مخزوم کی غلامی سے آزاد ہوئی تھیں۔ تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اوران کے خاندان کو لاچار مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کردیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو سلام سے برگشتہ نہ کرسکے۔ (۱)

حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقعہ ہوئی، ان کے والد حضرت یاسر اور بھائی حضرت عبداللہ بھی اس گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹادیا، آنحضرت ﷺ اس طرف گزرے تو ان کے سرپر دست مبارک پھیر کر فرمایا ''اے آگ تو ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہوجا'' اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے خاندان یاسر کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے ''اے آل عمار تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت یاسر نے آنحضرت سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، صبر کرو! صبر کرو! پھر دعا فرمائی ''اے خدا! آل یاسر کو بخش دے۔ (۳)

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق (پسینہ پسینہ) کردیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ''عمار کیا خبر ہے؟'' عرض کی'' یارسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے'' آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کیے'' ارشاد ہوا'' تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کی'' میرا دل ایمان سے مطمئن ہے سرور کائنات ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا'' کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ پھر ایسا ہی کرو'' اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۴)

مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (۵)

جوشخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں علیہ السلام

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ'' کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے'' خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۷۷　　۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۸　　۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۷۸
۴۔ ایضاً　　۵۔ نحل ۱۶:۱۰۶

ضعیف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے، غرض حضرت عمار بھی انہیں گرفتاران مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ ناگوں مصائب اور مظالم اور برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ کفار کی تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔ (۱)

ہجرت:

ان کی حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری، ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔ (۲)

تعمیر مسجد:

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائنات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمار اینٹ گارا لا لا کے دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا۔

نحن المسلمون نبتنی المساجدا (۳)

''ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں''

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت کی طرف سے گزرے تو آپ نے نہایت شفقت سے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا،

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے'' آج عمار مر جائیں گے، آج عمار مر جائیں گے'' وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دی اور فرمایا'' افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا (۴)

غزوات:

غزوہ بدر سے غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ امام خیر الانام کے ہمرکاب رہے، عہد صدیق کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۷۷ ۲۔ ایضاً ص ۱۷۹ ۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً ص ۱۸۱

کان شہید ہوگیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے، اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ بالا کر دیتے تھے ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا ''اے گروہ مسلمانو! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، آؤ میرے پاس آؤ (۱)

اس صدا نے سحر کا کام کیا، اور جنت کے شہیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت:

خلیفہ دوم نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا و ابن مسعود معلماو وزیرا ، قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انهم النجباء من اصحب محمد من اهل بدر فاسمعو الهماو اطیعو او اقتدا و ابهما و قد اشرتکم با بن ام عبد علی نفسی و بعثت عثمان بن حنیف علی السوا دو رزقتهم کل یوم شاة فا جعل شطر هاو بطنها العمار و الشطر البامی بین هو لاء الثلاثة(۲)

امابعد! من عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام وانصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہے گا اور باقی حصے ان تینوں رضی اللہ عنہم منقسم ہوں گے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک سال نو ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں رضی اللہ عنہم سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ کا نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسبندان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعوی پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا'' مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے'' اس پر ایک کوئی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا'' اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ صرف یہ کہہ کر خاموش رہے'' افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔ (۳)

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۱　　۲۔ ایضاً ص ۱۸۲　　۳۔ تاریخ طبری، ص ۲۶۷۶

علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضگی کی گرہ نہ ڈالتا، اسکے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کیے گئے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہو"۔(۲)

تحقیقات پر مامور ہونا:

خلیفہ ثالث کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش وفتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق وتفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالث سے اختلاف:

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی، اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہیں

ان اعمار اقد استماله قوم بمصر وقد انفقطعو ا الیه منهم عبدالله بن السو ذا ء و خالد بن بلجم و سو دان بن حمر ان و کنانة بن بشر

"عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السوداور خالد بن ملجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشران کیطرف جاملے ہیں"۔

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا، (۳) عام مجمعوں میں اعلانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت اور اعمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرفداران خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی ایک دفعہ حضرت عثمان کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آگئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سن کر شانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔(۴)

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

۱۔ تاریخ طبری، ص ۲۷۶۷
۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۳
۳۔ تاریخ طبری، ص ۲۹۴۳
۴۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۳۴

نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، (۱) بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصر کی کاروائی میں شریک تھے۔

سفارت کوفہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارگراں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے جو خاص انس و خلوص تھا اس لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست و باز و ثابت ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہ کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمار کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرمارہے تھے، حضرت امام حسن نے ان سے فرمایا:

تم بھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی (۲)

حضرت عمار بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا ''صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ حضرت عائشہ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہ کا ساتھ دیتے ہو۔ (۳)

حجر بن عدی نے حضرت عمار کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی۔ (۴)

جنگ جمل:

ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمار بھی حضرت علی کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمار کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علی نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اس وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمار میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔ (۵)

جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی حضرت علی کی طرف تھے، اس وقت ۹۱

۱۔ تاریخ طبری، ص ۲۹۴۳　۲۔ اخبار الطوال، ص ۱۴۶　۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۵

۴۔ اخبار الطوال، ص ۱۴۷　۵۔ ایضاً ص ۱۴۹

برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایت کے جوش نے اکانوے (۹۱) برس کے بوڑھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم بردار حضرت عمر بن العاص پر نظر پڑی تو بولے "میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم! اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم حق پر ہیں، اور وہ غلطی پر۔(۱)

شہادت:

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمار دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے" اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ "آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔(۲)

کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرصاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، اور لیکن اس حالت میں ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا، یہ دونوں قاتل جھگڑے ہوئے امیر معاویہ کے دربار میں پہنچے کیونکہ ان میں ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، حضرت عمرو بن العاص حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا "تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو" بولے خدا کی قسم! ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی"(۳)

حضرت عمرو بن العاص کو حضرت عمار بن یاسر کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے لیکن حضرت امیر معاویہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار کے قاتل نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے، جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔(۴)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابت جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اسکے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شاید کشت وخون کے بعد شہادت حاصل کی، (۵) اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ بھی جو پس وپیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علی کے طرفدار ہو گئے۔(۵)

تجہیز وتکفین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مونس وجانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا "خدا نے عمار پر رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۵　۲۔ ایضاً، ص ۱۸۴　۳۔ ایضاً، ص ۱۸۵

۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۰، مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۷

۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۷

صحابہ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہ میں سے کوئی بھی انکی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمار اور حق لازم وملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا'' اس کے بعد تجہیز وتکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامی حق کو زیر زمین نہاں کر دیا۔(۱) انا للہ وانا الیہ راجعون ،کوفہ کی زمین کو صحابی رسول ﷺ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔(۱)

اخلاق:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع وتقوی کے باعث سکوت وسخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ وفساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔(۲)

سادگی، تو قع، اور خاکساری کا یہ خیال تھا کہ فرش خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا غزوۂ ذات العشیر ہ کے موقع پر نبی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علی نے ان سے فرمایا'' ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں'' غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔(۳)

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھی، لیکن ایک گورنر کی سادگی وبے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے، حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا، اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہو کر کہا'' اے فاسق کیا! تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟'' میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا'' ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں اس وقت میں نے پہنچانا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یہی ہیں۔(۴)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہر ایک قدم صرف خدا پاک کی خوشنودی ورضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوہ صفین میں بھی در حقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علی کے زیر علم لا کر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے،'' اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا۔(۵) آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت کا یہ قول کہ'' عمار کے رگ وپے میں ایمان سرایت کیے ہوئے ہے'' اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔(۶)

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۲ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۳ ۳۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۶۳
۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۲ ۵۔ طبقات، ص ۱۸۴ ۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۹۳

مذہبی زندگی:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهٖ،(۱)

''کیا وہ شخص جو رات کی بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے۔)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی نسبت نازل ہوئی،(۲) خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھ رہے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ وہ بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی۔(۳) معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی وکوشش کے پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اسی لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ''ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے۔(۴)

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۃ یسین تلاوت فرماتے تھے(۴) خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز اور اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔(۶)

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی، آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گوان کی عمر نوے، اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔(۷)

۹۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

نام ونسب اور خاندان:

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ تھا۔ پورا نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک (۸) عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔

۱۔ زمر ۳۹:۹ ۲۔ مستدرک حاکم، ج۳،ص ۷۸ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج۴،ص ۲۶۳

۴۔ مسند احمد، ج۴،ص ۳۶۲ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج۳،ص ۱۸۲ ۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج۴،ص ۲۶۳

۷۔ طبقات ابن سعد، ج۳،ص ۱۸۴، سیر الصحابہ، ج۲،ص ۲۴۹۔۲۵۹ ۸۔ اصابہ، ج۲،ص ۵۱۸

اس لحاظ سے عمر کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ سے جا کر ملتا ہے۔ حضرت عمر کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آ جاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آ رہے تھے۔ دادھیال کی طرح حضرت عمر ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ حنتمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ حضرت عمر ہجرت نبوی سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہو گئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عمر بھی تھے۔

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں لوگوں کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا، اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی اور ان ہی اوصاف کی بناء پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پرتو فگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے لیے یہ آواز نہایت نامانوس تھی اس لئے سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے۔ ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے۔ بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں سے ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔

اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمر اسلام اور آنحضرت کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اس لئے آنحضرت نے خصوصیات کے ساتھ ان ہی دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی، اللهم اعز الاسلام باحب هذين الرجلين بابى جهل او بعمر بن الخطاب اما عمر بن الخطاب (۲)

۱۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۷۷ ۲۔ ترمذی: ۳۶۸۱

یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمر کی قسمت میں لکھ دی تھی۔ ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمر کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا، ذلك فضل الله یوتیه من یشآء۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمر کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔ ایک مشہور واقعہ جسے عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمران انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ یہ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ''محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا'' پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پاک پڑھ رہی تھی، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے۔

لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا بولیں ''عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔'' ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خلوص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن پاک کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

سبح لله ما فی السموت والارض و هو العزیز الحکیم

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:۔

امنو بالله ورسوله

خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد الرسول الله۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھا۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا'' کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟'' نبوت پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی ''ایمان لانے کے لئے! آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۱)

۱۔ سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۲۰۹، ۲۱۰

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دار قطنی، ابو یعلیٰ وحاکم اور بیہقی میں حضرت انس سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورہ حدید کی آیۃ سبح للہ ما فی السموت والارض ہے، دوسری میں سورہ کی یہ آیت ہے:

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (۱)　　میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں تو میری ہی عبادت کرو میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔ لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، چنانچہ دار قطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھا ہے کہ روایت واہی و منقطع ہے (۲)

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت میں خود حضرت عمر سے مروی ہے جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑ کر نکلا۔ آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ جس سے آپ ﷺ نے سورہ الحاقہ تلاوت فرمائی۔ میں کھڑا استنتار ہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (۳)　　یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے یہ کہا تو کاہن ہے، میرے دل کی بات کا بیان جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی آیات پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۴)　　یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ (۵)

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر آواز آئی۔ اے جلیح ایک فصیح البیان کہتا ہے: لا الہ الا اللہ۔ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے پھر آواز آئی۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں۔

اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمر پر کیا اثر ہوا۔

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس غیبی ﷺ غیب پر حضرت عمر نے لبیک نہیں کہا اور اس کا کوئی

۱۔ طٰہٰ ۲۰: ۱۴　　۲۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۵۹　　۳۔ الحاقہ ۶۹: ۳۹۔۴۰

۴۔ ایضاً: ۴۲۔۴۳　　۵۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۱۷

تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم توحید کا ذکر تھا اس لئے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع ملا، اس لئے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی۔ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سورہ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر ونشر کا نہایت موثر بیان ہے۔

نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا جیسا کہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وقع الاسلام فی قلبی کل موقع، یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لئے انہوں نے اسلام کا اعلان کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورہ طٰہٰ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمۂ توحید پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہاس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی اس لئے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی ﷺ میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں تو ان کی شدت کم ہوتی گئی۔ بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو سورہ الحاقہ سننے کا موقع ملا اور رو لبیک کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانہ اسلام:

عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۷ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے نا قابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو، اس مقصد کیلئے انہوں نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ:

اس فطرت کی بناء پر ان (عمر رضی اللہ عنہ) کو اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کے ہمشیر اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے:

کان عمر بن الخطاب یقیم علی الاسلام انا واختہ وما اسلم۔

یعنی حضرت عمر مجھ کو اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود اسلام نہیں لاتے تھے۔ (۱)

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اسکی تردید کیہے۔ (۲)

اس کے بعد بت خانہ میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۳۶۲ ۲۔ ایضاً ص ۳۲۷

پہلی حدیث سے حضرت عمر کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتف غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ان دونوں باتوں کو ملا کر انہوں نے فوراً حضرت عمر کے آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دیدیا۔اس کے بعد ایک اور شہادت پہ مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ الفاظ کہے:

اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے (جس کو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں (۳) (اس سے مراد روایات ہیں جو حدیث وسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں)

اس قدر شواہدات تنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داد طلب ہیں کہ:

ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمر کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہیں جو ان میں گذشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے۔ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمدردی میں سعید بن زید کی یہ روایت پیش کی ہے۔

کان عمر بن الخطاب یقیم علی الاسلام انا و اختہ وما اسلم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے۔یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے بڑی جسارت سے کام لیا ہے۔اول تو حدیث کے لفظ میں صریح تحریف کی ہے اور تحریف بھی ادب عربی کے خلاف ہے۔پھر حدیث میں "تقیم" کی بجائے "موثقی ہے۔(۱) سعید بن زید واسلام عمر رضی اللہ عنہ) جس کے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے،عربی محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لئے ہیں،اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے،حالانکہ یہ سراسر غلط ہے ہذا بہتان عظیم۔چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں:

بحبل او قد کا لاسیر تضییقا و اہانۃ

یعنی موثقی سے مرادی یا تسمیہ سے قیدی کی طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے باندھنا ہے۔

البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے جس کو بعض خوش فہموں نے اختیار کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے،یعنی ہاتف غیب کی آواز،اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو سن کر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے۔اس قصہ کے آخر میں یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا شہرہ ہوا۔اس لئے یہ بالکل یہ آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا۔

ا۔ قسطلانی، ج ۶،ص ۲۱۳

گر اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ثابت ہو جائے گا تو اس کے بعد بھی ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آیئے اب ہم صحیح بخاری ہی کے ارشادات پر چل کر حضرت عمر کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں۔ حضرت عمر کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمر کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں:

حضرت عمر مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، مشرکین بکثرت ان کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر، عمر بے دین ہو گئے، حضرت عمر خوف زدہ گھر کے اندر تھے اور مکان کی چھت پر تھا۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ شاہد ہے کہ ۵، ۶ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلئے ۳ھ یعنی بعثت کے سولہویں سال غزوہ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی اس لئے خورد سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے اور مجاہدین میں نہیں لئے گئے

اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی۔ اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لئے مانی ہوگی تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں۔ لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ اسلام ۷ھ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہاتف غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی ومجبوری کے عالم میں تھے۔ اعلانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے دفعتاً حالت بدل گئی۔ انہوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے بآواز بلند اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص ابن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمر کے ماموں تھے، ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتے تھے اس لئے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں۔ اس لئے انہوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات واستقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔

یہ پہلا موقع تھا، باطل کے مقابلہ میں سربلند ہوا اور حضرت عمر کو اس صلہ میں دربار نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔

ہجرت:

مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، اسی قدر مشرکین قریش کے بغض وعناد میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ اگر پہلے وہ صرف فطری

خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے تو اب انہیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کردیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر بلاکشان اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنہ ۷ نبوی میں اسلام لائے تھے اور سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب جانے کی اجازت ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گزرتے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرلے لیکن کسی کو ہمت ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ قباء کا دوسرا نام عوالی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۶۲۲ء میں خود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضوافگن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم ہوگئی اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجرین بھائیوں کو مال و اسباب میں نصف کا شریک بنالیا۔ اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ و مراتب کا خاص خیال رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر اسلامی حضرت عتبہ بن مالک قرار پائے تھے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔ مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا اور اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض ارکان محدود اور معین کیے جائیں۔ نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلان نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت حضرت بلال کو آذان کا حکم دیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعار اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قائم ہو۔ جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات اور دیگر حالات:

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں رائے، تدبر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست باز و رہے۔ عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شگاف سے واصل جہنم ہوا۔ (۱)۔

۱۔　تاریخ طبری، ص ۵۰۹

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت ومحبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔غنیم کے کم وبیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے چونکہ اس میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اسی لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے رائے لی۔لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے۔اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز قتل کرے۔علی عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کردوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے ک چھوڑ دیا۔بارگاہ الٰہی میں یہ سب چیز پسند نہ آئی اور اس پر عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض ۔

کسی پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ خونریزی نہ کرلے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گریہ وزاری کی۔

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔اسی طرح غزوۂ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے۔سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرگرم پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دوسو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ادھر غازیان اسلام کا کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ے شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں کے غنیم کی صفیں تہ وبالا کردیں۔کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیان دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے، اس خیال سے وہ بھی جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعتہً عقب سے زوروشور کے ساتھ حملہ کر دیا۔مسلمان چونکہ غافل تھے اس لئے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے۔یہاں تک کہ کفار نے خود اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یورش کردی اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زوروشور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مہاجرین اور انصار کے

ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا (۱)

ابوسفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کا نام لے کر کہا، یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا ''او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں''۔ ابوسفیان نے کہا'' اعل ھبل ''یعنی اے ہبل بلند ہو۔

غزوۂ احد کے بعد سنہ ۳ھ میں حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی شریک رہے۔ سنہ ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین فرما دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمر متعین تھے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات واستقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمر کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان کو روک رکھا۔ جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ نے یہ خبر سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعوتك تحت الشجرۃ

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی، ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی آنحضرت ﷺ نے بیعت لے رہے ہیں۔ اسی وقت بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لئے دست اقدس پر بیعت کی۔

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے ردوقدح کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو

۱۔ تاریخ طبری، ص ۱۴۱۱ ۲۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۶

گئے۔اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔حضرت عمر کی ؓ طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرور کائنات کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں خدا کا پیغمبروں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔اس کے بعد حضرت ابو بکر سے بھی یہی گفتگو کی۔انہوں نے بھی یہی جواب دیا، بعد کو حضرت عمر کو اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔حضرت عمر نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا۔راہمیں سورۂ انا فتحنالك فتحًا مبينا نازل ہوئی۔آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر سنایا اور فرمایا کہ آج سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔(۱)

۷ھ میں یہ واقعہ پیش آیا۔یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تنے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔پہلے حضرت ابو بکر ؓ سپہ سالار ہوئے۔ان کے بعد حضرت عمر ؓ اس خدمت میں مامور ہوئے، لیکن یہ فخر حضرت علی ؓ کے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ آخر میں جس آپ کو علم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا رئیس مرحب مارا گیا اور خیبر مفتوح ہوا۔آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمر ؓ کے حصہ میں آیا، انہوں نے اس کو راہ خدا میں وقف کر دیا۔(۲) اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا، جو عمل میں آیا۔

آنحضرت اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا۔ابو سفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آکر عذر خواہی کی، لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔اس لئے وہ اٹھ کر حضرت ابو بکر ؓ اور پھر حضرت عمر ؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرا دیں۔حضرت عمر نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا امید ہو گیا۔غرض نقص عہد کے باعث آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ کا قصد فرمایا۔

قریش میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور آنحضرت ﷺ نہایت جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح وبلیغ تقریر کی جو تاریخو ں میں بعینہ مذکور ہے، پھر حضرت عمر ؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف لائے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔حضرت عمر ؓ آنحضرت ﷺ کے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔آنحضرت ﷺ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے، اس لئے جب عورتوں کی باری آئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو۔چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔حضرت عمر ؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۶ ۲۔ ایضا ص ۱۶۶

پھر ۹ھ میں یہ خبر ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کے لئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے تمام مال واملاک کا آدھا حصہ لاکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، لیکن ترمذی سے یہ بات ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی، البتہ سیر و تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔)

اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا۔ یہاں تک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آگئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہم رکاب تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتدا ماہ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن حضور انور ﷺ بیمار ہو گئے اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپ ﷺ کے وصال ہو گیا۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبوی ﷺ میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ شاید اس مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے، پھر بھی فتنہ سقیفہ نبی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وقت پر پہنچ کر اپنے ناخن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شمع اسلام کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیتا۔ لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد اور لوگوں نے بیعت کی،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک رہے۔ قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا، غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصب خلافت کے لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور آئندہ کے لئے مفید اور موثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

شہادت:

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابولولو تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت بے جا تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخم کے صدمے سے گر پڑے، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی۔ (۱)

یہ ایسا زخم کاری تھے کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں، علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ،

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۹۱

زبیر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔(۱)

اس کے بعد مہاجرین انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ھ میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو رہا۔

ازدواج واولاد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کئے۔ ان کے ازواج کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ زینب، ہمشیرہ عثمان بن مظعون: مکہ میں مسلمان ہو کر مریں۔

۲۔ قریبہ بنت میۃ المخزومی: مشرکہ ہونے کے باعث انہیں طلاق دیدی تھی۔

۳۔ ملکیہ بنت جرول: مشرکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دیدی۔

۴۔ عاتکہ بنت زید: ان کو بھی طلاق دیدی۔

۵۔ عاتکہ بنت زید: ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۶۔ ام کلثوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نور دیدہ تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لئے سنہ ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت حفصہ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت بھی انہی کے نام پر رکھی تھی۔

اولاد مذکور کے نام یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ	۲۔ عاصم
۳۔ ابوشحمہ	۴۔ عبدالرحمٰن
۵۔ زید	۶۔ مجیر

ان سب میں عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم اپنے علم وفضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں (۲)

۱۔ مستدرک حاکم، ص ۹۱، ۹۳

۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۳

فاروقی کارنامے: فتوحات پر اجمالی نظر:

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات، اور استقلال کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم وایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرانشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ وبالا کر دیا۔ لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم وخونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔ چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں علیہم السلام کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم وتعدی کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں علیہم السلام متعلق تعرض نہ کیا جائے۔ قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے درختوں تک کو کاٹنے کی اجازت تھی۔ مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوش امتنان میں مسلمانوں کی اعانت ومساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے، فتوحات شام میں خود شامیوں علیہم السلام جاسوسی اور خبر رسائی کی خدمات انجام دیں۔ (۱)

حملہ مصر میں قبطیوں نے سیر مینا کا کام کیا۔ (۲) اسی طرح عراق میں عجمیوں علیہم السلام اسلامی لشکر کے لئے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لئے مفید ثابت ہوئیں، لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم وتعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش برآب ثابت ہوئیں۔ اس کے برخلاف فاروق اعظم نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل وانصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی، اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپی مورخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے لئے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس وروم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملو کی اور مسلسل بدنظمیوں کے باعث اوج اقبال سے گزر چکی تھیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے ادل بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں کہ روم وایران میں قسطنطین اعظم اور خردپرویز کا جاہ وجلال نہ تھا تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دینا کا عجیب وغریب واقعہ ہے اور ہم اس کا راز ان سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلاف اور خلیفۂ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہئے۔

۱۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۲۸
۲۔ ایضا

نظام خلافت:

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیق کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن منظم و باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوا۔ انہوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں، سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلاف جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آرا یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (۱)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں۔ اس میں مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔ (۲)

مجلس شوریٰ کا انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ''الصلاۃ جامعۃ'' کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمر دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔ (۳)

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے۔ حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمر کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمر نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ نمونہ کے لئے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

(مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں سے اس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔) مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی

۱۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۱۳۴　　۲۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۲۷۶　　۳۔ تاریخ طبری، ص ۲۵۷۴

بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے، واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حفصہ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا امیر المومنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا، وہ بے چاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔ (۱)

ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر لوگوں سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں" (۲)

ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا "اتق الله یا عمر (۳)" اے عمر خدا سے ڈرو۔ (۳)

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم"۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور "اتق الله یا عمر! یعنی اے عمر رضی اللہ عنہ! خدا سے ڈر! اس اعتراض صحیح تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جانتی ہے۔ حقیقت یہ کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم پتلا بنا دیا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا اور اس طرح حکومت کی ہر شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت قائم کر دیا تھا۔

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر نے اس کی ابتداء کی اور تمام ملک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے۔ خراساں، آذربائیجان، فارس۔ ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے:

(۱) والی۔ یعنی حاکم صوبہ (۲) کاتب۔ یعنی میر منشی

۱۔ کنز العمال، ج ۶، ص ۳۵۰ ۲۔ ایضاً ص ۳۵۲ ۳۔ کتاب الخراج، ص ۷

(۳)　کاتب دیوان۔یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی　　(۴)　صاحب الخراج۔یعنی کلکٹر

(۵)　صاحب احداث۔یعنی افسر پولیس　　(۶)　صاحب بیت المال۔ یعنی افسر خزانہ

(۷)　قاضی۔یعنی جج

چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی، عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کلکٹر، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ افسر خزانہ، شریح رضی اللہ عنہ قاضی اور عبداللہ بن خزاعی رضی اللہ عنہ کاتب دیوان تھے۔(۱)

بڑے بڑے عہدے داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔حضرت عمر کسی لائق راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمر میں جوہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لئے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے۔چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کیلئے نعمان ابن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔(۲)

احتساب:

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔(۳)

اسی کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لیکر آدھا مال بٹا لیتے تھے۔(۴)

اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو تو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے۔(۵)

چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے التجاء کی کہ عمال گراں ہوگا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے

حضرت خالد بن سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاج اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور

۱۔　تاریخ طبری ص ۶۴۱　　۲۔　استیعاب، ج ۲، ص ۴۳۴　　۳۔　طبری، ص ۲۷۴۷

۴۔　فتوح البلدان ص ۲۱۹　　۵۔　تاریخ طبری، ص ۲۶۸

صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے، شکایتیں گزریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لئے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری سے مواخذہ کیا تو انہوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی۔ (۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خاموشی سے دیکھا کئے۔ (۳)

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمر نے ان کا باریک کپڑا اتروا دیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے، اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں؟ عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ (۴)

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اس طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انہوں نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ حضرت عمر نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ نکلے، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعب کو ایک کوڑا لگایا، ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ (۵)

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجو و بدگوئی عرب کا مذاق تھا۔ حضرت عمر نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ حطیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گو شاعر تھا،

۱۔ ابن اثیر، ج ۲، ص ۴۱۸　　۲۔ تاریخ طبری، ج ۱۲، ص ۱۷۱　　۳۔ کنز العمال، ج ۶، ص ۳۵۵
۴۔ کتاب الخراج، ص ۲۶۱　　۵۔ مسند دارمی، ص ۷۰

حضرت عمر نے ابن کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا، ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی۔ شعرا کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا۔ شراب خوری کی سزا سخت کردی۔ چالیس درے سے اسی درے کر دیئے۔ حضرت عمر کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرانہ ہو جائیں۔ افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے، سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر یا دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔ (۱)

مسلمانوں کو اخلاق ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی۔ مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ (۲)

ملکی نظم ونسق:

شام وایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج جاگیر میں دے دیئے جائیں۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دق ہو کر فرمایا۔ اللھم اکفنی بلالا" لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم آہنگ تھے۔ غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ ہوا۔ (۳)

عراق کی پیمائش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر وخراج کا طریقہ قائم کیا۔ عشر کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام ومصر میں بھی لگان تشخیص کیا لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا۔ تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی۔ اسلام میں یہ خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے تو ان کو دس فیصد ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا۔ اس طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوۃ خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لئے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی۔ اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے اصول وقوانین بنائے۔ قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی۔ (۴) اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی

۱۔ تاریخ طبری، ص ۲۴۰۳　۲۔ طبقات ابن اسد، ج ۳، ص ۲۰۱　۳۔ ایضا　۴۔ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ، ج ۲، ص ۲۴۷

حل طلب مسائل کے لئے شعبہ افتاء قائم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمر نے احداث یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

اس کے افسر کا نام ''صاحب الاحداث'' تھا۔ حضرت ابوہریرہ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنادیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے۔ اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا، پورا انتظام تھا اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنادیا۔ (۱) پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانہ بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کردیا تھا۔

بیت المال:

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کردیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور حقیقتاً اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے تقریباً سنہ ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خزانہ کے افسر تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کردی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، صرف اسکی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب کیلئے مختلف رجسٹر بنوائے، اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے سنہ ہجری ایجاد کرکے یہ کمی بھی پوری کردی۔

تعمیرات:

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمر کے عہد میں اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود وباش کے لئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کیلئے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے۔ چھاؤنیاں اور بارکیں

تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے۔ خزانہ کی حفاظت کے لئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ حضرت عمر تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمر نے سنہ ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے۔ (۱)

ترقی زراعت کیلئے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا۔ مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کے لئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی۔ یہ نہر نو میل لمبی تھی۔ (۲)

اس طرح نہر معقل جسکی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر المعقل۔ (۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی۔ (۴)

جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ (۵)

مستعمرات:

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام وایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔ (۶)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ آٹھویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین تین راوی بصری، باقی سارے کوفی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (مسلمہ، ذر، حضرت سعید) اور تین صحابی (عبدالرحمان۔ عمار، عمر فاروق رضی اللہ عنہ) راوی ہیں۔

۱۔ تاریخ طبری، ص ۵۲۹ ۲۔ فتوح البلدان، ص ۳۶۵ ۳۔ ایضاً، ص ۳۶۶

۴۔ ایضاً ص ۳۸۳ ۵۔ حسن المحاضرہ سیوطی، ص ۶۸ ۶۔ سیر الصحابہ، ج ا، ص ۸۴۔۱۳۶

☆ حضرت سلمہ، حضرت ذر، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہم اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ بیٹے (سعید) کی اپنے باپ (عبدالرحمان) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دونوں سابقون اولون میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد دوم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ جن کا نام حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

رجلا: ایک شخص — اتی: وہ آیا

انی اجنبت: میں جنبی ہوں۔ — لم اجد: میرے پاس نہیں ہے۔

الماء: پانی — لاتصل: تو نماز نہ پڑھ۔

اماتذکر: کیا آپ کو یاد نہیں ہے۔ — سریة: ایک لشکر

اجنبنا: ہم دونوں جنبی ہو گئے تھے۔ — لم یجد: ہمارے پاس نہیں تھا۔

لم تصل: آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ — تمعکت: میں لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔

التراب: مٹی — صلیت: میں نے نماز پڑھی۔

اتینا النبی: ہم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

ذکر ناذلك له: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بارے میں بتلا دیا۔

کان یکفیك: تمھیں کافی تھا۔ — ضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مارا

یدیه: اپنے دونوں ہاتھ — الارض: زمین

نضح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھونک ماری۔

مسح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح فرمایا۔

وجهه: اپنا چہرہ — کفیه: اپنے دونوں ہاتھ۔

سلمة شك: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا شک ہوا۔

لا یدری: وہ نہیں جانتا۔ — المرفقین: دونوں کہنیاں

الکفین: دونوں کلائیاں — نولیك: ہم تجھے چھوڑتے ہیں۔

ماتولیت: جو تمہارے موقف ہے۔

۳۱۲۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ نَاجِيَةَ بْنِ خُفَافٍ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ :أَجْنَبْتُ وَأَنَا فِي الْإِبِلِ فَلَمْ أَجِدْ مَاءً، فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ تَمَعُّكَ الدَّابَّةِ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِذَلِكَ فَقَالَ :إِنَّمَا كَانَ يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ التَّيَمُّمُ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
ایک دفعہ اونٹوں کے پاس تھا۔ اور مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی۔ لیکن پانی میسر نہ تھا، میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا، جیسے کوئی جانور رہوتا ہے ، میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں بتلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے اس سے تیمم کافی تھا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے، تجھے اس سے تیمم کافی تھا۔

جس سے مستفاد یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حالتِ سفر میں تھے۔ اور نہ ہی بیمار تھے۔ بلکہ حالتِ اقامت میں تھے اس حالت میں بھی آپ نے تیمم کو کافی قرار دیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ حالتِ قیام میں تیمم کرنا جائز ہے۔

۲۔اطراف:

احمد :۸۴۵۴، مسند حمیدی: ۱۴۵، السنن الکبریٰ: ۳۰۹، تحفۃ الاشراف ۱۰۳۵۸

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ناجیہ بن خلف کی سرگزشت لکھی جاتی ہے:

۱۔محمد بن عبید بن محمد: راجع: ۲۲۶ ۲۔ابوالاحوص: راجع: ۹۶

۳۔ابواسحاق: راجع ۲۳۰

۴۔ناجیۃ بن خفاف:

آپ کا نام ابوخفاف ناجیہ بن خفاف عنزی کوفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول، تابعی راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔عمار بن یاسر: راجع: ۳۱۱

۴۔حکم روایت:

یہ روایت مبارکہ صحیح ہے، اس کے شواھد بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔

۱۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۳۹۹ ii۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۵، ص ۱۵۳

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سونویں (۱۰۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت ناجیہ بن خفاف کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق، جبکہ امام عجلی اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔ حضرت ناجیہ بن خفاف سے یہ پہلی حدیث مبارکہ سنن نسائی میں مروی ہے، اور آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ حضرت ناجیہ سے امام نسائی نے روایت کی ہے، جبکہ باقی آئمہ خمسہ آپ سے روایت نہیں کرتے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اجنبت:	میں جنبی ہو گیا۔	**الابل:**	اونٹ
لم اجد:	میں نہیں پاتا تھا۔	**الماء:**	پانی۔
تمعك الدابة:	جانوروں کی طرح لوٹ پوٹ۔		
اتیت:	میں حاضر ہوا۔	**اخبرت:**	میں نے بتایا۔
کان یجزیك:	تمہیں کافی تھا۔		

۷۔ مسائل ونصائح:

تیمم کے ارکان کے بارے میں مذاہب اربعہ کا مؤقف ودلائل:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

تیمم کے ارکان یا فرائض:

تیمم کے ارکان اور فرائض ہیں، اس میں یہ بات پیش نظر رہے کہ رکن یا فرض سے مراد ہے وہ چیز جس پر بنیادی طور پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو یا وہ چیز جو اس چیز کی قول جانب ہو یا احناف کے علاوہ جمہور فقہا کی اصطلاح ہے، احناف رکن کو اس مفہوم میں منحصر کرتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہو۔ اسی بناء پر وہ فرماتے ہیں تیمم کے دو رکن ہیں، اور وہ ہیں دو دفعہ ہاتھ مارنا اور ۲۔ چہرے اور دونوں ہاتھوں کی کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ تیمم کے ارکان چار یا پانچ ہیں ان میں موجود اختلاف کی تفصیل کے ساتھ اور یہ فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کرنا:

یہ اتفاق چاروں مذاہب کے فرض ہے، احناف میں سے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ اس کے قائل ہیں۔ احناف کی ایک جماعت

اور بعض حنابلہ نے اس کو شرط قرار دیا ہے یہ دونوں مذاہب، حنابلہ اور احناف، کے ہاں معتمد اور مفتی بہ بات ہے۔

مالکیہ کے ہاں نیت اس طرح ہوگی کہ آدمی نماز مباح کرنے کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے۔ جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہے یا چہرے کے مسح کے وقت فرض تیمّم کی نیت کرے۔ اور اگر اس نے صرف حدث رفع کرنے کی نیت کی تو اس کا تیمّم باطل ہوگا، کیونکہ ان کے مشہور قول کے مطابق تیمّم حدث کو دور کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر تیمّم کرنے کی نیت کی تو تیمّم جائز ہو جائے گا، اور حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعین یا حدث اصغر کی تعیین سے لازم نہیں ہوگا۔ اگر یہ نماز کے مباح کرنے کی نیت کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہو تو حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعیین لازم کردے گی اور حدث اصغر کی نیت مستحب ہے جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے۔

وہ نماز جس کے لئے تیمّم کیا جا رہا ہو۔ خواہ فرض ہو یا نفل علیحدہ علیحدہ ایک ساتھ اس کی تعیین مستحب ہے۔ اگر نماز نہ کرے تو نفل کی نیت سے فرض ادا نہیں کرسکتا، اور مطلق نماز کی نیت سے بھی فرض ادا نہیں کرسکتا، کیونکہ فرض کے لئے ایسی نیت ضروری ہے جو اس کے لئے خاص ہو۔

شوافع فرماتے ہیں کہ نماز مباح کرنے وغیرہ کی نیت ضروری ہے لہذا صحیح قول کے مطابق فرض تیمّم کی نیت یا فرض طہارت کی نیت یا طہارت عن الحدیث کی نیت یا جنابت سے طہارت کی نیت یا رفع حدث کی نیت وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تیمّم ان کے ہاں حدث کو رفع نہیں کرتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم بذات خود مقصود نہیں ہوتا ہے، اس کو ضرورت کے تحت انجام دیا جاتا ہے لہذا اس کو مقصود بنانا درست نہیں ہے، لہذا اگر مطلق نیت کرے تو جو چاہے وہ فرض ادا کرسکتا ہے اور اگر کسی فرض کی تعیین کردی تو دوسری فرض یا نفل کی ادائیگی وقت میں یا غیر وقت میں درست ہوگی۔ تاہم فرض کو نفل کی نیت سے ادا نہ کرے اور نہ مطلق نماز مباح کرنے کی نیت سے فرض ادا کرے یعنی وہی بات جو مالکیہ نے فرمائی تھی۔ ان حضرات کے ہاں نیت کا چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت جو گرد کے منتقل ہونے کا مرحلہ ہے ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ پہلا رکن ہے اور صحیح قول کے مطابق چہرے کے کچھ حصے کے مسح کرنے تک نیت کا برقرار رہنا ضروری ہے۔

حنابلہ کے ہاں اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جو تیمّم سے مباح ہو جاتی ہے جیسے نماز وغیرہ یعنی طواف اور قرآن کریم کا چھونا یعنی جیسا کہ شوافع کے ہاں تفصیل ہے۔ اور رفع حدث کی نیت سے یہ درست نہیں کیونکہ شوافع اور مالکیہ کی طرح ان کے ہاں بھی تیمّم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے۔ دلیل حضرت ﷺ سے منقول وہی حدیث ہے جو کئی مرتبہ پہلے بھی گزری کہ جب تمہیں پانی مل جائے تو اس کو اپنی کھال پر ملو کیونکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے) ان حضرات کے ہاں جس چیز کے لئے تیمّم کر رہا ہے اس کے لیے تعیین ضروری ہے مثلاً نماز طواف اور قرآن کریم چھونا وغیرہ اور حدث اکبر حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت یا بدن پر سے نجاست دور کرنے کی نیت وغیرہ، کیونکہ تیمّم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے، وہ تو فقط نماز کو مباح کر دیتا ہے۔ تو نیت کی تعیین ضروری ہے تاکہ اس کمزوری کو سہارا مل سکے۔

اور تعیین اس طرح ہو کہ نماز ظہر کو مباح کرنے کی نیت کرے مثلاً جنابت سے اگر وہ جنبی ہو یا حدث سے اگر وہ بے وضو ہو یا ان دونوں سے اگر وہ بے وضو جنبی ہو اور اس سے ملتی جلتی چیزیں۔ اور اگر جنابت کے لئے تیمّم کرے تو وہ حدث اصغر کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ

یہ دونوں طہارت ہیں تو ایک طہارت دوسرے کی نیت سے ادا نہیں ہوگی، احناف فرماتے ہیں وہ تیمّم جس سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہوتا ہے اس کے صحیح ہونے کے لئے تین امور شرط ہیں:

۱۔ یا تو حدث سے طہارت حاصل کرنے کی نیت ہو۔

۲۔ یا نماز مباح کرنے کی نیت ہو۔

۳۔ یا ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو جو طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی ہو، جیسے نماز یا سجدہ تلاوت یا نماز جنازہ۔

چنانچہ اگر فقط تیمّم کی نیت کی نماز کو مباح کرنے یا موجود حدث کو رفع کرنے کی نیت کے بغیر تو اس سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی جیسے نماز اس وقت بھی صحیح نہیں ہوگی اگر وہ ایسی چیز کی نیت کرے جو اصلا عبادت نہ ہو جیسے مسجد میں داخل ہونا اور قرآن کریم کو چھونا وغیرہ کیونکہ عبادت مسجد میں داخل ہونا اور قرآن کریم کو چھونا نہیں بلکہ اعتکاف اور تلاوت ہیں) یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود عبادت نہ ہو جیسے اذان اور اقامت (کیونکہ ان دونوں سے مقصود اعلان وتشہیر ہوتی ہے)

یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود ہو لیکن بغیر طہارت کے درست ہو جیسے بے وضو شخص (حدث اصغر والے شخص) کا قرآن کی تلاوت کے لئے یا سلام کرنے کے لئے یا اس کا جواب دینے کے لئے تیمّم کرنا۔

اور اگر جنبی شخص تلاوت قرآن کے لئے تیمّم کرے تو اس کے لئے اس تیمم کے ذریعے تمام نمازیں ادا کرنا درست ہے۔ احناف کے ہاں حدث یا جنابت کی تعیین ضروری نہیں تیمّم مطلق نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور رفع حدث کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ تیمم بھی حدث کو ایسے رفع کرتا ہے جیسے حدث اس کو رفع کرتا ہے ان کے ہاں نیت کے صحیح ہونے کے لئے اصلاً تمیز اور جس چیز کی نیت کر رہا ہے اس کا جاننا ضروری ہے تا کہ وہ اس چیز کی حقیقت سے باخبر ہو سکے جس کی وہ نیت کر رہا ہے۔

اور مذہب حنفی یہاں سب سے بہتر رائے ہے کیونکہ وہ سب سے آسان سہولت اور گنجائش رکھتا ہے۔

اور نیت کے شرط ہونے کے لئے دلیل وہی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، احناف کا استدلال اس طرح ہے کہ مٹی درحقیقت گندہ کرنے والی ہوتی ہے، تو وہ پاک کرنے والی صرف نیت کے ذریعے بنے گی۔ یعنی مٹی حقیقتاً طہارت کا ذریعہ نہیں ہے (جیسا کہ ظاہر ہے) وہ تو بوقت ضرورت وحاجت طہارت قرار دی گئی ہے، اور حاجت کا علم نیت کے ذریعے ہو سکتا ہے بخلاف وضو کے کہ وہ حقیقتاً طہارت ہے اس کے ذریعے بننے کے لئے حاجت کا ہونا ضروری نہیں ہے لہذا اس کے لئے نیت شرط نہیں ہوگی۔

۲۔ چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مکمل طور پر ہاتھ پھیرنا

(یہ بات مدنظر رہے کہ مالکیہ نے ان کو دو فرض بنا دیا ہے مٹی پر دونوں ہاتھ مارنا)

دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے فامسحوا بوجوهكم ايديكم احناف اور شوافع کے ہاتھوں میں مطلوب مقدار مکمل طور پر کہنیوں تک مسح کرنا ہے جیسے وضو میں، کیونکہ تیمّم قائم مقام وضو کے ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے لفظ ید (ہاتھ) تیمّم میں مطلقاً بولا گیا ہے، اور وضو میں اسکو قید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی الى المرافق (کہنیوں تک) تو تیمّم کو بھی وضو کے مطابق ہی شمار کریں گے اور اس کو وضو پر ہی قیاس کیا

جائے گا۔ حضرت عمار والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ مارنا ہے منہ اور دونوں ہاتھوں پر (چہرے اور دونوں ہاتھ گٹوں تک مکمل مسح کرنا شوافع اور حنابلہ کے ہاں پورے چہرے کا مسح ایک فرض ہے اور ہاتھوں کا مسح دوسرا فرض ہے (بروایت امام احمد وابوداؤد حضرت ابن عمر والی حدیث تیمم دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے اور ایک دفعہ مارنا چہرے کے لئے اور دوسری دفعہ مارنا ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک تو یہ ضعیف ہے۔)

مالکیہ اور حنابلہ ہاتھوں پر صرف گٹوں تک مسح کرنے کو فرض کی ادائیگی کے لئے کافی قرار دیتے ہیں اور گٹوں سے کہنیوں تک کے عمل کو سنت قرار دیتے ہیں یہ حضرات دلیل اس آیت سے قائم کرتے ہیں وایدیکم اور جب حکم مطلق ہاتھوں سے متعلق کیا گیا تو اس میں ذراع (گٹوں سے اوپر کا حصہ داخل نہیں ہوگا جیسے چور کے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں حکم دیا چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے۔(۱)

اسی طرح حضرت عمار کا یہ فرمانا کہ میں ایک مرتبہ جنبی ہوگیا، اور مجھے پانی نہیں ملا، میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی آپ نے فرمایا تمہارے لیے اتنا کر لینا کافی تھا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ مٹی میں مارے پھر ان میں پھونک ماری۔ پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔ متفق علیہ، اور ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں تمہارے لیے کافی تھا کہ تم اپنے دونوں ہاتھ مٹی میں مارتے پھر ان پر پھونک مارتے پھر تم ان کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر گٹوں تک پھیر لیتے بروایت دارقطنی، (۲)۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں فرض دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے، ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لیے مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں پہلی مرتبہ مارنا فرض ہے یعنی دونوں ہاتھ مٹی پر پھیرنا اور دوسری مرتبہ ایسا کرنا سنت ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔ اس میں واقع ہونے والے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت اس بارے میں مجمل ہے اور احادیث متعارض ہیں، اور تیمّم کو تمام احوال میں وضو پر قیاس کرنا اختلافی معاملہ ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہاتھ مارنا چہرے اور ہاتھوں کے لیے ایک ساتھ ہے، اور بعض دوسری احادیث میں دو مرتبہ مارنے کا تذکرہ ملتا ہے جمہور نے ان احادیث کو تیمّم کو وضو پر قیاس کرتے ہوئے ترجیح دیدی ان احادیث میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے تیمم دو دفعہ مارنا ہے، ایک دفعہ چہرے کے لیے اور ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کے لیے۔ بروایت حاکم، دارقطنی اور بیہقی تاہم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف ہے)۔
ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمّم کیا ایک مرتبہ میں چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دوسری مرتبہ میں اپنی دونوں ذراع (گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ) پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا راوی محدثین کی نظر میں قوی نہیں لہذا اس کی سند میں ضعیف ہے (۳)۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمّم میں انگوٹھی کا اتارنا واجب ہے بخلاف وضو کے کیونکہ مٹی بھاری اور ٹھوس شکل ہونے کی بناء پر انگوٹھی کے نیچے نہیں جاسکتی بخلاف پانی کے شوافع کے ہاں محل وجوب دوسری مرتبہ مارنے میں ہے (دوسری مرتبہ مارتے وقت اتارنا واجب ہے)

۱۔ ترمذی۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۳　۲۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۴　۳۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص: ۱۵۰۔۱۵۴

پہلی مرتبہ میں مستحب ہے اور اتارنا بھی ہاتھ پھیرتے وقت واجب ہے مٹی میں ہاتھ مارتے وقت نہیں مالکیہ اور احناف انگلیوں میں ہتھیلی یا انگلیوں کی اندرونی طرف سے خلال کرنے کو واجب کہتے ہیں تا کہ مسح صحیح طرح ہو سکے۔شوافع اور حنابلہ ہاتھ پر مسح کرنے کے بعد انگلیوں میں خلال کو احتیاط کی خاطر مستحب قرار دیتے ہیں۔اور مٹی کا ہلکے بالوں کی جڑ میں پہنچانا واجب نہیں ہے،لہذا مٹی کو داڑھی کے بالوں کے اندر پہنچانا ضروری نہیں خواہ داڑھی ہلکی ہو،کیونکہ اس طرح کرنے میں مشقت و تنگی ہے،بخلاف وضو کے تیمم میں مضمضہ (کلی کرنا) اور استنشاق (ناک صاف کرنا) نہیں ہے،تا کہ مٹی ناک اور منہ میں نہ گھس جائے بلکہ یہ مکروہ ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے گندگی بڑھتی ہے۔

۳۔ ترتیب شوافع کے ہاں فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں حدث اکبر کے علاوہ صورت میں فرض ہے۔یعنی تیمم کے دونوں اعضاء پر تیمم کرنے کے دوران۔کیونکہ تیمم پانی کی طہارت کی نیابت میں ہوتا ہے اور وضو میں ترتیب فرض ہے تو تیمم میں جو اس کے قائم مقام ہے نیت فرض ہوگئی۔اور حدث اکبر یا بدن پر لگی ہوئی نجاست کے لیے تیمم کرنا تو اس میں ترتیب فرض نہیں ہے۔حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کے درمیان ترتیب مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ اصلی فرض مسح کرنا ہے اور مٹی کا ان اعضاء تک پہنچانا اس کا ذریعہ ہے۔

۴۔ پے در پے افعال کا انجام دینا مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں فرض ہے تاہم مالکیہ ترتیب کی طرح اس کو بھی حدث اکبر کے علاوہ صورتوں میں تیمم کیے جانے کی صورت میں فرض قرار دیتے ہیں۔اور وہ اس طرح کرے کہ تیمم کے دونوں افعال دوسرے کے بعد انجام دے اور اس طرح انجام دے کہ دوسرے عضو پر اس عمل کو کرنے میں اتنی تاخیر نہ ہو جتنی تاخیر وضو میں کردینا ممنوع ہو یعنی جیسے وضو میں ایک عضو کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلا عضو اتنے عرصے میں خشک ہو جائے عام معتدل حالات میں۔مالکیہ مزید فرماتے ہیں کہ تیمم اور وہ عبادت یا غرض جس کے لیے تیمم کیا گیا ہے۔ان کے درمیان موالات (پے در پے ہونا) ضروری ہے شوافع اور احناف فرماتے ہیں تیمم میں موالات (پے در پے ہونا) مسنون ہے جیسے وضو میں مسنون ہے جیسے تیمم اور نماز کے مابین بھی موالات مسنون ہے،اور یہ مسنون اس لیے ہے کہ اس اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو ان حضرات کا ہے جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔یعنی مالکیہ حضرات جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۵۔ پاک مٹی کا ہونا،یہ مالکیہ کے ہاں فرض اور دوسرے حضرات کے ہاں شرط ہے اور مالکیہ کے ہاں۔(۱)

پاک مٹی میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اجزاء زمین میں سے اس پر نمودار ہوں جیسے مٹی،اور یہ دوسرے اجزاء کے مقابلے میں افضل ہے اگر یہ دستیاب ہو اور ریت پتھر،کنکر گچ جس کو آگ پر پکایا نہ گیا ہو اگر جلا دیا پکا دیا ہو تو اس سے تیمم درست نہیں ہوگا۔اور خواہ یہ چیزیں زمین پر سے ہٹائی ہوئی ہوں یعنی ان کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے کسی ایسی چیز میں رکھ دیا گیا ہو جو زمین نہ ہو۔کان میں موجودہ چیزوں پر بھی تیمم درست ہے اگر وہ اپنی جگہ پر ہوں اور وہاں سے منتقل نہ کی گئی ہوں اور سونا اور چاندی نہ ہو اور نہ جواہرات میں سے ہو جیسے موتی وغیرہ۔لہذا شب (پھٹکری نما معدنی نمک) نمک ہو ہے سیسے،رانگ اور سرے کی لکی ہوئی مقداروں پر اس وقت تیمم درست نہیں ہوگا اور وہ کانوں سے نکل کر لوگوں کے پاس مال کی شکل میں موجود ہوں اسی طرح سونے اور چاندی پر بھی مسح درست نہیں خواہ وہ اپنی اصلی جگہ سے موجود ہوں اور نہ ہی جواہرات پر

۱۔ الشرح الصغیر ا ص ۱۹۵،القوانین الفقھیۃ ص ۱۳۸،الشرح الکبیر،ج ا ص ۱۵۵

درست ہے جیسے یاقوت، زبرجد اور موتی وغیرہ خواہ وہ اپنی جگہ موجود ہوں۔ اور ایک قول کے مطابق لکڑی اور گھاس پر تیمّم کرنا درست نہیں خواہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز نہ بھی ہو دستیاب ہو اس لیے کہ دونوں نہ مٹی میں سے ہیں اور نہ مٹی کے مشابہ اس کی جنس میں سے ہیں اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ چیزیں ہونے کی صورت میں ان پر تیمّم درست ہے۔ اور پانی کا وہ نمک جو زمین یا سمندر کے کنارے جم جاتا ہے اس پر تیمّم درست ہے، کیونکہ وہ جمنے کی وجہ سے پتھر کے مشابہ ہوگی اور اجزاء زمین کی طرح شمار ہوگا۔ احناف کا مذہب بھی مالکیہ کی طرح ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں۔ (۱) کہ تیمّم ہر اس چیز سے درست جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، غبار، ریت پتھر، گچ، چونا سرمہ اور ہڑتال وغیرہ، خواہ ان چیزوں پر غبار وغیرہ نہ بھی ہو۔ کیونکہ صعید کے لفظ کا اطلاق روئے زمین پر ہوتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں کوئی اختصاص (خصوصیت) کا مفہوم نہیں ہے بلکہ یہ تمام اجزائے زمین کو شامل ہے اور دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ کچھ گاؤں کے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بولے کہ ہم لوگ ریتلے علاقے میں رہنے والے ہیں تین تین چار چار ماہ ایسے ہی رہتے ہیں، ہم میں جنبی حائضہ اور نفاس والی عورتیں ہوتی ہیں ہمیں پانی نہیں ملتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین کو اپنا لو (اور یوں کرو) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے چہرے پر پھیرنے کے لیے پھر دوبارہ مارے اور اپنے ہاتھوں پر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھیری لے۔ (۲)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ شوریدہ زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمّم کرنے میں حرج نہیں، اور مراد زمین ہے جس میں شور (نمک وغیرہ) اور سیم وغیرہ ہو (یعنی سیم وتھور والی زمین)۔ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں تیمّم اس پتھر یا چٹان پر سے درست ہے جس پر گرد نہ ہو اور اس گیلی مٹی پر بھی جس سے غبار ہاتھ نہ لگے اس طرح تیمّم گرد پر کر لینا درست ہے جیسے کوئی شخص کپڑے گدے، یا زین وغیرہ پر پھر ہاتھ مارنے اور اس کے ہاتھ مارے سے گرد وغبار اڑے۔ شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں۔ (۳)

کہ تیمّم صرف اس پاک مٹی سے درست ہے جو گرد وغبار والی ہو ہاتھ پر لگ جاتی ہو اور جلی ہوئی چیز کی نہ ہو اور اگر وہ بہت دبی ہوئی یا نم ہو کہ ہاتھ ملنے سے وہ ہاتھ پر نہ لگے تو اس سے تیمّم کر لینا کافی نہیں ہوگا۔ شوافع مزید فرماتے ہیں کہ گرد وغبار والی ریت سے تیمّم درست ہے۔ جب کہ حنابلہ کے ہاں ریت سے تیمّم درست نہیں ہے۔ اسی طرح پتھر کے تراشنے سے نکلنے والا تراشہ اور چھیلن سے بھی تیمّم درست نہیں ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ریت سے تیمّم جائز ہے۔ دونوں فریقین کے ہاں معدنی چیز سے تیمّم درست نہیں ہے۔ جیسے تیل گندھک اور چونے کی کان وغیرہ یا ٹھیکری وغیرہ کا پور کیونکہ اس کو عرف میں مٹی نہیں کہا جاتا ہے۔ اس طرح وہ مٹی جو آٹے وغیرہ سے مل گئی ہو جیسے زعفران اور گچ، کیونکہ یہ مٹی کو عضو تک پہنچنے نہیں دیتے اس طرح پکے ہوئے چونے سے بھی نہیں کیونکہ وہ مٹی نہیں ہے اس طرح ٹھیکری وغیرہ سے بھی نہیں یعنی جن کا گرد وغبار نہیں

۱۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۸۶، البدائع، ج ۱ ص ۵۳، اللباب، ج ۱ ص ۳۷　۲۔ نصب الرایۃ، ج ۱، ص: ۱۵۶
۳۔ المہذب ج ۱ ص: ۳۲، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۹۶، کشاف القناع، ج ۱ ص ۱۹۷
الخطیب، ج ۱ ص ۲۵۲، غایۃ المنتھی، ج ۱ ص ۶۱

ہوتا ہے۔اور گیلی مٹی سے بھی تیمم کرنا درست نہیں اور نہ ہی ناپاک مٹی سے تیمم درست ہے ناپاک مٹی سے تیمم کا درست نہ ہونا جیسے ناپاک پانی سے وضو درست نہیں ہوتا ہے۔ یہ علماء میں اتفاقی مسئلہ ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے فتیمموا صعیدا طیبا اور شوافع کے ہاں اس مٹی سے بھی تیمم درست نہیں جو ایک مرتبہ عضو پر تیمم میں استعمال ہو چکی ہو اور حنابلہ کے ہاں غصب شدہ زمین وغیرہ سے بھی تیمم درست نہیں ہے، جیسے مسجد کی مٹی سے۔اور اگر کسی نے اونی گدے، کپڑے یا قالین وغیرہ پر ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ پر گرد لگ گئی اور اس نے اس سے تیمم کر لیا تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔امام احمد بن حنبل نے تیمم کی خاطر مٹی ساتھ رکھنے کو پسند فرمایا، تاکہ عبادت کے معاملے میں احتیاط رہے۔ان حضرات کی دلیل یہ فرمان خداوندی ہے فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ صعید (مٹی) کے جزے سے تیمم کیا جائے ایسی چیز جس پر گرد نہ ہو جیسے چٹان تو اس پر سے کوئی چیز ہاتھ پھیرنے سے ہاتھ پر نہیں لگتی ہے۔ چونکہ طہارت ہے اس لیے اس میں پاک کرنے والی چیز کو پوری جگہ پہنچانا لازم ہے جیسے سر کے مسح میں ایسا ہونا ضروری ہے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مٹی میرے لیے پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔بروایت امام شافعی اور احمد از حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حدیث حسن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صعید کھیتی والی مٹی ہے اور پاک مٹی کو کہتے ہیں)۔حنابلہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اولے پائے لیکن ان کو پگھلانے کا امکان نہ ہو تو اس پر اپنے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے اس سے اپنے کو دھونا لازم ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھو اور اگر ان کو اعضاء پر پھیرا ہو اور وہ پھیرے جانے کے باوجود پورے عضو بہے ہو تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے پانی کے فی الجملہ ہونے کے باوجود بغیر کامل طہارت کے نماز ادا کی ہے جیسے اگر کوئی خشک مٹی کے پاس ہونے کے باوجود اس لیے بلا تیمم نماز پڑھ لے کہ اس کے پاس اس مٹی کو پیسنے یا کھرچ کر قابل مسح بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تا کہ وہ مسح کر سکے۔اور اگر وہ برف اعضاء پر بہہ جائے تو نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اتنا دھونا پایا گیا جو شرعاً لازم ہے خواہ وہ بہت کم ہی ہو۔اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شوافع مسح کیے جانے والے وضو تک مٹی منتقل کیے جانے کو تیمم کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن شمار کرتے ہیں۔ باقی ارکان ان کے ہاں یہ ہیں)۔

۱۔　نماز مباح کرنے کی نیت۔　　　۲۔　چہرے کا مسح کرنا۔

۴۔　ہاتھ اور چہرے کے تیمم میں ترتیب پیش نظر رکھنا۔　　　۳۔　دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا۔

لہذا اگر کسی شخص نے اپنے عضو پر سے جس پر از سر نو مٹی آ گئی ہو مٹی مل کر تیمم کے دونوں عضو پر پھیر دی تو صحیح قول کے مطابق یہ درست ہوگا۔ کیونکہ نقل پائی گئی ہے۔اور اگر عضو پر مٹی موجود ہو اور وہ اس عضو پر ایک جانب سے دوسری جانب سے کیے جائے تو کافی نہ ہوگا اور درست نہیں ہوگا اور میری نظر میں شوافع اور حنابلہ کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت کی روشنی میں یہی زیادہ قابل قبول بات لگتی ہے۔(۱)

۱۔　الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱ ص ۳۹۰۔۳۹۵

تیمّم کے رکن کے بارے میں احناف کا نظریہ:

علامہ ابوبکر علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

تیمّم کا رکن:

تیمّم کے رکن کے متعلق ائمہ کرام کے مابین اختلاف ہے ہمارے ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اس کا واحد رکن دومرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور دوسری بار کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے۔یہی امام شافعی کے دواقوال میں سے ایک قول ہے۔ان کا دوسرا اور امام مالک کا واحد قول ہے کہ اس کا رکن دومرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے ایک مرتبہ چہرے کے لے اور دوسری بار پہنچوں تک دونوں ہاتھ کے لیے۔امام الزہری فرماتے ہیں کہ جو دودفعہ زمین پر ہاتھ مارے جاتے ہیں ان میں سے ایک چہرے کے لیے ہوتا ہے اور دوسرے بغلوں تک دونوں بازوں کے لیے ایک اور تابعی ابن ابی لیلی کے نزدیک ان دو میں سے ہر ایک کے ساتھ چہرے اور بازوں پر مسح کرنا ضروری ہے۔علامہ ابن سیرین کا قول ہے کہ اس کا رکن تین مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔ایک مرتبہ چہرے کے لیے دوسری مرتبہ دونوں بازوں کے لیے اور تیسری بار دونوں کے لیے مشترکہ طور پر بعض علماء کے نزدیک فقط ایک ہی مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ضروری ہے جس سے منہ اور ہاتھ دونوں پر مسح کیا جائے گا ان کی دلیل قرآنی:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ۔(۱)

کے ظاہری الفاظ ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تیمّم کا حکم دیا ہے اور اس کی تشریح چہرے اور ہاتھوں کے مطلق مسح کے ساتھ فرمائی ہے اور اس جگہ ایک یا دوبار زمین پر ہاتھ مارنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔لہذا اس کے اطلاق کی بنا پر ایک ہی مرتبہ زمین پر ہاتھ مار کر دونوں کا مسح کر لینا کافی ہوگا۔امام الزہری کا استدلال بھی اس آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہاتھوں پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور عربی لفظ ''الید'' سے مراد ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر بغلوں تک تمام حصہ ہوتا ہے چنانچہ اگر وضو کے حکم کے ضمن میں بھی ''المرافق (کہنیوں) کی حد کا ذکر نہ ہوتا تو اس میں بھی تمام بازوں کا دھونا لازم ہوتا۔اور چونکہ اس حد کا ذکر وضو میں ہے۔تیمّم میں نہیں اس لیے یہاں کا حکم وضو سے مختلف ہوگا۔امام مالک اور امام شافعی دونوں کی دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ جنابت کے لیے تیمّم کرنے کی خاطر مٹی میں لت پت ہو گئے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گیا تجھے علم نہیں کہ تیمّم کے لیے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کافی ہے۔ہمارا استدلال قرآن مجید اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، قرآن مجید سے اس طرح کہ قرآن مجید میں ہے۔

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ (۲)

یہ آیت امام مالک اور امام شافعی کے خلاف ہماری حجت ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں (''جمع ایدی ہاتھ) کے دھونے کا حکم دیا ہے۔اور ہاتھ کی پہنچے کے ساتھ تخصیص بغیر دلیل کے جائز نہیں ہے۔دوسری طرف مرافق (کہنیوں) تک دھونے کی

۱۔ المائدہ ۵:۶ ۲۔ المائدہ ۵:۶

دلیل موجود ہے کیونکہ وضو کے حکم میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور تیمم وضو کا نعم البدل ہے۔ اور چونکہ کوئی نعم البدل اپنی اصل سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔ لہذا وضو کے ضمن میں غایت (حد) کا ذکر ہے دلالۃ تیمم میں بھی اس کا اثبات ہوتا ہے ہماری طرف سے ان لوگوں کا بھی یہی جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تیمم تو فقط ایک ہی دفعہ زمین پر ہاتھ مارنے کا نام ہے۔ اس لیے کہ بقول ان کے نص میں اس کا تکرار موجود نہیں ہے۔ تو اگرچہ نص میں واقعی تکرار کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہاں دلالۃ تکرار موجود ہ چونکہ تیمم وضو کا نعم البدل ہے اور وضو میں دو اعضاء کے لیے ایک ہی مرتبہ پانی لینا کافی نہیں ہوتا، لہذا اسی طرح مٹی پر ایک بار مارا ہو ہاتھ دو اعضاء پر پھیرنے کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ کوئی نعم البدل شی اپنی اصل سے مختلف نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہماری یہی دلیل ابن ابی لیلیٰ اور ابن سیرین کے خلاف حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے مسح کا حکم دیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک بار ہی مسح کیا جائے اس لئے کہ مطلق حکم میں تکرار کی گنجائش نہیں ہوتی جب کہ ان دونوں کے ہاں تکرار پائی جاتی ہے۔ بنا بریں تکرار کا یہ حکم کتاب الٰہی پر اضافہ ہوگا۔ جو کسی ٹھوس دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے جہاں تک سنت نبوی ﷺ سے اس کے اثبات کا تعلق ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو بار ہاتھ زمین پر مارنا چاہیے۔ ایک بار چہرے کے لیے اور دوسری بار دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ یہ حدیث سب پر حجت ہے اور جہاں تک حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو اس میں تعارض ہے اس لیے کہ دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تجھے دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا کافی ہے ایک بار اپنے چہرے کے لیے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ اور متعارض حدیث کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کا جائز نہ ہونا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رہے آپ تو آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ حدیث مختصر ہے اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے: حضرت عبدالرحمٰن ابزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا پس ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ہم کسی جگہ ایک ماہ یا دو ماہ ٹھہرتے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو اس وقت تک نماز نہیں پڑھوں گا حتیٰ کہ میں پانی کو پالوں پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ میں اور آپ اونٹوں پر سفر کر رہے تھے پھر ہم دونوں جنبی ہو گئے رہا میں تو میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا، پھر ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کر لیتے آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک ماری پھر ان ہاتھوں سے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر نصف ہاتھ تک مسح کیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! ہم اس معاملہ میں تم کو تمہارے موقف پر قائم رہنے دیں گے۔ (۲)

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۲۰۲-۲۰۴

۲۔ سنن ابوداؤد: ۳۲۲، صحیح مسلم: ۳۶۸، الرقم المسلسل: ۷۹۸، سنن نسائی: ۳۱۵

قیاس اور اجتہاد پر دلیل:

اس حدیث میں قیاس کی دلیل ہے کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں زمین میں لوٹ پوٹ ہوگیا انہوں نے اجتہاد کیا کہ حدث اصغر میں تو صرف چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کیا جاتا ہے۔ اور یہ تیمّم وضو کا قائم مقام ہوتا ہے اور حدث اکبر یعنی جنابت میں تو پورے جسم پر مٹی سے مسح ہونا چاہیے تا کہ وہ غسل کا قائم مقام ہو کیونکہ غسل پورے جسم پر پانی بہایا جاتا ہے تو تیمّم میں پورے جسم پر مسح ہونا چاہیے پھر جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے انہیں بتایا کہ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں تیمّم کی ایک صفت ہے یعنی مٹی یا پتھر پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ حضور کے زمانہ میں اجتہاد کرتے تھے اور کبھی صحابہ کو اجتہاد میں خطاء واقع ہو جاتی تھی، نیز خطاء منکشف ہونے کے بعد اجتہاد کرنے والے پر اس تیمّم سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

تیمّم کی کیفیت میں مذاہب آئمہ:

امام احمد کے نزدیک تیمّم میں صرف ایک بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا: یہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے سب سے زیادہ ثابت روایت ہے، اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی باقی روایات میں بہت اختلاف ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا وضوء میں فرض کیا ہے پھر تیمّم میں فرمایا:

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ''اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔(۱)

اور ظاہر ہے کہ یہاں پر ہاتھوں پر وہیں تک مسح کرنے کا حکم دیا ہے جہاں تک وضوء میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا تھا، اور وضوء میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم دیا تھا تو تیمّم میں بھی کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کرنا مراد ہے۔ علماء کا کیفیت تیمّم میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے اور امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ ایک بار مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر مسح کیا جائے۔ اور دوسری بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے البتہ امام مالک کے نزدیک پہنچوں تک مسح کرنا فرض ہے اور کہنیوں تک مسح کرنے میں اختیار ہے۔ حسن بن حی اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: تیمّم میں دوبارہ ہاتھ مارنا اور ہر بار چہرے اور ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے اور الزہری نے کہا: ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کیا جائے۔ ابن سیرین نے کہا: تیمّم میں صرف تین ضربات ہیں، ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے، دوسری ضرب سے ہتھیلیوں پر مسح کیا جائے اور تیسری ضرب سے کلائیوں پر مسح کیا جائے۔ تیمّم کی کیفیت میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مختلف اور مضطرب روایات ہیں اور ہر روایت کے موافق کسی نہ کسی مجتہد نے اپنا مذہب بنالیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس میں ظاہر کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اور ظاہر کتاب سے یہ پتا چلتا ہے کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور دوسری ضرب سے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے جیسا کہ وضوء میں ایک بار چہرے کو دھویا جاتا ہے اور دوسری بار ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔ اور ان احادیث کی اتباع کرتے ہوئے جن میں یہ ذکر ہے کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں۔(۲)

۱۔ النساء۴:۴۳، المائدہ۵:۶　　　۲۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۲۹

دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنے کے متعلق احادیث اور آثار:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں پر کہنیوں تک ہے اس حدیث کے تمام رجال ثقات ہیں۔(۱)

ابوالزناد بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں جنبی ہو گیا اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا، حضرت جابر نے فرمایا: تم زمین پر ہاتھ مارو اور چہرے پر مسح کرو، پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مارو اور اپنی کہنیوں تک مسح کرو۔ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔(۳)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک چہرے کے لیے اور ایک ضرب ہتھیلیوں سے کہنیوں تک کے لیے (۴) ۴۔ سنن دارقطنی: ۲۷۴، سنن بیہقی، ج ا ص ۲۰۷)

سالم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ضربوں سے تیمم کیا ہے، ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے اور ایک ضرب کلائیوں سے کہنیوں تک کے لیے۔(۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں گزرا۔ آپ اس وقت بیت الخلاء سے آئے تھے، اس نے آپ کو سلام کیا، آپ نے اس کا جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ قریب تھا، وہ شخص غائب ہو جاتا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور ان کے ساتھ مسح کیا، پھر دوسری بار دیوار پر ہاتھ مارے اور ان کے ساتھ اپنی کلائیوں پر مسح کیا' پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی مگر یہ کہ میں طہر پر نہیں تھا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، مگر یہ محمد بن ثابت العبدی کی روایت ہے اور وہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے۔(۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے ہے۔(۶)

حسن بصری نے کہا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لیے ہے۔(۷)

۱۔ سنن دارقطنی: ۶۷۹، المستدرک، ج ا، ۱۸۰، سنن بیہقی، ج ا ص ۲۰۷　۲۔ سنن دارقطنی: ۶۸۰، ج ا ص ۴۲۱

۳۔ سنن دارقطنی: ۲۷۳، المستدرک، ج ا، ۱۷۹، مجمع الزوائد، ج ا ص ۲۶۷، سنن بیہقی، ج ا ص ۲۰۷

۴۔ سنن دارقطنی: ۲۷۷، سنن بیہقی، ج ا ص ۲۰۷

۵۔ سنن ابوداؤد: ۳۳۰' معرفۃ السنن الکبریٰ، ج ا ص ۲۰۶' تلخیص الحبیر، ج ا ص ۲۳۶

۶۔ سنن دارقطنی: ۶۸۳، سنن بیہقی، ج ا ص ۲۱۲' مصنف عبدالرزاق: ۸۲۴

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ا ص ۱۵۸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مارا جائے، پھر ان کے ساتھ چہرے کا مسح کیا جائے، پھر دوسری بار ہاتھوں کو مارا جائے اور ان کیساتھ کلائیوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۲)

طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۳)

ابن ابی ذئب بیان کرتے ہیں کہ الزہری نے کہا: تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے ہے۔(۴)

ابولزناد بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کیا، پھر دوسری بار اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا، پھر ان کے ساتھ کہنیوں سمیت اپنی کلائیوں پر مسح کیا۔(۵)

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۶)

۸۔ خلاصہ:

ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ حالت اقامت میں بھی تیمم کا جواز ہے، جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کیا اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصحیح فرمائی اور اس کو رد نہیں کیا۔

☆ امام احمد بن حنبل، کے نزدیک تیمم کا رکن ایک دفعہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر پہلے چہرہ اور پھر ہاتھوں پر مسح کرنا ہے، امام احمد بن حنبل کی دلیل حدیث الباب ہے۔

☆ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک دو دفعہ ہاتھ مارنا رکن ہے، ایک دفعہ چہرہ کا مسح اور دوسری دفعہ دو ہاتھوں کا مسح کیا جائے گا۔

☆ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک فرض ہے، جبکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک کلائیوں تک مسح کرنا فرض ہے، اور کہنیوں تک مستحب ہے۔

۱۔ مسند البزار: ۳۱۰　　۲۔ مسند ایضاً: ۳۱۱　　۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۸۱

۴۔ ایضاً: ۱۶۸۴　۵۔ ایضاً: ۱۶۸۸　　۶۔ ایضاً: ۱۶۹۰، نعمۃ الباری، ج۱، ص ۸۶۱-۸۶۴

☆ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تیمم کرنے کے قائل نہ تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے نماز نہیں پڑھی، اور حدیث نمبر (۳۱۲) میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع بھی فرمایا۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں قیاس واجتہاد پر دلیل موجود ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے طہارت کبریٰ کے لیے پورے جسم کو مٹی میں لوٹ پوٹ کیا، جبکہ آقا کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی، کہ طہارت صغریٰ اور کبریٰ کے لیے تیمم کی نیت سے مٹی پر ہاتھ مار کر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرنا کافی ہے۔

☆ صحابہ کرام آقا کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں بھی اجتہاد کرتے تھے۔

☆ اجتہادی خطا سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمم کی کیفیت کے بارے میں منقول روایات مضطرب ہیں، اس لیے ظاہر لغت کا تقاضا ہے کہ جس طرح چہرہ علیحدہ دھویا جاتا ہے، اور ہاتھ کہنیوں تک الگ وضو میں دھوئے جاتے ہیں، تو چہرہ کا مسح علیحدہ ہو اور ہاتھ کا مسح جدا ہو۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا:
تیمم میں دو دفعہ ہاتھ زمین پر مارنا چاہیے، ایک چہرہ کے لیے اور دوسری دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ (۱)

☆ تیمم کرتے وقت ہاتھوں کو جھاڑنا اور ان پر پھونک مارنا سنت مستحبہ ہے۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود انہیں ان کے مؤقف سے روکا نہیں، اگرچہ خود اپنا مؤقف جدا رکھا، جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور دوسرے کی رائے کے احترام کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی علم دوستی اور اس کو پھیلانے کے جذبہ کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

☆ تیمم کے اکثر مسائل کا استنباط حضرات آئمہ وفقہاء نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول احادیث مبارکہ سے ہی کیا ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے یاد کروانے کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطمینان قلب نہیں ملا، اس لیے آپ ﷺ نے خود عمل نہیں کیا، لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اس رائے کے اظہار سے روکا بھی نہیں۔

☆ حالت اقامت میں بیماری لگ جانے یا بڑھ جانے کے اندیشہ سے، نماز عیدین، نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خطرہ یا فرض نماز کے قضاء ہونے کے خوف سے تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ تیمم، غسل اور وضو دونوں کا بدل ہے، اور اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔

۱۔ دار قطنی: ۶۲۹

باب التیمم فی السفر

باب ۱۹۷: سفر میں تیمّم کرنا

تیمّم کی اصل مشروعیت حالت مرض اور حالت سفر کی ہے، اس لیے حالت سفر میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم بلا اتفاق اس کا نعم البدل ہے، تیمّم کی ابتداء بھی حالتِ سفر میں ہوئی، اور اس کا شان نزول بھی حالتِ سفر ہے، پچھلے باب میں حالت اقامت میں تیمّم کے جواز کا بیان تھا اور اس باب میں مسافر کے لیے تیمّم کی مشروعیت کا بیان ہے، امام نسائی نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۳۱۳۔أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ :حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَمَّارٍ قَالَ " :عَرَّسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُولَاتِ الْجَيْشِ وَمَعَهُ عَائِشَةُ زَوْجَتُهُ فَانْقَطَعَ عِقْدُهَا مِنْ جَزْعِ ظِفَارٍ، فَحُبِسَ النَّاسُ ابْتِغَاءَ عِقْدِهَا ذَلِكَ حَتَّى أَضَاءَ الْفَجْرُ، وَلَيْسَ مَعَ النَّاسِ مَاءٌ، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ :حَبَسْتِ النَّاسَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ رُخْصَةَ التَّيَمُّمِ بِالصَّعِيدِ قَالَ :فَقَامَ الْمُسْلِمُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْأَرْضَ، ثُمَّ رَفَعُوا أَيْدِيَهُمْ وَلَمْ يَنْفُضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا، فَمَسَحُوا بِهَا وُجُوهَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ إِلَى الْمَنَاكِبِ، وَمِنْ بُطُونِ أَيْدِيهِمْ إِلَى الْآبَاطِ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جیش پر پڑاؤ ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر ازواج میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کا (ظفار کے نگوں کا)، ہار گم ہو گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ہار کی تلاش میں روک لیے گئے، یہاں تک کہ فجر کی روشنی ہو گئی اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پانی بھی نہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: تم نے سب لوگوں کو روکا ہے، اور ان کے پاس پانی بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مٹی کے ساتھ تیمّم کرنے کی رخصت نازل فرمائی، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے، سب نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے، پھر ہاتھوں کو مٹی جھاڑے بغیر اٹھایا، اور اپنے چہروں اور بازوؤں پر کندھوں اور اندرونی طرف سے بغلوں تک پھیر لیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔ حالتِ سفر میں مقام جیش پر پڑاؤ ہوا، پھر اسی ہار کی تلاش میں رات گذری اور صبح فجر کی نماز کے لیے تیمّم کا حکم نازل ہوا۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد: ۳۲۰، احمد: ۱۸۳۵۰، السنن الکبریٰ: ۳۰۰۔ تحفۃ الاشراف: ۱۰۳۵۷

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ روای ہیں، جن میں سے آخری چار راویوں کا تعارف گزر چکا ہے۔ابتدائی چار کے حالات زندگی قلم بند کیے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن یحییٰ بن عبداللہ:

آپ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن خارس بن ذویب ذیلی نیشاپوری (م: ۲۵۸ھ) ہے۔آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ ثقہ، حافظ، جلیل، مامون راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے بیس (۲۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔امام بخاری نے آپ سے چونتیس (۳۴) احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔آپ نے چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱)

۲۔یعقوب بن ابراہیم:

آپ کا پورا نام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمان عوف زہری مدنی بغدادی (م: ۲۰۸ھ ہے)، آپ رواۃ کے نویں طبقہ صغار سے ثقہ، صدوق، متقن راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ اپنے بڑے بھائی حضرت سعد بن ابراہیم سے چار سال چھوٹے تھے، سنن نسائی میں آپ سے اڑتالیس (۴۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔ابراہیم بن سعد:

نام ونسب:

نام ابراہیم، کنیت ابواسحاق اور شجرہ نسب یہ ہے:

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن حضرت عبدبن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی (۳) قریش کے خاندان بنوزہرہ سے نسبی تعلق تھا، مشہور صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی تمام اولاد اپنے جدامجد کی طرف منسوب ہو کر عوفی کہلاتی ہے۔اسی وجہ سے ابراہیم بھی عوفی کی نسبت سے مشہور تھے۔(۴)

ولادت، وطن اور خاندان:

دیار اقدس مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، ان کے سنہ ولادت کے بارے میں صریح طور پر صرف امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ولد ابراہیم بن سعد سنہ ثمان و مائتہ ابراہیم بن سعد ۱۰۸ھ میں پیدا ہوئے ان کی عمر اور سنہ وفات کے بارے میں علماء

۱۔ i۔المعجم المشتمل، ص۹۹۵ ii۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۲۲۶

۲۔ i۔تاریخ الدارمی، ص۸۸۵ ii۔طبقات ابن سعد، ج۷،ص۳۴۳

۳۔ تھذیب التھذیب، ج،ص۱۲۱ ۴۔ اللباب فی تھذیب الانساب، ج۲،ص۵۸۲

بہت مختلف رائے لکھتے ہیں (۱) اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۸ھ، ۱۰۹ھ یا ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ان میں اول الذکر کے تائیدی بیانات زیادہ ہیں۔ ان کے خاندان کی علمی فضلیت اور علوئے شان محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کے جد اعلیٰ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، ان جانباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھے جن کا کاسہ فضل وکمال نہ صرف علمی زر و جواہر سے مالا مال تھا، بلکہ ان کی اصابت فکر ونظر، صدق وعفاف، انفاق فی سبیل اللہ اور ترحم وفیاضی خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلم خیال کی جاتی تھی، اس طرح قاضی ابراہیم کے ہم نام دادا اپنے عہد کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ کمال علم کے باعث ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ کے قاضی رہے۔ (۲)

حدیث:

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل وسماع سے انہیں خاص شغف تھا، منتخب روزگار شیوخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دامن کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواہر پاروں سے پر کیا۔ علامہ ابن سعد ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ (۳)

خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے، اور اس وقت کے مدنی علماء میں ان سے زیادہ ذخیرہ روایات کسی کے پاس موجود نہ تھا، (۴) ابراہیم زہری کا بیان ہے کہ: ''**كان عند ابراهيم بن سعد بن ابى اسحاق سبعة عشر الف حديث فى الاحكام سوا المغازى رواها البخارى عنه واحتج به فى كتب السلام**'' ابراہیم سعد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مغازی کے علاوہ صرف احکام کے سلسلہ کی سترہ ہزار حدیثیں تھی جنہیں امام بخاری نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ قابل استاد تھے۔ (۵) علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ احمد الاعلام اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ احمد الاعلام الثقات لکھتے ہیں۔ (۶)

اساتذہ:

قاضی ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کی طویل فہرست میں ان کے والد سعد کے علاوہ درج ذیل اسمائے گرامی بہت ممتاز ہیں۔ امام زہری، ہشام بن عروہ محمد بن اسحاق، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، یزید بن الہاد، شعبہ۔

تلامذہ:

اسی طرح ان سے روایت کا شرف حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی کافی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ، بصرہ اور بغداد کا کوئی ایسا قابل ذکر عالم نہیں جس نے ان سے روایت نہ کی ہو، اس میں ان کے صاحبزادگان، یعقوب، سعد کے علاوہ امام احمد بن حنبل، منصور بن ابی مزاحم حسین بن یسار، یزید بن ہارون، یونس بن محمد المودب، ابوداؤد طیالسی، عبدالرحمٰن بن مہدی، نوح بن یزید، سلیمان بن داؤد الہاشمی، علی بن الجعد محمد بن جعفر، عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، یحیٰی بن یحیٰی النیشاپوری کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں لیث بن سعد، قیس بن الربیع، یزید بن ہارون اور امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی

۱۔ تاریخ بغداد، ج۶، ص۸۲　۲۔ ایضاً ص۳۸　۳۔ طبقات ابن اسعد، ج۱، ص۶۸

۴۔ تاریخ بغداد، ج۶، ص۸۳　۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۲۹　۶۔ خلاصہ تہذیب الکمال، ص۷، میزان الاعتدال، ج۱، ص۱۷

اپنی جلالت مرتبت اور تقدم کے باوجود ان سے روایت کی ہے۔(۱)

مرویات کا پایہ:

تمام آئمہ جرح وتعدیل نے یک زبان ہو کر ان کی ثقاہت وعدالت کو سراہا اور ان کے ثبات استاد کا اعتراف کیا ہے۔علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا کہ اگر کوئی شخص ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت میں کلام کرتا ہے تو وہ بڑا عالم ہے۔(۲)

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور حجت ہیں۔ابن عدی فرماتے ہیں کہ "ھو من ثقات المسلمین" علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بغیر کسی شرط کے ثقہ ہیں۔(۱) امام احمد، ابو حاتم ابوزرعہ ابن خراش رحمہم اللہ بھی ان کی صداقت وثقاہت کے معترف ہیں۔(۳)

عہدہ قضا:

مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ تک قضا کے فرائض بھی انجام دیئے، اس لیے قاضی مدینہ کہے جاتے ہیں۔(۴)

بغداد میں آمد اور خزانہ کی افسری:

قاضی ابراہیم کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا، جہاں وہ ایک عرصہ تک فضل ودانش کی گہرباری کرتے رہے، پھر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مرکز علم وفن بغداد منتقل ہو گئے۔وہاں ان کی آمد کے صحیح وقت کی تعیین مشکل ہے۔خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنے ہی ذکر پر اکتفا کیا کہ: کان قدنزل بغداد و اقام بھاالی حین حیاتہ "وہ بغداد آئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے(۵)

خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد آنے پر ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور انکی دیانت وتقویٰ کے اعتراف کے طور پر انہیں بیت المال کا نگران مقرر کیا۔(۶)

موسیقی:

تاریخ بغداد کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے، لیکن یہ روایتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

وفات:

۷۳ یا ۷۴ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔عمر کی طرح سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے، کوئی ۱۸۳ھ، کہتا ہے اور ۶(۷) کوئی ۱۸۴ھ مگر ساری روایتوں پر غور کرنے کے بعد ۷۴ سال کی عمر اور ۱۸۳ھ سنہ وفات صحیح معلوم ہوتا ہے۔(۸)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج۱، ص۱۲۱، تاریخ بغداد، ج۲، ص۱۸۱　　۲۔ تہذیب التہذیب، ج۱، ص۱۲۳

۳۔ تاریخ بغداد، ج۲، ص۸۳　　۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۲، ص۲۲۹

۵۔ تاریخ بغداد، ج۲، ص۸۱　　۶۔ طبقات ابن سعد، ج۷، ص:۶۸

۷۔ تاریخ بغدادی، ج۲، ص۱۸۴　　۸۔ طبقات ابن سعد، ج۷، ص۶۸، سیر الصحابہ، ج۹، ص۱۶۔۱۸

۴۔صالح رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام ابو محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کیسانی مدنی (م: ۱۳۰ھ یا ۱۴۰ھ) ہے۔آپ حضرت عمر بن عبد العزیز کی اولاد کے مودب تھے آپ ثقہ، فقیہ، ثابت راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت اور فقاہت پر متفق ہیں، آپ کے رواۃ کے کس طقبہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا اندازہ اس لیے نہیں ہوسکتا کہ آپ کی عمر کے بارے میں شدید اختلاف ہے، امام حاکم نے ساٹھ سال سے زائد کی عمر لکھی ہے۔اور لکھا کہ آپ ستر سال کی عمر میں علم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا انکار کیا ہے، اور ان کے مطابق آپ کی عمر نوے سال (۹۰) بمشکل تھی۔سنن نسائی میں آپ سے تینتیس (۳۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ابن شہاب:	راجع:۱۱۶	۶۔عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ:	راجع:۱۸۷
۷۔ابن عباس:	راجع:۱۳۲	۸۔عمار	راجع:۳۱۱

۸۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ نوویں (۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راویوں سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے چار راوی نیشاپوری اور باقی کے سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (یعقوب) کی اپنے باپ (ابراہیم) سے روایت ہے۔

☆ یہ تابعی (صالح) کی دوسرے تابعی مغیر (امام زہری) سے روایت ہے۔

☆ سند میں تین تابعین کرام (صالح رحمۃ اللہ علیہ، زہری، عبد اللہ) اور دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) ہیں۔

☆ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، آپ مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کے؛ پوتے ہیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فقہاء عبادلہ اربعہ اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں آپ سے ایک ہزار چھ سو چھیانوے (۱۶۹۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

۱۔ i۔تہذیب التھذیب، ج۴،ص:۳۹۹ ii۔الثقات، ج۶،ص:۴۵۴

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنی ایک دفعہ، تحدیث تین دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

عرس :	آپ نے پڑاؤ کیا۔		
انقطع عقدها:	ہار ٹوٹ گیا۔ ہار گر گیا۔ ہار ٹوٹ کر گر گیا۔		
جزع ظفار ؛	بستی ظفار کے نگ		
حبس الناس :	لوگ روک دیے گئے۔		
ابتغاء :	تلاش کرنے کے لیے		
اضاء الفجر:	فجر کی روشنی ہوتی۔ فجر روشن ہوئی		
تغيظ عليها:	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا		
ضربوا بايدهم:	لوگوں نے ہاتھ مارے		
الارض:	زمین، مٹی	رفعوا :	انہوں نے بلند کیے،
لم ينفضوا:	انہوں نے جھاڑی نہیں	التراب:	مٹی
مسحوا:	انہوں نے پھیرے	المناكب :	کندھے
بطون ايديهم:	ہاتھوں کا اندرون۔ ہتھیلیاں	الا باط:	بغلیں

۷۔ مسائل ونصائح:

راجع: ۳۰۹، ۳۱۲

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ حالت سفر میں تیمم کا جواز ہے۔

متن کا اضطراب:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث نمبر تین سو گیارہ (۳۱۱) میں ہاتھوں کے مسح کی حد کہنیاں اور کلائیاں بیان ہوئی ہے۔
اور حدیث الباب (۳۱۳) میں ہاتھوں کے مسح کی حد کندھے اور بغلیں بیان ہوئی ہے۔

☆ اس سے احناف کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی طرر وایت میں اضطراب ہے۔

بَابُ الِاخْتِلَافِ فِي كَيْفِيَّةِ التَّيَمُّمِ باب نمبر ۱۹۸: تیمّم کی کیفیت میں اختلاف کا بیان

تیمّم کیسے کرنا چاہیے؟ اور تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس باب کے قائم کرنے سے امام صاحب کا اشارہ اسی طرف ہے، پھر اس کے بعد چار ابواب جو قائم کیے ہیں وہ بھی اس امر کی وضاحت میں ہیں۔ اس بحث میں امام نسائی نے پانچ ابواب کے تحت پانچ احادیث مبارکہ ذکر کر کے ان سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حالتِ سفر میں تیمّم کرنے کا بیان تھا، ان ابواب میں تیمّم کرنے کے مختلف طریقوں کا بیان ہے۔

۳۱۴۔أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: تَيَمَّمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتُّرَابِ فَمَسَحْنَا بِوُجُوهِنَا وَأَيْدِينَا إِلَى الْمَنَاكِبِ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مٹی سے تیمّم کیا، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا کندھوں تک مسح کیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

تیمّم میں ہاتھوں کے مسح کرنے کے بارے میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا فرمان حدیث نمبر تین سو گیارہ (۳۱۱) میں کہنیوں یا کلائیاں تک کا ذکر ہے۔ حدیث نمبر تین سو تیرہ (۳۱۳) میں کندھوں اور بغلوں تک کا ذکر ہے۔ امام نسائی بھی مسح کی کیفیت میں اختلاف کا بیان کر رہے ہیں۔

۲۔اطراف:

ابن ماجہ: ۵٦٦، احمد: ۱۸۹۱۵، السنن الکبریٰ: ۳۰۱، تحفۃ الاشراف: ۱۰۳۵۸

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے باقی تین کے حالات لکھے جاتے ہیں

۱۔العباس بن عبدالعظیم العنبری: راجع: ۱۱۹

۲۔عبداللہ بن محمد اسماء:

آپ کا ابوعبدالرحمان عبداللہ بن محمد بن اسماء بن عبید بن مخارق ضبعی بصری (م: ۲۳۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ جلیل راوی ہیں آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے سات (۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور

امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱) آپ سے امام بخاری نے بائیس (۲۲) اور امام مسلم نے سترہ (۱۷) احادیث مبارکہ روایت کی ہیں

۳۔ جویریۃ:

آپ کا نام جویریہ بن اسماء عبید ضبعی بصری (م:۱۷۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، صالح راوی ہیں۔ آئمہ صحاح خمسہ آپ سے روایت کرتے ہیں البتہ امام ترمذی روایت نہیں کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے دس (۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں (۲)

۴۔ مالک: راجع: ۱۱۷　　**۵۔ الزہری:** راجع: ۱۱۶

۶۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ: راجع: ۱۸۷

۷۔ عبداللہ بن عتبہ:

نام ونسب:

عبداللہ نام ابوعبدالرحمٰن کنیت، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔(۳)

نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ہذلی عبداللہ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی میں اتنا ہوش بھی ہو گیا تھا کہ آپ کو دیکھا تھا، اور آپ کے متعلق بعض واقعات ان کے حافظہ میں محفوظ تھے، اسی لیئے عقیلی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے وہ عہد رسالت میں پیدا ضرور ہوئے لیکن حیات نبوی میں بالکل بچہ تھے، اکثر ارباب سیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ تابعی ہیں، چنانچہ علامہ ابن سعد نے تابعین ہی کے زمرے میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبسر نے اگر چہ احتیاطاً استیعاب میں ان کے حالات لکھ دیئے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عقیلی نے صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے لیکن یہ سراسر غلط ہے البتہ وہ کبار تابعین میں ہیں۔(۴) بعض لوگ ان کی صحابیت پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو والی بنایا تھا، اور وہ غیر صحابی کو کسی عہد پر مقرر نہیں کرتے تھے لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

فضل وکمال: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات سے ان کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا عبداللہ بن عقبہ نے اسی گہوارہ میں پرورش پائی تھی اس لئے گھر کی یہ دولت ان کے حصہ میں بھی آئی، چنانچہ وہ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے اور حدیث فقہ وغیر مذہبی علوم میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة رفیعا ، کثیر الحدیث والفتیاء فقیها (۵) حدیث میں انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ابوذر رضی اللہ عنہ ابوھریرہ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبید اللہ، عون اور حمید بن عبدالرحمٰن، معاویہ ابن عبداللہ بن جعفر، ابو اسحاق سبیعی، عامر الشعبی۔ عبداللہ بن معید زمانی اور محمد بن سیرین وغیرہ

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج۵، ص۱۹۵　　ii۔ الثقات، ج۸، ص:۳۵۶

۲۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج۲، ص:۵۳۱　　ii۔ تقریب التہذیب، ج۱، ص:[illegible]

۳۔ سیر الصحابہ، ج۷، ص۲۰۰۔۲۰۱　　۴۔ الاستیعاب، ج۱، ص۳۹۰　　۵۔ طبقات ابن سعد، ج۵، ص۱۴۲

قابل ذکر ہیں۔(۱)

وفات: عبدالملک کے عہد خلافت میں بشر بن مروان کی ولایت عراق کے زمانہ میں وفات پائی۔(۲)

اولاد: عبداللہ اولاد کی جانب سے بڑے خوش قسمت تھے، ان کے ایک لڑکے مدینہ کے بڑے نامور عالم اور وہاں کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے ان کے حالات آئندہ آئیں گے اور عون زہد و ورع میں مشہور تھے۔(۳)

حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ روایتاً صحیح ہے۔

خصوصیات:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے لحاظ یہ دسویں (۱۰) حدیث مبارکہ ہیں ۔

☆ یہ دوسری ایک ساتھ ہی ثمانیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور باقی سارے مدنی ہیں،

☆ حضرت عبداللہ بن محمد، حضرت جویریہ اور حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت جویریہ ایسا اسم ہے، جو علامتِ تانیث کے ساتھ ہے۔لیکن مذکر کا نام ہے۔

☆ یہ روایت (عبیداللہ) کی باپ (عبداللہ) سے اور بھتیجے (عبداللہ ابن محمد) کی چچا (جویریہ) سے روایت ہے

☆ سند میں تین تابعین کرام (زہری، عبیداللہ، عبداللہ) راوی ہیں

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں ہی شہادت کی خوشخبری سنائی تھی۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

تیممنا:	ہم نے تیمّم کیا۔	**التراب :**	مٹی
مسحنا:	ہم نے مسح کیا		
وجوھنا:	ہمارے چہرے، اپنے چہرے		

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۵، ص ۳۱۱ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۲ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۷۸

ایدینا: ہمارے ہاتھ، اپنے ہاتھ المناکب: کندھے

باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ التَّيَمُّمِ وَالنَّفْخِ فِي الْيَدَيْنِ

باب ۱۹۹: ہاتھوں پر پھونک مارنے کے ساتھ تیمّم کی ایک صحت

امام نسائی ان احایث کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کر رہے ہیں، اس میں تیمّم کے مختلف طریقے بیان ہوئے ہیں، اس باب میں ہاتھوں کو مٹی پر مارنے کے بعد پھونک مارنے کا ذکر ہے، ان احادیث کی اسناد اور متون میں قدرے اختلاف ہے، اسی لیے ان کو مختلف ابواب میں علیحدہ علیحدہ اسناد سے ذکر کیا ہے۔

۳۱۵۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ، وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ :كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ رُبَّمَا نَمْكُثُ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ وَلَا نَجِدُ الْمَاءَ، فَقَالَ عُمَرُ :أَمَّا أَنَا فَإِذَا لَمْ أَجِدِ الْمَاءَ لَمْ أَكُنْ لِأُصَلِّيَ حَتَّى أَجِدَ الْمَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ :أَتَذْكُرُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ حَيْثُ كُنْتَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا وَنَحْنُ نَرْعَى الْإِبِلَ، فَتَعْلَمُ أَنَّا أَجْنَبْنَا .قَالَ :نَعَمْ .أَمَّا أَنَا فَتَمَرَّغْتُ فِي التُّرَابِ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ :إِنْ كَانَ الصَّعِيدُ لَكَافِيكَ، وَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَبَعْضَ ذِرَاعَيْهِ .فَقَالَ :اتَّقِ اللَّهَ يَا عَمَّارُ .فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ شِئْتَ لَمْ أَذْكُرْهُ .قَالَ: لَا .وَلَكِنْ نُوَلِّيكَ مِنْ ذَلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ

حضرت عبدالرحمان بن ابزیٰ بیان کرتے ہیں:

ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے آ کر پوچھا اے امیر المومنین! بسا اوقات ہمیں ایک ایک اور دو دو مہینے تک پانی میسر نہیں آتا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو جب پانی نہ ملے، نماز نہیں پڑھتا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ فلاں جگہ پر آپ اور ہم اونٹ چرا رہے تھے، اور ہم جنبی ہو گئے تھے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں؛ اس وقت میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: تجھے اتنی مٹی کافی تھی یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلیاں زمین پر ماریں، پھر ان پر پھونک ماری، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے کا مسح کیا، اور پھر بازوؤں کے کچھ حصہ کا مسح فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمار رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے گزارش کی: اے امیر المومنین اگر آپ چاہیں تو میں یہ کسی کو بیان نہیں کروں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، ہم تمھیں تمھارے موقف پر قائم رکھتے ہیں،

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلیاں زمین پر ماریں، پھران پر پھونک ماری

۲۔اطراف:

راجع:۳۱۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت میں نوراوی ہیں، جن میں سے سات کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو کا تعارف لکھا جاتا ہے:

۱۔محمد بن بشار: راجع:۲۷ **۲۔عبدالرحمٰن:** راجع:۱۱۹

۳۔سفیان راجع:۱۱۱ **۴۔سلمۃ:** راجع:۳۱۱

۵۔ابو مالک:

آپ کا نام ابو مالک غزوان غفاری کوفی ہے، آپ کنیت سے مشہور ہیں آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آپ سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔آپ سے امام بخاری (تعلیقاً)، امام داؤد، نسائی اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ:

آپ کا نام عبداللہ عبدالرحمان بن ابزیٰ خزاعی کوفی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ مقبول راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔آپ سے امام بخاری (تعلیقاً) سورۃ آل عمران کی تفسیر میں، امام ابوداؤد امام نسائی روایت کرتے ہیں(۲)

۷۔عبدالرحمٰن بن ابزیٰ: راجع:۳۱۱ **۸۔عمار بن یاسر:** ایضاً

۹۔عمر فاروق: ایضاً

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ گیارہویں (۱۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۱۔ i۔تہذیب التھذیب، ج۴، ص:۲۴۵ ii۔تقریب التھذیب، ج۲، ص:۱۱۱

۲۔ i۔الثقات، ج۷، ص:۹ ii۔تقریب التھذیب، ج۱ ص:۴۰۴

☆ سند کے پہلے دوراوی بصری اور باقی سارے کوفی ہیں
☆ یہ بیٹے (عبداللہ) کی اپنے باپ (عبدالرحمان) سے روایت ہے۔
☆ سند میں تین صحابی راوی ہیں اور ان میں سے بھی ایک خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ آیا ہے۔

مصنف ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ کا تسامح:

مصنف ذخیرۃ العقبیٰ نے اس حدیث مبارکہ کو سباعیات میں شمار کیا ہے، جو کہ ان کا سہو ہے، بلکہ یہ حدیث مبارکہ ثمانیات میں سے ہے۔

۶۔لغات:

اتاہ رجل :	ایک آدمی آیا	**نمکث :**	ہم گزاردیتے ہیں
الشہروالشہرین:	ایک مہینہ یا دو مہینہ	**لانجدالمآء :**	ہم پانی نہیں پاتے
لم اجد المآء:	میں پانی نہیں پاتا	**لم اکن اصلی:**	میں نماز نہیں پڑھتا
اتذکر:	کیا آپ کو یاد ہے	**بمکان کذاو کذا:**	فلاں جگہ
نرعیٰ :	ہم چرارہے تھے۔	**الابل :**	اونٹ
تعلم :	آپ جانتے ہیں	**اناا جنبنا:**	ہم جنبی ہو گئے
تحرغت:	میں لوٹ پوٹ ہو گیا	**التراب:**	مٹی
الصعید :	مٹی	**ضحك :**	آپ ﷺ مسکرائے
ضرب بکفیه :	آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیاں ماری		
الارض:	زمین	**نفخ:**	آپ ﷺ نے پھونک ماری
مسح:	آپ ﷺ نے مسح کیا	**بعض ذراعیه:**	اپنے بازوؤں کے کچھ حصہ پر
اتق الله:	تو اللہ تعالیٰ کا خوف کر	**ان شئت:**	اگر آپ رضی اللہ عنہما چاہیں
لم اکرہ:	میں اسے بیان نہیں کرتا		

باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ التَّيَمُّمِ

۳۱۶۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَزِيدَ قَالَ :حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنِ التَّيَمُّمِ فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ .فَقَالَ عَمَّارٌ :أَتَذْكُرُ حَيْثُ كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنَّمَا يَكْفِيكَ هَكَذَا وَضَرَبَ -شُعْبَةُ -بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَنَفَخَ فِي يَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً

باب ۲۰۰: تیمّم کی ایک اور قسم

حضرت عبدالرحمان بن ابزیٰ سے روایت ہے: رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تیمّم کے بارے میں پوچھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شش و پنج میں مبتلا ہوگئے، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بولے: کیا آپ کو یاد ہے، جب ہم ایک لشکر میں تھے اور میں جنبی ہوگیا تھا۔ اس وقت میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا تھا، میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے لیے اس طرح کافی تھا۔ حضرت شعبہ نے اپنے ہاتھ گھٹنوں پر مارے، پھر ان پر پھونکا، پھر ان دونوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ میں چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے

حضرت شعبہ نے تفہیم کے لیے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر مارا، پھر پھونک مار کر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

۲۔اطراف:

راجع:۳۱۱

۳۔تعارف رجال۔

اس حدیث میں نو راوی ہیں ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

ا۔عمرو بن یزید:	راجع:۱۳۰	۲۔بھز:	راجع:۲۸
۳۔شعبة :	راجع:۱۱۰	۴۔الحکم:	راجع:۱۰۴
۵۔ذر:	راجع:۳۱۱	۶۔ابن عبدالرحمٰن:	ایضاً
۷۔عبدالرحمٰن:	ایضاً	۸۔عمار:	ایضا
۹۔عمر:	ایضاً		

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی میں سے ہیں۔

☆ ثمانیات کے لحاظ سے یہ بارہویں (۱۲) حدیث مبارکہ ہیں۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ ثمانیات میں سے ہیں۔

☆ اس باب میں یہ پانچویں حدیث مبارکہ ثمانیات میں سے ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عمر بن یزید کو بعض نے صدوق قرار دیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی جرجی، دوسرے اور تیسرے بصری اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اخبرنا ایک دفعہ حدثنا اور عنعنہ تین تین دفعہ وراد ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

سال : اس نے سوال کیا، اس نے پوچھا۔

لم یدر مایقول: آپ کو کہنے کے لیے کچھ یاد نہ تھا۔ آپ شش وپنج میں تھے۔

اتذکر: کیا آپ کو یاد ہے؟

سریة: ایک لشکر اور گروہ ایک جتھا۔

علی رکبتیه: اپنے دونوں گھٹنوں پر۔

مرة واحدة: ایک دفعہ۔

باب م نَوْعٌ آخَرُ مِنَ التَّيَمُّمِ

۳۱۷۔أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ، أنبانا خَالِدٌ، أنبانا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، سَمِعْتُ ذَرًّا يُحَدِّثُ، عَنِ ابْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ - :وَقَدْ سَمِعَهُ الْحَكَمُ مِنَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ - قَالَ :أَجْنَبَ رَجُلٌ فَأَتَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ :إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدْ مَاءً .قَالَ :لَا تُصَلِّ .قَالَ لَهُ عَمَّارٌ :أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا :فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَإِنِّي تَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ :إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً وَنَفَخَ فِيهَا، ثُمَّ دَلَكَ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقَالَ عُمَرُ شَيْئًا لَا أَدْرِي مَا هُوَ .فَقَالَ :إِنْ شِئْتَ لَا حَدَّثْتُهُ .وَذَكَرَ شَيْئًا فِي هَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ أَبِي مَالِكٍ، وَزَادَ سَلَمَةُ قَالَ :بَلْ نُوَلِّيكَ مِنْ ذَلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ

باب ۲۰۰م: تیمّم کی ایک اور روایت

۳۱۷۔حضرت عبدالرحمان بن ابزیٰ کا بیان ہے:

ایک شخص جنبی ہوا، اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا: میں جنبی ہوگیا ہوں اور میرے پاس پانی نہیں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:: تو نماز نہ پڑھ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا :کیا آپ کو یاد نہیں، جب ہم ایک لشکر میں تھے اور جنبی ہوگئے تھے۔ پس آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے کے بعد نماز پڑھی تھی، پھر میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں بتلایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے لیے یہ کافی تھا۔ (حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی زمین پر ماری، پھر اس میں پھونک ماری، پھر دونوں ہتھیلیوں کو ملا، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے کا مسح کیا) پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام کیا، جو مجھے یاد نہیں، اس پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں اس حدیث کو بیان نہیں کرتا۔

امام نسائی کا تبصرہ:

حضرت سلمہ نے حضرت ابو مالک سے روایت کرتے ہوئے۔ اس میں کچھ اضافہ کیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمھیں تمھاری رائے پر رہنے دیتے ہیں۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۳۱۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت میں نو راوی ہیں۔ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔اسماعیل بن مسعود:	راجع:۴۷	۲۔خالد:	راجع:۱۴۵
۳۔شعبۃ:	راجع:۱۱۰	۴۔الحکم رحمۃ اللہ علیہ	راجع:۱۰۴
۵۔ذر:	راجع:۳۱۱	۶۔ابن عبدالرحمٰن:	ایضاً
۷۔عبدالرحمٰن:	ایضاً	۸۔عمار:	ایضا
۹۔عمر:	ایضاً		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ سنداً صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ ثمانیات اور سباعیات میں سے ہے، کیونکہ امام نسائی نے وقد سمعه الحكم من ابن عبدالرحمن: کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت سباعی کے لحاظ سے ستاون ویں (۵۷) حدیث مبارکہ ہے،

☆ یہ روایت ثمانیات کے اعتبار سے تیرہویں (۱۳) اور سباعیات کے لحاظ سے ستاون (۵۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ ثمانیات میں سے ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل ساتویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور باقی سارے کوفی ہیں، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اجنب رجل:	ایک آدمی ناپاک ہوا۔	لم اجد:	میں نہیں پایا۔
لاتصل:	تو نماز نہ پڑھ۔	تمعكت:	میں لوٹ پوٹ تھا۔
دلك:	اس نے ملا۔	لم تصل:	آپ نے نماز نہیں پڑھی۔

کان یکفیك: تیرے لیے کافی ہے۔ ان شئت: اگر آپ رضی اللہ عنہ چاہیں۔

لاادری ماھو: میں نہیں جانتا وہ کیا ہوا۔ ذکر: اس نے کچھ ذکر کیا۔

لا حدثته میں: یہ حدیث بیان نہیں کرتا۔ زادسلمة: حضرت سلمہ نے اضافہ کیا۔

باب ـ نَوْعٌ آخَر

۳۱۸ـ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ تَمِيمٍ قَالَ :حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ وَسَلَمَةَ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنْ رَجُلًا جَاءَ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ :إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَقَالَ عُمَرُ :لَا تُصَلِّ .فَقَالَ عَمَّارٌ :أَمَا تَذْكُرُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَنَا وَأَنْتَ فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ مَاءً، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ، ثُمَّ صَلَّيْتُ، فَلَمَّا أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ :إِنَّمَا يَكْفِيكَ وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهِمَا، فَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ -شَكَّ سَلَمَةُ وَقَالَ :لَا أَدْرِي فِيهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ أَوْ إِلَى الْكَفَّيْنِ -قَالَ عُمَرُ :نُوَلِّيكَ مِنْ ذَلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ .قَالَ شُعْبَةُ :كَانَ يَقُولُ الْكَفَّيْنِ وَالْوَجْهَ وَالذِّرَاعَيْنِ، فَقَالَ لَهُ مَنْصُورٌ :مَا تَقُولُ فَإِنَّهُ لَا يَذْكُرُ الذِّرَاعَيْنِ أَحَدٌ غَيْرُكَ فَشَكَّ سَلَمَةُ فَقَالَ :لَا أَدْرِي ذَكَرَ الذِّرَاعَيْنِ أَمْ لَا

باب نمبر ۱۲۰: تیمّم کی ایک مزید صورت

حضرت عبدالرحمان بن ابزیٰ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، اور آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں جنبی ہوگیا ہوں اور میرے پاس پانی نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نماز نہ پڑھ۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں ہے، جب میں اور آپ ایک لشکر میں تھے، اور ہم جنبی ہو گئے، اس وقت ہمارے پاس پانی بھی موجود نہیں تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت نماز نہیں پڑھی تھی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا تھا اور نماز پڑھی تھی۔ پھر جب ہم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا تھا: تمہارے لیے یہی کافی تھا، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، پھر دونوں پر پھونک ماری اور ان کے ساتھ چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ حضرت سلمہ کو شک ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ آپ نے مسح کہنیوں تک کیا تھا، یا کہ کلائیوں تک، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تیری راہ پر رہنے دیتے ہیں۔ پھر حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت سلمہ ہتھیلیوں، چہرہ اور بازوں کا ذکر کرتے تھے۔ پھر حضرت منصور نے ان سے عرض کیا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیونکہ ذراعین کا لفظ آپ کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیا؛ حضرت سلمہ کو اس بارے میں شک ہوا، تو آپ نے فرمایا: مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے "ذراعین" کا ذکر کیا ہے یا کہ نہیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے۔

اس حدیث میں ''زراعین'' کا لفظ آیا ہے۔ جبکہ باقی رواتیوں میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۳۱۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے آٹھ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن محمد کے حالات سپرد قلم کے جاتے ہیں۔

ا۔عبداللہ بن محمد بن تمیم:

آپ کا نام ابوحمید عبداللہ بن محمد بن تمیم بن ابی عمیر مصیصی ہے، آپ بنو ہاشم سے تعلق ولا رکھتے تھے۔ آپ رواۃ حدیث کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں۔ اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، سنن نسائی میں آپ سے سات (۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔حجاج:	راجع:۳۲	۳۔شعبۃ:	راجع:۱۱۰
۴۔الحکم:	راجع:۱۰۴	۵۔سلمۃ:	راجع:۳۱۱
۶۔زر:	ایضا	۷۔ابن عبدالرحمٰن:	ایضاً
۸۔عبدالرحمٰن:	ایضاً	۹۔عمار بن یاسر:	ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ سنداً صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ ثمانیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ چودھویں (۱۴) حدیث مبارکہ ہیں۔

☆ یہ چھٹی حدیث مبارکہ ثمانیات میں سے ہے۔

☆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل آٹھویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے دو راوی مصیصی، حضرت شعبہ رضی اللہ عنہما بصری اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الجراح والتعدیل، ج ۵، ص ۱۹۵ ii۔الثقات، ج ۸، ص ۳۶۷

۶۔لغات:

انی جنبت:	بے شک میں جنبی ہوں۔		
ضرب النبی بیدہ الی الارض:	آقا کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے۔		
شك سلمة :	حضرت سلمہ کو شک ہوا۔	لاادری :	میں نہیں جانتا، مجھے یاد نہیں۔
المرفقین:	دونوں کہنیاں۔	الکفین:	دونوں ہتھیلیاں۔
الذراعین:	دونوں بازو۔	ماتقول:	آپ کیا فرما رہے ہیں؟
احدغیرك:	آپ کے علاوہ کوئی ایک۔		
ذکر الذراعین ام :	آپ نے (زراعین) کا ذکر کیا یا نہیں۔		

بَابُ تَيَمُّمِ الْجُنُبِ

باب۲۰۲: جنبی کا تیمّم کرنا

حالتِ جنابت میں پانی کے استعمال سے معذوری کی بناء پر تیمم کرنا جائز ہے، اس کے جواز پر تمام صحابہ کرام اور علماء کرام کا اتفاق ہے، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمّم کے جائز ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ کا استنباط کیا ہے ابواب میں تیمّم کی مختلف صورتوں کا بیان تھا، اور اس باب میں جنبی کے لیے تیمّم کرنے کے جواز کا بیان ہے۔

۳۱۹۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَوَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ بِالصَّعِيدِ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ هَكَذَا، وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ ضَرْبَةً فَمَسَحَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَضَهُمَا، ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ وَبِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ عَلَى كَفَّيْهِ وَوَجْهِهِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: أَوَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ

حضرت شقیق بیان کرتے ہیں:

میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا، وہ سنا ہے، کہ مجھے حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی کام سے بھیجا، میں جنبی ہو گیا اور میرے پاس پانی نہیں تھا، پس میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: یہ تیرے لیے اس طرح کرنا کافی تھا۔ اور آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ ایک مرتبہ زمین پر مارے۔ اور اپنی ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ پھر انہیں جھاڑا، پھر بائیں ہاتھ کو دائیں اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر ملا اور دونوں ہاتھوں اور چہرے کا مسح کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قول پر اعتماد نہیں کیا

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں، اور چہرہ مبارک کا مسح کیا۔

۲۔اطراف:

بخاری:۳۴۷،مسلم:۳۶۸،جامع المسانید:۵۶۶۴،ابوداؤد:۳۲۱،احمد:۱۹۵۵۹،السنن الکبریٰ ۳۰۸،تحفۃ الاشرف:۱۰۳۶۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے، البتہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات دوبارہ تفصیل سے لکھے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن العلاء:	راجع:۱۱۷	۲۔ابومعاویہ:	راجع:۳۰
۳۔الاعمش:	راجع:۱۸	۴۔شقیق:	راجع:۲
۵۔عبداللہ:	راجع:۳۰۶		

۶۔ابوموسیٰ:

نام نسب وخاندان:

عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا۔

سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز ابن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب۔

حضرت ابوموسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان سے والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔(۱)

اسلام:

ساقی توحید کے صدائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے، لیکن تشنہ کامان حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادہ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے۔ وہ مکہ میں قبیلہ عبدشمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرما وطن ہوئے کہ اپنے اعزاہ واحباب کو بھی یہ مژدہ جانفزا سنائیں۔(۲)

۱۔ اسدالغابہ، ج۳، ص:۲۴۵　　　۲۔ ایضاً

ہجرت:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لیے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کرلی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان وباد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچادیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کرکے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک ہوئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کرکے واپس آرہے تھے۔ چنانچہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت کو خیبر کے مال غنیمت میں حصہ فرمایا۔(۱)

غزوات:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ اور غزوہ حنین میں شریک تھے، بنوہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادی اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصال کامل پر مامور فرمایا: انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جسمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو زخمی کردیا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس مہم میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا "یاعم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟ انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟" غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آکر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا، اور ابوعامر رضی اللہ عنہ کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔ حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ کا زخم نہایت مہلک تھا، انہوں نے حالتِ نزع میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا "جان برادر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو سپرد خاک کرکے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر میدان جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی وصیت بیان کی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا: پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابوعامر رضی اللہ عنہ کو بخش دے اے اللہ! تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما، "حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی۔ فرمایا: خدایا عبداللہ بن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما۔(۲)

ولایت یمن:

تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز اشعری بزرگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرمارہے تھے، اس سوال پر دفعتہً مسواک رک گئی، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: "ابوموسیٰ! انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق پر مبعوث

۱۔ بخاری، ج ۳، ص: ۶۰۸ ۲۔ بخاری ج ۲، ص: ۲۳۳

فرمایا: کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کے خواہش کریں گے" ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عالم مقرر کیا۔ (۱)۔ یمن دو حصوں پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے اور یمن ادنی یا زیرین یمن، اور الذکر پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مامور ہوئے، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی،

"یسر او لا تعسرا بشرا و لا تنفرو اتطاو عا" (یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا اور سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا۔ متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے۔ اس کو "مزر کہتے ہیں۔ نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو "تبع" کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے ۔۳۔ (بخاری کتاب المغازی)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا اس لیے قدرۃ انہوں نے اپنی خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیں، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دوستانہ تعلقات مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آ کر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ " عبداللہ بن قیس! کون؟ بولے " یہ مرتد ہو گیا ہے انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اسی لیے گرفتار ہو کر آیا ہے" آپ گھوڑے سے اتر آیئے بولے " جب تک وہ قتل نہ ہو گا، میں نہ اتروں گا،" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں؟ بولے کہ " رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں" پھر پوچھا کہ آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟ بولے کہ میں رات کو ایک نیند سو کر اٹھ کر بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں ۔

حجۃ الوداع میں شرکت:

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے شرکت کے لیے آئے، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو،؟" عرض کی "ہاں! یا رسول اللہ!" فرمایا نیت کیا تھی،؟ بولے میں نے کہا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت ہے وہی میری نیت ہے، ارشاد ہوا کہ قربانی اپنے ساتھ لائے؟ عرض کی "نہیں" حکم ہوا کہ " تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے ہے کہ حج کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔ (۲)

یمن میں فتنہ فساد:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے لیکن یہاں اسود عنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام

۱۔ بخاری، ج ۲، ص: ۱۰۲۳ ۲۔ بخاری، ج ۲، ص: ۶۲۴

ملک میں شورش و بغاوت پھیلا دی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مرکز حکومت ''مارب'' چلے آنے پر مجبور ہوئے لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا، اور بالآخران دونوں کو حضر موت میں پناہ لینی پڑی ۔(۱) گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دفعتہً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک زبردست مہم بھیج کر ازسرنو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی حضرت موت سے اپنے دارالحکومت ''مارب'' واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتدائے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

فتح نصیبین:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانے پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شوق جہاد میں عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر فوج کشی میں شریک ہوئے، عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی۔(۲)

ولایت بصرہ:

اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے،

امابعد فانی قدبعثت ابا موسی امیر اعلیکم لیأخذ لضعیفکم من قو یکم ولیقا تل بکم عدو کم ولید فع عن ذمتکم و لیحصی لکم فیئکم ثم لیقسمه بینکم ولینقی لکم طرقکم ۔(۳)

''میں نے ابوموسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں تمہارے دشمنوں سے لڑیں، ذمیوں کی حفاظت کریں، تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دیں، پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لیے صاف رکھیں۔

فتح خوزستان:

بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی، اور وہ اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی۔ اور حضرت مغیرہ وہاں رک گئے ۱۷ھ ان کی جگہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے، انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی، اور اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زید رضی اللہ عنہ جو کہ ایک معزز افسر

۱۔ تاریخ طبری، ص ۱۸۵۴　۲۔ طبری، ج ۲، ص ۲۵۰۶　۳۔ ایضاً ص ۲۵۳۲

تھے ، یہاں ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے مناذر کو سر کرلیا، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سو آدمیوں کو پیش کیا اور سب چھوڑ دیئے گئے ، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا، چنانچہ سو آدمیوں کی تعداد پوری ہوگئی، تو انہوں نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوگئی، یزدگرد شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس کے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لیے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی ، وہاں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ سے ایک بڑی فوج لے کر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لے کر جلولاء حملہ آور ہوئے ، غرض حضرت ابو موسیٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہوگیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس نام اشرس تھا، ساتھ لیا اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ لی خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈالی دی، اور یہ کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا: خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانے کی راہ سے شہر میں داخل ہوا اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازہ کھول دیئے اُدھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سو تیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہو

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔(۱) شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہوسکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے ہی استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امام دے چکے۔(۲) اس شہر کی فتح کے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھادیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امارت پر سرفراز ہوئے تھے، دشمنوں سے بالکل محفوظ ہوگیا۔

معرکہ نہاوند:

خوزستان کی شکست سے متاثر ہوکر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کی مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے۔(۳)

تبادلہ:

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰ کی وساطت سے دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقے سے رامہرمز، ابذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کردیئے جائیں، لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کو فتح میں برابر کے شریک تھے، انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو والی کوفہ سے درخواست کی، کہ وہ اس علاقے کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کرلی، اور فرمایا کہ "مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے،" غرض حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کردیئے گئے، اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ناخوش ہوکر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کرادیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس لحاظ سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کردیئے گئے، لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کیے گئے۔(۴)

الزام:

اسی سال منبہ نامی ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خلاف دربار خلافت میں حسب ذیل شکایتیں پیش کیں۔

۱۔ تاریخ طبری، ص ۲۵۵۵ ۲۔ ایضاً، ۲۵۶۸ ۳۔ ایضاً ص ۲۶۰۱ ۴۔ ایضاً ص: ۳۶۷۸

۱۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے تھے۔

۲۔ انہوں نے عدنان حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے، اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے۔

۳۔ انہوں نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔

۴۔ عقیلہ نامی ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دارالخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر وسیاست ہے، اس لیے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا، اس لیے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حطیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا، کہ وہ ہجو نہ کہے۔ لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔(۱)

فتح اصفہان:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کر دیا۔(۲) اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے۔

تعمیر نہر ابی موسیٰ:

بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جواب: نہر ابی موسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کے اکثر عمال وحکام ایک ہی سال بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہد امارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔(۳)

معزولی:

۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے لیکن

۱۔ تاریخ طبری، ص: ۲۷۱۱ ۲۔ ایضاً، ص: ۲۷۱۳ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص: ۳۶۳

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے چند مخالفین نے کہا کہ ''ہمیں جلدی نہ کرنا چاہیے دیکھیں، ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے'' غرض صبح کے وقت دار الامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر اعتراض کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں، لیکن درحقیقت خلیفہ سوئم کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دار الخلافہ کو راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا دیا۔

امارت کوفہ:

۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لیے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سنانے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اس لیے اسلحہ بیکار کر دو اور عزلت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اسی اثنا میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا'' آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جایئے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو بار بار جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھر بے چراغ ہو گئے، اور میدان صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔

حکم مقرر ہونا:

معرکہ صفین میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے

عجیب وغریب طریقہ مصالحت کی دعوت دی، گوجناب امیر رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا در کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محمول ہوا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، دومتہ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو وہ دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری، غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لیے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، حضرت ابوموسیٰ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، اان کی رائے تھی کہ عنان کسی غیر جانبداری کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ : عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو، جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہے کیونکہ انہوں نے خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا۔

عمر بن العاص رضی اللہ عنہ : معاویہ میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے قصاص کے دعویدار ہیں، ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن ہیں، اور خود ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ : معاویہ رضی اللہ عنہ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاق خلافت کے لیے کافی نہیں، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہے؟ رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد لوٹ آئے اور فاضل عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ : میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل ومنقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ : بے شک وہ صاحب فضل ومنقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کا لباس تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے،

عمر بن العاص رضی اللہ عنہ : ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے، جس کے دو ڈاڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ : عمرو! تمہارا برا ہو شدید کشت وخون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، ہم ان کو پھر فتنہ میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ : پھر مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا،

خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انہیں دنیا کی فریب کاریوں کی کیا خبر تھی، بولے" ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں،" غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو" بولے میں آپ پر سبقت نہیں کرسکتا آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر ان کا یہ افسوں چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا، "صاحبو! ہم نے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر کہا: "صاحبو علی رضی اللہ عنہ کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح سے معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب زیادہ مستحق ہیں۔

وفات:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فریب کھانے جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوگئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ، لیکن مرجح مکہ کی روایت ہے، بہر حال باختلاف روایت ۴۲ھ، ۴۴، ۵۲، ۵۳ھ بیمار پڑے اور بروایت صحیح ذی الحجہ ۴۲ھ میں وفات پائی۔(۱) آخری وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برات کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برات ظاہر کی ہے(۲) اس کے بعد کفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ وبین کرنے والی، جیب وگریبان چاک کرنے والی اور سر نو چنے والی عورتوں سے بری ہوں۔(۳): وصیت سے فراغت ہوئی تو طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

حلیہ:

پستہ قد اور لاغر اندام تھے۔

اولاد:

وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ۔(۴)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص: ۱۲۱ ۲۔ مسلم: ۲۸۵ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴ ص: ۳۹۷ ۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۵ ص: ۳۶۲

ذریعہ معاش:

ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

فضل وکمال:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان مخصوص صحابہ میں تھے، جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا، اس لیے وہ نبوت کے چشمہ فیض سے پوری طرح سیراب تھے وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔ (۱) حضرت اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا، حضرت علی فرماتے تھے کہ ''ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سرتا پا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ (۲) اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی، ایک مجلس میں تیمّم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمّم نہ کرے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ ''فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا'' (پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو) حضرت عبداللہ نے کہا ''اگر لوگوں کو تیمّم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمّم ہی پر اکتفاء کرنے لگے'' اس پر شقیق (راوی) بولے ''کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمّم کو برا سمجھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تھا نہیں سنا کہ ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی، اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمّم کیا، اور واپس آکر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمّم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا! (بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ)۔

ایک دفعہ دونوں میں حدیث کا تذکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل وغارت کی گرم بازاری ہوگی۔ (۳)

اشاعت علم:

علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص: ۲۱　　۲۔ ایضاً ص، ۲۰　　۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۳۹۲

سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ ''جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے۔ (۱) ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا، ''لوگو شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے'' (۱) جہاں کہیں چند آدمی ان کو اکٹھے مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنوثعلبہ کے چند آدمی کہیں جارہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی۔ (۲) اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں، جو ہم لوگوں کو آنحضرت محمد ﷺ نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنایئے، بولے آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے قرب میں ''ہرج'' زیادہ ہوگا لوگوں نے پوچھا ''ہرج'' کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کیا، اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے۔ بلکہ باہمی خونریزی ہے حتیٰ کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا، لوگوں نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو زمانہ میں باقی نہ رہے گا حتیٰ کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا۔

یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت محمد ﷺ کی اس پیشین گوئی سے نکل نہ سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔ (۳)

حضرت ابوموسیٰ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبداللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں سے نہ تھا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نماز ختم کر چکے تو، پوچھا یہ کس نے کہا تھا، ؟ لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی؟ لوگ پھر چپ رہے، بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی ابوموسیٰ نے کسی قسم کی ترش روئی بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا۔ (۴)

قرآن پاک:

قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا آپ قرآن پاک کی کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔ قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۴۰۳　۲۔ ایضاً، ص: ۴۱۷　۳۔ ایضاً ۴، ص: ۴۰۶　۴۔ مسلم: ۹۰۴

کہ آنحضرت محمد ﷺ فرماتے تھے کہ: ''ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے(۱) آنحضرت محمد ﷺ کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرات کرتے ہوتے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا، وہیں کھڑے ہو گئے اور سن کر آگے بڑھے، صبح کو جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمہاری قرات سنی تھی، عرض کیا اے خدا کے رسول! مجھ کو حضور کی زندگی کا علم ہوتا تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔(۲) ایک مرتبہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آواز سن کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے حجروں میں پردوں کے پاس آ کر کھڑے ہو کر سننے لگیں، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس کا معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی مشتاق بنا دیتا۔(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوئی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔(۴) کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمائش کرتے تھے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خدا کی یاد دلاؤ یہ قرآن آپ پڑھ کر سناتے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، انہوں نے پوچھا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہے، کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، فرمایا: کہ بلند مرتبہ آدمی ہیں، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا۔(۵) ان کی غیر معمولی قرات دانی کی وجہ سے آنحضرت محمد ﷺ نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلموں کی تعلیم قرآن کے لیے یمن بھیجا تھا۔(۶)

حدیث:

قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مستقل حلقہ درس تھا، جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے ان کے نام آئندہ آئیں گے ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں۔۶ (تہذیب الکمال)۔ ان میں سے اکثر روایات صاحب حدیث کی زبان مبارک سے سنی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن حضرت کعب، حضرت عمار بن یاسر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں۔ تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے:

ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، طارق بن شہاب، ابوعبدالرحمٰن، زر بن حبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابوالاسود دئلی، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی کازم، ابوالربیع صائغ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق بن اوس حنظلی، ہزیل بن شرحبیل، مرہبن شرحبیل، اسود بن یزید، عبدالرحمٰن بن یزید، حطان بن عبداللہ رقاشی، ربعی بن حراش، زہدم بن مضرب، ابووائل شقیق، ابن سلمہ صفوان بن محرز وغیرہم۔

اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا، لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے آ کر یہ جواب حضرت عبداللہ بن

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص: ۴۶۶ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۸۰ ۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً ۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۳۹۷ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص: ۳۶۳

مسعود رضی اللہ عنہ کوسنایا اوران کے بھی فتوی دریافت کیا، انہوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا، جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے لڑکی کو آدھا ملے گا، پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ ملے گا، باقی بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جا کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کوسنایا انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے۔ اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے (۱)

اخلاق وعادات:

خشیت الٰہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

''لوگو! خوب رووا گر نہ روسکتے ہو تو کم ازکم رونے کی صورت بناؤ، کیونکہ دوزخی (جنہوں نے دنیا ہنس کر گزاری) اس قدر روئیں گے آنسو خشک ہوجائیں گے پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں۔ (۲)

اتباع سنت:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل وحرکت، قول فعل بلکہ ہر ہر ادا ذات نبوی کا نمونہ بن جائے ایک موقعہ پر انہوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

''ابومجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ آرہے تھے راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑا ہو کر سورہ نساء کی ۱۰۰ آتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہاں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی میں بھی کروں۔ (۳) رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لیے رکھتے تھے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم برابر رکھا کرتے تھے، کی یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔ سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے، اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ لڑکیوں تک کو حکم دیتے تھے، کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔ (۴) احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ ہر آن وہر لحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کا یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہو اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام میں مشغول تھے، اس لیے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم کیوں واپس ہوگئے تھے،؟ کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی تو میں لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد اجازت نہ ملے تو

۱۔ بخاری: ۶۷۳۶ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص: ۸۱ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۴۱۹ ۴۔ بخاری: ۵۵۵۹

لوٹ جانا چاہیے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شاہد لاؤ تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے" یہ گھبرائے ہوئے انصاری صحابہ کی مجلس میں آئے، حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کو یہ حکم معلوم تھا، انہوں نے جا کر شہادت دی (۱) یہ پاس ولحاظ زندگی کے آخری لمحہ تک رہا۔مرض الموت میں اپنے گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت میں غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے برات ظاہر کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب وگریبان پھاڑنے والی نوحہ وبکا کرنے والی سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برات کی ہے۔۴(مسلم کتاب،الایمان باب تحریم ضرب الخدو دوشق الجیوب)۔موت سے پہلے کفن ودفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان چاک نہ کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں بری ہوں۔(۲)

تقویٰ:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارہ نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی لپٹ سے مجھ کو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آئندہ ہے۔(۳)۔طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔(۴)

توکل:

خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہاں سے ہٹ کر واپس چلے چلئے کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا، واپس نہ جاؤں گا۔(۵)

خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی حفاظت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے راستے میں رات گذارنے کے لیے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے راستہ میں ایک صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہوئے دکھائی دیے ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لیے جب آپ کو ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا کیجئے وہ ساتھ ہو جایا کرے۔(۶)

۱۔ بخاری:۶۲۴۵ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص:۳۹۷ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص:۸۴

۴۔ مسلم:۶۲۵ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۸۲ ۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص:۴۱۵

شرم وحیا:

الحیاء شعبۃ من الایمان: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا بہتر ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔(۱)

سادگی:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر ہوئیں۔ برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ وفات و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ابوذر رضی اللہ عنہ فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے، لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہہ کر ہٹاتے تھے۔ اب تم بھائی نہیں اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے انہوں نے کہا بھی ہٹے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دے دو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، کیا عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟ زراعت تو نہیں کی؟ جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی پھر ان سے دل کھول کر ملے۔(۲) اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمارے پاس صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گئے تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اس لیے اس غزوہ کو ذات الرقاع ''چیتھڑے والا'' کہتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو تو بیان کر گئے مگر بعد میں اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا۔(۲)

امت مسلمہ کی خیر خواہی:

امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میری بیعت کر لی، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا، اور تمہاری ضروریات کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست قلم سے اس کا جواب دو گے، اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۴، ص:۸۲ ۱۔ طبقات ابن سعد، ج۴، ص۱۶۹ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج۴، ص:۴۰۳

”تم نے امت محمدی ﷺ کے بہت اہم نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے، اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے۔(۱)

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار ہیں، اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے جا کر کہا کہ: ”جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا۔(۲) ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فتنہ وفساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھتے تھے، کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔(۳)

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلنا پڑا، اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔ امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتوی مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد بھی اس پر عمل رہا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہ فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ فتویٰ دیتے ہیں اتنی عجلت نہ کیجئے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس میں ترمیم کر دی ہے۔ اگرچہ حضرت ابوموسی اس فتوی میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگو جس جس کو میں نے فتوی دیا ہو اس کو بھی ٹھہر جانا چاہیے، امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتداء کرنا چاہیے۔(۴)

مخصوص فضائل:

ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لیے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا بشر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا بشارت ہو چکی ہے کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا، تم دونوں قبول کرو عرض کیا ہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی مانگ کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۸۳ ۲۔ بخاری: ۷۱۰۲ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۴۰۳

۴۔ مسلم: ۲۹۵۷

کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی، تھوڑا میرے لیے بھی چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے ان کو بھی ملے، بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق ومحبت کی زبان سے سننا چاہیے۔

غزوہ حنین میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا؟ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی متابعت کا حکم ملا، اوطاس میں مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہوئے، حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا۔ پھر لوٹ کر ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہو گیا، زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا میری طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر رضی اللہ عنہ واصل بحق ہو گئے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی دعا فرمائیں آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما۔ (۱)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو تینتیس ویں (۱۳۳) حدیث مبارکہ ہیں

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سندِ روایت میں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، عمار بن یاسر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم) کا ذکر ہے۔

☆ حضرت ابووائل مخضرم تابعی راوی ہیں

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور عنعنہ ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ وارد ہوا ہے۔

٦۔لغات:

اولم تسمع: کیا آپ نے سنا؟ **بعثني:** - آپ نے مجھے بھیجا۔

حاجة: ضروری کام۔

۱۔ بخاری: ۴۳۲۳، سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۲۲۷۔۲۲۸

اتقول هكذا: تمہارا اس طرح کرنا، تقول تفصّل کے معنیٰ میں ہے۔

نفضهما: دونوں ہاتھوں کو جھاڑا۔ **شمال:** بایاں ہاتھ۔

يمين: دایاں ہاتھ۔ **لم يقنع:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتماد نہ کیا۔

مسائل ونصائح:

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے فقہاء کرام نے تیمّم کی کیفیت وطریقہ، شرائط وارکان، سنن ومکروہات، وقت وحیثیت اور دیگر مسائل کا استنباط اور استخراج کیا ہے، اس لیے ان تمام ابحاث کو تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

مذہب اربعہ کے نزدیک تیمّم کا طریقہ:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

تیمم کو مندرجہ ذیل چیزیں توڑ دیتی ہیں:

۱۔ ہر وہ چیز جو وضو اور غسل کو توڑ دیتی ہے وہ تیمّم کو بھی توڑ دیتی ہے کیونکہ تیمم ان کا ہی بدل ہے اور اصل کو توڑنے والی چیز بدل کے لیے بھی ناقص ہوگی۔ لہذا اگر کسی نے جنابت کے لیے تیمم کیا پھر وہ بے وضو ہو گیا تو وہ صرف بے وضو شمار ہوگا جنبی نہیں شمار ہوگا، لہذا وہ تیمّم کرے اور موزے پہنا ہوا تو ان کو اتار دے اس کے بعد ان پر مسح کرلے جب تک پانی نہیں پاتا۔

۲۔ اس عذر کا دور ہو جانا جو تیمم کو مباح کر دیتا ہو، جیسے دشمن کا چلے جانا، مرض، ٹھنڈ کا ختم ہو جانا، پانی نکالنے کے آلات کا مل جانا اور اس کے قید خانے سے آزادی مل جانا جس میں پانی نہ ہو کیونکہ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی وہ عذر کے ختم ہو جانے پر کالعدم بھی ہو جائے گی۔

۳۔ پانی کا دیکھ لینا یا کافی پانی کے استعمال پر قدرت ہونا جبکہ وہ پانی اعضاء وضو کو ایک مرتبہ دھونے کے لیے ہی ہو احناف اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ ناکافی پانی ہی پالے یہ نماز سے پہلے ہونے کی صورت میں ہے نماز کے اندر ہونے کی صورت میں ایک جماعت کے ہاں نہیں جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی اس شخص کی حاجت سے زائد ہو مثلاً پینے آٹا گوندھنے نجاست وغیرہ دھونے کی ضروریات کے لیے کافی پانی ہو۔ کیونکہ ایسا پانی حاجت میں ہونے کے سبب طہارت وغیرہ کے کام نہیں آسکتا ہے۔ اور احناف ومالکیہ کی رائے ناکافی پانی کا نہ ہونے کے برابر ہے احناف فرماتے ہیں سونے یا اونگھنے والے شخص کا پانی پر سے گزرنا جو کہ اس کے لیے کافی ہو اس کو جاگنے والے کی طرح کر دیتا ہے یعنی اس کا تیمم باطل ہو جائے گا۔ اور اگر اس شخص کو دوران نماز پانی نظر آ گیا تو احناف اور حنابلہ کے ہاں اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ سبب زائل ہو جانے کے سبب اس کی طہارت کالعدم ہوگئی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کی حالت وضو میں ادا کیا جاتا، اور وہ شخص مقصود، یعنی نماز کی ادائیگی اصل کے ذریعے ادا کرنے پر قادر ہے، بجائے بدل کے ذریعے ادا کرنے کے لہذا تیمم کالعدم ہو جائے گا اور نص سے ثابت دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو پہلے نماز لوٹانے کی بحث گزر چکے ہیں۔ مالکیہ کے ہاں اس شخص کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا اور شوافع کے ہاں مسافر ہونے کی صورت میں تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ شرعاً یہ شخص تیمم کے

ذریعے نماز ادا کرنے کا مجاز تھا اور اصول کا تقاضا ہے کہ یہ اجازت اس شخص کے لیے برقرار ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہے۔ ولا تبطلوا اعمالکم (اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔(۱)

اور پانی نظر آنے سے قبل اس شخص کا عمل صحیح اور درست تھا، لہذا وہ برقرار بھی اسی حالت پر رہے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت کی اس قیاس پر کریں گے کہ اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی نظر آئے تو نماز کالعدم شمار نہیں ہوتی ہے کیونکہ پانی کا دیکھ لینا باعث حدث نہیں ہے۔ لہذا نماز کی حرمت و تقدس کے پیش نظر نماز کالعدم شمار نہیں ہوگی۔ شوافع کے ہاں مقیم شخص اگر دوران نماز پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ میں یہ بات پہلے بیان کر چکا ہوں کہ پانی مل جانے کی صورت میں نماز کا اعادہ اس شخص کے لیے لازم ہوگا اور چونکہ یہ شخص پانی پا چکا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ وہ نماز کے اعادہ کے عمل مالکیہ اس حکم سے پانی بھول جانے کی صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود پانی کو بھول گیا اور اس نے تیمّم کر لیا اور نماز کی نیت باندھ لی پھر اس کو پانی یاد آیا تو اگر وقت میں دوبارہ نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہو تو اس کی نماز کالعدم ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص نماز کی تکمیل کے بعد پانی دیکھے تو اگر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دیکھے تو بالاجماع اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ دوبارہ نماز پڑھنے کے عمل میں حرج ہے اور اگر وقت باقی ہو تو جمہور علماء ماسوا شوافع کے ہاں نماز نہیں لوٹائیگا شوافع کے ہاں مقیم شخص پر نماز کا لوٹانا لازم ہوگا مسافر پر نہیں بشرطیکہ مسافر اپنے سفر میں مرتکب معصیت نہ ہو (یعنی اس کا سفر سفر معصیت نہ ہو)

۴۔ وقت کا نکلنا، حنابلہ کے ہاں نماز کا وقت نکل جانے سے تیمّم باطل ہو جاتا ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا تو اس کا تیمّم اور نماز دونوں باطل ہو جائیں گے کیونکہ نماز کا وقت ختم ہونے سے اس شخص کی طہارت بھی ختم ہو جائے گی اور نماز بھی باطل ہو جائے گی جیسے کہ مسح کی مدت دوران نماز ختم ہونے سے بھی یہی ہوتا ہے۔ مرتد ہونا، شوافع کے ہاں مرتد ہونا تیمّم کے باطل کرنے کا سبب ہے بخلاف وضو کے کیونکہ وضو قوی ہوتا ہے اور اس کا بدل یعنی تیمّم ضعیف ہوتا ہے، تاہم مرتد ہونا وضو کی نیت کو باطل کر دیتا ہے لہذا اس کی تجدید ضروری ہے اور دوسری بات یہ کہ تیمّم نماز مباح کرنے کے لیے ہوتا ہے، اور مرتد ہونے کی صورت میں نماز مباح کرنے کا ارادہ کالعدم ہے، اور مرتد ہونا خواہ صورتاً ہی ہو تیمّم کے باطل ہونے کا سبب ہے جیسے بچے سے سرزد ہونے والا عمل ارتداد۔

احناف وغیرہ کے ہاں مرتد ہونے سے تیمّم باطل نہیں ہوتا، لہذا دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں وہ اس سے نماز ادا کر سکتا ہے، کیونکہ تیمّم سے حاصل شدہ چیز صفت طہارت ہے اور کفر اس کے منافی نہیں جیسے وضو کے منافی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مرتد ہونا عمل کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے حدث کے زوال کو کالعدم نہیں کرتا ہے۔

۶۔ تیمّم اور نماز میں طویل فاصلہ، مالکیہ کے ہاں تیمّم اور نماز کے درمیان طویل وقفہ آ جانے سے تیمّم باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ حضرات تیمّم اور نماز کے درمیان موالات کو شرط قرار دیتے ہیں۔(۲)

۱۔ محمد ۴۷: ۳۳ ۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۳۹۵۔۳۹۶

فقہاء احناف کے ہاں تیمم کا طریقہ و دلائل:

علامہ ابوبکر علاء الدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

امام ابو یوسف اپنی کتاب الامالی میں فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تیمم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تیمم دو ضربات کا نام ہے، ایک چہرے کے لیے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے اس پر میں نے کہا کیسے؟ تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے۔ وہ انہیں تھوڑا سا آگے لے گئے اور پھر تھوڑا سا پیچھے لائے پھر انہیں جھاڑا اور ان کے ساتھ چہرے کا مسح کیا، بعد ازاں انہوں نے مٹی پر اپنے سابقہ عمل کو پھر دہرایا اور وہ اپنے ہاتھوں کو تھوڑا سا آگے لے گئے اور پھر پیچھے لائے پھر ان کو جھاڑا اور پھر ان کے ساتھ اپنی کہنیوں کے ظاہری اور باطنی دونوں حصوں پر مسح کیا۔ ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے ساتھ دائیں ہاتھ کے بیرونی حصے پر انگلیوں سے لے کر کہنیوں سمیت مسح کرے پھر اسی ہاتھ کو ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کے اندرونی حصہ پر کہنی سے گٹ تک مسح کرے، پھر اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے بیرونی حصے پر پھیر لے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کا اسی طرح مسح کرتے بعض علماء فرماتے ہیں کہ دوسری بار اپنے ہاتھ زمین پر مار کر اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بشمول انگلیوں کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کے بیرونی حصے پر کہنیوں تک مسح کرے، پھر وہ اسی حصے سے ہاتھ کی اندرونی طرف انگوٹھے کی جڑ تک مسح کرے، پھر وہ اپنے بائیں پر بھی اس طرح مسح کرے۔ اور تکلیف نہ کرے پہلا طریقہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ اس میں امکانی حد تک مستعمل شدہ مٹی کے استعمال سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مٹی جو ہاتھ پر لگی ہوئی ہے وہ استعمال کرنے سے مستعمل ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایک بار ہاتھ مارنے چہرے اور ہاتھوں دونوں پر مسح درست نہیں ہوتا۔ پھر ظاہر روایت میں ہے کہ انہیں ایک بار جھاڑا جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ جھاڑا چاہیے کہا جاتا ہے۔ کہ ان بیانات سے کوئی اختلاف لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ جھاڑنے کا اصل مقصد مٹی کے ساتھ آلودہ ہونے سے بچنا ہے۔ جو مثلہ کے مشابہ ہے [1] (مثلہ سے مراد انسان کی ایسی حالت ہے کہ جس میں انسانی اعضا کی تمیز ختم ہو جائے، یہاں اس سے مراد یہ ہے اگر جسم پر مٹی وافر مقدار میں استعمال کی جائے، تو اس سے چہرے کے مٹی سے آلودہ ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے جو شریعت کے اس حکم کی روح کے منافی ہے۔) اس لیے کہ شریعت کا یہ حکم دونوں اعضاء کو آلودہ کرنے کے لیے نہیں۔ لہٰذا اسی بنا پر ہاتھوں کو جھاڑا جاتا ہے، یہ مقصد ایک بار جھاڑنے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ مگر کبھی کبھار دو مرتبہ بھی جھاڑنا پڑتا ہے۔ اور یہ اس بات پر منحصر ہے کہ مٹی سے ہاتھ کس قدر آلودہ ہوئے ہیں۔ تو اگر ایک ہی مرتبہ جھاڑنے سے مقصد پورا ہو جائے تو فبہا ورنہ دوسری مرتبہ بھی جھاڑ لینا چاہیے۔ تیمم میں دونوں اعضاء کے استیعاب (گھیرنے) کا مسئلہ بھی محل نظر ہے کہ آیا یہ مذکورہ رکن کا حصہ ہے یا نہیں۔ الاصل میں اس مسئلے کا ذکر صراحت کے ساتھ تو نہیں ملتا۔ لیکن ایسے الفاظ ضرور ملتے ہیں کہ جن سے اس مضمون کا اشارہ ملتا ہے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے اپنی ہتھیلی کی بیرونی جانب سے کچھ حصہ چھوڑ دیا تو اس کا مسح درست نہ ہوگا۔ الکرخی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ مواقع تیمم میں سے اگر کوئی تھوڑا یا زیادہ حصہ چھوٹ جائے تو تیمم جائز نہ ہوگا۔ اور الحسن المجرد میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اگر اکثر حصے پر اس نے تیمم کر لیا تو

تیمم جائز ہوگا۔ کیونکہ بقول ان کے یہ مسح ہے، لہٰذا اس میں استیعاب ضروری نہ ہوگا۔ جیسے سر کے مسح کا بھی یہی حکم ہے۔ الاصل میں مذکورہ روایت کی دلیل یہ ہے کہ تیمم میں مسح کا حکم چہرے اور ہاتھوں دونوں کے لیے ہے اور یہ دونوں الفاظ دونوں اعضاء کے کل پر دلالت کرتے ہیں علاوہ ازیں تیمم وضو کا نعم البدل ہے اور چونکہ اصل طہارت میں استیعاب رکن کا حصہ تھا لہٰذا نعم البدل طہارت میں بھی یہ ضروری ہوگا، بنابریں ظاہر روایت کی رو سے انگلیوں کا خلال انگوٹھی کا اتارنا بھی ضروری ہوگا اور اگر کوئی انہیں چھوڑ دے گا، تو اس کا تیمم درست نہ ہوگا۔ (ہدایہ میں بھی اسی قول کو ترجیح دی گی ہے۔) اور الحسن کی مذکورہ روایت کی رو سے یہ لازم نہ ہوگا اور اس کے بغیر بھی تیمم درست ہوجائے گا۔ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا جانا چاہیے۔ لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے اختلاف ہے اگر کسی کے ہاتھ کہنی سے کٹے ہوئے ہوں تو وہ ہمارے نزدیک کٹنے کی جگہ پر مسح کرے گا۔ البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، یہ بحث بھی وضو کی بحث کی طرح ہی ہے۔ جس پر اوراق سابقہ میں بحث ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم (۱)

تیمم کی شرائط کے بارے میں مذاہب کا موقف و دلائل:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

احناف نے تیمم کے صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرائط عائد کی ہیں شوافع نے دس بیان کی ہیں مالکیہ اور حنابلہ دو شرطیں عائد کرتے ہیں یہ شرائط کبھی ان فرائض سے مل جاتی ہیں جو متقدم فرائض ہیں اور کبھی وہ اسباب ہی ہوتے ہیں جو پہلے ہوتے ہیں۔ مالکیہ شرائط کو اسباب کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فی الجملہ تیمم کے جواز کے لیے دو شرطیں ہیں، پانی نہ ہونا یا اس کے استعمال سے معذور ہونا۔

ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ پانی

۲۔ مرض

۳۔ حالت حضر میں ناکافی پانی کا ہونا۔

۴۔ یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا جیسے ڈول رسی وغیرہ

۵۔ پانی کے ختم ہوجانے سے پینے وغیرہ کے لیے نہ ہونے کا خطرہ ہونا خواہ اپنے آپ کے خواہ کسی انسان کے خواہ جانور کے۔

۶۔ پانی لینے میں چور یا درندوں کا خطرہ ہونا۔

۷۔ پانی اس کی اتنی قیمت پر مل رہا ہو جو نا قابل برداشت ہو۔

۸۔ یا پانی لینے جانے اس کے منتظر رہنے استعمال کرنے وغیرہ میں وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۹۔ یا شدت ٹھنڈ سے موت کا اندیشہ ہو۔

۱۰۔ یا مرض کے لاحق ہونے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا خطرہ لاحق ہوجائے۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۲۰۴۔۲۰۵

۱۱۔ یا ایسا مریض ہو کہ دوسرا اس کو پانی اٹھا کر دینے والا نہ وہ اور خود استعمال نہ کر سکتا ہو۔

۱۲۔ یا جنبی ایسا ہو کہ سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا یا دانے بہت ہو گئے ہوں یا بے وضو شخص کے اعضاء وضو میں زخم اور دانے بھر گئے ہوں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ حالات اسباب تیمم ہیں۔ وہ امور جن کی مالکیہ کے ہاں شرط قرار دیا جا سکتا ہے وہ دو ہیں۔

۱۔ اس کو وقت داخل ہونے کے بعد کرنا۔

۲۔ پانی کا طلب کرنا۔

۳۔ حنابلہ کے ہاں تیمم کی دو شرطیں ہیں۔

۴۔ اس فرض کا وقت داخل ہونا جس کے لیے تیمم کر رہا ہو۔

۵۔ پانی کے استعمال سے عاجز ہو جانا۔

اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تیمم کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ پہلی شرط:

پاک مٹی، لہٰذا تیمم زمین کی مٹی کے علاوہ چیز سے نہیں ہو سکتا ہے، اور مٹی کے بارے میں یہ تفصیل سے گزری کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس سے صرف مٹی جب کہ احناف اور مالکیہ کے ہاں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جنس زمین میں سے ہو اس طرح ناپاک مٹی سے بھی تیمم نہیں ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فتیمموا صعیدا طیبا یہ شرط تیمم کے لیے جمہور فقہاء کے نزدیک ہے مالکیہ کے ہاں یہ فرض تیمم میں سے ہے جیسا کہ تیمم کے فرائض کے بیان میں یہ بات گزری ہے حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ وہ مٹی ایسی ہو کہ اس کا استعمال مباح ہو لہٰذا غصب شدہ زمین، یا بار بار اکھاڑی اور بنائی قبر کی مٹی یا مسجد کی مٹی سے تیمم کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ دوسری شرط:

تیمم کا وقت کے داخل ہونے کے بعد ہونا، یعنی وہ عبادت جس کے لیے وہ تیمم کر رہا ہے اس کا وقت ہو چکا ہو۔ یہ جمہور کے ہاں شرط ہے، احناف کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ تیمم کی کیفیت اور صفت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے۔

۳۔ تیسری شرط:

پانی کا طلب کرنا، بالاتفاق چاروں مذاہب پانی کے نہ ہونے کا یقین نہ ہونے کی صورت میں اس کی تلاش ضروری ہے، کیونکہ اس شخص کو (فاقد الماء) پانی کا نہ پانی والا) اس وقت تک نہیں شمار کیا جائے گا۔ جب تک وہ پانی تلاش نہ کرے اور تلاش کے بعد اس کو پانی نہ ملے تاہم فقہاء کا اس مسافت کی تعیین میں اختلاف ہے جتنی مسافت میں پانی کی تلاش لازمی ہے میں اس بحث کو اسباب تیمم کی بحث میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں، یہاں میں اس بات کو تفصیلاً بیان کرتا ہوں۔

ا۔ مذہب احناف:

وہ شخص جو شہر میں مقیم ہو اس پر تیمّم سے پہلے پانی کی تلاش لازمی ہے خواہ وہ پانی قریب ملنے کا گمان ہو یا نہ ہو مسافر اور شہر سے باہر کا شخص جو تیمّم کرنا چاہے اس پر پانی کی تلاش اس وقت لازم نہیں اگر اس کا غالب گمان یہ نہ ہو کہ قریب میں پانی ملے گا۔ کیونکہ شہر سے باہر جنگلوں میں عام طور پر پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کا غالب گمان پانی ملنے کا ہو تو اس کے لیے تیمم درست نہیں جب تک کہ وہ خود کا بذریعہ کسی شخص کے پانی تلاش نہ کرلے اور ہر طرف اتنی مسافت تک تلاش کرے جتنی دور تیر پھینکنے سے جا کر گرتا ہے تاہم ایک میل تک دور جانا اس پر ضروری نہیں ہے۔[۲] (تیر پھینک مارنے کی مسافت چار سو ذراع (۱۴۸،۸ میٹر) بنتی ہے لغت میں میل کہتے ہیں اتنی دور کو جو حد نگاہ ہو یہاں مراد چار ہزار فٹ یا تین فرسخ یا ۱۸۴۸ میٹر کی مسافت ہے۔)

اور اس مسئلہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر چل کر جانا لازم نہیں ہے بلکہ صرف ان اطراف میں دیکھ لینا کافی ہے تا کہ وہ شخص اپنے رفقاء سفر سے کٹ نہ جائے۔ اور دوسری بات یہ کہ اپنی ذات سے وہ حرج اور پریشانی کو دور رکھ سکے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے جو تیمّم کے حکم کے بعد ہے:۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِن يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (۱)　　اللہ تم پر مشکل اور دقت نہیں ڈالنا چاہتا ہے لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔

☆　حرج کا نہ ہونا ایک میل سے کم جانے میں ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں قریب ترین قول ایک میل والا ہے کیونکہ تیمّم کا جواز حرج دور کرنے کے لیے ہے پھر آگے وہ فرماتے ہیں کہ اتنی دور طلب کرے کہ اس کو اور اس کے رفقاء کو انتظار کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ اور پانی کی تلاش میں کوتاہی برتنے اور بغیر تلاش کیے نماز ادا کر لینے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے ہاں اس شخص پر نماز کا اعادہ لازمی ہو گا۔ اور اگر اس شخص کے رفیق سفر کے پاس پانی موجود ہو تو تیمّم سے قبل سے مانگنا ضروری ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ اس طرح کی چیزوں کا انکار نہیں کرتے ہیں۔ اور اگر منع کر دے تو اس کے لیے تیمّم کرنا درست ہے کیونکہ پانی کا نہ ہونا اس صورت میں متحقق ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر اپنے ساتھی سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ درست ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسرے کی ملکیت میں موجود چیز کا تقاضا اس شخص پر لازم نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس کے لیے درست نہیں ہے۔ کیونکہ پانی عرف وعادت میں خرچ کرنے اور استعمال کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ (لہذا امکان یہ ہے کہ وہ شخص پانی مانگنے پر دیدے گا) اور اگر وہ شخص اس پانی کو عام عادی قیمت پر فروخت کرنے پر آمادہ ہو اور اس شخص کے پاس رقم موجود ہو تو اس کے لیے تیمم درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں پانی کے استعمال کی قدرت اس شخص کے پاس پائی جاتی ہے تاہم اس شخص پر غبن فاحش (بہت زیادہ فرق) کے ساتھ خریدنا لازم نہیں اور اگر اس شخص کا غالب گمان پانی کے قریب ہونے کا نہ ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے پانی ملنے کی امید پر اس کے لے تلاش مستحب ہے لازم نہیں۔ اور اگر اس شخص کے اور پانی کے درمیان ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو وہ تیمم کرے گا۔

ا۔　المائدہ ۵:۶

۲۔ مذہب مالکیہ:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی کا نہ ہونا یقینی ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے، اور اگر پانی کے موجود ہونے کا اس کو علم ہو یا گمان ہو یا اس کے کسی جگہ ہونے کے بارے میں شک ہو یا پانی کے ہونے کا وہم ہو تو ہر نماز کے لیے پانی کی اتنی تلاش لازم ہے جو بالفعل اس پر بھاری نہ ہو اور اس کی مسافت ہے دو میل سے کم مسافت اسی طرح اگر اس کو گمان یا خیال یا شک یا وہم اس بات کا ہوا کہ اس کے رفقاء سفر اس کو پانی مانگنے پر دیدیں گے، تو ان سے پانی مانگنا ضروری ہے۔ اور اگر ان سے بغیر مانگے تیمّم کرلیا پھر پانی کا ہونا اس پر ظاہر ہوا یا پانی کا ہونا تو یقیناً ظاہر نہیں ہوا لیکن اس کو گمان یا خیال ایسا ہو کہ پانی مانگنے پر مل جائے گا تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ اور اگر محض شک یا وہم مل جانے کا ہو تو وقت کے انداز عادہ لازم ہوگا بعد میں نہیں اس شخص پر اتنی قیمت پر پانی خریدنا ضروری ہے جو عادی اور معروف ہو بشرطیکہ وہ اس رقم کا ضرورت مند نہ ہو خواہ نقدی کے طور پر یا ذمے میں دین بن جانے کے طور پر اگر عام معروف قیمت سے زیادہ قیمت ہو خواہ حج قول کے مطابق ایک درہم زائد قیمت کیوں نہ ہو اور اس جگہ اور آس پاس پانی اسی قیمت پر ملے تو اس پر پانی خریدنا لازم نہیں ہوگا۔

۳۔ شوافع کا مذہب:

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر مسافر مقیم شخص کو پانی کے آس پاس نہ ہونے کا یقین ہو تو پانی کے تلاش کے بغیر ہی اس کے لیے تیمّم کرلینا درست ہے اور اگر پانی کے ہونے کا وہم ہو یعنی ذہن میں ہو کہ مل سکتا ہے تو وہ اپنے رفقائے سفر سے مانگ لے اور آس پاس تلاش کرے اگر وہ برابر شدہ زمین پر ہو اگر اس کو آگے پیچھے ہونا پڑے تو ہر چاروں جہات میں بقدر حد نگاہ تلاش کرے اگر اس کو جان مال اور رفقاء سفر سے بچھڑ جانے کا خوف نہ ہو اور یہ مسافت حد غوث کی ہے جو کہ تیر کے گرنے کی جگہ کو کہا جائے گا۔ اور پھر بھی پانی نہ ملے تو تیمّم کرلے اور اگر ہو اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر طاری ہونے والی حالت میں تلاش لازم ہوگی اور اگر پانی کا کسی جگہ میں ملنا یقینی ہو تو وہ شخص اس کو حد قرب میں تلاش کرے اور حد قرب سے مراد چھ ہزار فٹ کی مسافت اور اگر وہ شخص قادر ہو پانی کو عام قیمت مثل پر خریدنے پر نقد وغیرہ کے ذریعے اور وہ اس کی ضرورت بھی نہ رکھتا ہو تو اسپر خریدنا لازم ہوگا۔ اور قیمت مثل سے مراد صحیح قول کے مطابق وہ قیمت ہے جو اس حالت میں اس مقام پر بخوشی و رغبت قابل قبول ہو۔ ہاں اس سے زائد قیمت پر خریدنا اس کے لیے لازم نہیں ہے۔ خواہ وہ رقم قلیل ہو۔ تاہم اگر اس کو کسی مدت تک کے لیے اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جائے اور اس مدت کا اعتبار نہ ہو اور وہ شخص مالدار ہو اور وہ مدت اتنی ہو کہ وہ شخص اپنے مال کی جگہ پہنچ سکے تو اس پر خریدنا لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسا ہونا اس کو پچھلی قیمت سے نکال نہیں دیتا ہے۔ اور اگر مثل قیمت سے زائد ہو اور وہ خریدنے پر قادر ہو تو اس کے لیے اس کو خریدنا مستحب ہے۔

۴۔ مذہب حنابلہ:

(۱)[1]: ان کے ہاں اس شخص پر وقت داخل ہوجانے پر ہر نماز کے وقت کے لیے پانی تلاش کرنا لازم ہے اور یہ تلاش وہ اپنے ساز وسامان

---

[1] کشاف القناع، ج ۱، ص ۱۹۲، غایۃ المنتہی، ج ۱، ص: ۵۴

اور جائے سکونت میں تلاش کرے۔ اور اس مقام پر تلاش کرے جو عرف و عادت میں اس کے قریب شمار ہو۔ اور چاروں جہتوں میں اتنے قریب تک جا کر پانی تلاش کرے جہاں تک عام طور پر قافلے وغیرہ جایا کرتے ہوں اور اپنے رفقاء سفر میں ایسے شخص سے پانی کے بارے میں دریافت کرے جو تجربہ کار ہو۔ اور پانی کے ملنے کی جگہوں کا اس کو علم ہو۔ اسی طرح ایسے شخص کے بارے میں بھی دریافت کرے جو پانی فروخت کرتا ہوں یا اس کو تقسیم کرتا ہو۔ اور اگر ایسے چیز دیکھے جو پانی کے وجود پر دلالت کرے جیسے سبزہ وغیرہ تو اس کی جگہ جانا اس پر لازم ہے۔ اور اگر اس کے قریب کوئی ٹیلہ یا کوئی کھڑی ہوئی چیز ہو اور اس کو پانی ملنے کا شک ہو تو اس جگہ آنا اور پانی کی تلاش کرنا لازم ہے۔ اور وہ چل رہا ہو تو صرف اس جہت میں پانی تلاش کرے جس سمت ہو جا رہا ہے، کیونکہ اس سے ہٹ کر تلاش کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی ثقہ معتبر آدمی نے پانی کا بتایا تو اگر وہ عرف کے اعتبار سے قرب شمار ہو تو اس طرف جانا لازم ہوگا۔ اور پانی کی تلاش کے باوجود نہ ملنے پر اگر وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا تیمّم درست ہوگا اور نماز بھی درست ہوگی اس پر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہ تیمّم کی صحیح نماز ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات مدنظر رہے کہ حنابلہ نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لیے ایک اور شرط عائد کی ہے اور وہ پانی کے استعمال سے عاجز ہونا کیونکہ پانی کے استعمال سے عاجز ہونے والا وہ شخص جس کو پانی مضر نہ وہ آیت تیمّم کے تحت شامل نہیں اس آیت کے تحت وان کنتم مرضی اوعلی سفر او جاء احد منکم من الغائط ۔۔۔ فلم تجدو ماءً فتیمموا صعیدا تاہم یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ درحقیقت تیمّم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ بعض حنابلہ نے تیمّم کے لیے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں جو یہ ہیں (۱) نیت (۲) اسلام (۳) عقل (۴) تمیز (۵) استجمار (۶) بدن سے نجاست کا دور کرنا (۷) نماز کے وقت کا داخل ہونا، خواہ وہ عذر نماز کیوں نہ ہو جس کے لیے کسی معین وقت کی نذر مانی ہو۔ (۸) پانی کے استعمال سے معذور ہو جانا خواہ قید میں پڑ جانے وغیرہ کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

احناف کے ہاں شرائط تیمّم:

احناف نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں، بعض اسباب تیمّم میں سے ہیں اور بعض فرائض تیمّم میں سے ہیں یعنی ان امور میں سے جو دوسرے حضرات کے ہاں فرض ہیں اور بعض تیمّم کے طریقے داخل ہیں، یہ شرائط مختصراً بیان کی جاتی ہیں۔ (۱)

ا۔ نیت:

یعنی دل کا کسی کام کا ارادہ کر لینا اس کا وقت وہ ہے جب انسان اپنے ہاتھ اس چیز پر مارے جس سے تیمّم ہوگا۔ نیت کے صحیح ہونے کے لیے ان حضرات کے ہاں تین چیزیں شرط ہیں۔ (اسلام) (۲) تمیز (۳) اس چیز کا علم جس کی وہ نیت کر رہا ہے۔ جیسے تیمّم سے نماز پڑھنے کے لیے کی جانے والی نیت کے لیے تین میں سے ایک چیز ضروری ہے، یا تو طہارت کی نیت ہو یا کسی ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو۔ (عبادت مقصود ہے جو کہ کسی دوسری چیز کے ضمن میں تبعیت کے طور پر ادا نہیں ہوتی ہے۔) جو بغیر طہارت نہ ہوتی ہو لہذا نماز یا سجدہ تلاوت کی نیت

ا۔ بدائع الصنائع، ج ا ص ۵۲، الدر المختار، ج ا ص: ۲۱۳۔ ۲۲۸، مراقی الفلاح ص ۱۹

سے کیے جانے والے تیمم سے نماز پڑھنا درست ہے جب کہ مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے کی غرض سے کیے جانے والے تیمم سے خواہ بحالت جنابت ہو نماز درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ عبادت غیر مقصود ہے تاہم بے وضو شخص کے لیے تلاوت کی نیت سے کیے جانے والے تیمم سے نماز ادا کرنا درست ہے کیونکہ قراءت قرآن بلا تیمم بھی درست ہے تاہم جنبی شخص کے تلاوت قرآن کے لیے تیمم کر لینے سے اس کے لیے نمازوں کی ادائیگی بھی درست ہے۔ اور زیارت قبور اذان تکبیر سلام جواب سلام یا اسلام کے لیے کیے جانے والے تیمم سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے کیونکہ یہ امور بلا طہارت درست ہو سکتے ہیں۔

۲۔ تیمم کو مباح کرنے والا عذر:

جیسے کسی شخص کا پانی کے ایک میل دور ہونا خواہ وہ شہر میں ہو، مرض کا ہو جانا ایسی ٹھنڈک ہونا کہ جس سے عضو کے ضیاع یا مرض کا اندیشہ ہو یا دشمن کا یا پیاسا رہ جانے کا خوف ہو یا پانی کی ضرورت ہو آٹا گوندھنے کے لیے سالن بنانے کے لیے نہیں کیونکہ اس کا بننا اتنا ضروری نہیں یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا یا وضو میں مصروف ہونے کی صورت میں نماز جنازہ یا نماز عید چھوٹ جانے کا خوف ہو،۲(خواہ یہ تیمم نماز پر بناء کی خاطر ہی کیوں نہ ہو جیسے کسی کو نماز جنازہ یا نماز عید میں حدث ہوا تو اس کے لیے تیمم کر کے نماز مکمل کرنا درست ہے، کیونکہ یہ پانی کے استعمال سے عاجز شمار ہوگا۔) تاہم وضو مشغول ہونے کی صورت میں جمعے کے نکل جانے کا خوف تیمم کے لیے عذر نہیں ہے اسی طرح وقت کا نکل جانا بھی عذر نہیں شمار ہوگا۔

۳۔ تیمم زمین کی جنس کی کسی پاک چیز سے کیا جائے:

جیسے مٹی، پتھر، ریت، فیروزہ، عقیق، وغیرہ لکڑی، سونا، چاندی، پیتل لوہا وغیرہ نہیں اس کا باقاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو راکھ بن سکے یا جلانے سے نرم ہو جائے تو اس سے تیمم درست نہیں ہے بصورت دیگر جائز دلیل یہی آیت ہے، فتیمموا صعیدا طیبا　اور صعید روئے زمین کو کہتے ہیں، مٹی ہو یا کچھ اور۔

۴۔ پورے محل مسح کو عمل تیمم سے ڈھانپ لینا:

۵۔　پورے ہاتھ یا اکثر حصے یعنی تین انگلیوں سے مسح ہو چنانچہ اگر مثلاً دو انگلیوں سے مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا خواہ وہ بار بار یہ عمل کرے پورے محل مسح کو ڈھانپ لے بخلاف وضو میں سر کے مسح کے۔

۶۔　دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہاتھ کی اندرونی طرف سے ہو خواہ زمین کی ایک ہی جگہ پر ہو اور اگر مٹی سے جسم میں لگ جائے اور اس شخص کی نیت مٹی لگانے سے تیمم کی ہو تو وہ دو دفعہ ہاتھ مارنے کا قائم مقام سمجھی جائے گی۔

۷۔　حیض، نفاس یا حدث کا منقطع ہونا جیسا کہ یہ امور وضو میں بھی شرط ہیں۔

۸۔　کھال پر مسح روک دینے والی چیزوں کا دور ہونا جیسے موم اور چربی وغیرہ تا کہ مسح کا پورے جسم کے ظاہری حصے پر ہونا متحقق ہو اور یہ چیزیں مسح کے متحقق ہونے سے مانع ہوتی ہیں۔

تیمّم کی شرائط شوافع کے ہاں:

شوافع کی دس شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱)

۱۔ مٹی سے تیمّم ہو خواہ مٹی کسی بھی رنگ کی ہو جیسے گارے کی اور شوریدہ زمین کی مٹی یا (ارمنی مٹی ایسی سمجھ لی جائے جیسے برصغیر کی معاشرت میں ملتانی مٹی یا چکنی مٹی کی حیثیت ہے۔) یعنی وہ جس پر گرد و غیرہ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مٹی بھی جو ادویات میں استعمال ہوتی ہو جیسے ارمنی مٹی (۱) بشرطیکہ وہ پسی ہوئی ہو حتیٰ کہ موٹی ریت کا غبار بھی اور باریک ریت کا بھی پکی ہوئی ریت اور مٹی کا نہیں جس کا نام رہ جائے اور غبر ختم ہو جائے۔

۲۔ مٹی پاک ہو دلیل اس کی آیت کے الفاظ ہیں صعید طیبا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ہے پاک مٹی

۳۔ وہ مٹی استعمال شدہ نہ ہو جیسے پانی بھی استعمال شدہ (مستعمل) ہوتا ہے اور استعمال شدہ مٹی سے مراد وہ مٹی جو اعضاء تیمّم پر ہو یا وہ جو دوران تیمّم عضو پر لگ کر اڑ گئی ہو۔ یہ تفصیل اصح قول کے مطابق ہے۔

۴۔ اس مٹی میں آٹا وغیرہ نہ مل جائے زعفران اور گن، کہ یہ چیز مٹی کو عضو تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔

۵۔ وہ بالقصد اس فیل کی انجام دے لہذا اگر مٹی کو ہوا اڑ کر اس پر لے آئے اور اس کے اعضاء پر وہ پھیر دے اور وہ شخص نیت کر لے تو تیمّم ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بالقصد مٹی کو اپنے اعضاء پر نہیں لگایا ہے مٹی تو خود بخود اس تک آئی ہے ہاں اگر اس کے بغیر اجازت کوئی دوسرا شخص اس کو تیمّم کرا دے تو یہ تیمّم درست ہو جائے گا۔

۶۔ اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مسح دو دفعہ ہاتھ مار کر خواہ یہ ہاتھ مارنا کسی کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ کے ذریعے ہو۔

۷۔ پہلے نجاست کو دور کرے لہذا اگر نجاست دور کرنے سے قبل تیمّم کر لیا تو معتمد قول کے مطابق یہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ تیمّم عبادات وغیرہ کو مباح کرنے کے لیے ہوتا ہے اور مانع کے موجود ہونے کی صورت میں اباحت کا تصور نہیں لہذا یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ کوئی قبل از وقت تیمّم کر لے۔

۸۔ قبلے کے بارے میں خوب اچھی طرح کوشش کر کے اس کی جہت متعین کرے اگر اس کی جہت کے بارے میں کوشش کے بغیر تیمّم کر لیا تو صحیح قول کے مطابق تیمّم درست نہیں ہوگا۔

۹۔ تیمّم کے وقت داخل ہونے کے بعد ہو، کیونکہ یہ طہارت ضرورت ہے اور قبل از وقت ضرورت نہیں پائی جاتی ہے لہذا نفلوں کے لیے وقت کراہت کے علاوہ میں تیمّم کرے اور نماز جنازہ کے لیے میت کے غسل کے بعد تیمّم کرے اور نماز استسقاء کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کے بعد تیمّم کرے اور فوت شدہ نماز کے لیے اس کے یاد آنے کے بعد تیمّم کرے۔

۱۰۔ ہر فرض عین کے لیے الگ تیمّم کرے کیونکہ ضرورت کی طہارت ہے، لہذا وہ بقدر ضرورت ہی ہوگی۔ (۲)

۱۔ المھذب، ج۱، ص:۳۲۔۳۴، مغنی المحتاج، ج۱، ص:۹۶۔۹۹، الحضرمیہ، ص۲۶ ۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۳۹۵۔۳۹۶

احناف کے نزدیک جواز تیمم کے لیے نیت کا شرط ہونا:

علامہ ابوبکر علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

جواز تیمم کے لیے نیت کا شرط ہونا:

ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک نیت جواز تیمم کے لیے شرط ہے۔ مگر امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شرط نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ایک قائم مقام طہارت ہے اور کوئی قائم مقام سی شرائط میں اپنی اصل سے مختلف نہیں ہوتی، پھر چونکہ وضو نیت کے بغیر درست ہو جاتا ہے، تو اسی طرح تیمم بھی اس کے بغیر صحیح ہوگا۔ ہمارا استدلال یہی ہے کہ تیمم کوئی حقیقی طہارت تو ہے نہیں۔ یہ ایک بوقت ضرورت کی طہارت ہے۔ اور ضرورت کا اظہار نیت سے ہوتا ہے۔ بخلاف وضو کے کہ وہ تو ایک حقیقی طہارت ہے، لہذا وضو کو طہارت بنانے کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں تیمم کا لغوی مفہوم بھی اس میں نیت کے شرط ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ہم اوراق سابقہ میں ذکر کر آئے ہیں، کیونکہ اس کے لغوی معنی قصد وارادہ کے ہیں اور نیت ہی قصد وارادہ ہے، لہذا یہ نیت کے بغیر درست نہیں ہو سکتا، بخلاف وضو کے، اس لیے کہ وہ وضاءۃ (روشنی، صفائی) سے ماخوذ ہے۔ اور یہ بات نیت کے بھی حاصل ہو جاتی ہو۔

نیت کا طریقہ:

تیمم میں نیت کے طریقے کے متعلق القدوری فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جب وہ پاکی کی، یا نماز کے مباح ہونے کی نیت کرے تو نیت درست ہوگی۔ اور امام الجصاص رازی n فرماتے ہیں کہ تیمم میں حصول طہارت کی نیت ضروری نہیں۔ صرف امتیاز کے لیے نیت کرنی چاہیے یعنی یہ کہ وہ حدث سے تیمم کر رہا ہے یا جنابت سے اس لیے تیمم دونوں کے لیے ایک ہی طریقے پر کیا جاتا ہے، لہذا ان کے مابین فرق کی نیت کرنا لازم ہے، کیونکہ فرض اور نفل دونوں کے لیے ایک ہی طریقے پر کی جاتا ہے، لہذا ان کے مابین فرق کی نیت کرنا لازم ہے، کیونکہ فرض اور نفل دونوں نمازیں ایک ہی طرح اُدا کی جاتی ہیں۔ لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ اس قسم کی نیت لازم نہیں ہے۔ اس لیے قاضی ابن۔ سماء امام محمد بن سے نقل فرماتے ہیں کہ جنبی شخص وضو کی نیت سے تیمم کر لے، تو اس کا تیمم جنابت سے درست ہوگا۔ وجہ وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں تیمم میں نیت کی اس لیے ضرورت پیش آتی ہے، تاکہ وہ حصول طہارت کا ذریعہ بن سکے، کیونکہ وہ فی الحقیقت طہارت نہیں ہے۔ بلکہ شریعت نے اسے مجبوری کی حالت میں طہارت قرار دیا ہے اور اس ضرورت یا مجبوری کا اظہار نیت سے ہوتا ہے اور ضرورت کا اظہار کرنے کے لیے فقط حصول طہارت کی نیت کافی ہے اور اسی طرح تیمم کے وقت نماز کی نیت کرنا بھی درست ہے، کیونکہ نماز طہارت کے بغیر جائز نہیں ہوتی، لہذا نماز کی نیت بھی اس ضرورت یا مجبوری پر دلالت کے لیے کافی ہوگئی، بنابریں امتیاز کرنے کی نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس نے تیمم کے وقت مطلق طہارت یا نماز درست ہونے کی نیت کی تو اسے اجازت ہے

کہ وہ اپنے اس تیمم سے ہر وہ عبادت کرے، جو طہارت کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، اور قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

وغیرہ۔ یا جو عبادتیں اس کا جز ہیں، وہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوں گی۔ اس طرح اگر کسی نے نماز جنازہ، سجدہ تلاوت یا قرآن مجید کی تلاوت کے لیے جنابت سے تیمّم کیا، تو اس سے بھی ہر ہر قسم کی نماز ادا کرنا درست ہوگا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک عبادت فی نفسہ مقصود عبادت ہے اور یہ سب عبادتیں اجزائے نماز ہی کی جنس سے ہیں، لہٰذا تیمّم کے وقت ان کی نیت کرنا نماز کی نیت کرنے کے مترادف ہوگا۔ لیکن اگر اس نے محض مسجد میں داخل ہونے یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کی نیت سے تیمّم کر لیا تو اس تیمّم کے ساتھ اسے نماز ادا کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ مذکور دونوں عبادتیں نہ تو مقصود بالذات ہیں اور نہ ہی اجزئے نماز کی جنس سے ہیں" لہٰذا ان کے لیے حاصل کردہ طہارت فقط انہیں کے لیے ہوگی کسی اور کے لیے نہیں ا (۱۳۰ھ-۱۴۷ء میں پیدا ہوئے امام ابو یوسف و امام محمد سے علوم فقہ اور لیث بن سعد وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ قاضی ابو یوسف کے بیٹے یوسف کے فوت ہو جانے کے بعد بغداد کے قاضی ہوئے۔ جید عالم اور ثقہ راوی تھے۔ (۱)

تیمّم کی سنتیں:

تیمّم کی مندرجہ ذیل امور سنت ہیں۔ (۲)

یہ بات مدنظر رہے کہ احناف کے ہاں سات مالکیہ کے ہاں نو، شوافع کے ہاں پندرہ اور حنابلہ کے ہاں دو ہیں۔

احناف کے ہاں تیمّم کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ وضو کی طرح اس کی ابتداء میں بھی بسم اللہ پڑھنا اور اس طرح پڑھے صرف یہ کہے بسم اللہ، ایک قول یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھے۔

۲-۳-۴۔ ہاتھوں کی اندرونی طرف کو مٹی پر مارنا اور مٹی میں ہاتھ آگے پیچھے کرنا، تاکہ مٹی کے اچھی طرح دونوں ہاتھوں پر چڑھ جانے کا عمل تکمیل پائے۔ اس علم کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا تاکہ چہرہ گندہ نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

۵۔ انگلیاں کھولنا تاکہ مٹی ان کے درمیان بھی پہنچ سکے۔

۶-۷۔ ترتیب اور ولاء (پے در پے انجام دینا) یعنی بعد والے پہلے والے کے بعد اس طرح کرنا کہ اگر یہ عمل پانی سے کیا جاتا تو پانی اتنی دیر میں خشک نہ ہوتا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا مالکیہ کے ہاں تیمّم کی سنتیں چار ہیں۔

۱۔ ترتیب کے پہلے چہرے پر مسح کرے پھر دونوں ہاتھوں پر اور اگر برعکس ترتیب سے کیا تو صرف اس عضو کے تیمّم کا اعادہ کرنا ہوگا جو پلٹ دیا گیا ہے۔ یعنی دونوں ہاتھ (کہ ترتیب الٹنے میں دونوں ہاتھوں پر پہلے مسح ہوتا ہے اور چہرے پر بعد میں اس صورت میں ہاتھ کا مسح

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۱، ص: ۲۲۱-۲۲۲

۲۔ الدر المختار، ج۱، ص: ۲۱۳، مراقی الفلاح، ص۲۰ الشرح الصغیر، ج۱، ص: ۱۹۸ الشرح الکبیر، ج۱، ص: ۱۵۷، القوانین الفقہیہ، ص: ۳۸ بجرمی الخطیب ج۱، ص: ۲۵۶ المہذب، ج۱، ص: ۳۳ مغنی المحتاج، ج۱، ص: ۹۹ کشف القناع، ج۱، ص: ۲۰۴

دھرا لینے سے مسح ہو جائے گا۔ اور شرط یہ ہے کہ دوبارہ ہاتھوں پر مسح کا عمل فی الفور قریبی وقت میں ہو جائے، اور اس اثنائے تیمم سے نماز نہ پڑھی ہو۔ ورنہ یہ تیمم باطل ہو جائے گا اور موالات (پے در پے کرنا) ان کے ہاں فرض ہے۔

۲۔۳۔ دوسری مرتبہ ہاتھوں پر مسح کے لیے ہاتھ مٹی پر ہاتھ مارنا اور کہنیوں تک مسح کرنا۔

۴۔ مٹی پہ ہاتھ مار کر لگنے والے غبار کا براہ راست مسح کیے جائے والے عضو پر۔

پر لگنا اور اس تک منتقل ہونا اور وہ اس طرح کہ اس عضو سے قبل کسی چیز پر وہ ہاتھ نہ پھیرے جائیں اور اگر ان دونوں ہاتھوں کو اس سے قبل کسی چیز پر پھیر دیا گیا تو مکروہ ہوگا تاہم تیمم جائز ہو جائے گا۔ یہ بات نظر رہے کہ اس حکم کے تحت دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر ملتے ہوئے ہلکا سا جھاڑنا داخل نہیں ہے، اس کا حکم الگ ہے۔

مالکیہ نے تیمم کے دیگر بھی مندوبات اور فضائل بیان کیے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بسم اللہ پڑھنا، اس طرح پڑھے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ظاہر اور صحیح قول کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ صرف بسم اللہ کہے۔ ۲،۳ خاموش رہنا اور قبلہ رخ ہونا۔

۴،۵ دائیں ہاتھ سے شروع کرنا اور اس طرح کرے کہ دائیں ہاتھ کے اوپری حصے پر انگلیوں کی طرف بائیں ہاتھ کا اندرونی حصہ رکھے پر اس کو ہاتھ کی اوپری سطح پر پھیرتا ہوا کہنی تک لے جائے پھر کہنی کی اندرونی طرف پھیرتا ہو ٹخنوں تک لائے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر اسی طرح مسح کرے، پھر انگلیوں کا خلال کرے جو کہ واجب ہے جیسا کہ میں فرائض کے بیان میں اس کی وضاحت میں کر چکا ہوں۔

شوافع کے ہاں تیمم کے کی سنتیں تقریباً پندرہ ہیں:

وضو اور غسل کی طرح اس کی ابتداء میں بھی پوری بسم اللہ پڑھنا چہرے کے اوپری حصے سے شروع کرنا دونوں ہاتھوں میں سے دائیں کو بائیں پر مقدم کرنا پہلی دفعہ ہاتھ مارنے میں انگلیوں میں تفریق کرنا دونوں ہاتھوں پر مسح کے بعد احتیاطاً خلال کرنا، غبار کو جھاڑ کر اتنا کم کر دینا کہ وہ صرف بقدر ضرورت رہے تا کہ اس کا چہرہ وغیرہ گندہ نہ ہوا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے بھی، موالات (پے در پے کرنا) جیسے وضو میں یہ مسنون ہے کیونکہ یہ دونوں عمل طہارت ہیں اور تیمم اور نماز میں بھی موالات ہونی چاہیے تا کہ ان حضرات کے اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی مالکیہ حضرات۔

ہاتھ کا عضو پر پھیرنا جیسے وضو میں عضو دھوتے وقت ملنا مسنون ہے اور یہ کہ وضو کے مسح سے ربل اس سے ہاتھ نہ اٹھائے ان کے اختلاف سے باہر رہنے کے لیے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بازو کے بھی کچھ حصے پر بھی مسح کر لیا جائے جیسے کہ وضو میں تحجیل مسنون ہے مسح کا بار بار نہ کرنا بھی مسنون ہے، کیونکہ مطلوب و مقصود گرد کا کم کرنا ہے۔ قبلہ رخ ہونا اور تیمم کے بعد اشھد ان لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریك لہ پڑھنا مسنون ہے جیسے وضو کے بعد یہ پڑھنا مسنون ہے۔ پہلی دفعہ مٹی پا ہاتھ مارتے وقت انگوٹھی اتار دینا مسنون ہے اور دوسری مرتبہ مسح کرتے وقت انگوٹھی کا اتارنا واجب ہے۔ تیمم کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں جیسے وضو کے

بعد تحیۃ الوضو اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد اعضاء پر ہاتھ پھیرنے سے قبل مسواک کرنا بھی مسنون ہے جیسے وضو میں دونوں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے درمیان یہ مسنون حنابلہ نے بسم اللہ پڑھنا ترتیب (یکے بعد دیگرے ہونا) اور موالات (پے در پے ہونا) کو تیمم میں بھی ایسے ہی واجب قرار دیا ہے۔ جیسے وضو میں واجب ہے تیمم کی سنتوں میں وہ صرف تیمم کو پانی مل جانے کی امید میں ہر حال میں آخر وقت تک موخر کرنے کو ورد کرتے ہیں۔ دلیل اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے جنبی کے بارے میں کہ وہ آخری وقت تک رکا رہے۔ اگر اس کو پانی مل جائے تو ٹھیک و گرنہ وہ تیمم کرلے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کا رات کے کھانے اور قضا حاجت کے لیے موخر کرنا مستحب ہے تاکہ انسان کا دل فارغ رہے اور وہ مکمل خشوع وخضوع سے نماز ادا کر سکے اسی طرح جماعت سے پڑھنے کے لیے بھی نماز کو موخر کر دینا درست ہے تو اس طہارت کے حصول کے لیے نماز کو موخر کرنا جو طہارت شرط ہے، زیادہ اولی ہے اسی طرح یہ حضرات انگلیوں میں خلال کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں فرض نہیں شمار کرتے ہیں۔ (۱)

تیمم کا طریقہ ان حضرات کے ہاں یہ ہے۔ کہ اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جس کے لیے تیمم کر رہا ہے جیسے فرض نماز کو حدث اصغر یا حدث اکبر کی حالت سے مباح کر کے ادا کرنے کی نیت کرے پھر بسم اللہ پڑھے، بھول جانے پر بسم اللہ قابل معافی ہے۔ پھر انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے تاکہ انگلیوں کے درمیان غبار پہنچ سکے، مٹی پر یا اس چیز پر ہاتھ مارے جو گرد آلودہ ہو اور اس میں پاک مٹی ہو۔ جیسے نمدہ کپڑے چٹائی یا گڑھے کا پالان وغیرہ ایک مرتبہ ہاتھ مارے انگوٹھی وغیرہ اتار دے تاکہ مٹی نیچے بھی پہنچ سکے اور اگر مٹی بہت کم ہو تو اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے تاکہ وہ پھونکنے سے اتنی کم ہو جائے کہ دوبارہ اس کو لینا پڑے۔ پھر انگلیوں کے اندرونی حصے کو چہرے پر پھیرے اور اپنے ہاتھوں پر ہتھیلیوں کو پھیرے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ ہاتھ مارنا ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ دو دفعہ ہاتھ مار کر ہاتھ پھیرے ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرے دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

تیمم کے مکروہات:

تیمم کی سنتوں کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں اوپر شدہ سنتوں میں سے کوئی بھی سنت چھوڑنا اور بار بار ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ پھیرنے ایک مرتبہ سے زیادہ کرنا مکروہ ہے اور ذکر اللہ کے علاوہ کثرت گفتار بھی مکروہ ہے اور مسح میں کہنیوں سے اوپر بازو پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے جو وضو میں مستحب ہے اور اس کی وضو میں غرہ اور تحجیل بڑھانا کہتے ہیں۔ شوافع فرماتے ہیں مٹی زیادہ استعمال کرنا بار بار ہاتھ پھیرنا اور تیمم کی تجدید کرنا جب کہ تیمم ٹوٹا نہ ہوا خواہ نماز پڑھ لینے کے بعد ہی سہی مکروہ ہے۔ اور تیمم کے بعد ہاتھ جھاڑنا بھی مکروہ ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں مسح کا بار بار کرنا مکروہ ہے اور منہ اور ناک میں مٹی ڈالنا دو مرتبہ سے زیادہ مٹی پر ہاتھ مارنا اور مٹی کم ہونے کے باوجود اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے۔ (۳)

۱۔ المغنی ج ۱، ص: ۲۴۲۔ ۲۵۴ ۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص: ۴۰۱۔ ۴۰۳ ۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص: ۴۰۳

نواقض تیمم:

تیمم مندرجہ ذیل چیزیں توڑ دیتی ہیں (۱)

۱۔ ہر وہ چیز جو وضو اور غسل کو توڑ دیتی ہے ہو تیمم کو بھی توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ تیمم ان کا ہی بدل ہے اور اصل کو توڑنے والی چیز بدل کے لیے بھی ناقض ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی نے جنابت کے لیے تیمم کیا پھر وہ بے وضو ہو گیا تو وہ صرف بے وضو شمار ہوگا جنبی نہیں شمار ہوگا۔ لہٰذا وہ تیمم کرے اور موزے پہنا ہوا ہو تو ان کو اتار دے اس کے بعد ان پر مسح کرے جب تک پانی نہیں پاتا۔

۲۔ اس عذر کا دور ہو جانا جو تیمم کو مباح کر دیتا ہو جیسے دشمن کا چلے جانا، مرض، ٹھنڈ، کا ختم ہو جانا، پانی نکالنے کے آلات کا مل جانا اور اس قید خانے سے آزادی مل جانا جس میں پانی نہ ہو کیونکہ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہو عذر کے ختم ہو جانے پر کالعدم بھی ہو جائے،

۳۔ پانی کا دیکھ لینا یا کافی پانی کے استعمال پر قدرت کا ہونا خواہ وہ پانی اعضاء وضو کو ایک مرتبہ دھونے کے لیے ہی ہو احناف اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ ناکافی پانی ہی پالے یہ نماز سے پہلے ہونے کی صورت میں ہے نماز کے اندر ہونے کی صورت میں ایک جماعت کے ہاں نہیں جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی اس شخص کی حاجت سے زائد ہو مثلاً پینے آٹا گوندھنے نجاست وغیرہ دھونے کی ضروریات کے لیے کافی پانی ہو۔ کیونکہ ایسا پانی حاجت میں ہونے کے سبب طہارت وغیرہ کے کام نہیں آ سکتا۔ اور احناف اور مالکیہ کی رائے میں ناکافی پانی کو ہونا نہ ہونے کے برابر ہے احناف فرماتے ہیں سونے یا اونگھنے والے شخص کا پانی پر سے گزرنا جو کہ اس کے لیے کافی ہو اس کو جاگنے والے کی طرح کر دیتا ہے یعنی اس کا تیمم باطل ہو جائے گا۔ اور اگر اس شخص کو دوران نماز پانی نظر آ گیا تو احناف کے ہاں اس کا تیمم باطل ہو جائے گا کیونکہ سبب زائل ہو جانے کے سبب اس کی طہارت کالعدم ہو گئی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کو حالت وضو میں ادا کیا جاتا ہے اور وہ شخص مقصود، یعنی نماز کی ادائیگی اصل کے ذریعے ادا کرنے پر قادر ہے بجائے بدل کے ذریعے ادا کرنے کے لہٰذا تیمم کالعدم ہو جائے گا اور نص سے ثابت دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو پہلے نماز لوٹانے کی بحث میں گزر چکے ہیں۔ مالکیہ کے ہاں اس شخص کا تیمم نہیں ٹوٹے گا اور شوافع کے ہاں مسافر ہونے کی صورت میں تیمم نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ شرعاً یہ شخص تیمم کے ذریعے نماز ادا کرنے کا مجاز تھا اور اصول کا تقاضا ہے کہ یہ اجازت اس شخص کے لیے برقرار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ولا تبطلوا اعمالکم (اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔ (۲) اور پانی نظر آنے سے قبل اس شخص کا علم صحیح اور درست تھا، لہٰذا وہ برقرار بھی اس حالت پر رہے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت کو اس پر قیاس کریں گے کہ اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی نظر آئے گا تو نماز کالعدم شمار نہیں ہوتی ہے کیونکہ پانی کا دیکھ لینا باعث حدث نہیں ہے۔ لہٰذا نماز کی حرمت و تقدس کے پیش نظر نماز کالعدم شمار نہیں ہوگی۔ شوافع کے ہاں مقیم شخص اگر دوران نماز پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ میں یہ بات پہلے بیان کر چکا ہوں کہ پانی مل جانے کی

۱۔ الدر المختار، ج۱، ص:۲۳۴۔۲۳۶، مراقی الفلاح ص:۲۱، اللباب، ج۱، ص:۳۷ فتح القدیر، ج۱، ص:۹۱ البدائع، ج۱، ص:۵۶ الشرح الصغیر، ج۱، ص:۱۹۹ الشرح الکبیر، ج۱، ص:۱۵۸، القوانین الفقہیہ ص:۳۸، بجری الخطیب، ج۱، ص:۲۵۷۔۲۶۱، مغنی المحتاج، ج۱، ص:۱۰۱ المہذب، ج۱، ص:۳۶ المغنی، ج۱، ص:۲۶۸۔۲۷۲ کشف القناع، ج۱، ص:۱۹۰۔۲۰۲ غایۃ المنتھی، ج۱، ص:۱۲۳

۲۔ سورت محمد ۴۷:۳۳

صورت میں نماز کا اعادہ اس شخص کے لیے لازم ہوگا اور چونکہ یہ شخص پانی پا چکا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ وہ نماز کے اعادہ کے عمل کو شروع کرے۔ مالکیہ اس حکم سے پانی بھول جانے کی صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود پانی کو بھول گیا اور اس نے تیمّم کرلیا اور نماز کی نیت باندھ لی پھر اس کو پانی دیا آیا تو اگر وقت میں دوبارہ نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہو اس کی نماز کالعدم ہوجائے گی۔ اور اگر کوئی شخص نماز کی تکمیل کے بعد پانی دیکھے تو اگر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دیکھے تو بالاجماع اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے، کیونکہ دوبارہ نماز پڑھنے کے عمل میں حرج ہے اور اگر وقت باقی ہو تو جمہور علماء ماسوائے شوافع کے ہاں نماز نہیں لوٹائیگا شوافع کے ہاں مقیم شخص پر نماز کا لوٹانا لازم ہوگا مسافر پر نہیں بشرطیکہ مسافر اپنے سفر میں مرتکب معصیت نہ ہو (یعنی اس کا سفر سفر معصیت نہ ہو)۔

۴۔　وقت کا نکلنا، حنابلہ کے ہاں نماز کا وقت نکل جانے سے تیمّم باطل ہو جاتا ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا تو اس کا تیمّم اور نماز دونوں باطل ہو جائیں گے کیونکہ نماز کا وقت ختم ہونے سے اس شخص کی طہارت بھی ختم ہوگئی اور نماز بھی باطل ہوگئی۔ جیسے کہ مسح کی مدت دوران نماز ختم ہونے سے بھی یہی ہوتا ہے۔ مرتد ہونا، شوافع کے ہاں مرتد ہونا تیمّم کے باطل کرنے کا سبب ہے بخلاف وضو کے کیونکہ وضو قوی ہوتا ہے اور اس کا بدل یعنی تیمّم ضعیف ہوتا ہے۔ تاہم مرتد ہونا وضو کی نیت باطل کردیتا ہے۔ لہذا اس کی تجدید کو ضروری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم نماز مباح کرنے کے لیے ہوتا ہے، اور مرتد ہونے کی صورت میں نماز مباح کرنے کا ارادہ کالعدم ہے، اور مرتد ہونا خواہ صورتاً ہی ہو تیمّم کے باطل ہونے کا سبب ہے جیسے بچے سے سرزد ہونے والا عمل ارتداد۔ احناف وغیرہ کے ہاں مرتد ہونے سے تیمّم باطل نہیں ہوتا لہذا دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں وہ اس سے نماز ادا کرسکتا ہے، کیونکہ تیمّم سے حاصل شدہ چیز صفت طہارت ہے اور کفر اس کے منافی نہیں جیسے وضو کے منافی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مرتد ہونا عمل کے ثواب کو ضائع کردیتا ہے حدث کے زوال کو کالعدم نہیں کرتا ہے۔

۶۔　تیمّم اور نماز میں طویل فاصلہ، مالکیہ کے ہاں تیمّم اور نماز کے درمیان طویل وقفہ آجانے سے تیمّم باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات تیمّم اور نماز کے درمیان موالات کی شرط قرار دیتے ہیں۔ (۱)

تیمّم کا وقت:

اس عنوان پر گفتگو دو ذیلی عنوانات پر ہوگی۔

(۱) وقت اصلی:　　(۲) وقت مستحب

وقت اصلی:

تیمّم تمام اوقات میں جس وقت کوئی چاہے کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت آنے کے بعد اور آنے سے قبل دونوں اوقات میں تیمّم جائز ہے، یہ ہمارے ائمہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمّم فقط نماز کا وقت آنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس سے

۱۔　الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص ۴۰۴۔۴۰۵

قبل نہیں ۔ یہ اختلاف ایک اصولی بحث پر مبنی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ تیمم آیا بدل مطلق (مطلق نعم البدل) ہے یا بدل ضروری (وقتی نعم البدل) ہمارے نزدیک تیمم بدل مطلق ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بدل ضروری ہے ۔ ہم بدل مطلق اور بدل ضروری کی تعریف اور دونوں مسالک کی دلیل تیمم کی حیثیت کے تحت بیان کریں گے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

۲۔ وقت مستحب:

ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ تیمم کے مستحب وقت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر مثلاً مسافر کو یہ امید ہو کہ نماز کا آخری وقت آنے تک کہیں نہ کہیں سے پانی مل جائے گا ۔ تو اسے چاہیے کہ تیمم کرنا نماز کے آخری وقت تک موخر کردے اور اگر اسے نماز کا آخری وقت آنے تک پانی ملنے کی امید نہ ہو تو پھر تیمم کو موخر نہ کرے المعلی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ اگر اسے نماز کے آخری وقت کے آنے تک پانی ملنے کی توقع ہو تو تیمم کو اتنا موخر کردے کہ اگر اس کو پانی نہ ملے، تو وہ تیمم کر کے مستحب وقت میں نماز ادا کر سکتا ہو ۔ اور اگر اسے پانی ملنے کی توقع نہ ہو ۔ تو پھر تیمم کو موخر نہ کرے ۔ بلکہ تیمم کر کے مستحب وقت میں نماز ادا کرے الاصل میں (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے) ذکر کیا ہے کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ مسافر نماز کو آخری وقت تک موخر کردے، اس جگہ پانی ملنے کی امید اور عدم امید میں کوئی فرق نہیں کیا گیا جس سے ان تینوں ائمہ میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا ۔ بلکہ یہ واضح ہوتا ہے کہ الاصل میں جو روایت مطلق چھوڑ دی گئی تھی المعلی کی روایت سے اس کی تشریح ہوتی ہے ۔ اور یہی تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے ۔ جس میں ابن شہاب الزہری، حسن بصری اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ جیسے تابعی شامل ہیں ۔ ان سب حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اگر پانی ملنے کی امید ہو تو وہ نماز کو آخری وقت تک موخر کردے ۔ تابعین کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ جب تک اسے آخری وقت میں پانی دستیاب ہونے کا پختہ یقین نہ ہو ۔ اس وقت تک وہ نماز کو موخر نہ کرے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے ۔ جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسافر وقتِ نماز کے وسط میں تیمم کر کے نماز ادا کر لے ۔ ان مسالک میں سے سب سے صحیح مسلک ہمارا (حنفی) ہے ۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک جنبی حالت جنابت والے مسافر کو فرمایا کہ وہ نماز کے آخری وقت تک انتظار کرے ،'' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کی مخالفت مروی نہیں ہے ۔ اس لیے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک طرح سے اجماع ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کے ساتھ طہارت کر کے نماز ادا کرنا افضل ہے کیونکہ یہ اصلی طہارت ہے جب کہ تیمم اس طہارت کا نعم البدل ہے علاوہ ازیں پانی کے ساتھ طہارت حقیقی بھی ہے اور حکمی بھی، جب کہ تیمم محض حکمی طہارت ہے، حقیقی نہیں، تو اگر اسے نماز کے آخری وقت تک پانی ملنے کی توقع ہو تو اس تاخیر کی حکمت نماز کو دونوں طہارتوں میں سے مکمل کریں طہارت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی خواہش ہے لہذا یہ تاخیر مستحب ہوگی ۔ اور اگر اسے پانی ملنے کی توقع نہ ہو، پھر وہ نماز کو موخر نہ کرے، اس لیے کہ اندریں صورت نماز کو موخر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ اور اگر اس نے اول وقت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر اسے معلوم ہوا کہ پانی اس سے ایک میل سے بھی کم فاصلے پر موجود ہے ۔ تو بلا کسی اختلاف کے، اس کی نماز جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ اس صورت میں پانی پر قدرت رکھنے والا (واجد الماء) ہے اور اگر اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو

خواہ یہ بات ممکن ہو کہ وہ اسی نماز کے وقت میں وہاں پہنچ کر وضو کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے تب بھی اس کی نماز جائز ہوگی۔ البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ اور اگر اسے پانی کے قریب یا دور ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی نماز ہمارے نزدیک جائز ہوگی۔ خواہ اس نے نماز پانی تلاش کرنے کے بعد پڑھی ہو۔ یا اس سے قبل ادا کی ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ وہ یہ ہے کہ پانی کی غیر موجودگی بظاہر پوری طرح واضح ہے، اور چونکہ اس کی موجودگی کے احتمال پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا محض احتمال ظاہراً ثابت دلیل کا معارضہ نہیں کرسکتا۔

اور اگر اسے نماز کے آخری وقت میں یہ بتایا گیا کہ پانی قریب ہی ایک میل سے کم فاصلے پر موجود ہے۔ لیکن نماز کا وقت اتنا تنگ ہو گیا ہو کہ اسے اندیشہ ہو کہ اگر وہ تیمّم کرنے کے لیے متعلقہ جگہ گیا، تو اس کی نماز قضا ہو جائے گی۔ تو تب بھی اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ وہ وہاں جائے اور وضو کر کے نماز کو قضا کرے۔ یہ ہمارے تین ائمہ کا مسلک ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا تیمّم جائز ہوگا۔ کیونکہ ہمارے تین ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل اعتبار نماز کے وقت کے بجائے پانی کے قریب و بعد کا ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک اعتبار نماز کے وقت کا ہوتا ہے، پانی کے قرب و بعد کا نہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ تیمّم کی شریعت نے اسی لیے اجازت دی ہے تاکہ بوقت ضرورت نماز کو ٹھیک وقت پر ادا کیا جا سکے، لہٰذا اصل اعتبار وقت ہی کا ہے اس لیے وہ زیرِ نظر صورت میں تیمّم کرلے، تاکہ اس کی نماز کا وقت قضاء نہ ہو جائے، جیسا کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز پڑھنے کے متعلق تیمّم کی اجازت ہے۔ ہمارے موقف یہ ہے کہ نماز بالکل فوت نہیں ہوتی بلکہ اس کا نعم البدل قضاء موجود رہتی ہے۔ اور اگر کسی شی کا نعم البدل موجود ہو تو ہم خود اس شے کو موجود خیال کر سکتے ہیں۔ بخلاف نماز جنازہ اور عیدین کے۔ کیونکہ یہ دونوں نمازیں بالکل فوت ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اپنی جگہ اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ لہٰذا وہاں ان دونوں نمازوں کے فوت ہونے کے اندیشہ کی بنا پر تیمّم کرنا جائز ہے۔ واللہ علم (۱)

تیمّم کی حیثیت:

اور جہاں تک تیمّم کی صفت (حیثیت) کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ ایک نعم البدل طہارت ہے، اس لیے کہ اس کا جواز پانی کی عدم دستیابی کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ میں اس کے نعم البدل ہونے کی حیثیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں ایک اختلاف تو ہمارے آئمہ اور دوسرے اہل مسالک میں ہے اور دوسرا اختلاف خود ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر آئمہ کے مابین اختلاف یہ ہے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمّم بدل مطلق (مطلق نعم البدل) ہے بدل ضرور ہے (وقتی نعم البدل) نہیں ہے۔ انہوں نے اس کے لیے یہ عنوان اختیار کیا ہے کہ تیمّم کی وجہ سے حالت حدث اداشدہ نماز کے حق میں پانی کی دستیابی تک مرفوع ہو جاتی ہے، اس حالتِ حدث کے قیام کے باوجود نماز کی اجازت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمّم بدل ضروری (وقتی نعم البدل) ہے انہوں نے اس کے لیے یہ عنوان تجویز کیا ہے کہ حقیقۃً حدث ہونے کے باوجود اسے نماز پڑھنے کی اجازت محض ضرورت

۱۔　بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۱، ص: ۲۲۷۔۲۲۹

کے تحت ہے۔ جیسے کہ مستحاضہ کی وقتی طہارت تسلیم کی گئی ہے۔ اس اصول کی صحت کے لیے ان کی دلیل یہ ہے کہ تیمم حدث (ناپاکی) کو دور نہیں کرتا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ پانی کو دیکھ لے تو اسے دیکھتے ہی اس کی حالت حدث اور حالت جنابت دوبارہ عود کر آئیگی حالانکہ پانی دیکھنے سے کوئی حدث لازم نہیں آتا۔ تو اس سے پتہ چلا کہ اصل میں تیمم سے حدث کی حالت دور نہیں ہوتی۔ لیکن حدث کے قائم ہونے کے باوجود اسے نماز پڑھنے کی اجازت محض مجبوری کے تحت دی گئی ہے جیسا کہ مستحاضہ کے سلسلے میں ہے۔ ہمارا استدلال اس روایت سے ہے جو آنحضرت محمد ﷺ سے مروی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

التیمم و ضوء المسلم ولوالی عشر حجج مالم یجدالماء اولم یحدث تیمم مسلمان کا وضو ہے خواہ اس کو سال تک کرنا پڑے تاوقتیکہ اسے پانی نہ ملے یا حدث لاحق نہ ہو۔

تو آنحضرت محمد ﷺ نے تیمم کو وضو قرار دیا اور وضو حدث کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے۔ ''جعلت لی الارض مسجد ا وطھورا'' میرے لیے ساری زمین کو جائے نماز اور طہور (ذریعہ طہارت) بنا دیا ہے۔

اور طہور مطہر (طہارت کرنے والے کو) کہتے ہیں۔ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ تیمم سے حدث زائل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کا ازالہ پانی کی دستیابی تک محدود (Limited) ہوتا ہے پھر جب پانی مل جاتا ہے تو اس کی سابقہ ناپاکی دوبارہ عود کر آتی ہے لیکن ماضی کے حق میں نہیں بلکہ مستقبل کے حق میں۔ لہذا اس کا اثر ادا شدہ نماز کے حق میں ظاہر نہ ہوگا۔ اسی اصول پر وقت آنے سے قبل تیمم کرنے کا مسئلہ بھی مبنی ہے کہ ہمارے نزدیک جائز اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اس لیے کہ تیمم پانی کی عدم دستیابی کے وقت اس کا بدل مطلق ہے لہذا وقت آنے سے قبل بھی جائز ہے۔ اور وقت ہونے کے بعد اور چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم بدل ضروری ہے (وقتی نعم البدل) ہے لہذا اس کی اجازت صرف ضرورت کے ساتھ مشروط ہے اور ہمارے وقت سے پہلے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی اصول پر مسئلہ بھی مبنی ہے کہ ہمارے نزدیک ایک وقت میں کیے گئے تیمم کے ساتھ وہ جتنے چاہے فرائض پڑھے یا نوافل ادا کرے تاوقتیکہ پانی دستیاب نہ ہو جائے، یا اس تیمم خطا نہ ہو جائے۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم کے ساتھ ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ادا نہیں کیا جاسکتا البتہ اگر وہ دوسری نماز کے لیے مستقل تیمم کرلے تو جائز ہے لیکن ان کے نزدیک تیمم سے نوافل جتنے وہ چاہے ادا کرسکتا ہے اس لیے کہ وہ فرض نماز کے تابع ہیں۔ اور تابع میں اثبات حکم کے لیے علیحدہ علت (سبب) یا علیحدہ شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ کسی اصل کے لیے حکم کی موجودگی اس کے تابع کے لیے بھی اثبات حکم کے لیے کافی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستحاضہ کی طہارت میں خود بھی یہی مسلک ہے اس اختلاف پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ اگر کسی نے نفل نماز کے لیے تیمم کیا تو ہمارے نزدیک اس سے فرض اور نفل دونوں طرح کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے فرض نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نوافل تابع ہیں اور تابع اپنی اصل شے کی متبوع نہیں بن سکتی۔ اسی بنا پر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محض نفل نماز کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بوقت ضرورت کی طہارت ہے اور ضرورت فرائض کے سلسلے میں پیش آتی ہے، نوافل کے سلسلے میں نہیں ہمارے نزدیک تیمم سے ہر قسم کی نماز جائز ہے۔ کیونکہ پانی کی عدم دستیابی کے وقت یہ ایک مکمل طہارت ہے علاوہ ازیں اس لیے بھی کہ نفل نماز ادا کرنے کی صورت میں گو

اسے اپنے اوپر سے فرض ساقط کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اسے ثواب جمع کرنے کی بہرحال حاجت ہے اور ثواب جمع کرنے کی حاجت بھی قابل اعتبار ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی حصول طہارت جائز ہوگا۔ جیسا کہ مستحاضہ کی طہارت نماز کے لیے بغیر کسی اختلاف کے درست قرار دی جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی اس کی اجازت ہے۔

ب: ہمارے آئمہ کرام کے مابین اختلاف:

ہمارے ائمہ کرام کے درمیان تیمّم کے نعم البدل ہونے کی کیفیت میں جو اختلاف ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو مسئلہ ہے کہ مٹی پانی کی عدم دستیابی کے وقت اس کا نعم البدل ہے تو آیا یہ نعیم البدل ہونا مٹی اور پانی کے درمیان ہے اور یا تیمّم اور وضو کے مابین تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مٹی پانی کی عدم موجودگی میں اس کا نعم البدل (جانشین) ہے اور بدلیت مٹی اور پانی کے مابین ہے۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمّم وضو کی عدم موجودگی میں اس کا نعم البدل ہے اور بدلیت تیمّم اور وضو کے مابین ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصول کی صحت کے لیے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ فرمان نبوی ہے۔ ''التیمم وضوء المسلم تیمّم مسلمان کا وضو ہے۔ کہ اس حدیث نبوی میں تیمّم کو وضو قرار دیا گیا ہے نہ کہ مٹی کو جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قرآن وسنۃ دونوں سے استشہاد کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے اس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' فلم تجدو اماء فتیمموا صعیدا طیبا پس اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو کہ اس آیت میں پاک مٹی کو پانی کی عدم موجودگی میں اس کا نعم البدل مقرر کیا گیا اور سنت سے اس طرح کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اتراب طھورا لمسلم مٹی مسلمان کے لیے طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ نیز فرمایا جعلت الارض مسجدا و طھورا '' کہ ساری زمین میرے لیے جائے نماز (مسجد) اور طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔ اسی اختلاف پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ اگر کوئی تیمّم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کرائے تو اگر وضو کرنے والوں کے پاس فالتو پانی موجود نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی نماز جائز ہوگی، لیکن اگر ان کے پاس پانی موجود ہے تو ان کی نماز درست نہ ہوگی۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواہ ان کے پاس پانی ہو، یا نہ ہو بہر صورت تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی نماز درست نہ ہوگی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواہ ان کے پاس پانی ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اقتدا جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی بنیاد اس بات پر ہے کہ چونکہ تیمّم اور وضو کے درمیان ''بدلیت'' ہے۔ تو مقتدی چونکہ وضو کرنے والے ہیں لہٰذا ان کے حق میں امام کی طہارت (تیمّم) نہ ہوگی۔ اس لیے کہ مقتدی اصل طہارت کے حامل ہیں اور امام وقتی طہارت کا۔ تو گویا ان کی حالت یہ ہوگئی کہ طہارت کرنے والے نے کسی ایسے شخص کی اقتدا کر لی ہے جو طہارت کے بغیر ہے۔ بنابریں اس کی اقتداء درست نہ ہوگی جیسے کہ صحت مند شخص کی اقتداء اس شخص کے پیچھے جس کے زخم سے خون رواں ہو درست نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس امام کی طہارت مقتدی کے حق میں طہارت نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس کے حق میں قابل اعتبار نہ ہوگی۔ تو اسی طرح یہاں بھی اقتداء درست نہ ہوگی اور چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مٹی اور پانی کے درمیان ''بدلیت'' پائی ہے لہٰذا ان کی اقتداء درست ہوگی جیسے کہ اعضاء کو دھونے

والے اعضاء پر مسح کرنیوالے کے پیچھے اقتداء درست ہوتی ہے۔ بخلاف بہنے والے زخم کے حامل شخص کے کیونکہ اس کی طہارت کسی تندرست شخص کے حق میں معتبر نہ ہوگی۔ اور اگر ان کے پاس پانی موجود ہو تو مقتدیوں کے حق میں اقتدائے امام کی شرط فوت ہو جائے گی، کیونکہ مقتدیوں کے حق مین مٹی طہارت کا ذریعہ رہے گی۔ یوں امام کی طہارت ان کے حق میں طہارت نہ ہوگی جس کی بنا پر ان کے لیے امام کی اقتداء درست نہ ہوگی۔

اسی اختلاف پر یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کرا رہا ہو اور ان کے پاس پانی بھی موجود نہ ہو۔ پھر مقتدیوں میں سے کوئی ایک شخص پانی کو دیکھ لے اور اس کا امام اور دوسرے مقتدیوں کو پتہ نہ چلے، تا آنکہ وہ نماز سے فارغ ہو جائیں تو پانی دیکھنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی نماز باطل نہ ہوگی۔ یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اس لیے کہ وہ ذاتی طور پر وضو کا حامل ہے، لہذا اس کا پانی کو دیکھنا، اس کی نماز کے فساد کا باعث نہیں بن سکتا۔ اس کی نماز تو فقط اس وقت فاسد ہو سکتی ہے، جب امام کی نماز فاسد ہو جو زیر نظر صورت میں فاسد نہیں ہے۔

ہمارا استدلال یہ ہے کہ امام کی طہارت اس کے حق میں کالعدم ہوگئی۔ اس لیے کہ وہ پانی پر قدرت رکھنے والا ہو گیا ہے اور چونکہ پانی اصل ہے لہذا اصل کی موجودگی میں اس کا قائم مقام برقرار نہیں رہ سکتا۔ تو گویا اسے پانی دیکھ کر امام کی نماز کے فاسد ہونے کا گمان ہو جائے تو اس کی اپنی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ان پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور امام کی تحری ایک جانب اور مقتدی کی تحری دوسری جانب ہو، جب کہ مقتدی کو یقین ہو کہ امام غلط طرف منہ کر کے نماز ادا کر رہا ہے تو اس کی اقتداء درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اس صورت کا بھی یہی حکم ہے۔

آخر میں پھر ہم دوبارہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت نہ کرائے۔ اور نہ کوئی قیدی آزاد لوگوں کی امام کرائے اور یہ اس بارے میں نص صریح ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس روایت سے ہے جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں امیر نامزد فرمایا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی گئی ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا مسلک ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ اور جب کہ کوئی مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مختلف فیہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک کا قول دوسرے صحابی کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں اس روایت میں لا یوم (امامت نہ کرائے) کے الفاظ ہیں یہ نہیں کہ اگر کسی نے امامت کرائی تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کی مملوکہ جگہ میں امامت نہ کرائے، لیکن اگر کسی نے امامت کرائی تو جائز ہوگی۔ اسی طرح اس صورت کا بھی یہی حکم ہے۔ (۱)

۱۔　بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص: ۲۲۹۔۲۴۳

وضواور غسل دونوں کے لیے تیمّم کا جواز:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

حدث اصغراور حدث اکبر دونوں کے لیے تیمم کا جواز:

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حدث اصغر (بے وضوء ہونا) کے لیے تیمّم جائز ہے، اسی طرح تمام زمانوں کے فقہاء اوران سے پہلے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی حائض اور نفاس والی عورت کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے اور متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہوا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے۔ اسی کی مثل امام ابرہیم نخعی تابعی سے منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا۔ اور جنبی کے لیے تیمّم کے جواز میں احادیث صحیحہ مشہور وارد ہیں۔

جنبی تیمّم کر کے نماز پڑھے تو نماز کے اعادہ کی تفصیل:

جب جنبی تیمّم کر کے نماز پڑھے پھر اس کو پانی مل جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے، سوا اس کے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان امام تابعی نے کہا ہے کہ اس پر غسل لازم نہیں ہے۔ اور اس مذہب کے متروک ہونے پر متقدین اور متاخرین کا اجماع ہے اور احادیث مشہورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو حکم دیا ہے کہ جب اسے پانی مل جائے تو وہ غسل کرے واللہ اعلم۔ مسافر اور شہری کو جب پانی نہ ملے تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے۔ وہ اپنی شرم گاہوں کو دھولیں اور نماز پڑھیں اور ان کے لیے تیمّم کرنا کافی ہے اور جب انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو دھولیا ہے تو ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اگر انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو نہیں دھویا ہے تو ان پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس نہیں ہے تو پھر ان پر نماز کا اعادہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جماع کے بعد جو فرج سے رطوبت نکلتی ہے وہ قطعی طور پر نجس ہے اس لیے ان پر مطلقاً نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کا فقہاء شافعیہ کے برعکس تیمّم میں: کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں پر مسح کو صحیح قرار دینا:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے: اس حدیث سے ضرب کی صورت تعلیم دینا مراد ہے۔ یعنی کس طرح زمین پر ہاتھ مارا جائے اور پورا تیمّم کس کیفیت سے کیا جائے یہ مراد نہیں ہے لیکن اس پر یہ رد کیا گیا۔ کہ اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ پورا تیمّم کس طرح کیا جائے کیونکہ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرو اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جس طرح وضوء پوری کلائیوں کو دھونا فرض ہے اسی طرح تیمّم میں بھی پوری کلائیوں پر مسح کرنا فرض ہے تو یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا ہے اور یہ فاسد الاعتبار ہے۔ (۲)

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱ ص: ۸۶۶۔۸۶۷

۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص: ۱۶

امام ترمذی کا کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو بعض اہل علم کے حوالے سے ضعیف قرار دینا:

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد تیمّم میں ضرب کی صورت کی تعلیم دینا ہے۔ نہ کہ اس حدیث میں پورے تیمّم کی تعلیم دینا مراد ہے کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے کہا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث تیمّم میں حجت کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تیمّم صرف ہتھیلیوں پر مسح ہے یا صرف پہنچوں تک ہے یا صرف کہنیوں تک ہے یا صرف کندھوں تک ہے یا صرف بغلوں تک ہے۔ جیسا کہ اہل علم کی ایک جماعت ان میں سے ہر ایک احتمال کی طرف گئی ہے اس وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں ہے: تیمّم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تیمّم میں کندھوں اور بغلوں تک کے مسح کرنے کی روایت ہے۔ (۱)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں::: صحیح بخاری کی حدیث مذکور سنن ترمذی: ۱۴۴ پر ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

بعض اہل علم نے کہا ہے جن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر ابراہیم نخعی اور حسن بصری ہیں کہ تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے ہے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن المبارک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ (اور امام ابوحنیفہ، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆ اور حضرت عمار بن یاسر سے یہ حدیث: تیمّم چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہے دیگر اسانید سے بھی مروی ہے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمّم میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی بھی حدیث مروی ہے۔ پس بعض اہل علم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کہ تیمّم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنا بھی مروی ہے۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر، مسح کی حدیث اس لیے ضعیف اور مرجوح ہے کہ یہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے: تیمّم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب سے چہرے پر مسح ہے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح ہے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور مجتہدین جس حدیث سے استدلال کریں وہ اس حدیث کی صحت پر دلیل ہوتی ہے حیرت ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف اس حدیث کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔ جس میں ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کا ذکر ہے حالانکہ وہ حدیث مضطرب اور ضعیف ہے اب ہم اس حدیث کے خلاف فقہاء شافعیہ کے دلائل ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص: ۳۴

۲۔ سنن ترمذی: ۸۱

امام شافعی اور فقہاء شافعیہ کا ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو رد کرنا اور اس کو اجماع مسلمین کے خلاف قرار دینا:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا کہ تیمّم میں زمین پر ایک ہاتھ مارا جائے اور اس سے چہرے پر مسح کیا جائے۔ پھر دوسری بار ہاتھ زمین پر مارا جائے اور اس سے کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح کیا جائے۔(۱)

الماوردی نے کہا: یہی صحیح ہے کہ تیمّم میں چہرے اور کلائیوں پر مسح ہے اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ تیمّم میں دو ضربوں سے کم کافی نہیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے کیونکہ حدیث میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمّم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۳)

الماوردی کہتے ہیں جب ثابت ہو گیا کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں تو دو ضربوں سے کم تیمّم میں کفایت نہیں کریں گے۔(۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی الشافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں چار اعضاء کی طہارت کو واجب کیا ہے پھر آیت وضوء کے آخر میں تیمّم میں دو اعضاء کی طہارت کو ساقط کر دیا پس تیمّم میں وہ دو اعضاء باقی رہے جن کا وضو میں ذکر کیا ہے۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ تیمّم میں چہرے اور ہاتھوں پر پورا پورا مسح کیا جاتا ہے۔ اور امام بیہقی نے بھی بیان کیا ہے۔ کہ امام شافعی نے کہا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی چہرے اور ہتھیلیوں پر ایک ضرب مسح کی جو روایت ہے ہم نے اس پر عمل کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضربوں سے چہرے اور کلائیوں پر مسح کیا ہے اور یہ حدیث قرآن مجید کے زیادہ مشابہ ہے اور اس کے بہت شواہد ہیں۔(۵)

اس کے بعد علامہ نووی نے تفصیل کے ساتھ ان کے شواہد کا ذکر کیا ہے۔(۶)

علامہ نووی شافعی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر کا چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو اختیار کرنا نہ صرف جمہور کے خلاف ہے بلکہ یہ قول مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے اور اپنے امام سے انحراف ہے۔

۱۔ مختصر المزنی ص۶ ۲۔ سنن دارقطنی :۶۷۳، المستدرک، ج۱ ص:۱۷۹ ۳۔ سنن دارقطنی :۶۷۹، المستدرک، ج۱ ص:۱۸۰

۴۔ الحاوی الکبیر، ج۱ ص۲۹۹۔۲۹۸ ۵۔ معرفۃ السنن والآثار، ج۱ ص:۲۹۲

۶۔ شرح المہذب، ج۳ ص۲۰۸

حدثنا مسلم قال حدثنا شعبة عن الحكم عن ذر عن ابن عبدالرحمن عن عبد الرحمن قال شهدت عمر قال له عمار وساق الحديث " امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی ازحکم از ذر از ابن عبدالرحمان از عبدالرحمٰن انہوں نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس کے تھا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، اور پھر حدیث بیان کی۔

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبة عن الحكم عن ذر عن ابن عبد الرحمن بن ابزى عن ابيه قال قال عمار فضرب النبى ﷺ بيده الارض فمسح و جهه و كفيه "

''امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: غندر نے حدیث بیان کی ہے عبدالرحمٰن بن ابزی از والد خود انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔

تیمّم کے متعلق حضرت عمار کی مضطرب روایات:

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے سفر میں تیمّم کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہنیوں تک مسح کرے۔(۱)

عبیداللہ بن عبداللہ از والد خود از حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کندھوں تک تیمم کیا ہے۔(۲)

حضرت عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی رخصت نازل کی تو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کے باطن سے بغلوں تک مسح کیا: (۳)

ابوموسیٰ اور ابن زبیر نے حضرت زبیر نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ان کے چہرے اور کلائیوں تک لوٹا دیا۔(۴)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی ہے آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مٹی کی طرف مارا پھر اس پر پھونک مار یا ور اپنے چہرے پر اور ہاتھوں کے جوڑ تک مسح کیا

۱۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۵، السنن الکبریٰ، ج ۱، ص: ۲۱۰، سنن ابوداؤد: ۳۲۸، البحر الزخار مسند البزار: ۱۳۹۰، ج ۴، ص ۲۲۸

۲۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۱۷، السنن الکبریٰ، ج ۱، ص: ۲۰۵۔۲۰۴، سنن ابن ماجہ: ۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۰، شرح السنۃ، ج ۲، ص: ۱۰۴

۳۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۰، السنن الکبریٰ، ج ۱، ص: ۲۰۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۰

۴۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۷

اوراس میں کلائیوں کا ذکر نہیں ہے۔(۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی تھا پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھران پر پھونک ماری پھران کے ساتھ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر نصف کلائیوں تک مسح کیا۔(۲)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر کہنیوں تک کلائیوں تک مسح کیا۔(۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے ساتھ تھا حتیٰ کہ یہ رخصت نازل ہوگئی۔ کہ جب ہمیں پانی نہ ملے تو ہم مٹی سے تیمم کرلیں پس ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم ایک بار چہرے کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں۔ (۴) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی یہی وہ حدیث ہے جو قابل عمل ہے اور دوسری احادیث صحیحہ کے موافق ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام،شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اگر یہ حدیث امام بخاری کے معیار پر پوری نہیں تو کوئی حرج نہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معیار پر پوری ہے اور انہوں نے اس سے اس وقت استدلال کیا جب امام بخاری پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی سند میں کوئی ایسا راوی آگیا ہو جس کی وجہ سے یہ حدیث امام بخاری کے معیار سے گرگئی ہو، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ،اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری پر مقدم ہیں سو جس سند سے ان کو یہ حدیث پہنچی اس میں وہ راوی نہ تھا، لہٰذا امام بخاری کے معیار پر پوری نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث فی نفسہٖ صحیح نہ ہو حافظ ابن حجر عسقلانی اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے امام بخاری کی تائید میں اس حدیث کو فاسد الاعتبار قرار دیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمم کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلیوں پر مسح کے لیے فرمایا اور ہاتھوں کے جوڑ یعنی پہنچوں تک مسح کے لیے فرمایا اور نصف کلائیوں تک مسح کے لیے فرمایا، اور کہنیوں تک مسح کے لیے فرمایا اور آپ نے اور مسلمانوں نے کندھوں تک مسح کیا اور بغلوں تک مسح کیا اور دو ضربوں کے ساتھ چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا، سو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اتنا شدید اضطراب ہے اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہوتی پھر حافظ ابن حجر کا اس مضطرب حدیث کی صحت پر اصرار کرنا اور اس کو ترجیح دینا سخت باعث حیرت ہے جب کہ جمہور فقہاء نے اس مضطرب روایت کو مسترد کردیا ہے۔(۵)

۱۔ معرفۃ السنن والآثار:۳۲۳، سنن ابوداؤد:۳۲۶، صحیح ابن خزیمہ:۲۷۰، السنن الکبریٰ، ج۱،ص:۲۰۹

۲۔ سنن ابوداؤد:۳۲۳۔۳۲۲، منصف عبدالرزاق:۹۱۵　　۳۔ سنن ابوداؤد:۳۲۵

۴۔ البحر الزخار مسند البزار:۱۳۸۴، ج۴،ص۲۲۱، مسند ابویعلیٰ:۱۶۳۰　　۵۔ نعمۃ الباری، ج۱،ص:۸۶۹۔۸۷۲

خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال حسب ذیل ہے:

۱۔ حالت سفر میں تیمم کرنا جائز ہے۔

۲۔ جنبی ہونیکی حالت میں تیمم جائز ہے۔

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کرنے کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

۴۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔

۵۔ تیمم میں مسح کرتے وقت ہاتھوں کی حد کیا ہے اس بارے میں احادیث مختلف ہیں، بعض میں صرف کلائیوں تک کا ذکر ہے، بعض میں کہنیوں تک کا ذکر ہے، بعض میں کندھوں تک کا ذکر ہے۔

حدیث الباب کا متناً مضطرب ہونا:

امام نسائی کی ذکر کردہ احادیث مبارکہ نمبر ۳۱۳۔۳۱۹ میں متناً اضطراب ہے اور یہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسح میں ہاتھوں کی تحدید میں اضطراب:

☆ حدیث نمبر ۳۱۳ میں ہاتھوں پر مسح کرنے کی حد کندھے اور بغلیں بیان ہوئی ہیں

☆ حدیث نمبر ۳۱۴ میں صرف کندھوں کا ذکر ہے۔

☆ حدیث نمبر ۳۱۵ میں بازو کے بعض حصہ پر مسح کرنے کا ذکر ہے۔

☆ حدیث نمبر ۳۱۶ میں صرف ہتھیلیوں پر مسح کرنا کا بیان ہے۔

☆ حدیث نمبر ۳۱۷ میں صرف چہرے پر مسح کرنے کا ذکر ہے۔

☆ حدیث نمبر ۳۱۸ میں ہتھیلیوں، کہنیوں اور بازوں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔

فقہاء احناف کے موقف کی تقویت:

فقہاء احناف کے نزدیک حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت میں شدید اضطراب ہے اس لیے اسے متدل بنانا صحیح نہیں ہے، بلکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس بارے میں واضح ہے، امام دار قطنی، امام حاکم، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب کلائیوں پر کہنیوں تک کے لیے ہے۔

اس روایت کے تمام رجال ثقہ کے ہیں (۱)

تیمّم کا طریقہ:

۱۔ فقہاء احناف اور شوافع کے نزدیک تیمّم میں ہاتھ دو دفعہ مارے جائیں گے۔ پہلی دفعہ چہرہ کا مسح اور دوسری دفعہ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے گا۔

۲۔ علماء مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تیمّم میں واجب ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا اور پھر ایک ہی دفعہ چہرہ اور ہاتھوں کا کلائیوں تک مسح کرنا ہے۔

شرائط تیمّم:

تیمّم کی شرائط احناف کے نزدیک آٹھ، شوافع کے ہاں دس، مالکیہ اور حنابلہ کے مطابق دو دو ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سفر میں پانی کا نہ ہونا　　　۲۔ بیمار ہونا

۳۔ مقیم کے لیے پانی کا نہ ہونا　　　۴۔ پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا

۵۔ پانی لینے میں خطرہ۔　　　۶۔ پانی کے ختم ہونے سے پینے کے لیے نہ ہونا

۷۔ پانی لینے کی صورت میں نماز کے وقت کا نکلنا　　　۸۔ سردی سے موت کا اندیشہ ہونا

۹۔ مرض لگنے یا بڑھنے کا موقف　　　۱۰۔ پانی زیادہ قیمت پر ملتا ہو

مالکیہ کے ہاں دو شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ تیمّم وقت داخل ہونے کے بعد

۲۔ پانی کا تلاش کرنا

علماء حنابلہ کے نزدیک دو شرطیں ہیں:

۱۔ فرض نماز کا وقت کا داخل ہونا۔

۲۔ پانی کے استعمال سے عاجز ہونا۔

☆ علماء احناف کے نزدیک تیمّم کے ذریعے طہارت ضرورت کے تحت ہے، اس لیے اس میں نیت کا ہونا شرط ہے۔

☆ تیمّم میں نیت پاکی حاصل کرنے یا نماز کے مباح ہونے کی ہوگی۔

☆ تیمّم تمام اوقات میں کرنا جائز ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ نماز کے آخری وقت میں تیمّم کرے، بشرطیکہ پانی ملنے کی امید ہو۔

☆ تیمّم بدل مطلق یعنی نعم البدل مطلق ہے، وقتی نعم البدل نہیں ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مٹی پانی کی عدم موجودگی میں اس کا نعم البدل ہے، جبکہ امام محمد کے نزدیک تیمّم وضو کی

۱۔ دار قطنی: ۶۷۹، مستدرک حاکم، ج۱، ص: ۱۸۰، السنن الکبریٰ بیہقی، ج۱، ص: ۲۰۷

عدم موجودگی میں اس کا نعم البدل ہے۔اس شخص کے نزدیک نعم البدل مٹی اور پانی کے درمیان ہے اور امام محمد کے نزدیک نعم البدل تیمم اور وضو کے درمیان ہے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ بِالصَّعِيدِ

باب نمبر ۲۰۳: مٹی اور جنس زمین کی دیگر اشیاء سے تیمّم کرنا

مٹی اور جن زمین کی دیگر اشیاء سے تیمم کرنا جائز ہے، جنس زمین کی ان اشیاء کی تعداد امام احمد رضا خان قادری نے ایک سو اکیاسی (۱۸۱) بیان کی ہے پچھلے باب میں جنبی کے لیے تیمّم کرنے کا بیان تھا، اس باب میں مٹی سے تیمّم کرنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ کا استنباط کیا ہے۔

۳۲۰- أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ :سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ :يَا فُلَانُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ . قَالَ :عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ؛ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو الگ بیٹھے ہوئے دیکھا، جس نے صحابہ کرام رضون اللہ علیہم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے اسے پوچھا: اے فلاں شخص! تمھیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ اس نے جواب دیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنبی ہو گیا ہوں، اور میرے پاس پانی نہیں ہے۔آپ نے فرمایا تم مٹی سے فائدہ حاصل کرو، یہ تمہیں کفایت کرنے والی ہے۔

حدیث مذکور کا شان ورود:

حدیث میں مذکور واقعہ ایک سفر کے دوران پیش آیا۔اس کو امام بخاری نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے بیان کرتے ہیں۔

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ بے شک ہم رات میں سفر کر رہے تھے حتی کہ ہم رات کے آخری حصہ میں پہنچے اور لیٹ کر سو گئے۔اور مسافر کے لیے رات کے آخری حصہ میں سونے سے زیادہ اور کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی، پھر ہم کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا۔سب سے پہلا فلاں شخص بیدار ہوا پھر فلاں شخص بیدار ہوا۔ پھر فلاں شخص بیدار ہوا ابورجاء نے ان صحابہ کے نام لیے تھے لیکن عوف بھول گئے ہیں۔پھر چوتھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تھے۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے۔حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوں کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کیفیات طاری ہیں۔پس جب حضرت عمر بیدار

ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آچکی ہے اور وہ بہت ہمت والے مرد تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، پھر وہ مسلسل بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے رہے۔ حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آواز سے بیدار ہو گئے۔

جب آپ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مصیبت کے بارے میں شکایت کی۔ جو انہیں پہنچی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں یا فرمایا: کوئی نقصان نہیں یہاں سے روانہ ہو پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور وضو کے لیے پانی منگایا۔ پھر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے اذان دی گئی پھر آپ لوگوں کو نماز پڑھائی پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص الگ کھڑا تھا اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے فلاں شخص تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اس نے کہا: میں جنبی ہو گیا تھا۔ اور (غسل کے لیے) پانی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پاک مٹی کا قصد کرلو (تیمم کرو) تمہاری طہارت کے لیے کافی ہے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے پھر لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور آپ نے فلاں کو بلایا۔ ابورجاء نے اس کا نام لیا تھا۔ اور عوف بھول گئے ہیں اور حضرت علی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں جاؤ اور پانی کی تلاش کرو پس وہ دونوں گئے ان کو ایک عورت ملی، جس کے اونٹ پر پانی کی دو بڑی مشکیں رکھی ہوئی تھیں، ان دونوں نے اس سے کہا: پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں کل سے اس وقت تک اس کی حفاظت کر رہی ہوں اور ہمارے گھر والے پیچھے ہیں ان دونوں نے کہا: تب تم ہمارے ساتھ چلو اس نے کہا: کہاں تک؟ ان دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس نے کہا: ان کے پاس جن کے متعلق کہا جاتا ہے انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے، انہوں نے کہا ہاں وہی جن کا تم ارادہ کر رہی ہو پس روانہ ہوئے پھر وہ اس کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو سارا واقعہ سنایا، پھر مسلمانوں نے اس عورت کو اس اونٹ سے اتارا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگایا اور ان بڑی مشکوں کا منہ باندھ دیا پھر اس بڑی مشک کے نچلے حصہ کا منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان فرما دیا، خوب پانی پیو اور پلاؤ پھر جس نے جتنا چاہا پیا اور جس نے جتنا چاہا پلایا۔ اور آخر میں اس شخص کو برتن میں پانی دیا گیا جو جنبی تھا آپ نے فرمایا:

جاؤ اور اپنے اوپر پانی بہاؤ اور وہ عورت کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے اور اللہ کی قسم! ان بھری مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں معلوم ہو رہا تھا کہ جب ان مشکوں سے پانی نکالنے کی ابتداء کی گئی تھی۔ ان میں اس بھی زیادہ پانی بھرا ہوا تھا۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے (کھانے کی چیزوں کو) جمع کرو پھر اس کے لیے عجوہ کھجوریں گندم، جو اور ستو وغیرہ جمع کر کے ان کو ایک پوٹلی میں باندھ دیا گیا۔ اور اس کو اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ اور اس پوٹلی کو اس کے سامنے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے۔

پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور وہ اتنی دیر ان سے غائب رہی تھی، اس کے گھر والوں نے کہا: اے فلانہ تم اتنی دیر کہاں رکی رہی تھیں؟ اس نے کہا: بہت تعجب خیز بات ہے مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جس کو صابی (دین بدلنے والا) کہا جاتا ہے۔ اس نے اس طرح اور اس طرح کیا اور اس نے اپنی درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی سے زمین اور آسمان کی طر

ف اشارہ کر کے کہا: وہ اس کے اور اس کے درمیان لوگوں میں سب سے بڑا جادوگر ہے یا پھر وہ ضرور اللہ کا برحق رسول ہے اس کے بعد مسلمان اس کے اردگرد مشرکین پر حملے کرتے تھے۔لیکن اس بستی پر حملے نہیں کرتے تھے۔جس میں وہ عورت رہتی تھی ایک دن اس عورت نے اپنے لوگوں سے کہا:

میرا خیال ہے کہ یہ مسلمان تم لوگوں کو دانستہ چھوڑ رہے ہیں تو کیا تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی رغبت ہے؟ تو ان لوگوں نے اس عورت کی اطاعت کی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا ''صبا'' کا معنی ہے ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا اور ابوالعالیہ نے کہا: الصائبین اہل کتاب کا فرقہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ (۱)

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے، تم مٹی سے فائدہ حاصل کرو یعنی مٹی سے تیمّم کرو۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۳۴۴۔۳۴۸، ۳۴۸۷۔۳۵۷۱، صحیح مسلم: ۶۸۲، دلائل النبوہ للبیہقی، ج ۴، ص ۲۷۹۔۲۷۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۲۰، مسند البزار: ۳۵۸۴، صحیح ابن خزیمہ: ۹۹۷۔۹۸۷۔۲۷۱۔۱۱۳، صحیح ابن ماجہ: ۱۳۰۲۔۱۳۰۱، منصف عبدالرزاق: ۲۰۵۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ص: ۱۵۶۔ج ۱، ص: ۶۷، سنن دارمی: ۷۴۳، المعجم الکبیر: ۲۷۶۔۲۷۷، ج ۱۸، سنن بیہقی، ج ۱، ص: ۳۲ شرالسنۃ: ۳۷۱۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: مسند احمد: ۱۹۸۹۸۔جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۸۳۸۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو حضرت عمران بن ملحان اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

۱۔سوید بن نصر: راجع: ۵۵ ۲۔عبداللہ: راجع: ۲۲۹

۳۔عوف: راجع: ۵۷

۴۔ابورجاء:

آپ کا نام ابورجاء عمران بن ملحان بن تیم عطاردی (م: ۱۰۵ھ) ہے۔آپ مخضرمی ثقہ راوی ہیں۔اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے سنن نسائی میں دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ایک سو بیس سال کی طویل عمر پائی۔ (۲) آپ کے مزید حالات حسب ذیل ہیں:

۱۔ بخاری: ۳۴۴ ۲۔ الجرح والتعدیل، ج ۶، ص: ۳۰۳، الثقات، ج ۵، ص: ۲۱۷

نام ونسب:

ابورجاء اوران کے والد کے نام کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ایک بیان یہ ہے کہ ان کا نام عمران اور والد کا ملحان ہے، دوسرا یہ ہے کہ والد کا نام ہے، تیسرا یہ ہے کہ ان کا نام عطارد ہے اور والد کا نام پرویز ہے۔ان تینوں بیانات میں اکثر ارباب سیر کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے۔حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ابورجاء کنیت ہے اور اسی سے زیادہ مشہور ہیں۔نسبی تعلق قبیلہ تیم سے تھا۔(۱)

اسلام:

ابورجاء نے آنحضرت محمد ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔لیکن اس وقت بالکل نوخیز تھے۔عہد نبوی ﷺ میں عرصہ تک ان کا قبیلہ اسلام سے بھاگتا رہا لیکن پھر آخر میں اسے اسلام کا طوقِ غلامی گردن میں ڈالنا پڑا۔ان واقعات کو خود رجاء کی زبان سے سنو۔

ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں اپنے چشمے "سند" پر اونٹوں کی چرائی پر تھا کہ اطلاع ملی کہ عرب میں ایک شخص مبعوث ہوا ہے جو لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ ان کو قتل کر دیتا ہے۔یہ خبر سن کر ہم لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر بنی سعد کا میدان عبور کر کے بھاگ گئے۔وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس شخص سے بچنے کی سبیل "لاالہ الا اللہ محمد اعبدہ و رسولہ کی شہادت ہے۔جو شخص اس کا اقرار کر لیتا ہے اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے۔یہ معلوم کرنے کے بعد ہم لوگ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔(۲)

یہ فتح کا کارنامہ تھا(۳)۔اگرچہ ابورجاء عہد رسالت ﷺ میں مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن آنحضرت محمد ﷺ کے دیدار اور لقاء کے شرف سے محروم رہے۔

فضل وکمال:

ابورجاء کے زمانے میں بہت سے اصحاب موجود تھے۔اس لیے انہیں حصول کمال پورا موقع ملا حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ من کبار علماء التالجین ۔۔۔۔ کان ثقة ثبتاً عالماً عاملاً۔

قرآن:

قرآن کے ممتاز عالم تھے۔اس کی تعلیم انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھی (۴) ان کی تعلیم نے ان کو قرآن کا عالم بنا دیا۔(۵)

حدیث:

حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عمران بن حسین رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص:۱۰۱　۲۔ طبقات، ص:۱۰۱　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص:۵۷

۴۔ ایضاً　۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص:۱۰۱)۔

روایات ملتی ہیں۔ان سے روایات کرنے والوں میں ایوب، جریر بن حازم عوف الاعرابی، عمران القصیر، مہدی بن میمون، ابوالاشہب، حماد بن نجیح، سعید بن ابی زربیعہ، ابوعثمان اور حسن بن ذکوان وغیرہ لائق ہیں۔(۱)

زہد وعبادت:

زہد وعبادت میں بھی ممتاز تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عبادت گزار اور نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے شیخ تھے۔(۲)۔ رمضان میں تراویح میں قرآن ختم کرتے تھے۔(۳)

امامت:

ان کے زمانہ وفات کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ بعضوں کے نزدیک عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۵ھ میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۷ھ میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۸ھ اور بعضوں کے نزدیک ۱۰۹ھ میں وفات پائی ۱۰۔(یہ تمام اقوال ابن سعد الحفاظ اور تہذیب میں ہیں۔ دیکھو کتب تذکرہ حوالہ بالا) ان کی کم وبیش ایک سوبیس سال کی عمر تھی۔ان کی وفات پر فرزدق شاعر نے یہ شعر کہا: (۴)

الم تران الناس مات كبير
وقد عاش قبل البحث بعث محمد

۵۔عمران بن حصین:

نام اور نسب:

عمران نام، ابو نجید کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عمران بن حصین بن عبید بن خلف بن عبدنہم ابن حذیفہ بن جہمہ بن غاضر بن حبیشہ بن کعب بن عمرو الکعبی۔

اسلام:

عمران سنہ ہجرت کی ابتداء میں مشرف با اسلام ہوئے ان کے ساتھ ان کے باپ اور ان کی بہن بھی اس شرف سے مشرف ہوئیں۔ اسلام لانے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے۔(۵)

غزوات:

گو عمران رضی اللہ عنہ وطن میں رہتے تھے لیکن ذوق جہاد میں غزاوت کے موقع پر مدینہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ فتح مکہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور ان کے قبیلہ کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔(۶)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص: ۱۴۰ ۲۔ تذکرہ الحفاظ، ج ۱، ص: ۵۷ ۳۔ ایضاً
۴۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۴۲۰۔۴۲۱ ۵۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۴۷۱ ۶۔ الاصابہ۔ج ۵، ص: ۲۷

اس کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سریہ میں بھی ہمراہ تھے (۱)

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر برابر مدینہ آتے جاتے رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دل پر اتنا اثر ہوا کہ مدینہ آنا جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی چیز میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے اور گھر بنا کر مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خانہ جنگی کا دروازہ کھلا تو بہت سے صحابی اس میں مبتلا ہو گئے لیکن عمران رضی اللہ عنہ آخر تک اس سے محفوظ رہے۔ (۳)۔ بنی امیہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ زیاد نے خراسان کی گورنری پیش کی عمران رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ دوستوں نے پوچھا اتنا بڑا عہدہ کیوں مسترد کر دیا۔ کہا مجھ کو یہ پسند نہیں کہ میں تو اس کی گرمی میں نماز پڑھوں اور تم لوگ اس کی ٹھنڈک میں۔ مجھ کو خوف ہے کہ جب میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوں اس وقت زیاد کا کوئی ناواجب الطاعہ فرمان پہنچے ایسی حالت میں اگر اس کی تعمیل کروں تو ہلاک ہو جاؤں اور اگر لوٹ آؤں تو گردن ماری جائے۔ (۴)

علالت:

عمران رضی اللہ عنہ کی صحت نہات خراب تھی آخر میں استقاء کا مرض ہو گیا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ داغنے سے فائدہ ہو گا۔ لیکن وہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے داغنے کی ممانعت سن چکے تھے اس لیے رضا مند نہ ہوئے۔ مرض برابر بڑھتا گیا آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ پیٹ میں شگاف ہو گیا لیکن اس حالت میں بھی وہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ احباب نے کہا تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی تمہارے پاس کس طرح آئیں فرمایا نہ آؤ لیکن جو چیز خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کو میں کس طرح پسند نہیں کر سکتا۔ (۵) آخر میں جب تکلیف ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو ابن زیاد کے اصرار سے راضی ہو گئے لیکن سخت نادم و شرمسار تھے۔ (۶) جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو تجہیز و تکفین کے متعلق یہ ہدایت دی کی جنازہ جلدی جلدی لے چلنا یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہ لے چلنا۔ جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا۔ نالہ وشیون نہ کرنا قبر مربع چار بالشت اونچی رکھنا، دفن کر کے واپس ہو کر کھانا کھانا، نالہ وشیون کے روکنے میں اتنی سختی نہ برتی کے اپنے متروکہ مال میں بعض اعزوہ کو وصیت کی تھی۔ اس وصیت میں یہ شرط رکھ دی کہ جو عورت نالہ وشیون کرے گی اس کے متعلق وصیت منسوخ ہو جائے گی۔ (۷)

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۴۳۰ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۵ ۳۔ الاصابہ۔ ج ۵، ص ۲۷)

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۶۶ ۵۔ طبقات ابن سعد۔ ج ۷، اسد الغابہ ج ۴، ص ۱۳۸

۶۔ اصابہ۔ ج، ۵، ص: ۲۷ ۷۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۳۸

وفات:

اسی مرض میں ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔(۱)

اولاد:

لڑکوں میں خلف الصدق تھے باپ کے بعد یہ بصرہ کی مسندِ قضا پر بیٹھے۔(۲)

فضل وکمال:

عمران رضی اللہ عنہ فضل وکمال کے لحاظ سے ممتاز ترین صحابی تھے۔علامہ عبدالبر لکھتے ہیں کان من فضلاء الصحابة و فقهائهم،عمران رضی اللہ عنہ فضلاء اور فقہائے صحابہ میں تھے(۳)۔بصری اصحاب کی ہمعصر جماعت میں کوئی صحابی ان کا ہمصر نہ تھا۔محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ بصری صحابیوں میں کوئی عمران رضی اللہ عنہ سے بلند نہ تھا۔(۴)مشہور صاحب علم تابعی حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ عمران بن حصین سے بہتر آدمی ہمارے یہاں نہیں آیا۔(۵)

حضرت عمران مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے تھے لیکن وقتاً فوقتاً مدینہ جایا کرتے تھے۔اس لیے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کے مواقع بار بار ملتے رہے اس لیے ان کے حافظہ میں اتنی حدیثیں محفوظ تھیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو دنوں تک مسلسل حدیثیں بیان کرتا رہوں اور ان میں ایک بھی مکرر نہ ہو۔(۶) لیکن اس علم کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد (۱۳۰) حدیثوں سے زیادہ نہیں ہے۔(۷) اس کا سبب یہ کہ روایت حدیث میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔اور جب بدرجہ مجبوری اس کی نوبت آتی تو بہت سنبھل کر بیان کرتے کہا کرتے تھے کہ میں حدیث کم بیان کرتا ہوں کہ میں نے بہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اصحاب کو دیکھا ہے جنہوں نے میری طرح آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور میرے ہی برابر حدیثیں سنیں لیکن جب وہ کوئی حدیث بیان کرتے تو الفاظ میں کچھ نہ کچھ ردوبدل ضرور ہو جاتا ہے۔اگر چہ وہ اچھی نیت سے بیان کرتے ہیں،اس لیے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی کی طرح مجھے بھی دھوکا نہ ہو۔(۸) جس درجہ میں حدیث حفظ ہوتی اس کا بھی اظہار کر دیتے۔جس میں حافظ پر کامل اعتماد نہ ہوتا تو کہتے جہاں تک میرا خیال ہے،میں نے صحیح بیان کی اور اگر پورا یقین ہوا تو کہتے یہ حدیث آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بیان فرماتے ہوئے سنا ہے،ان کے تلامذہ میں نجیدہ بن عمران،ابوالاسود ابو رجاء العطاردی،ربعی،ابن خروش،مطرف،یزید،حکم بن اعرج،زہدم جرمی،صفوان بن محرز،عبداللہ بن رباح م،انصاری وغیرہ لائقِ ذکر ہیں(۹)

۱۔ مستدرک حاکم،ج۳،ص۴۷۱　۲۔ طبقات ابن سعد،ج۷،ص۶　۳۔ استیعاب،ج۲،ص:۴۶۸

۴۔ مستدرک،ج۳،ص۴۷۱　۵۔ ایضاً،ص۴۷۲　۶۔ مسند احمد بن حنبل،ج۴،ص۴۳۳

۷۔ تہذیب الکمال،ج۸،ص:۲۹۵　۸۔ مسند احمد بن حنبل،ج۴،ص۴۳۳　۹۔ تہذیب التہذیب،ج۸،ص:۱۲۶

حلقہ درس:

گو حضرت عمران رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بیان کرنے میں بہت محتاط تھے لیکن ان کی اشاعت بھی ضروری فرض تھا اس لیے احتیاط کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیتے تھے اور بصرہ کی مسجد میں حلقہ درس تھا۔ بلال بن سیاف بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو بصرہ جانے کا اتفاق ہوا مسجد میں دیکھا کہ لوگ ایک سپید بزرگ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ ٹیک لگائے ہوئے ان لوگوں کو حدیثیں سنا رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔(۱)

ان کی ذات مرجع خلائق تھی اور بڑے بڑے صحابہ ان کے تفقہ کے قائل تھے ایک مرتبہ کسی نے آکر پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں، ایسی صورت میں وہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ جواب دیا طلاق دینے والا گنہگار رہا لیکن عورت مطلقہ ہوگئی مستفتی مزید تفصیل کے لیے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو عمران رضی اللہ عنہ کا جواب سنایا۔ انہوں نے کہا ہماری جماعت میں ابونجید کے بہت سے ایسے آدمی پیدا کردے۔(۲)

جس راستہ سے گذرتے لوگ مسائل دریافت کرتے ابونضرہ کو نماز سفر کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی اتفاق سے عمران رضی اللہ عنہ ان کی طرف سوار ہو کر گذرے، ابونضرہ نے سواری کی لگام پکڑ لی اور روک کر مسئلہ پوچھا، عمران رضی اللہ عنہ نے مفصل جواب بتایا۔

فضائل واخلاق:

عمران رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی مذہب کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ عبادت میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرے تھے، معاویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب میں تھے جو عبادت میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے۔(۳)

احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی گہری عقیدت اور آپ کا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارکہ پر بیعت کی اس سے عمر بھر پیشاب کا مقام نہیں مس کیا(۴)

پابندی اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

عمل میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر رہتا تھا ابن زیاد نے محصل خراج کا عہدہ پیش کیا اس کو تو قبول کر لیا لیکن جب خراج وصول کر کے واپس ہوئے تو ایک درہم بھی ساتھ نہیں لائے۔ پوچھا گیا کہ خراج کی رقم کا کیا جواب دیا جس طرح سے رسول اللہ کے زمانہ میں وصول ہوتا تھا اس طریقہ سے وصول کیا اور جن مصرفوں میں خرچ ہوتا تھا ان میں صرف کر دیا۔(۵) کہ زیاد کا ہر واجب

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص: ۵　　۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص: ۴۷۲　　۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص: ۴۷۱

۴۔ ایضاً　　۵۔ ایضاً

وناواجب حکم ماننا پڑے گا، ان کے انکار پر حکم بن عمرو غفاری نے قبول کرلیا م عمران ؓ کو معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ پھر انہیں مفید پند ونصائح کیے۔ اور اوامر ونواہی پر کاربند ہونے کی ہدایت کر کے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ خدا کی معصیت میں کسی بندہ کی فرمان برادری نہ کرنی چاہیے۔ (۱)

یعنی زیاد کی اطاعت میں خدا اور رسول ﷺ کے خلاف عمل نہ کرنا۔

عام طور پر لباس بہت سادہ استعمال کرتے تھے لیکن کبھی کبھی تحدیث نعمت اور اظہار تشکر کے لیے بیش قیمت کپڑا بھی زیب تن کر لیتے تھے، ایک مرتبہ خلاف معمول خز کی چادر اوڑھ کر نکلے اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ پر احسان وانعام کرتا ہے تو اس کا ظاہری اثر بھی اس پر ہونا چاہیے۔ (۲)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیاست کے اعتبار سے یہ ایک سو دس ویں (۱۱۰) حدیث مبارکہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی اور باقی سارے بصری ہیں

☆ حضرت ابورجاء اور حضرت عمران بن حصین ؓ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابورجاء نے آقا کریم ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ لیکن زیارت سے مشرف نہ ہو سکے تھے۔

☆ اس لیے مخضرمی راوی کہلاتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا اور سمعت ایک ایک دفعہ، اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

رای رجلا: آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا:　　**معتزلا:** علیحدہ ہوئے الگ تھلگ۔ جدا

لم یصلی: اس نے نماز نہ پڑھی　　**منعك:** تجھے کس چیز نے منع کیا۔

اصابتنی جنابة: مجھے جنابت پہنچی۔ میں ناپاک ہوا　　**ماء:** پانی

علیك بالصعید: تم مٹی کو لازم پکڑو، تم مٹی سے نفع حاصل کرو

۱۔ مسند احمد ابن حنبل۔ ج ۵، ص: ۶۶　　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۴، ص: ۳۹۹۔۴۰۲

۷۔ مسائل ونصائح:

صعید کا معنی ومفہوم:

علامہ جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری لکھتے ہیں۔ امام ابواسحاق نے لکھا ہے کہ صعید روئے زمین کو کہتے ہیں اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ روئے زمین پر مارے اور اس جگہ میں مٹی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ صعید کا معنی مٹی نہیں ہے بلکہ روئے زمین ہے۔ وہ مٹی بھی ہوسکتی ہے اور کچھ چیز بھی ہوسکتی ہے۔(۱)

صعید کی اقسام اور اس سے مسح کرنے کا حکم:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ صعید ہی کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور حکمی۔ حقیقی جنس زمین کا کوئی جز ہے اور حکمی وہ تھیلی ہے جو جنس زمین سے بہ نیت تطہیر مس کی گئی۔ اس لیے شرع مطہر نے ہمیں حکم دیا کہ اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کریں۔ اور ہمیں اس کا طریقہ یہ بتایا کہ اس پر اپنی ہتھیلیوں کو رکھیں پھر ان سے مسح کرلیں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان میں جنس زمین سے کچھ چپک جائے۔ بلکہ ہمارے لیے مسنون یہ ہے کہ اگر کچھ لگ جائے تو ہتھیلیوں کو جھاڑ دیں تا کہ گرد وغبار جھڑ جائے اس سے معلوم ہوا کہ جنسی زمین کا وہ جز ہے جو ہتھیلیوں سے چپک جائے ساقط الاعتبار ہے۔ اس سے بچنا مطلوب ہے۔

تو یہی ہوا کہ نیت کے ساتھ دونوں ہتھیلیاں جب جنس زمین پر رکھ دی جاتی ہیں تو ان دونوں کے اندر جنس زمین تطہیر کی صفت پیدا کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے یہ دونوں اس کے قائم مقام ہوجاتی ہیں اور اسی کے حکم کا افادہ کرتی ہیں۔ اس لیے یہی دونوں صعید حکمی ہیں یہ ہمارے رب تبارک تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے۔ جس کا معنی عقل کی دسترس میں نہیں۔

امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ نے فرمایا تیمم ہر اس چیز سے جائز ہے جو جنس زمین سے ہو۔ ہاتھ اس سے کچھ لگے یا نہ لگے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب تک ہاتھ میں جنس زمین کے اجزا کچھ نہ لگ جائے تو تیمّم جائز نہیں۔ تو ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ صعید کے کسی جز کا استعمال ضروری ہے اور اسی وقت ہوگا جب ہاتھ میں کچھ لگ جائے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ روئے زمین ہاتھوں سے مس ہو اور ان دونوں کو دونوں عضو پر پھیر لیا جائے۔ امام محمد کے قول کی دلیل یہ کہ مامور بہ جنس ارض کا استعمال ہے اور وہ اس طرح ہوگا کہ اس میں سے ہاتھ میں کچھ لگ جائے۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ کہ مامور صرف اتنا ہے کہ صعید سے تیمّم کرو۔ ہاتھ سے چپکنے کی شرط نہیں۔ مامور بہ جب مطلق ہے تو اسے بلا دلیل مقید کرنا، جائز نہیں۔ اور ان کا یہ قول کہ استعمال شرط ہے تسلیم نہیں۔ اس لیے کہ یہ چہرہ کی تغییر وتبدیل کا باعث ہوگا جو مثلہ کے مشابہ اور اہل جہنم کی نشانی ہے اس لیے ہاتھوں کو جھاڑ دینے کا حکم ہے بلکہ شرط یہ ہے روئے زمین پر لگاتے ہوئے ہاتھ کو چہرے اور ہاتھوں سے مس کر دیا جائے بطور یہ حکم کسی ایسی حکمت کی بنا پر ہے جس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اور کافی امام نسفی

۱۔ لسان العرب، ج ۲، ص: ۶۴۴

میں ہے: واجب یہی ہے کہ جو ہتھیلی زمین پر رکھی جا چکی ہے اس سے مسح کر لیا جائے مٹی کا استعمال واجب نہیں ۔ کیونکہ مٹی استعمال مثلہ ہوگا بدائع کے الفاظ پر غور کیا جائے ، قول امام محمد کے بیان میں صعید کے کسی جز کا استعمال اسی طرح ہوگا کہ اس سے ہاتھ میں کچھ چپک جائے ، قول امام اعظم کے بیان میں ہے ۔ استعمال مشابہ مثلہ ہونے کا باعث ہوگا اسی طرح کافی کے یہ الفاظ دیکھے جائیں ، مٹی کا استعمال مثلہ ہے ان سب کو دیکھنے سے استعمال کی مراد معلوم ہو جائے اور ظاہر ہو جائے گا استعمال صرف آلہ تطہیر بنانے کا نام نہیں ۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ استعمال وہی مسح ہے جس کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور حکم یہ ہے کہ دونوں عضووں کا صعید سے مسح کیا جائے ۔ اور صعید سے دونوں ہتھیلیوں کا مسح ہوتا ہے پھر ان دونوں سے چہرے اور دونوں کلائیوں کا مسح ہوتا ہے ۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ استعمال تو اپنے حکمی معنی پر ہی محدود ہے اور صعید حقیقی و حکمی دو قسموں کی طرف منقسم ہے یہ انتہائے تحقیق ہے اور خدا ہی کی توفیق ہے اور اسی کے لیے حمد ہے جیسا کہ اس کے لیے لائق و مناسب ہے ۔ (۱)

حدیث مذکور کی شرح از غلام رسول سعیدی اور آپ کا وصال مبارک:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج (۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ ۴ فروری ۲۰۱۶ء ، شب جمعہ) جب اس حدیث مبارکہ کی شرح کی گئی اور مختلف شارحین کی کتب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ مفسر اعظم ، محدث اعظم ، فقیہ اعظم ، عظیم شارح ، متکلم ، مورخ اور نابغہ روز ہستی غلام رسول سعیدی کی نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری سے اس حدیث مبارکہ کی شرح کا مطالعہ شروع کیا ، تو اس آفتاب علم و تحقیق ، ماہتاب علم ، اور درویش صفت عالم باعمل کے وصال و سانحہ ارتحال کی اطلاع موصول ہوئی ۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے) ۔ حدیث مذکور نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد اول) کی آخری حدیث مبارکہ ہے اور یہ فیوض الزاہی فی شرح سنن انسائی کی بھی آخری حدیثوں میں سے ہے پہلے حدیث کی شرح اور پھر علامہ سعیدی کے وصال و شخصیت کے بارے میں مختصر لکھا جاتا ہے ۔

حدیث مذکور پر علامہ غلام رسول سعیدی کا تبصرہ:

یہ حدیث اس طویل حدیث کا ایک قطعہ ہے جس کو امام بخاری نے صحیح البخاری: ۳۴۴ میں روایت کیا ہے ، اس کی مفصل شرح وہاں گزر چکی ہے ۔ یہ **کتاب التیمم** کی آخری حدیث ہے اور ہم نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری کی جلد اول میں یہیں تک احادیث لانا چاہتے تھے اب نعمۃ الباری کی جلد ثانی ان شاء اللہ کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہوگی ۔

''کتاب التیمم'' کی تکمیل اور نعمۃ الباری کی جلد اول کا اختتام:

الحمد للہ رب العلمین ! آج ۵ رجب ۱۴۲۷ھ یکم اگست ۲۰۰۶ء بہ روز منگل بعد نماز فجر کتاب التیمم کی تکمیل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی نعمۃ الباری کی جلد اول کی تکمیل بھی ہو گئی ۔ الہ العلمین ! جس طرح آپ نے اس جلد کی تکمیل کرا دی ہے اس کی باقی جلدوں کی بھی تکمیل کرا دیں ۔ (آمین) ۔ ۱۳ ذوالحج ۱۴۲۶ھ بہ روز جمعہ نعمۃ الباری کی تصنیف کا آغاز کیا تھا اس طرح تقریباً سات ماہ اور بیس دنوں میں یہ جلد مکمل ہو

۱۔ فتاوای رضویہ ، ج ۳ ، ص: ۳۲۸۔۳۳۱

گئی میں جب سے لکھ رہا ہوں یہ جلد سب سے کم عرصہ میں مکمل ہوئی ہے۔ کیونکہ میں نے اس کو بہت سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ اب میرے پاس زندگی کا بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ اب میری عمر چاند کے حساب سے ۷۱ سال ہو چکی ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جتنی بھی عمر باقی ہے اس میں زیادہ سے زیادہ اس شرح پر کام کرلوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس شرح کو مکمل کرا دے۔ اللہ تعالیٰ اس شرح کو قبول فرمائے۔ اور اس کو تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول مفید بنادے میری میرے والدین کو میرے اساتذہ کو میرے احباب کی اس کتاب کے ناشر کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرمادے۔

وآخر دعوانا ان الحمد الله رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبین قائد المرسلین وعلی آله واصحابه و ازواجه و ذریاته و امته اجمعین (۱)

حدیث مذکور کا مکمل متن:

علامہ غلام رسول سعیدی نے جس حدیث مبارکہ کا ذکر کیا ہے، اس کا مکمل متن حسب ذیل ہے

حضرت عمران بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے بے شک ہم رات میں سفر کر رہے تھے، حتیٰ کہ ہم رات کے آخری حصے میں پہنچے اور لیٹ کر سو گئے اور مسافر کے لیے رات کے آخری حصے میں سونے سے زیادہ اور کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی، پھر ہم کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا، سب سے پہلے فلاں شخص بیدار ہوا، پھر فلاں شخص بیدار ہوا، پھر فلاں شخص بیدار ہوا، ابورجاء نے ان صحابہ کے نام لیے تھے، لیکن عوف بھول گئے پھر چوتھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور نبی ﷺ جب سوئے ہوئے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہو، کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کیفیات طاری ہیں، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آچکی ہے اور وہ بہت ہمت والے مرد تھے، انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، پھر وہ مسلسل بلند آواز اکبر کہتے رہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ آپ کی آواز سے بیدار ہو گئے، جب آپ بیدار ہوئے تو لوگوں نے کہا آپ سے اس مصیبت کی شکایت کی، جو انہیں پہنچی تھی، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں یا فرمایا: کوئی نقصان نہیں، یہاں سے روانہ ہو پس آپ چلے، ابھی تھوڑی دور چلے تھے، کہ آپ سواری سے اترے اور وضوء کے لیے پانی منگایا، پھر آپ نے وضوء اور نماز کے لیے اذان دی گئی، پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس آپ نماز سے فارغ ہوئے، آپ نے دیکھا، ایک شخص الگ کھڑا تھا اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، آپ نے فرمایا: اے فلاں! تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اس نے کہا: میں جنبی ہو گیا ہوں اور (غسل کے لیے) پانی نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم پاک مٹی کا قصد کرلو (تیمم کرو) وہ (تمہاری طہارت کے لیے) کافی ہے پھر نبی ﷺ روانہ ہوئے پھر لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی، آپ سواری سے اترے اور آپ نے فلاں کو بلایا، ابورجاء نے اس کا نام لیا تھا، اور عوف بھول گئے ہیں اور حضرت علی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں جاؤ اور پانی کی تلاش کرو پس وہ دونوں گئے ان کو ایک عورت ملی، جس کے اونٹ پر پانی کی دو بڑی مشکیں رکھی ہوئی تھیں، ان دونوں نے اس

ا۔ نعمۃ الباری، ج ا، ص: ۸۸۷۔۸۸۸

سے کہا: پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں کل سے اس وقت تک اس پانی کی حفاظت کر رہی ہوں اور ہمارے گھر والے پیچھے ہیں، ان دونوں نے کہا: تب تم ہمارے ساتھ چلو، اس نے کہا: کہاں تک؟ ان دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، اس نے کہا: ان کے پاس جن کے متعلق کہا جاتا ہے انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے، انہوں نے کہا: ہاں! وہی جن کا تم ارادہ کر رہی ہو، پس روانہ ہو، پھر وہ اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپ کو سارا واقعہ سنایا، پھر مسلمانوں نے اس عورت کو اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگایا اور ان بڑی مشکوں میں سے ایک کا منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیلا پھر ان مشکوں کا منہ باندھ دیا، پھر اس بڑی مشک کے نچلے حصہ کا منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان فرما دیا کہ خوب پانی پیو اور پلاؤ پھر جس نے جتنا چاہا پیا اور جتنا چاہا پلایا، اور آخر میں اس شخص کو برتن سے پانی دیا گیا، جو جنبی تھا آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنے اوپر پانی بہاؤ اور وہ عورت کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ اور اللہ کی قسم! ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں معلوم ہو رہا تھا کہ جب ان مشکوں سے پانی نکالنے کی ابتدا کی گئی تھی، ان میں اس سے بھی زیادہ پانی بھرا ہوا ہے تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے (کھانے کی چیزوں کو) جمع کرو پھر اس کے لیے عجوہ کھجوریں، گندم، جو اور ستو وغیرہ جمع کر کے ان کو ایک پوٹلی میں باندھ دیا گیا، اور اس کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا گیا، اور اس پوٹلی کو اس کے سامنے رکھ دیا، آپ نے اس عورت سے فرمایا: تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے، پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور وہ اتنی دیر ان سے غائب رہی تھی، اس کے گھر والوں نے کہا: فلانہ! تم اتنی دیر کہاں رکی رہی تھیں؟ اس نے کہا: بہت تعجب خیز بات ہے، مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے، جس کو صابی (دین بدلنے والا) کہا جاتا ہے اس نے اس طرح اور اس طرح کیا اور اس نے اپنی درمیان والی انگلی اور شہادت کی انگلی سے زمین اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا: وہ اس کے اور اس کے درمیان لوگوں میں سب سے بڑا جادوں گر ہے یا پھر وہ ضرور اللہ کا برحق رسول ہے، اس کے بعد مسلمان اس کے اردگرد مشرکین پر حملے کرتے تھے، لیکن اس بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے جس میں وہ عورت رہتی تھی، ایک دن اس عورت نے اپنے لوگوں سے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ مسلمان تم کو دانستہ چھوڑ رہے ہیں، تو کیا تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی رغبت ہے؟ تو ان لوگوں نے اس عورت کی اطاعت کی اور اسلام میں داخل ہو گیا امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ''صبا'' کا معنی ہے ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا، اور ابوالعالیہ نے کہا: الصابئین اہل کتاب کا فرق ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ (۱)

شرح حدیث:

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس حدیث مبارکہ کی شرح مختلف عناوین کے تحت لکھی ہے، یہ حسب ذیل ہیں:

جنبی تیمم کر کے نماز پڑھے تو نماز کے اعادہ کی تفصیل:

جب جنبی تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اس کو پانی مل جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے، سوا اس کے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان امام تابعی نے کہا ہے کہ اس پر غسل لازم نہیں ہے۔ اور اس مذہب کے متروک ہونے پر متقدین اور متاخرین کا اجماع ہے

۱۔ بخاری: ۳۴۴

اور احادیث مشہورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو حکم دیا ہے کہ جب اسے پانی مل جائے تو وہ غسل کرے واللہ اعلم۔ مسافر اور شہری کو جب پانی نہ ملے تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے اور اپنی شرم گاہوں کو دھولیں اور نماز پڑھیں اور ان کے لیے تیمم کرنا کافی ہے اور جب انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو دھولیا تو ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اگر انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو نہیں دھویا ہے تو ان پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس ہے اس لیے ان پر مطلقاً نماز کا اعادہ واجب ہے۔

محدث کے اعضاء یا کپڑوں پر نجاست ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی تفصیل:

جب محدث کے بعض اعضاء پر نجاست ہو اور وہ وضو کے بدلے تیمّم کا ارادہ کرے تو ہمارے اور جمہور کے نزدیک اس کا تیمّم کرنا جائز نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے یہ کہا کہ جب اس کے بدن پر نجاست ہو اور اس کے کپڑے پر نجاست نہ ہو تو اس کا تیمّم کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس کے کپڑوں پر نجاست ہو تو پھر اس کا تیمّم کرنا جائز نہیں ہے اور نماز کا اعادہ کرنے میں امام احمد کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ ابن المنذر نے یہ کہا ہے کہ وہ شخص نجاست کی جگہ پر مٹی سے مسح کرے اور نماز پڑھ لے یہ ثوری اوزاعی اور ابو ثور کا مذہب ہے۔

اس کی تفصیل کہ کسی عذر کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ نہیں ہے:

جس شخص نے مرض یا زخم کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے تو ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اور جس شخص نے پانی سے عاجز ہونے کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے تو اگر وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں غالباً پانی نہیں ملتا مثلاً سفر میں تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں نادراً پانی نہیں ملتا، مثلاً شہر میں تو مذہب صحیح کے مطابق اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔

زمین کی جنس سے تیمّم کرنے کے جواز میں مذاہب آئمہ:

جس چیز کی جنس سے تیمّم کیا جائے اس پر بھی فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ، داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اس مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے جس کا غبار ہو اور اس سے جسم آلودہ ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی تمام چیزوں سے تیمّم کرنا جائز ہے حتیٰ کہ دھلے ہوئے پتھر سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل صحیح البخاری: ۳۳۸ اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک ماری تا کہ خاک یا غبار اٹھ جائے اس سے معلوم ہوا کہ صاف پتھر سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ اور بعض اصحاب مالک کا یہ مذہب ہے کہ جو چیز زمین سے متصل ہو مثلاً لکڑی وغیرہ اس سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے اور برف سے تیمّم کرنے میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں اوزاعی اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ برف سے اور ہر وہ چیز جو زمین پر ہو اس سے تیمّم کرنا جائز ہے۔

تیمّم کر کے فرض نماز نوافل اور نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب آئمہ:

رہا تیمّم کا حکم تو ہمارے اور اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم حدث کو زائل نہیں کرتا بلکہ نماز کو مباح کرتا ہے پس اس سے فرض نماز اور جس قدر نوافل پڑھنا چاہے، وہ مباح ہیں اور ایک تیمّم کے ساتھ دو فرضوں کو جمع نہ کرے اور اگر اس نے تیمّم سے فرض کی نیت کی تو اس سے فرض اور

نفل دونوں پڑھنا جائز ہیں۔ اور اگر اس نے تیمم سے نفل کی نیت کی ہے تو اس سے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے لیے ایک تیمم کر کے کئی جنازوں پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے ایک تیمم سے فرض نماز اور نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور وقت سے پہلے وہ تیمم نہ کرے اور جس شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا پھر اس نے حالت نماز میں پانی دیکھ لیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے نماز کو مکمل کرنا جائز ہے۔ (۱)

فقہاء احناف کے نزدیک ایک تیمم سے دو فرض نمازوں کے پڑھنے کا جواز اور اس پر دلائل:

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور دو فرضوں کے لیے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ کیونکہ جب پانی نہ ہو تو ہمارے نزدیک تیمم وضوء کا بدل مطلق ہے اور جب تک پانی نہ ملے اس سے حدث مرتفع ہو جاتا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ یہ نماز کو مباح کرتا ہو اور حدث قائم رہتا ہو جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تیمم وضو کا بدل ضروری ہے اور اس کے باوجود حدث قائم رہتا ہے پس وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ایک تیمم سے ایک سے زیادہ فرض پڑھنے جائز ہیں ہمارے نزدیک تیمم حدث کو اٹھانے والا ہے انکے نزدیک تیمم حدث کو نہیں اٹھاتا۔ صرف نماز کو مباح کر دیتا ہے ہماری دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اس سے اپنے جسم کو گیلا کرے (۲)

نیز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوْذر پاک مٹی پاک کرنے والی ہے خواہ تم دس سال تک پانی نہ پاؤ پس جب تم پانی کو پالو تو اس سے اپنی جلد کو مس کرو، (۳)

امام ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: پاکیزہ مٹی مسلمان کا طہور ہے، خواہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اپنی کھال کو پانی سے مس کرے بے شک یہ خیر ہے۔ (۴) امام ترمذی نے یہ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب جنبی اور حائض کو پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کو جائز نہیں کہتے تھے خواہ اس کو پانی نہ ملے اور انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا: جب جنبی کو پانی نہ ملے تو تیمم کر لے۔ (۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے۔ (۶) طہور کا معنی مطہر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات یہ ہے کہ تمام زمین کو آپ کے لیے مطہر بنا دیا گیا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۲ ص ۱۴۷۱۔۱۴۶۹ ۲۔ سنن ابوداؤد، ۳۳۲، سنن ترمذی، ۱۲۴ سنن نسائی: ۳۲۱

۳۔ سنن دارقطنی، ج ۱ ص: ۱۸۷۔۱۸۶، المستدرک ج ۱ ص: ۱۸۶، سنن بیہقی، ج ۱ ص: ۲۳۰۔۲۱۷۔۲۱۲

۴۔ سنن ترمذی: ۱۲۴ سنن ابوداؤد: ۳۳۳

۵۔ سنن ترمذی: ۷۰ ۶۔ صحیح مسلم: ۵۲۲، مسند احمد، ج ۵ ص ۳۸۳، سنن بیہقی، ج ۱ ص ۲۱۳

ان احادیث سے واضح ہو گیا ہے کہ جب تک پانی نہ ملے تیمّم طہارت مطلقہ ہے اور طہارت ضروریہ نہیں ہے اس سے دو فرض بھی پڑھے جا سکتے ہیں اور وقت سے پہلے تیمّم بھی کیا جا سکتا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ء کا فقہاء شافعیہ کے برعکس تیمّم میں کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں پر مسح کو صحیح قرار دینا:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

علامہ نووی نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے اس حدیث سے ضرب کی صورت کی تعلیم دینا مراد ہے، یعنی کس طرح زمین پر ہاتھ مارا جائے اور پورا تیمّم کس کیفیت سے کیا جائے یہ مراد نہیں ہے لیکن اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ پورا تیمّم کس طرح کیا جائے کیونکہ آپ نے فرمایا؛ تمہارے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرو اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جس طرح وضو میں پوری کلائیوں کو دھونا فرض ہے اسی طرح تیمّم میں پوری کلائیوں پر مسح کرنا فرض ہے تو یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا ہے اور یہ فاسد الاعتبار ہے۔(۲)

امام ترمذی کا کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں کے اوپر مسح کی روایت کو بعض اہل علم کے حوالے سے ضعیف قرار دینا:

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد تیمّم میں ضرب کی صورت کی تعلیم دینا ہے نہ کہ اس حدیث میں پورے تیمّم کی تعلیم دینا مراد ہے کیونکہ امام طحاوی اور دوسرے ائمہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث تیمّم میں حجت کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تیمّم صرف ہتھلیوں پر مسح ہے یا صرف پہنچوں تک ہے یا صرف کہنیوں تک ہے یا صرف کندھوں تک ہے یا صرف بغلوں تک ہے جیسا کہ اہل علم کی ایک جماعت ان میں سے ہر ایک احتمال کی طرف گئی ہے اسی وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں: تیمّم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمّم میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی بھی روایت ہے۔(۳)

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:: صحیح بخاری کی حدیث مذکوز (۴) پر ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے: بعض اہل علم نے کہا ہے جن میں حضرت ابن عمر، حضرت جابر ابراہیم نخعی اور حسن بصری ہیں کہ تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے ہے سفیان ثوری، امام مالک، ابن المبارک، امام شافعی کا یہ مذہب ہے۔(اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے بھی یہی مذہب ہے) اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث: تیمّم چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہے دیگر اسانید سے بھی مروی ہے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمّم میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی بھی حدیث مروی ہے پس بعض اہل علم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

۱۔ البحر الرائق، ج۱، ص ۱۵۶　۲۔ فتح الباری، ج۲، ص:۱۶　۳۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص ۳۴　۴۔ سنن ترمذی: ۱۴۴

کی اس حدیث کہ تیمم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنا بھی مروی ہے۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی حدیث اس لیے بھی ضعیف اور مرجوح ہے کہ یہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب سے چہرے پر مسح ہے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح ہے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور مجتہدین جس حدیث سے استدلال کریں وہ اس حدیث کی صحت پر دلیل ہوتی ہے حیرت ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف اس حدیث کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے جس میں ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کا ذکر ہے حالانکہ وہ حدیث مضطرب اور ضعیف ہے۔ اب ہم اس حدیث کے خلاف فقہاء شافعیہ کے دلائل کا ذکر کر رہے ہیں۔

امام شافعی اور فقہاء شافعیہ کا ایک ضرب پر چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو رد کرنا اور اس کو اجماع مسلمین کے خلاف قرار دینا:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ تیمم میں زمین پر ایک ہاتھ مارا جائے اور اس سے چہرے پر مسح کیا جائے پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مارا جائے اور اس سے کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح کیا جائے۔(۲)

الماوردی نے کہا: یہی صحیح ہے کہ تیمم میں چہرے اور کلائیوں پر مسح ہے اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ تیمم میں دو ضربوں سے کم کافی نہیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔(۳) الماوردی لکھتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں تو دو ضربوں سے کم تیمم میں کفایت نہیں کریں گے۔(۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی الشافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں چار اعضاء کی طہارت کو واجب کیا ہے پھر آیت وضو کے آخر تیمم میں دو اعضاء کی طہارت کو ساقط کر دیا ہے پس تیمم مین وہ دو اعضاء باقی رہے جن کا وضو میں ذکر ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر پورا مسح کیا جاتا ہے۔ اور امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی چہرے اور ہتھیلیوں پر ایک ضرب سے مسح کی جو روایت ہے ہم نے اس پر عمل کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے

۱۔ سنن ترمذی، ص:۸۱　۲۔ مختصر المزنی، ص:۶　۳۔ سنن دار قطنی:۶۷۹، المستدرک، ج۱، ص:۱۸۰

۴۔ الحاوی الکبیر، ج۱، ص۲۹۹۔۲۹۸

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضربوں سے چہرے اور کلائیوں پر مسح کیا ہے اور یہ حدیث قرآن مجید کے زیادہ مشابہ ہے اور اس کے بہت شواہد ہیں۔ (۱)

اس کے بعد علامہ نووی نے تفصیل کے ساتھ ان شواہد کا ذکر کیا ہے۔ (۲)، علامہ نووی شافعی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو اختیار کرنا یہ صرف جمہور کے خلاف ہے بلکہ یہ قول مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے اور اپنے امام سے انحراف ہے۔

حدیث:

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ذراز از ابن عبدالرحمان از عبدالرحمٰن، انہوں نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اور پھر حدیث بیان کی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ذراز ابن عبدالرحمان بن ابزی از والد خود انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ تاہم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی تیمم کے متعلق ہم دیگر روایات بھی بیان کررہے ہیں، تاکہ واضح ہوجائے کہ تیمم کے متعلق حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایات مضطرب ہیں۔

تیمم کے متعلق حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مضطرب روایات:

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے سفر میں تیمم کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہنیوں تک مسح کرے۔ (۳)

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ از والد خود از حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کندھوں تک تیمم کیا۔ (۴)

حضرت عمار بن یاسر بیان رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل کی تو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کے باطن سے بغلوں تک مسح کیا۔

۱۔ معرفۃ السنن والآثار، ج۱، ص:۲۹۲ ۲۔ شرح المہذب، ج۲، ص۲۰۸

۳۔ معرفۃ السنن والآثار:۱۳۱۷، السنن الکبریٰ، ج۱، ص۲۱۰، سنن ابوداؤد:۳۲۸، البحر الزخار مسند البزار:۱۳۹۰۔ ج۴، ص:۲۲۸

۴۔ معرفۃ السنن والآثار:۳۱۷، السنن الکبریٰ، ج۱، ص:۲۰۵۔۲۰۴، سنن ابن ماجہ:۵۵۶، سنن ابوداؤد:۳۲۰۔ شرح السنۃ، ج۲، ص:۱۰۴

(۱)۔ حضرت ابوموسیٰ اور ابن الزبیر نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ان کے چہرے اور کلائیوں تک لوٹا دیا۔

(۲)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی ہے آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مٹی کی طرف مارا، پھر اس پر پھونک ماری اور اپنے چہرے پر اور ہاتھوں کے جوڑ تک مسح کیا اور اس میں کلائیوں کا ذکر نہیں ہے۔ (۳)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی تھا پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک ماری، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر نصف کلائیوں تک مسح کیا۔

(۴)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر کہنیوں تک یا کلائیوں تک مسح کیا۔

(۵)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ تھا حتیٰ کے کہ رخصت نازل ہوگئی کہ جب ہمیں پانی نہ ملے تو ہم مٹی سے تیمم کرلیں پس ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم ایک بار چہرے کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں۔

حضرت عمار کی یہی وہ حدیث ہے جو قابل عمل ہے اور دوسری احادیث صحیحہ کے موافق ہے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اگر یہ حدیث امام بخاری کے معیار پر پوری نہیں تو کوئی حرج نہیں، امام مالک، اور امام ابوحنیفہ کے معیار پر پوری ہے انہوں نے اس سے اس وقت استدلال کیا، جب امام بخاری پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی سند میں کوئی ایسا راوی آگیا ہو جس کی سند سے ان کو یہ حدیث پہنچی اس میں وہ راوی نہ تھا لہٰذا امام بخاری کے معیار پر پوری نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث فی نفسہ صحیح نہ ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے امام بخاری کی تائید میں اس حدیث کو فاسد الاعتبار قرار دے دیا۔

علامہ غلام رسول سعیدی کا تبصرہ:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلیوں پر مسح کے لیے فرمایا اور ہاتھوں کے جوڑ یعنی پہنچوں تک مسح کے لیے فرمایا، اور نصف کلائیوں تک مسح کے لیے فرمایا، اور کہنیوں تک مسح کے لیے فرمایا، اور آپ نے اور مسلمانوں نے کندھوں تک مسح کیا، اور بغلوں تک مسح کیا، اور دو ضربوں کے ساتھ چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کیا، سو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اتنا شدید اضطراب ہے، اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہوتی، پھر حافظ ابن حجر کا اس مضطرب

۱۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۰، السنن الکبریٰ، ج ۱، ص: ۲۰۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۰　　۲۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۷

۳۔ معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۳، سنن ابوداؤد: ۳۲۶، صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۰، السنن الکبریٰ، ج ۱، ص: ۲۰۹

۴۔ سنن ابوداؤد: ۳۲۵

۵۔ البحر الزخار مسند البزار: ۱۳۸۴، ج ۴، ص: ۲۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۵، مسند ابویعلیٰ: ۱۶۳۰

حدیث کی صحت پر اصرار کرنا اور اس کو ترجیح دینا سخت باعث حیرت ہے، جب کہ جمہور فقہاء نے اس مضطرب روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

☆　حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کا طہور ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اپنی کھال کو پانی سے مس کرے بے شک یہ خیر ہے۔(۱) امام بخاری اس تعلیق کو ذکر کرتے ہیں: **وقال الحسن یجزئه التیمم مالم یحدث** اور حسن بصری نے کہا: جب تک کوئی آدمی بے وضو نہ ہو اس کو تیمم کافی ہے۔ اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے: از حسن بصری، انہوں نے کہا: ایک تیمم کافی ہے جب تک کوئی شخص بے وضوء نہ ہو۔(۲) اور حضرت ابن عباس نے امامت کی اور وہ اس وقت متیمم تھے۔(۳)

☆　اور یحییٰ بن سعید نے کہا: نمکین اور بنجر زمین پر نماز پڑھنے میں اور اس سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆　امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن سعید نے بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی از عمران، انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے بے شک ہم رات میں سفر کر رہے تھے، حتیٰ کہ ہم رات کے آخری حصے میں پہنچے اور لیٹ کر سو گئے اور مسافر کے لیے رات کے آخری حصے میں سونے سے زیادہ کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی۔ پھر ہم کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا سب سے پہلے فلاں شخص بیدار ہوا، پھر فلاں شخص بیدار ہوا۔ پھر فلاں شخص بیدار ہوا ابو رجاء نے ان صحابہ کے نام لیے تھے۔ لیکن عوف بھول گئے پھر چوتھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوں کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کیفیات طاری ہیں، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آچکی ہے اور وہ بہت ہمت والے مرد تھے انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، پھر وہ مسلسل بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے رہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آواز سے بیدار ہو گئے جب آپ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ سے اس مصیبت کی شکایت انہیں کی جو نہیں پہنچی تھی آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، یا فرمایا: کوئی نقصان نہیں یہاں سے روانہ ہو پس آپ چلے ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ سواری سے اترے اور وضوء کے لیے پانی منگایا پھر آپ نے وضوء کیا اور نماز کے لیے اذان دی گئی پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا ایک شخص الگ کھڑا تھا اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی آپ نے فرمایا: اے فلاں! تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اس نے کہا میں جنبی ہو گیا ہوں اور (غسل کے لیے) پانی نہیں ہے آپ نے فرمایا: تم پاک مٹی کا قصد کرلو (تیمم کرو) وہ (تمہاری طہارت کے لیے) کافی ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے پھر لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی آپ سواری سے اترے اور آپ نے فلاں کو بلایا، ابورجاء نے اس کا نام لیا تھا۔ اور عوف بھول گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں جاؤ اور پانی کی تلاش کرو پس وہ دونوں گئے ان کو ایک عورت ملی جس کے اونٹ پر پانی کی دو بڑی مشکیں رکھی ہوئی تھیں ان دونوں نے اس سے کہا پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں کل سے اس وقت تک اس پانی

۱۔　سنن ترمذی: ۱۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۳۲، سنن نسائی: ۳۲۱، مصنف عبدالرزاق: ۹۱۳　　۲۔ مصنف عبدالرزاق: ۸۳۶

۳۔　عمدۃ القاری، ج ۴، ص: ۳۶

کی حفاظت کر رہی ہوں اور ہمارے گھر والے پیچھے ہیں ان دونوں نے کہا: تب تم ہمارے ساتھ چلو اس نے کہا: کہاں تک؟ ان دونوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس اس نے کہا: انکے پاس جن کے متعلق کہا جاتا ہے، انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں! وہی جن کا تم ارادہ کر رہی ہو پس روانہ ہوئے پھر وہ اس کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو پورا واقعہ سنایا پھر مسلمانوں نے اس عورت کو اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی اکرم ﷺ نے برتن منگایا اور ان بڑی مشکوں میں سے ایک کا منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیلا پھر ان مشکوں کا منہ باندھ دیا پھر اس بڑی مشک کے نچلے حصہ کا منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان فرمادیا کہ خوب پانی پیو اور پلاؤ پھر جس نے جتنا چاہا پیا اور جتنا چاہا پلایا اور آخر میں اس شخص کو برتن سے پانی دیا گیا۔ جو جنبی تھا آپ نے فرمایا: جاؤ اپنے اوپر پانی بہاؤ اور وہ عورت کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے۔ اور اللہ کی قسم ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں معلوم ہو رہا تھا جب ان مشکوں سے پانی نکالنے کی ابتداء کی گئی ان میں اس سے بھی زیادہ پانی بھرا ہوا تھا۔ تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے لیے (کھانے کی چیزوں کو) جمع کرو پھر اس کے لیے عجوہ کھجوریں، گندم، جو اور ستو وغیرہ جمع کر کے ان کو ایک پوٹلی میں باندھ دیا گیا اور اس کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ اور اس پوٹلی کو اس کے سامنے رکھ دیا آپ نے اس عورت سے فرمایا تم جانتی ہو ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور وہ اتنی دیر ان سے غائب رہی تھی اس کے گھر والوں نے کہا: اے فلانہ تم اتنی دیر کہاں رکی رہی تھیں؟ اس نے کہا: بہت تعجب خیز بات ہے، مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے، جس کو صابی (دین بدلنے والا) کہا جاتا ہے۔ اس نے اس طرح اور اس طرح کیا اور اس نے اپنی درمیان والی انگلی اور شہادت کی انگلی سے زمین اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا: وہ اس کے اور اس کے درمیان لوگوں میں سب سے بڑا جادوگر ہے، یا پھر وہ ضرور اللہ تعالیٰ کا برحق رسول ہے، اس کے بعد مسلمان اس کے اردگرد مشرکین پر حملے کرتے تھے، لیکن اس بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے جس میں وہ عورت بھی رہتی تھی، ایک دن اس عورت نے اپنے لوگوں سے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ مسلمان تم لوگوں کو دانستہ چھوڑ رہے ہیں تو کیا تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی رغبت ہے؟ تو ان لوگوں نے اس عورت کی اطاعت کی اور اسلام میں داخل ہو گئے امام ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: ''صبا'' کا معنی ہے ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا، اور ابو العالیہ نے کہا: الصابئین اہل کتاب کا فرقہ ہے۔ جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔

حدیث مذکور میں سفر کا ذکر ہے یا اس کی تعیین:

اس حدیث میں مذکور: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس کی تعیین میں اختلاف ہے، امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔(۱)

اور ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس رات حضور نبی اکرم ﷺ حدیبیہ سے آئے پس آپ ایک جگہ ٹھہرے تو آپ نے فرمایا ہماری (نماز کی) حفاظت کون کرے گا۔

۱۔ صحیح مسلم: ۶۸۰

تو حضرت بلال نے کہا: میں۔ (۱) اور امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات مکہ کے راستے سے آ رہے تھے تو آپ نے حضرت بلال کو مقرر کیا کہ وہ ان کو نماز کے لیے بیدار کر دیں۔ پھر حضرت بلال سو گئے اور جب سب مسلمان سو گئے، حتیٰ کہ سب اس وقت بیدار ہوئے، جب ان پر سورج طلوع ہو چکا تھا۔ (۲)

اس اعتراض کے متعدد جوابات کہ جب نیند میں آپ کا دل بیدار رہتا ہے تو آپ کو سورج کے طلوع کا پتا کیوں نہ چلا:

۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ سوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے! اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا تو اس وادی میں آپ کی نیند کی کیا توجیہ کی جائے گی حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا اور نماز کا وقت گزر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کی نیند اور قلب کی بیداری غالب اوقات میں ہے اور کبھی کبھی اس کے خلاف ہو جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر اللہ چاہتا تو ہماری روحوں کو اس وقت کے علاوہ لوٹا دیتا۔ (۳) اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ تم نہ سوؤ تو تم نہ سوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا یہ تمہارے بعد والوں کے لیے نمونہ ہو جائے۔

☆ (قضاء نماز کو کس طرح ادا کیا جائے پس اسی طرح جو شخص سو جائے یا بھول جائے وہ بعد میں نماز پڑھ لے۔) مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ مجھے اس قضاء نماز کی رخصت کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے تو میں اس سے خوش نہیں ہوں اور امام ابن ابی شیبہ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے سورج طلوع ہونے کے بعد جو قضاء نماز پڑھی مجھے اس رخصت کے مقابلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے تو وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ (۴)

۲۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ کہ آپ کی نیند ایسی نہیں ہوتی تھی کہ آپ کے قلب پر محیط اور مستغرق ہو جائے اور آپ کو وضوء ٹوٹنے کا ادراک نہ ہو یعنی آپ کے قلب کو نیند کی حالت میں آپ کے جسم کا ادراک ہوتا تھا نہ کہ گرد و پیش کا لہٰذا طلوع شمس کا ادراک نہ ہونا، آپ کے قلب کے بیدار رہنے کے منافی نہیں کیونکہ جس رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر آپ کے رات کے احوال کا مشاہدہ کر رہے تھے اس حدیث کے آخر میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر نماز کی اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

۳۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس وادی کی نیند میں صرف آپ کی آنکھوں کے سونے کا ذکر ہے اور سورج کے طلوع کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے۔ اور وہ سوئی ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کو سورج کے طلوع کا ادراک نہیں ہوا اور یہ دل کی فعل نہیں ہے دل تو یاد الٰہی میں بیدار تھا۔ ابو عمر نے کہا: وادی میں نیند کا واقعہ ایک بار ہوا تھا، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دو بار ہوا تھا اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے یہ واقعہ تین بار ہوا تھا۔ اگر انسان کی تقصیر کے بغیر نماز قضاء ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہو گی۔

۱۔ سنن ابوداؤد: ۴۳۵　۲۔ موطا امام مالک: ۲۶　۳۔ ایضا: ۲۶
۴۔ تنویر الحوالک، ص ۳۵

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ صحابہ کی تالیف قلب اور دل جوئی کے لیے فرمایا تھا کیونکہ صحابہ کو اس پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ نماز فجر کو اس کے وقت پر نہیں پڑھ سکے آپ نے ان کو تسلی دی کہ انہوں نے عمداً نماز کو قضاء نہیں کیا اور نیند سے وقت پر آنکھ نہ کھلنا، انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ پس اگر کسی غیر اختیاری سبب سے انسان کی نماز قضاء ہو جائے تو اس سے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور سے تیس سے زیادہ مسائل کا استنباط:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(۱)　حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو جگایا اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کو ادب سے جگانا چاہیے۔

(۲)　صحابہ کرام کو صبح کی نماز کے قضاء ہونے پر افسوس ہوا اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے فوت ہونے پر افسوس ہونا چاہیے۔

(۳)　نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا: کوئی حرج نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کے قضاء ہونے میں انسان کی تقصیر نہ ہو تو پھر اس پر گرفت نہیں ہوگی۔

(۴)　ایک شخص جنبی تھا پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے غسل نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا تم پاک مٹی سے تیمم کر لو اس سے معلوم ہوا کہ جنبی طہارت کے لیے تیمم کر سکتا ہے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ لیکن وہ اس کو اسی طرح بھول گئے جس طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھول گئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے عظیم صحابی بھی بعض واقعات اور مسائل کو بھول جاتے تھے۔

(۵)　نبی ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی، اس نے بتایا کہ میں جنبی ہوں اور غسل کے لیے پانی نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب عالم اور حاکم کوئی خلافِ شرع کام دیکھے تو اس کے سبب معلوم کرے پھر اس کا حکم اور حل بیان کرے۔

(۶)　نبی ﷺ نے اس شخص کو جماعت سے نماز نہ پڑھنے پر سرزنش اور ملامت نہیں کی بلکہ اس کو نرمی سے اس مسئلہ کا حل بتایا اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے کوئی خلافِ شرع کام کرے تو اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

(۷)　اس واقعہ میں با جماعت نماز پڑھنے کی ترغیب اور تاکید ہے اور جو شخص جماعت سے نماز نہ پڑھے حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کا سبب معلوم کرے۔

(۸)　جو شخص بغیر عذر کے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اس پر انکار اور ملامت کرنی چاہیے۔

(۹)　اس سے معلوم ہوا کہ جو نماز فوت ہو جائے اس کی قضاء کرنا واجب ہے اور اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے کیونکہ آپ نے اس شخص کو فوراً تیمم کرنے کا حکم دیا۔

(۱۰)　اس وادی میں جس جگہ نماز فجر قضاء ہوئی تھی آپ نے فرمایا: اس جگہ شیطان کا اثر ہے اور فوراً وہاں سے روانہ ہونے کا

حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ اجس شہر میں کوئی فتنہ ہو جس سے دین اور عبادت میں خلل ہو تو اپنے دین کو بچانے کے لیے اور خود کو معصیت سے محفوظ رکھنے کے لیے اس جگہ سے نکلنا واجب ہے جیسے نبی ﷺ نے اس وادی سے نکلنے کا حکم دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس جگہ کوئی معصیت ہوئی ہو خواہ وہ معصیت غیر اختیاری ہو وہاں عبادت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے اس وادی سے نکلنے کے بعد نماز قضاء کی۔

(۱۱) جس شخص کو یاد آجائے کہ اس کی نماز قضاء ہوگئی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے طہارت اور وضو کرے اور اس جگہ کو تلاش کرے جہاں نماز پڑھنے کے لیے اس کا دل مطمئن ہو جیسا کہ شارح علیہ السلام کو جب قضاء نماز یاد آئی تو آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور آپ نے بھی وضوء کیا اور مسلمانوں نے بھی وضوء کیا۔

(۱۲) اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس وادی سے روانہ ہونے کے بعد نماز کے لیے اذان دی گئی اس سے معلوم ہوا کہ قضاء نماز کے لیے اذان دینا مستحب ہے لیکن اس کا مورد یہ ہے کہ کسی جنگل یا وادی میں نماز قضاء ہوئی ہو اگر شہر میں نماز قضاء ہو جیسے عموماً بعض لوگوں کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور وہ شہری اپنی قضاء نمازوں کے لیے اذان دیں گے تو خلافِ معمول کام دیکھ کر لوگ اس کے متعلق سوال کریں گے اور وہ بتائیں گے کہ ہماری نماز قضاء ہوگئی ہے تو اس سے معصیت کا اعلان ہوگا کیونکہ عموماً لوگوں کی اپنی تقصیر کی وجہ سے نماز قضاء ہوتی ہے اور معصیت کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۳) چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس قضاء نماز کی جماعت کرائی اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک جماعت کی نماز قضاء ہو جائے تو وہ اس کو باجماعت ادا کریں۔

(۱۴) جب اس سفر میں لوگوں کے لیے پینے اور وضوء کے لیے پانی نہ رہا تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کی شکایت کی اس سے معلوم ہوا کہ اگر قوم کو اس طرح کی کوئی مصیبت پہنچے تو اپنے امیر سے اس کی شکایت کرنی چاہیے اور امیر کو اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے، جس طرح آپ نے پانی کو تلاش کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک شخص کو بھیجا۔

(۱۵) جو پانی ایک عورت کی ملکیت میں تھا، نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو پانی پلانے کے لیے اور ان کے مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اور مسلمانوں کے وضو اور غسل کے لیے اس پانی کو لے لیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام کائنات کے مالک ہیں جو چیز چاہیں جس سے چاہیں بغیر کسی ظاہری عوض کے لے سکتے ہیں۔

(۱۶) نبی ﷺ نے اس عورت کو عجوہ کھجوریں، گندم، جو، اور ستو وغیرہ دیئے، اس وقت وہ عورت مشرکہ تھی اس میں مشرکہ کو ہبہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور چونکہ اس عورت نے پانی لینے پر کوئی انکار یا مزاحمت نہیں کی تھی اور یہ اس کی طرف سے نیکی تھی تو آپ نے اس کی نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا اور اس آیت پر عمل کیا:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (۱) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے۔

۱۔ الرحمٰن ۵۵: ۶۰

(۱۷)　نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے پانی کی ضرورت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک صحابی کو بھیجا اس سے معلوم ہوا کہ پیاس کا ازالہ بھی وضوء اور طہارت کی طرح اہم ہے۔

(۱۸)　حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ تنہائی میں اس عورت سے ملے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے تنہائی میں اجنبی عورت سے ملنا جائز ہے جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

(۱۹)　آپ نے اس مشرکہ کی مشکوں سے طہارت اور پینے کے لیے پانی لیا اس سے پتا چلا کہ مشرکوں کے برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہے جب کہ برتنوں میں کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔

(۲۰)　ضرورتِ شرعیہ کے وقت معاوضہ دے کر حربی مشرکوں کا مال لینا جائز ہے کیونکہ آپ نے پانی کے معاوضہ میں اس عورت کو عجوہ کھجوریں اور گندم وغیرہ دے دیئے تھے۔

(۲۱)　حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے بلند آواز سے اللہ اکبر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو بیدار کیا اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام کا اجتہاد کرنا جائز ہے۔

(۲۲)　نبی اکرم ﷺ اور صحابہ نے اس وادی سے روانہ ہونے کے بعد فجر کی قضاء نماز ادا کی اس سے پتا چلا کہ کسی شرعی وجہ سے قضاء نماز کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے جب کہ یہ تاخیر سستی، غفلت اور فوت شدہ نماز کی ادائیگی کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے نہ ہو۔

(۲۳)　جن مشرکین سے کوئی نیکی یا کوئی فائدہ حاصل ہوا ہو، ان کی رعایت اور ان کی حفاظت کرنے کا جواز کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ اس عورت کے پاس کی بستیوں پر حملہ کرتے اور اس بستی کو چھوڑ دیتے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ از خود مسلمان ہو گئے۔

(۲۴)　اس حدیث کے راوی نے کہا: اللہ کی قسم! ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں لگ رہا تھا کہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ پانی ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ بغیر قسم طلب کرنے کے قسم کھانا جائز ہے اور کسی اہم غیر اور غیر معمولی واقعہ کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس کو قسم کھا کر بیان کر جائز ہے۔

(۲۵)　مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ سے پیاس کی شکایت کی اس میں یہ دلیل ہے کہ جب عوام پر کوئی آفت نازل ہو تو وہ حکام سے اس کے ازالہ کے لیے کہیں۔

(۲۶)　میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے رات کے آخری حصہ میں سونے سے پہلے نماز کے وقت جگانے کے لے حضرت بلال کو مقرر کیا تھا، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب نماز کے وقت آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو ایسا انتظام کر لیا جائے، جس سے آنکھ کھل جائے۔ (مثلاً ٹائم پیس یا موبائل فون میں الارم سیٹ کر دیا جائے۔

(۲۷)　اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء کرنا واجب ہے اور تاخیر سے قضاء ساقط نہیں ہوتی۔

(۲۸)　اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ ضرورت مند اپنی ضرورت کی چیز کسی سے لے سکتا ہے، خواہ وہ دینے پر راضی ہو یا نہ ہو بہ شرطیکہ اس کو اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہو اور اگر اس کا عام قرار دیا جائے تو پھر یہ اس صورت پر

محمول ہے جب ضرورت اضطرار کے درجہ میں ہو اور پھر معاوضہ دینا بھی ضروری نہیں ہے۔

(۲۹) علامہ عینی نے کہا: بعض اوقات نبی اکرم ﷺ پر عام لوگوں کی طرح نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر اس میں حکمت تھی کہ مسلمانوں کو قضاء نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اور میں یہ کہتا ہوں کہ دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ خواب میں اللہ تعالیٰ کے حسن کے جلووں پر محو اور مستغرق تھے اس لیے آپ کو سورج کے طلوع ہونے اور نماز کے قضاء ہونے کا پتا نہیں چل سکا اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ نماز صورۃ قضاء تھی حقیقۃً ادا تھی، کیونکہ آپ کو اس دن کی نماز اسی وقت میں ادا کرنے کا حکم تھا، قرآن مجید میں ہے:

ان اتبع الا ما یو حی الی (۱): میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

سو آپ کا کوئی فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور اس دن آپ نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا یہ بھی وحی کے مطابق تھا سو آپ نے اس دن فجر اپنے وقت میں پڑھی تھی یہ ادا تھی، قضاء نہیں تھی۔

(۳۰) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دنوں کا تعین کیے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے۔

(۳۱) اس حدیث میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر عظیم معجزہ اور دلیل ہے کیونکہ ان مشکوں سے مسلمانوں نے پانی لے کر اپنے برتنوں میں بھر لیا، وضوء کیا اور جنبی نے غسل کیا، مسلمانوں نے خود پانی پیا اور اپنے مویشیوں کو پانی پلایا اور وہ مشکیں پانی سے اسی طرح بھری رہیں، جس طرح پہلے بھری ہوئی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ ان مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی، اس عورت کے پانی میں کسی چیز کو ملایا نہیں گیا، پھر ان مشکوں سے اتنا پانی نکالنے کے باوجود اس پانی کا پہلے سے زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا فعل تھا اور رسول اللہ ﷺ کا بہت حیرت انگیز معجزہ تھا۔ (۲)

(۳۲) اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں سب مسلمانوں سے زیادہ سخت اور قوی تھے۔

(۳۳) جب مسلمان کفار پر غلبہ پالیں تو صرف غلبہ پانے سے کفار کے مرد مسلمانوں کے غلام اور ان کی عورتیں مسلمانوں کی باندیاں ہو جاتی ہیں۔ سو وہ عورت بھی مسلمانوں کی باندی ہو گئی تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور کھانا وغیرہ دے کر رخصت کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ کا حسن سلوک اس کے اور اس کے گھر کے دیگر افراد کے بہ طیب خاطر اسلام قبول کرنے کا باعث بنا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس عورت کو اس سے پہلے امان دے دی ہو یا وہ عورت ان لوگوں میں ہو جن سے آپ نے اس پہلے معاہدہ کر لیا تھا۔

(۳۴) جب وہ عورت امان یا معاہدہ امن میں تھی تو پھر آپ نے اس کے پانی پر تصرف کر کے اس کا پانی کیونکر لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو پانی کی ضرورت تھی اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام مباح ہو جاتے ہیں۔

(۳۵) نبی اکرم ﷺ نے اس وادی سے بدشگونی لی کہ وہاں شیطان کا اثر ہے اور اس وادی سے نکلنے کا حکم دیا، حالانکہ آپ نے بدفالی لینے سے منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بدفالی یا بدشگونی نہیں تھی، بلکہ آپ نے نور نبوت سے جان لیا تھا کہ اس وادی میں شیطان کا اثر ہے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ جس جگہ کوئی معصیت ہوئی ہو خواہ غیر ارادی ہو اس جگہ عبادت نہیں کرنی چاہیے اس لیے اگر

۱۔ یونس ۱۰:۱۵　　۲۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۲، ص: ۲۷۷

کسی وادی میں مسلمانوں سے کوئی نماز فوت ہو جائے تو وہ اس وادی سے نکلنے کے بعد اس نماز کو قضاء کریں اور ایک قول یہ ہے کہ اس وادی سے نکل کر دوسری جگہ نماز پڑھنا صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔

الصابئین کے معنی کا اختلاف سورہ البقرہ ۶۲:۲ کی تفسیر:

امام بخاری نے کہا ہے کہ صابی اس کو کہتے ہیں جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے اور ابوالعالیہ نے کہا: الصابئین اہل کتاب کا فرقہ ہے، جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: صابئین کی تفسیر میں اختلاف ہے مجاہد نے کہا: وہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں ان کا کوئی دین نہیں ہے، ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا، نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا، اور ابن زید نے کہا: الصابئون کا اہل ادیان میں سے ایک دین ہے وہ جزیرۃ الموصل کے رہنے والے ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں ان کا کوئی عمل نہیں ہے ان کے پاس کتاب ہے نہ نبوت ہے اور وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور حسن بصری سے روایت ہے کہ زیاد نے خبر دی کہ الصابئون قبلہ کی طرف منہ کر کے پانچ نمازیں پڑھتے ہیں انہوں نے ان پر جزیہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا، پھر ان کی خبر دی گئی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ البقرہ: ۶۲ میں ان کا ذکر ہے ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان لائے وہ منافق تھے انہوں نے ایمان کو ظاہر کیا اور ان کے دل میں کفر تھا، اور جو یہودی ہیں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو تبدیل کر لیا اور نصاریٰ کافر ہیں، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا اور الصابئون کافر ہیں وہ حق کے مخالف ہیں، اور البقرہ ۶۲:۲ کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے، کہ ''ان الذین امنوا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو برحق مومن ہیں۔ ''والذین ھادوا'' سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے دین میں تغیر کرنے سے توبہ کر لی یا تغیر نہیں کیا، اور والنصاری سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار ہیں اور الصابون سے مراد وہ لوگ ہیں جو باطل سے نکل کر حق کی طرف آ گئے، اور من امن باللہ کا معنی ہے: جو ان میں سے اللہ پر ایمان رکھنے میں دائم رہے، پس ان ہی کے لیے اجر ہے اور پوری آیت کا معنی اس طرح ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (۱)

بے شک جو لوگ برحق مومن ہیں اور جن یہودیوں نے دین میں تغیر نہیں کیا اور انصار عیسیٰ اور باطل سے حق کی طرف نکلنے والے ان میں سے جس کا بھی دائما اللہ پر ایمان رہا اور اس نے نیک عمل کیے سو ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے،

علامہ نسفی نے ''الصابئین کے متعلق کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: وہ نبی اکرم ﷺ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے پاس کتاب ہے ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ حلال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے: وہ ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ (۲)

۱۔ البقرہ ۶۲:۲ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص: ۴۹۔۴۷، نعمۃ الباری، ج ۱، ص: ۸۷۶۔۸۸۱

علامہ غلام رسول سعیدی کا وصال مبارک اور جنازہ:

نعمۃ الباری فی شرح صحیح بخاری کی جلد اول کی تکمیل پر مفسر اعظم، محدث اعظم، فقیہہ اعظم علامہ غلام رسول سعیدی نے خود لکھا تھا کہ ان کی عمر مبارک قمری اعتبار سے اکہتر سال ۵ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ یکم اگست ۲۰۱۶ء ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ عمر بیت کم رہ گئی ہے۔ اس لیے اس جلد کو تیز رفتاری اور سرعت کے ساتھ سات ماہ اور بیس دنوں میں مکمل کیا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس شرح کی تکمیل کی دعا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا آپ نے نہ صرف نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری کو سولہ جلدوں میں مکمل کیا، بلکہ اس کے بعد دوسری تفسیر تبیان الفرقان کی بھی پانچ جلدیں (سورۃ یٰسین۔) تک تحریر فرمائیں۔ اس تفسیر تبیان الفرقان کو آپ نے کل چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس طرح علم وعرفان تحقیق وجستجو اور اجتہاد واستنباط کا یہ آفتاب ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ ۴ فروری ۲۰۱۶ شب جمعہ بوقت: ۴۵:۰۷ اس دنیا فانی سے خالق حقیقی کی طرف مراجعت فرماگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون اس طرح علامہ سعیدی صاحب اس کے بعد تقریباً دس سال بقید حیات رہے۔ مصنف فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی کی علامہ غلام رسول سعیدی کی خدمت میں حاضری کی سعادت اور اس ملاقات کی مکمل تفصیل ڈاکٹر عقیل احمد لکھتے ہیں۔

وہ ایک ملاقات جو بہرہ یاب رہی:

اللہ کریم اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور اپنی مہربانیوں کا نزول مختلف صورتوں میں کرتا ہے ان صورتوں میں ایک صورت بندوں پر کسی خاص بندے کی صورت میں بھی مہربانی کرنا ہے تاریخ شاہد ہے کہ جس عہد میں بھی کسی نے اہل ایمان کے قلب وروح کا رشتہ ان کے کریم آقا ﷺ سے کمزور کرنے کی کوشش کی تو قدرت الہیہ نے کسی مردِ صالح کا انتخاب فرمایا: جو قلب وروح کے ان رشتوں کو جو ذات رسالت ﷺ سے وابستہ ہوتے ہیں ایقان استحکام کا سبب بنا۔ ہر عمل کسی اساس کا مظہر ہوتا ہے بغیر اساس کے عمل کی جہت، رخ اور منزل متعین نہیں ہوتی اسلام نے اعمال کی اساس نبی اکرم ﷺ سے کامل وابستگی کو قرار دیا ہے عمل کی بس یہی اساس فکر کو راسخ کو صالح اور منزل کو واضح کرتی ہے۔

عہد حاضر کا ایک عظیم مفسر، محدث اور فقیہہ جس کو دنیا علامہ غلام رسول سعیدی کے نام سے جانتی ہے کی ذات اردو تفاسیر اور شروحات میں سب سے معتبر اور مستند حوالہ بن چکی ہے۔ نکات تفسیر ہوں یا رموزِ حدیث، مسائل فقہ ہوں یا مباحث فلسفہ ہر بحث میں ایک نئی جہت سے متعارف کروانا ہی آپ کا خاصہ رہا ہے۔ عصری مسائل میں سے شاید ہی کوئی موضوع ہو جس پر علامہ سعیدی کا قلم رسا حرکت میں نہ آیا ہو۔ اتنا کچھ کہنے، لکھنے کے بعد جنوبی ایشاء کے اس مفسر اعظم اور شارح اعظم کی عاجزی یہ تھی کہ اپنی تحقیق کو کبھی حرف آخر قرار نہ دیا بلکہ فرمایا: اگر اس میں کوئی بہتری وخوبی ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر کوئی کمی ہے تو یہ میری طرف سے ہے، حضرت علامہ سعیدی نے ہر اس فکر اور نظریہ کا بڑے احسن اور موثر انداز سے رد بلیغ کیا جو مبادیات اسلام اور اجماع امت کے خلاف تھا لیکن آپ کا یہ اختلاف اصولی اور علمی بنیادوں پر ہوتا جس میں ایک عالمانہ وقار نظر آتا ہے۔

۲۰۱۲ء میں ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد اکرم ورک کی کتاب ''متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات'' شائع ہوئی تو انہوں نے علامہ سعیدی صاحب کو بھی بھجوائی چندہ ماہ بعد اسلامک ریسرچ کونسل پاکستان کے زیر اہتمام کراچی یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ میں اسلام کے معاشی نظام کے حوالے سے کانفرنس مورخہ ۱۴ اپریل ۲۰۱۲ بروز ہفتہ صبح ۱۰:۰۰ تا ۱:۰۰ بجے دوپہر کا انعقاد ہوا۔ اس سے اگلے روز مورخہ ۱۵ اپریل ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح ۱۰:۰۰ بجے تا ۱:۰۰ بجے دوپہر دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں ڈاکٹر ورک کی مذکورہ کتاب کی تقریب رونمائی تھی۔ جس کی صدارت استاذ العلماء علامہ جمیل احمد نعیمی نے کی تقریب کے بعد وفد کی درخواست پر علامہ جمیل احمد نعیمی کے توسط سے علامہ سعیدی صاحب سے ایک نشست ہوئی انہوں نے جس طرح ہم چاروں افراد (ڈاکٹر محمد اکرم ورک، ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان، ڈاکٹر محمد حسیب قادری اور راقم الحروف) پر شفقت فرمائی اور علوم حدیث کے حوالے سے بصیرت افروز اور ایمان افروز رہنمائی فرمائی، ان کی وہ باتیں اور یادیں ہم سب کے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ واپسی پر ہم چاروں ہی یک نئے عزم و جذبے سے سرشار تھے کہ فاضل دوست ڈاکٹر محمد کریم خان نے تو اسی وقت ہم سب کے سامنے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے موقع اور توفیق دے تو میں بھی حدیث کی شرح کروں گا۔

بحمد ربی ایک مردِ محقق اور صالح فرد کی ایک ملاقات کا یہ فیض ہے کہ آج ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان کی نسائی شریف کی شرح کی موسوم تیسری جلد منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ اس ملاقات میں علامہ سعیدی نے ڈاکٹر محمد اکرم ورک سے فرمایا آقا کریم ﷺ پر جادو کے اثرات کے حوالے سے میں آپ کی تحقیق و توجیہ سے متفق نہیں ہوں۔ کیا آقا کریم ﷺ کی عظمت و شان کے مقابل امام بخاری کی روایت کو چھوڑا نہیں جا سکتا؟ میرے آقا کریم ﷺ کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے خاص کرم فرمایا کہ ہمیں اس عظیم ہستی کے جنازہ میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی، ہم نے علامہ غلام رسول سعیدی کے مایہ ناز شاگرد اور استاد گرامی شیخ الحدیث علامہ غلام نصیر الدین چشتی (شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور)، علامہ ڈاکٹر راغب حسین نعیمی (ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ، لاہور)، مفتی محمد حسیب قادری، مفتی انتخاب احمد نوری اور محمد ضیاء الحق نقشبندی کی محبت میں کراچی جا کر نماز جنازہ میں شرکت کی، علامہ سعیدی کی زیارت نصیب ہوئی آپ کا نور نور چہرہ پھول کی طرح مسکرا رہا تھا۔ (سبحان اللہ)، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کرم شفیع معظم مکرم کے طفیل علامہ سعیدی صاحب کے درجات کو مزید بلندی عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کے طفیل ہمیں بھی دنیا و آخرت میں بھلائی عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ)،

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ مٹی از جنس زمین (صعید) سے تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ صعید کا معنی صرف مٹی نہیں، بلکہ روئے زمین ہے، اور اس سے مراد جنس زمین ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

☆ آقا کریم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے، جیسا کہ مذکورہ جنبی صحابی نے کیا، آپ ﷺ نے اس کی تصحیح فرمادی، یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر عالم دین کوئی کام خلافِ شرع دیکھے، تو اس کی خود اصلاح کردے۔

☆ امام کو چاہیے کہ وہ نمازیوں کو جماعت میں شرکت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ ترغیب دے، عصرِ حاضر میں اس امر کی بہت کمی محسوس کی جاتی ہے۔

☆ علماء کرام کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام اور شرعی مسائل سمجھانے کے لیے نرم لہجہ کے ساتھ سنجیدہ گفتگو فرمائیں۔

☆ مٹی اور جنس زمین کی ہر شے سے تیمّم کرنا جائز ہے۔

بَابُ الصَّلَوَاتِ بِتَيَمُّمٍ وَاحِدٍ　　باب: ۲۰۴ ایک تیمّم سے متعدد نماز پڑھنا

جمہور فقہا کے نزدیک تیمّم طہارت کا بدل مطلق ہے، اس لیے جب تک پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہو، ایک ہی تیمم سے کئی ایک نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اگر چہ یہ صورتِ حال دنوں سے سالوں تک ہو البتہ امام شافعی کے نزدیک تیمم بدل ضروری ہے، اس لیے ہر فرض کے لیے علیحدہ تیمّم کرنا ضروری ہے، البتہ تمام آئمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک تیمم سے سنتیں اور نفل جتنے چاہے ادا کیے جاسکتے ہیں۔ پچھلے باب میں مٹی اور جنس زمین کی دیگر اشیاء سے تیمّم کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں ایک تیمّم سے متعدد نمازیں پڑھنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے،

۳۲۱۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَخْلَدٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ

حضرت ابوذر غفاری کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی (اور جنس زمین کی دیگر اشیاء) مسلمان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہے، اگر چہ اسے دس سال پانی نہ ملے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ جب تک پانی میسر نہ ہو، اس وقت تک تیمّم ہی پاکی کا ذریعہ ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک تیمّم سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

اطراف:

ابوداؤد: ۳۳۲، ترمذی: ۱۲۴، ابن خزیمہ: ۲۲۹۲، حاکم: ۶۴۶، مصنف عبدالرزاق: ۹۱۳، ابن حبان: ۱۳۱۱، احمد، ج ۵، ص: ۱۵۵، السنن الکبریٰ (بیہقی)، ج ۱، ص: ۲۲۰، دارقطنی، ج ۱، ص: ۱۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص: ۱۵۶، الاوسط طبرانی: ۴۸۴، السنن الکبریٰ: ۳۱۱، تحفۃ الاشراف: ۱۱۹۷۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کا تعارف لکھا جاتا ہے۔

۱۔عمرو بن ھشام:	راجع:۲۲۲	۲۔مخلا:	راجع: ایضاً
۳۔سفیان:	راجع:۱۱۱	۴۔ایوب:	راجع:۱۶۲

۵۔ابوقلابہ:

نام ونسب:

عبداللہ نام ہے۔ابوقلابہ کنیت۔کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔نسب نامہ یہ ہے عبداللہ بن زید بن عمر بن ناہل بن مالک بن عبید بن علقمہ بن سعد جرمی بصری۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے بصرہ کے ممتاز تابعین میں تھے۔حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں ان کے علمائے اعلام میں لکھتے ہیں(۱)۔ابن عماد حنبلی امام اور علم وعمل میں راس العلماء لکھتے ہیں۔(۲)

حدیث:

حدیث کا ان کو خاص ذوق تھا۔اور اس کی بڑی جستجو رہتی تھی۔ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن تک ایک مقام پر ٹھہرے رہتے تھے۔ایک مرتبہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے تین دن تک مدینہ میں مقیم رہے۔اس کے علاوہ ان کا وہاں اور کوئی کام نہ تھا(۳)۔اس ذوق وجستجو نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا۔علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں(۴) صحابہ میں ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ عمرو بن سلمہ جرمی مالک بن حویرث، انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایات ملتی ہیں۔(۵)

تلامذہ:

ان سے روایت کرنے والوں میں ایوب، خالد الحذاء، ابورجاء یحییٰ بن ابی کثیر اشعث ابن عبدالرحمٰن جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں(۶)

اعتدال فی الروایت:

ان سے سماع حدیث کے بڑے بڑے علماء شائق رہتے تھے۔مگر یہ احتیاط کی وجہ سے بہت کم بیان کرتے تھے۔ابوخالد کا بیان ہے کہ ہم

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ج۱،ص:۸۲ وتہذیب التہذیب،ج۵،ص:۲۲۴
۲۔ شذرات الذہب،ج۱،ص:۱۲۶
۳۔ طبقات ابن سعد۔ج۷،ص:۱۳۴
۴۔ ایضاً
۵۔ تہذیب التہذیب،ج۵،ص:۲۲۵
۶۔ ایضاً

لوگ حدیثیں سننے کے لیے ابوقلابہ کے پاس جاتے تھے۔ وہ تین حدیثیں سنانے کے بعد کہتے ہیں، بس اب سنا چکا۔ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ ان سے فرمائش کر کے حدیث سنتے تھے۔

میمون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابوقلابہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے۔ انہوں نے حدیثیں سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین میں زیادہ حدیثیں بیان کرنے اور بالکل سکوت اختیار کرنے دونوں کو برا سمجھتا ہوں۔ (۱)

فقہ:

میں ان کا پایہ بلند تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ابوقلابہ فقہائے ذوی الالباب میں تھے۔ (۲) قضاء کا ملکہ: اس فقہی کمال کی وجہ سے قضاء کا خاص ملکہ تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں ابوقلابہ سے زیادہ فیصلہ کرنے کی استعداد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ مسلم بن یسار کہتے تھے کہ اگر ابوقلابہ عجم میں ہوتے تو قاضی القضاء ہوتے۔ (۳)

عہدہ قضاء سے انکار:

لیکن اس استعداد کے باوجود عہدہ قضا سے بہت گھبراتے تھے۔ ایوب کہتے تھے کہ میں نے ان کو قضا کا جتنا بڑا عالم پایا اتنا ہی سختی سے اس سے بھاگنے والا اور اس کو برا سمجھنے والا پایا۔ وہ عہدہ قضا کے لیے بلائے گئے۔ ان کو اس سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے۔ ایک عرصہ کے بعد جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا، اگر آپ قضاء کا عہدہ قبول کر لئے ہوتے اور لوگوں میں انصاف کرتے تو اس میں آپ کو اجر ملتا۔ جواب دیا، ایوب مانا ایک شخص تیراک ہے، لیکن وہ سمندر میں پڑ جائے تو بتاؤ کتنا تیر سکتا ہے۔ (۴)

کتب خانہ:

اگرچہ اس زمانہ میں کتب خانوں کا رواج کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن ابوقلابہ کے ذوق علمی نے کتابوں کا متعدد ذخیرہ جمع کر لیا۔ مرض الموت میں اس کے متعلق وصیت کرتے گئے تھے کہ ایوب سختیانی کو دے دی جائیں، اگر وہ زندہ نہ ہوں تو جلا دی جائیں۔ (۵)

بدعات سے نفرت:

عقائد و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ اور اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ مبتدعین کے مقابلہ میں تلوار تک اٹھانا جائز کر دیا۔ ایسے لوگوں سے ملنا اور بحث اور مباحثہ کرنا بھی پسند نہ تھا۔ چنانچہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ ہوا پرستوں (مبتدعین) کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے مجادلہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں مبتلا اور جس شے کو تم اچھی طرح جانتے ہو اس میں مشکوک نہ کر دیں۔ ان کا علاج وہ صرف تلوار سمجھتے تھے۔ ایوب کا بیان ہے کہ ابوقلابہ کہتے تھے کہ ہوس پرست (مبتدعین) گمراہ ہیں۔ میرے نزدیک ان کی جگہ یقینی دوزخ ہے۔ میں نے ان کا پورا تجربہ کیا ہے جو نئی رائے نیا قول ظاہر کرتا ہے۔ وہ بغیر تلوار کے اس سے باز نہیں آتا۔ نفاق کی بہت سی قسمیں ہیں (۶)۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۷، ص: ۱۳۴ ۲۔ ایضاً، ص: ۱۳۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص: ۱۳۵ ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص: ۱۳۵

۱۔"منهم من عاهد الله"

انہی میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے عہد لیا۔

۲۔" و منهم الذين يوء ذون النبي"

اور انہی میں وہ لوگ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے تھے۔

۳۔"ومنهم من يلمزك في الصدقات"

اور انہی میں ہیں جو صدقات کی تقسیم میں تم پر الزام لگاتے ہیں۔

تلاوت کر کے فرمایا: اگر چہ ان کے اقوال مختلف ہوتے۔لیکن شک اور تکذیب پر سب کا اتفاق ہوتا اور یہ مختلف اقوال رکھنے والے سب تلوار کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کا مستقر دوزخ ہے۔مبتدعین کو اپنے پاس آنے تک نہ دیتے تھے۔جب ان کے یہاں کوئی شخص آتا تو بغیر اطمینان کیے آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔غیلان بن جریز کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ مکہ جانا چاہتا تھا۔اس لیے ان کے پاس گیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔انہوں نے کہا اگر ضروری نہیں ہو تو اندر آسکتے ہو(۱)

ایک گمراہ کن بدعت:

آج کل مذہب کے رنگ میں یہ نیا گمراہ کن مذہب پھیل رہا ہے۔کہ لوگ حدیث کے مقابلہ میں کتاب اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ابوقلابہ ایسے مذہب پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔چنانچہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی سے کوئی سنت بیان کرو وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ اس کو چھوڑ دو اور کتاب اللہ کو پیش کرو تو اس کو گمراہ سمجھو۔(۲)

عرفان نفس:

اپنی حقیقت پہچاننے والے کو نجات کا اور خود فراموش کو ہلاکت کا مستوجب سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ جس شخص کو دوسرے لوگ خود اس سے زیادہ جانتے ہوں وہ ہلاکت کا اور جو شخص خود اپنے نفس کو دوسرں سے زیادہ پہچانتا ہو وہ نجات پانے کا مستحق ہے(۳) حقیقی دولت مندی اور حقیقی علم خدا کے عطیہ پر قناعت کو حقیقی دولت منداور دوسروں کے علم سے استفادہ کرنے والے کو حقیقی عالم سمجھتے تھے کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے غنی کون ہے فرمایا: جو اس شے پر راضی ہو جو خدا نے اسے دی ہے۔پھر سائل نے پوچھا کہ بڑا عالم کون ہے، جواب دیا جو دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔(۴)

ابتلاء وآزمائش پر صبر:

صبر وشکر وتسلیم ورضا میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔بڑی سے بڑی مصیبت اور آزمائش کے موقع پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ عبدالمومن بن خالد کا بیان ہے کہ آخر عمر میں ابوقلابہ کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں سب اعضاء بیکار ہو گئے تھے۔ان مصائب کے باوجود ان کی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۳۴　　۲۔ ایضاً　　۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص: ۱۳۳

۴۔ ایضاً

زبان پر حمد وشکر کے علاوہ کوئی کلمہ نہ تھا۔(۱)

ان کی ہستی دوسروں کے لیے موجب خیر و برکت تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ شامیوں سے فرماتے تھے کہ جب تک تم میں یہ (قلابہ) موجود ہیں اس وقت تک تم لوگ بھلائی میں رہو گے۔(۲)

وفات:

مرض الموت میں عمر بن عبد العزیز ان کی عیادت کو آئے اور انہیں ثبات و استقلال کی تلقین کی اسی بیماری میں وفات پائی۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ تھا۔(۳)

۶۔عمرو بن بجدان:

آپ کا نام عمرو بن بجدان عامری بصری ہے۔ آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ہیں۔ آپ سے صرف حضرت ابوقلابہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان اور امام عجلی نے ثقہ تابعی لکھا ہے، جبکہ امام ذہبی اور ابن حجر عسقلانی نے مجہول الحال قرار دیا ہے، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۴)

۷۔حضرت ابوذر غفاری:

نام ونسب:

جندب نام، ابوذر کنیت ''مسیح الاسلام'' لقب سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حرام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھی۔

قبل از اسلام رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوذر کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزن تھے، تن تنہا نہایت جرات اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ ظہور اسلام سے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا، وہ خدا کی پرستش کرتے تھے۔ ابو معشر راوی ہیں۔ ابوذر جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کو معبود نہیں سمجھتے تھے۔ اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی اطلاع دی۔ اس کے الفاظ یہ تھے کہ ''ابوذر مکہ میں تمہاری طرف ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔(۵)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۸۲ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص: ۲۲۵

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص: ۱۳۵، سیر الصحابہ، ج ۷، ص: ۴۳۳۔۴۳۶

۴۔ i۔الثقات، ج ۵ ص: ۱۸۱ ii۔تاریخ الثقات، ص: ۶۲ iii۔میزان الاعتدال، ج ۳، رقم ۶۳۳۲ iv۔تقریب التہذیب، ج ۲، ص: ۷۱

۵۔ طبقات ابن سعد ج ۴، ص: ۱۲۳

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ کہتے تھے کہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کس کی نماز پڑھتے تھے؟ کہا خدا کی پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے، جواب دیا ''جس طرح خدا پھیر دیتا''

اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش:

چونکہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے، اس لے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا، جب چار آدمیوں کے سواہ ساری دنیا کی زبانیں، اس اعلان حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے۔ ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا وہ واپس آئے تو میں نے پوچھا، کہو کیا خبر لائے انہوں نے کہا ''خدا کی قسم! یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لیے خانہ کعبہ جا کر ٹھہر گیا، اور زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا اتفاق سے ایک دن علی رضی اللہ عنہ گذرے، انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں! وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے۔ لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علی رضی اللہ عنہ گذرے اور پوچھا کہ اب تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا؟ میں نے کہا نہیں، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے۔ اس مرتبہ انہوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ مین نے کہا گر آپ اس کو راز میں رکھیں تو عرض کروں، فرمایا مطمئن رہو، میں نے کہا میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے، پہلے اس کی خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا۔ سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا۔

راستے میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرے سامنے اسلام پیش کیجیے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا: ابوذر رضی اللہ عنہ ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤں، تم میرے ظہور کے بعد واپس آنا، مین نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو لینا، اس آواز کے

ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ وغضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہ نعرہ مستانہ تھا:

در عجا بہائے طور عشق حکمتہا کم است عشق را با مصلحت

اندیشی مجنون چہ کار

ہجرت ومواخاۃ:

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذر بنی غفار میں رہے اور بدر، احد، خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اس بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحق راوی ہیں کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ اور منذر بن عمرو کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی، لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔(۱)

مدینہ کا قیام:

مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آ کر مسجد میں آرام کرتا تھا۔(۲)

عہد شیخین:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فطرۃً فقیر منش، زہد پیشہ، تارک الدنیا اور عزلت پسند تھے، اسی لیے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب دیا تھا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کر لیا، لیکن قیام دیار محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لیے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور بھی شکستہ خاطر کر دیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لیے مدینہ چھوڑ کر شام کی غربت اختیار کر لی۔(۳)

عہد عثمانی:

اسلام کی اصل سادگی شیخین کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت کے ساتھ مال ودولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃً سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے، چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان وشوکت کی ابتداء ہو چکی تھی، ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش وتنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے، شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، دولت و

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۴، ص: ۱۶۶　۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۱۷۴　۳۔ الاستیعاب، ج ۱، ص: ۸۳

ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی جگہ جگہ قصر وایوان بننے لگے، زرق برق پوشا کیں پہنی جانے لگیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال ودولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمانوں کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر اپنے لیے دولت کا خزانہ جمع کرے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ امرائے شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کرلی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق، دولت وحشمت اور ساز وسامان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے اور ان کے زائد ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔(۱) جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

اس آیت پاک سے پہلے یہود ونصاریٰ کا ذکر ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسلمانوں اور غیر مسلم۔۔۔ دونوں کے متعلق سمجھتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے، بہر حال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن وتشنیع شروع کردی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلالیا جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ بلالیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اس کو خدا کی راہ میں راہ خرچ کرتا ہے، کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابوذر بگڑ گئے اور کعب پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔(۲)

اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں ہے، یہی کہہ کر واپس چلے آئے۔

ربذہ کا قیام:

لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا، لوگ آ آ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تعجب سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوتی مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمان نے ان سے کہا، یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی۔(۳)

۱۔ التوبہ ۹: ۳۴ ۲۔ حلیۃ الاولیا ابونعیم، ج۱، ص: ۱۶۰ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص: ۱۶۶

بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ گئے یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمان رضی اللہ عنہ مجھ کو سولی پر چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق یا مشرق سے دوسرے افق سے مغرب بھیج دیتے تب بھی سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی اپنی سعادت سمجھتا۔

وفات:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے ۳۱ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا: رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، میں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہو وہ آگ سے بچانے کے لیے کافی ہیں، آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمان کی ایک جماعت پہنچ جائے گی میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لیے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں بحلف کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جھوٹ بیان نہیں کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے۔ اس لیے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے ہیں اور راستہ بند ہو چکا ہے فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمار داری کرتی تھی، اس دوڑ دھوپ اور تلاش و انتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیے میں نے اشارہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ پوچھا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، میں نے کہا ہاں وہ لوگ فـد اك بابی وامی کہہ کر ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پہلے ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اس کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنی عہدیدار بھی ہو وہ مجھ کو نہ کفنائے اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت میں مامور رہ چکا تھا۔ چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں انہیں ہی میں آپ کو کفناؤں گا، فرمایا ہاں تم ہی کفنانا۔ اس وصیت کے بعد وفات پائی، متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی

۱۔　طبقات ابن سعد، ج ۴، ص: ۱۶۷

تھے جو عراق جارہے تھے، بہر حال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنایا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر سب نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پیوند خاک کیا۔

حلیہ:

قد دراز، رنگ سیاہی مائل، داڑھی تھی، سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید (۱)

ترکہ:

فقیروں کے کلبہ احزان میں کیا تھا، صرف تین گدھے دو مادہ ایک نر، چند بکریاں کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل وکمال:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے حاضر باش تھے۔ ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول وفروع، ایمان اور احسان، رویت باری خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز، حتی کے نماز میں کنکر چھونے تک کے بارے میں پوچھا۔ (۲) اسی ذوق وشوق اور تلاش و جستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جو علم اور عمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔ (۳)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے، جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے۔

حدیث:

کلام حبیب ہونے کی حیثیت سے قدرۃ آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ (۴) یہ تعداد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ علیہ السلام تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لیے ان کے علم کی اشاعت نہ ہوسکی ورنہ صحابہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عبداللہ بن صامت، زید بن ذبیاں، عبداللہ بن شقیق، عمرو بن میمون عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زبید وغیرہ ہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ (۵)

افتاء میں صداقت:

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی ان میں ان کا نام نامی بھی تھا۔ (۶) مگر ان کے فتاوی کی تعداد بہت کم ہے فتوی میں

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص: ۱۵　　۲۔ حلیۃ الاولیا، ج ۱، ص: ۱۶۹　　۳۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۶۶۵

۴۔ تہذیب الکمال، ص ۴۴۹　　۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص: ۹۰

۶۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص: ۱۳۰　تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص: ۱۶

وہ کسی کے مطلق رورعایت نہ کرتے تھے، اور بلا کسی خوف وہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہتے تھے، عہد عثمانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آکر کہا ان سے فتوی پوچھا کہ عثمان محصلوں نے صدقہ میں اضافہ کردیا ہے ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟ فرمایا نہیں اس سے کہو کہ جو واجبی وہ اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو اس کو واپس کردیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتوی ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا وہ بولا آپ کیوں فتوی دیتے ہیں۔ کیا آپ کو امیر المومنین نے فتوی دینے سے منع نہیں کیا؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھے یقین ہو جائے گا کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ آنحضرت محمد ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔

فرمان رسول اللہ ﷺ کا پاس:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کو ہر لحہ پیش نظر رکھتے، اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عاھد لی خلیلی رسول اللہ ﷺ یا سمعت خلیلی رسول اللہ ﷺ، میرے دوست رسول اللہ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا، تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لیے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۱) اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری چادر غلاموں کو دے دی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے لیکن میں نے آنحضرت محمد ﷺ سے سنا ہے کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کے لیے بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔ ایک مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟ عرض کی تلوار سے کام لوں گا، فرمایا: میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ۔ (۲) اس مشورہ پر انہوں نے ایسی سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو گوشہ نشینی اختیار کر لی اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے، عرض کی مسجد نبوی یا اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ کرو گے؟ عرض کی تلوار نکالوں گا آنحضرت محمد ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہا ابوذر رضی اللہ عنہ خدا تمہاری مغفرت کرے، تلوار نہ نکالنا بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کر کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت محمد ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ (۳)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۱۶　　۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۶۶،　　۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۱۴۴

حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ذات نبوی کے ساتھ جو شیفتگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا ہے، ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آدمی کسی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ تم جس شخص سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو، عرض کیا اور میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں فرمایا کہ تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو جس سے محبت کرتے ہو، (۱) آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آجاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا حضرت احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کررہا ہے جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے اس کے بعد کہا میرے دوست ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے مجھ کو خبر دی ہے صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے پھر کہا کہ میرے دوست ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے مجھ کو خبر دی ہے ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں سنبھل کر کہا میرے دوست ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بندہ خدا کو سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کرکے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی یہ سن کر میں اپنی تقصیر پر بہت نادم ہوا۔ (۲)

بارگاہ نبوی میں پذیرائی:

حریم نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں، جب یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو تخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوئی تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ فرماتے۔ (۳) یہ محبت اور یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور راز داری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا: اگر آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا۔ (۴) یہی یگانگت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی، چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے اوپر جھک گئے، اور محبوب عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر چمٹا لیا۔ (۵) نہ معلوم ہو یہ نگاہ واپسیں کیا کام کرگئی کہ آخر دم تک وارفتگی کا عالم طاری رہا؛ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز اپنے لیے پسند فرماتے تھے وہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی پسند فرماتے تھے، کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ناتواں ہو اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ (۶)

۱۔ ابوداؤد، ج ۲ ص ۳۱۲، ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۱۶۴ ۳۔ الاصابہ، ج ۵ ص ۲۶ ۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۱۶۲

۵۔ ایضاً ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۱۷۰

خلیفہ کی اطاعت:

اگر چہ ابوذر رضی اللہ عنہ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے برتابی نہ کرتے تھے اور گذر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس عملاً کر کے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک حبشی تھا، جب ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو آپ کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا تم ہی نماز پڑھاؤ تم حبشی غلام ہو لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی امیر کیوں نہ ہو مگر اس کی اطاعت کرنا، خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا اس کی مخالفت نہ کرتے تھے، بلکہ خود بھی وہی کرتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت میں حج کو گئے کسی نے آکر اطلاع دی کہ منی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار گزرا اور درشت الفاظ استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے، اس کے بعد انہوں نے امامت کی، مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں، لوگوں نے کہا آپ نے تو امیر المومنین پر اعتراض کیا، لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء ہوں گے، ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان کی تذلیل کرے گا اس نے گویا اسلام کی حبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لیے بند کر لیا۔(۱) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنے کہ آپ امراء و خلفاء کی تمام جا بیجا باتوں کو مان لیتے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔(۲)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد و شابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ اٹھاون ویں (۵۸) حدیث مبارکہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ حضرت مخلد صدوق اور حضرت عمرو بن بجدان مختلف فیہ ہے۔

☆ حضرت ابوقلابہ، حضرت عمرو، بن بجدان اور حضرت ابوذر غفاری سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے دو راوی رانی، باقی بصری اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ شامی راوی ہیں۔

☆ حضرت ابوذر سے کل دو سو اکیاسی (۲۸۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ جن میں سے بارہ متفق علیہ، دو میں امام بخاری اور انہیں میں

۱۔احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۱۶۵ ۲۔سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۳۸۶۔۳۹۹

امام مسلم منفرد ہیں۔

☆ سنن نسائی میں آپ سے چھیالیس (۴۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اخبرنا اور حدثنا ایک ایک دفعہ، جبکہ عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الصعید : مٹی یا جنس زمین کی کوئی بھی شے۔

اسطیب: پاکیزہ، پاک، پاک کرنے والی۔

وضوء : فتح کے ساتھ پانی کا قائم مقام رفع کے ساتھ ہو تو مٹی کا استعمال۔

المسلم: مسلمان۔

ان لم یجد : اگر وہ نہ پائے، اگر اس کے پاس نہ ہو۔

المنا : پانی۔

عشر سنین : دس سال، اس سے کثرت مراد۔

۷۔مسائل ونصائح:

ا۔تیمّم کی مدت کے بارے میں مذاہب فقہاء:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا:

مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ فرماتے ہیں وہ شخص جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو اور استعمال پر قدرت نہ رکھے جیسے مجبور اور قید شخص پانی کی قریب بندھا ہوا شخص یا درندے یا چور سے جان کا خوف رکھنے والا شخص خواہ سفر میں ہو یا حضر میں اور خواہ وہ سفر معصیت (گناہ کے کام کے لیے سفر) ہو ان لوگوں کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے کیونکہ تیمّم مطلقاً مشروع ہے خواہ سفر میں یا حضر میں نیکی میں ہو یا بدی کے لیے سفر کر رہا ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شخص پانی سے محروم شخص ہے اور اس لیے بھی کہ نبی اکرم ﷺ کا قول عام ہے کہ پاک مٹی مسلمانوں کے لیے پاک کرنے والی چیز ہے خواہ وہ دس سال پانی نہ پائے۔ پس جب وہ پانی پالے تو اپنی کھال سے لگالے کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے، (بروایت ترمذی حضرت ابوذر اور انہوں نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔)، تاہم شوافع فرماتے ہیں وہ مقیم شخص جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرے وہ پانی مل جانے پر دوبارہ نماز ادا کرے، مسافر نہیں، ہاں اگر وہ سفر معصیت میں ہو تو وہ بھی قضاء کرے گا صحیح قول کے مطابق وہ رخصت کا اہل نہیں ہے۔(۱) باقی مذہب کے نزدیک اور راجح قول کے مطابق حنابلہ کے ہاں بھی وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے اپنے ذمہ لازم کا انجام

ا۔　درمختار، ج ا، ص:۱۰۶

دے لیا ہے، لہذا وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو گیا اور دوسری بات یہ کہ اس نے مشروع تیمّم کے مشروع طریقوں پر نماز کی ادائیگی کی تو وہ مریض اور مسافر کے مشابہ قرار پایا۔ (۱) تاہم احناف نے اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو تیمّم کرنے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ شخص تیمّم کرے اور بعد میں نماز کا اعادہ کرے۔ (۲)

تیمّم کا وقت:

احناف جو کہ تیمّم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں۔ (البدائع، ج ۱ ص: ۵۴ الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، ج ۱ ص: ۲۲۳)، کہ تیمّم از وقت اور ایک فرض سے زاید کے لیے کیا جا سکتا ہے اور فرض کے علاوہ نوافل کے لیے کی جا سکتا ہے۔ کیونکہ تیمّم کے نہ ہونے کی صورت میں مطلقاً بدل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے حدث پانی پائے جانے کے وقت تک مرتفع ہو جاتا ہے اور تیمّم بدل ضروری نہیں ہے کہ یہ حدیث کے حقیقتاً موجود ہونے کی باوجود صرف عارضی طور پر اباحت کر دیتا ہو جیسا کہ جمہور کا خیال ہے کہ ان کے ہاں وقت سے پہلے یہ جائز نہیں ہوتا اور ایک سے زائد فرض اس سے نہیں ادا کیے جا سکتے ہیں۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ عبادات میں وقت تحدید و تعین ایسی چیز ہے جو صرف نقلی اور سماعی دلیل سے ثابت ہو سکتی ہے۔ (عقل کا اس کی تعین میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔) اور اس بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے، لہذا اس کو وضو پر قیاس کی جائے گا۔ اور وضو قبل از وقت درست ہو جاتا ہے لہذا یہ بھی از وقت درست ہوگا۔

جمہور یعنی مالکیہ م شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں۔ (۳) کہ تیمّم صرف اس فرض کے وقت شروع ہونے کے بعد صحیح ہوگا، جس کے لیے انسان تیمّم کر رہا ہو، لہذا فرض نماز کے لیے اس کے وقت شروع ہونے سے قبل تیمّم کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معین نفل یا سنت کے لیے اس کے وقت سے پہلے تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے فرائض کی سنتیں۔ فرض کے بارے میں یہ حکم اس لیے ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے یہ الفاظ اذا قمتم الی الصلاۃ یہی معنی دیتے ہیں کیونکہ نماز کی طرف کھڑا ہونا وقت داخل ہونے کے بعد ہی ممکن ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے کہ سو میری امت میں سے جس شخص کو نماز مل جائے تو وہ پڑھ لے اور وہ حدیث جو امام احمد نے روایت کی ہے کہ جہاں مجھے نماز ملتی میں مسح کرتا ہوں اور نماز پڑھ لیتا ہوں، یعنی تیمّم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تیمّم نماز کو پانے کے بعد کرنا چاہیے اور نماز کو وقت داخل ہونے کے بعد ہی پایا جا سکتا ہے اور نفل کے بارے میں یہ حکم حضرت ابوامامہ سے مروی ہے مرفوع حدیث کی وجہ سے ہے۔ جس کے الفاظ ہیں زمین پوری کی پوری میرے اور میری امت کے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔ تو جہاں میری امت کے کسی فرد کو نماز مل جائے تو وہیں اس کی مسجد ہے اور اس کو پاک کرنے دینے والی چیز ہے۔ (بروایت امام احمد، بخاری امام مسلم اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے الفاظ کے ساتھ حدیث نقل فرمائی ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔)

۱۔ میری مدد ایک مہینے کی مسافت دور سے طاری ہو جانے والے رعب کے ذریعے کی گئی۔

۱۔ المغنی ج ۱ ص ۲۳۵، کشاف القناع، ج ۱ ص ۱۹۵ ۲۔ الفقہ اسلامی وادلتہ، ج ۱ ص: ۳۸۴۔۳۸۵

۳۔ بدایۃ المجتہد، ج ۱ ص: ۶۵ القوانین الفقہی ص: ۳۷ مغنی المحتاج، ج ۱ ص: ۱۰۵، المہذب، ج ۱ ص: ۳۴، کشاف القناع، ج ۱ ص: ۱۸۴

۲۔ زمین میرے لیے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنادی گئی تو میری امت کا جو شخص نماز پائے تو وہ اس کو ادا کرے۔

۳۔ میرے لیے غنیمت حلال کی گئی ہے مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھی۔

۴۔ مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

۵۔ نبی پہلے کسی خاص قوم کے پاس بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور وضو تو وقت سے قبل اس لیے جائز ہے کہ وہ حدث کو رفع کرنا والا ہے بخلاف تیمم کہ وہ ضرورت کے موقع کی طہارت ہے تو یہ وقت سے پہلے درست نہیں ہوگی، مستحاضہ کی طہارت، طواف کی دو رکعت کے لیے تیمم ہر وقت درست ہے کیونکہ وہ ہر وقت مباح ہے وہ فوت شدہ نماز جو اس شخص کو یاد آجائے اور وہ اس کو انجام دینے کا ارادہ کرے اس کے لیے بھی تیمم ہر وقت درست ہوگا۔ کیونکہ اس نماز کو ہر وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ تیمم سورج گرہن کی نماز کے لیے سورج گرہن کے وقت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ممنوعہ اوقات نہ ہو۔ (نفل نماز پانچ اوقات میں مکروہ ہے) اور صلوۃ الاستسقاء کے لیے جمع ہو جانے پر اس لیے تیمم کرنا درست ہے اور نماز جنازہ کے لیے میت کو غسل دینے جانے کے وقت یا عذر کی وجہ سے تیمم کرے عید کی نماز کے لیے اس وقت شروع ہونے پر تیمم کیا جاسکتا ہے اور نذر نماز کے لیے کسی بھی وقت تیمم کیا جاسکتا ہے اور نفل کے کرنے کا سبب پائے جانے پر تیمم کر لینا درست ہے جیسے تحیۃ المسجد کیونکہ اس کا سبب پایا جانا اس کا وقت ہوتا ہے۔ نفل معین یا نفل موقت کہہ کر مطلق نفل سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ ان نوافل کا کوئی معین وقت نہیں ہوتا۔ ماسوا ممنوعہ اوقات کے وہ جب چاہے ان کے لیے تیمم کر سکتا ہے۔

کیا تیمم کو وقت کے آخر تک موخر کیا جاسکتا ہے۔ چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے [۲] (سورج طلوع ہوتے وقت)، کہ پانی ملنے کی امید ہونے پر تیمم کو آخر وقت تک موخر کرنا افضل ہے اور اگر پانی ملنے کی امید نہ ہو تو جمہور کے ہاں ماسوا حنابلہ کے اس کو اول وقت میں کر لینا مستحب ہے، امام احمد سے منصوصاً منقول ہے کہ تیمم کو ہر حال میں موخر کرنا اولی ہے اور احناف کے ہاں صحیح ترین بات یہ ہے تاخیر کا مستحب ہونا نماز کے مستحب وقت کے اخیر تک کے لیے ہے۔ (یعنی اتنا موخر کرنا افضل ہے کہ نماز اپنے مستحب وقت کے آخری حصے میں ادا ہو جائے،) کیونکہ تاخیر میں صرف یہ فائدہ ہے کہ نماز کو دو طہارتوں میں سے کامل طہارت کے ذریعے ادا کیا جاسکے گا، اور پانی ملنے کے یقین ہونے کی صورت میں تاخیر کرنا واجب ہے، خواہ اس میں قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہو جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ننگے شخص کو کپڑا ملنے کے یقین پر یا کنویں سے پانی نکالنے کے لیے ڈول مل جانے کے یقین پر تیمم کو موخر کرنا واجب ہے جب تک کہ قضاء ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ شوافع نے انتظار کی فضیلت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اس شخص کو آخر وقت میں پانی کے مل جانے کا یقین ہو چنانچہ اگر پانی ملنے کا شک ہو یا صرف ظن ہو پانی ملنے کا کہ شاید آخر وقت میں مل جائے تو اس صورت میں تیمم میں تعجیل کرنا افضل ہوگا اظہر قول کے مطابق کیونکہ اس صورت میں تعجیل کرنے کی فضیلت یقینی ہے اور وضو کی فضیلت یقینی نہیں ہے۔ مالکیہ نے اس بارے میں تفصیل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں پانی کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جانے والے کے لیے تیمم کو اول وقت کر لینا مستحب ہے اور پانی ملنے کے بارے میں تردد کا شکار ہونے کی صورت میں یعنی شک یا گمان کی صورت میں (جو غالب گمان نہ ہو) تیمم کو وقت کے بیچ تک موخر کرنا افضل ہے اور جس شخص کو امید

ہو یعنی وہ شخص جس کا ظن غالب پانی ملنے کا ہو کہ پانی مل جائے گا اس کے لیے تیمم کو آخر وقت تک موخر کرنا مستحب ہے۔

۳۔ ایک تیمّم سے کیا کیا انجام دیا جاسکتا ہے:

احناف فرماتے ہیں:

(زوال ہوتے وقت) کہ تیمم کرنے والے اپنے تیمم سے جتنے چاہیے فرائض ونوافل ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ نہ ہونے کی صورت میں وہ (تیمّم) ہی طہور (پاک کرنے والا) شمار ہوتا ہے، تو جب تک شرط پائی جائے (یعنی پانی کا نہ ہونا) اس وقت تک اس چیز کا وجود برقرار رہیگا لہٰذا وہ ایک تیمم سے دو یا اس سے زائد فرض ادا کرسکتا ہے، اور جتنی چاہے نوافل ادا کرسکتا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں[۱]، تیمم وقت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیمم ہر نماز کے لیے ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر نماز کے لیے تیمّم کرو دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم ضرورت کی طہارت ہے لہٰذا وہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے مستحاضہ کی طہارت۔ اور فرض طواف فرض نماز کی طرح ہے اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص حاضر نماز کے لیے تیمم کرے تو اس سے وہ نماز ادا کرے اور اگر اس کی قضاء نمازیں ہوں تو ان کو بھی اس تیمّم سے ادا کرے لہٰذا وہ موجود نماز پڑھے دو نمازوں کو جمع کرے اور فوت شدہ نمازیں ادا کریں اور دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک وہ جتنی چاہے نوافل ادا کرسکتا ہے۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں (ا) کہ ایک تیمّم سے دو فرض نمازیں ادا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تیمّم کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک تیمّم سے ایک فرض سے زیادہ ادا کرے ہاں وہ نوافل ایک سے زائد ادا کرسکتا ہے، اور مالکیہ کے ہاں فرض اور نفل ایک تیمّم سے ادا کرسکتا ہے اگر فرض کو پہلے ادا کرے۔ اور شوافع کے ہاں فرض کے پہلے اور بعد میں جتنی چاہیے نوافل ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ نوافل کی تعداد متعین نہیں ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ہر نماز کے لیے تیمّم کرے خواہ اس کو حدث کے لاحق نہ ہو اور دوسری یہ بات کہ یہ طہارت ضرورت ہے لہٰذا ہر فرض نماز کے لیے اس کا دوبارہ کرنا ضروری ہو ، خواہ دو فرض ایک ہی وقت میں ادا کیے جارہے ہوں جیسے ظہر، عصر کے ساتھ اور خواہ تیمّم مریض کو کرنا پڑتا ہو اور اس پر تیمّم بار بار کرنا شاق گزر رہا ہو۔ مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں بھی صحیح قول کے مطابق ایک تیمّم سے ایک فرض نماز اور نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے تو فی الجملہ وہ نفل کی طرح شمار ہو تیمّم کے اس کے لیے ساقط ہونے کے معاملے میں۔ نماز کے لیے کیے جانے والے تیمّم سے قرآن کریم چھونا اور حالت جنابت میں تیمّم کرنے کی صورت میں اس تیمّم سے نماز کی ادائیگی کے ساتھ تلاوت قرآن بھی کرنا جائز ہے اور شوافع کے ظاہر قول کے مطابق نذر فرض کی طرح ہے لہٰذا اس کے لیے بھی از سر نو تیمّم ضروری ہوگا۔ دوسرے فرض کے ساتھ، کواہ وہ ادا ہو یا قضاء ایک تیمّم میں جمع کرنا درست نہیں ہے۔ فرض طواف اور خطبہ جمعہ شوافع کے ہاں فرض نماز کی طرح ہے لہٰذا ایک تیمّم سے دو فرض طواف ادا نہیں کیے جاسکتے ہیں اس طرح فرض طواف اور فرض نماز بھی ایک تیمّم سے ادا نہیں کی جاسکتی ہیں اور نہ خطبہ جمعہ اور نماز کو ایک تیمّم سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خطبہ جمعہ اگرچہ فرض کفایہ ہے تاہم یہ فرض عین سے ملحق ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قائم مقام دو رکعت

۱۔ المغنی، ج۱ص: ۲۶۲۔۲۶۴

کے ہے۔ مالکیہ ایک تیمّم سے فرض نماز، طواف غیر واجب اور نفل تینوں کو ادا کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس طرح وہ بھی شوافع سے مل جاتے ہیں۔

۴۔ نفل کے لیے کیا جانے والے تیمّم کیا فرض کو جائز کرسکتا ہے:

احناف جو کہ تیمم کو بدمطلق قرار دیتے ہیں۔ (۱) فرماتے ہیں اگر کسی نفل کے لیے تیمّم کیا تو اس کے لیے اس تیمم سے فرض اور نفل دونوں ادا کرنا جائز ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تیمّم کیا ہوا شخص وضو کیے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ اگر ان کے پاس پانی نہ ہو کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم طہارت مطلقہ ہے، لہذا ان وضو کیے ہوئے لوگوں کے لیے اس تیمّم کیے ہوئے شخص کی اقتداء جائز ہے۔ اور اگر ان کے پاس پانی موجود ہو تو ان کی نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ تیمّم پانی کا بدل ہے اس وقت کہ جب پانی موجود نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں۔ (۲) کہ وہ تیمّم جو فرض کے علاوہ کسی چیز کی نیت سے کیا گیا ہو اس سے فرض ادا نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اگر کسی نے فرض نماز کی ادائیگی کی نیت اس تیمّم سے کر رکھی ہو تو وہ اپنے ذمے لاگو فرض اور جتنی چاہے نوافل ادا کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ فرض نماز نفل سے پہلے ادا کرلے۔ اور اس تیمّم سے فوت شدہ فرض نماز نہیں ادا کرسکتا اور اگر تیمّم سے مطلق نماز کی نیت کی تھی تو صرف نفل ادا کرسکتا ہے فرض نہیں کیونکہ فرض کے لیے ایسی نیت درکار ہوتی ہے جو اس کو خاص کرے اور جو نفل کی نیت کرے وہ اس سے فرض نہیں پڑھ سکتا ہے۔ اور جنابت وغیرہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنے والے پر نماز کو مباح کرنے یا حدث دور کرنے کی نیت کرتے ہیں وقت حدث اکبر کے رفع کرنے کی نیت کرنا لازم ہے اگر اس نے اس کو پیش نظر نہ رکھا اس طرح کہ وہ مثلاً اس کو بھول گیا اس کا خیال ہوا کہ وہ جنبی وغیرہ نہیں ہے تو اس صورت میں تیمّم اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ اس کو لازماً اعادہ کرنا ہوگا۔ اور تیمّم کرتے وقت نماز کے مباح کرنے یا حدث سے ممنوع امور کے مباح کرنے کی نیت کے وقت حدث اصغر رفع کرنے کی نیت کرلینا مستحب ہے ہاں اگر وہ یہ نیت کرے کہ میں فرض تیمّم کر رہا ہوں تو اس صورت میں حدث اصغر یا حدث اکبر کے رفع کرنے کی علیحدہ نیت ضروری نہیں ہے، کیونکہ فرض کی نیت کرنا ان دونوں کی طرف سے نیت ہوجاتی ہے اور اگر قرات قرآن یا بادشاہ کے پاس جانے وغیرہ کی نیت سے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر تیمّم میں فرض اور نفل کی نیت کی تھی تو اس سے فرض اور نفل ادا کرسکتا ہے، اور اگر فرض کی نیت کی تھی تو اس جیسا فرض اور اس کے کم درجے کی عبادت جائز ہوگی، جیسے نوافل وغیرہ کیونکہ نفل درجے میں کم ہوتی ہے۔ اور فرض کی نیت اس کو شامل ہوتی ہے، اور فرض اعلیٰ ہونے کے سبب کم درجے کے عبادت کو مباح کردیتا ہے۔ اور اگر نفل کی نیت کی یا مطلقا نماز کی نیت کی مثلاً نماز کے مباح کرنے کی نیت کی فرض یا نفل کی نیت نہیں کی تو وہ صرف نفل ادا کرے گا اور فرض ادا نہیں کرے گا، کیونکہ فرض اصل ہے اور نفل تابع ہے تو اصل کو تابع نہیں بنایا جائے گا، اور اس میں اس مسلے پر بھی قیاس کیا جائے گا مثلاً کسی شخص نے مطلق نماز کی نیت کی تو اس کی وہ نماز نفل شمار ہوگی۔ (۳)

۱۔ البدائع الصنائع، ج ۱، ص: ۵۵،   ۲۔ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر، ج ۱، ص: ۱۹۳، الشرح الکبیر، ج ۱، ص: ۱۵۴

۳۔ الفقہ اسلامی وادلتہ، ج ۱، ص: ۳۸۰۔۳۸۳

تیمّم کی مدت میں احناف کا موقف:

شیخ اسعد محمد سعید صاغرجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ایک تیمّم سے جتنی چاہیے نمازیں فرض اور نفل پڑھ جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی (جنس زمین) مسلمان کے لیے طہارت ہے، اگر چہ دس سال تک پانی نہ ملے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

پاک مٹی (جنس زمین) مسلمانوں کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے، اور پانی کا متبادلہ ہے، امام حسین فرماتے ہیں: تیمّم اس وقت تک کفایت کرنے والا ہے، جب تک حدث نہ ہو تیمّم کے ساتھ فرض یا نفل پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے اس طرح قبل از وقت یا بعد از وقت کی بھی قید نہیں ہے، بلکہ جب تک پانی میسر نہ آئے، تیمم جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کو طہارت فرمایا ہے، لیکن اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عموم رکھتا ہے، جو قبل از وقت تیمّم کے جواز پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ وضو سے پہلے کرنا جائز ہے، اسی طرح تیمم کرنا بھی درست ہے، کیونکہ تیمّم وضو کو بدل ہے۔ (۲)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال ہے کہ ایک تیمّم کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

- ☆ حدیث مبارکہ میں عشر سنین سے وارکثرت کو بیان کرنا ہے، اس جملہ سے تحدید بیان کرنا نہیں ہے۔
- ☆ علماء شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبل از وقت تیمّم جائز نہیں ہے، بلکہ جس فرض کا وقت شروع ہوا اسی کے لیے تیمم کرنا ضروری ہے، اس طرح ہر فرض نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ تیمّم کرنا ہوگا۔ اسی طرح معین نفل یا سنت کے لیے بھی قبل از وقت تیمّم درست نہ ہوگا۔
- ☆ فقہاء احناف کے نزدیک ایک ہی تیمّم سے متعدد فرائض، سنن اور نوافل پڑھنا جائز ہے، اسی طرح قبل از وقت بھی تیمّم کرنا جائز ہے جیسا کہ وضو قبل از وقت جائز ہے۔
- ☆ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ احناف کے موقف کی تائید ہے۔
- ☆ تیمّم حدث کو حکمی طور پر ختم کرنے والا ہے۔
- ☆ پانی ناقضِ تیمّم ہے، جب پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے تو تیمّم ختم ہو جاتا ہے۔
- ☆ احناف کے نزدیک تیمّم سے نفل اور فرض پڑھنا جائز ہے۔
- ☆ فقہاء، مالکیہ کے ہاں اگر تیمّم فرض کی نیت سے کیا تو اس سے فرض اور نفل ادا کرسکتا ہے، بشرطیکہ فرض نفل سے پہلے ادا کرے، البتہ

۱۔ المائدۃ ۵:۶　　۲۔ الفقۃ الحنفی وادلتہ، ج۱، ص: ۹۰۔۹۱

اس تیمم سے فوت شدہ فرض ادا نہیں کرسکتا۔ البتہ اگر تیمم کرتے وقت نیت فرض کی نہ کی تو اس سے فرض ادا نہیں کرسکتا، اسی طرح نفل کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے بھی فرض ادا نہیں کرسکتا ہے۔

☆ علماء، شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر تیمم کرتے وقت فرض اور نوافل دونوں کی نیت کی تو دونوں ادا کرسکتا ہے، اگر صرف فرض کی نیت کی تو بھی دونوں ادا کرسکتا ہے، البتہ اگر نفل کی نیت کی تو اس سے فرض ادا نہیں کرسکتا، اسی طرح صرف مطلق نیت سے نفل ادا کرسکتا ہے، جب کہ فرض ادا نہیں کرسکتا ہے۔

بَابُ فِيمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَلَا الصَّعِيدَ

باب ۲۰۵: جب کوئی شخص پانی اور مٹی دونوں نہ پائے

ایسے شخص کو فقہی اصطلاح میں فاقد الطہورین کہا جاتا ہے، فقہاء اسلام کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الاراء مسائل میں سے ہے، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایسا شخص بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھے گا اور اس پر اعادہ نہیں، امام شافعی کے نزدیک ایسا شخص نماز پڑھے گا، اور بعد میں اعادہ کرے گا، احناف کے نزدیک ایسا شخص نماز نہیں پڑھے گا بلکہ پانی اور مٹی پر قدرت کے بعد پڑھے گا، پچھلے باب میں ایک تیمم سے متعدد نمازیں پڑھنے کا حکم تھا اور اس باب میں پانی اور مٹی نہ ملنے کی صورت میں نماز کا حکم بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۳۲۲۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَنَاسًا يَطْلُبُونَ قِلَادَةً كَانَتْ لِعَائِشَةَ نَسِيَتْهَا فِي مَنْزِلٍ نَزَلَتْهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ، وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ، فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ التَّيَمُّمِ قَالَ :أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ :جَزَاكِ اللَّهُ خَيْرًا، فَوَاللَّهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گم شدہ ہار کی تلاش کے لیے بھیجا، جو راستے میں کسی جگہ بھول گئی تھیں۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، ان لوگوں کا وضو نہیں تھا اور ان کے پاس پانی بھی نہیں تھا، انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی، پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی قسم! جب بھی کوئی ایسا معاملہ پیش آیا، جسے آپ نے ناپسند کرتی ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے اس میں بھلائی رکھ دی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

صحابہ کرام نے بغیر وضو کے نماز پڑھی۔

۲۔اطراف:

بخاری:۳۳۶ ،مسلم:۷۶۷، ابوداؤد:۳۱۷،جامع المسانید ابن جوزی:۷۵۶۴،السنن الکبریٰ:۳۱۲، تحفۃ الاشراف:۱۷۲۰۵

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔اسحاق بن ابراہیم:	راجع:۱۲۸	۲۔ابو معاویۃ:	راجع:۳۰
۳۔ہشام بن عروۃ:	راجع:۱۴۶	۴۔عروۃ بن الزبیر:	ایضاً
۵۔ عائشۃ :	راجع:۱۱۲		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو گیارہویں (۱۱۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند میں چہار فقیہہ راوی ہیں۔

☆ سند کے راوی مروزی نیشا پوری دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (ہشام) کی باپ (عروہ) سے اور بھانجے (عروہ) کی خالہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے

☆ سند میں الفاظ روایتِ اخبرنا، انبانا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغویات:

بعث :	آپ نے بھیجا۔	**ناسا:**	لوگ، صحابہ کرام مراد ہیں۔
یطلبون:	وہ تلاش کر رہے تھے۔	**قلادۃ :**	گلے کا ہار۔
نسیتھا:	حضرت عائشہ اسے بھول گئی تھیں۔	**منزل:**	کسی جگہ، مکان۔

حضرت الصلاة : نماز کا وقت ہو گیا۔
لم یجد وامآء : ان کے پاس پانی نہیں تھا۔
ذکروا : انہوں نے ذکر کیا۔
جزاك الله خیرا : اللہ تعالیٰ تمھیں اچھا بدلہ دے۔
جعل الله : اللہ تعالیٰ نے بنایا۔

لیسوا علی وضو : ان کا وضو نہیں تھا۔
صلوا : انہوں نے نماز پڑھی۔
انزل الله : اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی
تکرھینه : جسے آپ نے پسند کیا۔
خیرا : بھلائی، اچھائی۔

۳۲۳۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَنَّ مُخَارِقًا أَخْبَرَهُمْ، عَنْ طَارِقٍ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يُصَلِّ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ :أَصَبْتَ فَأَجْنَبَ رَجُلٌ آخَرَ فَتَيَمَّمَ وَصَلَّى، فَأَتَاهُ فَقَالَ نَحْوَ مَا قَالَ لِلْآخَرِ يَعْنِي أَصَبْتَ

حضرت طارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
ایک شخص جنبی ہوا اور اس نے نماز نہ پڑھی، پھر اس نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا، ایک اور شخص جنبی ہوا، اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہوا آپ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے کو دیا تھا، یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ میں باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
ایک شخص جنبی ہوا اس نے نماز نہ پڑھی۔

۲۔اطراف:

احمد:۱۸۸۵۴، تحفۃ الاشراف:۴۹۸۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو کے زندگی سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔
۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع:۵ ۲۔خالد: راجع:۱۴۵
۳۔شعبۃ: راجع:۱۱۰

۴۔مخارق:

آپ کا نام ابوسعید مخارق بن خلیفہ احمسی کوفی ہے، بعض نے ولدیت عبداللہ ذکر کی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں،

آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام بخاری، ابوداؤد (القدر)، امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۵۔طارق:

آپ کا نام ابوعبداللہ طارق بن شہاب بن عبدشمس بن ہلال بن سلمہ بجلی احمسی کوفی (۸۲ھ تا ۸۳ھ) ہے۔آپ صحابی رسول ہیں اور طبقہ صغار سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سماعت نہیں کی۔آپ خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور مراسیل روایات بھی آپ سے مروی ہیں، بعض نے آپ کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے البتہ امام ابوداؤد، ابونعیم، ابن مندہ، ابن حبان، ابن قانع، ابن عبدالبر، ابن حجر عسقلانی کے نزدیک آپ کی صحبت ثابت ہے، البتہ سماع ثابت نہیں ہے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے آٹھ (۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح مرسل ہے، اور مراسیل صحابہ بالاتفاق محبت ہے۔

مراسیل صحابہ حجت ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مراسیل صحابہ مطلقاً قبول ہیں جب کہ غیر صحابی کی مراسیل مردود ہیں (۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وهو الذی علیه عمل ائمة الحدیث واحتجوا بان العلماء قد اجمعوا علی طلب عدالة المخبر (۴)

یہی وہ مسلک ہے جس پر آئمہ حدیث کا عمل ہے۔اور انہوں نے استدلال کیا ہے کہ خبر دینے والے کی عدالت کے بارے میں معلوم کرنے پر علماء کا اجماع ہے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کو قابل حجت ماننے والوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وقال اخرون مراسیل الصحابة کلهم مقبولة لکون جمیعهم عدولا مرضیین وان الظاهر فیما ارسله الصحابی ولم یبین السماع فیه انه سمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم او من صحابی سمعه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما من روی منهم عن غیر الصحابة فقد بین فی روایته ممن سمعه

دوسری جماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کی مراسیل قابل قبول ہیں اس لئے کہ تمام صحابہ عادل اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابی جب ارسال کرتا ہے اور یہ واضح نہیں کرتا کہ اس نے یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یا صحابی سے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

۱۔ i۔تہذیب الکمال، ج ۲۷، مسلم:۳۱۵　　ii۔العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص:۱۲۶

۲۔ i۔المحلی، ج ۲، ص:۱۴۵　　ii۔الاصابۃ، ج ۳، ص:۴۱۴　　iii۔تقریب التہذیب، ج ۱، ص:۳۵۸

۴۔ ایضاً ۲/۵۴۸۔۵۴۹

وھو ایضا قلیل نادر فلا اعتبار وھذا ھو الا شبہ بالصواب عندنا(۱)

جہاں تک ایسے صحابہ کا تعلق ہے جنہوں نے غیر صحابہ سے روایت کی ہے تو انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے ان کی تعداد قلیل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ قرین صحت ہے کہ صحابی کی مرسل حجت ہے۔

خطیب نے اس رائے کی تائید میں دو روایتیں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے تھے:

عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب یقول : لیس کلنا سمع حدیث رسول اللہ ﷺ کانت لنا صنیعة واشفال وکان الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاھد الغائب(۲)

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ انہوں نے براء بن عازب کو کہتے سنا کہ ہم سب نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہم تو اپنے زرعی اور دیگر معاملات میں مصروف ہوتے۔ ہاں لوگ اس دور میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اس لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر شخص غیر موجود کے سامنے سنی ہوئی احادیث بیان کر دیتا۔

عن الحسن عن انس بن مالك انہ قال :لیس کل ماندحثکم عن رسول اللہ ﷺ سمعنامنہ، ولکن حدثنا اصحابنا ونحن قوم لا یکذب بعضھم(۳)

حسن رحمۃ اللہ علیہ، انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں وہ سب کچھ انہی سے نہیں سنا ہوتا بلکہ ہمارے ساتھی بھی ہم سے بیان کرتے۔ البتہ ہم لوگ ایک دوسرے کو جھوٹا نہیں سمجھتے تھے (اس لئے اعتماد ہوتا تھا)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ بھی اس روایت کو قبول کرتے تھے جو ان کے ساتھی ان سے بیان کرتے تھے حالانکہ انہیں شرف صحبت حاصل تھا اور وہ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے سماع بھی کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

امامرسل الصحابی وھو روایتہ مالم یدرکہ اویحضرہ کقول عائشة:اول مابدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیاالصالحة فمذھب الشافعی والجماھیر انہ یحتج بہ (۴)

جہاں تک صحابی کی مرسل روایت کا تعلق ہے تو یہ سب کے نزدیک حجت ہے اور یہ اس کی روایت کی وہ صورت ہے کہ اس نے خود حضور ﷺ سے اخذ نہ کی ہو مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''اول مابدی......'' اس نوعیت کی روایت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے مطابق یہ روایت قابل حجت وقابل عمل ہے۔

۱۔ الکفایہ، ۳۸۵ ۲۔ ایضاً، ۳۸۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ مقدمہ شرح مسلم، ۵۴/۱

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں مرسل کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا:

هذا كله في غير مرسل لصحابي ، امام مرسله فمحكوم بصحته على المذهب الصحيح (۱)

مرسل کے بارے میں جو اختلاف ہے اس سے مراد وہ مرسل ہے جو صحابی کی نہ ہو۔ جہاں تک صحابی کی مرسل روایت کا تعلق ہے تو صحیح مذہب کے مطابق اس کی حیثیت صحیح کی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کا خبارہ عن شیء فعله رسول الله ﷺ اور نحوه مما يعلم انه لم يحضر لصغر سنه اوتاخر اسلامه ......الذى قطع به الجمهور من اصحابنا وغير هم (۲)

جیسے صحابی کی وہ روایت جس میں اس نے حضور ﷺ کے کسی فعل وغیرہ کو نقل کیا ہو اور یہ معلوم ہو کہ کم سنی یا حلقہ اسلام میں دیر سے آنے کی بناء پر اس نے براہ راست حضور ﷺ سے وہ روایت نہ سنی ہو تو صحیح قول کے مطابق وہ حجت ہے۔ یہی وہ رائے ہے جسے ہمارے اصحاب وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔

حافظ عراقی الفیہ میں کہتے ہیں:

اما الذى ارسله الصحابى ، فحكمه الوصل على الصواب (۳)

یعنی وہ روایت جس میں صحابی نے ارسال کیا ہو اس کا حکم موصول روایت کا ہے یہی بات صحیح ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الخبر (الذى ارسله الصحابى) الصغير عن النبى ﷺ کا بن عباس وابن الزبير ونحوهما ممن لم يحفظ عن النبى ﷺ الا ليمير، وكزا الصحابى الكبير فيما ثبت عنه انه لم يسمعه الا بواسطة (فحكمه الوصل) المقتض للا حتجاج به، لان غالب رواية الصغار منهم عن الصحابة وروايتهم عن غيرهم (۴) کماقال النووى فى شرح المهذب زيادة فاذا رووها بينوها وحيث اطلقوا فالظاهر انهم عنوا الصحابة (۵)

مرسل وہ خبر ہے جس کا ارسال صحابی کرے یعنی صحابی صغیر نبی ﷺ سے روایت کرے جیسے ابن عباس، ابن الزبیر وغیرہ جن کے پاس نبی ﷺ سے بہت کم محفوظ تھا۔ اسی طرح صحابی کبیر جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ اس نے حضور ﷺ سے بلا واسطہ کچھ نہیں سنا تو اس کی حیثیت متصل کی ہوگی جو قابل حجت ہے اس لئے کہ صغار صحابہ کی روایت کی اکثریت صحابہ سے ہے۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جو غیر صحابہ سے مروی ہیں تو ان کی حیثیت جیسا کہ امام نووی نے شرح المہذب میں کہا ہے، زائد بیان کی ہے۔ جب وہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں تو وضاحت کر دیتے ہیں

۱۔ تقریب تہذیب، ص ۷　۲۔ تدریب الراوی، ۱/۱۷۱　۳۔ فتح المغیث، ۱/۱۵۵　۴۔ ایضاً، ۱/۱۷۸　۵۔ ایضاً، ۱/۱۷۹

کہ غیر صحابہ سے ہے لیکن مطلق روایت کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ سے روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابن اصلاح مرسل صحابی کو انواع مرسل ہی میں شمار نہیں کرتے بلکہ وہ اسے الموصول المسند کی حیثیت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ثم انا لانعدفی انواع المرسل ونحوه ما یسمیٰ فی اصول الفقه مرسل الصحابی ، مثل مایرویه ابن عباس وغیره من احداث الصحابة عن رسول الله ﷺ ولم یسمعوه منه، لان ذلك فی حكم الموصول المسند لان روایتهم عن الصحابة والجهالة بالصحابی غیر قادحة، لان الصحابة كلهم عدول(۱)

اصول فقہ میں جسے مرسل الصحابی کا نام دیا جاتا ہے اسے ہم مرسل کی انواع میں شمار نہیں کرتے جیسے ابن عباس وغیرہ کی طرح کم سن صحابہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کریں جبکہ ان کا سماع ثابت نہ ہو۔ اس لئے کہ ایسی روایات موصول مسند کے حکم میں ہیں۔ ان کی روایات صحابہ سے ہیں اور صحابی کی ناواقفیت مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن برھان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امام شافعی کا مسلک نقل کیا ہے:

ان المراسیل لایجوز الاحتجاج بها الا مراسیل الصحابة ومراسیل سعید بن المسیب وانعقد الاجماع علی العمل به(۲)

مراسیل سے استدلال جائز نہیں البتہ مراسیل صحابہ، مراسیل سعید ابن المسیب اور وہ جن پر عمل کے سلسلے میں اجماع واقع ہوا ہے قابل حجت ہیں۔

جمہور محدثین وفقہاء کا یہ مسلک ہے کہ صحابی کی مرسل متفقہ طور پر قابل حجت ہے، اور مدار استدلال یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لئے اگر کوئی صحابی رسول اکرم ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرتا ہے تو اس میں جھوٹ کا احتمال نہیں ہے۔(۳)

نوٹ:

حدیث مرسل کی مکمل بحث (۴) پر مذکور ہے، وہاں اس کے عنوان مندرجہ ذیل ہیں مرسل کا لغوی معنی، مرسل کا اصطلاحی مفہوم، مرسل کی تعریف، مرسل قابل حجت ہے حجیت مرسل کے دلائل، مرسل کے حجت ہونے پر صحابہ اور تابعین کا اجماع، عقلی دلیل، ثقہ راوی کا ارسال تعدیل ہے، مراسیل صحابہ کے مطلقاً حجت ہیں۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو بارہویں (۱۱۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

۱۔ مقدمۃ ابن الصلاح، ص ٥٦ ۲۔ النکت، ۲/ ٥٤٧ ۳۔ فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی، ج ۲، ص: ٦۲۹۔٦۳۲

۴۔ ایضاً، ص: ٦۰۸۔٦۳۹

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری دو حمسی ہیں۔

☆ حضرت مخارق اور حضرت طارق سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت طارق رضی اللہ عنہ جمہور کے نزدیک صحابی رسول ہیں، البتہ سماع ثابت نہیں ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ، حدثنا، انبانا اور عنعنہ ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔ لغات:

رجلا اجنب: ایک آدمی جنبی ہوا۔ **لم یصل:** اس نے نماز نہ پڑھی۔

اتی النبی: وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ **اصبت:** تو نے ٹھیک کیا۔

تیمم وصلی: اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھی۔

قال له ماقال الاخر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی وہی فرمایا، جو دوسرے کو فرمایا تھا۔

۷۔ مسائل ونصائح:

فاقد الطھورین کا مسئلہ مذاہب کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس لیے پہلے مذاہب فقہاء کے مسالک ودلائل کو تفصیلی سے بیان کیا جاتا ہے۔ آخر میں راجح رائے کو ذکر کیا جائے گا۔

فاقد الطھورین کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی تحقیق:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

فاقد الطھورین کا مطلب ہے وہ شخص جو پاک کرنے والی چیزوں یعنی پانی اور مٹی کو نہ حاصل کر سکتا ہو اس کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں جیسے کوئی شخص ایسی جگہ قید کیا جائے جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں یا وہ ناپاک جگہ ہو جہاں پاک مٹی کا حصول ممکن نہ ہو یا اتنا پانی پائے جو خود اس کی حاجت اور ضرورت کے لیے ہو، مثلاً پینے وغیرہ کے لیے یا اس کو گیلی مٹی ملے اور اس کو خشک کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس طرح وہ شخص جو کہیں لٹکا ہوا یا ایسی کشتی میں سوار ہو کہ وہ پانی حاصل نہ کر سکتا ہو۔ اس حکم میں وہ شخص بھی ہے جو ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ نہ وہ وضو کر سکے اور نہ تیمم جیسے وہ شخص جس کے پورے بدن پر ایسے زخم ہوں کہ جن کے سبب وہ نہ وضو کر سکے نہ تیمم۔

اس شخص کے بارے میں دو رائے ہیں ایک تو یہ ہے کہ نماز واجب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ بعض کے ہاں اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ یہ حضرات حنابلہ ہیں۔ اور احناف وشوافع کے ہاں اس پر اعادہ لازم ہے۔ دوسری رائے مالکیہ کی ہے صحیح قول کے مطابق ان کے ہاں اس شخص سے نماز ساقط ہے۔ ان آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

احناف کی رائے:

ان حضرات کے ہاں مفتی بہ قول صاحبین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص لازمی طور پر نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے گا، لہذا وہ

رکوع اور سجدہ کرے گا اگر خشک جگہ دستیاب ہو اور کھڑے ہو کر اشارہ بھی نہیں کرے گا اور نہ قرات کرے گا، اور نہ نیت کرے گا اور پانی یا مٹی جانے پر وہ نماز کا اعادہ کرے گا۔ اور وہ شخص جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ زخمی ہو تو ایسا شخص بلا وضو اور تیمم نماز پڑھے گا اور اس صحیح قول کے مطابق اعادہ لازمی نہیں ہوگا۔

اور وہ شخص جو کہیں قید ہو اور اس نے تیمم سے نمازیں پڑھی ہوں تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ نمازوں کا اعادہ کرے گا۔ کیونکہ ضرورت کا تحقق اس کے حق میں نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ حضر میں پانی ملنے کا گمان زیادہ ہوتا ہے لہذا ضرورت اس کے حق میں نہ رہی، اور سفر میں ہونے کی صورت میں اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ سفر میں غالب پانی کا نہ ہونا ہوتا ہے، یہ شوافع کا مذہب ہے جیسا کہ میں نماز لوٹانے کی بحث میں یہ بیان کر چکا ہوں۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب:

صحیح مذہب یہ ہے کہ فاقد الطھورین (پانی اور مٹی نہ پانے والا شخص) اور وہ شخص جو ان دونوں کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو جیسے جبرا روکا ہوا شخص اور بندھا ہوا شخص ایسے شخص سے نماز ادا اور قضاء ساقط ہے یعنی نہ اس کا ادا کرنا لازم ہے اور نہ اس کی قضا لازم ہے، لہذا وہ حائضہ عورت کی طرح نہ نماز پڑھے گا اور نہ قضاء کرے گا کیونکہ پانی اور مٹی کا ہونا نماز کی ادائیگی کے وجوب کے لیے شرط ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے اور قضاء لازم ہونے کے لیے شرط ہے کہ نمازی کے ذمہ یہ چیز لازم ہوتی ہو، اور اس شخص کے ذمے یہ عبادت لازم ہوہی نہیں رہی ہے کیونکہ خطاب اس کی طرف نہیں لوٹتا ہے اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے۔

۳۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کرے، امام شافعی کے قول جدید کے مطابق یہی حکم ہے اور نماز ادا بھی اپنی حالت پر کرے قرات بھی کرے اور نیت بھی کرے، کیونکہ نماز کے وقت کی حرمت کا تقاضا یہی ہے، تاہم یہ شخص نوافل نہ پڑھے، اور پانی یا پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی مل جانے پر نماز کا اعادہ کرے کیونکہ ایسا عذر بہت شاذ و نادر لاحق ہوتا ہے اور مستقلاً ہوتا بھی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ نماز کی شرائط میں سے کسی شرط کا نہ ہونا نماز چھوڑ دینے کی مباح نہیں کرتا ہے، جیسے ستر عورت، نجاست کا ازالہ قبلہ رو ہونا، قیام اور قرات، اور وہ شخص جس کے بدن پر نجاست ہو اور اس کا دور کرنا دھونا مشکل ہو یا وہ شخص جو نماز سے روکا جائے جیسے فاقد الطھورین تو ایسے تمام لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ فقط فرض ادا کریں گے اور جنبی شخص کو چاہیے کہ وہ فقط فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے میرے نزدیک راجح رائے یہی ہے یعنی نماز تو اپنے عام معرف طریقے کے مطابق ادا کرے اور چونکہ ایسی صورت کے بارے میں کوئی واضح حکم نص میں موجود نہیں ہے اس لیے وہ شخص نماز لوٹائے بھی۔

۴۔ حنابلہ کی رائے:

یہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کرے اپنی حالت پر ہی ادا کرے یہ اس پر لازم ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم کی نقل کردہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم

استطاعت رکھتے ہو، دوسری بات یہ کہ شرائط ادا کرنے سے عاجز ہو جانا مشروع کو ترک کر دینے کو لازم نہیں کرتا ہے جیسے کوئی شخص سترہ اور قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے یعنی یہ حضرات بھی شوافع ہی کی طرح کا حکم لاگو کرتے ہیں۔ تاہم ان کے ہاں اس شخص پر اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت اسماء سے ایک ہار عاریتاً لیا تھا وہ ان سے گم ہو گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگ اس کی تلاش میں بھیجے وہ ان کو مل گیا نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا انہوں نے بلا وضو نماز ادا کر لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاملہ عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت تیمّم نازل فرمائی۔ اور ایسا نماز میں فقط اتنی مقدار میں امور انجام دیے جو نماز کے جواز کے لیے کافی ہوں، لہذا وہ صرف فاتحہ پڑھے، ایک مرتبہ تسبیح پڑھے اور اطمینان سے رکوع کرنے پر اکتفاء کرے اور محض دو سجدوں کے درمیان بیٹھے اور اسی طرح اول اور آخری تشہد میں صرف بقدر جواز پر اکتفاء کرے پھر فی الفور سلام پھیر دے، اور نہ نفل ادا کرے اور نہ پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کرنے والے کسی شخص کی امامت کرے، کیونکہ ایک پاک شخص کے لیے ایسے شخص کی اقتداء درست نہیں جو اس کے بے وضو ہونے کے بارے میں جانتا ہوں۔ اور جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت ہونے کی صورت میں وہ اپنی نماز میں قرآن کی تلاوت بھی نہ کرے اور حدث واقع ہونے سے ان کی نماز باطل ہو جائے گی اور ایسی نجاست کے لگ جانے سے بھی جو قابل معافی نہ ہو کیونکہ یہ منافی نماز چیز ہے۔، اور وقت کے نکلنے سے نماز باطل نہیں ہوگی بخلاف تیمّم کرنے والے شخص کے کیونکہ وہاں تیمّم کے باطل ہونے کے سبب نماز باطل ہوتی ہے۔ اور میت کو پانی یا مٹی نہ ہونے کے سبب اگر غسل نہ دیا گیا یا تیمّم نہ کرایا گیا تو اس کی نماز جنازہ باطل ہو جائے گی، اور قبر میں میت کے پھولنے سے قبل اس کو قبر کھود کر غسل یا تیمّم کے لیے نکالنا درست ہے، کیونکہ یہ ایسا فائدہ ہے جو بلا فساد ہے ہاں اگر میت کے پھول جانے کا خدشہ ہو تو اس کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا۔ (۱)

فاقد الطہورین سے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی کی تحقیق:

غلام رسول سعیدی نے فاقد الطہورین کے بارے میں مذاہب کے دلائل و مسائل کا خلاصہ حسب ذیل لکھا ہے:

فاقد الطہورین" (جو شخص وضوء اور تیمّم پر قادر نہ ہو) کے متعلق فقہاء مالکیہ کا موقف:

علاء ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی لکھتے ہیں:

علام سحنون مالکی اور مزنی شافعی نے کہا ہے کہ جو شخص کسی ایسی جگہ قید ہو جہاں اس کو پانی میسر ہو نہ مٹی اور نماز کا وقت آ جائے تو وہ بغیر وضو اور تیمّم کے اشاروں سے نماز پڑھے جیسے وہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں جو دشمن کا پیچھا کر رہے ہوں اور ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ ابن قاسم مالکی، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی نے کہا ہے: ان پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا ہے کہ اہل مدینہ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جو لوگ پانی اور مٹی پر قادر نہ ہوں حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے وہ نماز نہ پڑھیں اور ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے اور ان سے نماز ساقط ہے اور یہی امام مالک کا صحیح مذہب ہے۔

۱۔ الفقہ اسلامی وادلتہ، ج ا، ص: ۴۰۵۔۴۰۷

جن فقہاء نے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھ لیں اور ان پر اس نماز کی قضاء نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جو صحابہ ہار ڈھونڈنے گئے تھے اور انہوں نے بغیر وضو نماز پڑھ لی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ تیمم کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ المہلب نے کہا ہے جب بغیر وضو کے تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے تو ہمارے لیے پانی اور مٹی نہ ملنے کی صورت میں بغیر تیمم اور بغیر وضوء کے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ ابوثور نے کہا: اس مسئلہ کا قیاس اس شخص پر ہے جس کو کپڑے نہ ملیں تو اس کا برہنہ نماز پڑھنا جائز ہے اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ اس طرح جس کو پانی اور مٹی نہ ملے اس کا وضوء اور تیمم کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس پر اعادہ نہیں ہے، وہ اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق نماز ادا کرے گا۔ ابن القصار مالکی نے کہا: جو لوگ اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق بے وضوء نماز پڑھیں ان پر اعادہ نہیں ہے جیسے مستحاضہ اور جس کو سلس البول ہو (یعنی ہر وقت پیشاب کے قطرات گرتے رہیں) وعلیٰ ہذا القیاس اور جس مسافر کو پیاس کا خوف ہو اور وہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھے یہ مسئلہ بھی اسی قیاس پر ہے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس کو پانی اور مٹی میسر نہ ہو وہ نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کرے انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بغیر طہور کے نماز قبول نہیں کرتا۔ (۱)

''فاقد الطہورین'' کے متعلق فقہاء شافعیہ کا موقف:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فاقد الطہورین کے اوپر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ کر نماز پڑھی کہ ان پر نماز پڑھنا فرض ہے اور گر اس حالت میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر انکار فرمادیتے، امام شافعی، امام احمد، جمہور محدثین اور اکثر اصحاب مالک کا یہی موقف ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان پر اعادہ واجب ہے یا نہیں، امام شافعی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان پر اعادہ واجب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عذر نادر ہے، اس لیے ان سے اعادہ ساقط نہیں ہوگا، امام احمد مشہور قول کے مطابق، نیز سحنون مالکی اور ابن المنذر کا موقف یہ ہے کہ ان پر اعادہ واجب نہیں ہے ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے اگر ان پر اعادہ واجب ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرمادیتے کیونکہ وقت حاجت سے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس دلیل کو رد کر دیا گیا ہے کہ اعادہ فوراً تو واجب نہیں ہے اس لیے وجوب اعادہ الگ دلیل ہونی چاہیے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے اور اگر نماز پڑھ لی ہے تو ان پر اعادہ واجب ہے اور علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں لکھا ہے کہ ان کا نماز پڑھنا مستحب ہے اور اعادہ واجب ہے۔ (۲) میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اعادہ فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز کو فوراً قضاء کرنا واجب ہے کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں اور کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کو نماز قضاء کرنے کا حکم دیا ہو اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں تھا۔

۱۔ سنن ترمذی: صحیح مسلم: ۲۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۹، شرح ابن بطال، ج ۱، ص: ۴۶۶۔۴۶۵　۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص: ۱۲

''فاقد الطھورین'' کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف:

اگر کوئی شخص وضو کے لیے پانی اور تیمّم کے لیے مٹی نہ پائے وہ اپنے حال کے موافق نماز پڑھے ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا تو آپ نے چند صحابہ کو ہار ڈھونڈنے کے لیے بھیجا، پھر نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے بغیر وضوء کے نماز پڑھ لی پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو یہ ماجرا بتایا تو تیمّم کی آیت نازل ہوگئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں کیا اور ان کو اعادہ کرنے کا حکم دیا، (۱) اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب نہیں ہے اور اس لیے طہارت شرط ہے پس طہارت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو موخر نہیں کیا جائے گا، جیسے ستر اور استقبال قبلہ کا حکم ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا تو جس شخص نے اپنے حال کے موافق نماز پڑھی پھر اس کو پانی مل گیا یا مٹی مل گئی تو وہ نماز نہیں دہرائے گا اور امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نماز دہرائے گا کیونکہ نماز کی ایک شرط مفقود ہوگئی اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ وہ حدیث کے موافق ہے نیز اس لیے کہ اس کو جو حکم دیا گیا تھا اس نے اس پر عمل کرلیا پس وہ اپنے ذمہ سے بری ہوگیا اور اس لیے کہ یہ نماز کی ایک شرط ہے جو عجز کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور اس لیے کہ اس نے اپنی طاقت کے مطابق فرض ادا کرلیا اب اس پر اعادہ نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص ستر سے عاجز تھا اس نے برہنہ نماز پڑھ لی یا جس شخص کو سمت قبلہ کا علم نہیں تھا اس نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی یا جو شخص قیام سے عاجز تھا اس نے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو ان سب پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس حال پر چھوڑو جس پر میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء سے سوال کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں پس جب میں تم کو کسی کام سے منع کروں تو اس سے باز آ جاؤ اور جب تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو، (۲) اور نماز کی باقی شرائط پر طہارت کو قیاس کرنا اولیٰ ہے۔ (۳)

''فاقد الطھورین'' کے متعلق فقہاء احناف کا موقف:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے کہا: جو شخص شہر میں قید ہو جب اس کو پانی ملے نہ مٹی ملے تو وہ نماز نہ پڑھے اور جب کوئی چیز مل جائے تو وہ نماز پڑھ لے امام ابو یوسف، امام محمد، ااور امام شافعی نے کہا ہے: وہ نماز پڑھ لے اور بعد میں دہرائے (۴)

علامہ محمد امین عمر بن عبد العزیز شامی درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو پانی اور مٹی میسر نہ ہو بایں طور کہ اس کو کسی نجس جگہ میں قید کر دیا گیا ہو اور پاک مٹی کی طرف اس کا نکلنا ممکن نہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ نماز کو موخر کرے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر طہور کے نماز نہیں ہے۔ (۵) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ وہ وقت کے احترام میں نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرے یہ واجب ہے اگر اس کو خشک جگہ مل جائے تو وہ رکوع

۱۔ صحیح البخاری، ۳۳۶　۲۔ صحیح البخاری: ۷۲۸۸، صحیح مسلم: ۱۳۳۷، مسند احمد: ۹۷۸۷　۳۔ المغنی، ج۱، ص: ۳۲۵۔۳۲۴

۴۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص: ۱۹　۵۔ صحیح مسلم: ۲۲۴، سنن ابوداؤد: ۱۸۷۴، مسند احمد ج۲، ص: ۲۰، سنن بیہقی، ج۱، ص: ۱۴۲

اور سجود کرے ورنہ کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اس میں نماز کی نیت نہ کرے کیونکہ یہ نماز کے ساتھ مشابہت ہے حقیقت میں نماز نہیں ہے جیسے حائض رمضان میں پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے مہینہ کی حرمت کی وجہ سے دن میں کھانے پینے سے رکی رہے گی اور یہ روزہ کی مشابہت ہے روزہ نہیں ہے بعد میں اس کی قضاء کرے گی اس طرح فاقد الطھورین' بھی نماز کے وقت کے احترام کی وجہ سے نماز کے مشابہ رکوع اور سجود کرے گا اور وہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بعد میں اس نماز کو قضاء کرے گا۔(۱)

فاقد الطھورین کے بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی کا امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے:

علامہ غلام رسول سعیدی نے فاقد الطھورین کی صورت میں امام مالک اور امام احمد حنبل کے موقف کو راجح قرار دیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حدیث میں اس کی تصریح کہ صحابہ نے بغیر وضوء اور بغیر تیمم کے نماز پڑھی تھی:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں مٹی کے نہ ملنے کا ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی کیونکہ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے تیمم کیا تھا، کیونکہ اس وقت تک انہیں تیمم کرنے کا علم نہیں تھا پس گویا کہ انہوں نے نہ پانی پایا! اور نہ مٹی۔(۲)

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام طبرانی از عروہ از حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار عاریۃ لیا تھا، وہ ان کی گردن سے گر گیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے اسے ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو بھیجا انہوں نے اس کو تلاش کیا اور پالیا پھر نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے اور اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم رخصت نازل فرمادی تب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ آپ کو جزاء خیر دے پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی ایسی مصیبت آئی، جو آپ کو ناگوار گذری تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اس میں خیر کر دی۔(۳)

مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور علامہ سعیدی کی تحقیق:

میں کہتا ہوں کہ امام مالک اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ فاقد الطھورین نماز پڑھے گا اور اس پر اعادہ نہیں ہے، جیسا کہ صحیح بخاری: ۳۳۶ میں ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے ان کا مذہب راجح ہے امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھے اور اس پر اعادہ واجب ہے اور وجوب اعادہ

۱۔ ردالمحتار علی درالمختار ج۱ ص: ۳۷۵-۳۷۴ نعمۃ الباری، ج۱ ص: ۸۵۲-۸۵۴　۲۔ عمدۃ القاری، ج۴ ص: ۱۷

۳۔ المعجم الکبیر: ۱۳۱، ج ۲۳ ص: ۵۰ نعمۃ الباری، ج۱ ص: ۸۵۲

پر کوئی دلیل نہیں ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی، مگر تحقیق یہ ہے کہ عذر کی صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے اور جیسے مستحاضہ اور دیگر معذورین سے طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے ان کے خون کے یا پیشاب کے قطرات گرتے رہیں پھر بھی ان کی نماز صحیح ہے اور قوی ترین دلیل صحابہ کا پانی نہ ملنے کی صورت میں نماز پڑھنا اور اس پر نبی ﷺ کا انکار نہ کرنا ہے اور ہمارے فقہاء احناف نے اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا، اس لیے صحیح یہی ہے کہ فاقد الطھورین نماز پڑھے اور اس پر اعادہ واجب نہیں ہے ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا، امام اعظم فرماتے ہیں: جب کوئی حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے اور صحیح بخاری کی یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کی تخریج حسب ذیل ہے: (۱)

یہ حدیث تمام کتب صحاح اور سنن میں مذکور ہے پھر اس کی صحت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ تاہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام اعظم نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا صریح قول ہے کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور آئمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں صحابہ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا: یہ آپ کی تقریر ہے، اور جب آپ کے صریح قول اور آپ کی تقریر میں تعارض ہو تو آپ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ جواب صرف میری خصوصیت ہے کسی حنفی عالم نے امام اعظم کی طرف سے اس حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا۔ فالحمدللہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا کما یحب ربنا و یرضی۔

نوٹ:

اگر کوئی شخص پانی میسر ہونے کے باوجود بے وضوء نماز پڑھے، تو یہ گناہ کبیرہ ہے، اور اگر وضوء کو غیر ضروری سمجھ کر بے وضو نماز پڑھے تو یہ کفر ہے۔ (۲)

سید محمود احمد رضوی کا احناف کے موقف کو راجح قرار دینا:

سید محمود احمد رضوی نے احناف کے موقف کو راجح قرار دیا ہے: آپ لکھتے ہیں

جس شخص کو نماز کے وقت نہ مٹی ملے اور نہ پانی اس کو فاقد الطھورین کہتے ہیں، اگرچہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ ان کے پاس مٹی بھی نہ تھی۔ مگر چونکہ اس وقت تک تیمم کا حکم نہیں آیا تھا۔ اس لیے امام بخاری نے تیمم کے شروع نہ ہونے کو مٹی کا نہ ملنا قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے ان کا طریقہ استدلال یہ ہے، کہ اس موقع پر تیمم شروع نہ تھا اور پانی بھی نہ تھا۔ اور نماز کا وقت آ گیا۔ تو صحابہ کرام نے بے وضو ہی نماز پڑھ لی۔ اور حضور علیہ السلام نے انہیں منع نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص مٹی اور پانی نہ پائے وہ بلا وضو ہی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی و امام احمد اکثر اصحاب مالک کا یہی قول ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں، اس کے متعلق علماء کے متعدد قول ہیں،

۱۔ صحیح البخاری: ۳۳۶۔۱۵۰۴۔۳۷۷۳۔۴۵۸۳۔۵۱۶۴، صحیح مسلم: ۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۳۱۷، سنن نسائی: ۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۵۲۸، السنن الکبریٰ: ۳۱۲، مسند الحمیدی: ۱۲۵، سنن داری: ۵۴۶، صحیح ابن خزیمہ: ۲۶۱، صحیح ابن حبان: ۱۷۰۹، المعجم الکبیر: ۱۳۱۔ ج ۲۳، سنن بیہقی، ج ۱، ص: ۱۴، شرح السنۃ: ۴۳، مصنف عبدالرزاق: ۸۷۹، مسند احمد، ج ۶، ص: ۵۷، الافکار، ج ۱، ص: ۶۷۹۔۶۷۸، ۶۷۶

۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص: ۸۵۴۔۸۵۵

اول۔ جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا مستحب ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

دوم۔ جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا واجب ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمتہ کا یہ ہی مذہب ہے اکثر اصحاب شافعیہ نے اس کو اصح قرار دیا ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ پانی اور مٹی کا نہ ملنا شاذ و نادر ہے لہذا اعادہ ساقط نہ ہوگا۔

یہ تو صحیح ہے کہ نماز کی قضاء ضروری ہے مگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ کا یہ فرمان کہ مذکورہ بالا صورت میں بے وضو ہی نماز پڑھ لے اس میں نظر ہے کیونکہ بے وضو نماز پڑھنا مشروع ہی نہیں ہے۔

سوم۔ مذکور بالا صورت میں نماز پڑھنا واجب ہے مگر اعادہ واجب نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ امام احمد امام مترنی اور ابن المنذر کا یہی قول ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے اعادہ کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ اعادہ فی الفور ضروری نہیں ہے۔

چہارم۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمتہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔ کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا صورت نہ نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ قضا واجب ہے۔ لیکن علامہ عینی علیہ الرحمتہ نے تصریح کی ہے۔ کہ مدنیوں نے حضرت امام مالک کی طرف مذکورہ بالا قول کی جو نسبت کی ہے۔ ابوعمر نے فرمایا یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ یہ بات جمہور سلف عامتہ الفقہا اور جماعتہ المالکین کے بھی خلاف ہے۔

پنجم۔ سیدنا امام ابوحنیفہ وثوری واوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہے کہ نہ پانی ملتا ہے اور نہ پاک مٹی کہ تیمم کرے۔ تو اسے چاہیے کہ وقت نماز میں نماز کی سی صورت بنائے۔ یعنی تمام حرکات نماز بلا نیت و بلا قرآت بجالائے کیونکہ جس کا حج فاسد ہو جائے۔ حاجیوں کی طرح افعال بجالاتا ہے اور جو رمضان میں مسلمان ہو یا نابالغ تھا اور بالغ ہو گیا تو اس کا جو کچھ دن باقی رہ گیا ہے روزہ داروں کی طرح گذارنا واجب ہے لہذا فاقد الطھورین کا بھی یہ ہی حکم ہونا چاہیے کہ وقت کی حرمت کی بنا پر وہ نمازیوں کی سی صورت بنائے اور نماز کی قضاء کرے۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

☆ ان دونوں احادیث طیبات سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ پانی اور مٹی (یا جنس زمین سے کوئی چیز) نہ ملنے کی صورت میں نماز پڑھ لینا یا قضاء کر لینا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

مذاہب اربعہ کی آراء:

فاقد الطھورین کے بارے میں ائمہ اربعہ کی آراء کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ فیوض الباری صحیح البخاری، ج ۲، ص: ۶۹۔۷۰

۱۔امام مالک کا مذہب:

فاقد الطھورین سے نماز کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اس کا حکم حائضہ عورت کی طرح ہوگا۔لہٰذا اس پر نہ ادا اور نہ ہی قضاء واجب ہے البتہ بعض مالکیہ کے نزدیک بغیر وضوء اور تیمم کے نماز پڑھے اور اس پر اعادہ نہیں ہے۔

۲۔امام شافعی کا مذہب:

جو شخص پانی اور مٹی (جنس زمین) کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر وضوء اور تیمم کے بغیر ہی نماز پڑھنا واجب ہے، البتہ بعد میں اعادہ واجب ہے کیونکہ اس صورت حال کا پیش آنا شاذ و نادر ہے، اس لیے اعادہ واجب ہے۔

۳۔امام احمد بن حنبل کا مذہب:

فاقد الطھورین واحد شخص فرض نماز پڑھے گا، اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہے، کیونکہ اس کا حکم ستر اور قبلہ مفقود ہونے کی صورت جیسا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وضوء نماز پڑھنے والوں کو دہرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔اس لیے اپنے حال کے موافق نماز ادا کرنے والے پر اعادہ لازم نہیں ہے۔

۴۔فقہاء احناف کا مسلک:

فقہاء احناف کے اس میں دو موقف ہیں:

۱۔امام ابوحنیفہ کی رائے:

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک پانی اور مٹی (جنس زمین) پر عدم قدرت کی صورت میں نماز نہ پڑھے، بلکہ وہ قدرت ہونے تک مؤخر کردے۔

۲۔صاحبین کی رائے:

ایسا شخص باقی نمازوں کے ساتھ بلانیت نمازِ تشبہ اختیار کرے، یہ واجب ہے، البتہ بعد میں نماز قضاء کرے یہ شباہت نماز کی رہے گی، بعد میں قضاء کرے گی، متاخرین احناف نے صاحبین کی رائے اختیار کیا ہے۔

۵۔علامہ غلام رسول سعیدی کا موقف:

آپ نے امام احمد بن حنبل کی رائے کو راجح قرار دیا ہے کہ فاقد الطھورین نماز پڑھے گا۔اور اس پر اعادہ واجب نہیں ہے، بعض فقہاء مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

احادیث مبارکہ سے دیگر مستنبط شدہ مسائل:

☆ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد کرتے تھے۔

☆ اجتہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا، اگر مجتہد صائب ہوا تو دو اجر ملیں گے اور اگر خاطی ہوا تو ایک اجر ملے گا۔

☆ مجتہد کو اجتہاد کے بارے میں طعن جائز نہیں ہے، کیونکہ اسے بہر حال کوشش کا ثواب ملے گا۔

☆ علماء کا اجتہاد کرنے کے بعد مزید تحقیق کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، تا کہ حق واضح ہو سکے۔

☆ آقا کریم ﷺ کے دونوں صحابیوں کے لیے اصبت کے الفاظ سے واضح ہے کہ آقا کریم ﷺ نے دونوں صحابہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

سنن نسائی کی کتاب الطہارۃ اور فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی کی جلد سوم کی تکمیل:

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم احسانِ محض اور حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل سے آج مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ / ۲۱ فروری ۲۰۱۶، بروز اتوار بعد از نماز عشاء ۹:۳۰ بجے، فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی کی تیسری جلد (حدیث نمبر ۲۲۰۔۳۲۳) مکمل ہوگئی ہے۔ چوتھی جلد کتاب المیاہ (حدیث نمبر: ۳۲۴) سے شروع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ رب العزت جل جلالہ سے آقا کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعا ہے! یارب العالمین! جس طرح تو نے محض اپنے فضل وکرم کے سہارے اس ناکارہ، گناہ گار، عاجز اور فقیر سے تین جلدیں تحریر کروائی ہیں، اسی طرح اس شرح کی باقی جلدیں تحریر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اس شرح کو مسلمانوں کے لے نافع بنا۔ میرے لیے توشہ آخرت بنا، اس کے ناشر اور ہمدردوں کو دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ برحمتك یا ارحم الرحمین جل جلالہ

محمد کریم خان سندرانی لاہوری (عفی عنہ)
جامعہ علمیہ متصل جامع مسجد حنفیہ انوار مدینہ
ونڈسر پارک، اچھرہ لاہور
موبائل: ۰۳۲۱۔۴۲۶۸۹۶۷

جدول احادیث

جدول احادیث جلد ثالث

رباعیات	خماسیات	سداسیات	سباعیات	ثمانیات
۲۶۰،۲۶۳،۳۰۷۔	۲۲۴،۲۲۶،۲۲۸،۲۲۹،	۲۲۰،۲۲۱،۲۲۳،۲۲۵،	۲۲۲،۲۳۵،۲۵۳،۲۵۵،	۲۶۱،۳۱۱،۳۱۳،۳۱۴،
	۲۳۰،۲۳۲،۲۳۸،۲۳۹،	۲۲۷،۲۳۱،۲۳۳،۲۳۴،	۲۷۴،۲۷۹،۲۸۲،۲۸۶،	۳۱۵،۳۱۶،۳۱۷،۳۱۸۔
	۲۴۶،۲۴۷،۲۴۸،۲۴۹،	۲۳۶،۲۳۷،۲۳۹،۲۴۰،	۲۸۸،۲۹۳،۲۹۶،۲۹۹،	
	۲۵۰،۲۵۱،۲۵۸،۲۵۹،	۲۴۱،۲۴۲،۲۴۳،۲۴۴،	۳۰۵،۳۱۰،۳۱۷،۳۲۱۔	
	۲۶۲،۲۶۴،۲۶۷،۲۷۰،	۲۴۵،۲۵۲،۲۵۴،۲۵۶،		
	۲۷۱،۲۷۲،۲۷۳،۲۷۶،	۲۵۷،۲۶۵،۲۶۶،۲۶۸،		
	۲۷۷،۲۷۸،۲۸۳،۲۸۴،	۲۶۹،۲۷۱،۲۷۵،۲۷۷،		
	۲۸۷،۲۸۹،۲۹۰،۲۹۲،	۲۸۰،۲۸۱،۲۸۵،۲۹۱،		
	۲۹۴،۳۰۱،۳۰۲،۳۰۳،	۲۹۵،۲۹۷،۲۹۸،۳۰۰،		
	۳۰۴،۳۰۹،۳۱۲،۳۲۰،	۳۰۶،۳۰۸،۳۱۹۔		
	۳۲۲،۳۲۳۔			

کل تعداد:

رباعیات: ۳

خماسیات: ۴۲

سداسیات: ۳۹

سباعیات: ۱۵

ثمانیات: ۸

کل احادیث: ۱۰۷

نوٹ ا: حدیث نمبر ۲۳۹، ۲۷۷ بیک وقت خماسی اور سداسی ہیں، اسی طرح حدیث نمبر ۳۱۷ سباعی اور ثمانی ہے۔اس طرح فیوض الرّاحی فی شرح سنن النسائی جلد ثالث میں ایک سو چار (۱۰۴) احادیث طیبات کی شرح کی گئی ہے۔

اطراف الحدیث

اطراف الحدیث

اشاریہ اسماء رجال

اشاریہ اسماء رجال

مصادر ومراجع

قرآن حکیم

۱۔ ابراھیم بن عمر، ابوالحسن، بقاعی، علامہ، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۔ ابراھیم بن محمد، ابواسحٰق، الزجاج، امام، معانی القرآن واعرابہ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۔ ابن ابوحاتم، عبدالرحمٰن، ابومحمد رازی، الجرح والتعدیل، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ط۱، ۱۹۵۲

۴۔ ایضاً، المراسیل، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط۲، 1982

۵۔ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، ابوالحسن الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۷۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، الاشراف علی مناقب الاشراف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۸۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابی بکر، التواضع والخمول لابن ابی الدنیا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۹۔ ابن ابی الدنیا، ضوء الشموع شرح کتاب الجوع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۱۰۔ ابن ابی شامہ، عبدالرحمٰن، ابومحمد، شھاب الدین، کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، دار الرایۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۱۱۔ ابن ابی شیبۃ، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، امام، المصنف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۲۔ ایضاً، المسند، دار الوطن، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۳۔ ایضاً، کتاب الایمان، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۲، ۱۴۰۳ھ

۱۴۔ ابن بطال علی بن خلف، ابوالحسن قرطبی، شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۱۵۔ ابن اثیر جزری، علی بن محمد، ابوالحسن، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، بیت الافکار الدولیۃ، الاردن۔

۱۷۔ ایضاً اللباب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء

۱۸۔ ایضاً، النھایۃ فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۹۔ ابن اسحاق، محمد، ابن یسار، کتاب المبدأ والمبعث والمغازی (سیرۃ)، (تحقیق، ڈاکٹر حمیداللہ)، دار النفائس، لاہور، پاکستان، ط۱، ۱۴۲۶/ ۲۰۰۵ء

۲۰۔ ابن تیمیہ، احمد، عبدالحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دار القرآن الکریم، لاہور، ط۱، ۱۹۷۱ء

۲۱۔ ایضاً، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۲۔ ایضاً، الفرقان بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان، مطبوعۃ دار ابن حزم بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۳۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، ابو العباس، مجموعۃ الفتاوی: ، دار ابن حزم، بیروت، الطبعۃ ط۲، ۱۴۲۲ھ

۲۴۔ ابن جوزی، عبد الرحمان بن علی، المنتظم، دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۴۱۵ھ

۲۵۔ ایضاً، کشف المشکل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ

۲۶۔ ایضاً، جامع المسانید، ایضاً

۲۷۔ ایضاً، ابو الفرج، احکام النساء ، دار الفکر بیروت، ط۳، ۱۴۱۶ھ

۲۸۔ ایضاً، ابو الفرج ، بحر الدموع، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۹۔ ایضاً، ابو الفرج، صفوۃ الصفوۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۰۔ ایضاً، مناقب امام احمد بن حنبل ، مکتبہ الخانجی، مصر، ط۱، ۱۳۹۹ھ

۳۱۔ ایضاً، تاریخ عمر بن الخطاب، دار المعرفۃ ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۲۔ ایضاً، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۳۳۔ ایضاً، اخبار الظراف والمتماجنین دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۳۴۔ ایضاً، کتاب الاذکیاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۵۔ ایضاً، تلقیح فھوم اھل الاثر فی عیون التاریخ والسیر ، شرکۃ دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۶۔ ایضاً، حنبلی، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۷۔ ایضاً، الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۸۔ ابن حبان، محمد، ابو حاتم البستی، المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ایضاً، الثقات، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء

۴۰۔ ابن حبان، محمد، ابو حاتم خراسانی، صحیح ابن حبان، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ

۴۱۔ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی تقریب التھذیب، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۴۲۔ ایضاً، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۳۔ ایضاً، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۴۔ ایضاً، تھذیب التھذیب، دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۵۔ ایضاً، القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۴۶۔ ایضاً، النکت ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۷۔ ایضاً، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳

۴۸۔ ایضاً، لسان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ط۱، ۱۹۶۷ء

۴۹۔ ایضاً، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۵۰۔ ایضاً، الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۱۔ ایضاً، حافظ مختصر زوائد مسند البزار، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۵۲۔ ایضاً، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، دار الباز، عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۵۳۔ ایضاً، موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۳، ۱۴۱۹ھ

۵۴۔ ابن حجر، احمد بن محمد علی، مکی، الفتاویٰ الحدیثیۃ، دار احیاء التراث العربی، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۵۔ ابن حجر مکی، احمد، علامہ، الصواعق المحرقۃ، مکتبۃ القاھرۃ، مصر، ۱۳۸۵ھ

۵۶۔ ابن حنبل، احمد، ابوعبداللہ، العلل و معرفۃ الرجال، مطبوعہ الدار السلفیہ بومبائی، الھند، ط۱، ۱۹۸۸ء

۵۷۔ ایضاً، المسند، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، ط۱، ۲۰۰۴ء

۵۸۔ ایضاً، نشر السنہ، ملتان، س ن

۵۹۔ ابن حمزۃ الحسینی، ابراھیم بن محمد الشھیر، البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۰۔ ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، ابوبکر، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط۳، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۱۔ ایضاً، کتاب التوحید، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۶، ۱۴۱۸ھ

۶۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۶۳۔ ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، بیروت، مصر، ۱۳۱۰ھ

۶۴۔ ابن خیاط، ابوعمرو، خلیفہ، الطبقات، مطبوعہ دار طیبۃ الریاض، السعودیۃ، ط۱، ۱۹۸۲ء

۶۵۔ ابن رجب، عبدالرحمان بن احمد، ابوالفرج، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، دار ابن کثیر، دمشق، ط۴، ۱۴۱۹ھ

۶۶۔ ایضاً، شرح علل الترمذی، عالم الکتب، بیروت، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۶۷۔ ایضاً، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۶۸۔ ابن رشد، محمد بن احمد، اندلسی مالکی، ہدایۃ المجتھد، دار الفکر، بیروت۔

۶۹۔ ابن زنجویہ، اسماعیل بن علی، مختصر کتاب الموفقۃ بین اھل البیت والصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۷۰۔ ابن سعد، محمد، ابوعبداللہ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، لبنان، ۱۹۶۰ء

۷۱۔ ابن صلاح، عثمان بن عبدالرحمان، حافظ، رسالۃ فی وصل البلاغات الاربع فی الموطاء، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۸ھ/۱۳۳۲ھ

۷۲۔ ایضاً، مقدمۃ ابن الصلاح، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۷۳۔ ابن عباس، عبداللہ، تنویر المقیاس، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۷۴۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، ابوعمر، التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، السعودیۃ العربیۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۷۵۔ ایضاً، الاستذکار، دار الوعی، القاہرہ، مصر، ط۱، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۷۶۔ ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء

۷۷۔ ایضاً، حافظ، التمہید المافی الموطا من المعانی والمسانید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۷۸۔ ابن عدی، عبداللہ، ابواحمد الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۷۹۔ ابن عربی، محمد بن عبداللہ، ابوبکر قاضی اندلسی مالکی، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۸۰۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۸۱۔ ایضاً، تفسیر ابن عربی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۸۲۔ ایضاً، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ

۸۳۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۸۴۔ ابن عربی، ابوبکر، قاضی، العواصم من القواصم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۲۵ھ

۸۵۔ ابن عربی، ابوعبداللہ محمد، الفتوحات المکیۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۸۶۔ ابن عساکر، عبدالصمد بن عبدالوہاب، ابوالیمن، اتحاف الزائر واطراف المقیم السائر، دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت

۸۷۔ ابن عساکر، علی بن حسین، ابوالقاسم، تاریخ دمشق، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ

۸۸۔ ابن عماد، عبدالحیٔ، ابوالفلاح حنبلی، شذرات الذہب، مصر، ۱۳۵۰ھ

۸۹۔ ابن قانع، عبدالباقی، ابوالحسین، معجم الصحابہ، مکتبہ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۱۴۱۸ھ

۹۰۔ ابن قتیبۃ، عبداللہ بن مسلم، المعارف لابن قتیبۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط۲، ۱۴۲۴ھ

۹۱۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابومحمد حنبلی، المغنی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۲۔ ابن قیم، محمد، شمس الدین ابوعبداللہ جوزی، کتاب الروح، حیدرآباد، دکن، ط۲، س ن

۹۳۔ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابوعبداللہ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ

۹۴۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر عماد الدین ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵ء

۹۵۔ ایضاً، اختصار علوم الحدیث، مکتبہ دار التراث، قاہرہ۔

۹۶۔ ایضاً، البدایۃ والنہایۃ، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۹۷۔ ایضاً، السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۹۸۔ ایضاً، الفصول فی سیرۃ الرسول: دار التراث المدینۃ المنورۃ، ط۶، ۱۴۱۳ھ

۹۹۔ ایضاً، مناقب الامام الشافعی، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۰۰۔ ابن کثیر، احمد بن ابراہیم، ابی عبداللہ، امام، دورقی، البغدادی، مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۰۱۔ ابن کثیر، صلابی، علی محمد، دکتور، اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۰۲۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ قزوینی، السنن، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۰۳۔ ابن مدینی، علی بن عبداللہ بن جعفر، ابوالحسن السعدی، العلل، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۹۸۰ء

۱۰۴۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، معرفۃ الرجال، مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق، ط۱، ۱۹۸۵ء

۱۰۵۔ ابن منبہ، ہمام، الصحیفۃ الصحیحہ، (تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، کرمانوالہ بک شاپ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۷ء

۱۰۶۔ ابن مندہ، عبدالوھاب بن محمد، العبدی، حافظ، الفوائد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۰۷۔ ابن مندۃ، محمد بن اسحاق، حافظ، کتاب الایمان، دار الفضیلۃ، الریاض، ط۴، ۱۴۲۱ھ

۱۰۸۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۰۹۔ ایضاً، مختصر تاریخ دمشق، دار الفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۱۱۰۔ ابن ناصر الدین، محمد بن ابی بکر، دمشقی، مجالس فی تفسیر قولہ تعالیٰ "لقد من اللہ علی المؤمنین الخ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۱۱۱۔ ابن نجیم، زین الدین، حنفی، البحر الرائق، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، س ن

۱۱۲۔ ابن المبارک، عبداللہ، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۱۳۔ ابن السنی، احمد بن محمد، ابوبکر، عمل الیوم واللیلۃ، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، الصنائع، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۱۱۴۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، تاریخ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ، قاھرہ، ۱۹۷۸ء

۱۱۵۔ ابن الملقن، عمر بن علی، ابی حفص، امام، غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۱۱۶۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، ابوالفرج وراق، الفہرست، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۰ء

۱۱۷۔ ابن النجار، محمد بن محمود، ابوعبداللہ، الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ، مکتبہ دار الزمان المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۱۸۔ ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویۃ، وحیدی کتب خانہ، پشاور، ط۲، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۱۱۹۔ ابن ہمام، کمال الدین، فتح القدیر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، س ن

۱۲۰۔ ابوبکر، احمد بن عمرو، امام، الآحاد والمثانی، دار الرایۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۱ھ۔

۱۲۱۔ ابوحیان، اندلسی، محمد بن یوسف، النھر المادمن البحر المحیط: دار الجنان، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۲۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، حافظ سجستانی، سنن ابوداؤد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵-۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۱۲۳۔ ابوزرعۃ، عبدالرحمن بن عمرو، الدمشقی، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، مطبوعۃ جامعہ بغداد، عراق، ۱۹۷۳ء

۱۲۴۔ ابوشھبۃ، محمد بن محمد، اسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبۃ السنۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۱۲۵۔ ابوعوانہ، یعقوب بن اسحاق، اسفرائنی، المسند، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ

۱۲۶۔ ابوغدۃ، عبدالفتاح، شیخ، الاسناد من الدین، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۲۷۔ ابوغدة، عبدالفتاح، لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث، مطبوعة دار البشائر الاسلامیة، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۱۲۸۔ ابوالشیخ، عبداللہ بن محمد، ابومحمد، ذکر الاقران ورِوایاتھم عن بعضھم بعضا، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۲۹۔ ابوالشیخ، عبداللہ بن محمد جعفر، امام، کتاب العظمة، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۱۳۰۔ ابوالفداء، اسماعیل بن کثیر، شافعی، حافظ، جامع المسانید والسنن، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۱۳۱۔ ابونعیم، احمد بن عبداللہ، اصفہانی، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۱۳۲۔ ابویعلیٰ، احمد بن علی، تمیمی، المسند، دار المامون تراث، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۳۳۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، امام، کتاب الخراج، دار المعرفة، بیروت، لبنان

۱۳۴۔ اتیوبی، علی بن آدم، لولوی، ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، دار ابن جوزی للنشر والتوزیع، قاھرہ، ط۳، ۱۴۳۲ھ

۱۳۵۔ اثری، ابن الدیبع، عبدالرحمان بن علی، تمیز الطیب من الخبیث، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۲۴ھ

۱۳۶۔ احمد بن ادریس، مصری، شھاب الدین، الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام، مکتب المطبوعات الاسلامیة بحلب، ط۲، ۱۴۱۶ھ

۱۳۷۔ احمد بن اسماعیل، ابوجعفر نحاس، امام، اعراب القرآن: عالم الکتب، بیروت، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۱۳۸۔ احمد بن حنبل، امام، الزھد، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۱۳۹۔ ایضاً، السنة، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۱۴۰۔ ایضاً، زوائد مسند احمد، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۱۴۱۔ ایضاً، المسند، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۴۲۔ احمد بن ستیوی، الدکتور، دیوان الامام علی رضی اللہ عنہ: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: جمع وتعلیق، دار الغد الجدید، مصر، ط۱، ۱۵۲۴ھ

۱۴۳۔ احمد بن عمر، قرطبی، ابوالعباس، امام، مفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، دار ابن کثیر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۱۴۴۔ احمد بن عمرو، ابوبکر، امام، کتاب الاوائل، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۴۵۔ احمد بن فارس، ابوالحسین، معجم المقاییس فی اللغة، دار الفکر، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ

۱۴۶۔ احمد رضا، امام، حدائق بخشش، پروگریسو بکس، لاہور

۱۴۷۔ ایضاً، فتاویٰ رضویة، مطبوعة مکتبہ رضویة آرام باغ کراچی، رضا فاؤنڈیشن جامعیة نظامیة رضویة، لاہور۔

۱۴۸۔ احمد رضا، معجم متن اللغة، مطبوعہ دار مکتبة الحیاة، بیروت، لبنان، ۱۹۵۸ء

۱۴۹۔ احمد شھاب الدین، مصری، خفاجی، حنفی، علامة، عنایة القاضی وکفایة الراضی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۵۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ط۱، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۵۱۔ الازہری، کرم شاہ، محمد پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۰۵ھ

۱۵۲۔ ایضاً، سنت خیر الانام، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۵۳۔ اسفرائینی، عبدالقاہر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۵۴۔ اسماعیل بن عمر، عماد الدین، حافظ، شافعی، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۶ھ

۱۵۵۔ اشعری، علی بن اسماعیل، ابوالحسن، الابانۃ عن اصول الدیانۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۵۶۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین واصلاح المصلین، تحقیق محی الدین عبدالحمید، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ۔

۱۵۷۔ اصبھانی، احمد بن موسیٰ، ابوبکر، جزء فیہ ماانتقاء ابوبکر بن مردویہ من حدیث الطبرانی لاھل البصرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۵۸۔ اصبھانی، اسماعیل بن محمد، ابوالقاسم، دلائل النبوۃ، دار العاصمۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۵۹۔ اصفھانی، ابونعیم، مسند الامام ابوحنیفۃ، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۱۶۰۔ اصفھانی، احمد بن عبداللہ، ابونعیم، دلائل النبوۃ، دار النفائس، بیروت، ط۳، ۱۴۰۶ھ

۱۶۱۔ ایضاً، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۱۶۲۔ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۳، ۲۰۰۸ء

۱۶۳۔ ایضاً، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۱۱، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۵ء

۱۶۴۔ اعظمی، امجد علی، بہار شریعت، مکتبۃ المدینۃ، کراچی، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

۱۶۵۔ اکرم ورک، محمد، ڈاکٹر، متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات (ایک تحقیقی مطالعہ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، ط۱، ۲۰۱۲ء

۱۶۶۔ امجدی، شریف الحق، محمد، نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

۱۶۷۔ امین، محمد، حافظ، سنن نسائی (فوائد و مسائل)، دار السلام، لاہور، ۱۴۳۲ھ

۱۶۸۔ امین، محمد ترتی، المعجم الوسیط، مطبوعہ اشرف علی الطبع حسن علی عطیہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۵ء

۱۶۹۔ آمدی، علی بن ابی علی، سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام، مطبع محمد علی واولادہ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۱۷۰۔ اندلسی، ابوحیان بن محمد، علامہ، البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۷۱۔ اندلسی، عبدالحق بن غالب، ابوبکر، قاضی، علامۃ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۱۷۲۔ اندلسی، علی بن احمد، ابی محمد، جمھرۃ انساب العرب:، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۷۳۔ اندلسی، یوسف بن عبدالبر، ابی عمر، الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقھاء، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۷۴۔ آجری، محمد بن حسین، ابوبکر، الشریعۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۲۰ھ

۱۷۵۔ آلوسی، محمود احمد، ابوالفضل، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۴، ۱۴۱۸ھ

۱۷۶۔ الیاس، انطون، الیاس، قاموس الیاس، المصر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۲ء

۱۷۷۔ انصاری، عبداللہ، خواجہ، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ شہر طہران، ط۵، ۱۳۷۱ھ

۱۷۸۔ بابرتی، محمد بن محمود، عنایۃ شرح ھدایۃ، نوریہ رضویہ، سکھر۔

۱۷۹۔ باجوری، محمد بن عفیفی، اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء، دار ابن حزم، ط۱، ۱۴۲۳ھ
۱۸۰۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالید قاضی اندلسی، کتاب المنتقی شرح موطاء، دار الکتب العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۳۳۲ھ
۱۸۱۔ ایضاً، سنن الصالحین وسنن العابدین، دار ابن حزم بیروت ط۱، ۱۴۲۴ھ
۱۸۲۔ باقلانی، ابوبکر، محمد بن طیب، امام، اعجاز القرآن، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۴۔
۱۸۳۔ البانی، ناصر الدین، محمد، حجیت حدیث، مکتبہ محمدیہ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۸ء
۱۸۴۔ البستانی، بطرس، المعلم، قطر المحیط، ساحۃ ریاض الصلح، بیروت، لبنان، ۱۸۶۹ء
۱۸۵۔ بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۵ھ
۱۸۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، دار السلام، الریاض، ط۲، ۱۴۱۹ھ
۱۸۷۔ ایضاً، خلق افعال العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۱ھ
۱۸۸۔ ایضاً، الادب المفرد، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۱۸۹۔ ایضاً، الضعفاء الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ط۱، ۱۹۸۶ء
۱۹۰۔ ایضاً، کتاب التاریخ الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء
۱۹۱۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، دو اسلام، اتحاد پریس، لاہور، ۱۹۵۰ء
۱۹۲۔ برقانی، احمد بن محمد، ابوبکر، سؤالات البرقانی للدارقطنی، مطبوعہ نشرۃ احمد میاں تھانوی، لاہور، پاکستان، ط۱، ۱۹۸۴ء
۱۹۳۔ برھان الدین، شیخ، الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، مکتبۃ الرشد، الریاض ط۱، ۱۴۱۸ھ
۱۹۴۔ برھانپوری، علی متقی بن حسام الدین، علامۃ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ
۱۹۵۔ بزار، احمد بن عمرو، ابوبکر الدخار، مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
۱۹۶۔ ایضاً، البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۰۹ھ
۱۹۷۔ برزنجی، سید محمد حسینی، الاشاعۃ لاشراط الساعۃ: دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۴۲۵ھ
۱۹۸۔ بستی، محمد بن حبان، ابوحاتم، ابوحاتم، السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۲، ۱۴۱۱ھ
۱۹۹۔ بشطنوفی، علی بن یوسف، ابوالحسن، بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ
۲۰۰۔ بصری، علی بن محمد، ادب الدنیا والدین، دار ابن کثیر ط۳، ۱۴۲۳ھ
۲۰۱۔ بغدادی، ابی الحسین بن قانع، قاضی، معجم الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ
۲۰۲۔ بغدادی، احمد بن علی، ابی بکر، حافظ، امام، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ
۲۰۳۔ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۰۳ھ
۲۰۴۔ ایضاً، شرف اصحاب الحدیث، عالم الکتب بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۰۵۔ ایضاً، الرحلۃ فی طلب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۳۹۵ھ

۲۰۶۔ بغوی، حسین بن مسعود، امام، معالم التنزیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۰۷۔ ایضاً، مصابیح السنۃ، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۲۰۸۔ ایضاً، امام، شرح السنۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۰۹۔ ایضاً، الانوار فی شمائل النبی المختار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۱۰۔ بغوی، عبداللہ بن محمد، ابوالقاسم، مسند ابن الجعد، مؤسسۃ النادر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۲۱۱۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، ابوجعفر، کتاب البلدان دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۱۲۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مصباح اللغات، مدینۃ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ط۱، ۱۹۸۲ء

۲۱۳۔ بیسونی، حامد بن احمد، ابوانس طاہر، مقدمۃ، مؤطا امام مالک، دار الفجر للتراث، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۲۱۴۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، ناصر الدین قاضی، انوار التنزیل واسرار التاویل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۱۵۔ بوصیری، احمد بن ابی بکر، اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، دار الوطن، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۱۶۔ ایضاً، زوائد ابن ماجۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۱۷۔ بیھقی، احمد بن حسین، الحافظ ابوبکر، السنن الکبریٰ، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۲۱۸۔ ایضاً، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۲۱۹۔ ایضاً، الآداب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۲۲۰۔ ایضاً، السنن الصغریٰ، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۱۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۲۲۔ ایضاً، کتاب الاسماء والصفات، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۳۔ ایضاً، معرفۃ السنن والآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۲۴۔ ایضاً، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۲۲۵۔ ایضاً، الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد، الیمامۃ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۲۶۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظھری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۲۷۔ پٹنی محمد طاھر، علامۃ، تذکرۃ الموضوعات، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۸۔ تاذفی محمد بن یحییٰ، قلائد الجواھر فی مناقب عبدالقادر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۳، ۱۴۳۷ھ

۲۳۰۔ تبریزی، عبداللہ محمد بن عبداللہ، خطیب، امام، مشکاۃ المصابیح، دار الارقم، بیروت، لبنان۔

۲۳۱۔ تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق وتصنیف، علی گڑھ، بھارت، جنوری، ۲۰۰۹ء

۲۳۲۔ ترمذی، محمد بن عیسی، ابوعیسی، امام، الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ و معرفۃ الصحیح والمعلول وما علیہ العمل ، دار السلام، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۳۳۔ ایضاً، علل الترمذی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۹۸۹ء

۲۳۴۔ ایضاً ، الشمائل المحمدیۃ ، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۲۳۵۔ ترمذی، محمد ، ابوعبداللہ، امام، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۲۳۶۔ تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد نسفی، نور محمد اصح المطابع، کراچی، س ن

۲۳۷۔ ایضاً، التوضیح والتلویح، منشی نولکشور، لکھنو

۲۳۸۔ ایضاً، درس ترمذی (مرتب: رشید اشرف)، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء

۲۳۹۔ تقی عثمانی، محمد، حجیت حدیث، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط۱، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء

۲۴۰۔ ایضاً، تکملۃ فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ط۱، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

۲۴۱۔ ایضاً، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء

۲۴۲۔ تلمسانی، احمد بن محمد، ابوالعباس، شہاب الدین ، فتح المتعال فی مدح النعال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۲۴۳۔ تلیدی، عبداللہ، شیخ، تہذیب الخصائص النبویۃ الکبری ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۰ھ

۲۴۴۔ ایضاً، الانوار الباہرۃ بفضائل اہل البیت النبوی والذریۃ الطاہرۃ، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۴۵۔ تمیمی، احمد بن علی، المثنی، امام، مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۴۶۔ تمیمی، عبدالکریم بن محمد، ابی سعد، امام، ادب الاملاء والاستملاء ، دار و مکتبۃ الہلال، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۲۴۷۔ تونجی، ابوطالب بن عبدالمطلب ﷺ، دیوان ابی طالب علم النبی ﷺ، سنۃ نبوت، تحقیق و تشریح: الدکتور محمد، دار الکتاب العربی ط۴، ۱۴۲۳ھ

۲۴۸۔ تھانوی، شیخ محمد، التقریرات الرائعۃ علی النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۲۴۹۔ تھانوی، اشرف علی، جمال الاولیاء، مکتبہ اسلامیہ، بلال گنج، لاہور

۲۵۰۔ ایضاً، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، تاج کمپنی، کراچی

۲۵۱۔ ایضاً، بیان القرآن، تاج کمپنی لاہور، الطبعۃ ۲۰۰۱ء

۲۵۲۔ ثعالبی، عبدالرحمن محمد بن مخلوف، شافعی، الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۳۔ ایضاً، الانوار فی آیات النبی المختار ﷺ، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۵۴۔ ثعلبی، احمد بن ابراہیم، ابواسحاق، الکشف والبیان، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ

۲۵۵۔ ایضاً، عرائس المجالس فی قصص الانبیاء، مطبع الحیدری، بمبئی، ہند، ۱۲۹۵ھ

۲۵۶۔ جادر، سالم العبد، مساعد، معالی الرتب لمن جمع بین شرفی الصحبۃ والنسب، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۵۷۔ جرجانی، عبداللہ بن عدی، ابی احمد، الکامل فی ضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۸۔ جرجانی، علی بن محمد، میر سید شریف، کتاب التعریفات، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۹۔ جزری، عبد الرحمان، کتاب الفقہ المذاھب الاربعۃ، علماء اکیڈیمی، لاہور، ط۷، ۲۰۰۶ء

۲۶۰۔ جعفر مصطفیٰ، سید، سبیہ، دکتور، (المعاصر)، موسوعۃ سیرۃ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام: المکتبۃ المکیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۲۶۱۔ جمال رجب، سیدبی، الدکتور، رسائل الجنید، دار اقرا، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۶۲۔ جمعۃ، احمد خلیل، نساء اھل البیت فی ضوء القرآن والحدیث، دار الیمامۃ، دمشق، ط۵، ۱۴۲۳ھ

۲۶۳۔ جمل، سلیمان بن عمیر، عجیلی، الفتوحات الالھیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ھ

۲۶۴۔ جوزجانی، ابراھیم، ابواسحاق، احوال الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط۱، 1985

۲۶۵۔ جوزقانی، ابوعبداللہ بن ابراھیم، الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاھیر، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ۔

۲۶۶۔ جوزی، ابن قیم محمد بن ابی بکر، حادی الارواح الی بلاد الافراح، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۶۷۔ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۲۶۸۔ ایضاً، روضۃ المحبین ونزھۃ المشتاقین، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۶۹۔ ایضاً، الوابل الصیب من الکلم الطیب، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۷۰۔ ایضاً، بدائع الفوائد، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۱۔ ایضاً، الفوائد مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۷۲۔ ایضاً، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۹ھ

۲۷۳۔ ایضاً، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۴۔ ایضاً، جلاء الافھام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الأنام، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۷۵۔ ایضاً، الروح، دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ و دار احیاء العلوم، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۲۷۶۔ ایضاً، فضائل الصحابۃ، الدمام، ط۳، ۱۴۲۶ھ

۲۷۷۔ جوھری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، مطبوعہ دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۲۷۸۔ جوینی، عبد الملک بن عبداللہ، کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۹۔ جیلانی، عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، فتوح الغیب، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، بمصر ط۲، ۱۳۹۲ھ

۲۸۰۔ الجزائری، طاھر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۲۸ھ

۲۸۱۔ حازمی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الآئمۃ الخمسۃ، رحیم اکیڈیمی، کراچی

۲۸۲۔ حاکم، محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۲۸۳۔ ایضاً، سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۹۸۴ء

۲۸۴۔ ایضاً، المدخل الی کتاب الاکلیل ،المکتبۃ التجاریۃ ،مکۃ المکرمۃ
۲۸۵۔ ایضاً، المدخل فی اصول الحدیث ،دارابن حزم، ط۱، ۱۴۲۸ھ
۲۸۶۔ ایضاً،معرفۃ علوم الحدیث ،المکتبۃ العلمیۃ ،المدینۃ المنورۃ، ط۲، ۱۳۹۷ھ
۲۸۷۔ حسین بن محمد،شرف الدین، طیبی، الکاشف عن حقائق السنن ،مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز،مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۲۸۸۔ حصکفی، محمد بن علی، علامہ حنفی، الدرالمختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ
۲۸۹۔ حصری، روضۃ الجمال، دکتورۃ ، حیاۃ الحسن البصری، دارالکلم الطیب ،بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ
۲۹۰۔ حصنی، محمد بن عبدالمومن، تقی الدین، قمع النفوس ورقیۃ المایوس ،دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۲۹۱۔ حضرمی، محمد بن عمر، حدائق الأنوار ومطالع الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ النبی المختار ،مطبوعۃ دارالحاوی، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ
۲۹۲۔ ایضاً، رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الھادی صلی اللہ علیہ وسلم ،دارالکتب العلمیۃ ،بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۲۹۳۔ حکیم ترمذی، محمد بن علی، ابوعبداللہ، نوادرالاصول، دارالجیل ، بیروت ، لبنان، ۱۹۹۲ء
۲۹۴۔ حلبی، علی بن برھان الدین ، انسان العیون فی سیرۃ الامین المآمون (السیرۃ الحلبیۃ)، دارالمعرفۃ، بیروت۔
۲۹۵۔ حماد، عبدالستار، ابومحمد، حجیت حدیث، دارالسلام، الریاض، السعودیہ، س ن
۲۹۶۔ حمیداللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ط۹، ۲۰۰۳ء
۲۹۷۔ حمیدی، محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین ،دارابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۲۹۸۔ حمیدی، عبداللہ بن الزبیر، امام، المسند ،دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ
۲۹۹۔ حنیف، سراج الاسلام، ڈاکٹر ابوسلیمان، معرفت علوم الحدیث، دارالنوادر، لاہور، ط۴، ۲۰۱۱ء
۳۰۰۔ خازن، علی بن محمد، بغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل ،دارالکتب العلمیۃ ،بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ
۳۰۱۔ خالدعلوی، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء
۳۰۲۔ ایضاً، اصول الحدیث، ایضاً، ط۲، ۲۰۰۱ء
۳۰۳۔ ختلی، ابراھیم بن عبداللہ، ابواسحاق، سؤالات ابن جنید، مطبوعہ مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ، السعودیۃ، ۱۹۸۸ء
۳۰۴۔ خرکوشی، عبدالملک بن ابی عثمان محمد، حافظ، ابوسعد، امام، شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ،دارالبشائر الاسلامیۃ ،بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۳۰۵۔ خزرجی، احمد بن عبداللہ، صفی الدین، خلاصۃ التذھیب ،دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۱ء
۳۰۶۔ خضری بک، محمد، اصول الفقہ ،مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، بیروت، لبنان، ۱۹۲۹ء
۳۰۷۔ خطابی، حمد بن محمد، ابوسلیمان بستی، معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، مکتبۃ العارف للنشر والتوضیع ،الریاض، ط۱، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء
۳۰۸۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابوبکر، الکفایۃ فی علم الروایۃ ،دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ
۳۰۹۔ ایضاً، تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، ط۱، ۱۹۳۰ء

۳۱۰۔ خفاجی، احمد شھاب الدین، علامۃ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء القاضی عیاض: ،المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ، ط۱، ۱۳۲۷ھ

۳۱۱۔ خلف بن عبدالمالک، ابوالقاسم، امام، کتاب الغوامض والمبھمات: ،دارالاندلس الخضراء، جدۃ، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۱۲۔ خوارزمی، محمد بن اسحاق، اثارۃ الترغیب والتشویق الی المساجد الثلاثۃ والبیت العتیق، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۱۳۔ ایضاً، مناقب الامام ابی حنیفۃ، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ

۳۱۴۔ خوارزمی، محمد بن محمود، ابوالمؤید، امام، جامع المسانید، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۳۱۵۔ خوارزمی، جلال الدین، کفایہ، نوریہ رضویہ، سکھر

۳۱۶۔ خیضری، قطب الدین، حافظ، اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم ﷺ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۱۷۔ داراشکوہ، شھزادہ، سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء

۳۱۸۔ دارقطنی، علی بن عمر، ابوالحسن، السنن، دارالمحاسن، قاھرۃ، ۱۹۶۶ء

۳۱۹۔ ایضاً، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۴ء

۳۲۰۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، حافظ، سنن الدارمی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۳۲۱۔ دارمی، عثمان بن سعید، تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین، مطبوعہ مرکز البحث العلمی، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۹۸۰ء

۳۲۲۔ دحلان، احمد بن زینی، سید، السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۲۳۔ ایضاً، الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین واھل البیت الطاھرین، دارالفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۳۲۴۔ دشتانی، محمد بن خلفہ، ابوعبداللہ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ

۳۲۵۔ دمیری، محمد بن موسیٰ، کمال الدین، حیات الحیوان الکبریٰ، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر۔

۳۲۶۔ دمشقی، علی بن ابراھیم، علاؤ الدین، فتاویٰ امام نووی، دارالفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۲۷۔ دولابی، محمد بن احمد، ابوبشر، الذریۃ الطاھرۃ النبویۃ، الدارالسلفیۃ الکویت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۳۲۸۔ دیاربکری، حسین بن محمد، شیخ، امام، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس ﷺ، دارصادر، بیروت

۳۲۹۔ دینوری، احمد بن مروان، ابوبکر، المجالسۃ وجواھر العلم، دارابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۳۳۰۔ دینوری، احمد بن داود، ابوحنیفہ، الاخبار الطوال، دارالمسیرہ، بیروت

۳۳۱۔ دینوری، عبداللہ بن مسلم، امام، تاویل مختلف الحدیث، دارالفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۳۲۔ زحیلی، وھبۃ، دکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ط۳، ۱۴۰۹ھ

۳۳۳۔ ایضاً، التفسیر المنیر، دارالفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۳۳۴۔ ذھبی، احمد بن عثمان، ابوعبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء

۳۳۵۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مکتبۃ عیسیٰ البابی الحلبی، القاھرہ، ط۱، ۱۹۶۳ء

۳۳۶۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

۳۳۷۔ ایضاً، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۲ھ

۳۳۸۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۳۹۔ ایضاً، تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۴۰۔ ایضاً، معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۳۴۱۔ ذھبی، محمد حسین، دکتور، التفسیر والمفسرون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۲، ۱۹۹۶ھ

۳۴۲۔ رازی، عبدالرحمٰن بن محمد ادریس، امام، تفسیر القرآن العزیز، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۳۴۳۔ رازی، فخر الدین، محمد بن عمر، بکری، مفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ

۳۴۴۔ راغب، حسین بن محمد، اصفھانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۴۵۔ رزمانی، محمد بن عبدالباقی، ابوعبداللہ، شرح موطا الامام مالک، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۱، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

۳۴۶۔ رسالہ "تدبر" لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء

۳۴۷۔ رضوی، لیاقت علی، محمد، فیوضات الرضویۃ فی تشریحات الھدایۃ، شبیر برادر، لاہور، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

۳۴۸۔ رضوی، محمود احمد، سید، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری، مکتبہ رضوان، لاہور، س ن

۳۴۹۔ رودانی، ابوعبداللہ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ء

۳۵۰۔ زبیدی، مرتضیٰ حسینی، سید، حافظ، امام، بلغۃ الاریب فی مصطلح آثار الحبیب، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۳۵۱۔ زبیر علی زئی، حافظ، انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ، المکتبۃ الاسلامیۃ، لاہور، ط۱، ۱۴۳۳ھ

۳۵۲۔ ایضاً، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۳۵۳۔ ایضاً، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۵۴۔ زرقانی، محمد عبدالباقی، اشراق مصابیح السیرۃ المحمدیۃ بمزج اسرار المواھب اللدنیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۵۵۔ زرکشی، محمد بن عبداللہ، امام، التذکرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۵۶۔ ایضاً، البرھان فی علوم القرآن، درالمعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۵۷۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام قاموس تراجم لاشھر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، بیروت، ط۲

۳۵۸۔ زمخشری، محمود بن عمر، علامۃ، الکشاف عن حقائق التاویل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۵۹۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۶۰۔ زیلعی، عبداللہ بن یوسف، جمال الدین، حافظ، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۶۱۔ زین الدین، عبدالرحیم بن حسین، عراقی، امام، التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من مقدمۃ ابن الصلاح، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۳۶۲۔ ایضاً، المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۶۳۔ ایضاً، الفیۃ السیرۃ النبویۃ، درالمنہاج، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۶۴۔ سبط ابن جوزی، علی بن عبداللہ، تذکرۃ الخواص، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۶۵۔ سبکی، محمد خطاب، محمود، المنھل العذب المورود شرح سنن الامام ابی داؤد، مطبوعہ مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ

۳۶۶۔ سبکی، علی بن کافی، تقی الدین، السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۶۷۔ ایضاً، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعۃ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۶۸۔ سبکی، عبدالوھاب بن علی، طبقات الشافعیۃ الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۳۶۹۔ ستانی، محمد بن عبدالکریم، ابی الفتح، الملل والنحل، مطبوعۃ دار المعرفۃ، بیروت، ط۹، ۱۴۲۹ھ

۳۷۰۔ سجستانی، عبداللہ بن ابی داؤد، ابوبکر، کتاب المصاحف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۷۱۔ سخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، شمس الدین، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۷۲۔ ایضاً، الأجوبۃ المرضیۃ من الاحادیث النبویۃ، دار الریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۷۳۔ ایضاً منحۃ الکرام بشرح بلوغ المرام، دار الامام الطبری، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۷۴۔ ایضاً، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ﷺ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ ومؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۳۷۵۔ سراج الدین، محمد بن عبدالرشید، سجاوندی حنفی، السراجی فی المیراث، المیزان، لاہور ۲۰۰۴ء

۳۷۶۔ سرخسی، محمد بن احمد، ابوبکر، المبسوط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۳۷۷۔ سرھندی، وارث، علمی اردو لغات جامع، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۷۸۔ سعید بن منصور، مکی، خراسانی، امام، سنن سعید بن منصور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۷۹۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ط۳، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۸۰۔ ایضاً، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱۰، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۸۱۔ ایضاً، نعمۃ الباری فی شرح صحیح بخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۳۸۲۔ سلیمان حسیم، فرھنگ بزرگ، فرھنگ معاصر، تہران، ط۵، ۱۳۷۹ھ

۳۸۳۔ سمرقندی، ابواللیث، نصر بن محمد، امام، بحر العدوم (تفسیر سمرقندی)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۳۸۴۔ سمعانی، عبدالکریم بن محمد، ابوسعد، الانساب، مجلس دار المعارفۃ، ھند، ۱۳۸۲ھ،

۳۸۵۔ سمھودی، علی بن عبداللہ، نور الدین، جواھر العقدین فی فضل الشرفین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۸۶۔ ایضاً، خلاصۃ الوفا، دار احیاء الکتاب العربی، بیروت

۳۸۷۔ ایضاً، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۸۔ سندھی، محمد بن عبد الھادی، ابوالحسن، حاشیۃ السندھی علی النسائی، دار المعرفۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۳۸۹۔ ایضاً، کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۹۰۔ سنکی، زکریا بن محمد، شیخ، حافظ، انصاری، التبصرۃ والتذکرۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت

۳۹۱۔ سہارنپوری، خلیل احمد، علامہ محدث، بذل المجہود فی حل ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن

۳۹۲۔ سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، پروگریسو بکس، لاہور، ط۲، ۲۰۱۰ء

۳۹۳۔ سہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، ابوالقاسم، علامۃ، الروض الانف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۹۴۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، محمد، قصص القرآن، مکتبہ رحمانیہ لاہور، معلوم ندارد

۳۹۵۔ سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط۸، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۳۹۶۔ ایضاً، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۳۹۷۔ ایضاً، زہر الربی علی ھامش سنن النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، معلوم ندارد

۳۹۸۔ ایضاً، الاکلیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۳۹۹۔ ایضاً، الباھر فی حکم النبی ﷺ فی الباطن والظاھر، دار السلام، القاھرۃ، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۴۰۰۔ ایضاً، البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۴۰۱۔ ایضاً، تاریخ الخلفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۰۲۔ ایضاً، التعظیم والمنۃ فی ان ابوی رسول اللہ ﷺ فی الجنۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۰۳۔ ایضاً، جامع الاحادیث الکبیر، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۴۰۴۔ ایضاً، جمع الجوامع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۴۰۵۔ ایضاً، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ﷺ، مکتبۃ نزار المصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۴۰۶۔ ایضاً، الحاوی للفتاوی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۲ھ وطبع دار الکتاب العربی، بیروت الطبعۃ ۱۴۲۵ھ

۴۰۷۔ ایضاً، الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۴۰۸۔ ایضاً، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۴ھ

۴۰۹۔ ایضاً، ذیل اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، مطبع علوی محمد علی بخش خاں لکھنوی، ۱۳۰۳ھ

۴۱۰۔ ایضاً، زھر الربی علی المجتبیٰ (شرح سنن النسائی): دار المعرفۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۴۱۱۔ ایضاً، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۱۲۔ ایضاً، طبقات الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۳ھ

۴۱۳۔ ایضاً، قطف الازھار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۱۴۔ ایضاً، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ (الخصائص الکبریٰ) ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۴۱۵۔ ایضاً، الکنز المدفون والفلک المشحون، اوالکشکول، مؤسسۃ النعمان، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۲ھ

۴۱۶۔ ایضاً، لباب النقول فی اسباب النزول، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۴۱۷۔ ایضاً، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ، مکتبۃ الصحابۃ جدۃ، ط۲، ۱۴۱۳ھ

۴۱۸۔ ایضاً، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ﷺ من مجموعۃ الرسائل العشر ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۱۹۔ ایضاً، نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۲۰۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعۃ الرحمانیۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۴۰۲ھ

۴۲۱۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام، الرسالۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ، المصر، ط۳، ۱۹۸۳ء

۴۲۲۔ ایضاً، المسند، دارالثقافۃ العربیۃ، دمشق، ۱۴۲۳ھ

۴۲۳۔ شامی، محمد امین، ابن عابدین، ردالمحتار علی درالمختار، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۲۴۔ شاہ عبدالحق، محدث دھلوی، ماثبت بالسنۃ عن اعمال السنۃ عربی واردو ، دارالاشاعت، کراچی ۱۴۰۳ھ

۴۲۵۔ ایضاً، اشعۃ اللمعات، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۴۲۶۔ شاہ عبدالعزیز، دھلوی، محدث، فتاویٰ عزیزی، کتاب فروشی حاجی محمد علیم و پسران، بازار کتاب فروشی کابل افغانستان

۴۲۷۔ ایضاً، بستان المحدثین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۴۲۸۔ ایضاً، تحفہ اثناء عشر، حضرت میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

۴۲۹۔ شاہ، ولی اللہ، محدث، دہلوی، المسوّٰی شرح الموطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۴۳۰۔ ایضاً، حجۃ اللہ البالغۃ ، داراحیاء العلوم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۴۳۱۔ ایضاً، المصفّٰی شرح موطا، محمد علی کارخانہ، کراچی، س ن

۴۳۲۔ ایضاً، المسوّٰی شرح موطا، ایضاً

۴۳۳۔ ایضاً، ازالۃ الخفاء فی تاریخ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۴۳۴۔ ایضاً، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، ایضاً

۴۳۵۔ ایضاً، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل ، سندھ ساگر اکادمی، لاہور

۴۳۶۔ شبلنجی، مومن بن حسن، نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار ﷺ، شرکۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر الطبعۃ الاخیرۃ ۱۳۲۷ھ

۴۳۷۔ شبیر احمد، ڈاکٹر، اسلام کے مجرم، گلیکسی پبلیکشنز، فلوریڈا، امریکہ، ۲۰۰۱ء

۴۳۸۔ شبیر احمد، عثمانی، تفسیر عثمانی مجمع الملک فھد الطباعۃ المصحف الشریف، مدینہ منورۃ، الطبعۃ ۱۴۰۹ھ

۴۳۹۔ شعرانی، عبدالوہاب، میزان الشریعۃ الکبری، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۱، ۱۳۵۹ھ

۴۴۰۔ شعرانی، عبدالوہاب، امام، البدر المنیر فی احادیث البشیر النذیر ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۴۱۔ ایضاً، کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، دار الفکر بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۸ھ
۴۴۲۔ ایضاً، الکبریت الاحمر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، و دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۸ھ
۴۴۳۔ ایضاً، لواقح الانوار و طبقات الاخیار (الطبقات الکبریٰ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۴۴۔ ایضاً، المنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۴۵۔ ایضاً، الیواقیت والجواہر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، و دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۴۶۔ شمس الحق، محمد، ابوطیب عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن
۴۴۷۔ شنقیطی، تجانی، مختار بن احمد، رسالۃ البیان والتبیان فی ان الصوفیۃ مذھبھا السنۃ والقرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ
۴۴۸۔ شوکانی، محمد بن علی، قاضی، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۴۹۔ ایضاً، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ
۴۵۰۔ ایضاً، قطر الولی علی حدیث الولی: العلامۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۳۲۲ھ
۴۵۱۔ ایضاً، تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۵۲۔ ایضاً، نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۵۳۔ شیبانی، محمد بن الحسن، مؤطا الامام مالک (مؤطا محمد)، دار القلم دمشق، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۵۴۔ شیبانی، احمد بن عمرو، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ
۴۵۵۔ ایضاً، السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ
۴۵۶۔ شیخ نظام، مولانا، الفتاویٰ العالمگیریۃ، المکتبۃ الرشید، کوئٹہ، س ن
۴۵۷۔ شیرویہ بن شھر، حافظ، فردوس الاخبار، دار ابن شیرویہ الدیلمی، دار الریان، القاھرۃ، ط۱، ۱۴۰۸ھ
۴۵۸۔ صاغرجی، محمد سعید، اسعد، الفقہ الحنفی وادلتہ، وحیدی کتب خانہ، پشاور
۴۵۹۔ صالحی، محمد بن طولون، الشذرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۶۰۔ صالحی، محمد بن یوسف، امام، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۶۱۔ صاوی، احمد بن محمد، حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۶۲۔ صدیق حسن خان، نواب، بھوپالی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۲ھ
۴۶۳۔ ایضاً، مسک الختام، مکتبہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، س ن
۴۶۴۔ صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، شعبہ تحقیق قائداعظم لائبریری، لاہور، ط۱، ۱۹۸۸ء
۴۶۵۔ صلابی، علی محمد، الدکتور، خامس الخلفاء الراشدین امیر المؤمنین الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، دار ابن کثیر دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۴۶۶۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، العبر فی خبر من غبر، کویت
۴۶۷۔ صنعانی، عبدالرزاق بن ھمام، امام، تفسیر عبدالرزاق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۶۸۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام شرح بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، مطبعۃ الاستقامۃ، مصر، ۱۳۵۷ھ
۴۶۹۔ ایضاً، المصنف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۴۷۰۔ طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ط۴، ۲۰۰۴ء
۴۷۱۔ ایضاً، الدرۃ البیضاء فی مناقب فاطمۃ الزہراء، ایضاً، ط۲، ۲۰۰۳ء
۴۷۲۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، امام، جزء فیہ طرق حدیث من کذب علی متعمدا، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۴۷۳۔ ایضاً، کتاب الدعا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۷۴۔ ایضاً، معجم الاوسط، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۴۰۵ھ
۴۷۵۔ ایضاً، معجم الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ودارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۸ھ
۴۷۶۔ ایضاً، المعجم الصغیر (الروض الدانی)، مکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ
۴۷۷۔ طبری، ابن جریر، ابوجعفر، تاریخ الامم والملوک، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۴۷۸۔ ایضاً، جامع البیان، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۹ھ
۴۷۹۔ ایضاً، تھذیب الآثار تفصیل الثابت عن رسول اللہ ﷺ من الاخیار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ
۴۸۰۔ ایضاً، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دارالفکر، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۵ھ
۴۸۱۔ ایضاً، خلاصہ سیر سید البشر، مکتبۃ نزار مصطفٰی الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۸۲۔ طبری، احمد بن عبداللہ، محب الدین، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دارالغرب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۹۹۶ء
۴۸۳۔ ایضاً، السمط الثمین فی مناقب امھات المومنین، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ
۴۸۴۔ طحاوی، احمد بن محمد، ابوجعفر، امام، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۸۵۔ ایضاً، تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار، داربلنسیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۸۶۔ الطحان، محمود، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، دارالقرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ء
۴۸۷۔ طرابلسی، القاوقجی، محمد بن خلیل، اللؤلؤ المرصوع فیما لااصل لہ اوباصلہ موضوع، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ
۴۸۸۔ طوسی، عبداللہ بن علی، ابونصر، اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۴۸۹۔ طہٰ محمد، الساکت، شیخ، علامہ، من ذخائر السنۃ النبویۃ، دارنورالمکتبات، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۹۰۔ طیالسی، سلیمان بن داؤد، امام، المسند، دارالکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۲۵ھ
۴۹۱۔ ظھری، محمد بن سعد، امام، الطبقات الکبریٰ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۹۲۔ عامری، یحییٰ بن ابی بکر، ابوزکریا، عمادالدین، بهجة المحافل وبغية الاماثل، دار الكتب العلمية، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۹۳۔ عبدالباقی، محمد فواد، مناقب علی والحسنین وامهما فاطمة الزهراء رضی اللہ عنہم، دار الحدیث، القاهرة، سنة الطبع ۱۴۲۳ھ

۴۹۴۔ عبدالمنعم، قضاء علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مکتبة الرشد، السعودیة، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۴۹۵۔ عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ط۱، ۱۹۸۹ء

۴۹۶۔ عتر، نورالدین، منہج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر، دمشق، شام، ۱۹۸۱ء

۴۹۷۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ

۴۹۸۔ ایضاً، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی، لاہور، س ن

۴۹۹۔ عثمانی، ظفر احمد، تھانوی، شیخ، اعلاء السنن، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۵۰۰۔ عجاج، محمد، الخطیب، السنة قبل التدوین، مکتبہ وھبہ، القاھرہ، مصر ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

۵۰۱۔ عجلونی، اسمٰعیل بن محمد، علامہ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۰۲۔ عجلی، احمد بن عبداللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۴ء

۵۰۳۔ عصفری، خلیفة بن خیاط، ابی عمرو، تاریخ خلیفہ بن خیاط تحقیق اکرم ضیاء العمری، دار طیبة الریاض، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۵۰۴۔ العطار، صدقی جمیل، حاشیہ سنن ابی داؤد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۶۔۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء

۵۰۵۔ عطار، فریدالدین، شیخ، تذکرة الاولیاء، لاہور

۵۰۶۔ عقاد، عباس محمود، العبقریات الاسلامیة، المکتبة العصریة، بیروت.

۵۰۷۔ عقیلی، محمد بن عمرو، ابوجعفر، الضعفاء الکبیر، مکتبہ علمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۵۰۸۔ عکبری، عبیداللہ بن محمد، ابوعبداللہ، الابانة عن شریعة الفرقة الناجیة ومجانبة الفرق المذمومة، دار الرایة، الریاض، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۵۰۹۔ عکری، احمد بن محمد، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۵۱۰۔ علائی، خلیل بن کیکلدی، کتاب تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت لہ شرف الصحبة، دار العاصمة، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۵۱۱۔ علوی، محمد ابن السید، مالکی مکی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم الانسان الکامل، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ

۵۱۲۔ عمر بن علی، ابوحفص، حنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۱۳۔ عیاض مالکی، قاضی، ابوالفضل بن موسیٰ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

۵۱۴۔ ایضاً، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، دار الکتب العربی، بیروت، لبنان

۵۱۵۔ عینی، محمود بن احمد، بدرالدین، ابومحمد، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، دار الحدیث، ملتان، ط۱، س ن

۵۱۶۔ ایضاً، العلم الهیب من الکلم الطیب، مکتبة الرشد، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۱۷۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، ط۳، ۲۰۰۹ء

۵۱۸۔ غربان محمد شفیق، الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ، قاھرہ، مصر، ۱۹۶۵ء

۵۱۹۔ غزالی، محمد بن محمد، امام، احیاء علوم الدین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۲۰۔ ایضاً، المستصفی من علم الاصول، امیریہ کبری، بولاق، مصر، ۱۲۹۴ھ

۵۲۱۔ غیاث الدین، محمد، غیاث اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، معلوم ندارد

۵۲۲۔ فاسی، محمد مھدی، امام، مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات، المکتبۃ المکرّمۃ الرضویۃ، لائلپور (فیصل آباد)

۵۲۳۔ فزاری، ابراھیم بن محمد، ابواسحاق، کتاب السیر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۲۴۔ فتنی، محمد طاھر، مجمع بحار الانوار، مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ، ط۳، ۱۴۱۵ھ

۵۲۵۔ الفلاح، محمد عبدہ، تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف ناشران، لاھور، س ن

۵۲۶۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، مجد الدین، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۵۲۷۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاھور، س ن

۵۲۸۔ قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاھور، کراچی، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۵۲۹۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث، مکتبہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۸ھ

۵۳۰۔ ایضاً، محاسن التاویل (التفسیر القاسمی)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۳۱۔ قاضی، زین العابدین، قاموس القرآن، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۸ء

۵۳۲۔ قرطبی، احمد بن عمر، ابوعباس ابراھیم مالکی، المفھم، دار ابن کثیر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ

۵۳۳۔ قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ مالکی، الجامع لاحکام القرآن، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۵۳۴۔ ایضاً، التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۳۵۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ، ابوعمرو، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۳۶۔ ایضاً، جامع بیان العلم وفضلہ، دار ابن الجوزی، الدمام، ط۴، ۱۴۱۹ھ

۵۳۷۔ قسطلانی، احمد بن محمد، ابوالعباس شھاب الدین، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۲۰۰۹ء

۵۳۸۔ ایضاً، المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، مکتب الاسلامی بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۵۳۹۔ قشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابوالقاسم، امام، لطائف الاشارات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۵۴۰۔ قضاعی، محمد بن سلامۃ، ابی عبداللہ، دستور معالم الحکم ومأثور مکارم الشیم، شرکۃ دار ارقم بن ابی الارقم بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۴۱۔ قطب شھید، سید، فی ظلال القران، ادارہ منشورات اسلامی، لاھور، ط۴، ۱۹۹۸ء

۵۴۲۔ قنوجی، محمد صدیق حسنین، سید، البلغۃ فی اصول اللغۃ، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۴۳۔ ایضاً، تکریم المؤمنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین، قادری کتب خانہ، سیالکوٹ۔

۵۴۴۔ ایضاً، التاج المکلل من جوھر مآثر الطراز الآخر والاولیٰ، مکتبۃ دار السلام الریاض، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۴۵۔ ایضاً، الدین الخالص، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۴۶۔ کاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاؤ الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ

۵۴۷۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات، بزم سعید، ملتان، ط۷، ۲۰۰۰ء

۵۴۸۔ کاندھلوی، محمد ادریس، حجیت حدیث، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۶ء

۵۴۹۔ ایضاً، التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۵۰۔ کاندھلوی، محمد زکریا، شیخ، اوجز المسالک الی موطا مالک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

۵۵۱۔ ایضاً، بذل المجھود فی حل ابی داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

۵۵۲۔ کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۵۵۳۔ الکائی، ھبۃ اللہ بن حسن، ابوالقاسم، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۵۵۴۔ کتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۵۵۔ کدیری، احسان محمد دحلا جمفسی سراج الطالبین، مکتبۃ الحرمین، جدۃ

۵۵۶۔ کریم خان، محمد، ڈاکٹر، امثال الحدیث، ہجویری بک شاپ، لاہور، ط۱، ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء

۵۵۷۔ ایضاً، ہمارے فکری و عملی مسائل اور تعلیمات نبوی ﷺ، پروگریسو بکس، لاہور، ط۱، ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء

۵۵۸۔ کشمیری، محمد انورشاہ، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۵، ۱۴۱۲ھ

۵۵۹۔ ایضاً، العرف الشذی شرح جامع الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۵۶۰۔ ایضاً، فیض الباری علی صحیح البخاری، المکتبۃ الرشیدیۃ، کوئٹہ

۵۶۱۔ لکھنوی، عبدالحی محمد، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۳، ۱۴۰۸ھ

۵۶۲۔ ایضاً، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۵۶۳۔ لکھنوی، محمد عبدالحلیم بن محمد امین، قمر الاقمار لنور الانوار فی شرح المنار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۶۴۔ ماتریدی، محمد بن محمود، ابی منصور، سمرقندی، حنفی، تاویلات اھل السنۃ، مؤسسۃ الرسالۃ ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۶۵۔ مالک، ابن انس، امام، الموطا، دار الفجر للتراث، القاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۵۶۶۔ مالینی، احمد بن محمد، ابوسعید، امام، کتاب الاربعین فی شیوخ الصوفیۃ، دار البشائر الاسلامیۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۶۷۔ ماوردی، علی بن محمد، علی بن محمد، علامۃ، اعلام النبوۃ: مطبوعۃ دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۶۸۔ ایضاً، النکت والعیون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۵۶۹۔ مبارکپوری، عبدالرحمٰن، ابوالعلی محمد، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، س ن

۵۷۰۔ ایضاً، الرحیق المختوم ،دارالسلام،الریاض،الطبعۃ۱۴۱۴ھ

۵۷۱۔ مجاھد بن جبر،قرشی،مخزومی، التفسیر الکبیر،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ط۱،۱۴۲۶ھ

۵۷۲۔ محمد امین،حافظ،سنن نسائی (فوائد ومسائل)،دارالسلام،لاہور،۱۴۳۲ھ

۵۷۳۔ محبّ طبری،احمد بن عبداللہ،ابوجعفر،ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ،مکتبۃ الصحابہ،جدہ،سعودی عرب،۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۵۷۴۔ محمد بن علی،ابوعلی،الصوری،الحافظ،الفوائد المنتقاۃ والغرائب الحسان عن شیوخ الکوفیین،دارالکتاب العربی،بیروت،ط۱،۱۴۰۷ھ

۵۷۵۔ محمد بن سلامۃ،الشافعی،القضاعی،امام،مسند الشھاب ،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،ط۱،۱۴۰۵ھ

۵۷۶۔ محمد بن ہارون، ابوبکر،رویانی،امام،مسند الصحابۃ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ط۱،۱۴۱۷ھ

۵۷۷۔ محمد بن محمد،ابوالسعود،عمادی،حنفی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،ط۱،۱۴۱۹ھ

۵۷۸۔ محمد امین بن محمد مختار،جکنی ، علامۃ،اضواء البیان فی ایضاح القرآن: ،داراحیاء التراث العربی،بیروت،ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۷۹۔ محمد بن یعقوب، مجدالدین،فیروزآبادی،امام، بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز ،المکتبۃ العلمیۃ،بیروت

۵۸۰۔ محمد بن خطیب،شربینی،السراج المنیر ،داراحیاء التراث العربی،بیروت،ط۱،۱۴۲۵ھ

۵۸۱۔ محمد علی،شیخ،صابونی، صفوۃ التفاسیر ،دارالحیاالتراث العربی،بیروت،ط۱،۱۴۱۹ھ

۵۸۲۔ محمد شفیع،مفتی،معارف القرآن،ادارۃ المعارف،کراچی،۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۵۸۳۔ محمد بن خلیفۃ،ابوعبداللہ،وشتانی،ابی المالکی، علامۃ،اکمال اکمال المعلم،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ط۱،۱۴۱۹ھ

۵۸۴۔ محمد بن احمد،ابوالقاسم،کلبی، التسھیل لعلوم التنزیل ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ط۱،۱۴۱۵ھ

۵۸۵۔ محمد زکریا،سھارنپوری، مولانا، لامع الدرری علی جامع البخاری ،مکتبۃ ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی

۵۸۶۔ محمد بن محمد،سنوسی،مالکی،علامۃ، مکمل اکمال الاکمال ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،ط۱،۱۴۱۵ھ

۵۸۷۔ محمد بن محمد،ابوالفتح،حافظ، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر ،مکتبۃ دارالتراث،المدینۃ المنورۃ، ط۱،۱۴۱۳ھ

۵۸۸۔ محمد بن احمد،ابوالبقاء، تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،ط۱،۱۴۱۸ھ

۵۸۹۔ محمد بن عمر، کتاب المغازی للواقدی ،عالم الکتب بیروت، ط۳،۱۴۰۴ھ

۵۹۰۔ محمد بن ادریس،دیوان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ،تحقیق محمد عبدالرحیم،دارالفکر،بیروت، ط۱،۱۴۱۵ھ

۵۹۱۔ محمد شفیق،ابوسعید،حنفی کشمیری،فضل الودود فی شرح سنن ابی داود،دارقمر الاسلام،برمنگھم،لندن،ط۱،۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

۵۹۲۔ محمد نافع،مولانا،سیرت امیر معاویہ،دارالکتاب،لاہور

۵۹۳۔ مرادآبادی،نعیم الدین،سید محمد،خزائن العرفان،حافظ کمپنی،لاہور،س ن

۵۹۴۔ مراغی،زین الدین ابی بکر بن الحسین،کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دارالھجرۃ ،مکتبۃ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ،ط۱،۱۴۱۷ھ

۵۹۵۔ مروزی،خزاعی،نعیم بن حماد،حافظ،الفتن ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ط۱،۱۴۱۸ھ

۵۹۶۔ مروزی، اسحاق بن ابراهیم، امام، مسند اسحاق بن راھویہ، مکتبۃ الایمان، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ ودار الکتاب العربی، بیروت ط۱، ۱۴۲۳ھ

۵۹۷۔ مروزی، محمد بن نصر، امام فقیہ شیخ الاسلام، المسند، مکتبہ مصطفیٰ البابی، بولاق، مصر، ۱۴۰۲ھ

۵۹۸۔ مزی، جمال الدین یوسف، ابوالحجاج، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۹۹۲ء

۵۹۹۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن، الهدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۰۰۔ ایضاً، اللباب فی شرح الکتاب، ایضاً

۶۰۱۔ مرجانی، محمد بن عبدالملک، بهجۃ النفوس والاسرار، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۰۲۔ مسلم، ابن حجاج، ابوالحسین قشیری، صحیح مسلم، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۶۰۳۔ ایضاً، الانتفاع بجلود السباع، دار الفکر، بیروت

۶۰۴۔ مصری، عمر بن شبۃ، ابو زید، تاریخ مدینۃ، دار التراث، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۰۵۔ مصطفیٰ خیری، منصوری، علامۃ، المقتطف من عیون التفاسیر، دار القلم، دمشق، ط۲، ۱۴۱۷ھ

۶۰۶۔ مطلبی، محمد بن اسحاق، مدنی، السیرۃ النبویۃ، درالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۰۷۔ مغلطائی، ابوعبداللہ بن قلیج، علاء الدین، حافظ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۰۸۔ مقاتل بن سلیمان، ابوالحسن، ازدی، امام، تفسیر مقاتل بن سلیمان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۰۹۔ مقدسی، یوسف بن یحییٰ، عقد الدرر فی اخبار المنتظر وھو المھدی، مکتبۃ المنار، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۱۰۔ مقدسی، محمد بن عبدالواحد، ضیاء الدین، الاحادیث المختارۃ مما لیس فی الصحیحین، مکتبۃ النھضۃ الحدیثیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۱۱۔ مقدسی، محمد بن طاھر، ابوالفضل، حافظ، اطراف الغرائب والافراد للدار قطنی، دار التدمریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۶۱۲۔ ایضاً، الجمع بین رجال الصحیحین، دائرۃ معارف عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۲۳ھ

۶۱۳۔ ایضاً، شروط القدمۃ الستۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء

۶۱۴۔ مقریزی، احمد بن علی، ابی العباس المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، الطبعۃ بدون تاریخ، مکتبۃ الدینیۃ، القاھرۃ۔

۶۱۵۔ مقری، احمد بن محمد علی، المصباح المنیر، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۴ھ

۶۱۶۔ ملا علی القاری، علی بن سلطان محمد، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۱۷۔ ایضاً، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۶۱۸۔ ایضاً، شرح مسند ابی حنیفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۶۱۹۔ ایضاً، شرح الفقہ الاکبر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۶۲۰۔ ایضاً، شرح الشفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۶۲۱۔ ایضاً، فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، دار ارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۲۲۔ ایضاً، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمۃ

۶۲۳۔ ایضاً، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۵، ۱۴۱۴ھ

۶۲۴۔ ملاجیون، احمد، نور الانوار، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س ن

۶۲۵۔ مناوی، عبدالرؤف، علامۃ، شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۶۲۶۔ ایضاً، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۲۷۔ ایضاً، الکواکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ، دار صادر، بیروت، ط۱، ۱۹۹۹ء

۶۲۸۔ منذری، زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، امام، الترغیب والترھیب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۲۹۔ منصور بن الحسن، عماد الدین، گازرونی، شافعی، حاشیۃ الگازرونی علی البیضاوی: دار الفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ

۶۳۰۔ منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۱۹۹۱ھ

۶۳۱۔ مودودی، ابوالاعلی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ط۴۰، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۶۳۲۔ ایضاً، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ط۲۰، ۲۰۰۰ء

۶۳۳۔ موسیٰ شاھین، لاشین، پروفیسر ڈاکٹر، فتح المنعم شرح صحیح مسلم، دار الشروق، القاھرہ، مصر، ط۲، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۶۳۴۔ مھر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مھر منیر، فیض احمد فیض رحمۃ اللہ علیہ، قطب عالم، پاکستان، انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ لاہور ۱۴۰۶ھ

۶۳۵۔ ایضاً، تصفیۃ مابین سنی وشیعۃ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور ۱۴۰۶ھ

۶۳۶۔ ناصر الدین، محمد البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، وشیٔ من فقھھا وفوائدھا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

۶۳۷۔ ایضاً، ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ: المکتب الاسلامی، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۶۳۸۔ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، والموضوعۃ واثرھا السیٔ فی الامۃ، ایضاً، ط۱، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

۶۳۹۔ نبھانی، یوسف بن اسماعیل، امام، الانوار المحمدیۃ من المواھب اللدنیۃ، الطبعۃ الادبیۃ، بیروت ۱۳۲۱ھ

۶۴۰۔ ایضاً، جامع کرامات اولیاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۴۱۔ ایضاً، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار، مصر ۱۳۷۹ھ، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۴۲۔ ایضاً، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۴۳۔ ایضاً، حزب الاستغاثات بسید السادات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۶۴۴۔ ایضاً، سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۴۵۔ ایضاً، شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۴۶۔ نجدی، محمد بن عبدالوھاب، مختصر زاد المعاد، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۴، ۱۴۰۳ھ

۶۴۷۔ ایضاً، مختصر سیرۃ الرسول، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۶۴۸۔ نجم الدین، محمد بن محمد، الغزی، الاتقان ما یحسن من الاخبار الواردۃ علی الالس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط ۱، ۱۴۲۵ھ
۶۴۹۔ ندوی، سید سلمان، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء
۶۵۰۔ ندوی، علی، ابوالحسن، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، دار ابن کثیر دمشق، ط ۴، ۱۴۲۶ھ
۶۵۱۔ ایضاً، المرتضیٰ سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دار القلم دمشق، ط ۲، ۱۴۱۹ھ
۶۵۲۔ ندوی، سید رضوان علی، الدکتور، خانوادۂ نبوی وعہد بنی امیہ، حقائق واوہام عربی ادارۂ تصنیف ونشر کراچی
۶۵۳۔ نسائی، احمد بن علی بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۶ء
۶۵۴۔ ایضاً، سنن النسائی المسمیٰ بالمجتبیٰ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط ۱، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء
۶۵۵۔ ایضاً، تفسیر النسائی، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۰ھ
۶۵۶۔ ایضاً، خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، دار الکتاب العربی، بیروت، ط ۲، ۱۴۱۷ھ
۶۵۷۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۱ھ
۶۵۸۔ نسفی، احمد بن محمد، ابوالبرکات، علامۃ، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دار القلم، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۸ھ
۶۵۹۔ نظام الدین بن محمد، قمی، علامۃ، غرائب القرآن وغرائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۵ھ
۶۶۰۔ نعمانی، شبلی، سید سلیمان، ندوی، علامۃ، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
۶۶۱۔ نعمانی، محمد عبدالرشید، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان: علامۃ مکتبۃ الحسن، لاہور
۶۶۲۔ ایضاً، شہداء کربلاء پر افتراء، مکتبۃ الحسن، لاہور
۶۶۳۔ ایضاً، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، مکتبۃ الحسن، لاہور
۶۶۴۔ نعیمی، احمد یار خان، مفتی، مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ اسلامیہ، لاہور
۶۶۵۔ نقوی، علی رضا، سید دکتر، فرہنگ جامع (فارسی بہ انگلیسی واردو)، قرایزنی فرہنگی سفارت، جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد، ط ۲، ۱۳۸۲ھ
۶۶۶۔ نواب صاحب، ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی، دار ابن حزم بیروت، ط ۱، ۱۴۲۲ھ
۶۶۷۔ نووی، یحییٰ بن شرف، ابوزکریا محی الدین، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیت الافکار الدولیۃ، اردن، ط ۵، ۲۰۰۷ء
۶۶۸۔ ایضاً، تہذیب الاسماء واللغات، دار الفکر، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۶ھ
۶۶۹۔ ایضاً، تقریب النواوی مع تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط ۲، ۱۴۱۵ھ
۶۷۰۔ ایضاً، المنتخبۃ من کلام سید الابرار ﷺ، دار ابن کثیر، دمشق، ط ۶، ۱۴۱۳ھ۔
۶۷۱۔ ایضاً، المجموع شرح المہذب، دار الفکر، بیروت
۶۷۲۔ نیشاپوری، حسن بن محمد، عقلاء المجانین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱، ۱۴۰۵ھ
۶۷۳۔ نیشاپوری، عبداللہ بن علی، امام، المنتقیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۷ھ

۶۷۴۔ نیشاپوری، محمود بن ابی الحسن، ایجاز البیان عن معانی القرآن، مکتبۃ التوبۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۶۷۵۔ ایضاً، الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۵ھ
۶۷۶۔ ایضاً، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ
۶۷۷۔ ایضاً، اسباب نزول القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ
۶۷۸۔ وحید الزمان، علامۃ، تیسیر الباری شرح صحیح البخاری: تاج کمپنی پاکستان
۶۷۹۔ ایضاً، لغات الحدیث، نور محمد کتب خانہ، کراچی، س ن
۶۸۰۔ وحید الزمان خان، فوائد سنن ابن ماجہ علی ھامش سنن ابن ماجہ، مطبوعہ مہتاب کمپنی، لاہور، س ن
۶۸۱۔ وھبہ زحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۲ء
۶۸۲۔ وکیع بن الجراح، امام، کتاب الزھد، دار الصمیعی، الریاض، ط۲، ۱۴۱۵ھ
۶۸۳۔ ھاشمی، عبد المنعم، عصر الصحابۃ، دار ابن کثیر بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۶۸۴۔ ھانز وبر، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرہ، مطبوعہ مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۸۰ء
۶۸۵۔ ھجویری، علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، الطبعۃ ۱۳۸۷ھ
۶۸۶۔ ھروی، احمد بن محمد، ابو عبید، الغریبین فی القران والحدیث، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۶۸۷۔ ھروی، علی بن سلطان محمد، امام، شرح شرح نخبۃ الفکر فی مصطلحات اھل الأثر، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت
۶۸۸۔ ھمدانی، محمد بن محمد، ابو الفتوح، الطائی، کتاب الاربعین، در البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۶۸۹۔ ھندی، علی بن ابی بکر، ابو الحسن نور الدین، کنز العمال فی سنن الافعال والاقوال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
۶۹۰۔ ھیتمی، ابن حجر، احمد بن محمد، امام، اسنی المطالب فی صلۃ الاقارب، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۶۹۱۔ ایضاً، اشرف الوسائل الی فھم الشمائل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۶۹۲۔ ایضاً، الدر المنضود فی الصلاۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود صلی اللہ علیہ وسلم، دار المدینۃ المنورۃ، ط۲، ۱۴۱۶ھ
۶۹۳۔ ایضاً، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ، مطبوعۃ مکتبۃ القاھرۃ، مصر، ط۲، ۱۳۸۵ھ
۶۹۴۔ ھیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، حافظ، بغیۃ الباحث فی زوائد مسند الحارث، تحقیق: مسعد السعدنی، دار الطائع القاھرۃ
۶۹۵۔ ایضاً، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء
۶۹۶۔ ایضاً، کشف الاستار عن زوائد البزار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ
۶۹۷۔ ایضاً، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۶۹۸۔ ایضاً، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۶۹۹۔ ایضاً، المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۷۰۰۔ ایضاً، موارد الظمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۷۰۱۔ یافعی، عبداللہ بن اسعد، یمنی، خلاصۃ المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور

۷۰۲۔ ایضاً، روض الریاحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۷۰۳۔ ایضاً، مرأۃ الجنان، مؤسسۃ الاعلمی مطبوعات، بیروت، ۱۳۹۰ھ

۷۰۴۔ یاقوت حموی، ابوعبداللہ، شھاب معجم البلدان والجبال والاودیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء

۷۰۵۔ یحصبی، عیاض بن موسیٰ، ابوالفضل، مشارق الانوار علی صحاح الآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۷۰۶۔ یسوعی، لویس معلوف، المنجد، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، لبنان، الطبعۃ، لبنان، ط۱۲، ۱۳۹۴ھ

۷۰۷۔ یمنی، ابوبکر بن علی، الحداد، الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۷۰۸۔ یوسف فرحات، الدکتور، دیوان الامام علی بن ابی طالب: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، دار الکتاب العربی، ط۶، ۱۴۲۰ھ

۷۰۹۔ یوسف بن عبداللہ، الوابل، اشراط الساعۃ، دار ابن الجوزی، الدمام، ط۹، ۱۴۱۸ھ ۱۹۷۵ء

۷۱۰۔ دروس البلاغہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۷۱۱۔ سیر الصحابۃ، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۳۵۶ھ

۷۱۲۔ فتاویٰ عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

☆☆☆☆☆

شرح قصیدہ بردہ (خرپوتی)

تالیف

العلامہ عمر بن احمد الخرپوتی

مترجم

شاہ محمد چشتی

پروگریسو بکس لاہور
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795